

فتاویٰ ملک العلماء

مَلِكُ الْعُلَمَاءِ شَاهِ مُحَمَّدُ ظَفَرُ الدِّينِ قَالَانِي رِضْوِي عَلَيْهِ السَّلَامُ

ترتیب و تقدیم
ساحل سہسرامی (ملک)

مرتب اعزازی
نبیرہ ملک العلماء ڈاکٹر طارق مختار
ترغیب و تشویق
پیرزادہ اقبال احمد فاروقی ایم اے
ایڈیٹر جہان رضا لاہور

فتاویٰ ملک العلماء

مَلِكُ الْعِلْمِ شَاهِ مُحَمَّدُ ظَفَرُ الدِّينِ قَانَدِي رَضَوِي مَلِكُ الْحَجَرِ

ترتیب و تنقید
ساحل سہیل سہیل (ملک)

مرتب اعزازی
نبیرہ ملک العلماء ڈاکٹر طارق مختار
ترغیب و تشویق
بیرزادہ اقبال احمد فاروقی ایم اے
ایڈیٹر ایمان رضا لاہور

جملہ حقوق بحق ناشر رجسٹری شدہ محفوظ ہیں

نام کتاب:

نافع البشر فی فتاویٰ ظفر (۱۳۴۹ھ)

فتاویٰ ملک العلماء (۲۰۰۵ء)

مصنف:

ملک العلماء الشاہ محمد ظفر الدین رضوی قادری (م ۱۹۶۲ء)

موضوع کتاب:

فتاویٰ بہ فقہ حنفیہ

سال تصنیف:

۱۳۴۹ھ

سال طباعت:

۱۴۲۶ھ - ۲۰۰۵ء

ترتیب و تقدیم:

علامہ ساحل شہرامی (علیگ)

ترغیب و تشویق:

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

مقدمہ و کلمات تکریم:

ڈاکٹر مختار الدین احمد (علی گڑھ)

ناشر:

ارشاد احمد رضوی ساحل شہرامی - الجمع الرضوی بریلی شریف

تعداد:

۱۱۰۰

صفحات:

۵۱۲

قیمت:

۳۰۰ روپے

تقسیم کاران کتاب

الجمع الرضوی:

۱۸۲ محلہ سوداگران بریلی شریف

مکتبہ نعیمیہ:

نیا محل جامع مسجد دہلی

کتب خانہ مجددیہ:

۴۲۵ نیا محل جامع مسجد دہلی

مکتبہ نبویہ:

گنج بخش روڈ لاہور پاکستان -

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا:

ریگل چوک کراچی پاکستان

پاکستان میں رابطہ آفس

مکتبہ نبویہ - گنج بخش روڈ - لاہور

0300-4235658

شرفہ انتساب

فقہائے احناف خصوصاً

- ☆ سراج الامۃ امام اعظم ابو حنیفہ نعمان ابن ثابت رضی اللہ عنہ
- ☆ عطائے رسول خواجہ سید معین الدین حسن چشتی حنفی رضی اللہ عنہ
- ☆ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری حنفی قدس سرہ
- ☆ فقیہ اعظم ہند علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی حنفی علیہ الرحمہ

کی بارگاہِ قدس میں نذر گدایانہ

چہ از صفائے ارادت زخم بمہر تو دم
ضمیر پاک ، دل روشنت گواہ من است

گدائے بے نوا

ساحل

تقریظ جلیل

تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا خان قادری ازہری

قائم مقام مفتی اعظم ہند، بریلی شریف

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

پیش نظر فتاویٰ ملک العلماء حضرت علامہ شاہ مفتی محمد ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمہ کے ہیں۔ حضرت ملک العلماء میرے جدا مجید اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ کے خاص فیض یافتہ تلمیذ، مستر شہداء و خلیفہ ہیں جنہوں نے اپنی پوری زندگی اعلیٰ حضرت کے مسلک عشق و محبت یعنی سنیت کی ترویج و اشاعت میں گزاری۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بھی حضرت ملک العلماء کے ساتھ ہمیشہ خصوصی شفقت کا معاملہ رکھا۔ اپنے مشہور قصیدہ ”الاستمداد“ میں فرماتے ہیں۔

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے

اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

آج ملک العلماء کے مرتب فتاویٰ دیکھ کر دل و دماغ میں ان کی یاد پھر سے تازہ ہو گئی اور دل کو بے حد مسرت کا احساس ہوا۔ اپنی عالمت کے سبب اس مجموعہ فتاویٰ کو خود تو پڑھ نہ سکا لیکن ان فتاویٰ کے مرتب عزیز القدر مولانا ارشاد احمد رضوی مصباحی ساحل شہرامی سلمہ سے کچھ اقتباسات اور ذیلی عنوانات سنے۔ جس قدر فتاویٰ میں نے سنے، خوب ہیں۔ مرتب نے مجھے بتایا کہ بیشتر فتاویٰ اس دور کے ہیں، جب ملک العلماء بریلی شریف میں قیام رکھتے تھے۔ حضرت ملک العلماء کے چھ گراں قدر فقہی رسالے بھی اس میں شامل ہیں جو اس مجموعے کی افادیت کو دوچند کرتے ہیں۔

ملک العلماء کے ان چند منتشر فتاویٰ کو مرتب سلمہ نے بہت کاوش سے مرتب کیا ہے اور اس پر ایک مبسوط تقدیم بھی تحریر کی ہے جو فقہ کی تعریف، تاریخ وغیرہ اور ملک العلماء کی نقاہت کے گوشوں کو محیط ہے۔ یہ تقدیم بہت معلوماتی اور شائقین فقہ کے لیے کارآمد ہے۔

اللہ تعالیٰ مرتب موصوف کو اس فقہی خدمت پر جزائے خیر دے اور دین و سنیت کی مزید خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مجموعہ فتاویٰ کو مقبول عام اور مفید نام بنائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

المفتی محمد اختر رضا خان قادری

الفقیر محمد اختر رضا القادری الازہری غفرلہ

کلمات تکوین

پروفیسر مختار الدین احمد

وائس چانسلر مظہر الحق عربی فارسی یونیورسٹی، پٹنہ
وسابق صدر شعبہ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

والد ماجد ملک العلماء حضرت مولانا شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمہ علم و فضل، زہد و تقویٰ میں معاصرین ایک ممتاز شناخت رکھتے تھے۔ انہیں یہ امتیاز بارگاہ الہی سے عطا ہوا تھا اور اس کے حصول میں ان کے مربی اور مرشد امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمہ کی بابرکت صحبت اور تربیت کا خاصا دخل تھا۔ فاضل بریلوی کی ممتاز ترین شناخت ان کی فقاہت اور فتویٰ نویسی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ان کی بیشتر تصانیف کسی نہ کسی استفتا کا جواب ہیں۔ اس لئے والد ماجد بھی ان کے فیض یافتہ ہونے کی وجہ سے فقاہت کا خاص رنگ اور فتویٰ نویسی کی گہری بصیرت رکھتے تھے۔ دنیا انہیں ایک ماہر ہیئت داں، محدث، خطیب اور مناظر کی حیثیت سے پہچانتی رہی لیکن ان کی فقیہانہ بصیرت کی روشن دستاویز باضابطہ طور سے آج پہلی بار منظر عام پر آرہی ہے۔

والد ماجد علیہ الرحمہ نے فتویٰ نویسی کا آغاز اپنی طالب علمی کے زمانے سے ہی کر دیا تھا۔ ان کا سال فراغ ۱۳۲۵ھ ہے اور انہوں نے پہلا فتویٰ ۸ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ کو تحریر فرمایا، جب وہ فاضل بریلی کی بارگاہ میں حاضر ہو کر درس حدیث لینے اور فتویٰ نویسی سیکھنے میں مصروف تھے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد والد ماجد کی علمی مصروفیات میں گونا گوں اضافہ ہو گیا لیکن فتویٰ نویسی سے رشتہ اخیر دم تک قائم رہا، گرچہ وقفے کے ساتھ ہی رہی۔ لیکن قیام بریلوی کے ابتدائی سالوں کے علاوہ دنوں کے فتاویٰ کی نقلیں محفوظ نہ رکھی جاسکیں۔ اس میں ملک العلماء کی نقل مکانی کا دخل رہا۔ وہ بریلی اور پٹنہ دو جگہ ہی زیادہ رہے، ورنہ اور سالوں میں قریب قریب سیمابنی کیفیت رہی۔ بعد کے زمانے کے صرف وہی فتاویٰ محفوظ رہ سکے جو کتاب اور رسالے کی صورت اختیار کر گئے۔ چنانچہ زیر نظر مجموعے میں بھی شامل کئی رسائل بعد کے زمانوں کی یادگار ہیں۔

والد ماجد کے فتاویٰ کے دور رجسٹرنا چیز نے اپنے ذوق و شوق سے نوعمری کے زمانے میں نقل کئے تھے جب میں عربی فارسی کی ابتدائی درجات کا طالب علم تھا اور ہنوز مدرسے میں داخل نہیں ہوا تھا۔ اس کے ابتدائی صفحات میں حضرت ملک العلماء نے جا بجا اپنے قلم سے اصلاحات دی ہیں۔ جہاں جہاں مجھ سے الفاظ اور جملے نہیں پڑھے گئے، وہاں میں نے سادہ جگہ چھوڑ دی تھی۔ بعد میں جب شعور پختہ ہوا اور ان مقامات کی درستگی کی جانب توجہ کی تو والد ماجد کے دست مبارک کا تحریر فرمودہ اصل مسودہ مجھے دستیاب نہ ہو سکا جس سے میں نے یہ رجسٹریار کئے تھے۔ اس لئے وہ سادہ مقامات جوں کے توں رہ گئے۔ بعد میں کوئی مناسب آدمی نہ مل سکا جو ان کو درست کر کے

مرتب کرتا۔ بالآخر عزیز گرامی مولانا ارشاد احمد رضوی ساحل شہرامی، ریسرچ اسکالر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے نام اس کارسید کا قرعہ فال نکلا اور انہوں نے بڑی جانفشانی اور خوبی کے ساتھ اس 'ہفت خواں' کو طے کر لیا۔ اس سلسلے میں ان کے سپردانزر برخوردار ڈاکٹر طارق مختار سلمہ نے بھرپور تعاون کیا اور مسودات و مواد کی فراہمی میں ان کی قدم قدم پر رہنمائی کی۔

مجھے بے حد مسرت ہے کہ والد ماجد کی یہ قیمتی یادگار ان لے وصال کے چالیس سال بعد گوشہ گم نامی سے نکل کر منظر عام پر آ رہی ہے۔ اس گرامی کارنامے پر میں صمیم قلب کے ساتھ اپنے دونوں عزیزوں کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور بارگاہ رب العزت میں دعا کرتا ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ ان کی گرامی خدمات کو قبول فرمائے اور مزید درمزید سعادتوں کی توفیق بخشے۔ آمین!

مختار الدین احمد

ناظمہ منزل ۴/۲۸۶، سول لائن

امیرنشاں روڈ، علی گڑھ

نقرب

مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی

صدر شعبہ افتاء، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً ومصلياً ومسلماً

جامع علوم عقلیہ و نقلیہ، ملک العلما، ابوالبرکات، حضرت مولانا ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان اہل سنت و جماعت کے ممتاز عالم، جلیل القدر محدث، زبردست مناظر، بلند پایہ محقق، نامور مصنف، بالغ نظر فقیہ اور ماہر مفتی تھے۔ ان خوبیوں کی وجہ سے آپ ملک کے صف اول کے علما میں شمار کئے جاتے ہیں۔

فقہ و فتویٰ نویسی میں آپ کی ثقاہت و مہارت کے ثبوت کے لئے یہ سند کافی ہے کہ آپ نے عالم اسلام کے عبقری فقیہ اور فقید المثال مفتی اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زیر سایہ رہ کر فتویٰ نویسی کی تربیت حاصل کی اور پچپن سال تک اپنے فتاویٰ کے ذریعہ آپ خلق خدا کو فیضیاب کرتے رہے۔

مقدمہ صحیح البہاری میں ہے: ”مولانا (ظفر الدین رحمۃ اللہ علیہ) نے فاضل بریلوی سے صحیح بخاری شریف پڑھنی اور فتویٰ نویسی سیکھنی شروع کی“۔ (۱/۷)

اسی میں ہے: ”ان کی (حضرت ملک العلما کی) تدریسی زندگی کا آغاز بھی مدرسہ منظر اسلام بریلی ہی سے ہوا، جہاں ان کی تعلیم کی تکمیل ہوئی۔ تقریباً چار سال تک وہ وہاں درس دیتے رہے اور فاضل بریلوی کی ہدایت پر فتویٰ نویسی کی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔ اس زمانے میں جو فتاویٰ انہوں نے لکھے، ان میں سے کچھ کی نقلیں نافع البشر فی فتاویٰ ظفر میں موجود ہیں“۔ (۸/۱)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ اپنے ایک مکتوب میں رقم طراز ہیں: ”مولانا مولوی ظفر الدین صاحب قادری سلمہ فقیر کے یہاں کے اعز طلبہ سے ہیں اور میرے بجان عزیز۔ ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسہ میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتاء میں میرے معین ہیں (۱) سنی خالص مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں (۲) عام درسیات میں بفضلہ تعالیٰ عاجز نہیں (۳) مفتی ہیں (۴) مصنف ہیں (۵) واعظ ہیں (۶) مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں (۷) علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں“۔

(مقدمہ صحیح البہاری، پروفیسر مختار الدین احمد دام مجد، ص ۲۱)

ایک مفتی کو درج ذیل اوصاف کا حامل ہونا ضروری ہے

(۱) مذہب کے متون، شروح، فتاویٰ پر اس کی گہری نظر ہو، ساتھ ہی استحضار ہو

(۲) عرفِ ناس و حالات زمانہ سے باخبر ہو

(۳) سوال فہم ہو، سائل کے خلجان اور اس کی الجھن کو سمجھ سکے

(۴) جواب تحقیق کے ساتھ لکھے اور مذہب کے جزئیات مفتی بہا سے استناد کرے

(۵) جواب مسئلہ کے تمام ضروری گوشوں کو حاوی و محیط ہو

(۶) اس بات پر بھی نظر رکھے کہ سائل یا کوئی بد مذہب اس کے فتوے سے غلط فائدہ حاصل نہ کر سکے

ان امور کی روشنی میں جب ہم حضرت کے فتاویٰ کا جائزہ لیتے ہیں تو آپ ان تمام اوصاف کے جامع نظر آتے ہیں اور کیوں نہ ہو کہ آپ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی درس گاہ کے تربیت یافتہ ہیں۔ یہ شواہد اس امر کی دلیل ہیں کہ حضرت ملک العلماء رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے ایک ذمہ دار مفتی تھے اور آپ کے فتاویٰ ہمارے لئے سند و حجت ہیں۔

حضرت علیہ الرحمۃ کے مشاغل علمیہ مختلف انواع کے تھے۔ زیادہ وقت درس و تدریس کی مصروفیات میں گزرا۔ اسی میں کچھ وقت نکال کر فتویٰ نویسی کی خدمت بھی انجام دیتے، اس لئے آپ کے فتاویٰ کی تعداد کوئی زیادہ نہیں، لیکن جو کچھ بھی ہے وہ بجائے خود اہم اور معتمد و مستند ہے۔ آپ کے انہیں فتاویٰ کا ایک مختصر مجموعہ بنام ”فتاویٰ ملک العلماء“ عزیز اسعد جناب مولانا ارشاد احمد رضوی مصباحی (ساحل شہسرامی، علیگ) صاحب دام مجد ہم کی مساعی جمیلہ سے نظارہ خلق ہو رہا ہے۔

اس مختصر مجموعے میں بارہ فقہی ابواب ہیں:

- (۱) کتاب الطہارۃ - ۳ (۲) کتاب الصلوٰۃ - ۳۲ (۳) کتاب الزکوٰۃ - ۵ (۴) کتاب الصوم - ۶ (۵) کتاب النکاح - ۲۱
- (۶) کتاب الطلاق - ۹ (۷) کتاب السیر - ۵ (۸) کتاب الوقف - ۴ (۹) کتاب القضا - ۱ (۱۰) کتاب الاضحیہ - ۸ (۱۱) کتاب الحظر والاباحۃ - ۲۶ (۱۲) کتاب الفرائض - ۶ (۱۳) ضمیمہ - ۴ = ۱۳۰

اس میں حضرت ملک العلماء کے چھ فقہی رسالے بھی شامل ہیں، جو یہ ہیں:

(۱) تنویر المصباح للقیام عند حتی علی الفلاح (۱۳۳۰ھ)

(۲) عید کا چاند (۱۳۷۰ھ)

(۳) تحفۃ الاحباب فی فتح الکوة والباب (۱۳۳۶ھ)

(۴) اعلام المساجد بصرف جلود الاضحیۃ فی المساجد (۱۳۲۵ھ)

(۵) نصرة الاصحاح باقسام ایصال الثواب (۱۳۵۴ھ)

(۶) مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس (۱۳۲۴ھ)

کتاب کے آغاز میں فاضل مرتب کا طویل مقدمہ شامل ہے جس میں حضرت ملک العلماء کے حالات طیبات، فقہ و افتا کی اجمالی تاریخ اور ترتیب کی تقریب کا تذکرہ ہے۔ اس کے ذیلی عناوین سے اندازہ ہوا کہ فاضل مرتب سلمہ نے اس مقدمہ کو بڑی جانفشانی کے ساتھ قلم بند کیا ہے اور اسے جامع اور خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش کی ہے۔

فتاویٰ ملکہ العلماء کے مرتب اور مقدمہ نگار محبت مکرم جناب مولانا ارشاد احمد رضوی صاحب زید علمہ، ملک کی مشہور درسگاہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے فاضل، ایک باصلاحیت عالم دین ہیں۔ کئی سال تک جامعہ اشرفیہ کے مدرس و مفتی رہے پھر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ چلے گئے۔ یہاں انہیں حضرات سادات مارہرہ مطہرہؒ کے زیر سایہ مزید پروان چڑھنے کا موقع نصیب ہو گیا۔ یہ ان حضرات کی برکت ہے کہ چند سالوں میں انہوں نے کئی ایک قابل قدر کارنامے انجام دے۔ انہیں میں سے ایک فتاویٰ ملکہ العلماء کی ترتیب بھی ہے۔

مولانا ایک اچھے قلم کار ہونے کے ساتھ ساتھ فتویٰ نویسی کا ذوق اور تجربہ بھی رکھتے ہیں۔ اس لئے انہیں فتاویٰ کو مرتب کرنے کا بجا طور پر حق تھا اور قارئین محسوس کریں گے کہ مولانا نے حق ترتیب بخوبی ادا کیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے محبوب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے مولانا کی یہ سعی مشکور فرمائے، انہیں صحت و عافیت کے ساتھ شاد و آباد رکھے، ان کے علم، عمر، فضل، اقبال، اشغال میں برکتیں دے اور ان سے بیش از بیش دین حنیف کی خدمات جلیلہ مقبولہ لے اور جملہ اہل سنت کی طرف سے انہیں فتاویٰ ملکہ العلماء کی ترتیب و اشاعت کے صلے میں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

محمد نظام الدین الرضوی

۳ جمادی الآخرہ ۱۴۲۴ھ / ۳ اگست ۲۰۰۳ء (دوشنبہ)

☆ مارہرہ مطہرہ میں بلگرام کے زیدی سادات کی ایک شاخ دسویں صدی ہجری کے اخیر میں آکر سکونت پذیر ہوئی۔ تاجدار سلسلہ برکات تہ سید شاہ برکت اللہ عتقیؒ کی مارہروی قدس سرہ کے قدوم مینست لزوم کی برکت سے اس خطہ پاک کو عالمگیر شہرت حاصل ہوئی۔ اس خاندان ذیشان کے فرد جلیل خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول احمدی قدس سرہ کے دست اقدس پر امام اہل سنت اعلیٰ حضرت ابام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ بیعت ہوئے۔ عصر رواں میں قادری سلسلے کی اس عظیم خانقاہ کی نمائندگی سید شاہ آل رسول حسنین میاں نظمی، پروفیسر سید شاہ محمد امین میاں قادری سجادہ نشینان خانقاہ برکات تہ اور سید محمد اشرف قادری برکاتی دامت برکاتہم القدسیہ فرما رہے ہیں۔ ناچیز انہیں بزرگوں کے سایہ کرم میں سعادتوں کے ذخیرے سمیٹ رہا ہے۔ ۱۲ ساحل

☆ ☆ ۲۰۰۱ء کے وسط سے ۲۰۰۳ء کے اخیر تک حضرت امین ملت کی سرپرستی میں ناچیز کو درج ذیل تصانیف و تراجم رقم کرنے کی توفیق ارزانی ہوئی، فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

صفحہ ۲۰۰	۱. شاہ حقانی کا اردو ترجمہ و تفسیر قرآن، ایک تنقیدی و تحقیقی جائزہ
۲۴۸	۲. مولانا سید شاہ غیاث الدین حسن شریفی - حیات اور شاعری
۱۲۰	۳. حضرات محمد ثین کے اخلاق کریمانہ
۲۰۰	۴. حضرت صادق شہسراوی - حیات اور شاعری
۷۰۰	۵. کاشف الاستار شریف (ترجمہ و تقدیم)
۸۰	۶. النور والہیاء لاسانید الحدیث و سلاسل الاولیاء (ترجمہ)
۴۰۰	۷. ایم اے عربی کی نصابی نظموں کا ترجمہ
۵۱۲	۸. فتاویٰ ملکہ العلماء (ترتیب و تقدیم)

حضرت ملک العلماء اور ان کے فتاویٰ

ساحل شہرامی (علیگ)

ملک العلماء حضرت مولانا شاہ محمد ظفر الدین قادری برکاتی رضوی قدس سرہ (۱۳۰۳ھ-۱۳۸۲ھ) اپنے عہد کے ممتاز عالم دین، اسلامی دانشور، تدبر آتنا فقیہ، نکتہ سنج مفتی، دقیقہ رس مصنف، ماہر مدرس اور سراپا خلوص، مرتاض پیشوائے طریقت تھے۔ بچپن ہی سے آثار کرامت آپ کی پیشانی سعادت پر درخشاں تھے۔ پھر جب اس گلستان فکر کو امام احمد رضا کی فضائے نو بہار میسر آ گئی تو اس کی شادابی اور درخشاںی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔

حضرت ملک العلماء کے مورث اعلیٰ سید ابراہیم بن سید ابو بکر غزنوی ملقب بہ مدار الملک و مخاطب بہ ملک بیا ہیں۔ ان کا نسب نامہ ساتویں پشت میں حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ سید ابو بکر غزنوی کے رہنے والے تھے، آپ غزنی سے تین فرہنگ کے فاصلے پر مقام بت نگر میں مدفون ہیں۔ سید ابراہیم غزنی سے سلطان فیروز شاہ کے عہد (۷۵۲-۷۹۰ھ) میں ہندوستان پہنچے اور یہاں آ کر شاہی فوج میں ملازم ہو گئے۔ وہ عمر بھر جنگی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے اور بالآخر ۱۳ رذوالحجہ ۷۵۳ھ کو قلعہ رہتاس (شاہ آباد، شہرام، بہار) کی جنگ میں شہید ہوئے۔ قصبہ بہار شریف کی ایک بلند پہاڑی پر سید صاحب کا مقبرہ ہے جس پر قدیم عالی شان گنبد تعمیر ہے۔ سید ابراہیم کا سلسلہ چھ واسطوں سے حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک اس طرح پہنچتا ہے:

۱- سید ابو بکر غزنوی بن ۲- سید ابوالقاسم عبداللہ بن ۳- سید محمد فاروق بن ۴- ابوالمنصور عبدالسلام بن ۵- سید عبدالوہاب بن ۶- غوث الثقلین حضرت سیدنا الشیخ محی الدین عبدالقادر حسنی حسینی جیلانی قدس سرہام۔

(حیات اعلیٰ حضرت ا/د)

حضرت ملک العلماء کی ولادت مبارکہ ۱۰ محرم الحرام ۱۳۰۳ھ / ۱۹ اکتوبر ۱۸۸۰ء کو صبح صادق کے وقت موضع رسول پور میجر اضلع نالندہ، بہار میں ہوئی۔ والد ماجد ملک عبدالرزاق اشرفی علیہ الرحمۃ نے خاندانی طرز کے مطابق چار سال، چار مہینہ، چار دن کی عمر (۱۳۰۷ھ) میں اپنے مرشد گرامی شاہ چاند پتھوی کے دست مبارک سے آپ کی بسملہ خوانی کرائی۔ ابتداء والد ماجد کی آغوش تربیت میں رہے پھر قرآن حکیم اور اردو فارسی کی کتابیں حافظ مخدوم اشرف، مولوی کبیر الدین اور مولوی عبداللطیف سے پڑھیں۔ پھر اپنے نانیہال موضع بین ضلع پٹنہ کے مدرسہ غوثیہ حنفیہ میں ۱۳۱۲ھ میں داخلہ لیا جہاں تفسیر جلالین اور میرزا ہدایت کی کتابوں کا درس لیا۔ مدرسہ غوثیہ حنفیہ کے اساتذہ نے آپ کی ذہانت دیکھتے ہوئے بہت شفقت کے ساتھ آپ کی تعلیم کا نظم فرمایا۔ آپ وہاں ان اساتذہ کے زیر تربیت رہے:

۱- مولانا شیخ محی الدین اشرف - ۲- مولانا شیخ بدر الدین اشرف - ۳- مولانا مہدی حسن میجر وی - ۴- مولانا فخر الدین حیدر - ۵- مولانا محمد منعم - ۶- مولانا معین اظہر رئیس موضع بین - ۷- مولوی محمد ابراہیم - ۸- حافظ محمد

اسماعیل بہاری۔ ۹۔ غشی اکرام الحق۔

قاضی عبدالودود کے والد ماجد قاضی عبدالوحید صدیقی فردوسی رئیس لودی کٹرہ و خلیفہ امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہما (۱۲۸۹ھ-۱۳۲۶ھ) نے ۱۳۱۸ھ میں پٹنہ کی سرزمین پر ایک عظیم الشان کانفرنس بلائی جو تحریک ندوہ کے اسلام مخالف نظریات کا تردیدی پس منظر رکھتی تھی۔ اس کانفرنس میں امام احمد رضا قادری برکاتی بنفس نفیس شرکت کے لئے پٹنہ تشریف لے گئے جہاں دیگر اکابر علمائے اہل سنت بھی جلوہ افروز تھے۔ اسی موقع سے قاضی عبدالوحید فردوسی علیہ الرحمۃ نے ایک سنی ادارے کی داغ بیل ڈالی، نام رکھا مدرسہ حنفیہ۔ اس ادارے کے لئے قابل اساتذہ کا انتخاب کیا جن میں مسند وقت حضرت علامہ شاہ وصی احمد محدث سورتی قدس سرہ (متوفی ۱۳۳۴ھ) بھی شامل تھے۔ مرحوم فردوسی نے اسی ادارے سے ایک علمی رسالہ ”تحفہ حنفیہ ملقب بہ مخزن تحقیق“ جاری کیا جو عرصہ دراز تک علم و فن اور دین و سنیت کی گرانقدر خدمات انجام دیتا رہا۔

حضرت ملک العلماء نے جب اس مدرسے کی شہرت اور حضرت محدث سورتی کا چرچا سنا تو ۲۵ جمادی الآخرہ ۱۳۲۰ھ کو پٹنہ چلے آئے اور محدث سورتی کی خدمت میں رہ کر مسند امام اعظم، مشکوٰۃ شریف اور ملاح جلال پڑھی۔ کچھ دنوں کے بعد ہی محدث سورتی اپنی علالت سے مجبور ہو کر اپنے وطن پہلی بھیت تشریف لے گئے تو حضرت ملک العلماء بھی وہاں سے رخصت ہو کر کانپور پہنچے اور وہاں کے تین مدارس سے بیک وقت علمی فیوض حاصل کئے۔ ۱۔ مدرسہ امداد العلوم، بانس منڈی۔ ۲۔ مدرسہ احسن المدارس۔ ۳۔ دارالعلوم۔۔۔ یہاں کے اساتذہ میں شہرہ آفاق عالم مولانا احمد حسن کانپوری (متوفی ۳ صفر ۱۳۲۲ھ) اور مولانا عبید اللہ پنجابی (متوفی ۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ) قابل ذکر ہیں۔ حضرت ملک العلماء کانپور سے دوبارہ اپنے ممتاز استاذ حضرت محدث سورتی کی خدمت میں پہلی بھیت حاضر ہو گئے اور ان سے درس حدیث لیا۔ پھر ۱۳۲۱ھ میں بانس بریلی حاضر ہوئے اور مدرسہ مصباح التہذیب میں مولوی غلام یسین دیوبندی کے درس میں شریک ہوئے لیکن یہاں کی سنیت بیزار فضا سے جلد ہی ادب کر سرچشمہ علم و ادب اور مصدر عشق و محبت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر ان سے ایسے مانوس ہوئے کہ انہیں کے ہو کر رہ گئے بلکہ پوری زندگی ان کے مشن کی ترویج و اشاعت کے لئے وقف کر دی۔

حضرت ملک العلماء کے ذوق علم کی برکت ہے کہ امام احمد رضا نے آپ کے اصرار پر ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں مدرسہ منظر اسلام قائم فرمایا جس کا افتتاح ان دو طالب علموں سے ہوا:

۱۔ ملک العلماء مولانا ظفر الدین قادری رضوی۔ ۲۔ مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی۔ حضرت ملک العلماء نے امام احمد رضا سے بخاری شریف، اقلیدس کے چھ مقالے، تشریح الافلاک، تصریح، شرح چھمینی کا درس لیا اور فتویٰ نویسی کے آداب سیکھے اور اس طرح علم ہیئت، توقیت، جفر، تفسیر اور ریاضی جیسے نادر فنون میں کمال حاصل کیا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے سلوک کی ظاہری اور باطنی منزلیں بھی طے کیں۔ تصوف کی مشہور کتابیں رسالہ کشیریہ اور عوارف المعارف

کا سبقتاً سبقاً درس لیا، ذکر بالجہر، پاس انفاس کے باطنی آداب سیکھے۔ بالآخر آپ کی صفائے باطن سے متاثر ہو کر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ نے سال فراغ کے اخیر میں آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کی اجازت و خلافت مرحمت فرمائی۔

سال فراغ کے فوراً بعد حضرت ملک العلماء نے منظر اسلام، بریلی شریف میں تدریس، تصنیف اور افتا نویسی کا سلسلہ شروع کر دیا۔ زیر نظر مجموعہ فتاویٰ میں بیشتر فتاویٰ اسی زمانے کے ہیں۔ ۱۳۲۹ھ میں معززین شملہ کے اصرار پر شملہ تشریف لے گئے پھر علی الترتیب ان مدارس کی فضاؤں میں آپ کے پاکیزہ افادات گونجتے رہے۔

۱- مدرسہ حنفیہ، آرہ، بہار (۱۳۲۹ھ تا ۱۳۳۰ھ) - ۲- مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ (۱۳۳۰ھ تا ۱۳۳۲ھ) - ۳- مدرسہ خانقاہ کبیریہ، شہرام (۱۳۳۲ھ تا ۱۳۳۸ھ) - ۴- مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ (۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء تا ۱۹۵۰ء)

اخیر الذکر مدرسہ کے آپ ۱۹۳۸ء میں پرنسپل ہوئے اور ۱۹۵۰ء میں ریٹائر ہوئے۔ ریٹائرمنٹ کے ڈیڑھ دو سال بعد شاہ شاہد حسین درگاہی میاں سجادہ نشین بارگاہ عشق، میتن گھاٹ پٹنہ کی استدعا پر ۱۳۷۱ھ میں کٹیہار، بہار میں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کا افتتاح فرمایا اور اپنی کوششوں سے اسے کافی فروغ بخشا۔ جب یہ ادارہ مستحکم ہو گیا تو آپ ربیع الاول شریف ۱۳۸۰ھ میں اپنے دولت کدے ”ظفر منزل“ شاہ گنج پٹنہ آ گئے۔

پچپن سال کے طویل تدریسی ایام میں ہزاروں تلامذہ آپ کے سرچشمہ فیض سے سیراب ہوئے اور ایک عالم کو فیض یاب کیا۔ آپ نے اس دوران فتویٰ نویسی، وعظ و تلقین، تصنیف و تالیف، بیعت و ارشاد، مناظرہ اور قضا جیسے گونا گوں مشاغل سے رابطہ رکھا۔ ان کثیر مصروفیات کے ہجوم میں صوفیانہ اذکار کے لئے بھی آپ نے اوقات خاص کر رکھے تھے۔ قادر مطلق نے آپ کے اوقات میں عجب برکتیں دے رکھی تھیں لیکن اس ذیل میں آپ کے اوقات کی منضبط تقسیم کا بھی خاص داخل تھا۔

حضرت ملک العلماء عرصے سے فشار الدم کے مرض میں مبتلا تھے جس کی وجہ سے کافی نحیف ہو گئے تھے۔ اس عالم نقاہت میں بھی آپ کے معمولات شب و روز میں کوئی فرق نہ آیا۔ ریاضتوں کے وہی سلسلے تھے اور علمی مصروفیات بھی اپنی جگہ تھیں۔ بالآخر یکشنبہ کا دن گزار کر دو شنبہ کی شب میں ۱۹ جمادی الآخرہ ۱۳۸۲ھ/۱۸ نومبر ۱۹۶۲ء کو اسم ذات کا ذکر بالجہر کرتے ہوئے اس طرح پرسکون انداز میں اپنے محبوب حقیقی کے حضور حاضر ہو گئے کہ حاضرین کو کچھ دیر تک اس بات کا احساس بھی نہ ہو سکا کہ آپ لذت وصال سے شاد کام ہو چکے ہیں۔ دوسرے دن حضرت شاہ محمد ایوب شاہدی رشیدی سجادہ نشین خانقاہ اسلام پور ضلع پٹنہ (متوفی ۱۹۶۷ء) نے، جن سے حضرت کو فردوسی، شطاری وغیرہ سلاسل کی اجازت حاصل تھی، آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور درگاہ شاہ ارزاں (متوفی ۱۰۲۸ھ) کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

حضرت ملک العلماء علامہ محمد ظفر الدین قادری برکاتی رضوی قدس سرہ علم و فن کی بیشتر شاخوں پر دسترس رکھتے تھے خصوصاً علوم اسلامیہ میں امام احمد رضا کے علمی اور فکری جانشین تھے۔ علوم قرآن، تفسیر، اصول تفسیر، تجوید و قرأت، علوم حدیث، حدیث، اصول حدیث، فقہی علوم، فقہ، اصول فقہ، عقائد و تصوف، بلاغت، عروض، ادب، لغت، نحو و صرف، معانی و بیان، فلکیاتی علوم، نجوم، ہیئت، توحید، تفسیر، جفر، رمل، عقلی علوم منطق، فلسفہ، ریاضی جیسی علمی شاخوں سے آپ کو نہ صرف واقفیت بلکہ ان پر دسترس حاصل تھی۔ اس وسعت علمی پر ان کی تحریریں بہترین شہادت ہیں جن میں مذکورہ سبھی علوم کی چاندنی پھیلی ہوئی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو دبستان رضا کے خوشہ چیں جو ٹھہرے۔ آپ کی اس علمی لیاقت کا اکرامی اعتراف خود آپ کے مربی اور مشفق، استاذ اور مرشد، عبقری الشرق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ نے فرمایا ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت، انجمن نعمانیہ لاہور کو ۵ شعبان المعظم ۱۳۲۸ھ کے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

”مکرمی مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہ فقیر کے یہاں کے اعز طلباء سے ہیں اور میرے بجان عزیز۔ ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسہ میں درس اور اس کے علاوہ تارافت میں میرے معین ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں، سب میں یہ زائد ہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا:

”سنی، خالص، مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں۔ عام درسیات میں بفضلہ تعالیٰ عاجز نہیں، مفتی ہیں، مصنف ہیں، واعظ ہیں، مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں، علمائے زمانہ میں علم توحید سے تنہا آگاہ ہیں۔ آپ کے مدرسے کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انہیں آپ کے لئے پیش کرتا ہے۔“

(حیات ملک العلماء ص ۷-۸ مطبوعہ لاہور)

ان تمام علوم میں چند شاخیں آپ کی خاص پہچان تھیں۔ ۱- علوم حدیث۔ ۲- فقہ و تصوف۔ ۳- عقائد و مناظرہ۔ ۴- ہیئت و توحید۔ ۵- اور سوانحی ادب۔

فقہ و تصوف پر آپ کو کس قدر عبور حاصل تھا، اس کی قدرے وضاحت کے لئے تو یہ مقدمہ ہی تحریر کیا جا رہا ہے۔ باقی گوشوں پر بھی ایک اجمالی نگاہ ڈالتے چلتے ہیں۔

علوم حدیث:

حضرت ملک العلماء نے بریلی شریف کے علاوہ جہاں بھی منصب تدریس سنبھالا وہاں علمی صدارت کی نشین آپ کی خدمت میں ہی پیش کی گئی۔ اسی لئے صحاح ستہ کا درس بھی ہمیشہ آپ کے ذمہ رہا۔ اس طور سے درس حدیث کی آپ نے پوری زندگی گرانقدر سعادت حاصل کی۔ وعظ و تذکیر میں کثرت کے ساتھ آپ حدیث شریف تلاوت کرتے اور اس کے قیمتی نکات بیان فرماتے۔ فتاویٰ اور مختلف تصانیف میں بھی آپ نے جس کثرت کے ساتھ احادیث طیبہ کے حوالے پیش کئے ہیں، وہ آپ کی اس علم شریف پر دسترس کا کافی ثبوت ہیں لیکن اس فن شریف میں

آپ کی سب سے انمول یادگار ہے ”جامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری“۔ چھ جلدوں میں آپ نے مذہب غنی کی مؤید احادیث کا ذخیرہ تیار کرنے کا منصوبہ بنایا اور ہر جلد میں دس ہزار احادیث کا اوسط رکھا۔ مصنف کی حیات میں اس کی صرف دوسری جلد چار قسطوں میں شائع ہو سکی جس کے اندر تقریباً دس ہزار احادیث مبارکہ کا ذخیرہ موجود ہے۔

اس عظیم الشان خدمت حدیث کو اہل علم کے ہر طبقے نے بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا اور اسے ایک مہتمم بالشان علمی کا رنامہ قرار دیا۔ اس گرانقدر علمی کارنامے کو خراج تحسین پیش کرنے والوں میں محدث سورتی مولانا وصی احمد پبلی بھیتی، مولانا عبدالقدیر پروفیسر حدیث و صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدر آباد، مولانا سید حیدر ولی اللہ قادری ناظم دارالعلوم لطیفیہ خانقاہ حضرت قطب ویلور کرناٹک، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالماجد دریابادی، غیر مقلد عالم ثناء اللہ امرتسری جیسی شخصیات شامل ہیں۔

اس کتاب کے مطالعہ کے بعد ہر شخص حضرت ملک العلماء کی علم حدیث میں مہارت اور اس کے مختلف گوشوں پر دسترس کی بھرپور شہادت دے گا۔ خاص طور سے ۲۵ صفحات پر پھیلا ہوا اس کتاب کا گرانقدر مقدمہ، اصول حدیث کا شاندار گلدستہ ہے جسے پڑھ کر ہر باذوق قاری جھوم اٹھتا ہے۔ حضرت کے یہ سارے حدیثی افادات محدث بریلی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے بحر علم کی چند قیمتی موجیں ہیں جس کا اعتراف خود حضرت ملک العلماء نے ان کلمات سے کیا ہے:

”هَذَا نَهْرٌ اصْغَرَ مِنَ الْبَحْرِ الْاَكْبَرِ مِنْ بَحَارِ عِلْمِ سَيِّدِي وَ شَيْخِي نَفَعْنَا بِسِرِّ كَاتِهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ“ (صحیح البہاری، کتاب الصلوٰۃ، ۱/۲۶)

عقائد و مناظرہ:

حضرت ملک العلماء کا دور معتقداتی معرکہ آرائیوں کا گرم ماگرم دور تھا۔ اہل سنت کی وحدت پارہ پارہ ہو رہی تھی اور لوگ بت نئے خیموں میں داخل ہوتے جا رہے تھے۔ ابن عبد الوہاب نجدی کے مسموم عقائد اسماعیل دہلوی کی تقویت الایمان کے ذریعہ متحدہ ہندو پاک کے خطوں میں پھیل رہے تھے۔ اس لئے ملت کے پاس بان بھی شیرازہ ملی کو سمیٹنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ اس خصوص میں اسماعیل دہلوی کے ہم درس اور مکتب شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے خاص فیض یافتہ علامہ فضل حق خیر آبادی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ آپ نے حمایت حق اور باطل کی سرکوبی کا جو مستحکم سلسلہ شروع کیا تھا اسی کی کڑیاں ملاتے ہوئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری نے بھی حق کی حمایت اور باطل کے خلاف محاذ آرائی کا سلسلہ چھیڑ رکھا تھا جس نے باطل کے منہ زور بڑھتے سیلاب پر کامیاب بند باندھا۔ حضرت ملک العلماء بھی مکتب رضا کے فیض یافتہ تھے اس لئے آپ نے بھی باطل سے مختلف محاذ پر لوہا لیا اور انہیں فاش شکستیں دیں۔ آپ کے مناظرے کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ حریف کو اسی کے اسلحے سے اس شائستگی سے زیر کرتے تھے کہ ذوق لطیف پر ذرا سی بھی خراش نہ آتی۔ شائستہ اور متین تنقید آپ کی پہچان کہی جاسکتی ہے۔

آپ نے وہابیت کی جملہ شاخوں غیر مقلدیت، دیوبندیت اور آریوں، مسیحی مشنریوں کے مبلغوں سے بہت کامیاب بحثیں کیں اور انہیں شکست سے دوچار کیا۔ آپ کا دور تو دیوبندیت اور وہابیت پر دار و گیر کا خاص دور تھا، اس لئے ان سے رزم آرائیاں تو تھیں ہی، آریہ سماجیوں اور عیسائی مشنریوں نے بھی بھولی بھالی عوام کو پھانسنے کے لئے جال پھیلا رکھا تھا۔ اس لئے علمائے اسلام ان کے خلاف بھی صف آرا ہوتے۔ ملک العلماء نے بھی اس محاذ پر اسلام کی پاسبانی کے حقوق ادا کئے۔ آپ جہاں کہیں حمایت حق کے لئے تشریف لے گئے، نصرت خداداد آپ کی رفیق رہی۔ آپ کی اسی فاتحانہ شوکت کو خفیقا نہ تحسین پیش کرتے ہوئے آپ کے شفیق مربی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ نے فرماتے ہیں۔

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

ملک العلماء کے صاحبزادے پروفیسر مختار الدین احمد لکھتے ہیں:

”مجھے یاد آتا ہے کہ میرے بچپن میں وہ (حضرت ملک العلماء) آریہ سماجیوں اور مسیحی مبلغین سے مناظرے کے لئے جلسوں میں بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ غیر مقلدین وغیرہم سے مناظرے کے لئے بھی وہ دور دراز کے علاقوں سے مدعو کئے جاتے تھے۔ ایک مناظرے کے لئے وہ برما بھی تشریف لے گئے تھے۔ (حیات ملک العلماء ص ۱۶)

حضرت ملک العلماء، اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے حکم پر فیروز پور میوات کے علاقے موضع جھرکا میں دیانہ سے مناظرے کے لئے تشریف لے گئے اور فتح یاب ہو کر بریلی شریف واپس ہوئے۔ ”اس موقع پر اعلیٰ حضرت نے ایک ادنیٰ جبہ عنایت فرمایا اور ارشاد فرمایا: یہ مدینہ طیبہ کا ہے۔ میں نے اسے دونوں ہاتھوں سے لے کر سر پر رکھا اور آنکھوں سے لگایا۔“ (حیات اعلیٰ حضرت ۱/۵۵)

اس مناظرے کی پوری روداد آپ کے مرتبہ رسالہ ”شکست سناہت“ (۱۳۲۶ھ) میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ اس موضوع پر اور بھی کئی رسالے آپ نے تصنیف فرمائے:

- ۱۔ الحسام المسلمون علی منکر علم الرسول (۱۳۲۳ھ) - ۲۔ بحم الکفرہ علی الکلاب الممطرۃ (۱۳۲۸ھ) - ۳۔
- البر اس لدفع ظلام کمناہاس (۱۳۲۹ھ) - ۴۔ رفع الخلاف من بین الاحناف (۱۳۳۲ھ) - ۵۔ کشف الستور عن
- مناظرۃ راپور (۱۳۳۴ھ) - ۶۔ ظفر الدین الجید (۱۳۲۳ھ) - ۷۔ گنجینہ مناظرہ (۱۳۳۴ھ) - ۸۔ ظفر الدین
- الطیب وغیرہ رسائل بھی مناظراتی تحریریں ہیں۔ زیر نظر مجموعے میں بھی کئی فتاویٰ مناظراتی انداز کے ہیں جن پر گفتگو
- ابھی آتی ہے۔ یہ تمام چیزیں حضرت ملک العلماء کے مناظراتی معیار فن کو متعین کرتی ہیں اور معتقداتی پہلوؤں اور تقابل
- ادیان کے وسیع اور متنوع علوم میں آپ کی دسترس کے شواہد فراہم کرتی ہیں۔

ہیت و توقیت:

یہ فنون حضرت ملک العلماء کی پہچان تھے اور آپ ان میں معاصرین کے درمیان یکتائے روزگار۔ اس امتیاز

کے لئے امام احمد رضا کی یہ شہادت کافی ہے:

”(مولانا محمد ظفر الدین قادری) علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔ امام ابن حجر کی زواجہ میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے اور اب ہند بلکہ عام بلاد میں یہ علم، علما بلکہ عام مسلمین سے اٹھ گیا۔ فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیا کیا اور سات صاحب بنانا چاہے، جس میں بعض نے انتقال کیا، اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ بیٹھے۔ انہوں نے بقدر کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع وغروب ونصف النہار ہر روز و تاریخ کے لئے اور جملہ اوقات ماہ رمضان شریف کے لئے بھی بناتے ہیں۔“ (حیات اعلیٰ حضرت ۱/۲۴۲)

حضرت ملک العلماء نے اس علم کو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بارگاہ میں رہ کر سیکھا اور اس میں مکمل مہارت حاصل کی۔ ہندوپاک کے دائمی اوقات صلوٰۃ تخریج کئے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے زبانی افادات اور اپنی ذاتی توضیحات کو یکجا کر کے کئی رسائل ترتیب دیئے: ۱۔ الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت معروف بہ توضیح التوقیت (۱۳۳۰ھ)۔ ۲۔ بدر الاسلام لمیقات کل الصلوٰۃ والصیام معروف بہ مؤذن الاوقات (۱۳۳۵ھ)۔ ۳۔ توضیح الافلاک معروف بہ سلم السماء (۱۳۴۰ھ)۔ ۴۔ مشرقی اور سمت قبلہ/مشرقی کا غلط مسلک (۱۳۵۸ھ) جیسی حضرت کی قیمتی تحریریں انہیں فنون سے تعلق رکھتی ہیں۔

توضیح التوقیت کی ترتیب کے سلسلے میں ملک العلماء اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

اعلیٰ حضرت قبلہ نے علم توقیت کے قواعد کتابی شکل میں مدون نہیں فرمائے۔ بلکہ میری تعلیم کے زمانے میں قواعد زبانی فرمایا کرتے تھے جس کو میں اردو زبان میں لکھ لیتا اور میرے دوست وہم سبق حکیم سید عزیز غوث صاحب بریلوی فارسی میں لکھ لیا کرتے اور شرکائے درس میں کوئی ان سے، کوئی مجھ سے سیکھا کرتا۔ بہر کیف! ایک زمانے تک وہ سب ردی پرزے کی شکل میں رہے۔ اس کے بعد میں نے بعض احباب کی فرمائش سے ان سب کو کتابی شکل میں جمع کر دیا اور اس کو آسان سے آسان تر کرنے کے لئے مثالوں کے علاوہ تشریح مقامات متعلقہ کے عنوانات سے ہر قاعدے کو اتنا واضح کر دیا کہ اس کتاب کو پیش نظر رکھ کر ہر شخص اس فن کو بہ آسانی گھر بیٹھا سیکھ سکتا ہے۔ کہیں شبہ ہو تو بذریعہ خط دریافت کر لینا کافی ہے۔“ (حیات ملک العلماء ص ۲۹)

حضرت نے نہ صرف یہ کہ اس علم کے افادات تحریری شکلوں میں عام کئے بلکہ اسے سفینوں کے ساتھ ساتھ سینوں میں بھی منتقل کیا اور کئی ایک نامور تلامذہ پیدا کئے۔ بہترے شائقین اس فن میں آپ سے خطوط کے ذریعہ استفادہ کرتے۔ ان مستفیدین میں مولانا حاجی محمد ظہور نعیمی مراد آباد اور مولانا مفتی سید محمد عظیم الاحسان ڈھاکہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ ان میں اول الذکر نے متحدہ ہندوپاک کے سارے مشہور مقامات کے اوقات صوم و صلوٰۃ ”ظہور الاوقات“ کے نام سے تخریج کئے ہیں۔ اس کتاب کا خاص وصف یہ ہے کہ اس میں ہر مقام کا سمت قبلہ بھی تحریر ہے۔ یہ اس قابل ہے کہ کوئی ادارہ اسے نئے انداز سے ایڈٹ کر کے شائع کرے۔

ان فنون میں آپ کے باضابطہ تلامذہ میں مولانا حافظ عبدالرؤف بلیاوی نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ

مبارک پور (متوفی ۱۹۷۱ء)، مفتی نظام الدین بلیاوی الہ آباد، اور مولانا یحییٰ بلیاوی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

سوانحی ادب:

حضرت ملک العلماء بہت شستہ اور نکھرا ادبی ذوق رکھتے تھے۔ آپ کی تحریریں چاہے جس موضوع سے تعلق رکھتی ہوں، بیان کی شائستگی اور لہجے کی شگفتگی سے آراستہ ہوتی ہیں۔ مناظرانہ اور تنقیدی تحریروں میں بھی کہیں سو قیانہ لب و لہجے کا دور دور تک پتہ نہیں چلتا۔ اسی شگفتہ نثر میں سیرت و سوانح کے موضوع پر بھی آپ نے قیمتی تحریریں چھوڑی ہیں۔

۱۔ شرح الشفا للقاضی عیاض (نامکمل) ۲۔ مولود رضوی (۱۳۶۰ھ) ۳۔ مبین الہدیٰ فی نفی امکان مثل المصطفیٰ (۱۳۲۲ھ) ۴۔ تنویر السراج فی ذکر المعراج (۱۳۵۳ھ) ۵۔ اعلام الاعلام باحوال العرب قبل الاسلام (۱۳۲۱ھ) ۶۔ خیر السلوک فی نسب الملوک (۱۳۳۳ھ) ۷۔ جواہر البیان فی ترجمۃ خیرات الحسنان (۱۳۳۳ھ) ۸۔ حیات اعلیٰ حضرت / مظہر المناقب (۱۳۶۹ھ) ۹۔ چودھویں صدی کے مجدد (۱۳۶۷ھ) ۱۰۔ الجمل المحدث والمتالیف المجدد (۱۳۲۷ھ) یہ ساری تحریریں آپ کے سوانحی ادب کا شاہکار ہیں۔

یوں تو حضرت کی ساری تصانیف اخلاص اور عقیدت کے جذبے سے سرشار ہو کر معرض تحریر میں آئیں لیکن مذکورہ بالا تصانیف میں عشق رسول اور محبت رضا کے شیریں جذبے کچھ زیادہ ہی نمایاں ہیں۔ شفاۃ قاضی عیاض کی عربی حاشیہ نگاری کا آغاز ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۲۲ھ بروز چہار شنبہ ہوا۔ اس کے آغاز میں لکھتے ہیں:

”انی نذرت للرحمن انہ لما تمت هذه الحاشية اصلي مائة ركعة ان شاء الله“

”میں نے خدا کے حضور نذر مانی ہے کہ جب یہ حاشیہ پایہ تکمیل کو پہنچے گا، اس وقت سو رکعت نمازیں شکرانہ نفل کی پڑھوں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ۱۲ سائل

مجدد ملت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ سے آپ کو بہت گہری عقیدت تھی۔ آپ نے امام احمد رضا کے اتباع رسول اور عشق مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی خوشبوؤں میں بے شب و روز دیکھے، ان کی شگفتگی، ہمدردیاں، انسانیت نوازی اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کا مشاہدہ کیا، علم و فن اور فکر و قلم کی عمق پریت ملاحظہ کی۔ اس لئے ان سے شیفتگی کے والہانہ جذبات انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔ ”من احب شیبثا اکثر ذکرہ“۔ محبوب کے ذکر سے روح کو بالیدگی ملا کرتی ہے۔ اس لئے امام احمد رضا کا ذکر بھی حضرت ملک العلماء کی تسکین روح کا سامان تھا۔ جلوت و خلوت بر جگہ امام احمد رضا کا ذکر جمیل حرز جاں رہتا۔ آپ کے خواجہ تاش، خلیفہ امام احمد رضا، مولانا سید شاہ غیاث الدین حسن شہرامی جب کبھی ”ظفر منزل“ پٹنہ تشریف لاتے تو پوری پوری رات اعلیٰ حضرت کے ذکر جمیل میں گزر جاتی۔ پروفیسر مختار الدین احمد کے لفظوں میں:

”رات کے کھانے کے بعد اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا والہانہ ذکر شروع ہوتا اور ان کے فضائل

و مناقب میں پوری رات گزر جاتی تھی۔ درمیان میں کبھی کبھی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف، تحریرات کے دفتر بھی کھل جاتے تھے اور عبارتیں پڑھی جاتی تھیں اور ان کے محاسن پر گفتگو ہوتی تھی۔ دونوں امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے عاشق جو ٹھہرے۔“ (ماہنامہ جہان رضا، لاہور۔ جون ۱۹۹۹ء ص ۶۱)

جب تک اعلیٰ حضرت حیات سے رہے، ملک العلماء نے ہمہ دم خود کو ان کی ہر ممکن علمی خدمت کے لئے مستعد رکھا۔ کارافتا میں معین رہے، منظر اسلام کی تدریسی ذمہ داری سنبھالی، حضرت صدر الشریعہ اور ملک العلماء نے بڑی تندہی سے اعلیٰ حضرت کی تصنیفات کی حفاظت اور اشاعت کی جانب توجہ فرمائی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی رحلت کے بعد حضرت مفتی اعظم شاہ مصطفیٰ رضا قادری برکاتی نوری قدس سرہ کی خواہش پر ملک العلماء بریلی شریف تشریف لے گئے اور تین چار مہینے کی جانکاہ محنت کے بعد اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی ڈھیروں تصانیف کے مہیضے تیار کئے، منتشر اوراق کی شیرازہ بندی کی اور یوں بہتیری تصانیف رضا کو ضائع ہونے سے بچا لیا، لیکن ایک شیفۂ رضا کی یہ جاں نثارانہ خدمات کچھ تنگ نظر حضرات کو ایک آنکھ نہ بھائی اور وہ ان تصانیف رضا کی اشاعت میں تاخیر کرنے کے حیلے کرنے لگے۔ اس سے کبیدہ خاطر ہو کر حضرت ملک العلماء بریلی شریف کے ایک دوست کے نام مکتوب میں لکھتے ہیں:

”میں نے تین مہینے کس جانفشانی سے کام کیا اور خدا کا شکر ہے کہ اعلیٰ حضرت کی تصانیف کو ضائع ہونے سے بچا لیا مگر جو قدردانی کی گئی، وہ آپ کے اور سب کے پیش نظر ہے۔ اگر تصنیفات کی اشاعت ہی کا سلسلہ جاری ہوتا تو دینی فائدہ کثیر ہوتا۔“ (حیات ملک العلماء ص ۲۷)

مولانا امجد رضا خاں نوری کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

”اس وقت اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی جملہ تصنیفات و تالیفات و تحریرات چھپ جائیں تو سینوں کو کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہ ہوگی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، عقائد، اخلاق کے علاوہ تاریخ، جغرافیہ، ہیئت، توقیت، حساب، جبر و مقابلہ، تکسیر، جفر، زائچہ، کون سے علوم ہیں جن میں اعلیٰ حضرت کی تصنیف نہیں۔ جس وقت یہ کتابیں جناب کی ہمت و محنت و توجہ سے چھپ جائیں گی، اس وقت لوگوں کی آنکھیں کھلیں گی کہ اعلیٰ حضرت کیا تھے۔“ (حیات ملک العلماء ص ۲۶)

احسان شناسی کے جذبوں سے لبریز حضرت ملک العلماء کی ذات گرامی نے اپنے سارے محسنوں کے حقوق محبت ادا کئے۔ آپ کے ذخیرہ مکاتیب اور قلمی یادداشتوں کے مجموعے اس کی تصدیق کے لئے کافی سے زائد مواد فراہم کرتے ہیں۔

آپ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے سب سے زیادہ منت کش تھے، اس لئے ہمیشہ ان کی یادوں میں مگن اور ان کے ذکر جمیل میں رطب اللسان رہے۔ پوری زندگی ان کے فکری مشن کی اشاعت کے لئے وقف رکھی، ان کی نگارشات کے تحفظ اور طباعت کے لئے حضرت صدر الشریعہ اور ملک العلماء یکساں طور سے مضطرب نظر آتے ہیں۔ آپ اپنے دامن سے وابستہ حضرات کو ”ظفری“ کے بجائے ”رضوی“ لکھنے کی تاکید فرماتے۔ اعلیٰ

حضرت کی تصانیف کی سب سے پہلی شیرازہ بندی کا سہرا آپ کے سر رہا۔ ”المجمل المعداد لتالیف المجدد“ میں سب سے پہلے آپ نے امام احمد رضا کی تقریباً آٹھ سو تصانیف کی موضوعاتی فہرست پیش کی ہے۔ امام احمد رضا کے حوالے سے آپ کا سب سے عظیم کارنامہ ”حیات اعلیٰ حضرت“ کی تدوین ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کا وصال شریف ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء میں ہوا۔ آپ کے وصال کے سترہ سال بعد تک آپ کی حیات و خدمات پر کوئی کام نہ ہوسکا۔ چند مقالات، تاثرات یا مختصر کتابچے ظاہر ہے مشرق کے اس عبقری کا کیا تعارف کرا سکتے تھے۔ اس راہ میں کئی چیزیں حائل ہوئیں۔ ۱۹۲۱ء کا زمانہ خلافت مودونٹ اور نان کو اپریشن تحریک کی شورشوں سے لبریز زمانہ تھا۔ پھر سلطنت عثمانیہ کے سقوط، ۱۹۲۵ء سے آریہ سماج کا شدھی سنگٹھن اور پھر ۱۹۳۰ء سے دو قومی نظریے میں آئی شدت اور قیام پاکستان کے تصورات نے ایسا ماحول پیدا کر دیا تھا جس نے اسلامیان ہند کے دل و دماغ ہلا کر رکھ دیئے تھے۔ ماحول کی ابتری اور دینی اور سیاسی قائدین کی غیر ذمہ دارانہ حرکتوں نے ذہنوں میں قنوطیت کی ایسی برف جمارکھی تھی کہ فکریں قریب قریب شل ہو چکی تھیں۔ رفتہ رفتہ حالات نے سنبھالا لیا اور برف پگھلنے لگی اور پھر امام احمد رضا کے حوالے سے اس جمود کے حصار سے جو ذات گرامی سب سے پہلے نکلی وہ منظور نگاہ اعلیٰ حضرت، حضرت ملک العلماء کی ذات کریم تھی۔ آپ نے ہی سب سے پہلے کمر ہمت کسی اور اس ”ہفت خواں“ کو طے کرنے کی ٹھانی۔ اس راہ میں وابستگان رضا میں سے جاں نثار اعلیٰ حضرت، مولانا سید ایوب علی قادری رضوی نے آپ کا پورا پورا تعاون کیا بلکہ انہوں نے بے مثل ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے پاس موجود سارا سوانحی مواد حضرت ملک العلماء کے حوالے کر دیا۔ بارہ سال کی محنت کے بعد چار جلدوں میں یہ تصنیف مکمل ہوئی۔ ۱۹۵۵ء میں اس کا صرف پہلا حصہ شائع ہوا۔ دوسری جلد اب تک دستیاب نہ ہو سکی، تیسری اور چوتھی جلد پہلی جلد کے ہمراہ نصف صدی طے کرنے کے بعد اب شائع ہونے جا رہی ہے۔ اس طور سے دیکھا جائے تو حضرت ملک العلماء نے سوانحی ادب پر بھی خاصے علمی آثار چھوڑے ہیں۔

فقہ و تصوف:

”مَنْ تَفَقَّهَ وَلَمْ يَتَصَوَّفْ فَقَدْ تَفَسَّقَ وَمَنْ تَصَوَّفَ وَلَمْ يَتَفَقَّهْ فَقَدْ تَزَنَّدَقَ“ (امام مالک)

”جس نے عالم شریعت ہونے کے ساتھ ساتھ طرز صوفیا کی پیروی نہ کی، وہ بے عمل ٹھہرا اور جس نے صرف زہد اختیار کیا اور شریعت کے علم سے بے بہرہ رہا، اس کے ایمان کا بھی بھروسہ نہیں“۔ ۱۲ اساطیل

اس ارشاد مالکی کی روشنی میں فقہ اور تصوف کا آپس میں گہرا ربط نظر آتا ہے بلکہ ابتدا میں دونوں ایک ہی دائرہ علم میں آتے تھے۔

علامہ محبت اللہ بہارنی ”مسلم الثبوت“ میں تحریر فرماتے ہیں :

”ان الفقه فی الزمان القديم کان متناولا لعلم الحقیقة وہی الالہیات من مباحث الذات

والصفات و علم الطريقة وھی مباحث المنجیات و المملکات و علم الشریعة الظاهرة “
 ’زمانہ قدیم میں علم فقہ، علم حقیقت کے مباحث پر مشتمل ہوتا تھا جسے علم الہیات کہتے ہیں اور جس میں خدائے
 تعالیٰ کی ذات و صفات سے بحث ہوتی ہے۔ یونہی نجات بخش اور ہلاکت آمیز چیزوں کے علم، علم طریقت اور شریعت
 مظہرہ کے ظاہری علوم بھی اس علم کے دائرے میں آتے تھے“ ۱۲۔ ساحل

بعد کے زمانوں میں تمدن کے پھیلاؤ نے جب علم کی شاخوں کو ضرب دینا شروع کیا تو فقہ اور تصوف دونوں نے اپنی
 انگ الگ ممتاز شناختیں بنالیں لیکن ہزار دوری کے باوجود قدیم رفاقت کا اثر تو رہنا ہی تھا۔ اسی لئے حضرت امام غزالی ایک
 فقیہ کو تصوف کے رنگ میں ہی رنگا دیکھنا چاہتے ہیں۔ فقیہانہ اوصاف کی یہ غزالی تشریح دیکھئے۔ فرماتے ہیں:

”فقیہ وہ ہے جو دنیا سے دل نہ لگائے اور آخرت کی طرف ہمیشہ راغب رہے، دین میں کامل بصیرت رکھتا
 ہو، طاعات پر مداومت اپنی عادت بنالے، کسی حال میں بھی مسلمانوں کی حق تلفی برداشت نہ کرے، مسلمانوں کا اجتماعی
 مفاد ہر وقت اس کے پیش نظر ہو، مال کی طمع نہ رکھے، آفات نفسانی کی باریکیوں کو پہچانتا ہو، عمل کو فاسد کرنے والی
 چیزوں سے بھی باخبر ہو، راہ آخرت کی گھاٹیوں سے واقف ہو، دنیا کو حقیر سمجھنے کے ساتھ ساتھ اس پر قابو پانے کی قوت
 بھی اپنے اندر رکھتا ہو، سفر و حضر اور جلوت و خلوت میں ہر وقت دل پر خوف الہی کا غلبہ ہو۔“ (احیاء العلوم)

فقہ اور فقیہ کی ان تشریحات کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں تو حضرت ملک العلماء قدس سرہ ایک ممتاز فقیہ اور پرسوز
 صوفی نظر آتے ہیں۔ تصوف پر آپ کی کوئی باضابطہ تصنیف تو نہیں ملتی لیکن آپ کی جملہ فتویٰ اور دینی تصنیفات میں
 حضرات صوفیہ کی رواداری اور اخلاص کے جذبے رونق افروز ملتے ہیں۔ آپ کی پاکیزہ زندگی کے شب و روز معمولات
 صوفیہ اور اذکار و اشغال سے معمور دکھائی دیتے ہیں۔ تعصب اور تنگ نظری سے کوسوں دور، قلبی پاکیزگی اور طہارت
 باطن کا نگار خانہ تھی آپ کی ذات گرامی۔ معاند سے بھی کبھی آپ کو سو قیام نہ کلام کرتے نہ دیکھا گیا۔ تحریروں کی شائستگی اور
 جذبوں کی سادگی کہتی ہے کہ یہ کسی مرد خدا کے بول لگتے ہیں۔ زیر نظر مجموعہ فتاویٰ کے کتاب الحظر والاباحہ میں کئی صوفیانہ
 فتاویٰ شامل ہیں۔ حضرت امام غزالی نے ایک فقیہ کے جو اوصاف بیان فرمائے ہیں، وہ سارے اوصاف حضرت ملک
 العلماء کی پاکیزہ، تتوئی شعار، خداترس اور سراپا اخلاص ذات گرامی میں موجود ملتے ہیں۔

حضرت کی فقیہانہ شان پر کچھ گفتگو کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فقہ وافتا کے تعلق سے بھی کچھ
 بنیادی معلومات اور ان کے مختلف مراحل کا اجمالی تعارف پیش کر دیا جائے تاکہ قارئین، کتاب کے مندرجات اور خود
 صاحب کتاب کی شان کمال کا اندازہ کر سکیں۔

☆☆☆☆☆

انسان جستجو اور دریافت کا پیکر اور ایک دوسرے کے تعاون کا محتاج ہے۔ اس لئے ابتدائے آفرینش سے ہی
 اس کی جستجو کا سفر جاری ہے اور اس کے ساتھ متوازی طور پر باہمی مفاہمت کا عمل بھی۔ تحقیق و جستجو اور مفاہمت کے اسی
 سلسلے کو فقہ (یعنی فہم) وافتا (یعنی باہمی دریافت) کی معزز اصطلاحات سے موسوم کرتے ہیں۔ اس طور سے یہ دونوں

چیزیں ابتدائے تخلیق سے چلی آرہی ہیں۔ قرآن حکیم، احادیث طیبہ میں بھی اس کی واضح ہدایات اور فضیلتیں وارد ہیں۔ قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ ”فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔ (النحل: ۴۳) (تو اسے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں) مفتی اور مستفتی دونوں کی اہمیت واضح فرما رہی ہے۔ سارے انبیاء و مرسلین، دُعاة و مبلغین اپنی امتوں اور ماتحتوں کو اسلامی احکام بتاتے چلے آئے اور ساری امتیں اپنے پیغمبروں اور رہنماؤں سے شرعی احکام دریافت کرتی رہیں، اس لئے عمومی تناظر میں کبھی رہنما فقیہ اور مفتی اور سارے تابعین مستفتی نظر آتے ہیں۔ لیکن ہماری گفتگو امت محمدی کے مخصوص عرفی فقہاء تک محدود ہے، اس لئے ان الفاظ کے وہی معانی بیان ہوں گے جو ان کے معروف اصطلاحی مفہوم کے گرد گھومتے نظر آئیں۔

فقہ و افتا مفہوم کے اعتبار سے قریب قریب مساوی ہیں۔ البتہ افتا فقیہ کی ایک مخصوص اور ممتاز حیثیت ہوتی ہے۔ علامہ زنجیری فقیہ کی تعریف ان لفظوں میں کرتے ہیں:

”الفقیہ: العالم الذی یشق الاحکام ویفتش عن حقائقہا“

”فقہ ایسے عالم دین کو کہتے ہیں جو احکام شریعت کی تہیں کھولتا اور ان کے حقائق کی تفتیش کرتا ہے۔“

ابتدائی زمانہ میں یہ لفظ مجتہد مطلق کے تعلق سے استعمال کیا جاتا تھا لیکن اب ایسے ناقل فتویٰ کو مفتی اور فقیہ کہتے ہیں جو فقہائے کرام کے مختلف طبقات پر گہری نظر رکھتا ہو اور رائج اور مرجوح، مفتی بہ میں امتیاز کی صلاحیت رکھتا ہو۔

حضرت علامہ سید محمد ابن عابدین شامی قدس سرہ ”رد المحتار علی الدر المختار“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”المفتی هو المجتهد فاما غیر المجتهد ممن یحفظ اقوال المجتہد فلیس بمفتی والواجب علیہ إذا سئل ان یدکر قول المجتہد کالامام علی وجہ الحکایة فعرّف ان ما یکون فی زماننا من فتویٰ الموجدین لیس بفتویٰ بل هو نقل کلام المفتی لیاخذ به المستفتی۔ (رد المحتار ۱/۴۷)

”مفتی تو مجتہد ہوتا ہے۔ جو شخص مجتہد نہ ہو، صرف کسی مجتہد کے اقوال کو یاد رکھتا ہو، وہ مفتی نہیں ہوتا۔ ایسے شخص پر لازم ہے کہ جب اس سے کچھ پوچھا جائے تو کسی مجتہد جیسے حضرت امام اعظم کا قول بطور حجت بیان کر دے۔ اس وضاحت سے معلوم ہو گیا کہ ہمارے زمانے کے اصحاب فقہ کے فتاویٰ درحقیقت فتویٰ نہیں ہوتے بلکہ وہ کسی حقیقی مفتی کے اقوال کی نقل ہوتی ہے تاکہ مستفتی اس کی روشنی میں حکم شریعت اخذ کر سکے۔“

اسی لئے لوہیں معلوف نے المنجد میں مفتی کی موجودہ تشریح یہ بیان کی ہے:

”المفتی: الفقیہ الذی یعطى الفتویٰ ویجیب عما ألقى علیہ من مسائل المتعلقة بالشریعة“

”مفتی ایسا اسلامی دانشور کو کہتے ہیں کہ جب اس کے سامنے شریعت سے متعلق مسائل پیش کئے جاتے ہیں تو وہ ان کے جواب دیتا

ہے اور شرعی فیصلہ صادر کرتا ہے۔ (المنجد ص ۹۸)

عبرقری فقیہ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ رسالہ مبارکہ ”اجلی الاعلام ان الفتویٰ

مطلقاً علی قول الامام“ (۱۳۳۴ھ) میں چند بنیادی مقدمات بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”الرابعة : الفتوى حقیقیة وعرفیة۔ فالحقیقیة هو الإفتاء عن معرفة الدلیل التفصیلی وأولئك الذین یقال لهم اصحاب الفتوى ویقال ”بهذا افتى الفقیه ابو جعفر والفقیه ابو اللیث واضرابهما رحمهم الله تعالى۔ والعرفیة: اخبار العالم باقوال الامام جاهلا عنها تقلیداً له من دون تلك المعرفة كما یقال فتاوى ابن نجیم والغزى والطورى والفتاوى الخیریة وهلم تنزلاً زماناً ورتبة الى الفتاوى الرضویة جعلها الله تعالى مرضیة مرضیة۔ امین۔“

”چوتھا مقدمہ: فتویٰ کی دو قسمیں ہیں: عرفی اور حقیقی۔ حقیقی یہ ہے کہ دلیل تفصیلی کی معرفت کے بعد فتویٰ دیا جائے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اصحاب فتویٰ کہا جاتا ہے۔ کہتے ہیں: یہی فتویٰ دیا ہے فقیہ ابو جعفر فقیہ ابو اللیث اور ان کے امثال نے۔ اور عرفی فتویٰ یہ ہے کہ عالم لوگوں کو امام کے اقوال بتا دے۔ وہ دلیل کو نہ جانتا ہو، محض تقلید کے طور پر ایسا کرے۔ جیسے کہا جاتا ہے: فتاویٰ ابن نجیم، فتاویٰ غزى، فتاویٰ طوری اور فتاویٰ خیریہ وغیرہ اور بعد کے زمانہ میں فتاویٰ رضویہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو پسندیدہ اور راضی کرنے والا بنادے۔ آمین!“ (الفتاویٰ الرضویہ۔ مترجم۔ ۱/۱۰۹)

اس کا ذکر پہلے ہو چکا کہ افتا کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی انسان کی۔ شریعت محمدی کے نزول سے اس کا شاندار اور ممتاز دور شروع ہوتا ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت اور نزول قرآن سے اسلامی تعلیمات کا دائرہ مکمل ہونا شروع ہوا۔ حضرات صحابہ و صحابیات بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اسلامی تعلیمات کا درس لیتے، درپیش آنے والے مسائل دریافت کرتے۔ استفتا اور افتا کا یہ سب سے مستند، قیمتی اور زریں دور ہے جو قیامت تک کے پیش آمدہ مسائل کے حل کے لئے سرچشمہ فیض کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس دور میں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات والا صفات ہر مسئلہ کا مکمل، مقدس اور تشفی بخش حل پیش کرتی۔ اس تقدس مآب دور اولین کے بعد اب تک فقہ و افتا کے چار شاندار دور گزر چکے ہیں۔

فقہ و افتا کا دوسرا دور: (۱۰ھ تا ۴۱ھ)

اس جہان رنگ و بو سے خورشید رسالت کا جب ظاہری رخ روپوش ہو گیا تو اکابر صحابہ کرام نے امت کی زمام قیادت سنبھالی۔ حضرات خلفائے راشدین نے اسلامی سلطنت کی سرحدیں وسیع کیں تو عجمی تمدن نے نت نئے مسائل درآمد کئے۔ جن کے اسلامی حل کے لئے گروہ صحابہ کے صاحبان تدبر اور والیانِ تفقہ نے کتاب و سنت کی روشنی میں اپنے تدبر اور تائید الہی کے سہارے فیصلے صادر فرمائے جو بعد کی نسلوں کے لئے استناد کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس دور میں جو ۱۰ھ سے لے کر ۴۱ھ تک محیط ہے، حضرات خلفائے راشدین، حضرت عبداللہ بن مسعود (م ۳۲ھ) حضرت ابو موسیٰ اشعری (م ۵۲ھ) حضرت معاذ بن جبل (م ۱۸ھ)، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ (م ۵۷ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہا و عنہم اجمعین کے فقیہانہ فیصلے اور فتاویٰ بہت شہرت رکھتے تھے۔

تیسرا دور: (۲۱ھ تا ۱۰۰ھ)

اکابر صحابہ کی صفیں خالی ہونے کے بعد اصاغر صحابہ کرام اور کبار تابعین نے امت کی قیادت سنبھالی۔ اس دور میں اسلامی سلطنت کی وسعتیں شرق و غرب اور جنوب و شمال کی وسعتوں کو اپنے دامن میں سمیٹ چکی تھیں۔ تمدن کی وسعت، علم کی گرم بازاری، اور عرب و عجم کے اختلاط نے اجتہادی جذبوں میں بڑی تیزگامی پیدا کر دی تھی۔ مدینہ منورہ، مکہ معظمہ، کوفہ، بصرہ، شام، مصر اور یمن میں فقہائے مجتہدین کی کثیر صفیں آراستہ تھیں اور ہر ایک کے درس و افادہ کی اپنی ایک الگ ہی دھوم تھی۔ چند اسمائے گرامی پیش ہوتے ہیں۔

- ۱۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (م ۵۷ھ)۔ ۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر (م ۷۳ھ)
- ۳۔ حضرت ابو ہریرہ (م ۵۸ھ)۔ ۴۔ حضرت سعید بن مسیب مخزومی (م ۹۴ھ)۔ ۵۔ حضرت عروہ بن زبیر بن عوام
- اسدی (م ۹۴ھ)۔ ۶۔ حضرت ابوبکر بن عبدالرحمن (م ۹۴ھ)۔ ۷۔ حضرت امام زین العابدین علی بن حسین
- (م ۹۴ھ)۔ ۸۔ حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر (م ۱۰۶ھ)۔ ۹۔ حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر (م ۱۰۶ھ)۔ ۱۰۔ حضرت
- سلیمان بن یسار (م ۱۰۷ھ)۔ ۱۱۔ حضرت نافع (م ۱۱۷ھ)۔ ۱۲۔ حضرت ابن شہاب زہری (م ۱۲۴ھ)۔ ۱۳۔
- حضرت امام محمد باقر محمد بن علی بن حسین (م ۱۱۴ھ)۔ ۱۴۔ حضرت امام جعفر بن محمد بن علی بن حسین (م ۱۲۸ھ)۔ ۱۵۔
- حضرت ابوالرنا عبداللہ بن ذکوان (م ۱۳۱ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین مدینہ طیبہ میں جلوہ افروز تھے۔

- ۱۶۔ حضرت عبداللہ بن عباس (م ۶۸ھ)۔ ۱۷۔ حضرت مجاہد بن جبیر (م ۱۰۳ھ)۔ ۱۸۔ حضرت عکرمہ ابن
- عباس (م ۱۰۷ھ) مکہ معظمہ کے نامور فقیہ تھے۔

- ۱۹۔ حضرت علقمہ بن قیس (م ۶۲ھ)۔ ۲۰۔ حضرت مسروق بن اجدع (م ۶۳ھ)۔ ۲۱۔ حضرت عبیدہ بن عمرو سلمانی
- (م ۹۲ھ)۔ ۲۲۔ حضرت اسود بن یزید نخعی (م ۹۵ھ)۔ ۲۳۔ حضرت قاضی شریح بن حارث کندی (م ۹۵ھ)۔ ۲۴۔
- حضرت سعید بن جبیر (م ۹۵ھ)۔ ۲۵۔ حضرت عمرو بن شریحیل (م ۱۰۴ھ) کے فقہی افادات کی کوفہ میں دھوم تھی۔
- ۲۶۔ حضرت انس بن مالک (م ۹۳ھ)۔ ۲۷۔ حضرت ابوالعالیہ رفیع بن مہران (م ۹۰ھ)۔ ۲۸۔ حضرت
- ابوالشعثاء جابر بن یزید (م ۹۳ھ)۔ ۲۹۔ امام التبعیر والروایا حضرت محمد بن سیرین (م ۱۳۱ھ)۔ ۳۰۔ حضرت قتادہ بن
- دعامہ (م ۱۱۸ھ) کے جلوؤں سے بصرہ کی سرزمین جگمگا رہی تھی۔

- ۳۱۔ حضرت عبدالرحمن بن غنم اشعری (م ۷۸ھ)۔ ۳۲۔ حضرت ابوالدریس خولانی (م ۸۰ھ)۔ ۳۳۔
- حضرت قبیصہ بن ذویب (م ۸۱ھ)۔ ۳۴۔ حضرت رجاء بن حیوة کندی (م ۱۱۲ھ)۔ ۳۵۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز
- (م ۱۰۱ھ) ملک شام کے نامور فقہاء میں شمار ہوتے تھے۔

- ۳۶۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص (م ۶۵ھ)۔ ۳۷۔ حضرت ابوالخیر مرشد بن عبداللہ (م ۹۰ھ)
- حضرت یزید بن ابی حبیب (م ۱۲۸ھ) نے مصر کے علمی انوں میں اجالا کر رکھا تھا۔

۳۹- حضرت طاؤس بن کیسان جندی (م ۱۰۶ھ)۔ ۴۰- حضرت وہب بن منبہ صنعانی (م ۱۱۴ھ)۔ ۴۱- حضرت یحییٰ بن کثیر نے یمن کی بزم علم میں برکتیں بکھیر رکھی تھیں۔

اس مختصر ترین فہرست سے ہی اندازہ کیجئے کہ اس دور میں اس فن نے کتنی وسعت اختیار کر لی تھی۔ اس کثیر پھیلاؤ کی باضابطہ شیرازہ بندی ہوتی ہے چوتھے دور میں۔

چوتھا دور :

اس دور کا دائرہ دوسری صدی ہجری کی ابتدا سے لے کر چوتھی صدی ہجری کے وسط تک پھیلا ہوا ہے۔ اسی دور میں سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی جلیل الشان ذات گرامی معجزہ سرور کائنات کی صورت میں جلوہ گر ہوئی جنہوں نے اپنے چالیس برگزیدہ تلامذہ کے ساتھ مل کر اس فن کی باضابطہ شاندار تدوین فرمائی جو قیامت تک کے مسائل حیات حل کرنے کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ حضرات محققین نے خوب فرمایا: ”فقہ کی کاشت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرماداً، حضرت علقمہ نے اس کی آبیاری کی، حضرت ابراہیم نخعی نے اس کھیتی کو کاٹا، حضرت حماد نے اس کی بھوسی اتاری، حضرت امام اعظم نے اسے باریک پیسا، حضرت امام ابو یوسف نے اسے گوندھا اور حضرت امام محمد بن حسن شیبانی نے اس کی روٹیاں پکائی۔ اب ساری امت ان روٹیوں سے شکم سیر ہو رہی ہے۔“

اس دور میں امام الائمہ، سراج الائمہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۸۰-۱۵۰ھ) کے علاوہ بہت سارے ائمہ کے فقہی مکاتب کی بنیاد پڑی۔ مدینہ طیبہ میں حضرت امام مالک بن انس (۹۳-۱۷۹ھ)، مصر میں حضرت امام محمد بن ادریس شافعی (۱۵۰-۲۰۴ھ)، بغداد میں حضرت امام احمد بن حنبل (۱۶۴-۲۴۱ھ)، کوفہ میں حضرت سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ) مصر میں امام لیث (م ۱۷۵ھ)، بغداد میں امام ابو ثور (م ۲۴۰ھ)، اندلس اور دمشق میں امام عبدالرحمن بن عمر دمشقی اوزاعی (۸۸-۱۵۷ھ) کے مذاہب پھیلے۔ لیکن چار مشہور فقہی مذاہب حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی کے سوا کسی دوسرے فقہی مکتب کو بقائے دوام نہ مل سکی۔

یہی وہ دور ہے جس میں فقہ کی باضابطہ اصولی تدوین ہوئی، مختلف مذاہب پھیلے، ہر مذہب کی ترجمان کثیر کتابیں لکھی گئیں، فقہی مباحثات کی روش عام ہوئی، یہاں تک کہ عالم میں صرف چار فقہی مذاہب کے اثرات ہی محفوظ رہ سکے۔ ان چاروں مذاہب میں جو عروج اور قبول عام، فقہ حنفی کو نصیب ہوا اسے محض فضل الہی، امام الائمہ، سراج الائمہ، کاشف الغمہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کو فی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طہارت باطن، فکری گہرائی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کی مقبولیت کا ثمرہ ہی کہا جاسکتا ہے۔ امام جلیل حضرت ملا علی قاری حنفی (م ۱۰۱۴ھ) کے بیان کے مطابق پوری امت کا دو تہائی حصہ حنفی ہے۔ (مرقات ۲/۲۴)۔ اپنے تو خیر اپنے ٹھہرے، غیروں نے بھی آپ کی عظمت، جلالت اور مقبول بارگاہ الہی ہونے کی شہادت دی ہے۔ سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول کافی شہرت رکھتا ہے:

الناس فی الفقہ عبال علی ابی حنیفہ: لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کے دست نگر ہیں۔

بہت ممتاز شافعی ہندی محدث اور فقیہ علامہ محمد طاہر فتنی (م ۱۸۶۷ھ) صاحب ”مجمع البحار“ ”المغنی“ بہت سچی بات تحریر فرماتے ہیں:

فلو لم یکن للہ سر خفی فیہ لما جمع لہ شطر الاسلام او ما یقاربہ علی تقلیدہ حتی عبد اللہ بن عوف
وعمل برائہ الی یومنا ما یقارب اربع مائۃ وخمسين سنة وفیہ دل دلیل علی صحته۔ (المغنی ص ۸۰)
”اگر اس مذہب خفی میں اللہ تعالیٰ کی قبولیت کا راز پوشیدہ نہ ہوتا تو نصف یا اس کے قریب مسلمان اس مذہب کے مقلد نہ ہوتے۔ ہمارے زمانے تک، جس کو امام صاحب سے تقریباً ساڑھے چار سو برس کا عرصہ ہوتا ہے، ان کی فقہ کے مطابق اللہ وحدہ کی عبادت ہو رہی ہے اور ان کی رائے پر عمل ہو رہا ہے۔ یہ اس مذہب کے عند اللہ مقبول اور صحیح ہونے کی شاندار دلیل ہے۔“ (تاریخ علم فقہ۔ مفتی سید عمیم الاحسان، مطبوعہ مکتبہ برہان، دہلی۔ ص ۷۷)

فقہ خفی کی ایجاد کو بارہ سو سال سے زائد کا عرصہ بیت چکا ہے۔ اس طویل عرصے میں لاکھوں فقہاء اور ارباب فتاویٰ پیدا ہوئے، ان کی لسانی اور قلمی یادگاریں تلامذہ اور تصانیف کی صورت میں منظر عام پر آتی رہیں۔ اسلام بحر و بر کی وسعتوں پر محیط ہو چکا ہے۔ کسے یا راہ ہے کہ ان کے اجمالی حالات بلکہ صرف اسمائے گرامی ہی شمار کر سکے۔ اس لئے مزید تفصیل میں نہ جا کر فقہائے احناف کے طبقات، فقہ خفی کی مستند کتابوں کی درجہ بندیاں اور چند ممتاز ترین کتب فتاویٰ کی تفصیل پر اکتفا کی جاتی ہے۔

ماہرین فقہ نے حضرات فقہاء کو سات طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ مجتہد فی الشرع / مجتہد مطلق مستقل:

یہ فقہائے اسلام کا وہ طبقہ ہے جنہیں اصولی قواعد کی تائیس، کتاب و سنت، اجماع اور قیاس سے فرعی احکام کے استنباط کی ذاتی سطح پر استعداد حاصل ہو اور وہ اصول و فروع میں کسی کی تقلید کے محتاج نہ ہوں۔ جیسے سراج الامۃ امام اعظم ابو حنیفہ (م ۱۵۰ھ)، امام مالک (م ۱۷۹ھ)، امام شافعی (م ۲۰۴ھ)، امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) وغیرہ۔

۲۔ مجتہد فی المذہب / مجتہد مطلق غیر مستقل:

یہ ایسے فقہاء ہوتے ہیں جن میں مجتہد مطلق کی ساری صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں لیکن وہ خود کو اصول میں کسی مجتہد مطلق کا تابع رکھتے ہیں اور ان کے بنائے ہوئے اصول کی روشنی میں کتاب و سنت، اجماع اور قیاس سے مسائل کے استخراج کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یعنی اصول میں مقلد ہوتے ہیں اور فروع میں مجتہد۔ جیسے حضرت امام ابو یوسف (م ۱۸۳ھ)، امام محمد (م ۱۸۹ھ)، امام عبداللہ بن مبارک (م ۱۸۱ھ) وغیرہ تلامذہ امام اعظم قدس سرہم۔

۳۔ مجتہد فی المسائل / مجتہد مقید:

ایسے فقہاء اس زمرے میں آتے ہیں جو اصول و فروع دونوں میں مجتہد مطلق کے تابع ہوں اور ان کے وضع

کردہ اصول و فروع کی روشنی میں ایسے مسائل کا استنباط کر سکتے ہوں جن کے بارے میں ائمہ مذہب سے کوئی روایت نہیں ملتی۔ جیسے امام ابو بکر خفاف (م ۲۶۱ھ)، امام ابو جعفر طحاوی (م ۳۳۱ھ)، امام ابوالحسن کرخی (م ۳۴۰ھ)، شمس الائمہ حلوانی (م ۴۵۶ھ)، شمس الائمہ سرخسی (م ۵۰۰ھ)، امام فخر الاسلام بزدوی (م ۴۸۲ھ)، امام فخر الدین قاضی خاں (م ۵۹۳ھ)۔

۴۔ اصحاب تخریج :

حضرات فقہاء کا یہ طبقہ اجتہاد و استنباط مستقل کی قدرت نہیں رکھتا، البتہ ائمہ مذہب کے وضع کردہ سارے اصول و فروع پر گہری نگاہ ہوتی ہے، جس کی روشنی میں یہ مجمل کی تشریح، محتمل کی تعیین مثالوں کے حوالے سے کر سکتے ہیں۔ حضرت امام ابو بکر احمد بن علی رازی (م ۳۷۰ھ) اسی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

۵۔ اصحاب ترجیح :

یہ حضرات اصحاب تخریج سے کمتر فقاہت کے حامل ہوتے ہیں اور ائمہ مذہب سے منقول روایات میں سے اصول و فروع کی روشنی میں بعض کو بعض پر ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جیسے امام ابوالحسن قدوری (م ۴۲۸ھ)، صاحب ہدایہ امام ابوالحسن علی بن ابی بکر فرغانی مرغینانی (م ۵۹۳ھ) وغیرہ۔

”ہذا اولیٰ، هذا اصح، هذا اوضح، هذا اوفق للقباس“ جیسے اقوال ان کی پہچان ہوتے ہیں۔

۶۔ اصحاب تمیز :

فقہاء کا یہ گروہ مذہب کے قوی اور ضعیف، مقبول اور مردود اقوال میں تمیز کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ظاہر الروایہ اور نادر روایات کے درمیان امتیاز کی قدرت ان میں موجود ہوتی ہے، جیسے اصحاب متون معتبرہ مثلاً صاحب مختار، صاحب وقایہ، صاحب مجمع وغیرہ۔

۷۔ مقلد محض :

جن میں مذکورہ بالا کوئی صلاحیت موجود نہ ہو۔ ایسے حضرات کا ذاتی قول قابل عمل نہیں ہوتا۔ بس یہ ائمہ مذہب کے اقوال نقل کر سکتے ہیں جیسے موجودہ دور کے صاحبان فقہ۔

حنفی فقہاء کی طرح کتب احناف کے بھی طبقات ہیں۔ علماء نے ان کے تین طبقے بیان کئے ہیں۔ ۱۔ کتب اصول۔ ۲۔ کتب نوادر۔ ۳۔ کتب واقعات۔

۱۔ کتب اصول :

کتب اصول ہی کو ظاہر الروایہ بھی کہتے ہیں۔ اس طبقے میں وہ کتابیں اور روایات شامل ہیں جو اصحاب مذہب سے منقول ہیں۔ حنفی ائمہ ثلاثہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، اور امام محمد کی مرویات اسی ذیل میں آتی

ہیں۔ ان میں امام زفر، امام حسن بن زیاد وغیرہ تلامذہ امام اعظم کی روایات کا بھی شمار ہوتا ہے۔ لیکن عموماً ظاہر الروایۃ کا اطلاق حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان چھ تصانیف مبارکہ پر ہوتا ہے:

۱۔ مبسوط۔ ۲۔ جامع صغیر۔ ۳۔ جامع کبیر۔ ۴۔ سیر صغیر۔ ۵۔ سیر کبیر۔ ۶۔ زیادات۔ یہ کتابیں ظاہر الروایۃ اس لئے کہلاتی ہیں کہ انہیں تواتر کے ساتھ ثقہ راویوں نے روایت کیا ہے۔ موجودہ دور میں مسائل اصول جن کتابوں میں جمع ہیں، ان میں حاکم شہید کی کتاب الکافی اور شمس اللامہ سرخسی کی مبسوط نہایت معتمد ہیں۔

۲۔ کتب نوادر :

اس کے ذیل میں اصحاب مذہب کی وہ روایات آتی ہیں جو مذکورہ بالا چھ کتابوں میں نہ ہوں جیسے حضرت امام محمد کی کیسانیات، ہارونیات، جرجانیات، رقیات، زیادة الزیادات (امالی امام محمد بروایت ابن رستم) کے مسائل اور روایات۔ حضرت امام ابو یوسف کی کتب الامالی، حضرت امام حسن بن زیادہ کی المحرر وغیرہ۔

۳۔ کتب واقعات :

ان میں وہ مسائل آتے ہیں جنہیں ائمہ ثلاثہ کے بعد والے طبقے نے تصنیف یا روایت کیا ہو جیسے فقیہ ابواللیث سمرقندی کی کتاب النوازل، دیگر حضرات کی مجموع النوازل، واقعات الناطقی، واقعات صدر الشہید۔ واقعات دراصل فتاویٰ یا قضایا کے مجموعے ہوتے ہیں۔ اسی صنف سے زیر نظر کتاب کا خاص تعلق ہے۔

موجودہ دور میں فقہ حنفی کی ماخذ کے طور پر استعمال ہونے والی مستند کتابیں یہ ہیں:

- ۱۔ اصول بزودی۔ امام علی بن محمد بزودی (م ۴۸۲ھ)۔ ۲۔ المبسوط۔ شمس اللامہ سرخسی (م ۵۰۰ھ)۔ ۳۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع شرح تحفۃ الفقہاء۔ ملک العلماء امام ابو بکر بن مسعود بن احمد کاسانی (م ۵۸۷ھ)۔ ۴۔ فتاویٰ قاضی خاں۔ امام فخر الدین حسن بن منصور اوزجندی فرغانی معروف بہ قاضی خاں (م ۵۹۲ھ)۔ ۵۔ الہدایۃ۔ امام ابوالحسن علی بن ابی بکر فرغانی مرغینانی (م ۵۹۳ھ)۔ ۶۔ البحر الرائق شرح کنز الدقائق، شیخ زین بن ابراہیم معروف بہ ابن نجیم صاحب الاشیاء والنظار (م ۹۷۰ھ)۔ ۷۔ درمختار شرح تنویر الابصار۔ علامہ محمد علاء الدین بن علی ہصفکی (م ۱۰۸۸ھ)۔ ۸۔ رد المحتار علی الدر المختار۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی (م ۱۲۵۲ھ)۔ ۹۔ حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار۔ علامہ سید احمد طحطاوی (م ۱۳۰۲ھ)۔ ۱۰۔ طحطاوی علی مراۃ الفلاح۔ علامہ سید احمد طحطاوی۔ ۱۱۔ فتاویٰ عالمگیری۔ مفتی نظام الدین وعلما کا بورڈ۔ ۱۲۔ العطا یا الدبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی (م ۱۳۴۰ھ)۔ قدست اسرارہم۔

متوسطین فقہانے کتب احناف کی ایک درجہ بندی اور کی ہے یعنی۔ ۱۔ متون۔ ۲۔ شروح۔ ۳۔ اور۔ ۴۔ فتاویٰ۔ سب سے مقدم اور اہم متون ہیں پھر شروح پھر فتاویٰ۔ چند مستند متون، شروح اور فتاویٰ یہ ہیں۔

مستند متون :

- ۱- مختصر امام طحاوی - ۲- مختصر امام کرخی - ۳- مختصر امام قدوری - ۴- کنز الدقائق - ۵- وافی - ۶- وقایہ - ۷- نقایہ - ۸- اصلاح - ۹- مختار - ۱۰- مجمع البحرین - ۱۱- مواہب الرحمن - ۱۲- ملتقى -

مستند شروح :

- ۱- مذکورہ بالا مختصرات کی شرحیں - ۲- کتب اصول ستہ (جامع کبیر، جامع صغیر، مبسوط، زیادات، سیر بسیر، سیر صغیر) کی شرحیں - ۳- مبسوط امام سرخسی - ۴- بدائع الصنائع - ۵- تبیین الحقائق - ۶- فتح القدیر - ۷- عنایہ - ۸- بنایہ - ۹- غایۃ البیان - ۱۰- درایہ - ۱۱- کفایہ - ۱۲- نہایہ - ۱۳- حلیہ - ۱۴- غنیۃ - ۱۵- البحر الرائق - ۱۶- النہر الفائق - ۱۷- درراہکام - ۱۸- درمختار - ۱۹- جامع المضممرات - ۲۰- جوہرہ نیرہ - ۲۱- ایضاح، وغیرہ -
- امام احمد رضا کے نزدیک انہیں میں محققین کے حواشی بھی داخل ہیں جیسے غنیۃ شرنبلالی، حواشی خیر الدین رملی، ردالمحتار، منہ الخالق، فتاویٰ خیریہ، العقود الدریۃ للشامی، الفتاویٰ الرضویہ اور اس جیسی دوسری کتابیں۔ المجتبى، جامع الرموز، شرح ابی المکارم، سراج و ہاج، شرح ملا مسکین کا شمار شروح میں نہیں۔

مستند فتاویٰ :

- ۱- خانہ - ۲- خلاصہ - ۳- بزازیہ - ۴- خزائن المفتیین - ۵- جواہر الفتاویٰ - ۶- محیطات (محیط نام کی متعدد کتابیں) - ۷- ذخیرہ - ۸- واقعات ناظمی - ۹- واقعات صدر الشہید - ۱۰- نوازل فقیہ - ۱۱- مجموع النوازل - ۱۲- ولوالجیہ - ۱۳- ظہیریہ - ۱۴- عمدۃ - ۱۵- کبریٰ - ۱۶- صغریٰ - ۱۷- تتمۃ الفتاویٰ - ۱۸- صیرفیہ - ۱۹- فصول عمادی - ۲۰- فصول استروشنی - ۲۱- جامع صغار - ۲۲- تاتار خانہ - ۲۳- ہندیہ / فتاویٰ عالمگیری - ۲۴- الاشباہ والنظائر - ۲۵- منیہ، وغیرہ -
- قدیہ، رحمانیہ، خزائن الروایات، مجمع البرکات، برہان کا شمار فتاویٰ میں نہیں۔ فتاویٰ طوری، فتاویٰ محقق ابن نجیم ناقابل اعتماد ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ملخصاً - متفرق جلدیں)



اب ایک اجمالی نظر خاص صنف فتاویٰ کی تاریخ پر۔

تحفظ اور اطلاع کی راہ سے سب سے پہلا مجموعہ فتاویٰ حضرت مولائے کائنات کا ہے جس کی نقلیں لوگوں نے محفوظ کیں۔ یونہی حضرت زید بن ثابت کے فتاویٰ کے تحریری مجموعے کا بھی تذکرہ ملتا ہے (مقدمہ فتاویٰ مظہریہ ص ۵۲)۔ عرب اپنی بے پناہ قوت حافظہ کی بنا پر باتیں ضبط تحریر میں لانے کو عار سمجھتے تھے اور اپنی قوت حفظ پر ہی زیادہ انحصار کرتے تھے۔ اس لئے فقہائے صحابہ کی کثرت کے باوجود ان کے فتاویٰ اور فیصلے ضبط تحریر میں نہ لائے جاسکے یا لائے گئے لیکن ان کی باضابطہ حفاظت اور تدوین کا اہتمام نہ ہو سکا۔ خود احادیث کریمہ کی باضابطہ تدوین تیسری صدی کے آغاز کی چیز ہے

تو پھر فتاویٰ اور قضا یا جو وقتی ضرورتیں پوری کرتے ہیں، ان کی تدوین نہ ہو سکی تو یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں۔ اس وقت یافتہ دور میں بھی سیکڑوں اصحاب فتاویٰ ایسے ملیں گے جن کے فتاویٰ محفوظ نہیں رہ پاتے اور رہے بھی تو ان کی ترتیب و اشاعت کی نوبت نہیں آتی۔ پھر بھی بعد کی صدیوں میں دوسرے فنون کی کتابوں کی طرح مرتب فتاویٰ کی شرح بھی بڑھتی گئی۔ تدوین کی راہ میں سب سے پہلا مجموعہ فتاویٰ حضرت فقیہ ابواللیث سمرقندی کا ہے ”کتاب النوازل“۔

صدی کی ترتیب سے چند مشاہیر فتاویٰ ذکر کئے جاتے ہیں:

۱۔ فتاویٰ ابی بکر۔ ۲۔ فتاویٰ ابی القاسم (تیسری صدی ہجری)۔ ۳۔ فتاویٰ ابن قطان۔ ۴۔ فتاویٰ ابی الیث۔ ۵۔ فتاویٰ ابن الحداد (چوتھی صدی)۔ ۶۔ فتاویٰ ابن الصباغ۔ ۷۔ فتاویٰ اسمیجالی۔ ۸۔ فتاویٰ خواہر زادہ۔ ۹۔ فتاویٰ خجندی (پانچویں صدی)۔ ۱۰۔ فتاویٰ تمر تاشی۔ ۱۱۔ فتاویٰ حسام الدین۔ ۱۲۔ فتاویٰ سراجیہ۔ ۱۳۔ فتاویٰ ظہیریہ۔ ۱۴۔ فتاویٰ قاضی خاں۔ ۱۵۔ فتاویٰ کبریٰ۔ ۱۶۔ فتاویٰ صغریٰ (چھٹی صدی)۔ ۱۷۔ فتاویٰ ابن رزین۔ ۱۸۔ فتاویٰ صوفیہ۔ ۱۹۔ فتاویٰ ولوالجیہ (ساتویں صدی)۔ ۲۰۔ فتاویٰ ابن عقیل۔ ۲۱۔ فتاویٰ زرکشی۔ ۲۲۔ فتاویٰ سبکی (آٹھویں صدی)۔ ۲۳۔ فتاویٰ قاری الہدایہ۔ ۲۴۔ فتاویٰ حمادیہ۔ ۲۵۔ فتاویٰ ابن شلہی۔ ۲۶۔ فتاویٰ ابی السعد۔ ۲۷۔ فتاویٰ زیدیہ (دسویں صدی)۔ ۲۸۔ الفتاویٰ الخیریہ لنفع البریۃ۔ ۲۹۔ العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ (تالیف ۱۲۳۸ھ)۔ ۳۰۔ فتاویٰ جامع البرکات۔ ۳۱۔ فتاویٰ نقشبندیہ۔ یہ معدودے چند اسمائے فتاویٰ تھے جو کشف الظنون سے انتخاب کئے گئے۔

ہندوستانی فتاویٰ کی تاریخ بھی اتنی ہی پرانی ہے جتنی ہندوستانی اسلام کی۔ ہند کی سرزمین مسلمانوں کے قدم سے عہد فاروقی میں ہی سرفراز ہو چکی تھی۔ جب سلاطین اسلام نے ہندوستان میں قدم جمائے اور اس کفرستان میں اسلام کی پرچم کشائی ہوئی تو اسلامی احکام کے نفاذ اور دریافت کا ایک سلسلہ چل پڑا۔ خود سلاطین اسلام، اسلامی دانشور ہوا کرتے تھے اور فقہی معاملات سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ اس ذیل میں سلطان محمود غزنوی، ظہیر الدین محمد بابر، سلطان عالمگیر اورنگ زیب کے نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ محمود غزنوی نے خود فقہ پر شاندار کتاب تصنیف کی ”الفرید فی الفروع“۔ دیگر سلاطین نے بھی فتاویٰ کے مجموعے مرتب کرائے۔ اس ذیل میں فتاویٰ عالمگیری کو عالمگیر شہرت حاصل ہوئی جس کی تدوین پر اس زمانے میں دو لاکھ روپے صرف ہوئے۔ یہ کتاب عجب اخلاص اور دیانت کی پاکیزہ ٹھنڈی چھاؤں میں مرتب ہوئی کہ صدیوں کی گرد بھی اس کی مقبولیت اور افادیت پر ذرہ برابر اثر انداز نہ ہو سکی بلکہ آئے دن اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اب تک کئی بین الاقوامی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری کے علاوہ ۲۔ فتاویٰ فیروز شاہی۔ ۳۔ فتاویٰ ابراہیم شاہی۔ ۴۔ فتاویٰ اکبر شاہی۔ ۵۔ فتاویٰ عادل شاہی۔ ۶۔ فتاویٰ تاج تاریخی جیسے مجموعہ ہائے فتاویٰ بھی سلاطین اسلام کے دور کی یادگار ہیں۔

دستور اسلامی کی بنیادی زبان عربی تھی اور سلاطین ہند کی سرکاری زبان فارسی، اس لئے بیشتر فنون کی طرح فتاویٰ کی کتابیں بھی یا تو عربی زبان میں لکھی گئیں یا فارسی زبان میں۔ بارہویں صدی کے اخیر میں جب اس سرزمین پر اردو

نے قدم جمائے تو افغانی سلاطین ہند کے قدم اکھڑ رہے تھے اور انگریزوں کے تسلط کا آغاز ہو رہا تھا۔ اس لئے اب عوام انفرادی سطح پر علمائے امت سے مسائل میں رجوع کرنے لگے اور اردو فتاویٰ کے قیمتی مجموعے بھی منظر عام پر آنے لگے۔ ان میں چند اہم مجموعے ہائے فتاویٰ یہ ہیں:

- ۱۔ العطا یا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ (۱۳۱۰ھ)۔ عبقری فقیہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ (م ۱۳۴۰)۔ ۲۔ فتاویٰ ارشادیہ (مطبوعہ ۱۹۵۵ء)۔ علامہ ارشاد حسین رامپوری۔ ۳۔ فتاویٰ محبوبیہ (مطبوعہ ۱۳۱۶ھ)۔ مولانا احمد حسین خان۔ ۴۔ فتاویٰ امجدیہ۔ علامہ مفتی حکیم ابوالعلا محمد امجد علی قادری رضوی۔ ۵۔ فتاویٰ مولانا عبدالحی فرنگی محلی۔ ۶۔ فتاویٰ قیام المملۃ والدین۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی۔ ۷۔ فتاویٰ نعیمیہ۔ مفتی احمد یار خاں نعیمی۔ ۸۔ فتاویٰ نظامیہ۔ مفتی رکن الدین۔ مطبوعہ حیدر آباد دکن۔ ۹۔ فتاویٰ صدارت العالیہ۔ مطبوعہ حیدر آباد دکن (۱۳۵۴ھ)۔ ۱۰۔ فتاویٰ واحدی۔ علامہ عبدالواحد سیوستانی (مطبوعہ لاہور ۱۳۴۶ھ)۔ ۱۱۔ فتاویٰ مسعودی۔ علامہ محمد مسعود شاہ نقشبندی۔ ۱۲۔ مجموعہ فتاویٰ۔ مبر علی شاہ گولڑوی (قلمی)۔ ۱۳۔ فتاویٰ ملک العلماء۔ ملک العلماء مولانا شاہ محمد ظفر الدین قادری برکاتی رضوی، وغیرہ وغیرہ۔



فقہ و افتا کی تاریخ پر اجمالی نگاہ ڈالنے کے بعد آئیے یہ دیکھتے ہیں کہ منصب افتا کے تقاضے کیا ہوتے ہیں؟۔ فقہ اسلامی کا تعلق زندگی کے ہر شعبہ سے ہے۔ سیاست و امارت، قوانین اور جرائم، انفرادیت اور اجتماعیت، عبادات و معاملات بھی اس سے جڑے ہوئے ہیں۔ اس لئے مذہب سے لے کر معاشرت تک کے مسائل اور رب سے لے کر بندے تک کے حقوق اس کے دائرہ بحث میں شامل ہیں۔ انفرادی اور شخصی طور پر دیکھئے تو نکاح، طلاق، نسب، پرورش و پرداخت، نفقہ، میراث، ان بھی معاملات کے مسائل زیر غور آتے ہیں جن سے عائلی اور خاندانی تنظیم میں مدد ملتی ہے۔ اجتماعی اور تمدنی معاملات میں خرید و فروخت، اجارات، رہن، کفالت، شرکت، قرض، وفائے عہد اور دیگر مسائل پر گفتگو ہوتی ہے۔ حقوق عباد میں والدین، اولاد، اہل خاندان، پاس پڑوس، شہر، ملک، قوم اور ملت کے مفادات کا تحفظ اسلامی نقطہ نگاہ سے ملحوظ ہونا چاہئے۔ اسی لئے یہ سارے معاملات بھی فقہ اسلامی کے دائرے میں آتے ہیں۔ حقوق اللہ میں جملہ فرائض و واجبات، سنن و مستحبات بھی شامل ہیں۔ غرض دنیا سے لے کر آخرت تک کے مسائل اس فن سے وابستہ ہیں۔ اس لئے فقیہ اور مفتی کا منصب بھی اپنے ساتھ بہت ساری نزاکتیں، ہمہ گیریاں اور اہمیتیں رکھتا ہے جن کے معیار پر پورا اترنے کے لئے مفتی کے اندر چند ممتاز خصائص کا ہونا ضروری ہے۔ آئیے دیکھتے ہیں کہ وہ خصائص کیا ہیں؟۔

کسی مفتی اور فقیہ کے اندر ایک عامی سے بالاتر ذاتی اور علمی دونوں سطح پر کچھ امتیازی خصوصیتیں ہونی چاہئیں۔ ذاتی سطح پر وہ ربط خالق، ربط خلق اور ربط نفس تینوں کے تقاضے پورا کرتا ہو۔ وہ ایک خدا ترس، اطاعت شعار بندہ، رسول رحمت کا جاں نثار امتی، دیانت دار، صداقت شعار، روادار، پیکر اخلاص، درد مند طبیعت رکھنے والا فرد امت ہو، حق پسند، حق گو، ہر قسم کی عصبیت سے بالاتر، حلیم اور بردبار، قول کا دھنی، عمل کی دولت سے مالا مال، دینی

تصلب سے آراستہ، شرافت و تہذیب کا پیکر اور شائستگی سے بھرپور ایک اچھا انسان ہو۔ جو فقیہ ان اوصاف سے آراستہ ہوگا وہی علم اور دین کے تقاضے پورا کر سکے گا۔

علمی سطح پر اس دور میں مقلد مفتی کے اندر درج ذیل خصوصیتیں ہونی چاہئیں:

(۱) مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ شریعت کے بنیادی مصادر سے واقف ہو خصوصاً کتاب و سنت، تفسیر و حدیث کے موجودہ ذخیرے پر وسیع نگاہ ہونی چاہئے تاکہ وہ پوری بصیرت کے ساتھ اپنے ائمہ مذہب کے اقوال کی تفہیم اور تلقین کی ذمہ داری ادا کر سکے اور نئے مسائل کے جوابات کتاب و سنت کی جاں بخش ضیاءوں میں اصول ائمہ مذہب سے استفادہ کرتے ہوئے مدلل طریقے سے پیش کر سکے۔

(۲) مفتی جس امام کی تقلید کرتا ہے، اس مذہب کی کتابوں اور فقہاء کے علمی مراتب اور طبقات سے پوری طرح واقفیت رکھتا ہوتا کہ اس ناقل مفتی کو اقوال ائمہ کی نقل و روایت میں دشواری پیش نہ آئے اور نہ وہ اس راہ میں تسامح کا شکار ہو بلکہ پوری بصیرت کے ساتھ افتا کی منصبی ذمہ داری پوری کر سکے۔

(۳) مفتی کو رائج اور مرجوح اقوال کا علم ہونا چاہئے تاکہ کہیں بے علمی میں قول مرجوح پر فتویٰ نہ دے بیٹھے جب کہ قول مرجوح پر فتویٰ دینا باطل ہے۔

(۴) مذہب احناف کی کتابوں کی متاخرین نے بالترتیب تین درجہ بندیاں کی ہیں۔ ۱۔ متون۔ ۲۔ شروح۔ ۳۔ فتاویٰ۔ ہر ایک درجے میں معتمد اور غیر معتمد دونوں طرح کی کتابیں موجود ہیں۔ مفتی کو اس کی واقفیت ہونی چاہئے کہ کون سے کتاب کس خانے میں آتی ہے اور آیا وہ معتمد ہے بھی یا نہیں؟

(۵) معتمد اور متداول کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ ہونا چاہئے اور ائمہ مذہب کے اختلاف کی صورت میں رسم المفتی اور آداب الفتا کی دفعات کی پابندی کرنی چاہئے، یعنی روایت، درایت، ترجیح، تصحیح کے اعتبار سے مضبوط پہلو پر عمل ہو۔

(۶) مفتی کے لئے حالات زمانہ سے واقفیت اور حتی الوسع رعایت ضروری ہے ورنہ زبردست فساد کا اندیشہ ہے۔ ”من لم يعرف اهل زمانه فهو جاهل“ (جو حالات زمانہ سے واقف نہیں، وہ نادان ہے) مشہور فقہانہ مقولہ ہے۔

(۷) فقہی اصطلاحات، مستند کتابوں کے انداز بیان اور مصنفین کے ترتیبی مزاج سے واقفیت بھی ضروری ہے تاکہ اقوال اخذ کرنے میں غلطی نہ ہونے پائے۔ بعض ائمہ سب سے پہلے قوی قول بیان کرتے ہیں پھر ضعیف، بعض کا انداز اس سے مختلف ہوتا ہے۔

(۸) حنفی مفتی کو کسی دوسرے امام کے مذہب پر فتویٰ دینا جائز نہیں۔ حنفی مطلقاً امام اعظم کے مذہب پر عمل کرے گا اور حنفی مفتی ہمیشہ حضرت امام اعظم کے قول پر فتویٰ دے گا۔ اسی مستحکم اتباع کے سبب تو اسے حنفی کہتے ہیں۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

(ترجمہ) ”طبع سلیم کے لئے قابل قبول انصاف کی بات یہ ہے کہ ہمارے زمانے کے مفتی کا کام یہی ہے کہ مشائخ نے جو فتویٰ دیا ہے، اسے نقل کر دے۔ اسی بات پر علامہ ابن شلح اپنے فتاویٰ میں گامزن ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

”اصل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر عمل کیا جائے۔ اسی لئے مشائخ اکثر انہی کی دلیل کو ان کے مخالف اصحاب کی دلیل پر ترجیح دیتے ہیں اور مخالف کے استدلال کا جواب بھی پیش کرتے ہیں۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ عمل قول امام پر ہوگا اگرچہ ایسی جگہ حضرات مشائخ نے یہ صراحت نہ فرمائی ہو کہ فتویٰ قول امام پر ہے۔ اس لئے کہ ترجیح خود صراحۃً تصحیح کا حکم رکھتی ہے کیونکہ مرجوح رائج کے مقابلے میں بے ثبات ہوتا ہے۔“

جب معاملہ یہ ہے تو قاضی اور مفتی کو قول امام سے انحراف کی گنجائش نہیں مگر اس صورت میں جب کہ مشائخ میں سے کسی نے یہ صراحت فرمائی ہو کہ فتویٰ امام کے سوا کسی اور کے قول پر ہے۔“ (فتاویٰ رضویہ، مترجم جلد اول ص ۱۰۰-۱۰۱) لیکن کسی بھی امام کا قول دو طرح کا ہوتا ہے۔ ۱- قول صوری۔ ۲- قول ضروری۔

اس کی توضیح عبقری الشرق، بے مثل حنفی فقیہ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے قلم سے ملاحظہ کیجئے۔ آپ اپنے جلیل الشان رسالہ ”اجلی الاعلام ان الفتویٰ مطلقا علی قوم الامام“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”الخامسة“ اقول وبالله التوفيق: ”القول قولان۔ صوری و ضروری۔ فالصوری هو المقول المنقول والضروری ما لم يقله القائل نصا بالخصوص لكنه قائل به فی ضمن العموم الحاکم ضرورة بان لو تکلم فی هذا الخصوص لتکلم کذا وربما یخالف الحکم الضروری الحکم الصوری وحی قضی علیه الضروری حتی ان الاخذ بالصوری بعد مخالفة للقائل والعدول عنه الی الضروری موافقة او اتباعا له کأن کان زید صالحا فامر عمرو خدامه باکرامه نصا جهارا و کرر ذلك علیهم مرارا وقد کان قال لهم ”ایاکم ان تکررتموا فاسقا ابدا“۔ فبعد زمان فسق زید علانية فان اکرمه بعده خدامه عملا بنصه المکرر المقرر لکانوا عاصین وان ترکوا اکرامه کانوا مطیعین ومثل ذلك یقع فی اقوال الائمة۔ (الفتاویٰ الرضویة ۱/۱۰۹ لاہور)

”پانچواں مقدمہ“ میں اللہ کی توفیق کے سہارے عرض کرتا ہوں کہ قول کی دو قسمیں ہوتی ہیں: ۱- قول صوری اور ۲- قول ضروری۔

قول صوری وہ ہے جو کسی نے صراحۃً کہا اور اس سے نقل ہوا۔ اور قول ضروری وہ قول ہے جسے قائل نے صراحۃً اور خاص طور پر نہ کہا ہو مگر وہ کسی ایسے عموم کے ضمن میں اس کا قائل ہو جس سے ضروری طور پر یہ حکم برآمد ہوتا ہے کہ اگر وہ اس خصوص میں کلام کرتا تو اس کا کلام ایسا ہی ہوتا۔

کبھی حکم ضروری، حکم صوری کے خلاف بھی ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں حکم صوری کے خلاف حکم ضروری رائج اور فیصلہ کن ہوتا ہے، یہاں تک کہ اب قول صوری پر عمل کرنا قائل کی مخالفت شمار ہوتا ہے اور حکم صوری کو چھوڑ کر حکم ضروری کی طرف رجوع کو قائل کی موافقت یا اس کی پیروی کہا جاتا ہے۔ مثلاً زید نیک اور صالح انسان تھا۔ اس لئے عمرو نے اپنے خادموں کو کھلے لفظوں میں صراحۃً حکم دیا کہ وہ زید کی تعظیم کیا کریں۔ اس نے اس حکم کا بار بار اعادہ کیا لیکن اس سے پہلے وہ خدام کو یہ حکم عام بھی دے چکا تھا کہ کسی فاسق کی تعظیم ہرگز نہ کریں۔ اتفاق ایسا ہوا کہ زید فاسق معلن ہو گیا۔ اب اگر عمرو کے خدام اس کے مکرر ثابت شدہ صریح حکم پر عمل کرتے ہوئے زید کی تعظیم کریں تو عمرو کے نافرمان شمار ہوں گے

اور اگر اس کی تعظیم ترک کر دیں تو اطاعت گزار ٹھہریں گے۔ ایسا ہی معاملہ اقوال ائمہ میں بھی پایا جاتا ہے۔
اس توضیح کی روشنی میں یہ بات واضح ہو گئی ہوگی کہ ائمہ احناف بعض اوقات حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے قول ظاہر سے انحراف کرتے ہوئے دیگر پہلو پر کیوں عمل کرتے ہیں اور اس کے باوجود حنفی کیوں کہلاتے ہیں؟۔ لیکن قول امام سے عدول ہر جگہ روا نہیں بلکہ مخصوص حالات میں خاص اسباب کے تحت اس کی اجازت ہوتی ہے۔ وہ خاص اسباب کون سے ہوتے ہیں، اس کی وضاحت کرتے ہوئے امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا حنفی قادری برکاتی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

(ترجمہ) ”ائمہ مذہب کے قول صوری کے خلاف حکم ضروری پر عمل ہوتا ہے۔ اس کے درج ذیل چھ اسباب ہوتے ہیں:

۱۔ ضرورت۔ ۲۔ حرج۔ ۳۔ عرف۔ ۴۔ تعامل۔ ۵۔ کوئی اہم مصلحت جس کی تحصیل مطلوب ہو۔ ۶۔ کوئی بڑا مفسدہ جس کا ازالہ مطلوب ہو۔

ان اسباب کی بنا پر قول ضروری پر عمل اس لئے ہوتا ہے کہ ضرورتوں کا استثناء، حرج کا دفعیہ، ایسا دینی مصلحتوں کی پاسداری جو اپنے سے زیادہ فساد سے خالی ہوں، مفسدہ کو دور کرنا، عرف کا لحاظ کرنا اور تعامل پر کاربند ہونا، یہ سب ایسے قواعد کلیہ ہیں جو شریعت سے معلوم ہیں۔ سارے ائمہ ان کی جانب مائل، ان کی پاسداری کے قائل اور ان پر اعتماد کرتے ہیں۔ اب اگر کسی مسئلے میں امام کا کوئی صریح حکم موجود ہو پھر حکم تبدیل کرنے والے مذکورہ امور میں سے کوئی ایک پیدا ہو تو ہمیں یہ قطعی یقین ہوگا کہ اگر یہ صورت حال خود ائمہ مذہب کے زمانے میں پیدا ہوتی تو ان کا قول اس کے تقاضے کے مطابق ہوتا۔ ان حالات سے آنکھیں موند کر اس کے برعکس وہ ائمہ بھی حکم نہ دیتے۔ ایسی صورت میں ان ائمہ سے غیر منقول قول ضروری پر عمل کرنا ہی دراصل ان کے قول پر عمل ہے۔ اب ان کے سابقہ منقول اقوال صوری پر جم جانا، ان کی پیروی نہ کہلائے گی۔“ (فتاویٰ رضویہ ۱/۱۱۰)

اس کی بہت سی نظیریں فقہائے احناف نے پیش کی ہیں بلکہ خود نص شارع میں اس کی واضح مثال مساجد میں عورتوں کی حاضری ہے جو زمانہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں روائت تھی بلکہ خود حدیث میں اس کا حکم ہے لیکن بعد میں خود حضرات صحابہ نے عورتوں کو مساجد میں آنے سے سختی سے روک دیا۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ قول خود مسند امام احمد اور صحیحین میں منقول ہے:

”لو ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رای من النساء ما ابنا لمنعهن من المسجد

كما منعت بنو اسرائیل نسائہما“

”اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عورتوں کی موجودہ حالت ملاحظہ فرماتے تو انہیں مسجد میں آنے سے روک دیتے جس طرح بنی اسرائیل نے اپنی عورتوں کو مسجد کی حاضری سے روک دیا۔“

(۸) اصحاب ترجیح فقہانے جس قول کو ترجیح دے دی، مفتی کو اس کے خلاف فتویٰ دینا ہرگز روا نہیں۔ اگر کسی مسئلے

میں مختلف اقوال مصححہ پائے جائیں تو ان میں سے جو زیادہ موکد اور رائج ہوں، اسی پر فتویٰ دیا جائے۔
اس ترجیح کے لازم العمل اسباب، عبقری فقیہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ نے بیان فرمائے ہیں۔ میں اس کا خلاصہ ذیل میں درج کرتا ہوں:

۱- تصحیح کا زیادہ موکد ہونا۔ ۲- تصحیح کا متون میں اور دوسرے کا شروح میں ہونا۔ ۳- تصحیح کا شروح میں اور دوسرے کا فتاویٰ میں ہونا۔ ۴- فقہانے اس تصحیح کی علت بیان فرمائی اور دوسرے کی کوئی علت اور دلیل نہ پیش کی۔ ۵- تصحیح کا استحسان ہونا۔ ۶- ظاہر الروایۃ ہونا۔ ۷- وقف کے لئے زیادہ نفع بخش ہونا۔ ۸- قول اکثر ہونا۔ ۹- اہل زمانہ کے لئے زیادہ سازگار اور موافق ہونا۔ ۱۰- اوجہ اور دلیل کے لحاظ سے زیادہ واضح ہونا۔ ۱۱- احوط ہونا۔ ۱۲- ارفق (زیادہ سہل العمل) ہونا۔ ۱۳- معمول بہ ہونا۔ ۱۴- مذہب امام ہونا۔ (مترجم فتاویٰ رضویہ ملخصاً جلد اول ص ۱۶۹ تا ۱۷۱)

(۹) مفتی کو جواب دینے میں احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ جواب معلوم ہونے کے باوجود غور و خوض، تلاش و جستجو سے جب جواب کی صحت کا یقین حاصل ہو جائے تب جا کر جواب سپرد قلم کرے۔ ورنہ بسا اوقات سوال کی جزئیات کے مختلف ہونے سے جواب کی نوعیت بھی بدلتی رہتی ہے۔ اگر باریک بینی اور غور و خوض سے کام نہیں لیا گیا تو معاملہ کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔

(۱۰) خوف خدا کے سائے میں جواب صاف ستھرے اسلوب میں وضاحت کے ساتھ تحریر کرے۔ شق در شق کی پیچ دار یوں سے خود بھی بچے اور سائل کو بھی اس میں الجھنے سے بچائے۔ اگر صورت جواب مختلف النوع ہو تو سائل سے سوال قائم کر کے اس کی نوعیت متعین کر لے پھر متعین رخ پر تحقیقی جواب تحریر کرے۔ لفاظی اور ضاعی سے بالکل احتراز کرے، دونوں لفظوں میں جواب دے۔ ہاں سلاست اسلوب کی روش مستحسن رہے گی۔

☆☆☆☆☆

فقہ و افتا اور ان کے لوازمات کے اس قدرے تفصیلی جائزے کے بعد جب ہم حضرت ملک العلماء کی فقہی نگارشات کا مطالعہ کرتے ہیں تو آپ ایک ممتاز فقیہ، مہر مفتی اور تجربہ کار اسلامی دانشور نظر آتے ہیں۔ آپ نے چوں سال تک افتا نگاری فرمائی، کثیر فقہی موضوعات پر رسالے تحریر فرمائے اور نجی محفلوں میں ہزاروں لاکھوں مسائل بیان فرمائے۔

۱- مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس (۱۳۲۳ھ)۔ ۲- اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیۃ فی المساجد (۱۳۲۵ھ)۔ ۳- التعلیق علی القدوری (۱۳۲۵ھ)۔ ۴- بسط الراحة فی الحظر والاباحة (۱۳۲۶ھ)۔ ۵- الفیض الرضوی فی تکمیل الحموی (۱۳۲۶ھ)۔ ۶- رفع الخلاف من بین الاحناف (۱۳۳۲ھ)۔ ۷- القول الاظہر فی الاذان بین یدی المنبر (۱۳۳۳ھ)۔ ۸- تحفۃ الاحباب فی فتح الکوة والباب (۱۳۳۶ھ)۔ ۹- نہایۃ المنتہی فی شرح ہدایۃ المبتدی (۱۳۳۳ھ)۔ ۱۰- تسہیل الوصول الی علم الاصول (۱۳۳۸ھ)۔ ۱۱- نافع البشر فی فتاویٰ ظفر (۱۳۳۹ھ)۔ ۱۲- نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب (۱۳۵۳ھ)۔ ۱۳- جامع الاقوال فی رویۃ الہلال (۱۳۵۷ھ)۔ ۱۴- عید کا چاند (۱۳۷۰ھ)۔ ۱۵- تنویر المصباح للقیام عندی علی الفلاح (۱۳۷۱ھ) جیسی آپ کی قیمتی تحریریں فقہ و افتا کے موضوع

سے ہی تعلق رکھتی ہیں۔

مفتی اور فقیہ کا جو معیار حضرت امام غزالی نے پیش کیا تھا، اس کی روشنی میں احقر نے منصب افتا کے ذمہ دار کے لئے خصائص کے دو خانے ذکر کئے تھے جن میں سے ایک کا تعلق اس کی ذاتی سطح سے تھا اور دوسرے کا علمی سطح سے۔ دونوں سطحوں کا معیار، ان کے لوازمات اور تقاضوں پر گزشتہ اوراق میں گفتگو ہو چکی۔ ان کے تناظر میں ہم جب حضرت ملک العلماء کے اوراق حیات کا مطالعہ کرتے ہیں تو آپ ان دونوں معیار پر کھرے اترتے دکھائی دیتے ہیں۔ آپ کا اخلاقی معیار اتنا روشن ہے کہ بس دیکھا کیجئے۔ احقر نے حضرت کی خودنوشت یادداشتیں، قلمی سرمائے، خطوط کے ذخیرے اور مختلف گرانقدر اوراق کی زیارت کی ہے۔ کسی مبالغہ اور تردد کے بغیر عرض کرتا ہوں کہ آپ مجھے ہر قدم پر مخلص امت، مصلح امت، پرسوز داعی، خدا ترس، بندہ طاعت شعار، درد مند طبیعت اور سوز دروں سے لبریز ایک اچھے انسان نظر آئے۔ آپ کے یہاں حرص و آرزو کا گزر نہیں، قناعت پسندی شیوہ فطرت تھی، تنگ دستی کے باوجود ہر کار خیر میں سبقت فرماتے۔ کثیر مدارس، خانقاہوں اور مکتبوں کی اپنی جیب خاص سے مدد فرماتے۔ ملت کے مفادات پر ذاتی مفاد کو بے دریغ قربان کر دیتے، ہر آڑے وقت پر کام آتے۔ آپ کے ساتھ جس نے بھی احسان کیا، اسے ہمیشہ یاد رکھا بلکہ اس کا حق احسان ادا کرنے کی کوشش کی۔ فتنوں سے بے زار اور ہمدردیوں سے ہمیشہ قریب رہے۔ ان باتوں کی قدرے تائید دیکھنی ہو تو اسی مجموعہ فتاویٰ میں شامل رسالہ مبارکہ ”تحفۃ الاحباب فی فتح الکلوۃ والباب“ کا مطالعہ کیجئے۔ اسی طرح ”ہادی الھدایۃ لترك الموالات (۱۳۳۹ھ) اور ”سد الفرار لہما جری بہار“ (۱۳۶۶ھ) جیسی تحریروں میں بھی آپ نے بہت سوز دل کے ساتھ ملت کی صحیح راہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہے۔

میں یہاں کتاب السیر کے ایک فتوے کا اقتباس پیش کرتا ہوں جس سے حضرت کے سوز دروں اور خیر خواہی امت کا قدرے اندازہ ہو جائے گا۔ ہنود کی دل آزاری کے پیش نظر گائے کی قربانی ترک کرنے پر تنبیہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”لَا يَأْلُو نَكُمْ حَبَالًا“ کی تصدیق دیکھئے کہ ہاتھ ملاتے ہی قربانی پر نظر شفقت پھیری۔ بظاہر ترک اضحیہ بقر کی خواستگاری ہے مگر اہل اسلام کی مذہبی حالت، احکام خدا کی تعمیل میں توانی (سستی) و مسابہت، ہر ایک کے پیش نظر ہے۔ آج جب روپے، ڈیڑھ روپے میں واجب اضحیہ ادا ہو جاتا ہے، جب تو یہ حالت ہے کہ سیکڑے تیس، جن پر قربانی واجب ہے، نہیں کرتے۔ پھر جب چھ سات روپے صرف ہونے لگیں گے، سیکڑے ستر اسی اس ثواب سے محروم رہا کریں گے۔ بقیہ کا کرنا بھی اس صورت پر موقوف ہے کہ برادران وطن سچے دل سے اس کی اجازت دیں۔ ورنہ دل آزاری کا وہ نایاب نسخہ ہاتھ لگا ہے کہ نہ صرف قربانی بلکہ اذان، تکبیر، جمعہ، جماعت، وعظ، نصیحت، جس کام کو چاہیں گے، بند کرادیں گے اور پھر دوست کے دوست۔

مسٹر گاندھی وغیرہ لیڈران ہنود کا مسلمانوں سے اتفاق و اتحاد ظاہر کرنا، خلافت خلافت چلانا، صرف اپنا الٰہو سیدھا کرنے، گاؤں کشی ترک کرانے کے لئے ہے۔ اخباروں کے کالم ان واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔ اخبار حقیقت لکھو ۳۰

جنوری ۱۹۲۰ء کا مضمون جس کی سرخی ”انسداد گاؤ کشی پر مسلمانوں کا شکوہ“ ہے، ملاحظہ کرنے سے یہ امر اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ انسداد گاؤ کشی میں مسٹر گاندھی نے سب سے پہلے ابتدا کی ہے۔ انہوں نے اپنی دلی محبت سے مسلمانوں سے اتحاد عمل کر لیا ہے اور اس طرح وہ گایوں کی جانوں کو بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ غرض ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آنا اور ابتدائے اسلام سے اس وقت تک مسلمانوں پر جو مظالم ہوتے آئے ہیں، خصوصاً حال کے واقعات شاہ آباد و کٹار پور وغیرہ کو اس قدر جلد بھلا دینا، مسلمانوں کی سخت نادانی اور غلطی ہے۔“

علمی سطح پر حضرت ملک العلماء کی جامعیت کا ایک زمانہ شاہد ہے۔ رائج دینی علوم کا کون سے ایسا گوشہ ہے جو آپ کی نگاہ میں نہ تھا۔ اس وسیع النظری پر قدرے گفتگو پہلے بھی ہو چکی ہے۔ فقہی زاویے سے چند شواہد یہاں بھی پیش ہوتے ہیں۔

وسعت نگاہ:

حضرت ملک العلماء جملہ اسلامی اور فلکیاتی علوم میں اتھارٹی تھے۔ ان کی تصانیف کی فہرست سے ہی ان کی علمی وسعت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ زیر نظر مختصر مجموعہ فتاویٰ میں بھی آپ کی علمی گہرائی اور فکری گیرائی کے شواہد بکھرے پڑے ہیں۔ میں یہاں اس کے چند اشارے دیتا ہوں۔

احقر نے جب حضرت ملک العلماء کے موجودہ فتاویٰ کے مآخذ کتب کی فہرست تیار کی تو یہ کتابیں تین سو سے اوپر جا پہنچیں۔ ان میں تقریباً تیس کتابیں فن تفسیر سے متعلق ہیں، ستر سے زائد کتب حدیث اور تقریباً ڈیڑھ سو فقہی کتابیں ہیں۔

فتاویٰ کے دوران جب آپ تفسیر و حدیث اور فقہی کتابوں کے حوالے پیش کرنے پر آتے ہیں تو مستند حوالوں کے انبار لگا دیتے ہیں۔ کتاب الصوم کے آغاز میں آیت کریمہ ”فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ“ کی تفسیر پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ“ کی تفسیر میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ چند اقوال جو اس وقت نظر فقیر میں ہیں، قلمبند ہوتے ہیں۔

(۱) تفسیر بیضاوی، جلالین، مدارک، تفسیر خازن، ابن جریر طبری، تفسیر نیشاپوری، درمنثور، تفسیر واحدی، تفسیر حسینی، معالم التنزیل، تنویر المقیاس، روح المعانی، بحر المحیط، النہر، تفسیر کبیر، تفسیر کشاف، تفسیر ابن کثیر، فتح البیان، قنوجی، میں ہے: واللفظ للاول ”فمن حضر فی الشهر ولم یکن مسافراً فلیصمه“ یعنی جو شخص رمضان کا مہینہ اپنے گھر میں پائے اور مسافر نہ ہو تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔

(۲) تفسیر بیضاوی، تفسیر حسینی، روح البیان، بحر المحیط میں ہے: واللفظ للبیضاوی ”فمن شهد منکم ہلال شہر فلیصمه“ یعنی جو شخص تم میں سے رمضان کا چاند پائے تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔

روح المعانی میں اتنا اور بڑھایا ”وتیقن به“ یعنی رمضان کا چاند پائے اور اسے یقین ہو تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔ بحر المحیط میں یہ معنی لکھ کر محاورہ کے اعتبار سے اس معنی کو ضعیف کہا کہ محاورہ شہادت الہیہ لکھتے ہیں کہ بلکہ شہادت۔

کتب حدیث اور طرق حدیث کے ذخیروں پر بھی وسیع نگاہ تھی۔ ستر سے زائد کتابوں کے حوالے تو اسی مجموعے میں ملتے ہیں۔ ایک مضمون کی دسیوں حدیث پیش کر دیتے ہیں۔ ایک حدیث کے دسیوں طرق بیان کر جاتے ہیں۔ تعمیر مسجد کے فضائل پر مختلف رواۃ کی چودہ حدیثیں بیان فرمائیں۔ اسی ذیل کی دوسری حدیث بیان فرمائی تو گیارہ ائمہ حدیث کی نو صحابہ کرام سے مرویات بیان کر دیں اور لطف یہ کہ متن کے مختلف اضافے بھی ذکر فرمائے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

”دوسری حدیث میں ہے: من یبني لله مسجداً جو شخص خدا کے لئے مسجد بنائے وہ فی روایۃ ولو کمفحص قطاة اگرچہ قطاۃ کے گھونسے جیسی وہ فی روایۃ او اصغر یا اس سے بھی چھوٹی وہ فی روایۃ یدکر اللہ عز وجل فیہ تاکہ اس میں ذکر خدا ہوئے (نہ کہ مسجد ضرار کہ تفریق بین المسلمین وتقلیل جماعت کی غرض سے بنائی جائے) بنی اللہ لہ بیتا فی الجنة اللہ اس کے لئے گھر جنت میں بنائے گا فی روایۃ من درر ویافوت موتی اور یاقوت کے رواہ ابن ماجہ وابن حبان وسیدنا ابو حنیفہ وابن خزیمة والبخاری مسندہ والطبرانی فی الصغیر والترمذی وهو فی الکبیر والاوزی و ابن عدی والنسائی عن سیدنا عثمان وعمر و جابر بن عبد اللہ وابی ذر و انس بن مالک وابی امامہ وابی ہریرہ واسماء بنت الصدیق وعمر و بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین“۔

حضرت ملک العلماء کے فتاویٰ میں فقہی مراجع بھی کثرت سے استعمال ہوئے ہیں جو آپ کے علم اور مطالعہ کی وسعت کا روشن ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ اس مجموعہ فتاویٰ میں شامل فقہی رسالے ”تنویر المصباح“ ”نصرۃ الاصحاح“ ”اعلام الساجد“ میں کثیر در کثیر فقہی کتب کے حوالے دیکھے جاسکتے ہیں۔ جمعہ کی اذان ثانی کے بارے میں ایک مختصر سے فتوے میں بائیس کتابوں کے حوالے موجود ہیں۔

تفسیر، حدیث اور فقہی مراجع کی اس قدر کثرت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے علمی فیضان کی برکت ہی کہی جاسکتی ہے۔ فتاویٰ رضویہ اس تنوع، کثرت اور ہمہ جہتی میں بہت ممتاز ہے۔

آداب افتا کی رعایت :

مفتی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ فقہاء اور کتب فقہ کے مراتب اور رسم المفتی سے مکمل واقفیت رکھتا ہو اور اس کی روشنی میں فتویٰ دیتا ہو۔ حضرت ملک العلماء آداب افتا پر بصیرانہ عبور رکھتے تھے اور اپنے فتاویٰ میں ان کا پورا پورا خیال رکھتے بلکہ اوروں کو جب ان کی حدود پھلانگتے دیکھتے تو ان کا بھرپور تعاقب کرتے اور انہیں ان کی ذمہ داریاں یاد

دلاتے۔ اس کی بہت سی نظیریں اس مجموعے میں مل جائیں گی۔ میں یہاں صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں۔

سوال تھا: امام کی جائے قیام عام مقتدیوں کی جگہ سے پانچ انگل بلند ہے یا امام دہلیز میں کھڑا ہے تو نماز میں کچھ قباحت تو نہیں؟۔ امام احمد رضا نے جواب مرحمت فرمایا: ”یہ صورت مکروہ ہے“ حوالے پیش فرمائے، وجہ بتائی پھر اس کا مناسب حل پیش فرمایا۔ یہی استفتاء ایک اور صاحب افتا کے پاس بھیجا گیا، ان کا جواب تھا: ”پانچ انگل بلند ہو تو کچھ حرج نہیں“ انہوں نے بھی حوالے پیش کئے، علت بیان کی۔

مستفتی نے وہ سوال اور یہ دونوں جوابات حضرت ملک العلماء کی خدمت میں پیش کئے۔ حضرت ملک العلماء نے آداب افتا سے غافل مشتی کا بھرپور تعاقب کیا۔ میں حوالوں کی عبارات حذف کر کے اس جواب کا خلاصہ پیش کرتا ہوں۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

”جواب سید مولوی ابراہیم رشیدی محض غلط ہے اور دعویٰ محض بے دلیل... فتاویٰ عالمگیریہ سے مقدار ارتقاع قائمہ اور ذراع جو لکھا ہے، یہ دونوں بوجہ مخالفت ظاہر الروایۃ غیر معتبر ہیں۔ ظاہر الروایۃ (جس پر عمل وافتا متعین اور اس کے خلاف پر فتویٰ دینا جہل و خرق اجماع ہے) وہی ہے جو حضرت مجیب اول متع اللہ المسلمین بطول بقائه نے اختیار فرمائی ہے۔...

شرح عقود بلکہ باوجود وضوح و شیوع اس کے آپ جیسے تیز فہم کے لئے علما نے تصریح فرمادی کہ جب کبھی فتویٰ لکھنے بیٹھنا تو ظاہر الروایۃ پر عمل کرنا۔ کیونکہ اس کے خلاف پرافتاء جہالت و نادانی و خرق اجماع ہے۔

ثانیاً: یہ امر مسلم ہے کہ اتباع اس روایت کا کیا جائے گا جس کے موافق درایت ہو اور احادیث ابی داؤد و حاکم و ابن حبان وغیرہم کی اس باب میں مطلق ہیں اور ظاہر الروایۃ قدر ممتاز ہے۔ پھر اس سے عدول فقہات سے دور بلکہ کار جہول ہے۔

ثالثاً: تصحیح اور فتویٰ جب مختلف ہو تو عمل میں اعتبار، موافقت اطلاق متون کا ہوتا ہے۔ اور متون سارے کے سارے یک زبان یہی کہہ رہے ہیں: یکسرہ ان یقوم فی مکان اعلیٰ من مقام القوم اذا لم یکن بعض القوم معہ۔ تو اس سے عدول محض جہالت و نادانی ہے۔

رابعاً: بحر الرائق میں ثابت کہ مخالف ظاہر الروایۃ کا، مرجوع عنہ ہوتا ہے اور وہ مجتہد کا قول نہیں رہتا پھر باوجود ایماء خفیت امام کے خلاف فتویٰ دینا، سواء مستثنیات خاصہ مصرحہ فتح و شامی وغیرہما کے، خلاف دیانت و عقل ہے۔

خامساً: آپ کا فرمانا اذا تعارض امامان الخ۔ محرر صاحب! اولاً تو یہ مسئلہ ہی اختلافی ہے۔ جس درمختار سے آپ سند لائے، اس میں ہی مرقوم ہے:.....

”یعنی علامہ خیر الدین ربی نے اپنے فتاویٰ خیر لیس البریہ میں فرمایا کہ علامات افتا کے بعض الفاظ بعض سے اقویٰ ہوتے ہیں جیسے اصح کہ اقویٰ ہے صحیح سے، تو یہ صحیح پر مقدم کیا جائے گا۔“

سادساً: ذرا یہ تو ارشاد ہو کہ یہاں صحیح اور اصح میں اختلاف کہاں؟ بلکہ اسی روایت کو بعض علماء نے اوجہ لکھا کافی الدر۔ محقق علی الاطلاق ابن ہمام نے فتح القدیر میں وجہ فرمایا، فافہم۔ صاحب! یہاں تو ظاہر الروایۃ اور غیر ظاہر الروایۃ

میں اختلاف ہے۔ جہاں ظاہر الروایۃ ہی پر افتا متعین، جسے آپ نے پس پشت ڈال کر یا اپنے پرانے کی نقل بنا کر جبل اور خرق اجماع کی راہ لی ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم۔

جب آپ انتقادات میں اہل سنت کیا بلکہ اہل اسلام کے مخالف ہیں۔ اس شخص کے، جس کے گلے میں علماء عرب و عجم نے تکفیر کی طوق ڈالی ہو، مرید مستفید تو پھر آپ کو ان مسائل میں جو فقہیہ ہیں، جو مابین ہمارے علماء کے مختلف فیہ ہو، قیل و قال کی کس عقلمند نے راہ بتائی؟ اگر اپنے زعم میں فقیہ ہو، کچھ تحریر کرنا چاہتے ہو، تو چشم مارو شن دلِ ماشاد۔ کلمہ پڑھو، علمائے حریمین محترمین کے موافق اپنے عقاید بناؤ، تب ان باتوں میں پڑنا ورنہ ایسی ہی خرافات پر جنے رہو۔ ان اختلافی فرعیات میں بحث کرنا تو احمق نمبر ۲ بنتا ہے۔ جیسے کوئی قادیانی یا ہندو کسی سنی حنفی سے مناظر ہو اور کہے کہ آمین بالجبر کہنا چاہئے یا بالا خفاء؟ تو ہر ادنیٰ عقل والا بھی کہے گا کہ ارے او مسخرے! پہلے اسلام لا، سنی بن پھر ان باتوں میں منہ کھولنا۔ اللہ تعالیٰ اصدق الصادقین کی تکذیب کریں، حضور اقدس افضل الناس و اعلم الناس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کریں، ابلیس لعین کے علم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ بتائیں اور فقہیات میں خامہ فرسائی کریں؟ اپنے کو پانچویں سواروں میں بتلائیں؟۔ ع شرم بادت از خدا و از رسول۔

ایسے جاہل مطلق جو آداب مفتی سے محض جاہل اور اس پر طردہ تحریر کا شوق کرے، تو اس سے فتاویٰ عالمگیریہ، اذا تعارض امامان، در المختار، حررد العبد محمد ابراہیم سنی حنفی چشتی رشیدی، کتنے کی کیا شکایت؟ ان سب میں الف تو ہضم ہوا ہی تھا لام تو ٹیڑھی کھیر تھا مگر حافظ جی اسے بھی چٹ کر بیٹھے۔ بالجملہ جواب اول صحیح ہے اور تحریر ثانی غلط صریح، جہل قبیح ہے۔“

یہ اقتباس جہاں حضرت کی آداب افتا سے پوری واقفیت، تفقہ اور دقیقہ رسی کو واضح کر رہا ہے، وہیں آپ کی ظرافت ملیح اور تیکھی تنقید کے دلچسپ اسلوب کا بھی آئینہ دار ہے۔

تفقہ:

مقامات دین کے فہم اور اصول دین کی بصیرت کو تفقہ کہتے ہیں۔ یہ ملک العلماء کے مربی اور مرشد، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا خاص رنگ تھا جو ان کے پورے علمی وجود پر چھایا ہوا تھا۔ حضرت ملک العلماء نے بھی اس بارگاہ فیض سے حصہ لیا ہے، اس لئے آپ کے یہاں بھی گہری فتاہت ملتی ہے۔ گو آپ کو شہرت ایک محدث، ایک مصنف، ایک مناظر، ہیئت و توقیت کے ماہر اور جفاکش مدرس کی حیثیت سے ملی لیکن ان سب کے ساتھ ساتھ آپ کے یہاں فتاہت کا جو ہر بھی اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ موجود ہے۔ اس دعوے کی تصدیق کے لئے اسی مجموعے سے اخذ کر کے چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

سنی حنفی المذہب کی بنائی ہوئی مسجد میں ایک غیر مقلد صاحب امامت کا شوق رکھتے ہیں۔ مسئلہ پیش ہوتا ہے ملک العلماء کی بارگاہ میں۔ یہ سوال تو دستیاب نہ ہو سکا لیکن جواب کی تفصیلات بتاتی ہیں کہ سوال میں بہت ساری جزئیات

تمہیں۔ جواب میں حضرت ملک العسا نے جس جزئیات نگاری، ژرف نگاہی اور دقیقہ رسی سے کام لیا ہے، وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ بارہ صفحات پر پھیلا ہوا یہ فتویٰ حضرت کی نقاہت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ پورا لطف تو اصل فتوے کے مطالعہ سے ہی اٹھایا جاسکتا ہے۔ میں یہاں اکیس نکات پر پہلے اس فتوے کے خاص خاص گوشوں کا خلاصہ پیش کرتا ہوں۔

ابتدا ہوتی ہے: غیر مقلد کا استحقاق امامت کا دعویٰ باطل محض ہے کیونکہ بانی اور مصلی سب سنی ہیں اور اہل محلہ بھی جسے چاہیں گے، وہی امام ہوگا۔ غیر مقلدین بد مذہب ہیں اور بد مذہب کی توقیر حرام۔ اس لئے امامت کا اعزاز اسے نہیں دیا جاسکتا۔ بد مذہب حدیث اہل نجران کو سند میں نہیں پیش کر سکتے کہ دیکھو وہ کافر مستامن تھے، حضور نے انہیں مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی اجازت دی تو بھلا ایک کلمہ گو کو مسجد سے کیسے روکا جاسکتا ہے؟۔ حضرت نے مختلف حوالوں سے اپنا موقف مستند بنانے کے بعد اخیر میں خوب فرمایا:

”غیر مقلدین اگر حدیث نجران سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو پہلے اپنی کلمہ گوئی سے انکار کریں اور یہ ہی کافی نہیں بلکہ اپنے کافر اصلی ہونے کا ثبوت دیں۔ پھر سلطنت اسلام میں امان لے کر آجائیں۔ سلطان اگر مناسب جانے گا تو انہیں بھی کفار نجران کی طرح چند روز امان دے گا اور اتنے دنوں اپنی مسجدوں میں نماز سے نہ روکے گا۔“

غیر مقلد امام نے وقف کے استحقاق عام سے فائدہ اٹھانا چاہا تو حضرت نے ترکی بہ ترکی جواب سے اس کی بولتی بند کر دی:

”غیر مقلدین کے نزدیک اگر وقف کا استحقاق ایسا عام ہے تو کیا وہ نوشتہ دے سکتے ہیں کہ ان کی مسجدوں میں ہنود و نصاریٰ و یہود و مجوس و روافض و غیر ہم جو فرقہ چاہے جائے اور اپنے طور پر عبادت کرے۔ ناقوس پھونکیں، گھنٹے بجائیں، آگ جلائیں، چلیپا قائم کریں، انہیں کچھ انکار نہ ہوگا؟۔“

گفتگو آگے بڑھتی ہے اور غیر مقلدین کی دراندازی کی ممانعت مختلف وجوہ سے ثابت کی جاتی ہے۔ ”ان کی آمد سے سنیوں کی دل آزاری ہوتی ہے، فتنے اٹھتے ہیں، عوام بدکتی ہے اور وحشتیں، فتنے، دل آزاریاں مسجد سے دور رکھی جائیں گی۔“ آگے چل کر اچھوتی توجیہ یہ پیش کرتے ہیں کہ ان کی مداخلت سے مسجدیں ویران ہوتی ہیں۔ رقم طراز ہیں:

”غیر مقلدین اگر حنفیہ کی مسجدوں میں نہ آئیں تو یہ مساجد ویران نہ ہوں گی کہ ان کے بانی، ان کے نمازی سنی حنفی، ان کے آباد کرنے والے کثیر وافر ہیں لیکن انہیں اگر حنفیہ کی مساجد پر قبضہ دیا جائے تو رعایا و ملک کے بڑے حصے کو دوخت ضرروں میں سے ایک ضرر ضرور پہنچے گا:

۱۔ یا تو وہ اپنی نہ چھوڑیں اور غیر مقلدین کی مداخلت و اقوال و افعال دل شکنی کے باعث فتنے اٹھیں اور مسجدیں ویران ہو کر جیل آباد ہوں۔

۲۔ یا حنفیہ اپنی عزت، اپنی عافیت عزیز رکھ کر اپنی مسجدیں چھوڑ بیٹھیں۔ ہر طرح غیر مقلدین کا قبضہ ان مساجد کی ویرانی کا سبب ہے اور بحکم قرآن عظیم جس کے آنے سے مسجدیں ویران ہوں، وہی ظالم ہے۔ اس کو مسجد میں آنے کی اجازت نہیں۔“

ثبوت کے لئے فریقین کی بکثرت کتابیں کہ چھپ کر شائع ہو چکیں، کافی ہیں۔ بلکہ کسی ثبوت کی حاجت نہیں تم ہمیں گمراہ کہتے ہو اور ہم تمہیں۔ اور اگر تم اس وقت مصلحت نہ کہو تو ہمارا فریق تو ضرور تمہیں گمراہ و بددین کہتا اور لکھتا اور چھاپتا ہے۔ اب دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو تم فی الواقع گمراہ ہو تو مطلب حاصل۔ یا واقع میں تم ہدایت پر ہو؟ تو جو فریق ہدایت کو ضلالت جانے، وہ گمراہ ہے۔ اب یا تو تم ہمیں، ہمارے جمیع اعتقادات میں حق پر جانتے ہو یا نہیں؟ اگر نہیں تو معلوم ہوا کہ ہمارے بعض اعتقاد تمہارے نزدیک حق نہیں۔ اور اگر ہاں، تو ہمارے اعتقادات سے ایک یہ بھی ہے کہ تم گمراہ و بددین ہو، یہ بھی حق ہوا۔ بہر حال دونوں تقدیر پر ایک ضرور گمراہی پر ہے۔ اور شرع مطہر کا اہل حق کو حکم ہے کہ گمراہوں سے میل جول نہ کریں۔ ان سے دور بھاگیں، ان کی نماز میں نہ شریک ہوں، اور وہ بیمار پڑیں تو عیادت کو نہ جائیں، وہ مر جائیں تو جنازے کی نماز نہ پڑھیں۔ اب اگر معاذ اللہ ہم گمراہ ہیں تو تم کو حکم ہے کہ ہم سے دور رہو، ہماری نماز میں شرکت نہ کرو۔ اور اگر تم اہل بدعت ہو تو ہم کو حکم ہے کہ ہم اپنی نماز میں تمہیں شریک نہ ہونے دیں۔

ان اقتباسات سے حضرت کے ذہن عالی کی بڑا قی اور جزئیات نگاری پر گرفت پوری طرح نمایاں ہے۔ اسی طرح کتاب النکاح میں ایک فتوے کی تردید اور اصلاح میں آپ کی جودت طبع اور روشن دماغ نے جو جولانی دکھائی ہے، وہ دیکھنے کی چیز ہے۔ آپ نے جواب اول کی فاش غلطیاں ایسی ورق آشکار کی ہیں کہ بخینے ادھیڑ دیئے ہیں۔ (پورا فتویٰ ص..... پر موجود ہے) یونہی ”کھڑکی کا فیصلہ“ میں آپ نے جس دیدہ ریزی سے فیصلے کی پوری مسل کا فقیہانہ جائزہ لے کر اس کی خامیاں طشت از بام کی ہیں اور درست شرعی فیصلے کی جانب جیسی مدبرانہ راہنمائی فرمائی ہے، وہ آپ کی تدبیر آشنا فکر اور فقیہانہ بصیرت کا کھلا ثبوت ہے۔ (پورا رسالہ کتاب القضا میں دیکھئے)

حضرت کا رسالہ مبارکہ ”اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیۃ فی المساجد“ میں بالکل امام احمد رضا کا فقہی رنگ دمکتا نظر آتا ہے۔ وہی جزئیات نگاری، وہی دقیقہ رسی، وہی کثیر در کثیر نوالجات، وہی استنباطی رنگ۔ مکمل رسالہ ص..... پر ملاحظہ فرمائیں۔ میں یہاں صرف ایک اقتباس پیش کرتا ہوں۔

سوال تھا: قربانی کی کھال بیچ کر اس کی رقم سے مسجد کی تعمیر کی جاسکتی ہے یا نہیں؟۔ جواب اثبات میں ہے۔ عالمگیری کی ایک عبارت پیش کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

”عبارت ہذا، تحریر بالا کی روشن دلیل ہے۔ اور اس سے ہر ذکی، متفطن، سلیم الطبع، جزئیات مسائل متعلقہ پوست اضحیہ، ادنیٰ تامل سے نکال سکتا ہے۔ مگر تعیم نفع کے لئے ایک ضابطہ وقاعدہ کلیہ لکھا جاتا ہے جو قلب فقیر پر ارواح طیبہ اساتذہ کرام و مشائخ عظام حصہم اللہ العلام باللطف العام سے فائض ہوا۔ جس سے ہر عاقل فہیم تمام جزئیات بہ آسانی نکال سکتا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ وهو حسبی ونعم الوکیل۔

ظاہر ہے کہ پوست، گوشت اضحیہ دونوں منفع بہ ہیں اور شریعت مطہرہ نے بعد اراقت دم اس سے انتفاع کا حکم دیا۔ کما قدمنا عن الہندیۃ عن المحیط۔ اور انتفاع دو حال سے خالی نہیں۔ دینی ہو گا یا دنیاوی۔ اول ہر طرح جائز ہے عین سے ہو یا بدل سے۔ لما مر من قوله ویتصدق بجلدها وقوله ولو باعها بالدرہم لیتصدق بها جاز

لانه قربة كالتصدق۔

ثانی بھی دو حال سے خالی نہیں۔ یا بعینہ ہوگا یا بدلہ۔ اول مطلقاً جائز ہے۔ لما فی غرر الاحکام ”او يجعله آلة كجرباب وخف وفرو“ او فی الخانية: ”ولا باس بان يتخذ من جلد الاضحية فروا او بساطا او متكنا يجلس عليه“ او فی الكافي والهداية: ”او يعمل منه آلة تستعمل فی البيت كالنطع والجرباب والغربال ونحوها“ او كالدلو والسفرة والقرب عینی۔

ثانی بھی دو حال سے خالی نہیں یا بدل ثمن ہوگا یا نہیں۔ اول ناجائز ہے۔ تكملة بحر الرائق و تبیین و خلاصہ میں ہے: ولا بیعه بالدراهم لينفق الدراهم على نفسه و عياله“

ثانی یعنی بدل ثمن نہ ہو بلکہ مٹمن ہو وہ بھی دو حال سے خالی نہیں، یا مستهلك ہوگا یا غیر مستهلك، اول ناجائز ہے۔ لما فی الهداية والتبيين والكافي والطحاوی و خزانة المفتیین: ”ولا يشتري به مالا ينتفع به الا بعد استهلاكه كالخل والابازير اعتبارا بالبيع بالدراهم والمعنى فيه انه تصرف على قصد التمول۔

ثانی جائز ہے۔ لما فی الهداية و شرح الكنز لملا مسكين والكافي والتبيين والطحاوی و خزانة المفتیین: ”ولا باس بان يشتري به ما ينتفع بعينه فی البيت مع بقائه استحساناً“۔

یایوں خیال کیا جائے کہ قربانی کرنے والا گوشت اضحیہ کو اپنے صرف میں لائے گا یا غیر کے۔ عام ازیں کہ کوئی شخص معین ہو یا غیر معین جیسے رفاہ عام۔ ثانی ہر طرح جائز ہے۔ اور اپنے صرف میں لانے کی چار صورتیں ہیں۔ دو جائز، دو ناجائز (۱) اس کی کوئی چیز بنائے (۲) اس سے کوئی غیر مستهلك چیز بدلے تو جائز ہے اور (۳) اگر روپیوں سے بیچا (۴) کوئی مستهلك چیز خریدی تو ناجائز و ممنوع۔ وقتاً مضت الادلة آنفاً۔“

تصوف:

حضرت ملک العلماء خشک فقیہ نہیں تھے بلکہ سوز عشق اور نفس سوختہ سے معمور ایک خوش طبع درویش فقیہ تھے۔ یہی سبب ہے کہ آپ کی تحریروں میں ملانہ خشکی نہیں ملتی بلکہ صوفیانہ لطافت پیرتی محسوس ہوتی ہے۔ دل آزاری سے گریز، تنقید میں بھی شائستگی کا برتاؤ، صوفیانہ پن سے اجتناب، اخلاص کی خوشبو، ہمدردانہ جذبے، غمگسارانہ لہجے کیا ہیں؟۔ صوفیانہ خصائل ہی تو ہیں جن کا رچاؤ ہر جگہ نظر آتا ہے، لیکن عام صوفیانہ روش سے ہٹ کر خاص صوفیانہ مسائل پر بھی آپ نے خامہ فرسائی کی ہے۔ کتاب الخطر والاباحۃ میں اس طرز کے کئی ایک فتاویٰ شامل ہیں۔

ص..... پر سوال ہے کہ کیا زید اپنے والد کی مرضی کے بغیر اشغال صوفیہ میں منہمک ہو سکتا ہے؟۔ اس کا جواب بہت ژرف نگاہی کے ساتھ دیا گیا۔ اطاعت والدین کے فضائل پر مشتمل کثیر احادیث کریمہ بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں

”پس صورت مستفسرہ میں جب کہ باپ اس کا شیخ کے یہاں جانے، حلقے میں شامل ہونے سے روکتا اور کہتا

ہے کہ اس میں میری سخت ناراضگی ہوگی، ہرگز اس شخص کو اجازت نہیں کہ والدین کو ناراض کر کے حلقہ میں شامل ہو۔
(حدیث مبارک ذکر کر کے) جب بے اجازت والدین جہاد کی اجازت نہ ہوئی..... تو باپ کو ناراض کر کے حلقہ میں شامل ہونے کی کیوں کر اجازت دی جائے گی؟ اس شخص کو چاہئے کہ شیطان کے دھوکے سے باز آئے، والد کی فرمانبرداری کرے، ان کو ایذا نہ دے، عاق نہ بنے، والدین کی رضا بہت بڑی نعمت ہے، اس کی قدر کرے۔

(دوسری جانب باپ کو تلقین کرتے ہیں) اگر اس کا باپ اسے روکنے میں کوئی مصلحت شرعیہ دیکھتا ہے یا اسے اپنے ایذا کا خیال ہے کہ اسے تنہا چھوڑ کر وہ اپنا کام نہ کر سکے گا، تو کوئی حرج نہیں۔ اگر اس کا کوئی حرج نہیں تو ذکر و فکر، شغل و اذکار سے وہ اپنے بٹے کو نہ روکے، کیونکہ اس کو اجازت نہیں کہ وہ کام کرے جو اللہ اور رسول کی رضا کے خلاف ہو۔
توجہ تشبیہی کے جواز کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں

”توجہ لینا اپنے پیرومرشد سے اور مرشدوں کا اپنے مریدین کو توجہ دینا جائز اور فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے ثابت ہے۔ کتاب الترغیب والترہیب حافظ ذکی الدین عبد العظیم منذری مطبع فاروقی دہلی ص ۳۰۱ س ۹ پر ہے: وعن یعلیٰ ابن شداد قال حدثنی ابی شداد ابن اویس وعبادة بن الصامت حاضراً یصدقہ قال کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقط فقال هل فیکم غریب یعنی اهل الكتاب فننا لا یسول۔! فامر بغلق الباب وقال ارفعوا ایدیکم وقلوا لا اله الا الله۔ فرفعنا ایدینا ساعة ثم قال الحمد لله۔ اللهم انک بعثتني بهذه الكلمة و وعدتني علیها الجنة وانت لا تخلف الميعاد ثم قال ابشروا فان الله قد غفر لکم۔

یعنی مروی ہے یعلیٰ بن شداد سے، کہا مجھ سے بیان فرمایا میرے باپ حضرت شداد بن اویس نے اور حضرت عبادة بن صامت تشریف رکھتے تھے اور میرے باپ کی تصدیق فرماتے تھے۔ کہا، تھے ہم نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: کیا تم میں کوئی اجنبی یعنی یہودی یا نصرانی ہے؟ ہم نے عرض کی نہیں یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس حضور نے دروازہ بند کرنے کا حکم فرمایا اور ارشاد ہوا کہ تم اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر لا اله الا الله کہو تو ایک ساعت تک ہم لوگوں نے ہاتھوں کو اٹھایا۔ پھر حضور نے دعا فرمائی کہ سب خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ ابھی تو نے مجھے اس کلمہ کے ساتھ بھیجا اور اس پر مجھے جنت کا وعدہ فرمایا اور تو وعدہ خلاف نہیں فرماتا۔ پھر فرمایا کہ خوش ہو کہ عز و جل نے تم کو بخش دیا۔ رواہ الامام احمد باسناد حسن والطبرانی وغیرہما

یہ خاص توجہ لینے اور دینے کا جزئیہ ہے ورنہ لا اله الا الله کی تعلیم کو تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام جہان کی طرف بھیجے گئے۔ پھر اس پوچھنے کے کیا معنی تھے کہ هل فیکم غریب تم میں کوئی اجنبی تو نہیں؟ پس اس پوچھنے ہی پر بس نہ فرمایا بلکہ دروازہ بند کرنے کا حکم دیا کہ غیر کا دخل نہ ہو؟ تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی خاص تلقین لا اله الا الله تھی جس میں خاص ہی خاص حضرات کا حصہ ہے۔ اور یہ وہی توجہ ہے کہ مشائخ کرام اپنے مریدین کو دیتے ہیں۔ ولله الحمد واللہ تعالیٰ اعلم۔“

حضرت کے اس استدلال نے یہ معاملہ بھی طے فرمادیا کہ حضرات صوفیہ کے معمولات، کتاب و سنت کے اسرار باطنی سے ماخوذ ہیں، یونانیوں اور ویدوں کی تعلیمات کا ملغوبہ نہیں۔

بیعت کی شرائط بیان کرتے ہوئے خالص صوفیانہ طرز کا جواب سپرد قلم کرتے ہیں:

”پیر میں تین باتوں کا ہونا ضروری ہے۔

اول یہ کہ وہ صاحب اجازت، خلیفہ اپنے شیخ کا ہو اور وہ اپنے شیخ کا علیٰ ہذا القیاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک سلسلہ اس کا مسلسل ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ مسائل شرعیہ ضروریہ سے واقف اور اس کا عامل ہو اور ادائے حقوق شرع میں قاصر و متہاؤن نہ ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ عقیدہ اہل سنت والجماعت ہو، بد مذہب نہ ہو۔ جاہل سے بیعت درست نہیں کہ بے علم نتواں خدا را شناخت۔ جو شخص خود خدا کو نہیں پہچانتا دوسرے کو کیا پہچنوائے گا۔

اوخو۔ یشتن گم ست کرار ہبری کند۔ مشہور مقولہ ہے ”جاہل پیر شیطان کا ٹٹو ہے“

ابریز میں ہے: اذا لم یکن علم لدیہ بظاہر ولا باطن فاضرب بہ ل حج البحر قال الشیخ رضی اللہ عنہ مرادہ بعلم الظاہر علم الفقه والتوحید ای القدر الواجب منہما علی المکلف ومرادہ بعلم الباطن معرفۃ اللہ تعالیٰ۔

مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ پیر کے لئے ضروری ہے کہ کسی مدرسہ سے دستار فضیلت پائے ہوئے ہو بلکہ اس کو علم باللہ اور علم باحکام اللہ ہو۔ مسائل اعتقادیہ و عملیہ فقہ و قلبیہ تصوف سے بے بہرہ و بے علم نہ ہو۔ حضرات سادات کرام کی فضیلت سید ہونے کی وجہ سے سر اور آنکھوں پر ہے۔ مگر یہاں نسب بزرگی کی ضرورت نہیں بلکہ مرید ایسے شخص سے ہونا چاہئے جس کے متعلق اس کا یہ اعتقاد ہو کہ اس زمانہ میں تمام لوگوں سے تربیت مرید کے لئے اعلیٰ و افضل ہے، ورنہ اس کو بیعت نہ کرنی چاہئے۔

ابریز فی علم سیدنا عبدالعزیز میں ہے:

لا تقدم من قبل اعتقادك انه مربى ولا اولی بها منه فی العصر (ای) ولا تقدم من علی شیخ بقصد الدخول فی صحبتہ حتی تعتقد انه من اهل التربية وانه لا احق منه بها فی زمنہ۔

”یعنی مرید ہونے کے لئے کسی کی خدمت میں اقدام نہ کرو اور اس کی صحبت میں داخل ہونے کا ارادہ نہ کرو جب تک یہ اعتقاد نہ کر لو کہ یہ شخص تربیت کا اہل ہے اور اس زمانہ میں اس سے زیادہ کوئی شخص اس کام کے قابل نہیں۔“

تو اگر کسی غیر سید کے ساتھ اس کو اس طرح وابستگی ہے تو اسی کے ہاتھ پر مرید ہونا چاہئے اور سید صاحب کے ساتھ ہے تو اس کے ہاتھ پر ہو۔ غرض یہ معاملہ معشوق بنانے کا ہے۔ کسی عاشق سے پوچھئے کہ سید پر عاشق ہونا چاہئے یا غیر سید پر؟ جو جواب اس کا ہے، وہی جواب اس کا سمجھئے۔

ہمہ شہر پرزخوہاں، منم و خیال ما ہے چہ کنم کہ چشم بدخونہ کند بکس نگاہے

تنقید :

حضرت ملک العلماء کو نقد و نظر کی بھی ایک خاص قسم کی استعداد عطا کی گئی تھی۔ آپ حریف کو اسی کے ہتھیار سے زیر کرنے کے قائل تھے۔ اس طرز کی تحریریں آپ کے مناظراتی رسائل میں خاص طور سے ملتی ہیں۔ زیر نظر مجموعہ فتاویٰ میں بھی بہت سارے تنقیدی جوابات ملتے ہیں جن میں طرز انشا کی خوشگوار تیکھی تنقید اور دلچسپ ہجو یلیح کے نمونے بھی دیکھنے کو مل جاتے ہیں۔ میں یہاں آپ کے ایک مفصل فتوے کے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں۔

فاتحہ کے جواز اور عدم جواز کے سلسلے میں تحریری معرکہ آرائی چل رہی تھی۔ نقد و نظر کے لئے فریقین کی تحریریں استفتا کی صورت میں ملک العلماء کے حضور پیش کی گئیں۔ آپ نے ان تحریروں کا بڑا فاضلانہ محاسبہ کیا اور تنقید کا حق ادا کر دیا۔ یہ پورا فتویٰ بارہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ میں اس کے چند دلچسپ اقتباس پیش کرتا ہوں جو ہیں تو قدرے طویل لیکن افادیت سے لبریز ہیں۔ آپ رقم طراز ہیں :

”علمائے اہل سنت کی تصریحات کے تو دریا اندر ہے ہیں۔ کہاں تک کوئی لکھے۔ اب دو فتویٰ وہابیہ حال کے معتمد الکل فی الکل مولوی رشید احمد گنگوہی کے فتاویٰ رشیدیہ سے نقل کیا جاتا ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوگا کہ ان لوگوں کے نزدیک بھی اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ اگرچہ وہ وسعت علم و فحست ذکا و فہم سے اپنی تحریر کو بھی نہ سمجھیں اور اصل اشیاء میں اباحت ہونے کو پرانا مغالطہ اور دھوکے کی ٹٹی کہتے جائیں۔

چونیسویں سوال ”رنگین کپڑے پہننا، نیلا تہہ باندھنا، موٹی تسبیح رکھنا، بال سر کے بڑھانا اس خیال سے کہ اگلے پیشواؤں کا معمول ہے تو اس میں بھی کوئی قباحت ہے یا نہیں؟“ کے جواب میں ہے ”ان بیانات میں کوئی معصیت نہیں۔ بری نیت سے برا، بھلی نیت سے بھلا ہے۔ فقط“۔ یہ جواب پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ جب تو بے کھٹکے بول اٹھے کہ کوئی معصیت نہیں۔ مولوی اصغر حسین صاحب دیوبندی کی طرح (جیسے انہوں نے فاتحہ کے لئے کہا) یہ نہ کہا کہ ”فقہ کی کتاب میں ان بیانات کا کہیں نام و نشان نہیں۔ لہذا امام ابو حنیفہ کے نزدیک بے اصل ہے۔“ نہ محشی صاحب کی طرح یہ کہا کہ ”بہت سے حنفیہ کا یہ قول ہے کہ اصل اشیاء میں حظر یعنی ممانعت ہے۔ تو جب تک اس کا جواز اولہ فقہیہ سے نہ ثابت ہو ممنوع و ناجائز رہے گا۔“ نہ مجتہد صاحب کی طرح یہ کہا کہ ”اصل اشیاء میں اباحت پرانا مغالطہ ہے اور اگر بالفرض مان بھی لیں، یہ تمام اشیاء بانفراد ہا جائز ہیں تو جو امور بانفراد ہا جائز ہوں ان کو مجموعہ کر کے یہ ہیئت بنا لینا، دھوکے کی ٹٹی ہے۔“ نہ ٹکے کی پانچ والی دو دورتی کے مشتہر کی طرح یہ لکھا کہ ”یہ فعل حضرت اور ان کے صحابہ اور تابعین اور ائمہ مجتہدین سے منقول نہیں (ص ۳۳ س ۲۶) اور جو غیر منقول ہو اور حضرت کی تعلیم سے زیادہ ہو، بدعت جائیں۔ (ص ۱۱) نہ یہ کہا کہ ”یہ ہیئت کسی کتاب میں منقول نہیں تو جب تک ان بیانات کا منقول ہونا یا اس کو کسی مجتہد کا نیک گمان کرنا ثابت نہ کریں گے، تب تک یہ بیانات بدعت سیئہ رہیں گے اور جو برائی بدعتیوں کی اوپر قریب ہی بیان ہوئی یعنی جس نے اس کی

توقیر کی گویا اس نے مدد کی اسلام کے ڈھانے پر یا ایسے شخص اور جو اسے جگہ دے، اس پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور آدمیوں کی، سب کی اور قبول نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کے نفل اور نہ فرض وغیرہ ذلک من الاحکام، وہ سب اس ہیئت والے پر ثابت ہوگی“

ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔

رہا محشی روداد اور ”صاحب فاتحہ مروجہ کا فیصلہ“ کا عبارت در مختار سے دھوکا کھانا اور اصل اشیاء میں توقف بتانا، اباحت کو رائے معتزلہ کہنا، اصل اشیاء میں اباحت کے قائل کو معتزلیت کا مقرر بنانا، محض ”پادر ہوا“ اور ”رودر قنا“ اور بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ جس کا کشف بعونہ عزوجل فقیر نے اپنے رسالہ ”مواہب ارواح القدس“ میں بروجہ تام و مالا کلام کر دیا ہے فلتطالع۔ صاحب ”دافع التلبیسات“ نے اسی مضمون کے متعلق زیر قول دوم و سوم، صادق مجیب تحریر محمد عبدالرحیم کو لکھا: ”ناقل کی اعلیٰ درجہ کی حماقت و جہالت ظاہر ہوتی ہے۔ بندہ خدا عبارت کا ترجمہ بھی نہ سمجھا، حق تحریف خوب ادا کیا وغیرہ ذلک۔“

راقم الحروف ان پاکیزہ الفاظ کے جواب میں صرف المرء یقیس علی نفسه کی شہرت پر اکتفا کر کے اس بات کا جواب دینا مناسب جانتا ہے کہ فرماتے ہیں: الاصل فی الاشیاء الاباحۃ حنفیہ کا متفق علیہ قاعدہ نہیں الخ، عقلمند عالم! عبارت سمجھنے والے! تحریر میں یہ رقم ہے کہ جمہور حنفیہ کا مختار یہ ہے۔ اس میں کیا حماقت و جہالت ہوئی؟ عبارت تحریر ابن ہمام والی یہ ہے ”المختار الاباحۃ عند جمہور الحنفیۃ والشافعیۃ“ اس عبارت کا ترجمہ آپ کے نزدیک کیا ہے؟ تو مجیب یہ سمجھا سکے۔ انصاف سے کہئے! یہ تینوں گرامی اوصاف آپ کے ہوئے یا مجیب کے؟ ع چھائی جاتی ہے یہ دیکھو تو سراپا کس پر مزید آگے لکھتے ہیں:

مصباح الضحیٰ میں لکھا کہ ”معانقہ غیر قدوم سفر کا باجماع حنفیہ و شافعیہ کے مکروہ ہے۔“ حالانکہ ان کے اقراری امام، محقق و فقیہ و محدث جلیل شیخ محقق قدس سرہ شرح سفر السعاده میں فرماتے ہیں: ”فقہاء را در جواز معانقہ و کراستہ آن اختلاف فی تفصیلے ست و صحیح جواز اوست اگرچہ در غیر قدوم سفر نیز باشد۔“ نہ معلوم ڈپٹی صاحب کے نزدیک اجماع کس چیز کا نام ہے؟ اعظم گڑھی صاحب! تحریف اسے کہتے ہیں مصنف کچھ فرمائے، آپ کچھ اس کے سر تھوپ رہے ہیں۔ تحریف اسے کہتے ہیں کہ صرف اپنے مطلب کے دو لفظ لے لئے، باقی سے آنکھیں میچ لیں۔ تحریف اسے کہتے ہیں کہ دعویٰ بے دلیل کر دیا، جو منہ میں آیا کہہ بیٹھے۔ دیکھئے اعظم گڑھی صاحب! تحریف اسے کہتے ہیں جو مولوی بشیر قنوجی نے کی۔ ”تنہیم المسائل“ ص ۷۲ پر انکار استمداد کے لئے ”مطالب المومنین“ سے نقل کیا ”بکرہ الانتفاع بالقبر“ اور اس کا مطلب یہ لکھا کہ ”قبور سے مدد مانگنا جائز نہیں۔“ حالانکہ اصل عبارت اس کی یہ ہے: ”بکرہ التمتع بالمقبرۃ وان لم یبق آثرہ“ قبرستان سے فائدہ لینا مکروہ ہے اگرچہ اس کے آثار باقی نہ رہیں۔

آپ کے اتنا بھی عربی پڑھا سمجھ سکتا ہے کہ یہاں زمین مقبرہ سے تمتع اور اسے اپنے تصرف میں لانے کا ذکر ہے۔ اسی لئے ”اگرچہ“ کہہ کر ترقی کرتے ہیں کہ قبر کا نشان نہ رہنے کے بعد جواز انتفاع کا گمان ہو، لہذا تصریح کر دی کہ گواثر نہ رہے تاہم انتفاع روا نہیں۔ قنوجی صاحب! وہ لفظ جو بالکل ان کے خلاف مطلب بلکہ صریح رد تھا، اڑا گئے اور

براہِ دانشمندی مقبرہ کو قبر بنا لیا؟۔ کہئے یہ تحریف ہوئی یا نہیں؟ کہو ہوئی!“

ایسی ہی ظریفانہ اور شستہ نثر سے آپ کی ساری تنقیدی تحریریں آراستہ و پیراستہ نظر آتی ہیں۔ احقر زیرِ نظر مجموعہ فتاویٰ کے اتنے ہی فنی تعارف پر اکتفا کرتا ہے۔ اب کچھ باتیں ترتیبی مراحل کے تعلق سے۔

☆☆☆☆☆

حضرت ملک العلماء علامہ شاہ محمد ظفر الدین قادری برکاتی رضوی قدس سرہ سے ان کی سادگی، رواداری، علم و فضل بالخصوص اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی نسبت خاص کی وجہ سے احقر کو بے حد عقیدت ہے۔ حضرت کے وصال کو تقریباً نصف صدی ہوتی ہے لیکن چند مضامین کے سوانہ حضرت پر کوئی کام ہو سکا اور نہ حضرت کی نگارشات کو ہی منظر عام پر لانے کی باضابطہ کوشش ہو سکی۔ تنویر المصباح، نصرۃ الاصحاب، مبارک پور، گھوسی، لاہور اور ہزاری باغ سے شائع ہوئیں۔ ”تنویر السراج فی ذکر المعراج“ اور صحیح البہاری کی کچھ قسطیں پاکستان سے شائع ہوئیں۔ چند مضامین بھی لکھے گئے جن میں مولانا محمد محمود رفاقتی مصنف تذکرہ علمائے اہل سنت کا مضمون ”ملک العلماء اور علم حدیث“ قدرے مفصل ہے جو تین قسطوں میں ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور سے شائع ہوا۔ لیکن

بے نشانوں کا نشان متا نہیں مٹتے نام ہو ہی جائے گا

اب جمود ٹوٹ چکا ہے۔ حضرت پر تحقیقی کاموں کی پیش رفت ہو چکی ہے۔ برادر محترم مولانا ملک الظفر شہسرامی ایڈیٹر الکوثر (سہ ماہی) سے جب اس موضوع پر گفتگو ہوئی تو انہوں نے ناچیز کی رائے کو شرف قبول عطا کرتے ہوئے اپنے سہ ماہی رسالہ الکوثر شہسرام کا ”ملک العلماء نمبر“ نکالنے کا پختہ عزم کر لیا اور ان کی دو سالہ جانفشانی کاوش کے بعد پانچ سو سے زیادہ صفحات پر مشتمل گرانقدر نمبر مرحلہ اشاعت کے قریب آن پہنچا ہے۔ حضرت کی گرانقدر تصنیف ”جامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری“ کی جلد اول (عقائد) پر لاہور کی رضا فاؤنڈیشن کام کر رہی ہے۔ احقر نے بھی مختلف جہت سے حضرت ملک العلماء کے حضور قلمی نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے۔

۱۔ ”ملک العلماء اور علمائے شہسرام“ (مطبوعہ ماہنامہ جہان رضا جون ۱۹۹۹ء)۔ ۲۔ علم توقیت میں ملک العلماء کے ایک ممتاز شاگرد، علامہ عبدالرؤف بلیاوی، نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور (مطبوعہ سہ ماہی افکار رضا ممبئی۔ جولائی تا دسمبر ۲۰۰۲ء)۔ ۳۔ ”تاج العلماء اور سید العلماء کے گرامی مکاتیب بنام ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین قادری برکاتی قدس سرہ اسرارہم (مطبوعہ جہان رضا، لاہور۔ فروری ۲۰۰۳ء)۔ آج سے چار سال پہلے بہت کاوش کے ساتھ حضرت کا رسالہ ”سرور القلب المحزون فی الصبر عن نور العیون“ کو جدید انداز میں ”اسلامی نثریہ موت“ کے نام سے ایڈٹ کر کے اس پر تقدیم لکھی، کتابت کے مراحل سے گزارا۔ یہ کتاب الجمع العلمی ہزاری باغ سے شائع ہو چکی ہے۔

حضرت ملک العلماء کے فتاویٰ کی ترتیب کے بارے میں احقر نے آج سے تین سال پہلے نبیرہ ملک العلماء محترمی ڈاکٹر طارق مختار صاحب سے تذکرہ کیا تھا۔ موصوف نے بطیب خاطر پورا تعاون دینے کا وعدہ کیا۔ مختلف مرحلوں

میں پیہم اصرار کے بعد اس کی نقول حاصل ہوئیں بالآخر ناچیز نے ذوالحجہ ۱۴۲۳ھ میں اس کی ترتیب کا آغاز کر دیا۔ بیشتر مسودات بہت ژولیدہ خط تھے اور بعض کے اوراق تو اس قدر بوسیدہ تھے کہ ان کی سیاہ زیراکس کا پیاں پڑھنا بھی کارے وارد۔ بہر حال! احقر نے اپنے مولیٰ کے بحرو سے پر حضرت ملک العلماء قدس سرہ کی روحانیت سے استعانت کرتے ہوئے اس نا صاف مسودے کی زیراکس کا پیاں دیکھنی شروع کیں۔ ناقل نے کتابت میں اتنی زیادہ غلطیاں کی تھیں کہ اسے پڑھنے اور درست کرنے میں کئی ہفتے بیت گئے۔ بہت سے اوراق کرم خوردہ تھے یا ان کی سطریں وقفے وقفے سے مسلسل نہ تھیں۔ انہیں ملانے اور وہاں مناسب الفاظ جوڑنے میں جو زحمت اٹھانی پڑی، اس کا کیا ذکر کروں۔ اس تجربے سے فتاویٰ رضویہ کے مجاہد مرتبین کی جانکاہیوں کا قدرے اندازہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ انہیں پوری ملت کی جانب سے جزائے خیر دے اور ان کی ترتیبیں شاداب رکھے۔ آمین! بعض ناقص عبارات کی تلاش اور درستگی میں کئی کئی دن لگ گئے۔ مہینوں کے بعد یہ مسودہ ٹائپسٹ کے حوالے ہوا۔ جناب مولانا احسن نیازی صاحب جو حلقہ دیوبند سے تعلق رکھنے کے باوجود کافی روادار ثابت ہوئے ہیں، انہوں نے اپنی صلاحیتوں کا استعمال کرتے ہوئے یہ ناقص اور بدخط مسودہ پڑھ کر ٹائپ کیا اور بہت حد تک صحت کتابت کا خیال رکھا۔ میں ان کا بے حد ممنون ہوں کہ اگر وہ نہ ملتے تو مجھے پورا مسودہ اپنے قلم سے صاف کرنا پڑتا جو میرے لئے کافی صبر آزما اور وقت صرف مرحلہ تھا۔ بہر کیف! ان مسلسل جانکاہیوں کے بعد چار مہینے کے عرصے میں حضرت ملک العلماء قدس سرہ کے اس قلمی سرمائے کو منظر عام پر لانے کے قابل کیا جاسکا۔

اس مجموعہ فتاویٰ میں ایک سو چوبیس فتاویٰ شامل ہیں جن میں کئی ایک بہت مبسوط، مفصل اور بڑے قیمتی ہیں۔ انہیں میں یہ چھ رسائل بھی ہیں:

- ۱- تنویر المصباح للقیام عند حی علی الفلاح (۱۳۳۰ھ) اقامت میں کس وقت کھڑا ہونا چاہئے۔
 - ۲- عید کا چاند (۱۳۷۰ھ)۔ رویت ہلال کے مسائل۔
 - ۳- تحفۃ الاحباب فی فتح الکوة والباب (۱۳۳۶ھ)۔ کھڑکی کا فیصلہ۔
 - ۴- اعلام المساجد بصرف جلود الاضحیۃ فی المساجد (۱۳۲۵ھ) قربانی کی کھال بیچ کر اس کی رقم سے تعمیر مسجد کا حکم۔
 - ۵- نصرۃ الاصحاب بقسام ابصال الثواب (۱۳۵۴ھ) ابصال ثواب کے شرعی طریقے۔
 - ۶- مواہب ارواح القلوس لکشف حکم العرس (۱۳۲۴ھ)۔ عرس کے جواز کا ثبوت۔
- یہ وہ رسائل ہیں جو کسی استفتا کے جواب میں معرض تحریر میں لائے گئے۔ اس لئے دراصل یہ فتاویٰ ہیں، گواپنے حجم کی وسعت اور ضخامت کے سبب انہوں نے مستقل تصنیف کی صورت اختیار کر لی ہے۔ ایک قیمتی رسالہ دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے فتاویٰ کی صفوں میں شامل ہونے سے رہ گیا: القول الاظہر فی الاذان بین یدی المنبر (۱۳۳۳ھ)۔ یہ رسالہ جمعہ کی اذان ثانی کے موضوع پر تھا۔
- یہ پورا مجموعہ گیارہ ابواب پر تقسیم ہے جن میں ایک سو چوبیس فتاویٰ شامل ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) کتاب الصلوٰۃ - ۳۲ - (۲) کتاب الزکوٰۃ - ۵ - (۳) کتاب الصوم - ۶ - (۴) کتاب النکاح - ۲۱ -
 (۵) کتاب الطلاق - ۹ - (۶) کتاب السیر - ۵ - (۷) کتاب الوقف - ۴ - (۸) کتاب القضا - ۱ - (۹) کتاب الاضحیۃ
 - ۸ - (۱۰) کتاب الحظر والاباحۃ - ۲۶ - (۱۱) کتاب الفرائض - ۶ - ۱۲۳ -

یہ سارا سرمایہ دور جسٹروں میں محفوظ تھا۔ ایک رجسٹر صحیح حالت میں تھا اور دوسرا خستہ۔ ان کے علاوہ کچھ بوسیدہ
 اوراق پریشاں بھی تھے۔ اس مجموعے کے بیشتر فتاویٰ ۱۳۲۳ھ تا ۱۳۲۵ھ کے دوران کے ہیں جس زمانے میں ملک العلماء
 بریلی شریف میں قیام فرماتے تھے۔ مسودات کے آغاز میں حضرت علام رقم طراز ہیں:

بسم الله الرحمن الرحيم

”الحمد لله وبه نستعين وبحمده ورضاه ظفر الدين والصلاة والسلام على سيد المرسلين عالم
 علوم الاولين والآخرين وعلى اله وصحبه و علمائه وحزبه لا سيما الامام الاعظم والغوث الاعظم وسائر
 الاولياء والعلماء۔ صلى الله تعالى على سيدهم ومولاهم وعليهم وبارك وسلم۔ امين!

اما بعد! فقیر بارگاہ رضوی محمد ظفر الدین بہاری میجروی قادری برکاتی غفر لہ ما مضی وما سیاتی، ملتئم کہ یہ
 چند استنثامات ہیں جو بزمانہ قیام بریلی شریف میں ساکنوں کے جواب میں لکھے گئے۔ عام مسلمانوں کے فائدے کے
 لئے کتابی شکل میں ایک جگہ جمع کئے گئے۔ اللہ تعالیٰ اس کی اشاعت کی توفیق بخشے اور اس سے مسلمانوں خصوصاً حنفی بھائیوں کو
 فائدہ پہنچائے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز و هو حسبی ونعم الوکیل۔“

یہ تحریریں سو سال پہلے کی ہیں اس لئے طرز املا آج سے بہت مختلف تھا۔ احقر نے اسے دور حاضر کے طرز املا
 کے مطابق ٹائپ کرایا ہے۔ پیرا گرافنگ بھی میری ہے۔ آیات قرآنی کی تخریج کردی گئی ہے اور جہاں ترجمہ نہیں تھا،
 وہاں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے شاہکار ترجمہ قرآن کنز الایمان سے ترجمے کا اضافہ بھی کر دیا گیا ہے۔ فقہی عبارات
 میں حوالوں کی تخریج کرنے کا ارادہ تھا لیکن یہ کام کافی دشوار گزار ثابت ہوا۔ بعض بعض عبارتوں نے کئی کئی گھنٹے لے
 لئے۔ اس لئے پھر اس کا خیال کئی وجہ سے ترک کر دیا۔ پہلی وجہ تو یہ تھی کہ اس کا فائدہ خواص اٹھا سکتے ہیں، عوام کو اس سے
 کوئی دلچسپی نہیں ہوتی اور جو حضرات فقہ و افتاء سے شغف رکھتے ہیں، ان کی نگاہ خود ہی ضروری مراجع پر ہوتی ہے۔ دوسری
 وجہ یہ تھی کہ کتابوں کے ایڈیشن بدلتے رہتے ہیں، اس لئے یہ حوالے خواص کے لئے بھی زیادہ مفید ثابت نہیں ہوتے۔
 تیسری سب سے اہم وجہ یہ تھی کہ حضرت مصنف نے جن کثیر در کثیر فقہی مآخذ کا استعمال کیا ہے، وہ ساری کتابیں تو کیا ان
 کا نصف بھی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جیسے مہتمم بالشان ادارے میں موجود نہیں۔ دراصل یہ دارالافتا کی چیزیں ہیں، شاید اسی
 لئے ان کی فراہمی کی جانب پوری توجہ نہیں کی گئی۔ مکمل فراہمی کتب کی ناکامی کے سبب تشنہ کامی تو بہر صورت رہتی، اس
 لئے میں نے باقی کتب کی تخریج کا خیال چھوڑ دیا۔ البتہ جہاں جہاں آسانی کے ساتھ حوالے مل سکے، انہیں شامل کر لیا گیا
 ہے، اس لئے معاملہ بالکل سوکھا بھی نہیں ہے۔

ترتیب کے بعد تقدیم، فہرست مضامین اور فہرست مآخذ تیار کرنے کا مرحلہ تھا۔ تقدیم خاصی طویل ہو گئی اور

اس نے قریب قریب ایک مہینے کا وقت لے لیا۔ اس کی تیاری میں درج ذیل کتابوں سے استفادے رہے:

- ۱- شرح عقود رسم المفتی۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی
- ۲- مقدمہ رد المحتار علی الدر المختار۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی
- ۳- العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ (مترجم) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری۔ رضا اکیڈمی ممبئی۔
- ۴- تاریخ التشریع الاسلامی۔ محمد خضریٰ بک / مترجمہ عبدالسلام ندوی۔ دار المصنفین۔ اعظم گڑھ
- ۵- الفقہ الاسلامی وادلتہ۔ الدكتور وھبۃ الزحیلی۔ دار الفکر۔ دمشق
- ۶- مقدمہ عمدۃ الرعاۃ حاشیہ شرح وقایہ۔ علامہ ابوالحسنات عبدالحی فرنگی محلی۔ فاروقیہ بکڈپو۔ دہلی
- ۷- فتاویٰ مظہریہ۔ علامہ مفتی مظہر اللہ نقشبندی۔ مرتبہ پروفیسر محمد مسعود احمد۔ ادارہ مسعودیہ۔ کراچی۔
- ۸- آداب الفتا۔ مولانا سید ظہیر احمد قادری رضوی۔ بیت السادات، دودھ پور۔ علی گڑھ
- ۹- تاریخ علم فقہ۔ مفتی سید عظیم الاحسان۔ مکتبہ برہان۔ دہلی
- ۱۰- مقدمہ فقہی پہیلیاں۔ علامہ ارشد القادری۔ کتب خانہ امجدیہ۔ دہلی
- ۱۱- حیات اعلیٰ حضرت۔ ملک العلما شاہ محمد ظفر الدین قادری۔ قادری بکڈپو، نو محلہ۔ بریلی
- ۱۲- حیات ملک العلما۔ پروفیسر مختار الدین احمد۔ ادارہ نعمانیہ۔ لاہور
- ۱۳- ماہنامہ جہان رضا۔ جون ۱۹۹۹ء۔ مدیر پیرزادہ اقبال احمد فاروقی۔ مرکزی مجلس رضا۔ ممبئی۔

ان مآخذ کے علاوہ میرے مربی اور مشفق استاذ، فقیہ اعظم ہند شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں گزارے ہوئے وہ آٹھ سالہ لمحات بھی اس راہ میں میرے رہنما رہے جن کے دوران میں نے حضرت کی خدمت بابرکت میں رہ کر فتویٰ نویسی کے آداب سیکھے اور تقریباً ایک ہزار فتاویٰ لکھنے کی سعادت میسر آئی۔

فہرست مضامین میں پہلے ارادہ تھا کہ فتاویٰ رضویہ کے جدید ایڈیشن کے طرز پر مضامین اور ضمنی مسائل کی الگ الگ فہرست تیار کی جائے لیکن بعد میں کچھ سوچ کر اس کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس کی دو وجہ میرے سامنے تھی:

۱- حضرت ملک العلما کا یہ ذخیرہ فتاویٰ چند سال کی کاوشوں پر محیط اور مختصر ہے اس لئے اس میں تفصیل کی ضرورت نہیں۔

۲- دوسری وجہ یہ ہے کہ اس ذخیرے میں وہ تنوع بھی نہیں جو امام احمد رضا کا حصہ تھا۔ امام احمد رضا کے یہاں تو علوم کا سمندر موج مارتا نظر آتا ہے۔ وہ صرف علوم اسلامیہ سے ہی اپنے فتاویٰ میں استفادہ نہیں کرتے بلکہ معقولات، ارضیات اور فلکیات کی جملہ شاخیں ان کے وسیع ذہن میں کھٹی ہوئی تھیں۔ اس لئے وہ سب سے اپنے موقف کی تائیدیں پیش کرتے اور سوالات کے گوشے اجاگر کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس لئے وہاں ضروری ہے کہ ضمنی غیر متعلق افادات کی بھی الگ سے فہرست دی جائے تاکہ قاری آسانی کے ساتھ بھرپور استفادہ کر سکے۔ فتاویٰ ملک العلما میں بھی فیض رضا کی تجلیاں پھیلی ہوئی ہیں لیکن اختصار کے پیش نظر مسائل کی فہرست میں ہم دے کر اہم ضمنی مسائل کی جانب اشارے کر دیئے گئے ہیں۔

مآخذ کی فہرست میں پورا ذخیرہ کھنگالنے کے بعد کتابوں کو چار خانوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ۱۔ تفسیر۔ ۲۔ حدیث۔ ۳۔ عقائد، اصول، فقہ۔ ۴۔ سیرت، تصوف وغیرہ۔ ہر ایک خانے کی کتابیں الفبائی ترتیب میں رکھی گئی ہیں۔ ان کے مصنفین کے اسمائے گرامی بقید سن وفات بھی درج کئے گئے ہیں۔ اس ذیل میں فتاویٰ رضویہ کے جدید لاہوری ایڈیشن سے کافی مدد ملی۔ مولیٰ تعالیٰ مفتی عبدالقیوم ہزاروی مدظلہ کو پوری ملت اسلامیہ کی جانب سے جزائے خیر دے جنہوں نے یہ گرانقدر سنہرا سلسلہ ترتیب و اشاعت شروع کر رکھا ہے۔ اب تک کی اطلاع کے مطابق اس کی چھبیس جلدیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔

فتاویٰ رضویہ کے علاوہ مولانا آزاد لائبریری اے ایم یو علی گڑھ کی فہرست کتب، مولانا عبدالحی لکھنوی کی ”اسلامی علوم فنون ہندوستان میں“، زاغ طبابخ کی ”تاریخ افکار و علوم اسلامی“ اور اپنے پاس موجود دیگر کتابوں سے بھی استفادے رہے۔ پھر بھی کہیں کہیں مصنف کا نام یا سن وصال دریافت نہ ہو سکا اس لئے کافی مشقت خیزی کے باوجود تشنگی باقی رہ گئی۔

اب اخیر میں ان کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرنا اپنا اخلاقی فریضہ سمجھتا ہوں جن کے تعاون اور کرم فرمائیوں کے سہارے یہ مرحلہ سعادت اپنی تکمیل کو پہنچا۔ اس خصوص میں مخدوم گرامی تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری دامت برکاتہم القدسیہ قائم مقام مفتی اعظم ہند، بین الاقوامی شہرت یافتہ بزرگ محقق پروفیسر مختار الدین احمد سابق صدر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، استاذ گرامی حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی دام ظلہ صدر شعبہ افتا جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا بے حد ممنون ہوں جنہوں نے اپنے کلمات کریمہ سے اس ناچیز کی ہمت افزائی فرمائی اور دعائے کلمات سے نوازا۔ گرامی قدر مرتب اعزازی، نبیرہ ملک العلماء محترمی ڈاکٹر طارق مختار صاحب زید کرمہ، خصوصی شکر یہ کہ مستحق ہیں جنہوں نے ہر ہر قدم پر احقر کا تعاون فرمایا اور اپنی شفقتوں کے سائے میں یہ مراحل طے کرائے۔ محبت گرامی مفتی محمد عبدالرحیم نشتر فاروقی خلیفہ تاج الشریعہ کا بھی دلی شکریہ کہ انہوں نے اپنے کلمات خیر سے ناچیز کو یاد کیا۔ جناب احسن نیازی صاحب کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے بہت اپنائیت اور محنت کے ساتھ اسے کتابت کے مرحلے سے گزارا، یہ انہیں کا حصہ تھا ورنہ اس ناقص مسودے کو دوسرا ہاتھ بھی نہ لگاتا۔

ترتیب و کتابت میں ہر ممکن کوشش کی گئی ہے کہ خامیاں دور دور ہی رہیں لیکن بتقاضائے بشریت سہو ممکن ہے۔ اہل نظر اپنی مخلصانہ ہدایات سے نوازیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تلافی کی جاسکے۔

مولیٰ تعالیٰ میری یہ مختصر سی فقہی خدمت قبول فرمائے، اس گناہگار کے لئے سامان آخرت کرے اور اپنے محبوب بندے حضرت ملک العلماء قدس سرہ کی روحانی توجہ ارزانی کا سبب بھی۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ ونور عرشہ محمد والہ وصحبہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

محمد ارشاد احمد رضوی ساحل شہسرامی

۲۱ ربیع النور شریف ۱۴۲۲ھ / ۲۳ مئی ۲۰۰۳ء بروز شنبہ، ایک بجے دن

ملک العلماء - ماہ و سال کے آئینے میں

نبیرہ ملک العلماء، ڈاکٹر طارق مختار

شعبہ عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

۱۳۰۳ھ : ولادت، ۱۰ محرم الحرام

۱۳۰۷ھ : بسمہ خوانی

۱۳۱۲ھ : مدرسہ غوثیہ حنفیہ، موضع جین، پٹنہ میں داخلہ لیا اور متوسطات کی تعلیم حاصل کی

۱۳۲۰ھ : ۲۵ جمادی الآخرہ کو مدرسہ حنفیہ پٹنہ میں داخلہ لیا اور حضرت محدث سورتی (م ۱۳۳۴ھ) سے مسند امام اعظم، مشکوٰۃ شریف وغیرہ کی تعلیم حاصل کی

۱۳۲۰ھ : مدرسہ امداد العلوم، بانس منڈی، کانپور میں حاضر ہوئے۔ اسی دوران اس ادارے کے علاوہ احسن

المدارس، کانپور اور ایک اور دارالعلوم کے اہل علم سے بھی استفادہ کرتے رہے پھر پہلی بھیت آگے

۱۳۲۱ھ : مدرسہ مصباح التہذیب، بانس بریلی میں مولوی غلام یسین دیوبندی کے درس میں شریک ہوئے

۱۳۲۱ھ : امام اہل سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی بارگاہ میں حاضری

۱۳۲۲ھ : ملک العلماء کی خواہش اور کوشش سے بدست اعلیٰ حضرت دارالعلوم منظر اسلام کا قیام

۱۳۲۲ھ : اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بارگاہ میں بخاری شریف کا درس اور فتویٰ نویسی کی مشق کا آغاز

۱۳۲۲ھ : ۸ رمضان المبارک کو پہلا فتویٰ تحریر فرمایا

۱۳۲۳ھ : الحسام المسلمون علی منکر علم الرسول (عقائد و مناظرہ) کی تصنیف

۱۳۲۳ھ : مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس (فقہ) کی تصنیف

۱۳۲۳ھ : ظفر الدین الجید (مناظرہ) کی تصنیف

۱۳۲۴ھ : شرح کتاب الشفا بتعريف حقوق المصطفى (سیرت) کی تصنیف کا آغاز

۱۳۲۴ھ : مبین الہدیٰ فی نفی امکان مثل المصطفى (عقائد) کی تصنیف

۱۳۲۵ھ : دستار فضیلت اور سند درس و افتاء سے سرفرازی

۱۳۲۵ھ : وسط شعبان المعظم میں اعلیٰ حضرت نے اپنی اجازت و خلافت عطا فرمائی اور فاضل بہار کا لقب عطا کیا

۱۳۲۵ھ : التعلیق علی القدوری (فقہ) کی تصنیف

۱۳۲۵ھ : اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیٰ فی المساجد (فقہ) کی تصنیف

- ۱۳۲۶ھ : دارالعلوم منظر اسلام میں درس وافتا کا آغاز
- ۱۳۲۶ھ : بسط الراحة فی الحظر والاباحة (فقہ و اصول) کی تصنیف
- ۱۳۲۶ھ : الفیض الرضوی فی تکمیل الحموی (فقہ و اصول) کی تصنیف
- ۱۳۲۶ھ : شکست سفاہت (مناظرہ) کی تصنیف
- ۱۳۲۷ھ : المجلد المعد لتالیف المجدد (تاریخ) کی تصنیف
- ۱۳۲۷ھ : ظفر الدین الطیب (مناظرہ) کی تصنیف
- ۱۳۲۸ھ : بحم الکثرہ علی الکلاب الممطرہ (مناظرہ) کی تصنیف
- ۱۳۲۹ھ : سال کے آغاز میں معززین شملہ کی پُر اصرار طلب پر شملہ تشریف لے گئے
- ۱۳۲۹ھ : النبراس لدفع ظلام المنہاس (مناظرہ) کی تصنیف
- ۱۳۳۰ھ : اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی ایما پر مدرسہ خفیہ ضلع آرہ (بہار) تشریف لے گئے
- ۱۳۳۰ھ : الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت (توقیت و بیئت) کی تصنیف
- ۱۳۳۰ھ : التحقیق المبین لکلمات التوہین، کی تصنیف
- ۱۳۳۰ھ : اطیب الاکسیر فی علم التفسیر، کی تصنیف
- ۱۳۳۰ھ : سال کے اخیر میں سشن جج مسٹر سید نور الہدیٰ کے قائم کردہ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے تشریف لے گئے
- ۱۳۳۱ھ : التعلیق علی شروح المغنی (نحو) کی تصنیف
- ۱۳۳۲ھ : عقد مسنون ہمراہ رابعہ خاتون بنت غشی محمد واعظ الحق استھانوی (پٹنہ)
- ۱۳۳۲ھ : رفع الخلاف من بین الاحناف (فقہ) کی تصنیف
- ۱۳۳۲ھ : صاحبزادی زرینہ خاتون کی ولادت
- ۱۳۳۳ھ : خیر السلوک فی نسب الملوک (تاریخ و انساب) کی تصنیف
- ۱۳۳۳ھ : نزول السکینۃ باسانید الازات الممتینہ (حدیث) کی تصنیف
- ۱۳۳۳ھ : القول الاظہر فی الاذان بین یدی المنبر (فقہ) کی تصنیف
- ۱۳۳۳ھ : جواہر البیان فی ترجمۃ خیرات الحسان (مناقب) کی تصنیف
- ۱۳۳۳ھ : صاحبزادی ولیہ خاتون کی ولادت
- ۱۳۳۴ھ : سال کے اخیر میں خانقاہ کبیریہ شہسرام کے سجادہ نشین شاہ ملیح الدین صاحب کی فرمائش پر صدر مدرس کی

حیثیت سے شہرام تشریف لے گئے

۱۳۳۲ھ : کشف الستور عن مناظرۃ رامپور، کی تصنیف

۱۳۳۳ھ : گنجینہ مناظرہ (کلکتہ کے مناظرے کی روداد) کی تصنیف

۱۳۳۵ھ : آغاز سال میں ایک صاحبزادے تولد ہوئے لیکن عالم شیرخوارگی میں انتقال ہو گیا

۱۳۳۵ھ : تقریب (منطق) کی تصنیف

۱۳۳۵ھ : تذہیب (فلسفہ) کی تصنیف

۱۳۳۵ھ : وافیہ (نحو) کی تصنیف

۱۳۳۵ھ : بدرالسلام لمیقات کل الصلوٰۃ والصیام (توقیت) کی تصنیف

۱۳۳۵ھ : مؤذن الاوقات (دس شہروں کے اوقات صوم و صلوٰۃ کی تخریج)

۱۳۳۵ھ : عافیہ (صرف) کی تصنیف

۱۳۳۶ھ : تحفۃ الاحباب فی فتح الکلوۃ والباب (کھڑکی کا فیصلہ) (فقہ) کی تصنیف

۱۳۳۶ھ : صاحب زادہ مختار الدین احمد کی ولادت

۱۳۳۷ھ : نظم المبانی فی حروف المعانی (نحو) کی تصنیف

۱۳۳۷ھ : تحفۃ الاخبار فی اخبار الاخیار (مناقب) کی تصنیف

۱۳۳۷ھ : الاکسیر فی علم التفسیر، کی تصنیف

۱۳۳۷ھ : صحیح البہاری کی تصنیف کا آغاز

۱۳۳۸ھ : سرور القلب المحزون فی الصبر عن نور العیون (اخلاق) کی تصنیف

۱۳۳۸ھ : ندوة العلماء (مناظرہ) کی تصنیف

۱۳۳۹ھ : صاحبزادی ریحانہ خاتون کی ولادت [ربیع خاتون]

۱۳۳۸ھ : جب مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ، حکومت بہار کے زیر انتظام آ گیا تو ذمہ داروں کی طلب پر آپ

پھر سینئر مدرس کی حیثیت سے پٹنہ تشریف لے گئے

۱۳۳۹ھ : ہادی الہدایۃ لترك الموالاة (سیاست) کی تصنیف

۱۳۴۰ھ : توضیح الافلاک معروف بہ سلم السماء (ہیئت) کی تصنیف

۱۳۴۱ھ : اعلام الاعلام باحوال العرب قبل الاسلام (تاریخ) کی تصنیف

۱۳۴۲ھ : صاحبزادی صفیہ خاتون کی ولادت

- ۱۳۴۳ھ : نہایۃ المنتہی فی شرح ہدایۃ المبتدی (فقہ) کی تصنیف
- ۱۳۴۴ھ : الافادات الرضویہ (اصول حدیث) کی تصنیف
- ۱۳۴۴ھ : صاحبزادی شمیمہ خاتون کی ولادت
- ۱۳۴۵ھ : جامع الرضوی المعروف بہ صحیح البہاری جلد اول (کتاب العقائد) کی تصنیف
- ۱۳۴۶ھ : صاحبزادی نعیمہ خاتون کی ولادت
- ۱۳۴۷ھ : دلچسپ مکالمہ (نصائح) کی تصنیف
- ۱۳۴۷ھ : جامع الرضوی (جلد دوم) کے چاروں حصوں کی تکمیل ہوئی
- ۱۳۴۸ھ : تسہیل الوصول الی علم الاصول (فقہ و اصول) کی تصنیف
- ۱۳۴۹ھ : نافع البشر فی فتاویٰ ظفر (فقہ)
- ۱۳۵۳ھ : تنویر السراج فی ذکر المعراج (سیرت) کی تصنیف
- ۱۳۵۴ھ : نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب (فقہ) کی تصنیف
- ۱۳۵۷ھ : الانوار اللامعہ من الشمس البازغہ (فلسفہ) کی تصنیف
- ۱۳۵۷ھ : الفوائد التامہ فی اجوبۃ الامور العامہ (عقائد و کلام) کی تصنیف
- ۱۳۵۷ھ : جامع الاقوال فی رویۃ الہلال (فقہ) کی تصنیف
- ۱۳۵۸ھ : مشرقی اور سمت قبلہ (ہیئت) کی تصنیف
- ۱۳۶۰ھ : مولود رضوی (سیرت) کی تصنیف
- ۱۳۶۵ھ : تحفۃ العظماء فی فضل العلماء (فضائل) کی تصنیف
- ۱۳۶۶ھ : سد الفرائد جاری بہار (نصائح / سیاست) کی تصنیف
- ۱۳۶۷ھ : چودہویں صدی کے مجدد (مناقب) کی تصنیف
- ۱۳۶۹ھ : حیات اعلیٰ حضرت، چار جلد (مناقب) کی تصنیف
- ۱۹۴۸ء : مدرسہ شمس الہدیٰ کے پرنسپل ہوئے
- ۱۹۵۰ء : مدرسہ شمس الہدیٰ سے ریٹائرمنٹ لیا۔ اس کے بعد ظفر منزل، پٹنہ میں مخصوص افراد کو درس دیتے اور تصنیف و تالیف میں مصروف رہتے
- ۱۳۷۰ھ : عید کا چاند (فقہ) کی تصنیف
- ۱۳۷۱ھ : تنویر المصباح للقیام عند حق علی الفلاح (فقہ) کی تصنیف

- ۱۳۷۱ھ : شاہ شاہد حسین درگا ہی میاں سجادہ نشین بارگاہ عشق متین گھاٹ، پٹنہ کی استاد عا پر پورنیہ (بہار) تشریف لے گئے جہاں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کا افتتاح فرمایا
- ۱۳۸۰ھ : کشمیر سے ظفر منزل تشریف لائے
- ۱۳۸۲ھ : وصال سے پہلے ”النور والضیاء فی سلاسل الاولیاء“ تصنیف فرمایا
- ۱۳۸۲ھ : ۱۹ جمادی الآخرہ ۱۳۸۲ھ / ۱۸ نومبر ۱۹۶۲ء کو ذکر بالجبر کرتے ہوئے رب کریم کے حضور حاضر ہو گئے
- اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور متعلقین و معتقدین کو ان کے فیوض و برکات سے بہرہ مند فرمائے۔ آمین!



پیش لفظ

مولانا مفتی محمد عبدالرحیم نشتر فاروقی
مرکزی دارالافتاء، ۸۲ رسودا گران، بریلی شریف

اعلیٰ حضرت کے تلامذہ میں ملک العلماء حضرت علامہ مفتی محمد ظفر الدین قادری رضوی علیہ الرحمہ کی شخصیت بے مثل، ممتاز اور منفرد نظر آتی ہے خصوصاً فنونِ نادرہ ہیأت و توقیت، ہندسہ و ریاضی، جبر و تفسیر، اوقات و اعداد میں آپ کی شخصیت یکتائے روزگار تھی۔ کہتے ہیں کہ آپ سولہ خانوں کے نقوش گیارہ سو طریقوں سے بھر لیتے تھے جبکہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو سولہ سو طریقوں سے یہ نقوش بھرنے کی مہارت حاصل تھی۔

یوں تو آپ کی شخصیت ایک ہیأتِ راں اور محدث کی حیثیت سے زیادہ معروف ہے لیکن جب آپ کے فتاویٰ پر نظر جاتی ہے تو آپ فقہ و اصول میں بھی بے مثل و بے نظیر نظر آتے ہیں بلکہ فقہیات کے میدان میں بھی آپ پورے طور سے امام احمد رضا خان قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ کی نیابت فرماتے دکھائی دیتے ہیں۔

چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد ارشاد احمد رضوی ساحل شہسرا می لکھتے ہیں:

”مقاماتِ دین کے فہم اور اصولِ دین کی بصیرت کو تفقہ کہتے ہیں۔ یہ ملک العلماء کے مربی اور مرشد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا خاص رنگ تھا جو ان کے پورے علمی وجود پر چھایا ہوا تھا۔ ملک العلماء نے بھی اسی بارگاہ فیض سے حصہ لیا ہے، اس لیے آپ کے یہاں بھی گہری فقاہت ملتی ہے، گو آپ کو شہرت ایک محدث، ایک مصنف، ایک مناظر، ہیأت و توقیت کے ماہر اور جفاکش مدرس کی حیثیت سے ملی لیکن ان سب کے ساتھ ساتھ آپ کے یہاں فقاہت کا جو ہر بھی اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ موجود ہے۔“

[فتاویٰ ملک العلماء ص ۳۹]

حضرت ملک العلماء کی فقہی نگارشات کا مطالعہ کرنے کے بعد بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ آدابِ افتاء اور جزئیاتِ فقہیہ پر گہری نظر رکھنے والے ایک ممتاز فقیہ اور مفتی ہیں۔ آپ نے تقریباً ۵۴ رسال فتویٰ نویسی فرمائی اور فقہی موضوعات پر کثیر رسالے تحریر فرمائے۔ چنانچہ خود فاضل مرتب نے اپنی تقدیم میں حضرت کے ۱۵ فقہی رسائل کا تذکرہ کیا ہے۔

فتاویٰ ملک العلماء کے فاضل مرتب علامہ ساحل شہسرا می زید مجدہ نے ملک العلماء کے فقہی شہ پارے کی ترتیب کا تذکرہ ۲۰۰۳ء کے وسط میں مجھ ناچیز سے کیا تھا۔ پھر جب موصوف اپنا مرتب کردہ یہ قیمتی مجموعہ فتاویٰ لے کر بریلی شریف آئے تو میں اس گراں قدر مجموعے کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ ساحل صاحب نے نہ صرف یہ کہ حضرت ملک العلماء کے بہت ہی ژولیدہ خط فقہی شہ پاروں کی نہایت سلیقے سے شیرازہ بندی کی ہے بلکہ اپنی تقدیم میں وہ جواہر پارے بکھیرے ہیں جن کی قدر و قیمت کو اہل نظر بخوبی محسوس کر سکتے ہیں۔ انھوں نے تقریباً ایک ماہ کے عرصے میں تیار کی گئی اس تقدیم میں حضرت ملک العلماء کی

حیات طیبہ، ان کے علم و فضل کا تعارف، مختلف علوم میں عبقریت، ادبی سلاست اور فقہی مہارت کے گلشن ہزار رنگ کی ایسی سیر کرائی ہے کہ دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ خصوصاً فقہ و افتا کی تشریح، ان کی عہد بہ عہد تاریخ، مستند حنفی فقہاء اور کتابوں کی تفصیل، فتویٰ نگاری کی تاریخ اور اس منصب عظیم کے تقاضے پر جیسی گفتگو کی ہے وہ مختصر ہونے کے باوجود بہت جامعیت رکھتی ہے۔

علامہ ساحل منصب افتا کے تقاضے کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”کسی مفتی اور فقیہ کے اندر ایک عامی سے بالاتر ذاتی اور علمی دونوں سطح پر کچھ امتیازی خصوصیتیں ہونی چاہئیں۔ ذاتی سطح پر وہ ربط خالق، ربط خلق اور ربط نفس تینوں کے تقاضے پورا کرتا ہو۔ وہ ایک خدا ترس، اطاعت شعار بندہ، رسول رحمت کا جاں نثار امتی، دیانت دار، صداقت شعار، روادار، پیکر اخلاص، درد مند طبیعت رکھنے والا فرد امت ہو، حق پسند، حق گو، ہر قسم کی عصبیت سے بالاتر، حلیم اور بردبار، قول کا دھنی، عمل کی دولت سے مالا مال، دینی تصلب سے آراستہ، شرافت و تہذیب کا پیکر اور شائستگی سے بھرپور ایک اچھا انسان ہو۔ جو فقیہ ان اوصاف سے آراستہ ہو گا وہی علم اور دین کے تقاضے پورا کر سکے گا۔“

[فتاویٰ ملک العلماء، ص ۳۰]

فقیہ کے ذاتی اوصاف کے اس جامع تعارف کے بعد علمی سطح کی خصوصیتوں کا تذکرہ دس نکات کی صورت میں پیش کیا ہے جو بزرگوں کی مختلف کتابوں میں پھیلے ہوئے سیکڑوں صفحات کا خلاصہ ہے۔ یہ نکات ہر مبتدی شائق فقہ کے لیے راہنما اصول کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ تقدیم نگار نے اس جامع تلخیص کے سلسلے میں خاص فیض اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بارگاہ سے اٹھایا ہے۔ اس کے بعد انھیں اصول کی روشنی میں حضرت ملک العلماء کی فقہی بصیرت پر بھرپور گفتگو ملتی ہے۔ وسعت نگاہ، آداب افتا کی رعایت، تفقہ، تصوف، تنقید کے ذیلی عنوانات سے ملک العلماء کی فقہات ایسی آشکار کی ہے کہ ہر قاری ملک العلماء کی فقہات کا اعتراف کرتا نظر آئے گا۔

اس کتاب کی گراں قدری اور مرتب کی پر خلوص محنت کا اثر ہے کہ سیدی و سندی و استاذی حضور تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا قادری ازہری بریلوی دامت برکاتہم القدسیہ نے بطیب خاطر اس کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی اور مجمع الرضوی کے بانی شہزادہ حضور تاج الشریعہ حضرت مولانا محمد عسجد رضا خان قادری بریلوی مدظلہ العالی اور ادارے کے نگران حضرت مولانا مفتی محمد شعیب رضا نعیمی نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری قبول فرمائی۔ اس سلسلے میں محبت گرامی حضرت مولانا مفتی محمد یونس رضا اویسی اور حضرت مولانا مفتی محمد حامد رضا قادری صاحبان کا تعاون بھی شامل رہا۔

اراکین ادارہ اس گراں قدر اشاعت پر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے توقع رکھتے ہیں کہ حضرت ملک العلماء کے اس فن پارے کی اہل سنت بالخصوص صاحبان افتا کے حلقے میں خاطر خواہ پذیرائی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ حضرت مصنف، مرتب اور ادارے کے اراکین و جملہ معانین کو دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے اور مسلک اعلیٰ حضرت کی خدمت کرتے رہنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ اجمعین۔

احقر محمد عبدالرحیم نشتر فاروقی

ساحل شہسرامی - ایک تعارف

☆	قلمی نام	: ساحل شہسرامی (علیگ)
☆	نام	: ارشاد احمد رضوی
☆	ولدیت	: جناب اشفاق احمد برکاتی ولد وصی احمد حبیبی
☆	تاریخ پیدائش	: ۱۹ ستمبر ۱۹۷۳ء
☆	مستقل پتہ	: کاشانہ برکات رضا - وصی منزل محلہ مدار دروازہ، شہسرام 821115
☆	موجودہ پتہ	: پروفیسر سید محمد امین قادری، ماشاء اللہ ہاؤس، کبیر کالونی، جمال پور، علی گڑھ
☆	تعلیمی نسبتیں	: ضیائی، مصباحی، علیگ
☆	تعلیمی اسناد	: عالمیت، فضیلت، تخصص فی الفقہ الحنفی (جامعہ اشرفیہ، مبارک پور) ایم اے، عربی (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) الہ آباد عربی فارسی بورڈ، بہار مدرسہ بورڈ اور جامعہ اردو کی جملہ اسناد

- ☆ مقالات : دینی، علمی اور ادبی موضوعات پر چالیس سے زائد مقالات
- ☆ فتاویٰ : تقریباً ایک ہزار فتاویٰ جو فقیہ اعظم ہند علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کی تصدیقات سے مزین ہیں۔

☆ تصانیف و تراجم:

تصانیف:

- (۱) خاندان برکات کی علمی اور ادبی خدمات مطبوعہ
- (۲) تبرکات خاندان برکات مطبوعہ
- (۳) تصانیف خاندان برکات مطبوعہ
- (۴) شاہ حقانی کا اردو ترجمہ و تفسیر قرآن - ایک تنقیدی و تحقیقی جائزہ مطبوعہ
- یہ کتاب امین ملت پروفیسر سید محمد امین قادری برکاتی دامت برکاتہم القدسیہ کی سرپرستی اور شراکت میں تصنیف ہوئی۔
- (۵) مولانا سید شاہ غیاث الدین حسن شریفی - حیات اور شاعری مطبوعہ
- (۶) تاریخ ولادت نبوی غیر مطبوعہ
- (۷) حضرات محدثین کے اخلاق کریمانہ غیر مطبوعہ

- (۸) خواجہ ہند کی صوفیانہ شاعری
 (۹) مخدوم سمنانی کے علمی آثار
 (۱۰) قطب الاقطاب دیوان محمد رشید مصطفیٰ عثمانی - حیات و افکار
 (۱۱) امام احمد رضا اور شہسرام
 (۱۲) مفتی اعظم
 (۱۳) صدر الشریعہ
 (۱۴) ملک العلماء
 (۱۵) شدھی تحریک اور حضرت صدر الافاضل
 (۱۶) حافظ ملت
 (۱۷) شارح بخاری
 (۱۸) حضرت صادق شہسرامی - حیات اور شاعری
 (۱۹) حکیم الاسلام مفتی مظفر احمد قادری برکاتی - حیات و خدمات

ترجمہ:

- (۱) کاشف الاستار شریف - اسد العارفین سید شاہ محمد حمزہ عینی مارہروی
 (۲) النور والبیہا لاسانید الحدیث وسلاسل الاولیاء - سراج العارفین سید شاہ ابوالحسن احمد نوری زیر طبع
 (۳) وجود العاشقین - خواجہ سید محمد بندہ گیسو دراز
 (۴) ایم اے عربی (اے ایم یو) کی نصابی نظموں کا ترجمہ

مرتبہ:

- (۱) مقالات شارح بخاری (تقریباً چودہ سو صفحات)
 (۲) اسلامی نظریہ موت - ملک العلماء علامہ ظفر الدین رضوی
 (۳) فتاویٰ ملک العلماء

فہرست مضامین

- ۱- شرف انتساب ۳
- ۲- تقریظ جلیل ۴
- ۳- کلمات تکریم ۵
- ۴- تقریب ۷
- ۵- تقدیم ۱۰
- ☆ حیات ملک العلما ۱۰
- ☆ علوم حدیث میں عبقریت ۱۳
- ☆ مناظرانہ مہارت ۱۳
- ☆ ہیئت توقیت میں درجہ امتیاز ۱۵
- ☆ سوانحی ادب پر عبور ۱۷
- ☆ تصوف سے والہانہ لگاؤ ۱۹
- ☆ فقہ وافتا کی تعریف ۲۰
- ☆ فقہ وافتا کی تاریخ ۲۲
- ☆ فقہاء کے طبقات ۲۵
- ☆ کتب احناف کے طبقات ۲۶
- ☆ مستند متون، شروح اور فتاویٰ ۲۸
- ☆ فتاویٰ کی تاریخ ۲۸
- ☆ منصب افتا کے تقاضے ۳۰
- ☆ مفتی کو اپنے امام کی پیروی لازم ہے۔ ۳۱
- ☆ حضرت ملک العلما کی فقاہت ۳۲
- ☆ کچھ ترتیب کے متعلق ۴۸
- ۶- ملک العلما ماہ و سال کے آئینے میں - ڈاکٹر طارق مختار ۵۳
- ۷- پیش لفظ مفتی محمد عبدالرحیم نشتر فاروقی ۵۸
- ۸- علامہ ساحل شہسرا می - ایک تعارف ۶۰

فتاویٰ ملک العلماء

کتاب الطہارۃ - ۱

- ۱- نجاست سے آلودہ روئی کے کپڑے کو کیسے پاک کریں؟ ۷۷
- ۲- کیا کتاب نجس العین ہے اور حضرت امام اعظم کے یہاں اسے بغل میں لے کر نماز پڑھنا جائز ہے؟ ۷۷
- ۳- کیا ڈھیلے سے استنجاء بدعت ہے؟ ۷۸
- ۴- عمامہ پر مسح کرنا کیسا ہے؟ ۷۹

کتاب الصلوٰۃ - ۲

- ۵- کیا اقامت بیٹھ کر سنی چاہئے؟ [تنویر المصباح للقبام عند حی علی الفلاح، ۵۱۳۳۰] ۷۷
- ☆ وقت تکبیر قیام سے متعلق چھ شکلیں ہیں:
- ☆ (۱) ایک ہی شخص امام و مکبر دونوں ہو اور اس نے مسجد میں آ کر تکبیر شروع کی ہو۔ ۸۱
- ☆ (۲) ایک ہی شخص امام و مکبر ہے اور اس نے مسجد میں پہنچنے سے قبل تکبیر شروع کر دی۔ ۸۲
- ☆ (۳) امام و مؤذن دو شخص ہیں، وقت تکبیر امام مسجد میں نہیں اور مسجد میں اس کی آمد جانب قبلہ سے ہو رہی ہے۔ ۸۳
- ☆ (۴) امام و مؤذن دو شخص ہیں، وقت تکبیر امام مسجد میں نہیں اور مسجد میں اس کی آمد خلاف جانب قبلہ سے ہو رہی ہے۔ ۸۵
- ☆ (۵) امام مسجد میں قریب محراب موجود ہے۔ مقتدی بھی موجود ہیں، تکبیر شروع ہو گئی، اس وقت بعض مقتدی مسجد میں داخل ہوئے۔ ۸۶
- ☆ (۶) امام و مقتدی مسجد میں موجود ہیں اور مؤذن غیر امام ہے جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے۔ اس میں مجتہدین کے پانچ قول ہیں: ۸۸
- ☆ قول اول: امام و مقتدی سب ختم تکبیر کے بعد کھڑے ہوں (امام شافعی وغیرہ) ۸۸
- ☆ قول دوم: سب قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہوں۔ (امام احمد بن حنبل) ۸۹
- ☆ قول سوم: پہلے قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہوں۔ دوسرے پر نماز شروع کر دیں۔ ۹۰
- ☆ قول چہارم: امام مالک وقت کی تحدید نہ کی۔ مگر اکثر مالکیہ کے نزدیک یہ ہے کہ ختم کے بعد سب کھڑے ہوں۔ ۹۱

☆ قول پنجم: سب حتی علی الصلوٰۃ کے اختتام اور حتی علی الفلاح کی ابتدا پر کھڑے ہوں (امام اعظم)

۹۳

اس پر پچاس کتب دینیہ کی تصریحات۔

۹۸

☆ مخالفین کے شبہات و خیالات کے جوابات

۱۰۵

۶- سجدے میں جانے کا طریقہ کیا ہے؟

۷- امام جہاں کھڑا ہوتا ہے، وہ جگہ عام صف سے چار انگل بلند ہے تو اس صورت میں نماز ہوگی یا نہیں؟

۱۰۷

دہلیز اور محراب کا کیا حکم ہے؟

۱۱۰

۸- امام نے قرأت شروع کر دی تو کیا اب مقتدی ٹاپڑھ سکتا ہے؟

۱۱۱

۹- دو وقت کی نمازیں ایک ساتھ ملا کر پڑھنا کیسا ہے؟

۱۱۲

۱۰- جمعہ کی نماز میں امام پہلی صف کے اندر بیچ میں کھڑا ہوتا ہے تو اس صورت میں نماز ہوگی یا نہیں؟

۱۱- مسافر امام نے دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو مقتدی باقی دو رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھے یا نہیں اور

۱۱۳

مسافر امام کے پیچھے کوئی شخص التحیات میں شریک ہو تو وہ اپنی نماز کس طرح ادا کرے؟

۱۲- ایک امام بہرا اور مکروہ آواز ہے اور دوسرا صحیح سنتا ہے اور اچھی آواز رکھتا ہے تو ان میں کس کی

۱۱۴

امامت بہتر ہے؟

۱۱۴

۱۳- ولد الحرام کی امامت کیسی ہے؟

۱۱۷

۱۴- جو شخص ضاد کو اپنے مخرج سے ادا کرتا ہے، رفع یدین اور آمین بالجہر کہتا ہے، اس کی امامت کیسی ہے؟

۱۵- زید کا خویش قادیانی ہو گیا، زید کی لڑکی اب بھی اس قادیانی کے یہاں ہے۔ زید نے اپنے داماد سے

بول چال بند کر دی ہے لیکن اپنی بچی اور اس کے بچوں سے ملتا جلتا ہے۔ اس صورت میں زید کی اقتدا

۱۱۸

میں نماز درست ہوگی یا نہیں؟

۱۱۹

۱۶- غیر مقلد، سنی مسجد کا امام نہیں ہو سکتا۔ (بہت نفیس بحث)

۱۷- زید کے بوا سیری متوں سے رطوبت جاری رہتی ہے۔ اس صورت میں وہ ایک ہی وضو سے عشاء اور تراویح

۱۲۷

کی نمازیں پڑھ سکتا ہے یا نہیں اور اگر یہ امامت کرے تو کیا حکم ہے؟

۱۸- زید نے کانپور میں اقامت اختیار کی، شادی بیاہ کیا، ذاتی مکان بنایا، اولاد ہوئی پھر بچے جوان ہوئے تو

۱۲۸

آیا کانپور زید اور اس کے بچوں کا وطن اصلی ہوا یا نہیں؟

۱۳۰

۱۹- جمعہ کی اذان ثانی کہاں ہونی چاہئے، اس کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

۲۰- عمر و کہتا ہے کہ اذان خطبہ اذان ہی نہیں، اسے تغلیباً اذان کہہ دیتے ہیں۔ اس لئے اسے اقامت کی طرح

۱۳۱

مسجد کے اندر خطیب کے سامنے ہونا چاہئے۔ اصل حکم شرعی کیا ہے؟

۱۳۲

۲۱- خطبہ پڑھنا اور سننا سنت ہے یا فرض؟

۱۳۳

۲۲- بہات میں نماز جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

- ۱۳۵ - ۲۳۔ دیہات میں جمعہ ادا کرنا کیسا ہے؟
- ۱۳۷ - ۲۴۔ ظہر احتیاطی کی اصل کیا ہے اور اسے کس طرح ادا کریں؟ (فارسی)
- ۱۳۹ - ۲۵۔ جو دیہاتی جمعہ نہ پڑھے، اس کا کیا حکم ہے؟
- ۱۳۹ - ۲۶۔ کیا جمعہ کی صحت ادا کے لئے سلطان یا اس کے نائب کی موجودگی شرط ہے؟
- ۱۴۰ - ۲۷۔ دیہات میں نماز عیدین جائز یا نہیں؟
- ۱۴۱ - ۲۸۔ بمبئی سے آئے ہوئے لوگوں کی شہادت پر شاہجہاں پور میں عید قرباں کر سکتے ہیں یا نہیں؟
- ۱۴۱ - ۲۹۔ نماز جنازہ میں جو چیزیں امام پڑھتا ہے، کیا مقتدی بھی وہی پڑھیں؟
- ۱۴۲ - ۳۰۔ ایک مسجد آبادی کے شمالی کنارے پر ہے۔ مسجد دور ہونے اور راستہ نامہوار ہونے کی وجہ سے بہت سے لوگ پنج وقت نمازیں باجماعت ادا کرنے سے رہ جاتے ہیں۔ اس صورت میں آبادی کے جنوبی کنارے پر نئی مسجد کی تعمیر درست ہے یا نہیں؟
- ۱۴۴ - ۳۱۔ حلال اور حرام دونوں قسم کی رقم مخلوط ہے اس سے مسجد بنوانا کیسا ہے؟
- ۱۴۵ - ۳۲۔ ایک مسجد کے نیچے دکان ہے۔ اسے کرایہ پر اٹھانا کیسا ہے؟
- ۱۴۶ - ۳۳۔ مسجد میں خرچہ دینا کیسا ہے اور اس سے روکنے والے کا کیا حکم ہے؟
- ۳۴ - ☆ پرانی مسجد کو دوسری جگہ منتقل کرنا کیسا ہے؟ (فارسی)
- ☆ زیارت قبور کا جواز قرآن حکیم سے ثابت ہے یا حدیث شریف سے؟
- ☆ بے نمازی کی نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟
- ☆ ضیافت میت کا شرعی حکم کیا ہے؟
- ☆ بے نمازی کی قبر پر جانا کیسا ہے؟
- ۱۴۷ - ☆ گائے کی قربانی کا جواز قرآن حکیم سے ثابت ہے یا حدیث شریف سے؟

کتاب الزکوٰۃ ۳

- ۱۴۹ - ۳۵۔ زید کی پونجی ایک ہزار تھی۔ ایک سال تجارت کے بعد دو سو روپے کا اسے منافع ہوا۔ زکوٰۃ کس پر فرض ہوگی؟
- ۱۴۹ - اصل پونجی پر، صرف منافع پر یا دونوں پر؟
- ۱۴۹ - ۳۶۔ کھاس کے پولوں عشر واجب ہے یا نہیں اور اس کے مصارف کیا ہے؟
- ۱۵۰ - ۳۷۔ نانا، نانی، چچا کو زکوٰۃ دینا اور لینا جائز یا نہیں؟
- ۱۵۰ - ۳۸۔ حضرات سادات کو زکوٰۃ دینا جائز یا نہیں؟
- ۱۵۲ - ۳۹۔ قرض دار سید زادے کا قرض، زکوٰۃ کے مال سے ادا کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

کتاب الصوم ۴

- ۴۰- کیا روزہ رکن اسلام ہے؟ اور آیت کریمہ "فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ" میں "شہد" سے کیا مراد ہے؟ ۱۵۴
- ۴۱- رسالہ مبارکہ "عید کا چاند" (۱۳۷۰ھ) (ریڈیو، ٹیلیفون وغیرہ کی خبر پر عید منانا یا روزہ رکھنا کیسا ہے؟) ۱۵۵
- ☆ کس وقت روزہ رکھنا فرض اور عید کرنا واجب ہے؟ ۱۵۶
- ☆ چاند دیکھنے سے کیا مراد ہے؟ آیا ہر جگہ والے خود دیکھ کر روزہ اور عید منائیں یا دوسری جگہ کی رویت بھی کفایت کرے گی؟ ۱۶۰
- ☆ اختلاف اقوال ائمہ کی صورت میں کس پر عمل کرنا چاہئے؟ ۱۶۵
- ☆ اس ترقی یافتہ سائنسی دور میں کیا لندن میں چاند کی رویت کی خبر سے ہندوستان والے عید وغیرہ منا سکتے ہیں؟ ۱۶۹
- ☆ جدید اطلاعی ایجادات ریڈیو، تار، ٹیلیفون وغیرہ اس سلسلے میں شرعاً معتبر ہیں یا نہیں؟ ۱۷۱
- ☆ کیا جمعیت العلماء نے فتویٰ دے دیا ہے کہ ریڈیو کے ذریعہ ثبوت ہلال کی خبر دی جاسکتی ہے، کیا یہ فتویٰ شرعاً درست ہے؟ ۱۷۵
- ۴۲- روافض کہتے ہیں کہ روزہ رات میں افطار کرنا چاہئے۔ اسلامی حکم کیا ہے؟ ۱۸۰
- ۴۳- افطار کی دعا میں سب ماضی کے صیغے ہیں۔ ان سے معنی مستقبل مراد لئے جائیں گے یا ماضی؟ ۱۸۱
- ۴۴- نماز اور روزے کا کفارہ کس طرح ادا کیا جائے؟ ۱۸۱
- ۴۵- نماز اور روزے کا فدیہ کس طرح ادا کریں؟ (فارسی) ۱۸۳

کتاب النکاح ۵

- ۴۶- ایجاب و قبول کے دوران اگر کسی نے قبول میں صرف الحمد للہ کہا تو نکاح ہوگا یا نہیں؟ ۱۸۴
- ۴۷- چوری چھپے نکاح درست ہے یا نہیں؟ اس کا مقصد یہ ہے کہ اس عورت سے تعلق زوجیت مشہور نہ ہو۔ ۱۸۴
- ۴۸- عمرو کے نکاح میں پھوپھی زاد بھائی اور ماموں زاد بھائی کی لڑکی آسکتی ہے یا نہیں؟ ۱۸۵
- ۴۹- عمرو کی وفات کے بعد اس کی بیوہ سے زید کی شادی جائز یا نہیں؟ ۱۸۶
- ۵۰- ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ پہلے شوہر سے سات برس کی لڑکی تھی اور اس شخص کا پہلی بیوی سے دس برس کا لڑکا تھا ان دونوں کے مذکورہ بیٹا بیٹی کا آپس میں نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ ۱۸۶
- ۵۱- سگی بیٹی کی بیوہ سے نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ ۱۸۶
- ۵۲- ایک غیر مسلم طوائف نے بغیر اسلام لائے ایک مسلمان سے نکاح کیا، اس کے ساتھ کچھ دن رہ کر اسلام لائی اور پھر بکر کے ساتھ نکاح کیا۔ کون سا نکاح صحیح ہوا؟ ۱۸۷

- ۵۳۔ ایک شخص نے ایک نوجوان کو اس وعدے پر اپنے گھر میں رکھا میں تمہیں اپنا داماد بناؤں گا، تم میرے گھر کا خیال رکھو۔ مجوزہ داماد بہت قرض دار تھا اس شخص نے اس کا قرض ادا کیا اور مجوزہ داماد نے اس سے شادی کا تقاضہ کیا تو اس نے کہا کچھ رقم ہو جائے تو شادی کر دوں۔ پھر وہ نوجوان اور اس کی لڑکی فرار ہو گئے۔ مقدمہ دائی ہوا اور دونوں پکڑے گئے اب یہ شخص اپنی لڑکی کا نکاح اس تلاش سے نہ کر کے دوسرے سے کرنا چاہتا ہے۔ دریافت کرنے پر لڑکی بھی پہلے نکاح ہونے سے انکاری ہے لیکن کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ان دونوں نے فرار ہو کر نکاح کر لیا تھا۔ لڑکی بالغہ ہے۔ اس صورت میں نکاح ہوا یا نہیں؟ ۱۸۷
- ۵۴۔ زید نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی۔ پھر حلالہ کرنے کے لئے عمرو کو مقرر کیا کہ وہ نکاح کر کے صحبت کرے اور دو تین دن کے بعد طلاق دیدے۔ عمر کا اس طور سے نکاح درست ہے یا نہیں، اور وہ عورت شوہر اول زید کے لئے حلال ہوگی یا نہیں؟ (فارسی) ۱۹۰
- ۵۵۔ نابالغ کا نکاح باپ کر سکتا ہے یا نہیں؟ یا ماں اسے روک سکتی ہے اور ولی کون ہے؟ ۱۹۱
- ۵۶۔ ولی غیر جابر نے نابالغہ بچی کا نکاح زید سے کیا۔ بلوغ کے بعد اسے فسخ نکاح کا حق حاصل یا نہیں اور کیا فسخ نکاح کے لئے قضائے قاضی شرط ہے؟ (فارسی) ۱۹۱
- ۵۷۔ بالغہ ہندہ کا نکاح اس کی مرضی اور اطلاع کے بغیر اس کے بھائی نے زید سے کر دیا اور ایک حیلہ سے اسے زید کے یہاں لے کر پہنچا۔ ہندہ کو جب اس رشتہ کی اطلاع ہوئی وہ فوراً زید کے یہاں سے چلی آئی۔ آیا یہ نکاح ہوا یا نہیں؟ ۱۹۲
- ۵۸۔ زید نے نابالغہ ہندہ کی شادی اپنی ولایت میں کی۔ ہندہ کے ماں باپ حیات نہیں، نانا، نانی نے اس کی پرورش کی۔ ہندہ نے بالغ ہونے کے بعد بھی سسرال آمد و رفت کا سلسلہ جاری رکھا، یہ نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ ۱۹۳
- ۵۹۔ زید فضولی نے ہندہ بالغہ باکرہ کا نکاح اس کے باپ کی اجازت سے خالد کے ساتھ ایک مجمع عام میں کر دیا۔ گواہ متعین نہ کئے۔ زید یا ہندہ کے باپ نے ہندہ سے نکاح کے پہلے اجازت لی تھی یا نکاح کے بعد اطلاع دی مگر ہندہ کو اتنی خبر تھی کہ آج خالد کے ساتھ میرا نکاح ہے۔ دوسروں نے جب اسے نکاح کی خبر دی تو ہندہ چپ رہی اور خلوت صحیحہ بھی ہو گئی اس صورت میں نکاح ہو گیا یا تجدید نکاح کی ضرورت ہے؟ (چند مفتیان کرام کے جوابات اور اخیر میں حضرت ملک العلماء کا مفصل اصلاحی جواب) ۱۹۴
- ۶۰۔ اگر والدین سید لڑکیوں کا نکاح پٹھان لڑکوں سے کرادیں تو یہ نکاح صحیح اور نافذ ہوگا یا نہیں اور کفایت کا کیا مطلب ہے؟ ۲۰۳
- ۶۱۔ بالغہ ہندہ نے ولی کی اجازت کے بغیر زید غیر کفو کے ساتھ نکاح کیا۔ یہ نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ ۲۰۴
- ۶۲۔ زید کی منکوحہ ہندہ کا نکاح بالجبر عمرو کے ساتھ کرانا کیسا ہے اور اس میں شریک افراد کا کیا حکم ہے؟ ۲۰۵
- ۶۳۔ عاقلہ بالغہ نے ولی کی اجازت کے بغیر کفو میں نکاح کیا۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

- ☆ عاتقہ بالغہ نے بذریعہ تحریر زید کو اپنے نکاح کا وکیل بنایا زید نے اپنی وکالت میں اس کا نکاح عمرو سے کر کے اسے مطلع کر دیا۔ یہ نکاح شرعاً ہوا یا نہیں؟ ۲۰۶
- ۶۳- زید نے اپنی مطلقہ بیوی ہندہ کو کچھ زمین دین مہر میں زبانی دیدی تھی، جس پر ہندہ قابض بھی ہے۔ لیکن زید اب رجسٹری سے انکار کرتا ہے۔ وہ زمین اب کس کی ہے اور زید کا انکار کیسا؟ ۲۰۷
- ۶۴- زید حنفی نے اپنی حنفیہ بیوی سے ایک ہزار مہر پر نکاح کیا۔ بعد میں بیوی کی اطاعت سے خوش ہو کر اس نے مہر تین ہزار کر دیا۔ یہ اضافہ جائز ہے یا نہیں؟ ۲۰۷
- ۶۵- ہندہ نے شیر خوار بچہ چھوڑا۔ اس کی پرورش کا حق کسے ہے جب کہ اس کا باپ، دادا، دادی، نانا، نانی موجود ہیں؟ متوفیہ کا جہیز کس کی ملکیت ٹھہرے گا اور بچے کے مال کا ولی کون ہے؟ ۲۰۸
- ۶۶- شادی کے وقت یا شادی کے بعد عورت کو شوہر یا سر یا اس کے ماں باپ جو زیورات اور ظروف دیتے ہیں، وہ کس کی ملکیت سمجھے جائیں گے؟ ۲۰۹
- ۶۷- پتوہ کو سسر نے عاریتاً زیور دیا، اب اس کا مالک کون ہے؟ ۲۱۰

کتاب الطلاق ۶

- ۶۸- زید نے تحریر کے ذریعہ مطلق طلاق رجعی اور طلاق بائن دی تو کیا حکم ہے؟ ۲۱۱
- ۶۹- زید نے کچھ روپیہ لے کر ہندہ کی علیحدگی پر کورٹ میں اپنی رضامندی داخل کر دی اس صورت میں ہندہ کا نکاح بکر سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ ۲۱۲
- ۷۰- زید نے نکاح ثانی کے ولی سے کہا ”میں اپنی پہلی بیوی کو خفیہ طلاق دے سکتا ہوں“ پھر ولی کو ایک علیحدگی جگہ لے گیا اور کہا: آپ کسی پر یہ طلاق دینا ظاہر نہ کیجئے۔ لیکن اس نے وکیل سے کہہ دیا۔ ولی اور وکیل نے زید سے پوچھا: کام ہو گیا؟ اس نے کہا ہاں! کام ہو گیا الخ۔ اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ ۲۱۳
- ۷۱- اگر شوہر بیوی سے کہے ”تو میری ماں میں تیرا بیٹا“ تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ ۲۱۳
- ۷۲- زید نے اپنی بیوی سے کہا ”تجھ کو رکھو تو اپنی ماں کو رکھو“ ظہار ہوا یا نہیں؟ ۲۱۵
- ۷۳- کوئی شخص اجنبی عورت سے کہے ”اگر تو نکاح کرے تو تو ماں ہے“ اس سے نکاح کے بعد ظہار ہوگا یا نہیں؟ ۲۱۶
- ۷۴- اگر شوہر کا عینین ہونا تحقیقی سے معلوم ہو تو نکاح فسخ کرنے کی کیا صورت ہوگی؟ (فارسی) ۲۱۷
- ۷۵- کنوارے مرد اور عورت نے زنا کیا تو ان کی سزا کیا ہے؟ حرام اور زنا میں کیا فرق ہے؟ ۲۱۷

کتاب السیر ۷

- ۷۶- ایمان اور کفر کی حقیقت کیا ہے، کفر کی کتنی صورتیں ہیں، کوئی مسلمان کافر کب ہوتا ہے؟ ۲۱۹
- ۷۷- دار الحرب اور دار الاسلام کسے کہتے ہیں اور ہندوستان دار الاسلام ہے یا دار الحرب؟ ۲۲۱

- ۲۲۲ - ۷۸ - زید نے کہا ”تمہارے خدا کا ثبوت کہاں سے ہے؟“ اس کا کیا حکم ہے؟
- ۲۲۳ - ۷۹ - ہندوؤں کے ساتھ موالات اور ان کی خاطر گائے کی قربانی ترک کرنا کیسا ہے؟
- ۲۲۸ - ۸۰ - ☆ وہابی کسے کہتے ہیں، وہ شرعاً کافر ہیں یا بے دین؟
- ۲۲۹ - ☆ وہابیوں سے میل جول رکھنا کیسا ہے وغیرہ وغیرہ؟
- ۲۳۱ - ۸۱ - ترک موالات اس وقت مسلمانوں پر فرض ہے یا نہیں اور حرمین طہیین کو انگریزوں کے ناپاک وجود سے پاک کرنا ضروری ہے یا نہیں وغیرہ وغیرہ؟

کتاب الوقف ۸

- ۲۳۵ - ۸۲ - ہندو زمیندار کی زمین پر اس کی اجازت سے بنائی گئی مسجد مسجد ہے یا نہیں؟
- ۲۳۶ - ۸۳ - طوائف عورتوں کی بنوائی ہوئی مسجدیں شرعاً مسجد ہیں یا نہیں؟
- ۲۳۷ - ۸۴ - ایک جگہ، قبرستان کے لئے وقف ہے لیکن اب وہاں تدفین نہیں ہوتی۔ وہاں مکان بنانا جائز ہے یا نہیں؟
- ۲۳۸ - ۸۵ - چار بھائیوں نے اپنی موروثی جائیداد والدین کے فاتحہ، قرآن خوانی اور مفلس رشتہ داروں کی امداد کے لئے وقف کر دی۔ بعد میں کورٹ میں مقدمہ کیا کہ چونکہ اس میں مفلس عزیزوں کی تنخواہ کا بھی معاملہ ہے لہذا یہ وقف نہیں۔ تو ایسی جائیداد شرعاً وقف سمجھی جائے گی یا نہیں؟

کتاب القضا ۹

- ۲۳۹ - ۸۶ - رسالہ مبارکہ ”تحفة الاحباب فی فتح الکوة والباب“ (۵۱۳۳۶)

کتاب الاضحية ۱۰

- ۲۴۲ - ۸۷ - ☆ بندوق سے ”بسم اللہ اکبر“ کہہ کر شکار کیا۔ ذبح کرنے سے پہلے شکار مر گیا، اس کا کھانا حلال ہے یا نہیں؟
- ☆ کھٹک ہندو بکری کا گوشت بیچتا ہے۔ مذبح میں ایک مسلمان ذبح کرنے والا مقرر ہے۔ کھٹک وہیں سے لے جا کر گوشت فروخت کرتا ہے ایسی صورت میں اس سے گوشت خرید کر کھانا درست ہے یا نہیں؟
- ۲۴۳ - ☆ زید زمین یا تخت پر نماز پڑھ سکتا ہے لیکن پھر بھی بلا عذر اپنے پٹنگ پر نماز پڑھتا ہے۔ اس کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟
- ۲۴۳ - ۸۸ - اگر کوئی مسلمان بتوں کے نام پر جانور چھوڑ دے تو اس کا گوشت کھانا حلال ہے یا نہیں؟ (فارسی)
- ۲۴۳ - ۸۹ - ☆ بتوں پر چھوڑے جانور کو خرید کر قربانی کرنا یا اس کا گوشت مسلمان کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟
- ☆ کسی مسلمان نے دوسرے کو اپنا جانور یہ کہہ کر دیا کہ اسے لے جاؤ اور اپنے نام سے قربانی کر لو تو اس کا ثواب کس کو ملے گا، قربانی کرنے والے کو یا جانور دینے والے کو بھی؟
- ۲۴۵ - ☆ حقیقہ کی مدت کس مرتبہ ہے؟ جوانی میں کسی کا عقیقہ ہو تو کیا اس کے سر کے بال بھی اتارے جائیں گے؟
- ۹۰ - ☆ نمازی اگر غیر نمازی کے ساتھ مل کر قربانی کرے تو نمازی کے ثواب میں کوئی کمی تو نہ ہوگی؟

☆ حضور نے ایک چٹکبرا مینڈھا ساری امت کی جانب سے قربانی کیا تو پھر چند امتی ایک خسی میں حصہ دار کیوں نہیں بن سکتے؟ ☆ ختنہ وغیرہ کی دعوت میں شرکت کیسی ہے؟ ☆ قاضی کو نکاح خوانی کا نذرانہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ ☆ اجنبی شخص جس نے دلہن کو دیکھا بھی نہیں اور نہ اس کی آواز پہچانتا ہے، اس کی شہادت پر نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

۲۷۶

۲۷۸

۹۱- قربانی کی کھال کی قیمت سے عین مسجد کی تعمیر درست ہے یا نہیں؟

۹۲- قربانی کی کھال کی قیمت سے مسجد کی تعمیر جائز ہے یا نہیں اور "یتصدق بجلدھا" میں صدقہ واجبہ مراد

۲۷۹

ہے یا صدقہ نافلہ؟ [اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیۃ فی المساجد، ۵۱۳۲۵]

۲۹۰

۹۳- قربانی کی کھال بیچ کر مدارس کے مصارف میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۹۴- ☆ زکوٰۃ اور صدقہ فطر کی رقم مدارس میں براہ راست صرف کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

☆ قربانی کی کھال کی قیمت مسجد میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

☆ ہندہ کا زید سے ناجائز تعلق ہوا اور حرام حمل بھی ٹھہر گیا، اسی حالت میں ان دونوں کا نکاح

۲۹۱

کر دیا گیا۔ یہ نکاح درست ہوا یا نہیں؟

کتاب الحظر والاباحۃ ۱۱

۹۴- حدیث شریف "لو لاک لما خلقت الافلاک" کس کتاب میں ہے؟

۹۵- کیا سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل تھا اور آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں یا نہیں؟

۹۶- کیا حضور کو علم غیب ہونا قرآن حکیم سے ثابت ہے؟

۹۷- حضور کے علم کو ازلی یا ابدی کہنا درست ہے یا نہیں؟

۹۸- اگر حضور کو علم غیب تھا تو حدیث جبریل میں "ما المسئول عنہا اعلم من السائل" کا کیا مطلب ہے؟

۹۹- کیا ایک دن میں کئی ختم قرآن کر سکتے ہیں؟

۱۰۰- ذکر بالجہر جائز ہے یا نہیں؟

۱۰۱- حقوق اللہ، حقوق العباد پر مقدم ہیں یا نہیں اور باپ کو ناراض کر کے منازل سلوک طے کرنا کیسا ہے؟ باپ کا اس

کو ازکار و اشغال سے روکنا خطا ہے یا نہیں؟

۱۰۲- جو ہندو مسلمان ہونے کے ارادے سے قرآن حکیم پڑھنا چاہتا ہے، اسے قرآن پڑھنا کیسا ہے؟

۱۰۳- محمد، احمد دونوں اسم گرامی کی اسلامی فضیلت کیا ہے؟

۱۰۴- عالم خواب میں بیعت ہونا کیسا ہے؟

۱۰۵- مرشد سے توجہ لینا، ہاتھ پیر چومنا، مکاشفہ کا قائل ہونا، اجرت پر وعظ کہنا، میلاد شریف پڑھنا کیسا ہے؟

۱۰۶- مدار یہ سلسلہ میں بیعت ہونا کیسا ہے اور کیا یہ سلسلہ متصل ہے؟ جاہل سے بیعت کیسی ہے اور کیا سید

۳۱۷

سے بیعت ہونا افضل ہے؟

۳۸۶

۱۰۷- فاتحہ مروجہ جائز ہے یا نہیں؟

۱۰۸- ایصال ثواب کا شرعی طریقہ کیا ہے اور کیا یہ طریقے زمانہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں رائج تھے؟

۳۲۰

[رسالہ مبارکہ "نصرة الاصحاح باقسام ایصال الثواب" ۵۱۳۵۴]

۳۲۱

☆ جواب سوال اول: قرآن حکیم، احادیث کریمہ اور اقوال ائمہ کی روشنی میں ایصال ثواب کا ثبوت۔

۳۲۷

☆ قرآن حکیم میں ایصال ثواب کے طریقے:

۳۲۷

☆ اول: مغفرت کی دعا کرنا

۳۳۰

☆ دوم: ماں باپ کے لئے خدائے تعالیٰ سے رحم و کرم چاہنا۔

۳۳۲

☆ سوم: میت کے لئے نماز جنازہ پڑھنا۔

۳۳۳

☆ چہارم: مسلمان میت کی قبر کی زیارت کرنا اور وہاں ٹھہر کر اس کے لئے دعائے خیر کرنا۔

۳۳۵

☆ دعا کرتے وقت چند چیزوں کا اہتمام کریں:

۳۳۵

☆ اول: قرآن شریف کی کچھ سورتیں یا آیتیں پڑھیں۔

۳۳۸

☆ دوم: اول آخر درود شریف پڑھیں۔

۳۴۰

☆ سوم: دعا سے پہلے کوئی عمل خیر کریں تاکہ رحمت الہی متوجہ ہو۔

۳۴۰

☆ جواب سوال دوم: احادیث کریمہ اور اقوال ائمہ کی روشنی میں ایصال ثواب کے پچیس طریقے:

۳۴۱

☆ پہلا طریقہ: سورہ یس شریف پڑھنا۔

۳۴۱

☆ دوسرے طریقہ: میت کو بوشہ دینا۔

۳۴۷

☆ تیسرا طریقہ: کسی بزرگ کے پہنے ہوئے متبرک کپڑے میں کفن دینا۔

۳۵۱

☆ چوتھا طریقہ: کفن پر کوئی آیت یاد دعا لکھنا۔

۳۵۴

☆ پانچواں طریقہ: جنازہ کو دیکھ کر تعریف کرنا اور میت خوبیاں بیان کرنا۔

۳۵۵

☆ چھٹا طریقہ: نماز جنازہ پڑھنا۔

۳۵۶

☆ ساتواں طریقہ: مقدس جگہ اور صالحین کے پڑوس میں دفن کرنا۔

۳۵۹

☆ آٹھواں طریقہ: قبر تیار ہو جائے تو کوئی پرہیزگار شخص قبر میں تھوڑی دیر بیٹھ کر کوئی آیت یاد دعا پڑھے۔

۳۶۱

☆ نواں طریقہ: قبر پر پانی چھڑکنا۔

۳۶۳

☆ دسواں طریقہ: بعد دفن میت کو تلقین کرنا۔

۳۶۵

☆ گیارہواں طریقہ: نکیرین کے سوال کے وقت میت ثابت قدم رہنے کی دعا کرنا۔

۳۶۷

☆ بارہواں طریقہ: بعد دفن قبر پر اذان دینا۔

۳۶۹

☆ تیرہواں طریقہ: قبر پر کھجور کی شاخ یا کوئی سبز چیز رکھنا۔

- ☆ چودھواں طریقہ: دفن کے بعد سر ہانے سورہ بقرہ کا پہلا رکوع اور پانچویں آخر رکوع پڑھنا۔ ۳۷۹
- ☆ پندرہواں طریقہ: قبر کے پاس اتنی دیر تک ٹھہرنا کہ اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاسکے۔ ۳۸۰
- ☆ سولہواں طریقہ: زیارت قبور کرنا کہ اس سے میت انس حاصل ہوتا ہے۔ ۳۸۱
- ☆ سترہواں طریقہ: رات کے آخری حصہ میں قبرستان جا کر مردوں کے لئے دعا کرنا۔ ۳۸۳
- ☆ اٹھارہواں طریقہ: جمعرات، جمعہ کے دن خاص طور سے والدین اور بزرگوں کی قبروں کی زیارت کرنا۔ ۳۸۵
- ☆ انیسواں طریقہ: سال بہ سال متعین دن میں قبروں کی زیارت کو جانا۔ ۳۸۷
- ☆ بیسواں طریقہ: ستر ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھ کر اس کا ثواب مردے کو بخشنا۔ ۳۸۹
- ☆ اکیسواں طریقہ: قرآن حکیم پڑھ کر اس کا ثواب بخشنا۔ ۳۹۱
- ☆ بائیسواں طریقہ: نماز روزہ کا ثواب میت کو بخشنا۔ ۳۹۴
- ☆ تیسواں طریقہ: کنواں کھودوا کر میت کی طرف سے وقف کرنا۔ ۳۹۶
- ☆ چوبیسواں طریقہ: میت کی طرف سے صدقہ کرنا۔ ۳۹۷
- ☆ پچیسواں طریقہ: میت کی طرف سے قربانی کرنا۔ ۴۰۰
- ☆ جواب سوال سوم: حضرات صحابہ نے ایصالِ ثواب کے کون سے طریقہ اختیار کئے؟ ۴۰۲
- ☆ جواب سوال چہارم: فقہ حنفی میں ایصالِ ثواب کا طریقہ۔ امام اعظم کی وصیت ۴۱۲
- ☆ ایصالِ ثواب کا انکار معتزلہ کا مذہب ہے۔ ۴۱۳
- ۱۰۹- عرس کا شرعی حکم کیا ہے؟ [مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس، ۵۱۳۲۴] ۴۲۱
- ☆ سند اول و دوم: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال کے آغاز میں شہدائے بدر کی قبروں پر تشریف لے جاتے اور ان کے لئے دعائے خیر فرماتے۔ ۴۲۳
- ☆ اس حدیث پر مولوی اسحاق صاحب کے شیعہ کا مفصل اور مسکت جواب۔ ۴۲۴
- ☆ سند سوم: تعین اور تخصیص دو طرح کی ہوتی ہے: شرعی اور عادی۔ ۴۳۱
- ☆ سند چہارم: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور صلحائے امت بھی امور خیر کے لئے مخصوص دن مقرر فرماتے آئے ہیں۔ صوم دو شنبہ، جہاد اور وعظ کے لئے پنج شنبہ، درس کے آغاز کے لئے چہار شنبہ کی تعین ملتی ہے۔ ۴۳۲
- ☆ سند پنجم: اصل اشیا میں اباحت ہے۔ ۴۳۴
- ☆ مولوی اسحاق کی عبارت ”مقرر کردن روز عرس جائز نیست“ کا علمی محاسبہ۔ ۴۳۶
- ☆ سند ششم: عرس کو سواد اعظم مستحسن سمجھتا ہے۔ ۴۳۸
- ☆ سند ہفتم: مخالفین کے مستند اصحاب علم کی عبارتوں سے عرس کے جواز کی تائید۔ ۴۳۸
- ☆ سند ہشتم: حریم شریفین کے علما کا تعامل اس کا مؤید ہے۔ ۴۳۹
- ☆ سند نہم: ”احب الاعمال الی اللہ ادومہا“ سے استناد۔ ۴۴۰

- ☆ سند وہم: عرس کا انعقاد عامۃ اہل اسلام کا عرف ہے جو شرعاً ایک قوی دلیل ہے۔ ۴۴۱
- ☆ تاثیر عرف کی متعدد نظیریں۔ (تلفظ نیت، تہویب، خطبے میں خلفائے راشدین وغیرہ کا ذکر، سلطان اسلام کے لئے دعا، اذان کے بعد تسلیم، نماز عصر کے بعد مصافحہ، قرآن حکیم کی تزیین، مسجد کی آرائش، ختم تراویح میں دعا اور تین بار سورہ اخلاص کی قراءت، میلاد شریف کی مروجہ محفلیں، قیام و سلام، تقلید شخصی) ۴۴۳
- ☆ عرس میں منہیات شرعیہ بہر صورت حرام ہیں۔ اسے بقدر استطاعت روکنا واجب۔ ۴۴۹
- ☆ زیارت قبور شرعاً مستحب ہے۔ ۴۵۲
- جواز فاتحہ کے دلائل اور ایک تحریر کا رد۔ ۴۵۴
- ۱۱۰۔ تعزیہ بنانا، اس پر مہندی، مالیدہ، کچھڑا وغیرہ چڑھانا اور مرثیہ پڑھنا کیسا ہے؟ ۴۶۳
- ۱۱۱۔ تعزیہ مروجہ بنانا اور مرثیہ خوانی کرنا کیسا ہے؟ ۴۶۳
- ۱۱۲۔ ☆ تندرست و توانا شخص جو صاحبِ نصاب بھی ہے، گداگری کرتا ہے۔ اس کی امامت کیسی ہے؟ ۴۶۶
- ☆ محفل و عظم ختم ہونے کے بعد سامعین کا عالم دین سے مصافحہ کرنا مسنون ہے یا بدعت؟ ۴۶۸
- ☆ جہاں طاعون کی وبا پھیلی ہو وہاں دوسروں کا جانا یا وہاں موجود لوگوں کا کہیں اور بھاگنا کیسا ہے نیز اس کے چھوت کی بیماری ہونے پر اعتقاد رکھنے کا کیا حکم ہے؟ ۴۷۱
- ۱۱۳۔ طاعون کی جگہ جانا یا وہاں سے بھاگنا کیسا ہے؟ ۴۷۱
- ۱۱۴۔ مزاراتِ اولیا کی توہین گناہ ہے یا نہیں؟ ۴۷۲
- ۱۱۵۔ ☆ کسی زیارت پر چادر چڑھانا اور سجدہ کرنا کیسا ہے؟ ☆ میلاد شریف پڑھنا اور کھڑے ہو کر سلام پڑھنا کیسا ہے؟ ☆ سہرا باندھنا کیسا ہے؟ ☆ شیخ سدوکا بکرا پالنا اور کھانا کیسا ہے؟ ۴۷۳
- ۱۱۶۔ فرنج کٹ داڑھی رکھنے والا فاسق ہے یا نہیں؟ ۴۷۵
- ۱۱۷۔ حنفی کو شافعی یا مالکی مذہب اختیار کرنا کیسا ہے؟ ۴۷۶
- ۱۱۸۔ ہندوؤں کو سلام کرنا اور ان کے یہاں کھانا کھانا کیسا ہے؟ ۴۷۶
- ۱۱۹۔ روافض کے گھر کھانا پینا کیسا ہے؟ ۴۷۷
- ۱۲۰۔ کیا آیت کریمہ میں ایک حرف کو دوسرے حرف کے ساتھ ملا کر بے قاعدگی سے پڑھنے سے شیطان کا نام آ جاتا ہے؟ ۴۷۷
- ۱۲۱۔ باب افعال کا ہمزہ قطعی ہے تو قد افع میں الف کیوں ساقط ہو سکتا ہے؟ ۴۷۸

کتاب الفرائض ۱۲

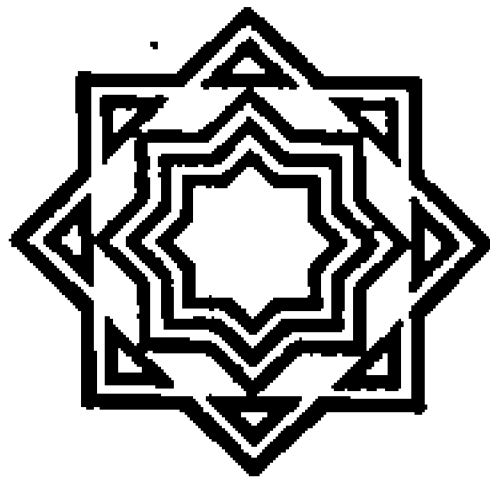
- ۱۲۲۔ کیا متوفیہ ہندہ کی تجہیز و تکفین اور فاتحہ سوم و چہلم کے مصارف اس کی متروکہ جائداد سے ادا کئے جائیں گے؟ ۴۸۱
- ۱۲۳۔ ہندہ نے مرنے سے پہلے مکان اپنے بیٹے زید کو ہبہ کر دیا تو اس کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ ۴۸۱

- ۱۲۴- زید نے اپنے ورثہ میں دو لڑکے، ایک لڑکی اور ایک بیوی کو چھوڑا۔ اس کی جائیداد کس طرح تقسیم ہوگی؟ ۴۸۳
- ۱۲۵- حکیم نظام الدین نے چار لڑکے ایک لڑکی اور ایک بیوی کو چھوڑا ان کا ترکہ کیسے تقسیم ہوگا؟ ۴۸۴
- ۱۲۶- متوفی زید سنی کے ورثہ شیعہ ہیں۔ تو زید کا ترکہ اس کے شیعہ وارثین کو بھی ملے گا یا نہیں؟ ۴۸۵
- ۱۲۷- زید نے اپنے حقیقی بھائی وارث شرعی کو محروم کرنے کے لئے بینک میں جمع شدہ رقم ایک غیر وارث کے نام بہہ کر دی اور اس کی دستاویز بھی لکھ دی لیکن وہ رقم موہوب لہ کو وصول نہ ہوئی۔ اب اسے بھائی کی حق تلفی کا خیال آیا تو وہ یہ بہہ فسخ کر سکتا ہے یا نہیں؟ ۴۸۸

ضمیمہ

- ۱۲۸- فرائض و نوافل میں سورہ فاتحہ یا کسی سورت کے دوبار پڑھنے سے سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ ۴۹۰
- ۱۲۹- حضور کے وصال کے بعد کیا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ تشریف لا کر حسنین کریمین کے اصرار پر اذان دی؟ اور آپ کا وصال کہاں ہوا؟ ۴۹۲
- ۱۳۰- مسجد کی کمزور عمارت کو شہید کر کے نئی عمارت بنوانا جائز ہے یا نہیں؟ ۴۹۳
- ۱۳۱- ☆ شوہر نے بیوی سے کہا: تم میرا کہنا مانو، نہ مانو گی تو تمہیں طلاق دیتا ہوں، پھر کہا دیکھو مانو نہیں تو طلاق دیتا ہوں پھر زوجہ کی سخت کلامی پر کہا تم پر طلاق ہے، تو کتنی طلاق واقع ہوئی؟ ☆ قربانی کی کھال وغیرہ کی قیمت مسجد میں نذر کر سکتے ہیں؟ ☆ قربانی کا جانور قرض کی رقم میں محسوب کر کے خرید سکتے ہیں یا نہیں؟ ☆ کیا قصاب کی اجرت قربانی سے پہلے ہی متعین کر لینی چاہیے؟ ۴۹۳

کتابیات



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نافع البشر فی فتاویٰ ظفر

[۹۱۳۴۹]

فتاویٰ ملک العلماء

ملک العلماء شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی قدس سرہ

کتاب الطہارۃ ۱

مسئلہ: مسئلہ حافظ عبدالکریم صاحب از اعظم گڑھ ۱۵ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ
روئی کا کپڑا نجاست سے ناپاک ہو جائے تو کس طرح پاک ہو سکتا ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب

اللہم ارنا الحق حقا والباطل باطلا۔ جس طرح بے روئی کا نجس کپڑا نجاست سے پاک کیا جاتا ہے ویسے ہی روئی کا کپڑا بھی نجاست سے پاک کیا جاتا ہے۔ یعنی اگر لائق نچوڑنے کے ہو تو تین مرتبہ دھوئے اور ہر بار اتنا نچوڑنے سے کہ قطرہ نہ ٹپکے، پاک ہو جائے گا اگر نجاست مرئیہ نہ ہو۔

شرح وقایہ میں ہے: ”وعمالم یر اثرہ بغسلہ ثلاثا وعصرہ فی کل مرۃ۔“
عالمگیریہ میں ہے: ”وان کانت غیر مرئیۃ یغسلہا ثلاث مرات کذا فی المحيط۔“ اور اگر نجاست مرئیہ ہو تو زوال عین سے پاک ہو جائے گا۔

وقایہ میں ہے: ”عن نجس مرئی بزوال عینہ ھکذا فی الغلمگیریۃ۔“
اور اگر نچوڑنے کے لائق نہ ہو تو ہر بار خشک ہو جانے کے بعد دوبارہ دھوئیں۔
ہندیہ میں ہے: ”وما لا ینعصر یطہر بالغسل ثلاث مرات والتحفیف فی کل مرۃ لان للتحفیف اثرافی استخراج النجاسة وحد التحفیف ان یخلیہ حتی ینقطع التقاطر ولا یشرط فیہ الییس ھکذا فی التبین“
۱۲ مختصرا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

ایک صاحب کتے کو نجس العین بتاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ در مختار میں حضرت امام اعظم نے کتیا کے پلے کو بغل میں دبا کر نماز پڑھنا جائز لکھا ہے؟

الـجـواب

یہ اس شخص کا افتراء محض ہے۔ نہ درمختار امام اعظم کی تصنیف ہے، نہ اس قائل کو جواز فعل وصحت عمل مع عدم جواز الفعل میں تمیز ہے۔ جواز بمعنی صحت و بمعنی اباحت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اول ہرگز مستلزم ثانی نہیں۔ بہت افعال کہ مکروہ تنزیہی بلکہ تحریمی بلکہ حرام ہیں، منافی صحت نماز نہیں ہوتے۔ تو نماز ان افعال کے ساتھ جائز ہوگی یعنی صحیح و مسقط فرض۔ مگر وہ فعل جائز مباح نہ ہوگا بلکہ حرام یا گناہ یا ناپسند۔ ہمارے علماء کہ محل کلب وغیرہ سباع سوائے خنزیر کے ساتھ نماز جائز جانتے ہیں جواز بمعنی صحت میں کلام فرما رہے ہیں۔ معاذ اللہ یہ نہیں فرماتے کہ بے ضرورت شرعیہ ایسا فعل مکروہ و ناپسند نہیں۔ غیر مقلدین و ہابیہ کا اس مسئلہ کو مطاعن ائمہ عظام حنفیہ کرام حصہم اللہ باللطف العام میں شمار کرنا فحش و بے عقلی ہے۔ حضرات صاحبین اور ان کے موافقین رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو کتا نجس العین ہے۔ اور طاہر ماننے والوں سے بھی ایک جماعت عظیم مطلقاً ان صورتوں میں نماز فاسد بتاتے ہیں۔ رہے قائلین طہارت، وہ بھی اسانت و کراہت کی تصریح کرتے ہیں۔ ان کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی ضرورت و حاجت خواہ اپنی نادانی و جہالت سے ایسا کیا تو نماز باطل نہ ہوگی۔ اس میں معاذ اللہ کیا طعن ہے؟ ہاں اگر فرماتے کہ ایسا کرنا چاہئے یا کرے تو کوئی ناپسندیدہ نہیں تو ایک بات تھی۔ مگر جانتا ہوں وہ اس تہمت سے پاک و منزہ ہیں واللہ الحمد۔

بالجملہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مذہب میں یہ جانور، سائر سباع کے مانند ہے کہ لعاب نجس اور عین طاہر۔ یہی مذہب صحیح و معتمد و موید بدلائل قرآن و حدیث و مختار و ماخوذ للفتویٰ عند جمہور مشائخ القدریم والحدیث ہے۔

امام ابوالبرکات محمود نسفی کافی میں فرماتے ہیں: الکلب لیس بنجس العین۔

حلیہ میں ہے: ”کون الکلب لیس بنجس العین وهو المرجح فی المختصر والہدایۃ والوقایۃ والنقایۃ والمختار والکنز والوافی والاصلاح ونور الايضاح والملتقى والتنویر۔ کل اهاب دبغ فقد طهر الا جلد الخنزیر والادمی فمقتضى هذه الكلية طهارة جلد الکلب بالدباغ۔ هکذا فی مجمع الانهر ومنتہ ملتقى الابحر وجامع الموز ومراقى الفلاح والتيسير والبزازیة والدر المختار وغير ذلك من معتمدات الاسفار۔“ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ از میرٹھ مقام اکلہ رسول پور مرسلہ حافظ عبدالحکیم صاحب ۱۲ ربیع الآخر ۱۳۲۳ھ
کیا ارشاد ہے علما کا اس مسئلہ میں کہ غیر مقلدین جو بعد پیشاب، مدام پانی سے استنجا پاک کیا کرتے ہیں اور ڈھلے سے بدعت بتاتے ہیں، یہ قول و فعل ان کا کیسا ہے؟ بینوا تو جروا۔

الـجـواب

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی عادت مختلف تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دونوں ثابت ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں:

”مرن ازواجکن ان یستطیبا بالماء فانی استحییہم فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یفعلہ۔“
تم اپنے شوہروں سے کہو کہ پانی سے استنجا کیا کریں پس میں ان سے کہنے سے شرماتی ہوں۔ پس تحقیق کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب کے بعد استنجا پانی سے فرمایا کرتے۔ رواہ احمد والترمذی والنسائی۔

ابوداؤد، ابن ماجہ میں انہیں سے مروی: ”قالت بال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقام عمر خلعه بکوز من ماء فقال ما هذا یا عمر؟ فقال ماء تتوضؤ بہ قال ما امرت کلما بلت ان اتوضأ ولو فعلت لکان سنۃ۔“
ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ پانی لے کر کھڑے ہوئے۔ فرمایا: اے عمر کیا ہے؟ عرض کیا کہ استنجا کے لئے پانی ہے۔ فرمایا مجھ پر واجب نہیں کیا گیا ہے کہ طہارت کروں ہر پیشاب کے بعد پانی سے اور اگر ایسا کروں تو بلاشبہ سنت ہو جاوے۔ المراد بالوضوء ہنہنا الاستنجا بالماء کما ذکرہ النووی۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ ڈھیلے سے استنجا کرتے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ پانی سے استنجا فرماتے۔ محض پانی سے استنجا کرنے میں حرج نہیں البتہ ڈھیلے سے استنجا کرنے کو بدعت بتانا غلط ہے اور سفاہت ہے اور افضل یہ ہے کہ دونوں کو جمع کرے۔ ہندیہ میں ہے: ”الافضل ان یجمع بینہما“۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ ثانیہ از میرٹھ مرسلہ جناب مذکور الصدر صاحب

غیر مقلدین وضو میں بلا عذر اگر مسح سر کیا کرتے ہیں عمامہ پر اور کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارہ میں ثابت ہے۔ کیا رسول خدا نے گاہے کسی عذر سے ایک دو بار یا بلا عذر، اکثر فعل ہذا بنوع مسطورہ ادا کیا ہے؟ اور یہ حدیث کس پائے میں ہے؟ اور نیز مذکور ہذا حدیث کس کتاب میں ہے اور خفی کرام کو اس پر عمل کرنا کیسا ہے؟

الـجـواب

غیر مقلدین کا محض عمامہ پر مسح کرنا محض جہالت ہے۔ ہرگز ہرگز مسح کرنا جائز نہیں۔ اگر کرے گا وضو نہ ہوگا۔ نماز مشروط بشرط وضو ہے۔ جب وضو ہی نہیں ہوا، نماز بھی نہیں ہوگی۔

خلاصہ پھر فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: ”ولا یجوز المسح علی القلنسوة والعمامة وکذا لو مسحت

المرأة علی الخمار الا انه اذا كان الماء متقاطرا بحيث يصل الماء الی الشعر فح يجوز ذلك عن الشعر۔“

خزانہ المفتیین میں ہے: ”والمرأة اذا مسحت علی اخیارها لا يجوز الا اذا كان دقیقا ینفذ الماء فیہ

فبلغ ربع راسہ کذا فی السراجیة والغنیة والخانیة۔“

اقول اور پر ظاہر کہ آدمی کس طرح عمامہ پر مسح کرے؟ سر میں تری تک محسوس نہیں ہو سکتی فضلا ان ینبلغ ربع راسہ۔

رہی حدیث، جو مروی ہے حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے: ”قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم یمسح علی عمامتہ وخفیہ۔“ سو اس کے یہ معنی ہیں کہ سر پر تحت عمامہ کے مسح فرما کر عمامہ پر ہاتھ گزرا تا۔

قسطانی میں ہے: ”یمسح علی عمامة بعد مسح الناصیة ویدل علیہ حدیث ابی داؤد عن انس

رضی اللہ عنہ قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتوضأ وعلیہ عمامة قطریة فادخل یدہ من

تحت العمامة فمسح مقدم راسہ۔“

علاوہ بریں اولاً حدیث مسح عمامہ کی محتمل اور نہیں چھوڑا جاتا متیقن بوجہ محتمل کے۔

ثانیا اللہ تعالیٰ نے حکم مسح سر کا دیا ہے نہ مسح عمامہ کا۔ اور حدیث مسح عمامہ کی آحاد ہے۔ جس سے زیادتی کتاب پر

جائز نہیں اور نہ وہ اس کا ناخن ہو سکے۔ کما هو مبرهن فی فن الاصول اور یہی مذہب ائمہ و علماء کا ہے اور یہی قول

سفیان ثوری و مالک بن انس و ابن مبارک و امام شافعی و حضرت امام الائمہ، سراج الائمہ ابو حنیفہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔ واللہ

تعالیٰ اعلم۔



کتاب الصلوٰۃ ۲

تنویر المصباح للقیام عند حی الفلاح

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جماعت کی نماز میں امام اور مقتدیوں کو کس وقت کھڑا ہونا چاہئے؟ مذہب احناف کیا ہے۔ مدلل ارشاد ہو۔

(محمد سلیمان قادری)

الجواب

اس مسئلہ کی متعدد صورتیں ہیں اور سب کا حکم جدا ہے۔ اس لئے بالتفصیل جواب دینا مناسب ہے۔ فاقول

وباللہ التوفیق۔

شکل اول: امام اور مکبر دونوں ایک ہی شخص ہے اور امام نے مسجد میں آ کر تکبیر شروع کی تو جب تک تکبیر پوری ختم نہ ہو جائے مقتدی سب کے سب بیٹھے رہیں، کوئی کھڑا نہ ہو۔

(۱) درمختار میں ہے: ”اذا اقام الامام بنفسه فی مسجد فلا یقفوا حتی یتم اقامته ظہیریۃ“۔ ”فتاویٰ ظہیریہ میں ہے کہ امام جب بذات خاص مسجد میں اقامت کہے تو مقتدی نہ کھڑے ہوں یہاں تک کہ اقامت ختم کر لے“۔

(۲) فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: ”وان کان الہ وذن والامام واحدا فان اقام فی المسجد فالقوم لایقومون مالم یفرغ من الاقامة“۔ ”اگر امام اور موذن ایک ہی شخص ہو تو اگر اقامت مسجد میں شروع کی تو مقتدی نہ کھڑے ہوں جب تک امام اقامت سے فارغ نہ ہو جائے“۔

(۳) فتح اللہ لمعین حاشیہ کنز ملا مسکین میں ہے: ”هذا اذا كان المودن غیر الامام وان انحدر اقام فی المسجد اجمعوا ان القوم لایقومون مالم یفرغ من الاقامة“۔ ”(حی علی الفلاح) پر کھڑا ہونا اس وقت

ہے جب امام اور موذن دو شخص ہوں اور اگر امام اور موذن ایک ہی شخص ہو تو اجماع ہے کہ مقتدی نہ کھڑے ہوں جب تک امام تکبیر سے فارغ نہ ہو جائے۔

اس تصریح سے ان لوگوں کی بھی غلطی ظاہر ہو گئی جو کہتے ہیں کہ ہم امام و مکبر کی اتباع میں کھڑے ہوتے ہیں کہ تکبیر کہنے والا امام اور مکبر تو کھڑا ہوا اور ہم بیٹھے رہیں، یہ خلاف تعظیم مکبر ہے اس لئے ہم مکبر کی تعظیم کو کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ جہت اور اجتہاد محض تصریحات فقہائے کرام کے بالکل خلاف ہے۔

(۴) جامع الرموز میں ہے، ”لو كان الامام مودناً لم يقم القوم الا عند الفراغ وهذا اذا اقام في المسجد“۔ ”اگر امام خود مکبر ہو تو جب مسجد میں آ کر تکبیر کہنی شروع کرے تو قوم اس وقت تک کھڑی نہ ہو جب تک امام تکبیر سے فارغ نہ ہو جائے۔“

(۵) بحر الرائق شرح كنز الدقائق میں ہے: ”هذا كله اذا كان المودن غير الامام فان كان واحدا اقام في المسجد فالقوم لا يقومون حتى يفرغ من الاقامة“۔ ”یہ (حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا) اس وقت ہے جب موذن امام کے سوا دوسرا شخص ہو اور اگر امام اور موذن ایک ہی شخص ہو اور اقامت مسجد میں کہہ رہا ہے تو جب تک امام تکبیر سے فارغ نہ ہو جائے، مقتدی کھڑے نہ ہوں۔“

(۶) ملتقى الابحار اور اس کی شرح (۸) مجمع الانهر میں ہے: ”وفى الفهستافى نقلا عن المحيط۔“ لو كان الامام مودناً لم يقم القوم الا عند الفراغ“۔ ”اگر امام ہی مکبر ہو تو جب تک تکبیر ختم نہ ہو جائے مقتدی کھڑے نہ ہوں۔“ واللہ اعلم۔

شکل دوم: امام اور مکبر ایک ہی شخص ہے اور امام نے مسجد میں پہنچنے سے قبل ہی تکبیر شروع کر دی تو تمام مشائخ حنفیہ کا اتفاق ہے کہ مقتدی سب کے سب بیٹھے رہیں، کوئی کھڑا نہ ہو، جب تک امام مسجد میں داخل نہ ہو۔

(۱) جامع الرموز میں ہے: ”والافقد قاموا اذا دخله كما فى المحيط“۔

”اور اگر امام نے اقامت مسجد میں آ کر نہیں شروع کی بلکہ مسجد میں داخل ہونے سے قبل ہی شروع کر دی تھی تو جب تک امام مسجد میں داخل نہ ہو کوئی بھی کھڑا نہ ہو۔ جب امام مسجد میں داخل ہو جائے تو لوگ کھڑے ہوں اور ایسا ہی محیط میں ہے۔“

(۳) فتح اللہ المعین میں ہے: ”و ان خارجہ قام کل صف ینتہی الیہ الامام“۔ ”اگر امام اور موزن دونوں ایک ہی شخص ہو اور امام نے مسجد سے باہر ہی تکبیر شروع کر دی تو جس جس صف کے سامنے امام گزرتا جائے وہ وگ کھڑے ہو جائیں۔“

(۴) فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: ”و ان اقام خارج المسجد فمشائخنا اتفقوا علی انہم لا یقومون ما لم یدخل الامام فی المسجد“۔ ”اگر امام و موزن دونوں ایک ہی شخص ہو اور امام نے مسجد سے باہر ہی تکبیر کہنی شروع کر دی تو مقتدی اس وقت تک کھڑے نہ ہوں جب تک امام مسجد میں داخل نہ ہو۔“

(۵) درمختار میں ہے: ”و ان خارجہ قام کل صف ینتہی الیہ، بحر“۔ ”اگر امام نے تکبیر خارج مسجد ہی سے شروع کر دی تو جیسے جیسے صفوں کے سامنے امام آتا جائے وہ لوگ کھڑے ہوتے جائیں۔ یہ بحر الرلق میں ہے۔“ واللہ تعالیٰ اعلم۔

شکل سوم: امام اور موزن دو شخص ہیں اور تکبیر کے وقت امام مسجد میں موجود نہیں، باہر ہے اور جانب قبلہ سے مسجد میں آ رہا ہے تو نہ تکبیر شروع ہوتے ہی مقتدی کھڑے ہو جائیں، نہ جب موزن حی علی الفلاح کہے بلکہ جب مقتدی امام کو دیکھ لیں اس وقت کھڑے ہوں۔

(۱) شرح بخاری و فتح الباری شرح بخاری میں ہے: ”واذا لم یکن الامام فی المسجد فذهب الجمہور الی انہم لا یقومون حتی یروہ“۔ ”تکبیر شروع ہوئی اور امام مسجد میں نہیں تو جمہور علماء اس طرف گئے ہیں کہ مقتدی جس وقت تک امام کو دیکھ نہ لیں کھڑے نہ ہوں۔“

اور یہی حدیث بخاری و مسلم شریف سے ثابت ہے: ”عن ابی قتادۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقيمت الصلوٰۃ فلا تقوموا حتی ترونی“۔ ”جب اقامت کہی جائے (اور میں مسجد میں موجود نہ ہوں) تو تم لوگ کھڑے نہ ہو جب تک مجھے دیکھ نہ لو۔ یہ مذہب متفق علیہ تمام ائمہ و علماء کا ہے۔“

(۵) التعلیق الممجد میں ہے: ”وقال ابو حنیفۃ واصحابہ اذا لم یکن معہم الامام فی المسجد فانہم لا یقومون حتی یروا الامام لحدیث ابی قتادۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقيمت الصلوٰۃ فلا تقوموا حتی ترونی وهو قول الشافعی و داؤد“۔ ”امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں نے

فرمایا کہ جب مقتدی کے ساتھ امام مسجد میں نہ ہو تو مقتدی نہ کھڑے ہوں جب تک امام کو دیکھ نہ لیں بوجہ حدیث حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب اقامت کہی جائے تو تم کھڑے نہ ہو، یہاں تک کہ تم مجھ کو دیکھ لو اور یہی قول شافعی اور داؤد کا ہے۔“

(۶) در مختار میں ہے: ”وان دخل من قدام قاموا حين يقع بصرهم عليه“۔ ”تکبیر کے وقت امام مسجد میں نہیں ہے، باہر سے آگے کی طرف سے آرہا ہے تو جس وقت لوگوں کی نگاہ امام پر پڑے اس وقت کھڑے ہوں۔“

(۷) فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: وان كان الامام دخل المسجد من قدامهم يقومون كما راؤ الامام“۔ ”اور اگر امام مسجد میں آگے کی طرف سے داخل ہوا تو جیسے لوگ امام کو دیکھیں کھڑے ہو جائیں۔“

(۸) بدائع الصنائع میں ہے: ”فان كان خارج المسجد لا يقومون مالم يحضر لقول النبي صلى الله عليه وسلم ”لا تقوموا في الصف حتى تروني خرجت“ وروى عن علي رضي الله عنه ”انه دخل المسجد فرأى الناس قياماً ينتظرونه فقال مالي اراكم سامدين اي واقفين متحيرين“ ولان القيام لاجل الصلوة ولا يمكن اداء هابدون الامام فلم يكن القيام مفيداً ثم ان دخل الامام من قدام الصفوف فكماراوه قاموا لانه كما دخل المسجد قام مقام الامامة“۔ ”پھر اگر امام مسجد سے باہر ہو تو جب تک امام حاضر نہ ہو اس وقت تک مقتدی کھڑے نہ ہوں بوجہ قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے: مت کھڑے ہو صف میں یہاں تک کہ تم مجھ کو دیکھ لو کہ میں نماز کے لئے نکلا ہوں۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے تو لوگوں کو کھڑے ہوئے انتظار کرتے پایا تو فرمایا کہ کیا بات ہے کہ میں تم لوگوں کو متحیر پاتا ہوں۔“

اس لئے بھی کہ کھڑا ہونا نماز کے لئے ہے اور نماز کا ادا کرنا بغیر امام کے نہیں ہو سکتا تو کھڑا ہونا مفید نہ ہوگا۔ پھر اگر امام صفوں کے آگے سے مسجد میں داخل ہو تو جیسے ہی لوگ امام کو دیکھیں کھڑے ہو جائیں۔ اس لئے کہ جب وہ مسجد میں داخل ہوگا اقامت کی جگہ کھڑا ہوگا۔

(۹) تبیین الحقائق و شرنبلالہ میں ہے: ”دخل من قدام وقفوا حين يقع بصرهم عليه“۔ ”اگر امام مسجد میں آگے کی جانب سے داخل ہو تو جس وقت مقتدیوں کی نگاہ امام پر پڑے لوگ کھڑے ہو جائیں۔“

فتح اللہ المعین و الخلاصة و الطحطاوی علی مراقی الفلاح۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

شکل چہارم: امام و موذن دو شخص ہیں اور تکبیر کے وقت امام مسجد میں موجود نہیں اور مسجد میں پورب کی طرف (خلاف جانب قبلہ) سے آرہا ہے تو جس جس صف کے آگے گزرے گا، وہ لوگ کھڑے ہوتے جائیں۔ تکبیر شروع ہوتے ہی یا حی علی الفلاح پر پہنچنے کے وقت سب کو کھڑا ہونے کا حکم نہیں۔

(۱) درمختار میں ہے: ”والا یقوم کل صف ینتہی الیہ الامام علی الاظہر“۔ ”ورنہ ظاہر تر یہ ہے کہ جس جس صف تک امام پہنچتا جائے اس صف کے لوگ کھڑے ہوتے جائیں“۔

(۲) دو المختار میں علامہ شامی فرماتے ہیں: ”قوله والا ی وان لم یکن الامام بقرب المحراب بان کان فی موضع آخر من المسجد او خارجہ و دخل من خلف“۔ ح۔ ”اور اگر امام محراب کے قریب نہ ہو یعنی مسجد ہی میں کسی دوسری جگہ ہے یا مسجد سے خارج ہے اور غیر قبلہ کی جانب سے آرہا ہے تو جس جس صف کے آگے امام گزرتا جائے گا وہ صف کھڑی ہوگی“۔

(۳) ایسا ہی علامہ حلبی شارح درمختار نے تحریر فرمایا ہے۔

(۴) فتاویٰ ہندیہ میں ہے: ”فاما اذا کان الامام خارج المسجد فان دخل من قبل الصفوف فکما جاوز صفا قام ذالک الصف والیہ مال شمس الائمہ الحلوائی والسرخیسی و خواہر زادہ“۔ لیکن امام جب مسجد کے باہر ہو تو وہ اگر صفوں کی جانب سے اندر آئے تو جس صف سے گزرے، اس صف کے لوگ کھڑے ہو جائیں۔ اسی کی طرف شمس الائمہ حلوائی، سرخیسی، اور خواہر زادہ کا میلان ہے۔

(۵) بدائع الصنائع میں ہے: ”وان دخل من وراء الصفوف فالصحيح انه كلما جاوز صفا قام ذالک الصف لانه صار بحال لواقته وابه جاز فصار فی حقہم کانه اخذ مکانہ“۔ ”اور اگر مسجد میں صفوں کی جانب سے امام داخل ہو تو قول صحیح یہی ہے کہ جس جس صف کے آگے بڑھے گا وہ صف کھڑی ہوتی جائے گی۔ کیوں کہ امام اس صف کے لئے ایسی حالت میں ہے کہ اگر وہ لوگ اس کی اقتدا کریں تو جائز ہے تو ان کے حق میں ایسا ہوا کہ وہ اپنی جگہ یعنی محراب میں پہنچ گیا“۔

(۶) تبیین الحقائق میں ہے: ”وان لم یکن الامام حاضراً لا یقومون حتی یصل الیہم ویقف مکانہ فی رواۃ وفی اخری اذا اختلط بہم وقبل یقوم کل صف ینتہی الیہ الامام وهو

الاظہر۔“ اور اگر امام مسجد میں موجود نہ ہو تو جب تک وہ پہنچ نہ لے اور اپنی جگہ کھڑا نہ ہو جائے، مقتدی سب بیٹھے رہیں کوئی کھڑا نہ ہو۔ ایک روایت یہ ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ جب باہر سے آکر مقتدیوں میں مل جائے تو لوگ کھڑے ہو جائیں، اور تیسرا قول یہ ہے کہ جس جس صف تک امام پہنچتا جائے وہ صف کھڑی ہوتی جائے اور یہی زیادہ ظاہر ہے۔“

(۷) شربلا لہ میں ہے: ”والافيقوم كل صف ينتهي اليه الامام على الاظهر“۔ ”اگر امام مسجد میں نہ ہو اور صف کی طرف سے امامت کے لئے آ رہا ہے تو زیادہ ظاہر یہ ہے کہ جس جس صف سے آگے بڑھے وہ صف کھڑی ہو جائے۔“

(۸) فتح اللہ المعین میں ہے: ”فان لم يكن وقف كل صف انتهي اليه الامام على الاصح خلاصه وفي الزيلعي وهو الاظهر“۔ ”پس اگر امام مسجد میں نہ ہو اور صف کی طرف سے آ رہا ہے تو جس جس صف تک پہنچے وہ صف کھڑی ہو جائے، یہی اصح قول ہے۔ یہ خلاصہ میں ہے اور زیلعی میں ہے کہ یہ اظہر ہے۔“

(۱۱) بحر الرائق میں ہے: ”والافيقوم كل صف ينتهي اليه الامام على الاظهر“۔ ”اگر امام مسجد میں نہ ہو تو جس صف تک امام پہنچے وہ صف کھڑی ہو جائے یہی اظہر ہے۔“

(۱۲) طحاوی حاشیہ مراقی الفلاح: ”قوله يقوم كل صف الخ وفي عبارة بعضهم فكلما جاوز صفا قام ذلك الصف“۔ ”بعض فقہاء کی عبارت یہ ہے کہ جس صف سے امام آگے بڑھے، وہ صف کھڑی ہو جائے۔“ واللہ اعلم۔

شکل پنجم: امام محراب کے قریب مسجد میں موجود ہے، مقتدی بھی موجود ہیں۔ تکبیر شروع ہو چلی، بعض مقتدی مسجد میں اس وقت داخل ہوئے تو ان کو حکم ہے کہ بیٹھ جائیں اور جب مکبر حی علی الفلاح پر پہونچے تب کھڑے ہوں۔ اس لئے کہ کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے۔

(۱) فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: ”واذا دخل الرجل عند الاقامة بكرة له الانتظار قائما ولكن يقعد ثم يقوم اذا بلغ المودن حي على الفلاح كذا في (۲) المصنعات“۔ ”ایک شخص اقامت کے وقت مسجد میں آیا تو اس کو کھڑے رہ کر انتظار کرنا مکروہ ہے۔ اس کو چاہئے کہ بیٹھ جائے پھر جب مودن حی الفلاح پر پہونچے تب وہ

کھڑا ہو۔ اسی طرح مضمرات میں ہے۔“

(۳) در مختار میں ہے: ”دخل المسجد والمؤذن يقيم قعد الى قيام الامام في مصلاه“۔ ”ایک شخص مسجد

میں ایسے وقت آیا کہ مکبر تکبیر کہہ رہا ہے تو وہ بیٹھ جائے جب تک امام اپنے مصلیٰ پر کھڑا نہ ہو، یہ بھی کھڑا نہ ہو۔“

(۴) رد المحتار میں ہے: ”ویکره له الانتظار قائما ولكن يقعد ثم يقوم اذا بلغ المؤذن حي على

الفلاح“۔ ”اس کے لئے نماز کا کھڑے کھڑے انتظار کرنا مکروہ ہے لیکن وہ بیٹھ جائے پھر جب مؤذن حی علی الفلاح پر پہنچے اس وقت کھڑا ہو۔“

(۵) طحاوی علی مراقی الفلاح میں ہے: ”واذا اخذ المؤذن في الاقامة ودخل رجل في المسجد فانه يقعد

ولا ينتظر قائما فانه مكروه كما في المضممرات (۶) فہستانی ویفہم منه كراهة القيام ابتداء الاقامة والناس

عنه غافلون“۔ ”علامہ طحاوی حاشیہ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں فرماتے ہیں: اور جب مؤذن نے تکبیر شروع کی

اور ایک شخص مسجد میں داخل ہوا تو وہ بیٹھ جائے اور کھڑے کھڑے نماز کا انتظار نہ کرے، یہ مکروہ ہے جیسا کہ مضمرات میں ہے

یہ فہستانی نے کہا اور اسی سے سمجھا جاتا ہے کہ شروع تکبیر سے کھڑا ہو جانا مکروہ ہے اور اوگ اس سے غافل ہیں۔“

(۷) وقایہ و (۸) جامع الرموز میں ہے: ”وفي الكلام ايما الى انه لو دخل المسجد احد

عند الاقامة يقعد لكرهية القيام والانتظار كما في المضممرات“۔ ”اور اس کلام میں اس بات کی طرف

اشارہ ہے کہ اگر کوئی شخص تکبیر کہنے کے وقت مسجد میں داخل ہوا تو وہ بیٹھ جائے۔ اس لئے کہ کھڑا رہنا اور انتظار کرنا

مکروہ ہے جیسا کہ مضمرات میں ہے۔“

(۹) فتاویٰ بزاز یہ میں ہے: ”دخل المسجد و هو يقيم يقعد ولا يقف قائما“۔ ”کوئی شخص مسجد

میں داخل ہوا اور مؤذن تکبیر کہہ رہا ہے تو یہ آنے والا شخص بیٹھ جائے اور کھڑا نہ رہے۔“

(۱۰) عمدة الرعاية حاشیہ شرح وقایہ میں ہے: ”ويقوم الامام والقوم اي من مواضعهم الى الصف

وفيه اشارة الى انه اذا دخل المسجد يكره له الانتظار قائما بل يجلس في موضع ثم يقوم عند حي

على الفلاح وبه صرح في جامع المضممرات“۔ ”امام اور قوم اپنی جگہ سے صف میں کھڑے ہوں۔ اس میں

اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو اس کو کھڑے کھڑے نماز کا انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ کسی

جگہ بیٹھ جائے پھر حجتی الفلاح کہنے کے وقت کھڑا ہو۔ واللہ اعلم۔

شکل ششم: امام و مقتدی مسجد میں موجود ہیں اور موزن غیر امام ہے جو صورت عام طور پر ہوا کرتی ہے تو اس مسئلہ میں ائمہ و مجتہدین کے پانچ قول ہیں:

قول اوّل: امام شافعی، امام ابو یوسف اور ایک جماعت علماء کا یہ ہے کہ اس صورت میں امام و مقتدی سب کے سب بیٹھے رہیں۔ صرف مکبر (تکبیر کہنے والا) کھڑا ہو اور تکبیر کہے۔ جب تکبیر سے فارغ ہو جائے تو تکبیر ختم ہونے کے بعد امام و مقتدی سب کھڑے ہوں۔

(۱) یعنی شرح بخاری میں ہے: ”وقد اختلف السلف متى يقوم الناس الى الصلوة (الى ان قال) ومذهب الشافعي وطائفة انه يستحب ان لا يقوم حتى يفرغ الموزن من الاقامة وهو قول ابى يوسف“۔ ”اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ کس وقت لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوں تو امام شافعی اور ایک جماعت علماء کا مذہب یہ ہے کہ مستحب یہ ہے کہ امام اور مقتدی کوئی بھی نہ کھڑا ہو جب تک موزن اقامت سے فارغ نہ ہو جائے اور یہی قول امام ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔“

(۲) قسطلانی شرح بخاری میں ہے: ”واختلف فى وقت القيام الى الصلوة فقال الشافعي والجمهور عند الفراغ من الاقامة وهو قول ابى يوسف“۔ ”اور اختلاف کیا گیا ہے نماز میں کھڑے ہونے کے وقت میں تو امام شافعی اور جمہور علماء نے فرمایا کہ اقامت سے فارغ ہونے کے بعد امام و مقتدی کھڑے ہوں اور یہ قول امام ابی یوسف کا ہے۔“

(۳) نووی شرح مسلم میں ہے: ”واختلف العلماء من السلف فمن بعد هم متى يقوم الناس الصلوة ومتنى يكبر الامام فمذهب الشافعي وطائفة انه يستحب ان لا يقوم احد حتى يفرغ الموزن من الاقامة“۔ ”علمائے سلف اور ان کے بعد علماء نے اختلاف کیا ہے کہ لوگ نماز کے لئے کس وقت کھڑے ہوں اور امام کس وقت تکبیر کہے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک جماعت علماء کا مذہب یہ ہے کہ مستحب ہے امام و مقتدی کوئی بھی کھڑا نہ ہو جب تک موزن تکبیر سے فارغ نہ ہو جائے۔“

(۴) التعليق الممجد میں ہے: ”قوله انه يقوم الى الصلوة اختلفوا فيه فقال الشافعي

والجمهور یقومون عند الفراغ من الاقامة وهو قول ابی یوسف۔ یعنی علمائے نماز میں کھڑے ہونے کے وقت میں اختلاف کیا ہے تو امام شافعی اور جمہور کا قول یہ ہے کہ جب مؤذن تکبیر سے فارغ ہو جائے تب امام و مقتدی کھڑے ہوں۔ یہی قول امام ابی یوسف کا ہے۔

اس قول کی تائید حدیث فعلی حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوتی ہے۔

(۵) مبسوط میں ہے: ”و ابو یوسف احتج بحديث عمر رضي الله عنه فانه بعد فراغ المؤذن من الاقامة كان يقوم في المحراب“۔ ”امام ابو یوسف نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے دلیل پکڑی ہے کہ وہ مؤذن کے تکبیر سے فارغ ہونے کے بعد محراب میں کھڑے ہوتے تھے“۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قول دوم: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ جس وقت مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہے، اس وقت سب کو کھڑا ہونا چاہئے اور اسی کی تائید حدیث فعلی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوتی ہے۔ ہر علم والا جانتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جو نہ صرف دو چار دن بلکہ پورے دس سال خدمت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں رہے اور حضور کے ہر فعل، ہر قول کو بہت نزدیک سے غائر نگاہ سے دیکھا۔

(۱) نووی شرح مسلم میں ہے: ”و كان انس رضي الله عنه يقوم اذا قال المؤذن قد قامت الصلوة وبه قال احمد“۔ ”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت کھڑے ہوتے تھے جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہتا اور یہ قول امام احمد کا ہے۔“

(۲) عینی شرح بخاری میں ہے: ”وقال احمد اذا قال المؤذن قد قامت الصلوة يقوم“۔ ”امام احمد نے فرمایا کہ جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہے اس وقت سب کھڑے ہوں۔“

(۳) اسی میں ہے: ”و كان انس رضي الله تعالى عنه يقوم اذا قال المؤذن قد قامت الصلوة وكبر الامام وحكاه ابن ابی شيبه عن سويد بن غفلة و كذا قيس بن حازم و حماد“۔ ”انس رضی اللہ عنہ اس وقت کھڑے ہوتے جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہتا اور امام تکبیر تحریر کہتا۔ محدث ابن ابی شیبہ نے سويد بن غفلة اور قيس بن حازم اور حماد سے اس کو حکایت کیا۔“

(۴) فتح الباری شرح بخاری میں ہے: ”و عن انس انه كان يقوم اذا قال المؤذن قد قامت الصلوة رواه“

(۵) ابن المنذر و کذا رواه (۶) سعید بن منصور من طریق ابی اسحاق عن اصحاب عبد اللہ۔ ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اس وقت کھڑے ہوتے جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہتا۔ اس حدیث کو ابن المنذر وغیرہ نے روایت کیا ہے اور اسی طرح سعید بن منصور نے بطریق ابواسحاق عبد اللہ سے روایت کیا۔“

(۷) مصنف میں ہے: ہشام یعنی ابن عروہ بھی قد قامت الصلوٰۃ کہنے کے قبل کھڑے ہونے کو مکروہ جانتے تھے۔

(۸) عینی میں ہے: ”کرہ ہشام یعنی ابن عروہ ان یقوم حتی یقول المؤذن قد قامت الصلوٰۃ۔“ مصنف میں ہے کہ ہشام یعنی ابن عروہ نے مکروہ جانا کہ کوئی شخص کھڑا ہو یہاں تک کہ مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قول سوم: اسی کے قریب قریب امام زفر و حسن ابن زیادہ کا قول ہے کہ جب مؤذن پہلی مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کہے تو لوگ کھڑے ہو جائیں اور جب دوسری مرتبہ کہے تو نماز شروع کر دیں۔

(۱) عینی شرح بخاری میں ہے: ”وقال زفر اذا قال المؤذن قد قامت الصلوٰۃ مرة قاموا و اذا قال ثانيا افتتحوا۔“ امام زفر نے فرمایا کہ جب مؤذن پہلی مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کہے تو لوگ کھڑے ہو جائیں اور جب دوسری مرتبہ کہے تو نماز شروع کر دیں۔“

(۲) بدائع الصنائع میں ہے: ”وعند زفر و حسن ابن زیاد یقومون عند قوله قد قامت الصلوٰۃ فی المرة الاولى و یکبرون عند الثانية۔“ امام زفر و حسن ابن زیاد کے نزدیک پہلی مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کہنے کے وقت لوگ کھڑے ہو جائیں اور دوسری مرتبہ کہنے کے وقت تکبیر کہیں۔“

(۳) رد المحتار میں ذخیرہ سے ہے: ”وقال الحسن بن زیاد یقومون عند قوله قد قامت الصلوٰۃ قاموا الی الصف و اذا قال ثانيا کبروا۔“ امام حسن بن زیاد نے فرمایا کہ جب مؤذن پہلی مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کہے تو لوگ کھڑے ہو جائیں صف میں اور جب دوسری مرتبہ کہے تو تکبیر تحریمہ کہیں۔“

(۵) جامع الرموز میں ہے: ”وقال الحسن زفر اذا قال قد قامت الصلوٰۃ مرة (۶) کما فی المحيط۔“ امام حسن و زفر نے فرمایا کہ جب مؤذن پہلی مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کہے اس وقت کھڑے ہوں جیسا کہ محیط میں ہے۔“ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قول چہارم: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ہے: ان کے نزدیک کھڑے ہونے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ وہ

فرماتے ہیں کہ تحدید کے متعلق میں نے کوئی حدیث نہیں سنی۔ اس لئے میری ذاتی رائے یہ ہے کہ ہر شے کو اختیار ہے، چاہے جب کھڑا ہو۔ اس لئے کہ بعض لوگ ہلکے پھلکے ہوتے ہیں اور بعض بھاری بھر کم تو سب کو ایک وقت کھڑے ہونے کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔ لیکن اکثر مالکیہ اس طرف گئے ہیں کہ جب امام مسجد میں موجود ہو تو جب تک مؤذن تکبیر سے فارغ نہ ہو جائے لوگ کھڑے نہ ہوں۔ (یعنی جو مذہب امام شافعی اور جمہور علما اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ہے)

(۱) عون المعبود شرح ابوداؤد (۲) وفتح الباری شرح بخاری میں ہے: ”وقال مالك في الموطأ سمع

في قيام الناس حين تقام الصلوة بحد محدود الا اني اري ذلك على طائفة الناس فان فيهم الثقيل

والخفيف وذهب الاكثرون الى انهم اذا كان الامام معهم في المسجد لم يقوموا حتى يفرغ من

الاقامة“۔ ”امام مالک نے مؤطا میں فرمایا کہ نماز کے لئے کس وقت کھڑے ہوں، اس کے متعلق میں نے کوئی حدیث نہیں سنی

لیکن میں اس کو لوگوں کی قوت اور طاقت پر خیال کرتا ہوں کیونکہ نمازیوں میں بعض بو جھل ہوتے ہیں اور بعض ہلکے پھلکے اور

اکثر اس طرف گئے ہیں کہ جب امام ان کے ساتھ مسجد میں ہو تو جب تک اقامت ختم نہ ہو جائے لوگ کھڑے نہ ہوں۔“

(۳) عینی شرح بخاری میں ہے: ”وقد اختلف السلف متى يقوم الناس الى الصلوة فذهب مالك

وجهور العلماء الى انه ليس لقيامهم حد“۔ ”سلف صالحین نے اختلاف کیا ہے کہ لوگ نماز کے لئے کس وقت

کھڑے ہوں؟ تو امام اور جمہور علمائے مالکیہ اس طرف گئے ہیں کہ ان کے کھڑے ہونے کا کوئی وقت مقرر نہیں۔“

اسی میں ہے: ”ولكن اسحب عامتهم القيام اذا اخذ المؤذن في الاقامة“۔

لیکن عام علمائے مالکیہ نے مستحب سمجھا کہ جس وقت مؤذن تکبیر شروع کرے، اسی وقت لوگ کھڑے ہو

جائیں اور ایک روایت امام مالک سے ہی اسی قسم کی منقول ہے جسے امام قاضی عیاض نے ان سے نقل کیا ہے۔

(۴) نووی شرح مسلم میں ہے: ”ونقل القاضي عياض عن مالك رحمه الله وائمة العلماء انه

يستحب ان يقوموا اذا اخذ المؤذن في الاقامة“۔ ”امام قاضی عیاض نے امام مالک اور علما عامہ سے ایک

روایت نقل کی کہ مستحب ہے کہ لوگ اس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن تکبیر شروع کرے۔“

(۵) التعلیق الممجد شرح مؤطا امام محمد میں ہے: ”و عن مالك يقومون عند اولها وفي

الموظا انه يرى ذلك على طاقة الناس فان فيهم الثقيل والخفيف كذا ذكر القسطلاني۔ ”اور ایک روایت امام مالک سے ہے کہ لوگ اول اقامت کے وقت کھڑے ہوں اور موظا میں ہے کہ ان کی رائے یہ ہے کہ لوگوں کی طاقت پر ہے۔ اس لئے کہ نمازیوں میں بعض ثقیل ہوتے ہیں اور بعض خفیف تو سب کا حکم ایک نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح علامہ قسطلانی نے ارشاد الساری میں ذکر کیا۔“

(۲) علامہ زرقانی مالکی شرح موظا میں تحریر فرماتے ہیں: ”ومن ثم اختلف السلف في ذلك فقال مالك رحمه الله عليه اني اري ذلك على قدر طاقة الناس فان منهم الثقيل الخفيف ولا يستطيعون ان يكونوا كرجل واحد وذهب الاكثر الى انهم اذا كان الامام معهم في المسجد لم يقوموا حتى تفرغ الامامة واذالم يكن في المسجد لم يقوموا حتى يروه۔“ ”نماز میں کس وقت کھڑا ہونا چاہئے، چوں کہ اس کے متعلق کسی حدیث میں صاف حکم نہیں ہے۔ اسی لئے ائمہ سلف نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا۔ تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں اس کو لوگوں کی طاقت پر رکھتا ہوں۔ اس لئے کہ نمازیوں میں بعض بوجھل اور بعض بلکہ ہوتے ہیں تو وہ سب ایک شخص کی طرح نہیں ہو سکتے (سب کو ایک حکم نہیں دیا جاسکتا) اور اکثر علمائے لکھ اس طرف گئے ہیں کہ جب امام مسجد میں موجود ہو تو جب تک تکبیر ختم نہ ہو جائے اس وقت تک لوگ کھڑے نہ ہوں اور جب مسجد میں نہ ہو تو جب تک امام کو دیکھ نہ لیں کھڑے نہ ہوں۔“

ان تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ امام مالک اور مالکیہ کے تین قول ہیں:

- (۱) اصل مذہب اور قول امام مالک کا یہ ہے کہ اس بارے میں انہوں نے کوئی حدیث نہیں سنی۔ اس لئے ان کی ذاتی رائے ہے کہ اس کے لئے کوئی حد مقرر نہیں۔ ضعف وقوت کے اعتبار سے ہر ایک کو کھڑے ہونے کا اختیار ہے۔
- (۲) ایک روایت امام مالک سے یہ ہے کہ ابتدائے اقامت ہی سے لوگ کھڑے ہو جائیں۔ عام علمائے مالکیہ بموجب اسی ایک روایت کے اسی طرف گئے ہیں۔

(۳) اور اکثر علمائے مالکیہ کا یہ قول ہے کہ تکبیر ختم ہو جانے پر لوگ کھڑے ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فائدہ: ائمہ مجتہدین کے چار قول اوپر گزرے اور پانچواں قول امام الائمہ، مالک الائمہ امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کے متبعین عام مسلمان ہندو پاکستان اور دنیا کے مسلمانوں میں تین حصے ہیں اور جن کے

مقلدین ہم سب لوگ ہیں، آئندہ مفصل و مدلل آتا ہے۔ لیکن شراح بخاری نے ایک روایت سعید بن المسیب اور عمر بن عبدالعزیز سے ذکر کی ہے اسے ذکر کر دیا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ: جب مؤذن اللہ اکبر کہے لوگ کھڑے ہو جائیں، اور جب حی علی الصلوٰۃ کہے صفوں کو برابر کریں اور جب لا الہ الا اللہ کہے تو امام تکبیر شروع کرے۔

عمدة القاری وفتح الباری شروح بخاری میں ہے: ”واللفظ للاول و عن سعید بن المسیب و عمر بن عبدالعزیز“ انه اذا قال المؤذن الله اكبر وجب القيام و اذا قال حي على الصلوة اعتدلت الصفوف، و اذا قال لا اله الا الله كبر الامام۔

لیکن ظاہر ہے کہ سعید بن المسیب یا عمر بن عبدالعزیز کوئی امام مجتہد صاحب مذہب نہیں کہ لوگ ان کے مقتد ہوں اور نہ اس قول کی تائید کسی حدیث سے ذکر کی۔ اس لئے اسکی حیثیت محض ایک ذاتی رائے کی ہے توائمہ کے اقوال، احادیث کے ارشاد کو چھوڑ کر اس کی آڑ پکڑنا صرف اپنی بات کی توجہ ہوگی۔ اسی وجہ سے علما یہ معنی نے اس کو ذکر کر کے صاف فرمایا ہے۔

”وذهب عامة العلماء الى انه يكبر حتى يفرغ المؤذن من لا اله الا الله“۔ اکثر علما کا مذہب یہ ہے کہ جب تک مؤذن اقامت سے فارغ نہ ہو جائے اللہ اکبر نہ کہے ۱۲۔

آخر مضمون کی تائید و توثیق و تصدیق و توثیق علمائے عامہ کے قول سے فرمادی اور اللہ اکبر کہنے کے وقت قیام کرنا محض ان کی ذاتی رائے تھی۔ اس لئے اس کی تصدیق کسی عالم کے قول سے نہ فرمائی۔

قول پنجم: امام الائمہ، مالک الازمہ، امام اعظم، ہمام اقدم، امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے شاگرد امام محمد رحمہ اللہ کا ہے: جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ کہے اس وقت امام و مقتدی سب کھڑے ہوں۔

(۱) یعنی شرح بخاری میں ہے: ”وقال ابو حنیفة و محمد یقومون فی الصف اذا قال حي على الصلوة“۔ امام ابو حنیفہ اور امام محمد نے فرمایا کہ جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ کہے اس وقت سب لوصف میں کھڑے ہو جائیں۔ اور ایک روایت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ہے کہ جب مؤذن ”حی علی الفلاح“ کہے، اس وقت کھڑے ہوں۔

(۲) فتح الباری شرح بخاری میں ہے: ”عن ابي حنیفة یقومون اذا قال حي على الفلاح“۔ امام ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ جب مکبر حی علی الفلاح کہے اس وقت کھڑے ہوں۔

بعض علما نے قول اول کو رائج بتایا ہے اور بعض نے قول ثانی کو۔ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت فاضل بریلوی

قدس سرہ العزیز نے ان دونوں قولوں میں اس طرح تطبیق دی کہ دراصل یہ دو قول متعارض و متخالف نہیں ہیں۔ اس لئے چاہئے کہ حی علی الصلوٰۃ کے اختتام اور حی علی الفلاح کی ابتدا کے وقت کھڑے ہوں۔ تو ایک جماعت نے انتہا کا وقت بیان کیا اور دوسری جماعت نے ابتدا کا۔

(۳) فتاویٰ رضویہ میں ہے: ”ولا تعارض عندی بین قول الوقایۃ واتباعہا یقومون عند حی علی الصلوٰۃ والمحیط والمضمرات ومن معہما عند حی علی الفلاح فانا اذا حملنا الاول علی الانتهاء والاخر علی الابتداء اتحد القولان ای یقومون حین یتم المؤذن ”حی علی الصلوٰۃ“ ویاتی حی علی الفلاح“۔ ”میرے نزدیک وقایہ اور ان کے متبعین کے قول ”یقومون عند حی علی الصلوٰۃ“۔ (حی علی الصلوٰۃ کے وقت کھڑے ہوں) اور محیط اور مضمرات اور ان دونوں کے ہم خیالوں کے قول عند حی الفلاح میں کوئی تعارض نہیں۔ اس لئے کہ ہم اول یعنی حی علی الصلوٰۃ کہنے کے وقت کھڑے ہونے کو انتہا پر حمل کریں۔ یعنی جب حی علی الصلوٰۃ کہہ لے اور دوسرے قول یعنی حی علی الفلاح کہنے کے وقت کھڑے ہونے کو ابتدا پر محمول کریں تو دونوں قول متحد ہو جائیں۔“

آگے فرماتے ہیں: ”هذا ما يعطيه قول المضمرات يقوم اذا بلغ المؤذن حی علی الفلاح“۔ ”یہ تطبیق قول مضمرات سے سمجھی جاتی ہے کہ انہوں نے فرمایا کھڑا ہو جب مؤذن حی علی الفلاح پر پہنچے۔“ (۴) نووی شرح مسلم شریف میں ہے: ”قال ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ والکوفیون یقومون فی الصف اذا قال حی علی الصلوٰۃ“۔ ”امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور علمائے کوفہ نے فرمایا کہ مؤذن جب حی علی الصلوٰۃ کہے اس وقت سب لوگ کھڑے ہوں۔“

(۵) قسطلانی میں ہے: ”و عن ابی حنیفہ انه یقوم فی الصف عند حی علی الصلوٰۃ“۔ ”امام ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ امام صف میں حی علی الصلوٰۃ کہنے کے وقت کھڑا ہو۔“

(۶) عون المعبود شرح ابوداؤد میں ہے: ”و عن ابی حنیفہ یقومون اذا قال حی علی الفلاح“۔ ”امام ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ سب لوگ حی علی الفلاح کہنے کے وقت کھڑے ہوں۔“

(۷) بدائع الصنائع میں ہے: ”والجملة فیہ ان المؤذن اذا قال حی علی الفلاح فان کان معہم

فی المسجد يستحب للقوم ان يقوموا فی الصف۔ ”اس مسئلے میں مجمل کلام یہ ہے کہ مؤذن جس وقت حی علی الفلاح کہے اگر امام ان کے ساتھ مسجد میں موجود ہے تو قوم کے لئے مستحب یہ ہے کہ اس وقت صف میں کھڑے ہوں۔“۔

(۸) تنویر الابصار میں ہے: ”والقیام لامام وموتم حین قبل حی علی الفلاح ان کان الامام بقرب المحراب۔“ اگر امام محراب کے قریب موجود ہو تو امام اور مقتدیوں کے لئے اس وقت کھڑا ہونا مستحب ہے جب حی الفلاح کہا جائے۔“

(۹) ردالمحتار میں علامہ شامی اس کی شرح میں فرماتے ہیں: ”قوله حین قبل حی علی الفلاح کذا فی (۱۰) الكنز و (۱۱) نور الابصار و (۱۲) الاصلاح و (۱۳) الظہیریۃ و (۱۴) البدائع وغیرہا و (۱۵) الدرر متناو (۱۶) شرحا عند الہیعلۃ الاولی حین یقال حی علی الصلوٰۃ۔ اہ و عزاء۔ تسبیح اسماعیل فی شرحہ البی (۱۶) عیون المذاہب و (۱۷) الفیض و (۱۸) والوقایہ و (۱۹) نقایہ و (۲۰) الحاوی و (۲۱) المختار اہ قلت واعتمدہ فی (۲۲) الملتقی و حکئی الاول بقیل لکن نقل (۲۳) ابن کمال تصحیح الاول ونص عبارتہ قال فی (۲۴) الذخیرۃ یقوم الامام والقیم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح عند علمائنا الثلثہ۔“ ”ماتن کا یہ قول کہ امام ومقتدی حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں۔ ایسا ہی کنز، نور الابصار، اصلاح، ظہیریہ اور بدائع وغیرہ میں ہے۔ غرر اور اس کی شرح درر میں ہے کہ امام ومقتدی حی علی الصلوٰۃ کہنے کے وقت کھڑے ہوں اور شیخ اسماعیل نے اس کو شرح میں عیون المذاہب، فیض، وقایہ، نقایہ حاوی اور مختار کی طرف منسوب کیا۔ میں کہتا ہوں اور اس پر متن ملتقی میں اعتماد کیا اور اول کو قیل سے تعبیر کیا۔ لیکن علامہ ابن کمال نے پہلے قول کی تصحیح کی اور ان کی عبارت یہ ہے کہ ذخیرہ میں کہا: امام اور قوم حی علی الفلاح کہنے کے وقت کھڑے ہوں۔ ہمارے تینوں امام، امام اعظم، امام ابو یوسف، امام محمد کے نزدیک۔“

(۲۵) مراقی الفلاح میں ہے: ”ومن الادب (القیام) ای قیام القوم والامام ان کان حاضرا بقرب المحراب (حین قبل) ای وقت قول المقیم (حی علی الفلاح) لانہ امر بہ فیجاب۔“ ”آداب و مستحبات نماز سے کھڑا ہونا امام اور قوم کا ہے، اگر امام محراب کے قریب موجود ہو جس وقت اقامت کہنے والا حی علی الفلاح کہے، اس لئے کہ اس نے حکم کیا تو اس کی تعمیل کی جائے۔“

(۲۶) طحاوی علی مراقی الفلاح میں ہے: ”واذا اخذ المؤذن فی الاقامة و دخل رجل فی المسجد فانه یقعده و لا ینتظر قائماً فانه مکروه کما فی (۲۷) المضممرات (۲۸) قہستانی، و ینہم منه کراهة القیامہ ابتداء الاقامة و الناس عنه غافلون“۔ ”جب مؤذن نے تکبیر شروع کی اور کوئی آدمی اس وقت مسجد میں آیا تو وہ بیٹھ جائے اور کھڑے کھڑے نماز کا انتظار نہ کرے کہ یہ مکروه ہے جیسا کہ مضممرات میں ہے۔ قہستانی اور اسی سے سمجھا جاتا ہے کہ ابتدائے اقامت سے کھڑا ہونا مکروه ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں“۔ یعنی مسئلہ نہ جاننے کی وجہ سے یا جان بوجھ کر بھی محض رسم و رواج کی وجہ سے ابتداء ہی سے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

(۲۹) ایضاح میں ہے: ”یقوم الامام و القوم عند حی علی الفلاح“۔ ”امام اور مقتدی حی علی الفلاح کہنے کے وقت کھڑے ہوں“۔

(۳۰) تبیین الحقائق میں ہے: ”قوله و القیام حین قبل حی علی الفلاح لانه امر به فیستحب المسارعة الیه“۔ ”مستحب ہے کھڑا ہونا جس وقت مکبر حی علی الفلاح کہے۔ اس لئے کہ مکبر نے اس کا حکم کیا تو اس کی طرف جلدی کرنا مستحب ہے“۔

(۳۱) فتح اللہ لمعین حاشیہ شرح کنز ملا مسکین میں ہے: ”(قوله و القیام حین قبل حی علی الفلاح) مسارعة لامتنال الامر هذا اذا کان الامام بقرب المحراب“۔ ”جبکہ مؤذن حی علی الفلاح یہ کہے اس وقت کھڑا ہونا مستحب ہے، امتثال امر کی جلدی کے لئے یہ حکم اس وقت ہے جب کہ امام محراب کے قریب موجود ہو“۔

(۳۲) بحر الرائق میں ہے: ”لانه امر به فیستحب المسارعة الیه اطلقه فشمع الامام و الماموم ان کان الامام بقرب المحراب“۔ ”جب مکبر حی علی الفلاح کہے اس وقت امام اور مقتدیوں کا کھڑا ہونا اس لئے مستحب ہے کہ مکبر نے اس کا حکم دیا تو اس کی تعمیل میں جلدی کرنا مستحب ہے۔ اور ماتن نے اس کو مطلق رکھا تو امام اور مقتدی دونوں کو شامل ہے یہ حکم اس وقت ہے جب امام محراب کے قریب موجود ہو“۔

(۳۳) علامہ شرنبلالی حاشیہ ذرر الحکام شرح غرر الاحکام میں فرماتے ہیں: ”(قوله و القیام عند الحیلة الاولى) اطلقه فشمع الامام و لا ماموم“۔ ”جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ کہے اس وقت کھڑا ہونا مستحب ہے۔ ماتن نے اس کو مطلق رکھا تو یہ حکم امام و مقتدی دونوں کو شامل ہے“۔

(۳۴) مجمع الأنهر میں ہے: ”واذا قال المؤذن في الإقامة حي على الصلوة قام الامام والجماعة عند علمائنا الثلاثة“۔ ”جس وقت مؤذن تکبیر میں حی علی الصلوٰۃ کہے، اس وقت ہمارے تینوں اماموں کے نزدیک امام اور سب مقتدیوں کو کھڑا ہونا چاہیے۔“

(۳۵) محیط و (۳۶) ہندیہ میں ہے: ”يقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حي على الفلاح عند علمائنا الثلاثة وهو الصحيح“۔ ”کھڑے ہوں امام اور سب مقتدی جب مؤذن حی علی الفلاح کہے ہمارے تینوں اماموں کے نزدیک اور یہی صحیح ہے۔“

(۳۷) جامع الرموز میں ہے: ”يقوم الامام والقوم عند حي على الصلوة اي قبيله لكن في (۳۸) الاختيار اذا قال حي على الصلوة وفي (۳۹) الاصل وغيره: ”الاحب ان يقوموا في الصف اذا قال المؤذن“۔ ”اور امام و مقتدی حی علی الصلوٰۃ کہنے کے وقت کھڑے ہوں یعنی اس سے کچھ پہلے لیکن اختیار میں ہے کہ جب حی علی الصلوٰۃ کہے اور اصل وغیرہ میں ہے: محبوب ترین یہ ہے کہ لوگ صف میں اس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ کہے۔“

(۴۰) فتاویٰ بزازیہ میں ہے: ”دخل المسجد وهو يقيم يقعد ولا ينف قائماً“۔ ”کوئی شخص مسجد میں آیا اس حال میں کہ مؤذن تکبیر کہہ رہا ہے تو وہ بیٹھ جائے اور کھڑا نہ ہو۔“

اس عبارت اور مخطاوی حاشیہ مراقی الفلاح کی عبارت سے (جو نمبر ۲۶ میں گذری) ہر ادنیٰ عقل والا سمجھ سکتا ہے کہ آنے والا شخص جو کھڑا ہے، اس کو جائز نہیں کہ کھڑا کھڑا تکبیر سے بلکہ اس کو حکم ہے کہ بیٹھ جائے اور حی علی الفلاح پر کھڑا ہو تو بیٹھنے والے کو کب جائز ہو سکتا ہے کہ کھڑا ہو جائے اور کھڑے ہو کر تکبیر سے مگر ہٹ اور ضد کا علاج شیخ الرئیس کے پاس بھی نہیں۔

(۴۱) علامہ شیخ شلمی حاشیہ تبیین الحقائق میں (۴۲) وجیز امام کردری سے اور وہ (۴۳) مبتغی سے نقل کرتے ہیں: ”قوله في المتن والقيام اي قيام الامام والقوم قال في الوجيز والسنة ان يقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حي على الفلاح او ومثله في المتن“۔ ”متن میں جو والقیام فرمایا اس کے معنی امام اور قوم کا کھڑا ہونا ہے۔ وجیز میں میں فرمایا: سنت یہ ہے کہ امام اور قوم سب اس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن حی علی الفلاح کہے ایسا ہی مبتغی میں ہے۔“

(۴۴) الدرر الممتقی شرح الممتقی میں ہے: ”اذا قال المقيم حي على الصلوٰۃ سبحي مافيه قام الامام ان كان بقرب المحراب والجماعة مسارعة لامره“۔ ”جب مکبر حی علی الصلوٰۃ کہے قریب ہے آئے گا جو کلام اس میں ہے تو اگر امام محراب کے قریب موجود ہو تو وہ اور سب مقتدی کھڑے ہوں، اس کے حکم تعمیل میں جلدی کریں۔“

(۴۵) یعنی شرح کنز میں ہے: ”والخامس القيام ای قيام الامام والقوم حين قبل ای حين يقول المؤذن حي على الفلاح“۔ ”مستحبات میں سے پانچواں مستحب امام اور مقتدیوں کا کھڑا ہونا ہے جس وقت مؤذن حی علی الفلاح کہے۔“

(۴۶) شرح الیاس میں ہے: ”يقوم الامام والقوم للصلوة اذا قال المؤذن حي على الفلاح“۔ ”امام و مقتدی نماز کے لئے اس وقت کھڑے ہوں جب مکبر حی علی الفلاح کہے۔“

(۴۷) مرقات المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح میں ہے: ”قال ائمتنا و يقوم الامام والقوم عند حي على الصلوٰۃ“۔ ”ہمارے اماموں نے فرمایا کہ امام اور سب مقتدی حی علی الصلوٰۃ کہنے کے وقت کھڑے ہوں۔“

(۴۸) مبسوط امام سرخسی میں ہے: ”فان كان الامام مع القوم في المسجد فاني احب الهم ان يغموا في الصف اذا قال المؤذن حي على الفلاح“۔ ”پس اگر امام قوم کے ساتھ مسجد میں ہو تو میں مستحب جانتا ہوں ان کے لئے کہ صف میں اس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن حی علی الفلاح کہے۔“

(۴۹) موطا امام محمد باب تسوية الصف میں ہے: ”قال محمد ينبغي للقوم اذا قال المؤذن حي على الفلاح ان يقوموا الى الصلوٰۃ فيصفوا ويسووا الصفوف ويحاذوا بين المناكب فاذا اقام المؤذن الصلوٰۃ كبر الامام وهو قول ابی حنيفة“۔ ”امام محمد نے فرمایا مقتدیوں کو چاہئے کہ جس وقت مؤذن حی علی الفلاح کہے، نماز کے لئے کھڑے ہو جائیں تو صف باندھیں اور صفوں کو درست کریں۔ مونڈھے سے مونڈھے ملا کر کھڑے ہوں اور مؤذن جب اقامت کہہ لے تو امام تکبیر کہے اور یہی قول امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔“

یہیں سے معلوم ہوا کہ جو لوگ تسویہ صفوف کا بے معنی عذر کرتے ہیں، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے ہی اس کا فیصلہ فرمادیا اور بتا دیا کہ حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا تسویہ صفوف کے منافی نہیں۔ آخر مغرب، عشاء، ظہر، عصر کی نمازوں میں دوسری رکعت کے بعد تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو کیا پھر صف درست کرنے کی ضرورت ہوتی

ہے۔ ہرگز نہیں اسی طرح اگر نمازی حضرات آتے ہی صف درست کر کے بیٹھیں تو جس وقت کھڑے ہوں گے صف درست رہے گی۔ مسجدوں میں جانماز (صفیں) اسی لئے بچھائی جاتی ہیں کہ جیسے جیسے نمازی آتے جائیں ٹھکانے سے بیٹھتے جائیں تاکہ جب کھڑے ہوں صف درست شدہ رہے۔ اردو محاورہ میں گھاس کی جاء نماز کو اس لئے صف کہا کرتے ہیں کہ اس سے صف کی درستی کا کام لیا جاتا ہے۔ اب اگر لوگ آکر باقاعدہ نہ بیٹھا کریں تو اس کی اصلاح کی ضرورت ہے، نہ کہ اس حیلے سے دوسرے مستحب کام کو جس کو بعض علما نے سنت بھی فرمایا ہے کما مرّ عن الوحید، اس کو ترک کر کے مرتکب کراہت کے ہوں۔ ولو فرضنا صفیں درست نہیں ہوتیں تو امام محمد نے صاف تصریح فرمادی کہ جب مکبر حی علی الفلاح کہے اس وقت سب کھڑے ہوں اور صفیں درست کر لیں اور یہ نہ صرف ان کا قول ہے بلکہ فرماتے ہیں ”وہو قول ابی حنیفہ“ اسی طرح صاف اور صریح روایت کتاب الآثار میں بھی ہے۔

”قال اخبرنا ابو حنیفہ قال حدثنا طلحة بن مطرف عن ابراهيم اذا قال المودن سی علی الفلاح ینبغی للقوم ان یقوموا فیصفوا اقال محمد وہ ناخذ و هو قول ابی حنیفہ“۔ ”امام محمد فرماتے ہیں کہ مجھے امام ابو حنیفہ نے خبر دی۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے طلحہ بن مطرف نے حدیث بیان کی، وہ ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ جب مودن حی علی الفلاح کہے تو لوگوں کو چاہئے کہ کھڑے ہو جائیں پس صف درست کریں۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ ہم اسی کو لیتے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔“

امام محمد کے الفاظ دونوں حدیثوں میں ینبغی ہیں اور ہر علم والا جانتا ہے کہ لفظ ینبغی متاخرین کے محاورہ و عرف میں مندوبات میں زیادہ استعمال ہوتا ہے اور متقدمین کے محاورہ و عرف میں اس کا استعمال عام ہے جو واجب تک کو شامل ہے۔

روالمختار، حواشی اشباہ عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ میں ہے: ”لفظ ینبغی فی عرف المتأخرین غلب استعمالہ فی المندوبات واما فی عرف القدماء فاستعمالہ فی عام حتی یشمل الواجب ایضا“۔ ”(متاخرین کے عرف میں لفظ ینبغی (چاہئے، مناسب ہے) کا استعمال زیادہ تر مندوب اور پسندیدہ کاموں کے لئے ہوتا ہے۔ لیکن متقدمین کے عرف میں اس لفظ کا استعمال اس سے عام معنی کے لئے ہے یہاں تک کہ یہ واجب کو بھی شامل ہے ام)۔“

بالجملہ پچاس کتب دینیہ کی روشن تصریحات سے یہ مسئلہ ثابت و مدلل ہو گیا کہ جس وقت امام مسجد میں محراب کے فریب موجود ہو اور مکبر غیر امام ہو، اس وقت امام و مقتدی سب کو چاہئے کہ جس وقت مکبر حی علی الفلاح کہے اس وقت کھڑے ہوں۔ یہی مسئلہ ہمارے ائمہ ثلاثہ کا ہے۔ پس حنفیوں کو چاہئے کہ اسی پر عمل کریں اور جو شخص اس مسئلہ میں اختلاف کرے تو اگر وہ خود عالم ہے تو اس کو چاہئے کہ پچاس کتابوں کے مقابلہ میں سو ورنہ ساٹھ ہی کتب فقہ سے ایسا ہی واضح طور پر ثابت کر دے کہ ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مؤذن جس وقت تکبیر شروع کرے، اسی وقت امام اور مقتدی سب کو کھڑا ہونا چاہئے یا جس وقت مؤذن تکبیر شروع کرے، اس وقت امام و مقتدی کو بیٹھا رہنا مکروہ ہے۔ اور اگر مخالفت کرنے والا عامی ہے تو اس کو بمضون ع یا زقدار خود شناس، دینی مسئلہ میں ٹانگ اڑانے سے بچنا چاہئے اور اگر رسم و رواج اسے مخالفت پر مجبور کرتے ہیں تو اس کو چاہئے کہ پہلے ہندوستان و پاکستان یا سارے جہان سے جہاں سے ہو سکے، مستند علمائے دین کے فتاویٰ منگالے جن میں کم از کم پچاس ہی کتابوں سے حنفیہ کے نزدیک تکبیر شروع ہوتے ہی کھڑے ہونے کا حکم ہو یا بیٹھے رہنے کی کراہت مدلل ہو اور اسی کو ائمہ ثلاثہ کا مذہب بتایا ہو۔ اور اگر ایسا نہیں کر سکتے اور ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ ہرگز کوئی ایسا فتویٰ نہیں پیش کر سکتا تو دینی مسئلہ کے مقابل نفسانیت اور ہٹ دھرمی دکھانا دین دار مسلمان کا کام نہیں۔

(۲) بعض حضرات اپنی بات بنانے کو کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ لوگوں نے نیا نکالا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو کسی صحابی یا تابعی سے ضرور منقول ہوتا۔ تو جو مسئلہ ائمہ کرام ثلاثہ امام اعظم، امام ابو یوسف، امام محمد سے منقول ہو وہ نیا مسئلہ کس طرح کہا جا سکتا ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد اگر تبع تابعین سے ہیں تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے تابعی ہونے میں تو کوئی کلام نہیں۔ کتاب الآثار میں یہ حدیث بسند متصل حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ امام محمد نے مؤطا شریف میں فرمایا ”بہ ناخذ و هو قول ابی حنیفہ“ پھر یہ مسئلہ نیا ہوا یا حنفی ہو کر ائمہ ثلاثہ کے خلاف کرنا نئی بات ہے؟ امام صاحب کے علاوہ ہشام بن عروہ جو جلیل القدر تابعی ہیں، وہ بھی شروع تکبیر سے قیام کو مکروہ جانتے ہیں کما مر عنہ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی تو حی علی الفلاح کے بھی بعد قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہوتے تھے۔ کما مر عن العینی وفتح الباری۔ بلکہ امام سرخسی نے مبسوط میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی جو دلیل بیان کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ختم تکبیر پر کھڑے ہوتے تھے۔

”ونص عبارته هكذا“وابویوسف احتج بحديث عمر رضى الله عنه فانه بعد فراغ الموزن من الاقامة كان يقوم فى المحراب“۔ ”امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کی حدیث سے دلیل پکڑی ہے کہ وہ موزن کی اقامت سے فارغ ہونے کے بعد محراب میں کھڑے ہوتے تھے۔“

(۳) بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ ازروئے حدیث شریف امام مالک رحمہ اللہ اور عام علما کے مسلک کو ترجیح ہے۔ یہ ان کا خیال ہی خیال ہے۔ اگر اس دورِ آزادی میں کہ ہندوستان آزاد ہو چکا ہے، ہر شخص کو آزادی ہے جو چاہے خیال رکھے۔ لیکن یہ تو ”مدعی ست گواہ چست“ کی مثل ہے۔ امام مالک خود فرماتے ہیں کہ میں نے اس بارے میں کوئی حدیث نہیں سنی۔ کما مر عن عون المعبود وفتح الباری قال مالک فی المؤطا: لم اسمع فی قیام الناس حین تقام الصلوة بحد محدود۔ ”امام مالک نے مؤطا میں فرمایا کہ نماز میں لوگ کس وقت کھڑے ہوں، اس کے متعلق میں نے کوئی حدیث نہیں سنی۔“ اس لئے وہ اپنی ذاتی رائے یہ لکھتے ہیں: ”الا انسى اری ذلک علی طاقة الناس“۔ ”لیکن میری ذاتی رائے یہ ہے کہ یہ لوگوں کی طاقت پر ہے۔“

اور یہی وجہ ہے کہ ائمہ مالکیہ میں اختلاف ہوا۔ اکثر علمائے مالکیہ اس طرف گئے ہیں کہ جب امام مسجد میں موجود ہو تو جب تک تکبیر ختم نہ ہو لے، لوگ کھڑے نہ ہوں اور عام علمائے مالکیہ امام مالک سے ایک روایت کے مطابق ابتدائے اقامت سے کھڑے ہونے کو مستحب جانتے ہیں۔ لیکن اہل علم سے پوشیدہ نہیں کہ ”عن“ کر کے مذہب بیان نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے لئے قال یاذهب یا مذهب فلان یا عند فلان کے الفاظ لاتے ہیں اور اگر کوئی ایک روایت ہو تو اس کو عن سے تعبیر کرتے ہیں۔

مقدمہ عمدۃ الرعاۃ حاشیہ شرح وقایہ میں ہے: ”الفرق بین ’عندہ‘ و’عنہ‘ ان الاول دال علی المذهب والثانی علی الروایۃ۔ فاذا قالوا ’هذا عندا بی حنیفة‘ دل ذلك علی انه مذهبہ واذا قالوا ’وعنه كذا‘ دل علی انه رواية عنه۔“ ”عندہ اور عنہ میں فرق یہ ہے کہ عندہ مذہب پر دلالت کرتا ہے اور عنہ ایک روایت پر تو جس وقت علما کہیں ”هذا عن ابی حنیفة“ اس سے معلوم ہو گیا کہ یہ ان کا مذہب ہے اور جب کہیں ”وعنه كذا“ تو معلوم ہو گا کہ ان سے یہ ایک روایت ہے۔“

تو ایسی حالت میں اولاً یہ خیال کرنا کہ ازروئے حدیث شریف امام مالک رحمہ اللہ اور امام علما کے مسلک کو

ترجیح ہے ’محض غلط ہے۔

ثانیاً عام علما کے مسلک کو امام مالک کا مسلک بتانا بھی غلط۔

ثالثاً اس کو از روئے حدیث شریف مرنج ماننا بھی غلط۔

رابعاً ایسا کہنا ’مدعی ست گوہ چست‘ کا مصداق بننا ہے۔

خاصاً اپنے کو امام مالک سے بھی اعلم بالحدیث ہونے کا اشعار ہے۔ اگرچہ امام مالک فرماتے ہیں مجھے اس بارے میں کوئی حدیث نہیں معلوم، لیکن مجھ کو حدیث معلوم ہے، اس کے روئے امام مالک کے مذہب کو ترجیح ہے۔

سادساً بخاری شریف کی حدیث ’لاتقوموا حتیٰ ترونی‘ سے استدلال کرنا اور لکھنا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ اقامت شروع ہونے کے بعد کھڑا ہونے سے ممانعت کی وجہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (امام) کی مسجد میں عدم موجودگی ہے۔ پس اگر ابتدائے اقامت کے وقت آپ موجود ہوں تو کھڑا ہونے سے اس وقت کوئی امر مانع نہیں ہے۔ یہ بھی نرا اجتہاد ہی اجتہاد اور ائمہ مجتہدین فقہا و محدثین سب کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ مجتہدین کا اختلاف اسی صورت میں ہے کہ امام مسجد میں موجود ہو اور اگر امام مسجد میں موجود نہ ہو تو اس کا مفصل حکم شکل سوم و چہارم میں گزرا۔ اس میں اختلاف ہی نہیں۔

یعنی شرح بخاری میں ہے: ’قال ابو حنیفہ و محمد یقومون فی الصف اذا قال حی علی الصلوٰۃ فاذا قال قد قامت الصلوٰۃ کبر الامام لانه امین الشرع وقد اخبر بقیامها فیجب تصدیقہ واذالم یکن الامام فی المسجد فذهب الجمهور الی انہم لا یقومون حتیٰ یروہ‘۔ ’امام اعظم اور امام محمد نے فرمایا کہ سب لوگ صف میں اس وقت کھڑے ہوں جب مکبر حی علی الصلوٰۃ کہے اور جب قد قامت الصلوٰۃ کہے تو امام تکبیر تحریرہ کہے۔ اس لئے کہ وہ شرع کا امانت دار ہے اور اس نے قیام نماز کی خبر دی تو اس کی تصدیق ضروری ہے اور اگر امام مسجد میں موجود نہ ہو تو جمہور علما اس طرف گئے ہیں کہ لوگ نہ کھڑے ہوں جب تک امام کو دیکھ نہ لیں‘۔

اسی کو بدائع میں فرمایا: ’والجملۃ فیہ ان المؤذن اذا قال حی علی الفلاح فان کان الامام معہم فی المسجد یمسح بالرقم ان یقوموا فی الصف‘۔ ’اور خلاصہ کلام اس مسئلہ میں یہ ہے کہ جب مؤذن ’حی علی الفلاح‘ کہے تو اگر امام ان کے ساتھ مسجد میں موجود ہو تو قوم کے لئے مستحب یہ ہے کہ اس وقت کھڑے ہوں‘۔

تنویر الابصار وغیرہ کی عبارت اوپر گزری: ”والقیام لامام ومؤتم حین قبل حی علی الفلاح ان کان الامام بفرب المحراب“۔ ”مستحب ہے امام اور مقتدیوں کا کھڑا ہونا جب ”حی علی الفلاح“ کہا جائے اگر امام محراب کے قریب موجود ہو“۔

عون المعبود وفتح الباری میں ہے: ”وذهب الاكثرون الى انهم اذا كان الامام معهم في المسجد لم يقوموا حتى تفرغ الاقامة“۔ ”اکثر علماء اس امر کی طرف گئے ہیں کہ اگر امام مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں موجود ہو تو مقتدی سب نہیں کھڑے ہوں گے جب تک اقامت سے فراغت نہ ہو جائے۔

لله انصاف! کیسی کھلی ہوئی تصریح ہے کہ امام مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں موجود ہے تو جب تک تکبیر ختم نہ ہو جائے لوگ کھڑے نہ ہوں اور آپ فرماتے ہیں ”اگر ابتدائے اقامت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم (امام) موجود ہوں، تو کھڑا ہونے سے اس وقت کوئی امر مانع نہیں ہے۔

سابعاً امام کی موجودگی کی صورت میں ابتدائے اقامت سے مقتدیوں کے کھڑے ہو جانے کی دلیل میں اس کو پیش کرنا کہ اگر امام موجود ہو تو کھڑا ہونے سے اس وقت کوئی امر مانع نہیں، یہ بھی غلط۔ مانع نہیں تو دلیل نہیں۔ اصل ضرورت اس وقت قیام کی محرک اور مثبت کی ہے۔ نفی تو دلیل نہیں ہو سکتی۔

ثامناً یہ خیال کہ کوئی امر مانع نہیں، یہ بھی غلط ہے۔ مانع ہے اور زبردست مانع ہے۔

بدائع میں ہے: ”انما منعه عن القيام كيلا يلفو قوله حي على الفلاح لان من وجدته منه المبادرة الى شيء فذعائه اليه بعد تحصيله اياه لغو من الكلام“۔ ”ہم حی علی الفلاح کہنے کے قبل کھڑے ہونے سے اس لئے منع کرتے ہیں کہ جس شخص سے کسی امر کی طرف مبادرت و مسابقت ہو چکی ہو، اب اس کو اس شئی کی طرف بلانا ایک لغو کلام ہے“۔

مکبر حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح کہہ کر نمازیوں کو بلاتا ہے کہ آؤ طرف نماز کے، آؤ طرف فلاح و بہود کے تو چاہئے کہ اس کی تعمیل میں لوگ نماز کے لئے کھڑے ہو جائیں اور اگر وہ لوگ پہلے ہی سے کھڑے ہو چکے ہوں تو یہ کہنا بالکل لغو اور بے معنی ہوگا۔ تو کیا لغو کام سے بچانا زبردست مانع نہیں؟

تاسعاً اس کو دوسری حدیث مسلم شریف ”عن ابی هريرة ان الصلوة كانت تقام لرسول الله صلى

اللہ علیہ وسلم فی اخذ الناس مصافہم قبل ان يقوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقامہ“ سے بالکل عیاں ماننا طرفہ تماشا ہے۔

امام نووی، امام عینی، امام ابن حجر، شرح مسلم، عمدۃ القاری، فتح الباری میں فرماتے ہیں: ”و قوله فی رواية ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ فی اخذ الناس مصافہم قبل خروجہ لعلہ کان مرة او مرتین و نحوہما لبيان السحواز اولعذر ولعل قوله صلی اللہ علیہ وسلم فلا تقوموا حتی ترونی کان بعد ذلك“۔ ”حضرت ابو ہریرہ کا یہ فرمانا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے اور اپنی جگہ پر کھڑے ہو جانے سے پہلے ہی صحابہ کرام اپنی اپنی جگہ صفوں میں لے لیتے تھے (تو یہ حدیث بظاہر حدیث ابو قتادہ کے مخالف معلوم ہوتی ہے تو یہ سب ائمہ محدثین، شراح بخاری و مسلم اس کا جواب دیتے ہیں کہ) شاید ایک یا دو مرتبہ کبھی ایسا ہوا ہو، وہ بھی صرف بیان جواز کے لئے (یعنی اگر ایسا بھی کوئی کر لے تو جائز ہے اور دوسرا جواب اس کا یہ ہے کہ) لوگ پہلے ایسا کرتے تھے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد کو اس سے منع فرما دیا کہ میرے آنے سے قبل مت کھڑے ہو جایا کرو۔ تیسرا جواب اس کا یہ ہے کہ ایسا بھی کسی عذر کی وجہ سے ہوا ہوگا۔

چوتھا جواب اس کا یہ ہے کہ حدیث میں ”یاخذ الناس مصافہم“ ہے یعنی صحابہ کرام اپنی اپنی جگہ لے لیتے تھے یعنی اپنی اپنی جگہ جا کر بیٹھ جاتے تھے۔ حدیث ”فیقوم الناس مصافہم“ تو ہے نہیں، جس سے استدلال کیا جاسکے اور بالکل عیاں کہا جاسکے۔

عاشرایہ خیال کہ سب سے زیادہ واضح طور پر اس مضمون ”ابتدائے اقامت کے وقت کھڑا ہونا“ کی تائید ابن شہاب کی حدیث سے ہوتی ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اقامت شروع ہوتے ہی کھڑے ہو جاتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ پر نہیں آتے جب تک صفیں درست نہ ہو جاتیں، صریح دھوکہ ہے۔ یہ تو ابن شہاب زہری سے ایک روایت ہے۔ ابن شہاب کون ہیں، اہل علم سے مخفی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کو تو صحابہ بیان کر سکتے ہیں، نہ کہ تابعی اور وہ بھی صغیر۔ تو یہ حدیث منقطع ہوئی، اور اگر تابعی کے قول سے سند لینا ہے تو ہشام ابن عروہ جو جلیل القدر تابعی ہیں، ان کی بات کیوں پس پشت ڈالی جائے۔ حضرت ابراہیم نخعی سے کیوں نہ استدلال کیا جائے اور جب تابعی سے سند لانا ہے تو صحابہ کرام تو ان سے اہم و اقدم ہیں اور وہ بھی صرف زیارت کر کے گھر چلے

جانے والے یا دو چار دن خدمت اقدس میں رہنے والے نہیں بلکہ پورے دس سال خدمت اقدس میں بسر کرنے والے، سفر و حضر میں ہر وقت ساتھ رہنے والے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کیوں نہ استدلال کیا جائے جن کا عمل قول دوم بیان مذہب امام احمد میں نووی، عینی، فتح الباری سے گزرا: ”وکان انس رضی اللہ عنہ یقوم اذا قیل المؤذن قد قامت الصلوٰۃ وبہ قال احمد“۔ ”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت کھڑے ہوتے جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہتا اور امام احمد اسی کے قائل ہیں“۔

بلکہ ان سے بھی بڑھ کر اشداء علی الکفار رحماء بینہم، قوت و شوکت اسلام خلیفہ دوم حضرت امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو کیوں ساقط النظر ٹھہرایا جائے جن کا عمل مبارک علامہ سرخسی نے مبسوط میں ضمن دلیل امام ابو یوسف رحمہ اللہ بیان فرمایا: ”وابو یوسف احتج بحديث عمر رضي الله عنه فانه بعد فراغ المؤذن من الاقامة كان يقوم المحراب“۔ ”امام ابو یوسف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے دلیل لائے کہ وہ مؤذن کی اقامت سے فارغ ہونے کے بعد محراب میں کھڑے ہوتے تھے“۔

غرض کتب حدیث و شروح حدیث و کتب متون و شروح و حواشی و فتاویٰ فقہیہ سے روز روشن کی طرح یہ مسئلہ واضح ہے کہ جماعت کی نماز میں امام و مقتدی سب کو اس وقت کھڑا ہونا چاہئے جب مؤذن تکبیر میں حی علی الفلاح کہے۔ واللہ الہادی و هو الموفق واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ ثانیہ از میرٹھ

سجدہ میں جاتے وقت پیشتر ہاتھ زمین پر ٹیکنا چاہئے یا گھٹنے پر؟ اور سجدہ سے اٹھتے وقت اول گھٹنا اٹھانا چاہئے یا ہاتھ۔؟ غیر مقلدین سجدہ میں پیشتر قیام سے جاتے ہوئے زمین پر ہاتھ لگاتے ہیں پھر گھٹنے۔ اور سجدہ سے اٹھتے وقت اول گھٹنے اٹھاتے ہیں ازاں بعد ہاتھ۔ اور اپنے پیروں کے درمیان کشادہ رکھتے ہیں اور جانبین داہنے بائیں مستدیان کا باہمی یکے بعد دیگرے پیر سے ملانا کس طرح آیا ہے؟ پس ہم گزارش رکھ کر امر واضح ہونے کے طالب ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے ہر دو پائے مبارک نماز میں کس قدر فاصلہ سے رکھتے تھے اور صحابہ کرام کا جماعت میں مونڈھے سے مونڈھا ملانا ثابت ہے یا پیر سے پیر؟ اور نماز میں داہنے پیر کا انگوٹھا اہل جانا وغیرہ۔ حرکات محررہ بالا اگر کوئی حنفی اختیار کرے تو اس کی نماز کیسی رہے گی؟ غیر مقلد کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ آیا مقلد کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

ال جواب

سجدہ میں جاتے وقت پہلے گھٹنے پھر ہاتھ بعدہ ناک اس کے بعد پیشانی زمین پر رکھے اور اٹھتے وقت برعکس اس کے یعنی پیشانی اٹھائے اس کے بعد ناک بعدہ ہاتھ پھر گھٹنے۔

مسند امام الائمہ سراج الائمہ میں ہے: "ابو حنیفہ عن عاصم عن ابیہ عن وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا سجد وضع رکبتيه قبل يديه واذا قام يرفع يديه قبل ركبتيه۔"

"حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو پہلے ہاتھ پھر گھٹنے زمین پر رکھتے اور جب اٹھتے تو پہلے ہاتھ پھر

گھٹنے اٹھا لیتے۔" اخرجہ الطحاوی والاربعة وقال الترمذی حدیث حسن وصححه ابن خزيمة وابن حبان۔

اصلاح ومنیہ وکنز الدقائق میں ہے: "ويسجد فيضع ركبتيه اولاً ثم يديه ثم وجهه بين كفيه ويديه

حذاء اذنيه ويرفع راسه اولاً ثم يديه ثم ركبتيه هكذا في الصغرى والغنية شرح المنية وتبيين الحقائق۔"

پھر ہندیہ میں ہے: "قالوا اذا اراد السجود يضع اولاً ما كان اقرب الى الارض فيضع ركبتيه اولاً

ثم يديه ثم انفه ثم جبهته واذا اراد الرفع يرفع اولاً جبهته ثم انفه ثم يديه ثم ركبتيه هكذا في الطحاوی

والدر المختار وغيرهما من معتمدات الاسفار۔"

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اذا سجد احدكم فليبدء بركبتيه ولا يبرك بروك الفحل۔"

"تم میں کوئی شخص سجدہ کرے تو چاہئے کہ پہلے گھٹنے کو رکھے اور اونٹ کی نشست نہ بیٹھے۔"

امام ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے ایک شخص کے بارے میں سوال ہوا، جو سجدے میں جاتے وقت پہلے ہاتھ رکھے

پھر پاؤں؟ فرمایا "او يصنع ذلك الا احمق ومجنون۔ کیا ایسا کوئی کرتا ہے سوا بے وقوف اور پاگل کے۔"

نماز کے اندر پاؤں میں فاصلہ چار انگل ہونا چاہئے۔ خلاصہ میں ہے: "وينبغي ان يكون بين قدميه قدر اربع

اصابع في قيامه۔ هكذا في مراقى الفلاح۔"

نماز میں حکم مونڈھے ملانے کا ہے نہ پاؤں ملانے کا۔ سجدہ میں اگر پاؤں بالکل اٹھے ہیں تو مفسد نماز ہے:

غنيّة پھر عالمگیری میں ہے: ولو سجد ولم يضع قدميه على الارض لا يجوز۔"

ہدایہ میں فرمایا: "واما وضع القدمين فقد ذكر القدوري انه فريضة في السجود كذا في مجمع

الانهر معزياً الى التبيين واختاره الفقيه ابو الليث وصححه في العيون كما في البحر۔"

ابوداؤد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: رصوا صفوفكم

وقاربوا بينهم واحاذوا بالاعناق۔ "گھنی کرو اپنی صفوف کو کہ باہم دو شخصوں میں فاصلہ نہ رہے اور صفیں نزدیک

نزدیک باندھو کہ دو صفوں میں حاجت سے زیادہ فاصلہ نہ ہو اور محاذات میں رکھو گردنوں کو۔"

ابوداؤد اور نسائی حضرت عبد اللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما سے راوی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

”رصوا الصفوف وحاذوا بين المناكب وسدوا الخلل۔“
محض انگوٹھاہل جانا یا انگلیوں کو حرکت دینا مفسد نماز نہیں، مکروہ ہے۔

فتاویٰ اسعدیہ سیدنا اسعد المدنی الحسینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے: ”(سوال) رجل هو فی الصلوٰۃ یصلی ویرفع احدی رجلیه وقارة یرفع اصابع رجلیه هل یحوز الاقتداء به ام لا افتونا؟ (جواب) اذا رفع رجله ثلث مرات متتابعات تفسد صلاته وصلاة القوم والا فلا واما حركة الاصابع مع اثبات الرجل فلا تفسد به الصلوٰۃ واما الكراهة فظاهرة والحالة هذه اه۔“ غیر مقلدوں کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، فرض سر پر رہتا ہے۔ وقد فصله مجدد المائة الحاضرة فی ”النهی الاکید عن الصلوٰۃ وراء عدی التقليد۔“ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ از شہر بریلی محلہ خواجہ قطب مرسلہ فخر الدین محصل مداری دروازہ ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ
کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں جہاں امام نماز کھڑا ہو کر پڑھتا ہے اگر وہ پانچ انگل بلند ہو تو نماز جائز ہوگی یا نہیں؟ اور اگر اس پر نماز جائز نہیں تو اس کے نیچے کھڑا ہو اور اس پر سجدہ کرے تو کچھ قباحت ہے یا نہیں؟ اور دہلیز کا کیا حکم ہے؟ آیا دہلیز کا حکم محراب کا ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الـجـواب

یہ صورت مکروہ ہے۔ لمشاہة اليهود فانهم يجعلون لامامهم دکانا والاصح ان لا تقدیر بل کما یقع به الامتیاز یکرہ کما فی الدر۔
اور اگر اسے دور کریں تو امام اگر در میں کھڑا ہو تو یہ بھی مکروہ ہے۔ بقول امامنا رضی اللہ عنہ انی اکرہ للامام ان یقوم بین الساریتین کما فی المعراج۔
اور اگر صحن میں کھڑا ہو کر بلندی پر سجدہ کرے تو سخت مکروہ ہے یہاں تک کہ اگر بالشت بھر ہو تو نماز ہی نہ ہوگی کما فی الدر المختار وغیرہ۔

صحن میں صفوں کے لئے زیادہ وسعت چاہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ در کی کرسی بقدر سجدہ کھود کر طاق کے مثل بنائیں اور اتنا ٹکڑہ صحن سے ہموار کریں۔ امام صحن میں کھڑا ہو کر اس طاق پر سجدہ کرے، اب کوئی کراہت نہیں اور دہلیز میں کھڑا ہو کر نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم
کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا القادری عفی عنہ بمحمد المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

الجواب: پانچ انگل بلند ہو تو کچھ حرج نہیں۔ اس لئے کہ کراہت جب ہے کہ امام اکیلا دکان پر کھڑا ہو اور دکان کی مقدار ارتفاع میں مختلف اقوال ہیں جیسا کہ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: ”ثم قدر الارتفاع قامة لا باس بما دونها ذکره الطحاوی وقيل انه مقدر بما يقع به الامتیاز وقيل بمقدار الذراع اعتبارا بالسترة وعليه الاعتماد

کذا فی التبيين وفي غاية البيان هو الصحيح كذا في البحر الرائق انتهى۔“

بلندی کا اندازہ قد ہے۔ اس سے کم میں کچھ حرج نہیں۔ امام طحاوی نے یوں کہا کہ جس انداز سے امتیاز ہو (اس قول کو مجیب نے نقل کیا)۔ بعض یہ فرماتے ہیں کہ تین گز شرعی مقدار ہے جیسا کہ سترہ۔ یہی معتبر ہے اور اس آخر قول پر اعتماد ہے۔ یہ تبیین میں ہے اور غایۃ البیان میں ہے کہ یہ صحیح ہے۔ کذا فی البحر الرائق۔

اسی میں اور در مختار میں ہے: ”اذا تعارض امامان معتبران غیر احدهما بالصحيح والآخر بالاصح فالأخذ بالصحيح أولى“ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ ابد محمد ابراہیم سنی حنفی چشتی رشیدی عفا اللہ عنہ بجاہ نیہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
جواب ثانی: جواب سید مولوی ابراہیم رشیدی محض غلط ہے اور دعویٰ محض بے دلیل اور عوام کے دھوکہ دہی کے لئے۔ جو ”اس لئے الخ“ لکھا بھی، سو دعویٰ سے محض بے لگاؤ ہے۔ فتاویٰ عالمگیریہ سے مقدار ارتفاع قامہ اور ذراع جو لکھا ہے یہ دونوں بوجہ مخالفت ظاہر الروایۃ غیر معتبر ہیں۔ ظاہر الروایۃ (جس پر عمل وافتا متعین اور اس کے خلاف پر فتویٰ دینا جہل و خرق اجماع ہے) وہی ہے جو حضرت مجیب اول متع اللہ المسلمین بطول بقائہ نے اختیار فرمائی ہے۔

ردالمحتار میں ہے: ”قوله وقيل ما يقع به الامتياز هو ظاهر الرواية كما في البدائع۔ اقول هكذا في الطحطاوي والبحر الرائق۔“

طحطاوی میں ہے: ”والرواية قد اختلفت في المقدار والاخذ بظاهر الرواية أولى۔“
بحر الرائق میں ہے: ”فالحاصل ان التصحيح قد اختلفت فالاولى العمل بظاهر الرواية واطلاق الحديث۔“

اسی میں ہے: ”الفتوى اذا اختلف كان الترجيح بظاهر الرواية۔“
بلکہ اس میں صاف تصریح فرمادی کہ ایسے موقع پر ظاہر الروایۃ کو ڈھونڈنا، اس کی طرف رجوع کرنا واجب ہے: ”اذا اختلف التصحيح وجب الفحص عن الظاهر الرواية والرجوع اليها بلکہ انفع الوسائل میں علامہ طوسی فرماتے ہیں: ”المقلد لا يجوز له ان يحكم الا بما هو ظاهر الرواية۔“

شرح عقود بلکہ باوجود وضوح و شیوع اس کے آپ جیسے تیز فہم کے لئے علما نے تصریح فرمادی کہ جب کبھی فتویٰ لکھنے بیٹھنا تو ظاہر الروایۃ پر عمل کرنا۔ کیونکہ اس کے خلاف پر افتا جہالت و نادانی و خرق اجماع ہے۔
بحر الرائق میں ہے: ”ما خرج عن ظاهر الرواية فهو مرفوع عنه۔“

در مختار میں فرمایا: ”وان الحكم والفتيا بالقول المرجوح جهل و خرق للاجماع فثبت ان الحكم والفتيا على ما خرج عن ظاهر الرواية جهل و خرق للاجماع ولكن الوهابية قوم لا يعقلون۔“
ثانیاً یہ امر مسلم ہے کہ اتباع اس روایت کا کیا جائے گا جس کے موافق درایت ہو۔ اور احادیث ابی داؤد و حاکم

وابن حبان وغیرہم کی اس باب میں مطلق ہیں اور ظاہر الروایۃ قدر ممتاز ہے۔ پھر اس سے عدول فقہت سے دور بلکہ کار جہول ہے۔

ردالمحتار میں ہے: ”لا ينبغي ان يعدل عن الدراية ای الدلیل اذا وافقتها رواية اه۔“
ثالثاً تصحیح اور فتویٰ جب مختلف ہو تو عمل میں اعتبار موافقت اطلاق متون کا ہوتا ہے اور متون سارے کے سارے یک زبان یہی کہہ رہے ہیں: ”یکره ان يقوم فی مکان اعلیٰ من مقام القوم اذا لم یکن بعض القوم معه۔“ تو اس سے عدول محض جہالت و نادانی ہے۔

ردالمحتار میں ہے: ”اختلف التصحيح والفتوى كما رايت والعمل بما وافق اطلاق المتن الخ اه“ بلکہ بہت علما نے خلاف اطلاق بعض ترجیحات وافتا کو بھی نہ مانا۔

ردالمحتار باب فی البیر میں ہے: ”مخالف لاطلاق المتن قاطبة فلا يعتبر به وان التی به ایضا کذا فی المحيط هو الصحيح و اخره البحر والمنع و تبعه التنویر والدرا لکن لا یعول علیه لخلافه اطلاق المتن الخ۔“
رابعاً بحر الرائق میں ثابت کہ مخالف ظاہر الروایۃ کا، مرجوع عنہ ہوتا ہے اور وہ مجتہد کا قول نہیں رہتا کس فی الرد عن البحر ان ما خرج عن ظاهر الرواية فهو مرجوع عنه وان المرجوع عنه ليس قولاً له۔

پھر باوجود ایماء حقیقت امام کے خلاف فتویٰ دینا، سواء مستثنیات خاصہ مصرحہ فتح و شامی وغیرہما کے، خلاف دیانت و عقل ہے۔ کما صرح فی التوشیح ان ما رجع عنه المجتهد لا يجوز الاخذ به۔

خامساً آپ کا فرمانا اذا تعارض امامان الخ۔ محرم صاحب! اولاً تو یہ مسئلہ ہی اختلافی ہے۔ جس درمختار سے آپ سند لائے، اس میں ہی مرقوم ہے: ”وقال شيخنا الرملي في فتاويه وبعض اللفظ اكّد من بعض (التي ان قال) والاصح اكّد من الصحيح۔“

ردالمحتار میں ہے: ”قوله اكّد من بعض ای اقویٰ فتقدم علی غیرها“ ”یعنی علامہ خیر الدین رملی نے اپنے فتاویٰ خیریہ لنفع البریہ میں فرمایا کہ علامات افتا کے بعض الفاظ بعض سے اقویٰ ہوتے ہیں جیسے اصح کہ اقویٰ ہے صحیح سے تو یہ صحیح پر مقدم کیا جائے گا۔“

شرح عقود میں علامہ شامی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں: ”وكذا لو صرح في احدهما بالاصح وفي الاخرى بالصحيح فان الاولى اكّد من الصحيح اه قد بينا معنى الاكّد من الطحاوی۔“

سادساً ذرا بیۃ ارشاد ہو کہ یہاں صحیح اور اصح میں اختلاف کہاں؟ بلکہ اسی روایت کو بعض علماء نے اوجہ لکھا کما فی الدر۔ محقق علی الاطلاق ابن ہمام نے فتح القدیر میں وجیہ فرمایا، فافہم۔ صاحب یہاں تو ظاہر الروایۃ اور غیر ظاہر الروایۃ میں اختلاف ہے۔ جہاں ظاہر الروایۃ ہی پر افتا متعین جسے آپ نے پس پشت ڈال کر یا اپنے پرانے کی نقل بنا کر جہل اور خرق اجماع کی راہ لی ولا حول ولا قوة الا بالله العلیٰ العظیم۔

جب آپ اعتقادات میں اہل سنت کیا بلکہ اہل اسلام کے مخالف ہیں۔ اس شخص کے جس کے گلے میں علماء عرب و عجم نے تکفیر کی طوق ڈالی ہو، مرید مستفید تو پھر آپ کو ان مسائل میں جو فہمیہ ہیں، جو مابین ہمارے علماء کے مختلف فیہ ہو، قیل و قال کی کس عقلمند نے راہ بتائی؟ اگر اپنے زعم میں فقیہ ہو، کچھ تحریر کرنا چاہتے ہو، تو چشم مارو شن دلِ ماشاؤ۔ کلمہ پڑھو، علمائے حرمین محترمین کے موافق اپنے عقاید بناؤ، تب ان باتوں میں پڑنا ورنہ ایسی ہی خرافات پر جے رہو۔ ان اختلافی فرعیات میں بحث کرنا تو احمق نمبر ۲ بنا ہے۔ جیسے کوئی قادیانی یا ہندو کسی سنی حنفی سے مناظر ہو اور کہے کہ آمین بالجبر کہنا چاہئے یا بالا خفاء؟ تو ہر ادنیٰ عقل والا بھی کہے گا کہ ارے او مسخرے! پہلے اسلام لا، سنی بن، پھر ان باتوں میں منہ کھولنا۔ اللہ تعالیٰ اصدق الصادقین کی تکذیب کریں، حضور اقدس افضل الناس و اعلم الناس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کریں، ابلیس لعین کے علم کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ بتائیں اور فہیات میں خامہ فرسائی کریں؟ اپنے کو پانچویں سواروں میں بتلائیں؟ ع۔ شرم بادت از خدا و از رسول۔

ایسے جاہل مطلق جو آداب مفتی سے محض جاہل اور اس پر طرہ تحریر کا شوق کرے، تو اس سے فتاویٰ عالمگیریہ، اذا تعارض امامان، در المختار، حررہ العبد محمد ابراہیم سنی حنفی چشتی رشیدی، لکھنے کی کیا شکایت؟ ان سب میں الف تو ہضم ہوا ہی تھا لام تو ٹیڑھی کھیر تھا مگر حافظ جی اسے بھی چٹ کر بیٹھے۔ بالجملة جواب اول صحیح ہے اور تحریر ثانی غلط صریح، جہل قبیح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

کتبہ عبدہ العاصی الفقیر ظفر الدین احمد عفی عنہ محمد المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ حافظ نبی بخش صاحب محصل چندہ مدرسہ اشاعت العلوم بریلی ۱۲ صفر ۱۳۲۳ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص بعد تبیر اولیٰ کے جماعت میں شریک ہوا اور امام نے قراءت شروع کر دی تو اس شخص کو سبحان (ثنا) پڑھنا چاہئے یا نہیں اور اگر پڑھے تو کس وقت پڑھے؟ بینوا و تو جروا۔

الـجـواب

صلوۃ جہریہ میں جب امام نے قراءت شروع کر دی تو مقتدی ثنائہ پڑھے بلکہ چپکا۔ نہ۔ لان الاشتغال بہ یفوت علیہ الاستماع والانصات و کلاهما فرض والثنا سنة فترك السنة هو المتعين دون ترك الفرض۔ منیہ میں ہے: "اذا ادرك الامام وهو يجهر يستمع وينصت" جب امام کو قراءت جہریہ کرتا ہوا پالے تو چپکا سنتا رہے۔

غنیۃ میں ہے: "لا یبانی بہ مطلقا لا طلاق النص" یعنی جب امام کو فاتحہ پڑھتا ہوا پالے تو مطلقا ثنائہ پڑھے بوجہ مطلق ہونے نص کے۔ "وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا۔" (الاعراف: ۲۰۴) "اور جب قرآن پڑھا

جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو“ (کنز الایمان)۔

حلیہ میں امام شمس الدین حلوائی سے ہے: ”لا یاتی بالثناء فیما اذا ادركه فی حالة القيام فی الركعة الاولى“ ”ثناء پڑھے جبکہ امام کو پہلی رکعت کے قیام میں پڑھتے پائے“۔

خزانة المفتیین میں ہے: ”المسبوق اذا ادرك الامام فی القراءة التي يحضر بها لا یاتی بالثناء وقد مر۔“ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: ”اذا ادرك الامام فی القراءة فی الركعة التي يحضر بها لا یاتی بالثناء کذا فی التبيين هو الصحيح کذا فی التجنیس وهو الاصح هکذا فی الوجیز للکردری۔“ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ حافظ عبدالحکیم صاحب مقام اکملہ رسول پور میرٹھ ۲۲ رجب الثانی ۱۳۲۳ھ

چہ می فرماید علمائے دین دریں شکوک لاحقہ و مسائل مسئلہ ادامہم اللہ تعالیٰ فی اقام الدین و الشریعة غیر مقلدین و ہابیہ سفر و حضر میں مدام نماز دو وقت میں ملا کر پڑھتے ہیں یعنی نماز ظہر دو بجے پڑھی تو اس کے ساتھ ہی نماز عصر پڑھتے ہیں و علیٰ ہذا مغرب کے ساتھ ہی عشاء پڑھتے ہیں۔ آیا یہ کیسا ہے اور پیغمبر خدا نے عذرا یا بلا عذر، اول اسلام یا آخر عمر میں ایک بار یا ہمیشہ یہ عمل رکھا؟

الجواب

ظہرین عرفہ و عشاءین مزدلفہ کے سوا دو نمازوں کا قصد ایک وقت میں جمع کرنا سفر و حضر ہرگز کسی طرح جائز نہیں۔ قرآن عظیم اور احادیث صحاح حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ممانعت پر شاہد عدل ہیں۔ اور یہی مذہب صحابہ کرام سے حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ و حضرت سعد بن ابی وقاص و حضرت عبد اللہ بن مسعود و حضرت عبد اللہ بن عمر فاروق و حضرت سیدتنا ام المومنین صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین سے خلیفہ راشد عمر بن عبد العزیز و امام سالم بن عبد اللہ بن عمرو و علقمہ بن قیس و اسود بن یزید و حسن بصری و ابن سیرین و ابراہیم نخعی و امام مکحول و جابر بن زید و عمرو بن دینار و حماد بن ابی سلیمان و امام اجل سراج المملۃ والدین امامنا الاعظم ابو حنیفہ اور یہی مذہب قاضی ابو یوسف و امام ابو عبد اللہ محمد شیبانی و امام زفر و امام حسن بن زیاد و غیر ہم تبع تابعین و ائمہ دین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا ہے۔ ان لوگوں کا نماز ظہر دو بجے پڑھنا اور اس کے ساتھ ہی نماز عصر ملا دینا، کسی طرح جائز نہیں۔ اور اس صورت میں نماز عصر ضائع و ناکارہ رہ جائے گی۔ جیسے کوئی آدمی رات سے صبح کی نماز، پہروں چڑھے سے ظہر پڑھ رکھے، قطعاً نہ ہوگی۔ یونہی ظہر کے وقت عصر یا مغرب کے وقت عشاء نبٹا لینے سے بھی نہ ہونا واجب۔ احادیث میں کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے جمع منقول، اس میں صراحۃً جمع صوری (یعنی واقع میں ہر نماز اپنے وقت میں واقع ہو مگر ادا میں مل جائیں جیسے ظہر آخروقت میں پڑھی کہ اس کے ختم پر وقت عصر آ گیا، اب ظہر آخروقت، عصر اول وقت میں پڑھ لی تو دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت

میں ہوئیں اور فعلاً و صورتاً مل گئیں تو ایسا ملنا بعد مرض و ضرورت سفر بلاشبہ جائز ہے۔ (مذکور یا مجمل و محتمل جو اسی صریح مفصل پر محمول۔ بالجملہ جمع بین الصلاتین یعنی دو نمازیں ملا کر پڑھنا، دو قسم ہے۔ صوری و معنوی۔ اور ثانی بھی دو صورت پر مشتمل۔ جمع تقدیم کہ وقت کی نماز مثلاً ظہر یا مغرب پڑھ کر اس کے ساتھ ہی متصل بلا فصل پچھلے وقت کی نماز عصر یا عشا پیشگی پڑھ لیں۔ اور جمع تاخیر کہ پہلی نماز مثلاً ظہر یا مغرب کو با وصف قدرت و اختیار قصد اٹھا رکھیں کہ جب اس کا وقت نکل جائے تب دوسری نماز کے ساتھ جمع کر کے پڑھیں۔ پچھلی صورت بحالت اختیار صرف حجاج کو صرف عصر عرفہ و مغرب مزدلفہ میں جائز ہے۔ اول میں جمع تقدیم دوم میں جمع تاخیر۔ اور اول یعنی ہر نماز اپنے اپنے وقت پر ہو فقط صورتاً جمع ہو کہ پہلی اپنے وقت کے آخر اور دوسری اپنے وقت کے اول میں ہو، یہ بلاشبہ جائز ہے اور اب بھی مرض و سفر میں اس کی اجازت ہے۔

رد المحتار میں ہے: ”للمسافر والمريض تاخير المغرب للجمع بينهما وبين العشاء فعلاً كما في الحلية وغيرها ان تصلى في آخر وقتها والعشاء في أول وقتها اهـ وهكذا تاخير الظهر إلى العصر بل هو أولى كما صرح به في البحر الرائق۔“

کتاب الحج میں ہے: ”قال ابو حنيفة رحمه الله تعالى الجمع بين الصلاتين في السفر في الظهر في العصر والمغرب والعشاء سواء يؤخر الظهر إلى آخر وقتها ثم يصلى ويعجل العصر في أول وقتها فيصلى في أول وقتها وكذلك المغرب والعشاء ويؤخر المغرب إلى آخر وقتها فيصلى قبل ان يغيب الشمس وذلك آخر وقتها ويصلى العشاء في أول وقتها حين تغيب الشمس فهذا الجمع بينهما۔“ وقد فصل هذه المسئلة عالم اهل السنة محدد المائة الحاضرة في كتاب مستقل سماها ”حاجز البحرين الواقی عن الجمع بين الصلواتین“ فمن اراد الاطلاع على ما فيها من الفوائد فليطالعها والله تعالى اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از موضع کہر یا ضلع پبلی بھیت مرسلہ فضل حسین ۲۵ شعبان ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین محمدی اس مسئلہ میں کہ ایک جگہ نماز جمعہ میں ہمیشہ امام اپنے برابر ایک صف جماعت کھڑی کرتا ہے۔ اور باوجود ہونے جگہ کے مسجد میں ہمیشہ برابر امام کے دونوں جانب یعنی دائیں بائیں صف کھڑا کرتا ہے۔ اور وہ اس کو صف اول کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔ یہ نماز ادا ہوئی یا نہیں اور اگر ہوئی تو کس طرح ہوئی؟۔ بینوا تو جروا۔ رقمہ فضل حسین زمیندار۔

الـجـواب

صورت مسئلہ میں نماز مکروہ تحریمی، واجب الاعادہ ہے۔ کیونکہ مقتدی جب دو سے زیادہ ہوں تو امام کو آگے بڑھنا واجب ہے اور ترک واجب مکروہ تحریمی۔ اور جو نماز کہ کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی جائے، اس کا لوٹنا واجب ہے۔ درمختار میں ہے: ”و کذا کل صلوة ادیت مع کراہة التحريم تحب اعادتها۔ اسی میں ہے: (

والزوائد) بصف (خلفه) فلو توسط اثنين کره تنزيها وتحريما او اکثر وصرح به الهداية والكافي
والبدایة والتبيين والفتح ومجمع الانهر والمستخلص وابو السعود "جتنی نمازیں اس طرح پڑھی ہیں، سب
دہرائی جائیں اور اس کے بدلے چار رکعت ظہر ادا کی جائے۔ والمسئلة فی الدر المختار ورد المختار
وغيرهما من معتمدات الاسفار۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ حافظ نبی بخش سرائے خادم بریلی ۷ ربیع الثانی از تلبر ضلع شاہجہان پور ۱۳۲۳ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ اگر امام نے دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا، باقی
دو رکعتوں میں مقتدیوں کو سورہ فاتحہ کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر کوئی آخر کی دو رکعتوں میں پڑھے، درمیان شرع
شریف کے اور مذہب امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ہوگی یا نہیں؟ اور اگر امام مسافر کے پیچھے کوئی شخص التحیات میں شریک ہو تو
وہ اپنی نماز کس طرح ادا کرے؟ بینوا تو جروا۔

الـجـواب

صورت مستفسرہ میں موافق مذہب اصح، باقی دو رکعتوں میں فاتحہ نہ پڑھیں۔ صرف اتنی دیر خاموش کھڑے رہیں
اور کسی نے پڑھی تو نماز ہو جائے گی، نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں بلکہ بعض کا یہی مذہب ہے اگرچہ ضعیف ہے۔
ملتقى البحر میں ہے: "واقتداء المقيم به (ای المسافر) صحيح فيهما ويقصر هو ويتم المقيم بلا قراء
ة في الاصح۔" مقيم کی اقتداء مسافر کے لئے وقت، غیر وقت دونوں میں صحیح ہیں۔ مسافر قصر کرے اور مقيم بلا قراءت اپنی نماز
تمام کرے۔

تنوير الابصار میں ہے: "وصح اقتداء المقيم بمسافر في الوقت وبعده فاذا قام (المقيم) الى
الاتمام لا يقرأ في الاصح۔"

غنیۃ شرح معیہ میں ہے: "ولو اقتدى المقيم بالمسافر صح سواء كان في الوقت او خارجه لعدم المانع فاذا
صلی المسافر ركعتين سلم ويقوم المقيم فيتم صلاته بغير قراءة في الاصح وقيل يتم بقراءة لانه منفرد۔"
فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: "وان صلی المسافر بالمقيم ركعتين سلم واتم المقيمون صلاتهم كذا
فی الهدایة وصاروا منفردین المسبوق الا انهم لا يقرؤن فی الاصح كذا فی الصغیری والتبيين والبحر
وملا مسکین۔"

اور اگر امام مسافر کے پیچھے التحیات میں شریک ہو تو بعد سلام امام مثل سائر مسبوقین لاحق اپنی نماز ادا کرے۔
یعنی بعد سلام امام کھڑا ہو کر دو رکعتیں بلا قراءت بقدر فاتحہ محض سکوت کے ساتھ ادا کرے اور ان پر قعدہ کر کے دو رکعتیں مع
قراءت پڑھے، جن میں تیسری کو سبحنک اللہم سے شروع کرے اور اگر عکس کیا یعنی بعد سلام امام پہلی دو رکعت باقراء

ت ادا کی پھر دو بسکوت تو مذہب مفتی بہ پر نماز ہو جائے گی مگر گناہ گار ہوگا۔

در مختار میں ہے: ”اللاحق من فاتته الركعات كلها او بعضها لكن بعد اقتدائه كمقيم انتم بمسافر وحكمه كمؤتم فلا ياتی بقراءة ولا سهو ويبدء بقضاء ما فاته عكس المسبوق ثم ما سبق به بها ان كان مسبوقا ايضا ولو عكس صح واثم لترك الترتيب۔“

رد المحتار میں ہے: ”قوله ما سبق به بها ثم صلى اللاحق ما سبق به بقراءة ان كان مسبوقا ايضا بان اقتدى في اثناء صلاة الامام ثم نام مثلاً وهذا بيان للقسم الرابع وهذا المسبوق اللاحق وحكمه ان يصلى اذا استيقظ مثلاً ما نام فيه ثم يقضى ما فاته فلو عكس بان يبدء بما سبق بما نام صح واثم اه ملتقطاً“ (الدر المختار ملخصاً على هامش رد المحتار ج ۵ ص ۵۹۴ الى ۵۹۶) واللہ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ گورکھپور متصل جامع مسجد مرسلہ مولوی عبدالقیوم صاحب ۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ ایک شخص بہرا ہے اور کر یہہ الصوت اور دوسرا شخص بہرا نہیں یعنی حواس خمسہ اس کے صحیح ہیں اور نہ کر یہہ الصوت ہے بلکہ اس دوسرے شخص کی قراءت و تجوید بہ نسبت بہرے کے بہتر ہے تو بحالت مساوی اعلم ہونے کے ان دونوں آدمیوں میں شرعاً مرجح و لائق امامت کون ہو سکتا ہے؟ بینوا بالبراہین والکتاب تو جروا یوم الحساب۔

الـجـواب

اگر اور باتوں میں وہ مساوی ہوں تو شخص ثانی الحق بالامامۃ ہے۔

ہندیہ میں ہے: کل من كان اكمل فهو افضل لان المقصود كثرة الجماعة ورتبة الناس فيه اكثر هكذا في التبيين۔ بالجملۃ غرض شارع کی تکثیر جماعت ہے تو چاہئے کہ احسن الصوت، کر یہہ الصوت پر مقدم کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح اور ایک وجہ فضیلت اسے اس پر یہ ہے کہ اگر امام سے غلطی واقع ہو اور مقتدی اس کی اصلاح کرے تو بہرے کو سننا مشکل ہوگا مگر دیگر امور اہم مثل صحت عقیدہ وغیرہ میں مساوات کے بعد اسے دیکھیں گے، کما اشار الیہ المحیب سلمہ اللہ تعالیٰ واللہ تعالیٰ اعلم۔ فقیر احمد رضا قادری غفرلہ

☆☆☆☆☆

مسئلہ از موضع ڈاکخانہ کرتھا، ضلع گیا۔ ۲۱ شوال ۱۳۳۱ھ

جناب مولانا! جواب سوالات ذیل بہ سند صحیح کتاب معتبر حنفی المذہب قول مفتی بہ آگاہ فرمائیے۔

(۱) امامت ولد الحرام مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی؟ نماز اس کے پیچھے جائز یا ناجائز اور امامت صحیح یا غیر صحیح؟

(۲) صحیح النسلوں میں ولہ الحرام افقہ ہے، امامت کے لئے کون افضل ہوگا؟

(۳) امام نے ارکان نماز فرائض، واجبات وغیرہ بلامقدمات مقام پر ادا کیا۔ جماعت میں مقتدی دو قسم کے ہیں۔ بعض اس کی امامت سے رضا مند اور بعض ناخوش و بے زار۔ ان میں سے کچھ طبقے کی نماز صحیح ہوگی، امام کی نماز کی کیا حالت ہوگی بوجہ بیزاری قوم؟

(۴) حدیث ابوداؤد ”و لا یقبل اللہ صلوٰۃ من تقدم قوما و هم له کارهون“ کا کیا مطلب ہے؟ یہ حدیث صحیحین میں ہے یا نہیں؟ محل تو اردو حدیث، اصول جانچ و پرتال حدیث سے جس میں درآبد بھی داخل ہے، کیا حکم رکھتی ہے؟ قسم و مدار ج حدیث قوی و ضعیف عمل درآبد علمائے خفی المذہب کا اس پر اعادہ امامت، روایت و رجال حدیث کے کل ثقہ و محفوظ ہیں یا بعض مجروح و مخدوش؟ یہ حدیث تہدیداً یا حکماً امام کے حق میں ہے یا اور کے؟ اور ”من تقدم قوما“ سے کیا مطلب؟ آیا امام نماز مراد ہے یا اور؟ اور ”کارهون“ سے کیا مطلب؟ کسی چیز سے ناخوشی و کراہت؟

الجواب

(۱) امامت ولد الزنا جائز و صحیح، مکروہ بہ کراہت تنزیہی ہے۔

حدیث میں ہے: ”صلو ا خلف کل برّ و فاجر“۔

در مختار میں ہے: ”و یکرہ تنزیہاً امامۃ عبد (الی ان قال) و ولد الزنا“۔

منہ الخالق حاشیہ بحر الرائق شامی میں ہے: ”قال الرملى: ذکر الحلبي فی شرح منية المصلى ان

کراهة تقديم الفاسق والمبتدع کراهة التحريم واما العبد الاعرابی و ولد الزنا و الاعمی فالکراهة فیهم دون الکراهة فیہما“۔

ہدایہ میں ہے: ”و یکرہ تقديم العبد (الی ان قال) و ولد الزنا و ان تقدموا جازاه مختصراً۔

مرآتی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے: ”و کرہ امامۃ العبد و الاعمی و الاعرابی و ولد الزنا

الجاهل فقط“۔

(۲) ولد الحرام جو افقہ ہو، اگر وہ مختار میں نہیں، وہی امامت کے لئے افضل ہے۔ کیونکہ کراہت اس کی بے

علمی عادی یا علی اختلاف الاقوال نفرت حقار کی وجہ سے ہے۔

مرآتی الفلاح میں بعد عبارت مسطورہ لکھا: ”الذی لاعلم عنده و لا تقویٰ فلذا قیده مع ما قبلہ

بقوله: ”الجاهل“ اذ لو کان عالماً تقیاً لا تکرہ امامتہ لان الکراهة للنقائص“۔

حاشیہ طحاویہ میں ہے: ”فلو کان عنده علم لا کراهة“۔

بحر الرائق میں ہے: ”وولد الزنا اذا كان افضل القوم فلا كراهة اذا لم يكونا محتقرين بين الناس لعدم الكراهة“ فقط۔

(۳) نماز امام و ہر دو قسم کے مقتدیوں کی صحیح ہے۔ البتہ کارہین کی کراہت امام کی کسی خرابی یا مقتدیوں کے احق بالامامت ہونے کی وجہ سے ہے تو ایسے شخص کو خود امام بننا مکروہ تحریمی ہے اور اگر وہ احق بالامامت ہے تو اصلاً کراہت نہیں بلکہ ایسے شخص کی امامت سے کراہت کرنا خود ہی مکروہ ہے۔

در مختار میں ہے: ولو امّ قوما وهم كارهون ان الكراهة لفساد فيه اولانهم احق بالامامة منه كره له ذلك تحريماً لحديث ابى داود: ”لا يقبل الله صلوة من تقدم قوماً وهم له كارهون“، وان هو احق لا والكراهة عليهم۔

(۴) یہ حدیث صحیحین میں حقیر کی نظر سے نہیں گذری بلکہ انہیں لفظوں سے سنن ابی داؤد و ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند ضعیف مروی ہے۔ نیز ترمذی شریف میں ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان لفظوں سے مروی ہے: ”فلانه لا تجاوز صلاتهم اذانهم العبد الا بق حتى يرجع وامرأة بانث وزوجها عليها ساخط و امام قوم وهم له كارهون“۔ امام ترمذی نے فرمایا: ”حسن غریب“۔

نیز طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان لفظوں سے روایت کیا: ”ایما رجل امّ قوماً وهم له كارهون لم تجز صلاته“۔

نیز طبرانی شریف میں حضرت جنادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان لفظوں سے مروی ہے: ”من امّ قوماً وهم له كارهون فان صلاته لا تتجاوز ترقوته“۔

نیز جمع الجوامع پھر کنز العمال میں بروایت ابو عبیدہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی: ”انه اتاه قوم برجل قالوا ان هذا يؤمننا ونحن له كارهون فقال له لخروط۔ أنتوم قوماً وهم لك كارهون“۔

نیز اس حدیث کو بیہقی و عراقی نے حضرت علی ابن ابی طالب اور اسود بن ہلال سے معنی روایت کیا ہے۔ پس حدیث ابو داؤد اگرچہ ضعیف ہے مگر بوجہ تعدد طرق، جبر نقصان ہو کر لا اقل حسن ٹھہرے گی۔ حدیث مذکور اگرچہ بظاہر تحریم و نفی قبول نماز پر دال ہے مگر علما سے بعض ظاہر پر حمل کر کے حرمت کی طرف گئے ہیں اور بعضوں نے تہدید پر حمل کر کے کراہت کا فتویٰ دیا ہے۔ مگر یہ کراہت اسی صورت میں ہے جب کراہت و نفرت کسی امر دینی و سبب شرعی کی وجہ سے ہو اور دنیوی خصومت یا نفسانیت کی وجہ سے کراہت کا اصلاً اعتبار نہیں بلکہ ایسا خیال خود ہی مذموم ہے، کما مر عن الدر المختار۔

شرح جامع صغیر میں حدیث ترمذی نقل کر کے لکھا: ”وہم لہ کارہون لمعنی مذموم عنہ شرعاً لان الامامة شفاعت ولا يستشفع العبد الا من يحبه“۔ ”تقدم قوما“ سے امام بننا اور نماز پڑھانے کو آگے بڑھنا مراد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از ملک پنجاب ضلع گجرانوالا مرسلہ محمد حیدر صاحب کیم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ

الحمد لله وحده والصلوة والسلام على من لا نبی بعده۔ اما بعد السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ۔

جناب کے پاس ایک استفتا بہ نشان ذیل آیا ہوگا: ”ضلع گجرانوالا تحصیل وزیر آباد موضع پہرو کی ملک پنجاب“۔ وہ میرے واسطے ہی لکھا ہے۔ مجھ کو ہی کہتے ہیں کہ اس کے پیچھے نماز درست نہیں، یہ آمین بالجبر کرتا ہے ورنع یدین کرتا ہے وغیرہ وغیرہ اور ضاد کو مشابہ دال کے نہیں پڑھتا ہے۔ خالصاً لوجه اللہ ونصحاً لخلق اللہ ٹھیک ٹھیک لکھ دیجئے گا۔ مجھ کو ان لوگوں نے تنگ کر رکھا ہے۔ میرے پیچھے نماز جنازہ بھی نہیں پڑھتے۔ اگر استفتا نہیں آیا ہو تو براہ مہربانی اس کارڈ پر لکھ دیجئے گا کہ آیا جو شخص ضاد کو اپنے مخرج سے نکالے اور وہ مشابہ دال نہ پڑھے اور رفع یدین اور آمین بالجبر وغیرہ کرے آیا ایسے کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ جزا کم اللہ تعالیٰ عنا خیر الجزاء علاوہ اور علوم کے علم حدیث مولانا ندیر حسین صاحب سے پڑھی ہے۔ مفصل فتویٰ ہو اور میرے حال پر رحم کیجئے گا۔ اطلاعاً گزارش کر دی ہے۔

العاجز المدعو محمد حیدر علی غفری عنہ۔

الـجـواب

الحمد لاهله والصلوة على اهلها فالسلام على من اتبع الهدى۔ ایک استفتا ضلع گجرانوالا سے ضرور آیا ہوا ہے۔ جس کا جواب بوجہ کثرت کار و مشاغل افکار اس وقت تک معرض تعویق میں رہا۔ آمین بالجبر ورنع یدین منکر تقلید سے ضرور آیت بد مذہبی ہے۔ جس کے کرنے والوں کو بسبب انکار تقلید و دیگر عقاید فاسدہ کے ہرگز حق امامت حاصل نہیں بلکہ اس کے پیچھے نماز ناجائز و گناہ اور اگر پڑھ لی تو واجب الاعادہ کہ مکروہ تحریمی ہوئی کہ ایسا شخص فاسق بالاعتقاد ہے اور امام بنانا تعظیم۔ وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من قرصاحب بدعة فقد اعان على هدم الاسلام

بلکہ بہتر ہے وجوہ سے نماز محض باطل کما حققه حضرة مجدد المائة الحاضرة في الرسالة المباركة ”النهى الاكيد عن الصلوة وراء عدى التقليد۔“ نیز مسئلہ ضاد کی تحقیق بھی اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے رسالہ ”الحجام الصاد عن سنن الضاد“ میں فرمائی ہے، جس کے مطالعہ سے حق ظاہر ہو جائے گا۔ مولوی نذیر حسین صاحب بھی انہیں غیر مقلدین میں سے تھے۔ اگر آپ ان کے ہم عقیدہ ہیں تو ہرگز آپ کے پیچھے نماز درست نہیں۔ اور اگر آپ کو خاص ان مسائل میں اشتباہ ہے تو کتب فقہیہ کا مطالعہ کیجئے یا بندہ کے پاس تشریف لے آئیے۔ اور باوجود انکار تقلید شافعی کی آڑ

تحریر النبی غائیة البوار ونهایة الخسار۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از شہر مرسلہ ۱۲ شعبان ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ زید مسلمان دیندار اہلسنت و جماعت سے ہے۔ اس کا خویش کہ پہلے اہلسنت سے تھا، بالفعل صحبت مریدان قادیان سے قادیانی ہو گیا۔ حالانکہ مرزا قادیان کو دیکھا بھی نہیں ہے۔ اعتقاد فاسد ہو گیا اور اس کی زوجہ یعنی زید مذکور بالا کی دختر ہنوز دین اہلسنت پر قائم ہے۔ اس واسطے زید مذکور نے اپنے خویش قادیانی سے ملنا اور بولنا ترک کر دیا ہے اور اپنی دختر سے ملتا ہے اور اس کے بچوں نابالغ کو دیتا لیتا ہے۔ اس صورت میں زید مذکور بالا کے پیچھے نماز درست ہوگی یا نہیں؟ بینوا بالصواب توجروا یوم الحساب۔

الجواب

قادیانی کہ اپنے لئے رسالت و نبوت کا مدعی اور انبیاء اور خصوصاً عیسیٰ روح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کھلی گالیاں دینے والا ہے قطعاً یقیناً اجماعاً سخت مرتد و سخت عدو اللہ، سخت دشمن اسلام ہے۔ اس کا مرید ہونا تو نہایت عظیم آفت ہے۔ جو اس کے کفری عقائد پر مطلع ہو کر اسے مسلمان جانے، وہ ہرگز مسلمان نہیں۔ جو شخص اس کا مرید ہو، اس کی عورت فوراً اس کے نکاح سے نکل جاتی ہے۔ اس کے ساتھ صحبت، زنا، محض ہوتی ہے۔ خواہ عورت دین اسلام پر قائم رہے یا وہ بھی اسی کے ساتھ ہو جائے۔ ہر طرح زنا، محض ہے۔

عالمگیریہ میں ہے: ”(ومنها ای من الوجوه الاربعه) ما هو باطل بالاتفاق نحو النکاح فلا یجوز له ان یتزوج امرءة مسلمة ولا کتابیة ولا ذمیة ولا حرة ولا مملوكة۔“

پس ایسی صورت میں اگر عورت بھی اسی مذہب پر ہو جائے، جب تو ظاہر کہ باپ پر فرض ہے کہ اسے چھوڑ دے۔ اور اگر عورت دین حق پر قائم بھی رہے تو باپ پر فرض ہے کہ اگر قدرت رکھتا ہو، اسے زنا سے بچائے اور قدرت نہ رکھتا ہو تو عورت کو تفہیم کرے کہ اسے چھوڑ دے۔ ان احکام میں سے جس کی تعمیل نہ کرے گا، گناہگار ہوگا۔ پہلی دو صورتوں میں تو صریح فاسق، شدید مرتکب کبیرہ ہے۔ اس کے پیچھے نماز ممنوع و گناہ اور صورت آخرہ میں کراہت سے خالی نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: ”وَإِمَّا يُنَسِبَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرِىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ۔ (الأنعام: ۶۸)“ اور جو کہیں تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔ (کنز الایمان) حلبی اور صغیری اور کبیری میں ہے: ”وفیه إشارة الی ان انهم لو قدموا فاسقا یا ثمون علی ان کراهة تقدیه، کراهة تحریم لعدم اعتنائہ بامور دینہ و تساهلہ فی الاتیان بلوازمہ۔“ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم واحکم۔

☆☆☆☆☆

(سوال دستیاب نہ ہو سکا ۱۲ سائل)

بسم الله الرحمن الرحيم نحمده ونصلی علی رسولہ الکریم
(۱) استحقاق امامت کا دعویٰ محض باطل ہے۔ مسجد سنی حنفی المذہب کی بنائی ہوئی ہے۔ بانی کی اولاد سنی حنفی موجود ہے۔ امام ومؤذن مقرر کرنا، بانی مسجد اور اس کے بعد اس کی اولاد کا حق ہے۔

عالمگیری جلد اول ص ۲، فتاویٰ قاضیخان جلد اول ص ۳۳ پر ہے: ”رجل بنی مسجدا وجعله لله تعالى فهو احق الناس بمرمته وعمارته وبسط البواری والحصر والقنادیل والاذان والاقامة والامامة ان كان اهلا لذلك فان لم يكن فالرأى في ذلك اليه“ (الاشباه والنظائر مع غمز العيون ص ۱۸۵) البانی اولیٰ بنصب الامام والمؤذن وولد البانی وعشيرته اولیٰ من غیرهم

(۲) عام اہل محلہ سنی حنفی ہیں۔ اور خود اہل محلہ میں اگر اختلاف ہو، بعض ایک امام کو چاہیں اور اکثر دوسرے کو، تو اکثر ہی کی رائے معتبر ہے۔ اگرچہ جسے بعض قلیل چاہتے ہیں، وہ اس سے قراءت میں افضل ہو۔
عالمگیری جلد اول ص ۳۰ پر ہے۔ اذا اختار بعضهم الاقرء واختار بعضهم غيره فالعبرة للاكثر كذا في السراج الوهاج۔

(۳) مسجد جامع میں اقامت جمعہ اہل محلہ کے لئے ہے اور اس کا امام وخطیب مقرر موجود ہے، دوسرے کو اصلاً اس میں حق نہیں۔ اگر سوا ان کے خطبہ پڑھے یا امامت کرے، ہرگز جائز نہیں۔

فتاویٰ عالمگیری جلد اول ص ۵۲ ورد المختار میں ہے: ”خطب بلا اذن الامام والامام حاضر لم يجز۔“
فتاویٰ سراجیہ جلد اول ص ۲۹ میں ہے: ”لو صلى احد بغير اذن الامام لا تجوز الا اذا اقتدى به من له ولاية الجمعة۔“

(۴) غیر مقلدین اہل سنت سے خارج اور مبتدع ہیں۔
طحطاوی علی الدر المختار جلد ۴ ص ۱۵۳ میں ہے: ”من كان خارجا عن هذه الاربعة فهو من اهل البدعة والنار۔“ اور مبتدع کی امامت مکروہ و ممنوع ہے۔

رد المختار جلد اول ص ۵۸۵ پر ہے: ”المبتدع تكره امامته بكل حال۔“
طحطاوی مطبوعہ مصر جلد اول ص ۲۴۴ پر ہے: ”الكراهة فيه تحريمية على ما سبق۔“
صغیری ص ۲۷۰ پر ہے: يكره تقديم الفاسق كراهة تحريم وعند مالك لا يجوز تقديمه وهو رواية عن احمد وكذا المبتدع۔

(۵) امام بنانا، تعظیم و توقیر ہے اور امر دین میں مبتدع کی توقیر حرام ہے۔
مشکوٰۃ شریف مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۱ پر ہے: ”عن ابراهيم بن ميسرة قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه

وسلم من وقر صاحب بدعة فقد اعان على هدم الاسلام۔“ جس نے کسی مبتدع کی توقیر کی اس نے اسلام کے ڈھانے پر مدد کی۔“

(۶) فاسق معلن کی امامت مکروہ و ممنوع۔ غنیۃ ص ۵۱۳ پر ہے: ”لو قدموا فاسقا یا ثمونا۔“ اور بد مذہبی ہر فسق سے بدتر فسق ہے۔

غنیۃ ص ۵۱۴ پر ہے: ”یکبره تقدیم المبتدع ایضا لانه فاسق من حیث الاعتقاد وهو اشد من الفسق من حیث العمل۔“

ابو السعد حاشیہ کنز جلد اول ص ۲۰۸ پر ہے: ”علل الزیلعی الکراهة فی الفاسق بان فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علینا اهانته شرعا فمفاده کون الکراهة تحریمیة۔“

سنن ابن ماجہ ص ۱۷۲ پر ہے: ”عن جابر ابن عبد الله رضى الله تعالى عنه قال خطبنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فقال يا ايها الناس (فذكر الحديث الى ان قال) ولا يؤم فاسق مؤمنا الا ان يقهره سلطان بخاف سيفه وسوطه۔“ ”یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبے میں بیان فرمایا: فاسق کسی مسلمان کی امامت نہ کرے۔ مگر یہ کہ اس کو اپنی سلطنت کے زور سے مجبور کرے کہ اسے اس کی تلوار اور تازیانے کا ڈر ہو۔“

یہاں غیر مقلدین کی سلطنت نہیں تو وہ محض ناجائز دباؤ ڈال کر ہماری مسجد میں استحقاق امامت قائم کرنا چاہتے ہیں۔

(۷) غیر مقلدین کی بدعت لزوم کفر تک پہنچی ہوئی ہے جس کا مفصل بیان مع ثبوت ”کو کہ شہابیہ“ میں ہے اور ایسے اہل بدعت کے پیچھے نماز محض ناجائز ہے۔

فتح القدیر شرح ہدایہ مطبوعہ لکھنؤ جلد اول ص ۱۴۶ پر ہے: ”روی محمد عن ابی حنیفة و ابی یوسف ان الصلوة خلف اهل الاهواء لا تجوز۔“

شرح فقہ اکبر امام اعظم ابو حنیفہ ص ۵ پر ہے: ”لا تجوز خلف المبتدع۔“

فوائح الرحموت شرح مسلم الثبوت ص ۵۱۹ پر ہے: ”ان بدعتهم لما اشتدت الى ان وصلت قريبا الى الكفر اورثت شبهة في ايمانهم فتمنع من الاقتداء بهم وحكم بفساد صلاة من اقتدى بهم۔“

شرح فقہ اکبر ص ۸۷ پر ہے: ”خير منهم بطلان الصلاة خلفهم احتیاطا“

(۸) حدیث نماز اہل نجران اگر صحیح و ثابت ہو تو وہ کافر مستامن تھے، امان لے کر حاضر ہوئے تھے اور ایسے کفار سے تعرض منع ہے۔ اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مسجد میں نماز سے نہ روکنے دیا، حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے روکنا چاہا تھا۔

مواہب لدنیہ و شرح مواہب زرقانی مطبوعہ مصر جلد ۴ ص ۱۴۷ پر ہے: ”(قاموا يصلون فيه فاراد الناس منعهم) لما فيه من اظهار دينهم الباطل بحضرة المصطفى صلى الله تعالى عليه وسلم وفي مسجد“

(فقال صلى الله تعالى عليه وسلم دعوهم) تالیفاً لهم ورجاء اسلامهم ولدخولهم بامان فاقرهم على كفرهم ومنع من تعرض لهم فليس فيه اقرار على الباطل۔“

امان لے کر آنے والے کفار پر مدعیان اسلام کا قیاس نہیں ہو سکتا۔ جن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے متامن کفار کے لئے یہ منقول ہے، انہیں نے مسلمانان تارک قربانی کو مسجد میں آنے سے منع فرمایا۔

ابن ماجہ ص ۵۸ پر ہے: ”عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال من کان لہ سعة ولم یضح فلا یقربن مصلانا۔“

انہیں نے کچا لہسن پیاز کھانے والے کو مسجد میں آنے سے منع فرمایا اور بقیع تک نکلوا دیا۔

صحیح بخاری شریف مطبع احمدی جلد اول ص ۱۱۸ پر ہے: ”عن جابر بن عبد اللہ قال قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من اکل هذه الشجرة یرید الثوم فلا یغشانا فی مسجدنا۔ عن انس بن مالک قال قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من اکل هذه الشجرة فلا یقربن ولا یصلین معنا۔“

صحیح مسلم جلد اول ص ۲۰۹ پر ہے: ”عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال فی غزوة خیبر من اکل من هذه الشجرة یعنی الثوم فلا یاتین المساجد۔“

ایضاً ص ۲۰۱ پر ہے: ”ان عمر ابن الخطاب خطب یوم الجمعة فذکر انکم ایہا الناس تاکلون شجرتین لا اراہما الا خبیثتین هذا البصل والثوم ولقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا وجد ریحہما من الرجل فی المسجد امر بہ فاخرج الی البقیع۔“

کلمہ گو منافقین جمعہ کے مجمع میں ایک ایک کا نام لے کر مسجد سے نکلوا دیئے گئے۔

عمدة القاری شرح بخاری مطبوعہ قسطنطنیہ جلد ۴ ص ۲۲۱ پر ہے: ”عن ابن عباس قال خطب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوم الجمعة فقال اخرج یا فلان فانک منافق۔“

غیر مقلدین اگر حدیث نجران سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو پہلے اپنی کلمہ گوئی سے انکار کریں اور یہ ہی کافی نہیں بلکہ اپنے کافر اصلی ہونے کا ثبوت دیں۔ پھر سلطنت اسلام میں امان لے کر جائیں۔ سلطان اگر مناسب جانے گا تو انہیں بھی کفار نجران کی طرح چند روز امان دے گا اور اتنے دنوں اپنی مسجدوں میں نماز سے نہ روکے گا۔

(۹) غیر مقلدین کے نزدیک اگر وقف کا استحقاق ایسا عام ہے تو کیا وہ نوشتہ دے سکتے ہیں کہ ان کی مسجدوں میں ہنود و نصاریٰ و یہود و مجوس و روافض و غیر ہم جو فرقہ چاہے جائے اور اپنے طور پر عبادت کرے۔ ناقوس پھونکیں، گھنٹے بجائیں، آگ جلائیں، چلیپا قائم کریں، انہیں کچھ انکار نہ ہوگا۔

(۱۰) انہیں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ صرف کلمہ گو ہونے یا اپنے آپ کو مسلمان کہنے بلکہ مطلقاً مسلمان ہونے سے بھی مسجد میں آنے تک کا حق ثابت نہیں ہوتا۔ جماعت و امامت تو خاص بات ہے کہ آخر وہ منافق بھی کلمہ گو تھے، اپنے آپ کو غیر

مقلدین کی طرح مسلمان ہی کہتے۔ اور قربانی نہ کرنے یا لہسن پیاز کھانے والے تو ضرور مسلمان ہیں۔ پھر بھی انہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد میں آنے سے روکا اور نکلوا دیا۔

(۱۱) ہر شخص اپنے فریق کے لئے عبادت خانہ بناتا ہے۔ اور شرع نے مساجد میں انہیں کا حق مقدم رکھا ہے، جن کے لئے بانی نے مسجدیں بنائیں ولہذا اہل محلہ اپنی حاجت مقدم رکھنے کے لئے غیر اہل محلہ کو مسجد میں نماز سے منع کر سکتے ہیں۔ درمختار ہاشمی ص ۷۷ پر ہے: ”لاہل المحلة منع من لبس منهم عن الصلوة فیہ۔“

سنیوں خفیوں کی بنائی ہوئی مسجدوں میں غیر مقلدین کا دعویٰ مساوات حق، جس کی بنا پر مزاحمت کر سکیں، بالکل بے بنیاد ہے۔

(۱۲) سنیوں خفیوں نے مسجد بنائی اور اس کے نمازی ہیں اور ان ہی کا حق مقدم ہے۔ اور انہیں غیر مقلدین کے آنے سے ایذا پہنچتی ہے۔ ان کے خیالات منتشر ہوتے ہیں، ان کی نماز خراب ہوتی ہے۔ اور غیر مقلدین کی اپنی مسجد موجود ہے اور اس میں ان کی نماز ہو سکتی ہے اور ان کے نزدیک بھی خفیوں کی مسجد میں پڑھنا، کچھ ان پر فرض، واجب نہیں تو اپنی عبادت اپنے معبد میں ہو سکتے ہوئے دوسروں کی مساجد پر جدید قبضہ چاہنا اور ان کا دل دکھانا اور ان کے حق مقدم میں دست اندازی کرنا، صریح مداخلت بیجا و آزار رسانی اور صاف بدنیتی پر مبنی ہے۔

(۱۳) غیر مقلدین، ہمارے ائمہ کو برا کہتے ہیں اور ان کی توہین کرتے ہیں۔ ہمیں مشرک بتاتے ہیں تو ہماری بنائی مسجدوں پر ان کا قبضہ کرنا، ہماری امامت کرنا، ہماری جماعت میں مل کر اپنی آوازوں اور حرکتوں سے اپنا غیر مقلد اور ہمارے اماموں کا دشمن، ہمارا مخالف ہونا، عین نماز میں جتنا، ضرور ناحق ایذا و آزار رسانی ہے۔ اور بحکم شرع ہماری مسجدوں میں ہمارا حق مقدم ہے۔ اور حدیث وفقہ کا حکم ہے کہ ایذا رساں کے لئے مسجد میں آنے کا حق نہیں اور یہ کہ مسجد سے نکال دیا جاوے۔

صحیح مسلم جلد اول ص ۲۰۹ پر ہے: ”عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من اکل من هذه الشجرة فلا يقربن مسجدنا ولا یوذینا بريح الثوم“۔ اس کے اخراج کی حدیث ابھی گزری۔ درمختار ص ۷۷ پر ہے: ”یکرہ دخول اکل نحو ثوم ویمنع وکذا کل موز ولو بلسانہ۔“

الاشباہ مع غزالیون ص ۳۸۱ پر ہے: ”یکرہ لمن اکل ذاریح کریمہ ویمنع منه وکذا کل موز فیہ ولو بلسانہ۔“ ردالمحتار جلد اول ص ۶۹۱ پر ہے: ”قال الامام العینی فی شرحہ علی البخاری: علة النهی اذی المملکة واذی المسلمین ولا یختص بمسجدہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والحق بالحديث کل من اذی الناس بلسانہ وبہ افتی ابن عمر وهو اصل فی نفی کل من یتاذی بہ اہ مختصرا۔“

(۱۴) مسجدیں اہل سنت خفیہ بنائیں، وہی اس کے نمازی ہیں اور انہیں کا حق مقدم ہے۔ اور غیر مقلدین کا ان پر قبضہ

ہونا یقیناً، ان کی نفرت کا موجب ہے۔ اور شرع کا حکم ہے کہ جس شخص کے مسجد میں آنے سے اس کے نمازیوں کو نفرت ہو، وہ مسجد میں جانے کا حق نہیں رکھتا۔ وہ مسجد سے باز رکھا جائے گا۔ اس لئے جذامی و مبروص کو مسجد میں جانے سے منع فرمایا ہے حالانکہ بیماری میں ان کا اپنا کوئی تصور نہیں۔

ردالمحتار جلد اول ص ۲۹۲ پر ہے: ”يلحق بما نص عليه في الحديث كل ماله رائحة كريهة ما كولا او غيره والقصاب والسماك والمجذوم والابصر اولى بالالتحاق وقال سحنون لا ارى الجمعة عليهما۔“ (۱/۶۶۱ مطلب في الغرس في المسجد)

(۱۵) مسجدیں ہر فریق کی جدا ہیں اور ہر ایک اپنی مسجد میں اپنے طور سے عبادت کر سکتا ہے۔ کسی فریق کے نزدیک اپنی مسجد ہوتے ہوئے دوسرے کی مسجد میں پڑھنے کے لئے شرع کا کوئی حکم نہیں۔ ہم ان کی مسجد پر دعویٰ نہیں کرتے، وہ ہماری مسجد پر بالجبر قبضہ چاہتے ہیں۔ اور یہ امر حنفیہ کو ضرور اپنے مذہبی رو سے سخت آزار دہ ہے۔ اور غیر مقلدین کی وہ ایذا کہ بعض اوپر بیان ہوئیں، علاوہ ہیں۔ یہ امور باعث اشتعال فریقین ہوتے ہیں۔ جس کے سبب ملک میں بکثرت مقدمات ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں۔ تو ان میں جو فریق اپنی مسجد ہوتے ہوئے دوسرے کی مسجد پر قبضہ چاہے، وہ ضرور فتنہ پھیلاتا اور اشتعال طبع دلاتا ہے۔ تو اس کو رد کنا شرعاً و قانوناً ہر طرح لازم ہے۔ اگر کوئی مسجد میں کشت و خون کرنے جائے تو وہ ضرور شرعاً و قانوناً دخول مسجد سے باز رکھا جائے گا۔ اور اس وقت صرف اپنے مسلمان ہونے کو استحقاق دخول کی دستاویز نہیں بن سکتا۔ لیکن ہمارے رب عز وجل نے قرآن عظیم میں فرمایا ہے: ”وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ“ (البقرة: ۱۹۱) فتنہ قتل سے بھی سخت تر ہے۔ تو ایک فریق کے دوسرے کی مساجد میں جانے سے جب فتنہ اٹھے، جس کی نظیریں ملک میں بکثرت موجود ہیں۔ تو وہ اس ارادہ قتل والے سے زیادہ مستحق باز رکھے جانے کا ہے۔ اور ہرگز شرعاً و قانوناً اسے ان مساجد میں جانے کا حق حاصل نہیں۔

(۱۶) غیر مقلدین اگر حنفیہ کی مسجدوں میں نہ آئیں تو یہ مساجد ویران نہ ہوں گی کہ ان کے بانی، ان کے نمازی، سنی حنفی، ان کے آباد کرنے والے کثیر وافر ہیں۔ لیکن انہیں اگر حنفیہ کی مساجد پر قبضہ دیا جائے تو رعایا و ملک کے بڑے حصے کو دو سخت ضرروں میں سے ایک ضرر ضرور پہنچے گا۔

۱- یا تو وہ اپنی نہ چھوڑیں اور غیر مقلدین کی مداخلت و اقوال و افعال دل شکنی کے باعث فتنے اٹھیں اور مسجدیں ویران ہو کر جیل آباد ہوں۔

۲- یا حنفیہ اپنی عزت، اپنی عافیت عزیز رکھ کر اپنی مسجدیں چھوڑ بیٹھیں۔ ہر طرح غیر مقلدین کا قبضہ ان مساجد کی ویرانی کا سبب ہے۔ اور بحکم قرآن عظیم، جس کے آنے سے مسجدیں ویران ہوں، وہی ظالم ہے۔ اس کو مسجد میں آنے کی اجازت نہیں، وہ اس آیت کا مصداق ہے، اللہ سبحانہ فرماتا ہے: ”وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ“ (البقرة: ۱۱۴) ”اس سے بڑھ کر ظالم

کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں نام خدا لئے جانے سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے؟ انہیں روا نہیں تھا کہ مسجدوں میں جائیں مگر خوف کھاتے۔

(۱۷) شارع عام اور اسی طرح سر راہ افتادہ غیر مملوک زمینوں میں قانوناً تمام رعایا کا حق بلا تفاوت یکساں ہے۔ سرکاریں، راہیں یا وہ زمینیں ہنود کی بنائی ہوئی ہیں، نہ مسلمانوں کی، نہ ان میں کوئی ان کا مالک یا کسی وجہ سے زیادہ حقدار ہے۔ با ایں ہمہ قانوناً مسلمانوں کو وہاں قربانی کی ممانعت ہے۔ یہ قانون غیر مقلدین کو ہماری مسجدوں میں سے ممانعت کی ایک اعلیٰ نظیر قائم کرتا ہے۔ غیر مقلدوں کی نماز اگر ان کا امر مذہبی ہے، تو قربانی کیا ہمارا امر مذہبی نہیں؟ بفرض غلط اگر غیر مقلدین حنفیہ کی مساجد میں آ کر فتنہ نہیں اٹھاتے بلکہ حنفیہ ہی کو اشتعال طبع ہو کر فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ تو مسلمان بھی سڑکوں پر قربانی کرنے میں ہرگز خود لڑائی کی ابتدا نہ کریں گے بلکہ ہنود ہی کو اشتعال طبع ہو کر فساد ہوگا۔ مسلمانوں کو اگر شارع عام پر قربانی کرنا ضرور نہیں بلکہ اپنے گھروں یا قرار دادہ مذبحوں میں ادا کر سکتے ہیں۔ تو غیر مقلدین کو بھی شرعاً حنفیہ کی مساجد ہی میں نماز پڑھنا ضرور نہیں۔ اپنی مسجد میں بلا تکلف پڑھ سکتے ہیں۔ پھر کیا وجہ کہ مسلمان شارع عام سے منع کئے جائیں، جس میں وہ حق مساوی رکھتے ہیں اور غیر مقلدین، حنفیہ کی مساجد سے نہ روکے جائیں، جن میں انہیں ہرگز حق مساوی بھی نہیں۔ بلکہ شارع عام درکنار مسلمان ایسے گھروں، اپنی خاص مملوک زمینوں میں قربانی سے باز رکھے جائیں، معدود مواضع مقرر دیئے جائیں، حالانکہ گھروں میں قربانی ہنود کے پیش نظر بھی نہ ہوگی۔ ایک قوم کا اشتعال طبع کہ سنی کی بناء پر فرض کر لیا جائے، دوسری قوم کو اپنا امر مذہبی خاص اپنے ملک میں بجالانے سے باز رکھے۔ اور غیر مقلدین کے آنے سے اشتعال طبع کہ خاص نظر کے سامنے اور وہ بھی ان مساجد میں جو حنفیہ کی بنائی ہوئی ہیں اور انہیں کا حق ان میں مقدم ہے، غیر مقلدوں کو ان مساجد سے منع نہ کرے؟ یہ انصاف سے بہت دور ہے۔

(۱۸) ہمارے اور غیر مقلدوں کے مذہب میں بہت اختلاف ہے۔ جس کی رو سے ہمارے مذہب میں ان کی نماز محض باطل و فاسد ہوتی ہے۔ وہ جب اپنے طرز کی نماز میں بھی ہمارے نزدیک خارج ہیں، فضول بے معنی حرکات کر رہے ہیں۔ ازاں جملہ غیر مقلدوں نے خون اور مردار اور شراب کو ناپاک نہ جانا۔ جیسا کہ ان کی مذہبی کتاب روضہ ندیہ کے ص ۱۲ پر ہے۔ تو اگر غیر مقلد کے دامن میں سیر بھر گوشت مردار کا بندھا ہو اور خون نے ناک سے نکل کر تمام داڑھی اور سینے کو رنگ دیا ہو اور سارے چہرے پر شراب کا غازہ ملا ہو بلکہ شراب کے مٹکے میں غوطہ کھالیا ہو، نماز ہو جائے گی۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ نماز نہیں اور اشیائے مذکورہ سب ناپاک ہیں۔

عالمگیری جلد ۱ ص ۷۱ پر ہے: ”الخمر والدم والمیتة نجس نجاسة غلیظة هكذا فی فتاویٰ قاضی حاکم۔“ نیز غیر مقلدوں کا مسئلہ ہے کہ پانی کتنا ہی کم ہو، نجاست پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا جب تک رنگ یا مزایا بونہ بدل جائے۔ یہ مسئلہ بھی ان کی کتاب طریقہ محمدیہ ترجمہ درر ہیبت مطبع فاروقی دہلی کے ص ۹۶ اور انہی کی دوسری کتاب فتح المغیث مطبع صدیقی لاہور کے ص ۵ پر موجود ہے۔ تو خون تو بڑی چیز ہے۔ اگر پاؤ بھر پانی میں دو چار ماشے اپنا یا کتے کا

پیشاب پڑ جائے، غیر مقلدوں کے نزدیک پاک رہے گا اور اس سے وضو و نماز صحیح ہے۔ لیکن ہمارے مذہب میں اگر کسی عظیم الشان کنویں میں بھی ایک بوند نجاست پڑ جائے، سارا پانی ناپاک ہو جائے گا۔

عالمگیری ص ۸ جلد ۱ پر ہے: "فارة تفسخت في الحب ثم صب قطرة من ذلك الماء في البئر ينزح جميعا كذا في خزانة المفتين"۔

نیز اسی فتح المغیث کے ص ۶ پر ہے: "کافی ہے مسح کرنا پگڑی پر" لیکن ہمارے مذہب میں پگڑی کا دھونا بھی کافی نہیں، سر کا مسح فرض ہے کہ قرآن عظیم میں فرمایا "وَأَمْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ" (المائدہ: ۶) "اور سروں کا مسح کرو" (کنز الایمان) اسی طرح بہت مسائل ہیں۔ تو اختلاف مذہب کی حالت میں انہیں کیونکر ہماری امامت کا استحقاق ہو سکتا ہے؟ بلکہ ایسی حالت میں اگر وہ ہماری صف میں کہیں آ کر شامل ہوں تو ہمارے مذہب میں اصلاً جائز نہیں۔ کہ جب وہ نماز سے خارج ہیں تو یہ ایسا ہوا کہ نماز کی صف بندی اور بیچ میں ایک شخص بے نیت نماز حاکم ہے۔ یہ قطع صف ہوا جو حرام ہے۔

سنن نسائی ص ۱۳۷ پر ہے: "عن عبد الله بن عمر ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال من وصل صفا وصله الله ومن قطع صفا قطعه الله۔"

"یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو صف کو وصل کرے، اللہ تعالیٰ اسے صلہ عطا فرمائے اور جو صف کو قطع کرے، اللہ تعالیٰ اسے قطع کر دے۔"

تو غیر مقلدین کا ہمیں ان کے پیچھے نماز پڑھنے یا اپنی نماز میں انہیں شریک کرنے پر مجبور کرنا، صراحتہ ہمارے مذہب میں دست اندازی ہے۔ جس کا حق انہیں شرعاً و قانوناً کسی طرح حاصل نہیں۔

(۱۹) قانون ہمیں ہرگز مجبور نہیں کرتا کہ ہم اپنے مذہبی خیالات سے باز رہیں یا ان کی مخالفت پر مجبور کئے جائیں۔ ہمارے مذہب میں غیر مقلدین، مبتدع بدین ہیں۔ جس کا ایک ثبوت اوپر طحاوی علی الدر المختار سے گذرا۔ اور اس بارے میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ تک کے علمائے کرام کے فتاویٰ موجود ہیں۔ اور حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اهل البدع شر الخلق والخلق" بد مذہب سارے جہان سے بدتر، بہائم سے بدتر ہیں۔

مسند امام احمد مطبوعہ مصر ہاشم جلد اول ص ۱۰۱ پر ہے، نیز حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اصحاب البدع كلاب النار"، بد مذہب لوگ دوزخیوں کے کتے ہیں۔ ایضا کتاب مذکور ص ۱۱۰۔

جب ہم شرعاً و قانوناً ہرگز مجبور نہیں کہ کتے کو اپنی نماز کی صفوں میں کھڑا کریں یا اپنی مسجدوں میں آنے دیں۔ تو جو ہمارے مذہب میں بحکم حدیث اس سے بدتر ہیں، انہیں اپنی نماز میں شریک کرنے پر ہمیں مجبور کرنا، ضرور ہمیں مذہبی نقصان پہنچانا ہے، جو کسی طرح قرین انصاف نہیں۔

(۲۰) ان کی کتابیں شاہد ہیں کہ وہ ہمیں مشرک جانتے ہیں اور مشرکوں کی بنائی ہوئی مسجدیں شرعاً مسجد نہیں۔ قرآن مجید میں ہے: "مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسْجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ بِالْكَفْرِ أُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ

وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ ۝ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَحْشَ إِلَّا لِلَّهِ“ (التوبة: ۱۷-۱۸) ”مشرکوں کو نہیں پہنچتا کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں خود اپنے کفر کی گواہی دے کر، ان کا تو سب کیا دھرا اکارت ہے اور وہ ہمیشہ آگ میں رہیں گے۔ اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے اور نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے ہیں۔“ (کنز الایمان)

تو غیر مقلدین حقیقہ ہماری مسجدوں کو مسجد ہی نہیں جانتے۔ دھوکا دینے کے لئے اسے مسجد کہنا اور یہ ادعائی اسلام، اپنا حق ان میں مساوی ہونے کا دعویٰ کرنا، خود ان کے اپنے مذہب کے خلاف اور محض ایذا دہی و آزار رسانی و بدعتی ہے۔ کوئی استحقاق، کوئی دعویٰ انہیں ہماری مساجد پر نہیں ہو سکتا۔ یہ بعینہ ایسا ہے کہ چند ہنود ہماری مساجد پر دعویٰ کریں کہ یہ ہمارے مذہب کے مقدس تیرتھ ہیں۔ ہمیں ان میں پو با پاٹ کی اجازت ملے۔ حالانکہ یہ دعویٰ صراحتہ فریب اور خود ان کے برخلاف مذہب ہوگا۔ مذہبی معاملے میں خود اپنے مذہب کے خلاف ایک بات کا دعویٰ دوسروں کے حق پر قبضہ پانے کے لئے کرنا، سوائے بدعتی و آزار رسانی کے کیا ہو سکتا ہے؟ ایسے ناجائز و فاسد کمپنی دعویٰ قابل سماعت نہیں ہوتے۔ لہذا حنفیہ کی مساجد کو فریق مخالف کے دست تعرض سے محفوظ رکھنا ہی قرین انصاف ہے۔

(۲۱) اس سے تنزل کرتے ہیں کہ غیر مقلدین مبتدع نہیں، مگر اس قدر تو یقیناً معلوم، جس سے کسی فریق کو انکار کی گنجائش نہیں کہ ہمارا ان کا اختلاف عقائد میں ایسا ہے کہ دونوں فریق سے ایک ضرور بد مذہب و گمراہ ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ”وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلَىٰ هُدًىٰ أَوْ فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ“ (سبا: ۲۴) ”اور بے شک ہم یا تم یا تو ضرور ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں“ (کنز الایمان) اس کے ثبوت کے لئے فریقین کی بکثرت کتابیں کہ چھپ کر شائع ہو چکیں، کافی ہیں۔ بلکہ کسی ثبوت کی حاجت نہیں تم ہمیں گمراہ کہتے ہو اور ہم تمہیں اور اگر تم اس وقت مصلحت نہ کہو تو ہمارا فریق تو ضرور تمہیں گمراہ و بد دین کہتا اور لکھتا اور چھاپتا ہے۔ اب دو حال سے خالی نہیں۔ یا تم فی الواقع گمراہ ہو تو مطلب حاصل۔ یا واقع میں تم ہدایت پر ہو تو جو فریق ہدایت کو ضلالت جانے، وہ گمراہ ہے۔ اب یا تو تم ہمیں، ہمارے جمیع اعتقادات میں حق پر جانتے ہو یا نہیں؟ اگر نہیں تو معلوم ہوا کہ ہمارے بعض اعتقاد تمہارے نزدیک حق نہیں۔ اور اگر ہاں، تو ہمارے اعتقادات سے ایک یہ بھی ہے کہ تم گمراہ و بد دین ہو، یہ بھی حق ہوا۔ بہر حال دونوں تقدیر پر ایک ضرور گمراہی پر ہے۔ اور شرع مطہر کا اہل حق کو حکم ہے کہ گمراہوں سے میل جول نہ کریں۔ ان سے دور بھاگیں، ان کی نماز میں نہ شریک ہوں، اور وہ بیمار پڑیں تو عیادت کو نہ جائیں، وہ مرجائیں تو جنازے کی نماز نہ پڑھیں۔ اب اگر معاذ اللہ ہم گمراہ ہیں تو تم کو حکم ہے کہ ہم سے دور رہو، ہماری نماز میں شرکت نہ کرو۔ اور اگر تم اہل بدعت ہو تو ہم کو حکم ہے کہ ہم اپنی نماز میں تمہیں شریک نہ ہونے دیں۔

بہر حال! حاصل حکم یہ ہے کہ تم ہماری مساجد میں نہ آؤ۔ ایسا حکم کہ شرع کا متفق علیہ ہے، اسے چھوڑ کر بے بنیاد دعویٰ پیش کرنا، کوئی وجہ نہیں رکھتا۔ اب قرآن کی آیت سنئے۔

اللہ عز وجل دعا قرآن عظیم میں فرماتا ہے: ”وَأَمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرِىٰ مَعَ الْقَوْمِ

الظَّالِمِينَ۔“ (الأنعام : ۶۸) ”اور جو تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آنے پر پاس نہ بیٹھو۔“

تفسیر احمدی مطبوعہ بمبئی ص ۳۸۷ پر ہے: ”ان القوم الظالمين يعم المبتدع والفاسق والكافر والفجور مع كلهم ممتنع۔“ ”یعنی ظالم لوگ مبتدع اور فاسق اور کافر ہیں۔ اور ان سب کے پاس بیٹھنا منع ہے۔“

ارشاد الساری شرح بخاری جلد ۹ ص ۳۹ پر ہے: ”ان هجر۔ة اهل الهواء والبدع دائمة على ممر الاوقات ما لم تظهر التوبة والرجوع الى الحق“ ”یعنی بد مذہبوں سے جدائی ہمیشہ ہے چاہے کتنا زمانہ گزرے، جب تک ان سے توبہ اور حق کی طرف رجوع ظاہر نہ ہو۔“

کنز العمال ہامش مسند امام احمد جلد اول ص ۱۱۲ پر ہے: ”عن انس قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ”اذا رأيتم صاحب بدعة فاكفروا في وجهته فان الله تعالى يبغض كل مبتدع۔“ ”یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی بدعتی، بد مذہب کو دیکھو اس کے ساتھ تشریف لے کر دو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہر مبتدع کو دشمن رکھتا ہے۔“

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ مطبوعہ مصر جلد اول ص ۱۴۹ پر ہے: ”مجالسة الاغيار تجر الى غاية البوار ونهاية الخسار۔“ ”یعنی غیروں کے پاس بیٹھنا، بربادی اور کمال تباہی کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔“

شفا شریف امام قاضی عیاض مطبوعہ صدیقی بریلی ص ۱۹۷ پر ہے: ”قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لا يومن احدكم حتى اكون احب اليه من ولده ووالده والناس اجمعين وقال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم لن يومن احدكم حتى اكون احب اليه من نفسه“ ”ص ۲۰۰ پر ہے: ”فالصادق في محبة النبي صلى الله تعالى عليه وسلم من تظهر علامات ذلك عليه“۔ ص ۲۰۱ پر ہے: ”ومنها محاربة من خالف سنته وابتدع في دينه“۔“

”یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں کوئی مسلمان نہ ہوگا جب تک میں اس کی اولاد اور ماں باپ اور سب آدمیوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہرگز تم میں کوئی مومن نہیں جب تک میں اسے خود اس کی جان سے زیادہ عزیز نہ ہوں اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں سچا وہ ہے، جس پر محبت کی علامتیں ظاہر ہوں۔ ان علامتوں میں سے ایک یہ ہے کہ مخالفوں اور مبتدعوں سے دوری اختیار کرے۔“

شفا شریف میں ہے: ”ومنها بغض من ابغض الله ورسوله ومعاداة من عاداه ومحاربة من خالف سنته وابتدع في دينه۔“ (۲۲/۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ از شہر بریلی مرسلہ احمد حسن صاحب ۶ رمضان المبارک ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے بواسیر مسوں سے رطوبت ہر وقت

جاری رہتی ہے۔ تو اس صورت میں ایک وضو سے نماز عشا اور تراویح زید پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ در صورت دیہات میں نہ ہونے کسی شخص خواندہ کے، زید نماز جماعت سے فرض عشاء اور تراویح پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ بینواتو جردا۔

الجواب

جب بواسیری مسوں سے رطوبت جاری ہو یعنی نماز کا کوئی پورا وقت شروع سے ختم تک ایسا گذر گیا ہو کہ اس کو وضو کر کے فرض پڑھنے کی مہلت نہ ملی ہو اور جب سے اب تک پانچوں وقت نماز کے ہر وقت میں بلا ناغہ آ رہی ہو اگرچہ ہر وقت میں ایک ہی دفعہ آتی ہو تو جب تک یہ حالت باقی رہے، اسے حکم معذور کا ہے۔ وہ پانچوں وقت وضو تازہ کرے اور اس وضو سے وقت کے اندر واجب، سنت نفل، سب کچھ پڑھ سکتا ہے۔

کنز الدقائق مع البحر میں ہے: ”وتتوضا للمستحاضة ومن به سلسل البول او استطلاق بطن او انفلات ریح او رعاف دائم او جرح لا یرقاً لوقت کل فرض ویصلون به فرضاً (کان او واجبا) او نفلاً وهذا اذا لم یتمض علیہم وقت فرض الا وذلك الحدث یوجد فیہ (ولو مرة)“ وہ ایک وضو سے نماز عشا اور تراویح پڑھ سکتا ہے۔ مگر اس کی اقتداء طاہروں اور دوسرے عذر سے معذوروں کے لئے درست نہیں، فرائض میں نہ تراویح میں۔ تراویح وغیرہ نوافل ہیں۔

ہدایہ میں ہے: ”ولا یصلی الطاهر خلف من هو فی معنی المستحاضة اه کمن بد سلس البول واستطلاق البطن وانفلات الریح والجرح السائل والرعاف ویجوز له اقتداء ای معذور بمثله اذا اتحد عذرهما لا ان اختلف اه“

فتح، غنیۃ شرح منیہ میں ہے: ”لا یصح اقتداء الطاهر لصاحب العذر۔“ واللہ تعالیٰ اعلم۔



مسئلہ از کانپور مسجد رنگیان مرسلہ مولوی نثار احمد صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید مع اہل و عیال کانپور میں بہ نیت اقامت مقیم ہوا۔ عرصہ دراز کے بعد ایک شادی بھی کانپور میں کی اور مکان ذاتی بنایا اور حیثیت کے موافق کچھ معاش بھی ہے۔ تخمیناً ستائیس برس یا کچھ زیادہ مقیم رہا۔ اب ان کا انتقال ہو گیا۔ وقت اقامت کانپور کے ایک پسر مستمٰی بہ عمر و تخمیناً دو تین سال کا ہمراہ تھا۔ اب اس عمرو کی عمر ستائیس سے زیادہ ہے۔ زید نے اس مدت میں عمرو کا عقد لکھنو میں کرادیا تھا۔ عمرو صاحب اولاد بھی کانپور میں ہوا اور عمرو کانپور سے کوچ کا ارادہ بھی نہیں رکھتا تھا۔ اس قدر زمانہ کے بعد اتفاق سے دوسرے شہر میں نوکر ہو کر چلا گیا اور ارادہ ہے کہ کوچ کرے گا۔

اس صورت مسئلہ میں زید کا وطن اصلی کانپور ہوا یا نہیں؟ ہوا تو کیوں اور نہیں تو کیا وجہ؟ جب زید کا وطن اصلی بن جاوے تو عمرو پسر کا باوجود اس کیفیت کے کہ ارادہ کوچ نہیں اور اس قدر عمر بھی اس نے شہر میں گزاری ہو، وطن اصلی بنایا

نہیں اور کون سی علت نہیں کی۔ اور نہ ہونے کی بر تقدیر بن جانے کے دوسرے شہر کے نوکری باوجود کوچ کے ارادہ کے وطن اصلی کو باطل کرے گی یا نہیں؟ اور کیا علت؟ بینوا تو جروا۔

الجواب

جب زید مع اہل و عیال کانپور آ کر بہ نیت اقامت مقیم ہوا اور اپنا ذاتی مکان بنایا اور وہیں شادی بھی کر لی اور کہیں کوچ کا بھی ارادہ نہ کیا۔ یہاں تک کہ اس کا انتقال بھی ہو گیا۔ اسی طرح عمرو کہ وہاں ۲۴ سال سے زائد سے مقیم ہے، وہیں صاحب اولاد ہوا، کہیں کوچ کا ارادہ بھی نہ کیا، تو کانپور ضرور ان دونوں کا وطن اصلی ہے۔

بحر الرائق میں ہے: ”الوطن الاصلی هو وطن الانسان فی بلدته او بلدة اخرى اتحدھا دارا و توطن بها مع اہله و ولده و لیس من قصده الارتحال عنها بل التعیش بها۔“

تبیین الحقائق میں ہے: ”وہو (الوطن الاصلی) مولد الرجل او البلد الذی تاهل فیہا۔“

حاشیہ علامہ شلشی میں فتح القدیر سے ہے: ”ای و من قصد التعیش به لا الارتحال (۴۰۳/۱)۔“

جامع الرموز میں ہے: ”الوطن الاصلی ان یکون مولده و ماہله و منشأہ کما فی المحيط و عبرہ من

الاختیار علی الاولین لکونه ابعد من الخلاف۔“

در مختار میں ہے: ”الوطن الاصلی موطن ولادته او تاهله او توطنہ۔“

رد المحتار میں ہے: ”قوله: او تاهله ای تزوجه، قال فی شرح المنیة: ولو تزوج المسافر ببلد ولم

ینو الاقامة به فقیل لا یصیر مقیما و قیل یصیر مقیما و هو الاوجه۔ قوله ای توطنہ ای عزم علی القرار فیہ

وعدم الارتحال و ان لم يتاهل قلت فبالاولی اذا تاهل۔“

عمرو کا دوسری جگہ قیام کہ نہ اس کی مولد ہے، نہ وہاں اس نے شادی کی، نہ اسے اپنا وطن بنا لیا یعنی یہ عزم نہ کر لیا

کہ اب یہیں رہوں گا اور یہاں کی سکونت چھوڑوں گا۔ بلکہ وہاں کا قیام صرف عارضی، بر بنائے تعلق نوکری ہے۔ تو وہ جگہ

وطن اصلی نہ ہوئی، اگرچہ وہاں بضرورت معلومہ قیام زیادہ ہو، اگرچہ وہاں تا حاجت اقامت بعض یا کل اہل و عیال کو بھی

لے جائے کہ بہر حال یہ قیام ایک وجہ خالص سے ہے، نہ مستقل مستقر۔ تو یہ صرف وطن اقامت ہے۔

عالمگیریہ میں ہے: ”ووطن اقامته و هو البلد الذی ینو المسافر الاقامة فیہ خمسة عشر یوما او اکثر۔“

تبیین میں ہے: ”ووطن اقامته و هو الموضع الذی ینو المسافر ان یقیم فیہ خمسة عشر یوما فصاعدا۔“

حاشیہ شلشی میں ہے: ”ای علی نیتہ ان ینسافر بعد ذلک اه فتح۔“

وہ وطن اصلی کو باطل نہیں کر سکتا۔ تبیین الحقائق پھر عالمگیریہ میں ہے: ”ولا یبطل الوطن الاصلی بانشاء السفر

و بوطن الاقامة۔“

حطش میں ہے: ”نم یبطل الوطن الاصلی بوطن الاقامة۔“

عمر و جب کانپور آئے گا، بجز دخول مقیم ہو جائے گا اور اتمام واجب۔ جامع الرموز میں ہے: يبطل الاصلی (السفر) ای وطن السفر المسمى بوطن الإقامة والوطن المستعار الحادث ایضا فلو خرج الى الاول صار مقيما بمجرد دخول فيه۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمعہ کے دن خطبہ کے وقت جو اذان دی جاتی ہے وہ کہاں ہونی چاہئے اور زمانہ رسول اللہ میں وہ اذان کہاں ہوتی تھی، اندر مسجد کے یا باہر؟ بینواتو جروا۔ السائل سید محمد عمر غفرلہ از شہر پبلی بھیت محلہ احمد زئی۔

الجواب

اذان نبوی جمعہ کے دن خطبہ کے لئے خطیب کے منبر پر چڑھنے کے وقت مواجہہ خطیب میں اذان عثمانی کی طرح بیرون مسجد ہی ہونی چاہئے۔ یہی سنت نبوی و صدیقی و فاروقی ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

(۱) عمدة الرعاية فی حل شرح الوقایة مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی میں ہے: "قوله بین یدیه ای مستقبل الامام فی المسجد کان او خارجه والمسنون هو الثانی" یعنی لفظ بین یدیه کے معنی تو یہ ہیں کہ امام کے روبرو ہونا چاہئے مسجد میں یا بیرون مسجد۔ مگر مسنون وہی دوسری صورت ہے۔ یعنی اذان کا خارج مسجد ہونا۔

(۲) اسی میں ہے: "وبسند آخر عنه کان یوذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد وابی بکر و عمر" یعنی دوسری سند سے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مواجہہ میں جب جمعہ کے دن منبر پر تشریف فرما ہوتے، دروازہ مسجد پر اذان دی جاتی تھی۔ رواہ ابو داؤد

(۳) تعلیق المحجد حاشیہ مؤطا امام محمد (۴) میں ہے: "وعند الطبرانی (۵) کان یوذن بلال علی باب المسجد علی عهد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وابی بکر و عمر۔"

(۶) کشف الغمہ میں ہے: "وکان الاذان الاول علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اذا جلس الخطیب علی المنبر علی باب المسجد۔" مسجد میں اذان کہنا حسب تصریح فقہائے کرام مطلقاً ممنوع و مکروہ ہے۔

(۷) فتح القدیر میں ہے: "الاقامة فی المسجد ولا بد واما الاذان فعلى المئذنة فان لم تكن ففي فناء المسجد وقالوا یوذن فی المسجد" (فتح القدیر، باب الاذان: ۱/۲۱۵)

(۸) اسی میں ہے: "هو ذکر اللہ فی المسجد ای فی حدودہ لکراهة الاذان فی داخلہ۔"

(۹) غنیۃ المصلی شرح منیۃ المصلی میں ہے: "الاذان انما یکون فی المسجد والاقامة فی داخلہ۔"

(۱۰) فتاویٰ تاتارخانیہ (۱۱) مجمع البرکات، (۱۲) عالمگیریہ، (۱۳) قاضی خان، (۱۴) خلاصہ (۱۵)، خزائن

المفتیین، (۱۶) بحر الرائق میں ہے: ”ينبغي ان يؤذن على المئذنة او خارج المسجد ولا يؤذن في المسجد۔“
اذان مئذنه پر ہو یا بیرون مسجد کہی جائے۔ اور مسجد میں اذان نہ دی جائے۔

(۱۷) شرح مختصر وقایہ علامہ رجبندی میں ہے: ”وفيه اشعار بان لا يؤذن في المسجد۔“

(۱۸) طحاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں ہے: ”يكره ان يؤذن في المسجد كما في القهستانی“ (۱۹)
حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۰۷ (۲۰) النظم (۲۱) شرح طحاوی پھر (۲۲) شرح قدوری محمود
زابدی میں ہے: ولا يؤذن الا في فناء المسجد او على مئذنة۔

ان تمام تصریحات جلیلہ میں عموم و اطلاق صاف بتا رہا ہے کہ مطلقاً اذان چاہے جمعہ کی ہو یا پنجگانہ، مسجد میں
مطلقاً مکروہ ہے۔ ومن ادعى التخصيص فعليه ان ياتي بالتخصيص هذا ما عندى والله اعلم بالصواب۔

کتبہ عبدہ العاصی ظفر الدین البہاری

عفی عنہ بمحمد المصطفیٰ النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ مولانا محبوب علی خان رضوی احاطہ اکثر عبد السبحان خان محلہ کرنیل گنج کانپور۔ الاذینقعدہ ۱۳۶۸ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اذان خطبہ جمعہ مسجد یعنی موضع اعد للصلاة میں مکروہ نہیں ہے اور
حضور پر نور سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی فتویٰ میں کوئی عبارت ایسی نہیں لکھی، جس سے اذان خطبہ کا مسجد میں
ہونا مکروہ ثابت ہو۔ لہذا مسجد میں یہ اذان مکروہ نہیں ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ اذان خطبہ، اذان ہی نہیں ہے۔ اس کو تغلیباً اور بر
بنائے تقویٰ اذان کہہ دیا ہے۔ اور اذان خطبہ کا مقصود اعلام نہیں ہے۔ حکم شرعی۔ آگاہ فرمایا جائے؟ بینوا تو جروا۔

الـجـواب

زید کا یہ دعویٰ کہ اذان خطبہ جمعہ، مسجد یعنی موضع اعد للصلاة میں مکروہ نہیں، بالکل غلط، بے بنیاد و خلاف
عقل و نقل و تصریح علماء ہے۔ زید سے پوچھا جائے کہ اذان خطبہ اذان ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو مطلق ممانعت و کراہت اس کو
کیوں شامل نہیں؟ کیا زید دکھا سکتا ہے کہ یہ اذان، اذان نہیں؟ یا علماء نے اس کو مستثنیٰ فرمایا ہے؟ جب دو بات میں سے
ایک بھی نہیں، تو زید کا دعویٰ بالکل محض ہے۔ اور اگر بالفرض مان لیا جائے کہ یہ اذان نہیں، لازم آئے گا کہ حضور اقدس صلی
المولیٰ علیہ وسلم و حضرات شیخین کرام کے زمانہ مبارکہ میں نماز جمعہ بغیر اذان ہوا کرتی تھی۔ و هذا لا يقول به جاهل نیز یہ
کہنا کہ اعلیٰ حضرت نے فتوائے مبارکہ میں کوئی عبارت ایسی نہ لکھی جس سے اذان خطبہ کا مسجد میں ہونا مکروہ ثابت ہو، یہ
بھی بالکل غلط۔ اعلیٰ حضرت کی تحریر میں عبارت فتح القدر ملاحظہ ہو: فی المسجد ای فی حدودہ لکراہۃ الاذان فی
داخلہ یعنی جمعہ کا خطبہ مثل اذان مسجد میں ذکر الہی ہونے سے مراد حدود مسجد میں ہونا ہے۔ اس لئے کہ مسجد کے اندر اذان
مکروہ ہے۔ اس عبارت میں خود اذان خطبہ مسجد کے اندر مکروہ ہونے کا صاف افادہ ہے۔ جسے منکرین مخالفین کو بھی انکار

کرتے نہ بنی۔ اسی طرح غایۃ البیان شرح ہدایہ میں ہے۔ عمرو کا کہنا بھی بالکل لغو و مہمل ہے۔ اگر اذان خطبہ سرے سے اذان ہی نہیں، تو اس کا کیا جواب ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی المولیٰ علیہ وسلم و حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما کے زمانہ مبارک میں جمعہ کی نماز بے اذان ہوا کرتی تھی۔ یہ مسئلہ ایسا واضح ہے کہ عربی کی بڑی بڑی کتابوں کی شانِ عظیم ہے، فارسی کی چھوٹی کتابوں میں بھی مذکور ہے۔ زاد التقویٰ میں ہے: اذان ثانی و قنیکہ برائے خطبہ الخ

ترغیب الصلوة میں ہے: در عہد امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ بنا ہوا بانگ مکرر شد۔ اب کوئی عمر و صاحب سے پوچھے کہ جب اذان خطبہ، اذان ہی نہیں تو اذان ثانی، کے کیا معنی اور ”مکرر شد“ کا کیا مطلب ہے؟ اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب کرے اور ضد اور ہٹ دھرمی سے بچائے۔ آمین واللہ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ خطبہ پڑھنا سنت ہے یا فرض؟ اور سننا سامعین پر فرض ہے یا سنت؟ بعض لوگ نصف خطبہ کے بعد سنت پڑھا کرتے ہیں، یہ فعل کیسا ہے؟ بیواؤ تو جروا۔

الـجـواب

خطبہ تین طرح کے ہیں:

(۱) خطبہ جمعہ کہ فرض ہے۔ اس واسطے بے خطبہ نماز درست نہیں۔ کما ذکر عن الزہری قال بلغنا انه لا

جمعة الا بخطبة

شرح وقایہ میں ہے: ”و شرط لا دائھا المصر (الی ان قال) والخطبة۔“

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: ”الجمعة لا تجوز بدون الخطبة۔“

عالمگیریہ میں ہے: ”حتی لو صلوا بلا خطبة لم یجز۔“

(۲) خطبہ عیدین۔ اور وہ سنت ہے۔

در مختار میں ہے: ”تحب صلاتھما بشرائطھما سوئ الخطبة فانھا سنة۔“

ردالمحتار میں ہے: ”انھا فیھما سنة حتی لو لم یخطب اصلا صح و اساء لترك السنة۔“

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: ”و صلاة العید تجوز بدون الخطبة۔“

ہندیہ میں ہے: ”والخطبة بعد الصلاة و تجوز الصلاة بدونھا۔“

(۳) خطبہ نکاح اور وہ مستحب ہے اور اسماع اور انصاف سب میں فرض ہے۔

در مختار میں ہے: ”و کذا یجب الاستماع لسائر الخطب کخطبة نکاح و ختم و عید علی المعتمد

پھر نصف خطبہ کے بعد سنت پڑھنا، کس طرح درست ہو سکتا ہے؟

رسول علیہ السلام فرماتے ہیں: ”اذا قعد الامام علی المنبر فلا صلاة“ بلکہ پڑھنا گناہ و ممنوع ہے۔ عقبہ

بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی: ”قال الصلوۃ والامام بخطبه معصية“۔

اس لئے کہ خطبہ میں حکم اسماع اور انصاف ہے۔ فلا يشتغل بها لان الاشتغال بها يفوت عليه الاستماع هكذا في الهداية والدر المختار وغير ذلك من معتمدات الاسفار۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ بازار شفا خانہ ضلع منی تال مرسلہ محمد عبدالرحمن ٹھیکہ دار اربع الاول شریف ۱۳۲۳ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دیہات میں نماز جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟
میں اوتو جروا۔

الجواب

دیہات میں جمعہ جائز نہیں۔ ابو بکر بن ابی شیبہ اور عبدالرزاق اپنے مصنفات میں مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے راوی کہ فرماتے ہیں:

لا جمعة ولا تشریق ولا صلوة عید ولا اضحیٰ الا فی مصر جامع او مدینة عظیمہ

”نہیں ہوتی نماز جمعہ اور نہ تشریق نہ عیدین مگر مصر جامع یا بڑے شہر میں۔“

”صححة ابن حزم فی المحلی“ اور یہی مذہب ہے صحابہ سے، خاتم الخلفاء مولیٰ علی وحذیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین سے عطا اور حسن ابن ابی الحسن و ابراہیم نخعی و مجاہد و ابن سیرین اور ثوری و یحیون وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا کما فی الغنیۃ شرح المنیۃ۔

ملتقى البحر میں ہے: ”لا تصح الجمعة الا بستة شروط المصر او فناءه الخ كذا فی الكنز والاصلاح وتنوير الابصار ومراقى الفلاح وشرح الوقاية والسراجية“۔

”مبین میں ہے:“ حتی لا يجوز اداؤها فی المفاوز ولا فی القرى كذا فی مجمع الانهر والصغیری والبحر والغنیة والحلیة وملا مسکین۔“

خزانة المفتیین میں ہے: ”لا يجوز اقامتها الا بشرائط ستة منها المصر الجامع فلا يجوز اقامتها فی القرى ولا المفاوز البعيدة من الامصار۔“

یعنی ”جمعہ بغیر چھ شرطوں کے درست نہیں جس سے مصر جامع ہے۔ تو نہیں جائز ہے گاؤں میں اور نہ ان میدانوں میں جو مصر سے دور ہیں۔ اگر پڑھیں گے گناہگار ہوں گے۔“

”لانه اشتغال بما لا يصح ومع ذلك اما ترك الظهر وهو فرض او ترك جماعة وهي واجبة ثم الصلاة فرادى مع الاجتماع وعدم المانع شنيعة اخرى غير ترك الجماعة فان من صلى في بيته معتزلا عن الجماعة فقد ترك الجماعة وان صلوا فرادى حاضرين في المسجد في وقت واحد فقد تركوا الجماعة“

واتوا بهذه الشريعة زيادة عليه فيؤدي الى ثلث محظورات بل اربع بل خمس لان ما يصلونه لما لم يكن مفترضا عليهم كان نقلا واداء النفل بالجماعة والتداعي مكروه ثم هم يعتقدونها فريضة عليهم وليس كذلك قاله في "العطايا النبوية" وكذا افيد على هامش رد المحتار۔

فرض ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ لما فی رد المحتار عن الجواهر: "لو صلوا فی القرئ لزمتهم اداء الظہر۔" اور شہر کی تعریف یہ ہے کہ وہ آبادی جس میں متعدد کوچے ہوں، دائی بازار ہو اور وہ پرگنہ ہو جس کے متعلق دیہات گئے جاتے ہوں اور اس میں کوئی حاکم مقدمات رعایا فیصل کرنے پر مقرر ہو، جس کی حشمت و شوکت اس قابل ہو کہ مظلوم کا انصاف ظالم سے لے سکے۔

بحر الرائق میں ہے: "وفی حد المصر اقوال كثيرة اختاروا منها قولین، احدهما فی المختصر ثانيهما ما رووه لابی حنيفة انه بلدة كبيرة، فيها سكك واسواق ولها رساتيق وفيها وال يقدر على انصاف المظلم من الظالم بحشمة وعلمه او علم غيره والناس يرجعون اليه في الحوادث۔"

اور یہی ظاہر الروایۃ ہمارے ائمہ ثلاثہ رضی اللہ عنہم سے ہے کما فی الغنیة والحلیة والدر والہندیة والخانیة والخلصة والعناية وفتح الله المعین والسراجیة وحاشیة الدر لمولانا عبد الحکیم۔ اور وہ تعریف کہ مالا یسع اکبر مساجدہ اہلہ مصر ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے۔ اور جو کچھ ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے مرجوع عنہ اور متروک ہے۔ کما فی البحر اور فتویٰ جب مختلف ہو تو ظاہر الروایۃ پر عمل واجب، کما فی الدر۔ تو اس قول کا اختیار، ظاہر مذہب سے عدول اور اس کے ماخذ کا صریح خلاف ہے۔ بلکہ اس تعریف کے بموجب حریم محترمین جن کے مصر ہونے پر اتفاق ہے، جن میں زمانہ اقدس سے جمعہ قائم ہے، شہر ہونے سے خارج ہوئے جاتے ہیں۔ اور جس تعریف سے وہ دونوں شہر پاک مصریت سے خارج ہوں، غیر معتبر ہے۔ غنیۃ شرح منیۃ ص ۵۵۰ میں ہے: "الفصل فی ذلك ان مكة والمدينة مصران تقام بهما الجمع من زمنه صلى الله عليه وسلم فكل موضع كان مثل احدهما فهو مصر وكل تفسير لا يصدق على احدهما فهو غير معتبر حتى التعريف الذي اختاره جماعة من المتأخرين كصاحب المختار والوقاية وغيرهما وهو ما لو اجتمع اهلها في اكبر مساجده لا يسعهم فانه منقوض بهما، اذ مسجد كل منهما يسع اهلها وزیادة۔"

اسی لئے مجمع الانہر میں ہے: "اذ هذا الحد غير صحيح عند المحققين۔" بالجملہ دیہات میں نماز جمعہ جائز نہیں۔ اگر پڑھیں گے گناہگار ہوں گے، ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از را کباب ڈاک خانہ منکد و محلہ حسین باڑہ مرسلہ مولوی عبدالشکور صاحب ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ

مقتدائے زماں، پیشوائے اہل ایمان، جناب مولانا صاحب مدظلہ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

یہ فتویٰ مفتی قاضی لطف اللہ صاحب رامپوری کا، حضور کے پیش کرنا ہے۔ اگر صحیح ہو تو اس میں حضور کا مہر و دستخط چاہئے۔ ورنہ اس کی غلطی سے ہم لوگوں کو اطلاع فرمادیں والسلام۔

ما قولکم ایہا العلماء الکرام دریں مسئلہ کہ نماز جمعہ در دیہات جائز است یا نہ؟ واگر خواندہ شود شرائط صحت آن چیست؟ وبہ حالت در وجود ہمہ شرائط جمعہ ظہر احتیاطی خواند یا نہ؟ بینوا تو جروا۔

الجواب

منجملہ شروط صحت نماز، مصر بودہ ست۔ و در دیہات جمعہ نزد حنفیہ بحکم ایں روایت ہدایہ: "صلوٰۃ الجمعة لا تصح الا فی الجامع او مصلیٰ المصر ولا تحوز فی القری" ادا نمی شود۔ لیکن در تعریف مصر اختلاف است۔ فقہا متقدمین مصر آنرا گویند کہ حاکم وقاضی آنجا قدرت اجرائے احکام شرعیہ، حدود و قصاص داشتہ باشد۔ مگر چون تسلط کفار غالب شد و دین اسلام ضعیف گردیدہ تحقق شرط مذکور مفقود شد، یعنی با وجود حاکم، اسلام عنقا صفت شد و اگر جائے حاکم اسلام باقیست، قدرت اجرائے حد ندارد۔ و از فقہائے متاخرین فقط کثرت اسلام را اعتبار نموده، جائے را کہ وسیع تر مساجد آنجا گنجائش نمازیں مکلف نہ داشتہ، آنرا مصر بموجب روایت مفتی بہ قرار داده اند۔

چنانچہ در رد المحتار مذکور است: "وبیشترط لصحتها سبعة اشياء الاولى المصر وهو ما لا یسع اکبر مساجده اہلہ المکلفین بہا وعلیہ اکثر الفقہاء لظہور التوانی فی الاحکام وظاہر المذہب ان کل موضع لہ امیر وقاضی یقدر علی اقامة الحدود" (الدر المختار علی هامش رد المحتار ۱/۱۳۷)

علامہ شامی محشی در مختار در تائید روایات مذکور می آرد: "(لفولہ ما لا یسع الخ) هذا یصدق علی کثیر من القری (قولہ المکلفین بہا) احتراز عن اصحاب الاعذار مثل النساء والصبیان والمسافرین عن ط: القہستانی (قولہ وعلیہ فتویٰ اکثر الفقہاء الخ) وقال ابو شجاع هذا احسن ما قیل وفي الولوالجیة هو صحیح بحر وعلیہ منتهی الوقایہ و متن المختار و شرحہ و قدمہ فی متن الدر علی القول الاخر وظاہرہ ترجیحہ وایدہ صدر الشریعہ لفقولہ لظہور التوانی فی احکام الشرع سیما فی اقامة الحدود فی الامصار۔" (رد المحتار ۱/۱۳۷)

پس بر تحقیق مذکورہ بالا آنجا تعریف مصر صادقست۔ یعنی دہیکہ در اں چند مسجد باشند و اہل اسلام کہ نماز بر آنہا فرض است، این قدر کثیر باشند کہ در مسجد کلاں آنجا گنجائش متصور نہ باشد، آنرا حکم مصر است۔ و اگر در اں موضع از جانب حاکم اسلام، امام جمعہ مقرر نہ باشد، اہل اسلام ہر کہ امام خود مقرر کردہ باشند، پس او جمعہ ادا سازند۔ نماز جمعہ ادا خواہد شد، بحکم ایں روایت فتاویٰ عالمگیریہ: "بلاد علیہا ولایة کفار یجوز للمسلمین اقامة الجمعة ومصر القاضی بتراضی المسلمین اہ۔"

وبہ حالت شک در وجود شرائط جمعہ یعنی بودن مصر و حاکم اسلام یا نائب آن در صحت جمعہ شک آورده ظہر اقتضائی

روایت مشہور بخوف عدم اعتقاد عدم فرضیت جمعہ بہترست کہ عوام نخواستہ۔ وابل گر خواند در خانہ خود خفیہ خواند تا فساد اعتقاد بر آں نشود۔ و بحکم ایں روایت در مختار و فی البحر وقد افتیت مرارا بعدم صلوة الاربع بعدها بنیۃ اخر ظهر خوف اعتقاد عدم فرضیۃ الجمعة وهو الاحتیاط فی زماننا واما من لا یخاف علیہ مفسدۃ منها فالاولی ان یتکون فی بیتہ خفیۃ هذا ما القی فی الخاطر الفاطر محمد لطف اللہ غفر له۔

الجواب صحیح۔ فی الواقع نماز جمعہ نزدیک سادات کرام خفیہ حصہم اللہ تعالیٰ باللطف العام کے دیہات میں درست نہیں۔ اگر پڑھیں گے، گنہگار ہوں گے۔ ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا مگر تعریف مصر غیر ظاہر الروایۃ و غیر معتبر کو اختیار کرنا فقہیت سے از بس دور۔ حسب اقرار خود و تصریح علمائے کرام ظاہر الروایۃ، کل موضع له امیر وقاضی یقدر علی اقامة الحدود کما فی الہندیۃ والظہیریۃ والخانیۃ والعنابیۃ والبحر والدر المختار وغیرہا من معتمدات الاسفار، علمائے غیر ظاہر الروایۃ پر فتویٰ دینے کو جہالت و نادانی و خرق اجماع فرمایا ہے۔

بحر الرائق میں ہے: ”ما خرج عن ظاهر الروایۃ فهو مرفوع عنه۔“

در مختار میں ہے: ”ان الحکم والفتیۃ بالقول المرجوح جہل و خرق للاجماع اقول فکیف بالافتاء بالمرجوع عنه۔“

بلکہ علامہ شامی نے شرح عقود میں اور انفع الوسائل میں علامہ طرطوسی سے نقل کیا: ”المقلد لا یجوز له ان ینسخ حکم الا بما هو ظاهر الروایۃ اہ۔“ اس پر اکثر فقہاء کا فتویٰ ہونا اور ولوالجیہ میں صحیح کہنا اس تعریف کے اختیار کرنے کی مجہ نہیں ہو سکتی ہے، کہ تعریف کل موضع الخ پر بھی اکثر فقہاء کما فی العنابیۃ و علی هذا شارح منیہ نے اس کی بھی تصریح فرمائی۔ پس جبکہ تصحیح فتویٰ مختلف ہوئی تو ترجیح ظاہر الروایۃ کی ہوگی۔

بحر الرائق میں ہے: ”الفتویٰ اذا اختلف کان الترجیح لظاهر الروایۃ۔“

اسی میں ہے: ”اذا اختلف التصحیح وجب الفحص عن ظاهر الروایۃ والرجوع الیہا۔“ علی هذا توانی فی الاحکام کو وجہ اختیار اس روایت کی گردانا بھی بعد غور معلوم ہو سکتا ہے کہ کس درجہ ضعیف ہے کہ تعریف ظاہر الروایۃ میں ”یقدر علی اقامة الحدود“ ہے، نہ یقیم الحدود۔ بالجملہ وجہ اختیار اس تعریف کی کوئی نہیں۔ وجوہ مذکورہ یا مشترک یا مردود۔ اور وجہ ترک قوی (اولاً غیر ظاہر الروایۃ ہونا ثانیاً اس تعریف کی رو سے مکہ معظمہ و مدینہ منورہ، جہاں زمانہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جمعہ قائم ہے، کا مصریت سے خارج ہونا) موجود۔

غنیۃ میں ہے: ”والفصل فی ذلك ان مکة والمدینۃ مصران تقام بہما الجمعة من زمنہ علیہ السلام الی الیوم فکل موضع کان مثل احدهما فهو مصر و کل تفسیر لا یصدق علی احدهما فهو غیر معتبر حتی التعریف الذی اختاره جماعة المتأخرین کصاحب المختار والوقایۃ وغیرہما وهو مالو اجتمع اہلہ فی اکبر مساجدہ لا یسمعہم فانه منقوض بہما، اذ مسجد کل منهما یسع اہلہ و زیادۃ فلا

يعتبر هذا التعريف اهـ۔“ (غنية المستملی شرح منية المصلی ص ۵۵۰)
اور سبب اختیار موضع له امیر وقاضی الخ ظاہر و بین۔ ولہذا اسی کا اختیار انسب۔ واللہ تعالیٰ اعلم
بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از بنگالہ مرسلہ مولوی ولی اللہ بنگالی ۲ رجب ۱۳۲۳ھ متعلم مدرسہ عالیہ رامپور
چہ می فرمایند رازداران دین متین ودقیقہ شناسان شرع متین اندر یں مسئلہ کہ آخر الظہر باحتیاط الظہر بعد فرض
الجمعة بدیاریا مروج است، اصل آں چیست؟ وبادائے آں در ہر چہار رکعت بعد الفاتحہ سورت خواندہ شود یا نہ؟ بینوا
توجروا۔

الـجـواب

اللهم ارنا الحق حقا والباطل باطلا چوں جمعة مشروط بشرائط نزائمه ماسادات کرام خفيه عليهم
الرضوان من الملك العلام بود ووجود همه شروط در یں بلا دکل تامل اختلاف است۔ بدین وجه اکثر مشائخ بخارا بلکہ جمہور
ائمہ دین و علماء معتمدین بمقامیکہ در جواز صلاۃ جمعة شک افتد، بعد ادائے چہار رکعت سنت بعد جمعة بیت سنت وقت بایں نیت
کہ نماز یکہ وقت او یا قتم و هنوز او نکرده ام یا نماز جمعة متعدد جا خواندہ شود۔ (اگر چہ حسب مذہب مفتی بہ توارد جمعة مطلقاً جائز
ودرست است۔ کما اعتمد علیہ فی الكنز والوافی، والملتقی والكافی والطحطاوی، والہندیة والشامی،
والمحیط وجواهر الاخلاطی، وصححه مفتی الجن والانس نجم الدین والعلامہ الشرنبلالی فی
المراقی، قال فی شرح الوقایة ”وبہ یفتی“ وفی شرح المجمع والحاوی القدسی وجواهر الاخلاطی
وعلیہ الفتوی۔“ وفی فتح القدیر ”علی المفتی بہ“، وفی المحيط و تکملة الرازی ”وبہ ناخذ۔“
خواص را حکم چہار رکعت سنت بعد الجمعة بیت سنت وقت بایں نیت کہ آخرین ظہرے کہ وقت او یا قتم و هنوز ادا
نکرده ام۔

قال فی الحلۃ شرح المنیة ”وقد يقع الشک فی صحة الجمعة بسبب فقد بعض شروطها ومن
ذلك اذا تعددت فی المصر وهی واقعة اهل مرو فیفعل ما فعلوه“ قال المحسن ”لما ابتلى اهل مرو
باقامة الجمعة فی موضعین مع اختلاف العلماء فی جوازها امر ائمتهم باداء الاربع بعد الجمعة حقا
احتیاطا“

در فتاویٰ عالمگیریہ ست: ”ثم فی کل موضع وقع الشک فی جواز الجمعة لوقوع الشک فی المصر
او غیرہ واقام اہلہ الجمعة ینبغی ان یصلوا بعد الجمعة اربع رکعات وینووا بنہا الظہر حتی لو لم تقع
الجمعة موقعها ینخرج عن عہدة فرض الوقت بیقین۔“ کذا فی الصغیری والغنیة شرحی المنیة والكافی،

وفتح القدير والقنية والطحطاوى وحاشية المراقى والحاوى القدسى، والبحر الرائق ومجمع الانهر وشرح المجمع ونهر الفائق، والفتاوى الظهيرية والحجة وخزانة المفتیین ومختار الفتوى والسراجية وشرح الكنز لملا مسکین، والتاتارخانية، والفتاوى الصوفية، وجامع المضممرات، والدر المختار والفتاوى الرحمانية وخزانة الروایات، واختاره الامام محسن والتمرتاشى والعلامة ابن الشحنة والساقانى والمقدسى وابو السعود والقاضى بديع الدين وشيخ الاسلام وغيرهم من الائمة الكرام عليهم الرحمة والرضوان من الملك العلامة۔

اما عوام کہ بہ صحیح نیت قدرت ندانند یا بہ سبب ایس رکعات اربعہ جمعہ را فرض ندانند و آنہا قائل فرضیت صلاتین شوند، محکوم بایس حکم نیند۔ بلکہ اوشان را برویش اطلاع نشود کہ ایس نیت آکدواہم مفسدہ اشد و اعظم ست۔ در حق شان ہمیں بس ست کہ بر بعض روایات نماز اوشان ادا می شود۔ ولہذا در ”نور الشمعہ“ تصریح فرمود: ”نحن لانامر بذلك امثال هذه العوام بل ندل عليه الخواص ولو بالنسبة اليهم۔“

در مراقى الفلاح مذکور است: ”بفعل الاربع مفسدة اعتقاد الجهلة ان الجمعة ليست بفرض او تعدد المفروض في وقتها ولا يفتى بالاربع الا الخواص ويكون فعلهم اياها في منازلهم اہ۔“ ولہذا در طحطاوى فرمود: ”فالاولى ان تكون في بيته خفية خوفا من مفسدة فعلها اقول وهو اعتقاد الجهلة الخ وبمثله صرح غير واحد من الائمة۔“

و در ضم سورة اختلاف لکن احوط ضم در رکعات اربعہ ست۔ در بحر الرائق نوید: ”ثم اختلفوا في القراءة فقيل يقرأ الفاتحة والسورة في الاربع وقيل في الاولين كالظہر۔“

صاحب منحة الخالق فرماید: ”ويقرؤون في جميع ركعاتها۔“ در فتح اللہ المعین ست: ”واختلفوا في ضم السورة للفاتحة في الاربع او في الاولين فقط والاحتياط ان يقرأ هما في الاربع هكذا في العالمگیری عن فتاوى (اھو) ”ينبغي ان يقرأ الفاتحة والسورة في الاربع التي يصلي بعد الجمعة في ديارتنا كذا في التتارخانية“ اھ۔ اقول لکن الحق شو التفصیل اے شخصے کہ قضا ہائے ظہر برگردن ندارد، در رکعات اربعہ ضم نماز و گرنہ در اولین فقط۔

قال الحلبي: ”وينبغي ضمها في الكل ان لم يكن عليه قضاء فان وقعت فرضا فالسورة لا تضر وان وقعت نفلا فالضم واجب وان كان عليه قضاء لا يضم في الاخيرين لانها فرض البتة۔“ واللہ تعالی اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از ڈاکخانہ شاہی مرسلہ شاہزادہ علیخان صاحب ۱۲ رجب ۱۳۲۳ھ
جو شخص دیہات میں جمعہ نہ پڑھے اس کو معاف ہے کیا کوئی گرفت نہ ہوگی؟ بینوا تو جروا۔

الـجـواب

جمعہ نہ پڑھنے میں کوئی گرفت نہیں بلکہ پڑھنے میں ہے۔ جمعہ کے بدلے اور روز کی طرح نماز ظہر ادا کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ از قصبہ جادو ضلع مندسور، گوالیار مرسلہ مولوی عبدالملک ۳ ربیع الاول شریف ۱۳۲۳ھ

کیا حکم ہے شرع شریف کا موافق مذہب احناف کے اس مسئلہ میں کہ جادو ایک قصبہ ہے جہاں تین مسجدیں ایک محلہ میں قریب قریب آباد ہیں۔ جمعہ روز ہر مسجد والے اپنی اپنی مسجدوں میں مثل صلاۃ خمسہ نماز جمعہ ادا کرتے ہیں۔ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ اس طرح نماز صحیح نہیں۔ کیونکہ منجملہ اس کے شرائط کے حضور سلطان ہے اور وہ یہاں پر مفقود ہے۔ ایسے مقام پر مسلمانوں کو چاہئے کہ کسی شخص کو اپنا قاضی و سردار بنا کر اس کے پیچھے نماز جمعہ پڑھا کریں۔ دوسرے مولوی صاحب کہتے ہیں کہ جمعہ کی اقامت کے لئے سلطان یا اس کے نائب یا ماذون کا حاضر ہونا کچھ ضرور نہیں۔ اگر اس میں سے ایک بھی نہ ہو تو بھی جمعہ صحیح ہے۔ اور مسلمانوں کو قاضی بنانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا، یہ کچھ ضرور نہیں۔ اسی طرح اپنی اپنی مسجدوں میں جمعہ پڑھنا صحیح ہے۔ ایک جگہ جمع ہونے میں حرج ہے۔ امیدوار قول فیصل ہوں۔

الـجـواب

اگر جادو ایسا قصبہ ہے کہ اس میں متعدد کوچے، دائمی بازار رہتا ہے اس کے متعلق گاؤں گئے جاتے ہیں، اس میں کوئی حاکم مقامات رعایا فیصل کرنے پر بھی مقرر ہے، جواز روئے حشمت و شوکت کے اس قابل ہے کہ اس سے مظلوم کا انصاف ظالم سے ہو سکے، تو وہاں نماز جمعہ درست ہے۔ اور یہی ظاہر الروایۃ ہمارے ائمہ ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہے۔ کما فی النخایۃ والہدایۃ والدر والخلاصہ وغیرہا اور اگر یہ تعریف اس پر صادق نہیں تو وہاں نماز جمعہ جائز نہیں رہی۔ رہ گئی شرط سلطان تو اگر سلطان نہ ہو تو اس کا نائب یا ماذون و ماذون الماذون و ہلم جرا چاہئے۔ اور اگر ان سب میں کوئی نہ ہو تو بضرورت مسلمانوں کے اتفاق سے جسے چاہیں، امام بنالیں۔ اور اس کے پیچھے نماز پڑھیں۔

خزانة المفتیین میں ہے: "وان لم یکن ثمہ قاضی ولا خلیفۃ المبت فاجتمع العامة علی تقدیم رجل جاز لمکان

ضرورة۔ هکذا فی الصغیری والبحر والطحاوی والبزازیة والسراجیة والخلاصۃ والفتاویٰ لقاضیخان وغیرہا۔"

در مختار میں ہے: "واما مع عدمہم فیجوز للضرورة۔"

ردالمحتار میں ہے: "فی معراج الدراية عن المبسوط "البلاذ التي فی ابدی الکفار بلاد الاسلام لا

بلاد الحرب لانهم لم يظهروا فيها حکم الکفر بل القضاء والولاية مسلمون بطبعونهم عن ضرورة او

بدونها وکل مصرفیه وال من جهتهم يجوز له اقامة الجمعة والاعیاد۔"

اقول وليس حضور السلطان في الصلاة شرطا قطعاً والا لم يحز الا في موضع واحد من المملكة جميعاً بل المراد اذنه بالاقامة كما يدل عليه قول العلامة محمد علاء الدين الحصكفي صاحب الدر المختار او مأمورة باقامتها فالكل من القولين له وجه لكن الاظهر والابن هو الاول والا حسن ما حررنا - والله تعالى اعلم -

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ سید محمد ظہور احمد - پتھو شریف - ۶ صفر ۱۳۲۳ھ

دیہات میں نماز عیدین جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

دیہات میں نماز عید جائز نہیں۔ اگر پڑھیں گے گناہگار ہوں گے۔ کیونکہ شرائط اس کے سوا خطبہ کے، شرائط جمعہ ہیں۔ شرح وقایہ میں ہے: "وشرط لها شروط الجمعة وجوبا واداء الا الخطبة هكذا في الغنية والاصلاح -"

خلاصہ میں ہے: "ويشترط للعید ما يشترط للجمعة من المصرو والسلطان الخ هكذا في العالمگیرية وقاضی خان والخزانة ولفظها لها -"

اور جمعہ دیہات میں درست نہیں۔ شرح وقایہ میں ہے: "وشرط لادائها المصرو فناءه -"

عالمگیرہ میں ہے: "ومنها المصرو هكذا في الكافي كذا في الاصلاح والسراجية -"

غنیۃ میں فرمایا: "اما شروط الاداء فستة ايضا الشرط الاول المصرو او فناءه فلا يجوز في القرى عندنا هكذا في الصغیر -"

اور یہی مذہب صحابہ سے خاتم الخلفاء مولیٰ علی وحذیفہ رضی اللہ عنہما اور تابعین سے عطاء، حسن بن ابی الحسن، نخعی، مجاہد ابن سیرین، ثوری، بخون، ہے کما فی الغنیۃ۔

خزانۃ المفتیین میں ہے: "والجمعة لا يجوز اقامتها في الرساتق ولا المفاوز البعیده من الامصار -"

"جمعہ بغیر چھ شرطوں کے درست نہیں۔ جس میں سے ایک مصر ہے۔ تو جائز نہیں ہے گاؤں میں اور نہ ان میدانوں میں جو امصار سے دور ہیں۔"

ابوبکر بن ابی شیبہ اور عبدالرزاق اپنے مصنفات میں مولیٰ علی رضی اللہ عنہ سے راوی، فرماتے ہیں: "لا جمعة ولا تشريق ولا صلوة فطر والاضحی الا في مصر جامع او مدينة عظيمة -"

"نہیں ہوتی نماز جمعہ اور نہ تشریق اور نہ عیدین مگر مصر جامع یا بڑے شہر میں" صحیحہ ابن حزم فی المحلی۔

اور اسی پر عمل خیر القرون صحابہ کرام کا رہا کہ اس وقت بحمد اللہ کثرت سے بلاد فتح ہوئے لیکن بجز امصار کہیں نصب

منبر و اقامتہ جمعہ و عیدین کے ساتھ مشغول نہ ہوئے۔

در مختار میں ہے: "وفی القنیة صلوة العید فی القرئ تکره تحریمای لانہ اشتغال بما لا یصح لان

المصر شرطہ۔"

قنیہ میں ہے: عید کی نماز گاؤں میں مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ یہ ایسی چیز کے ساتھ اشتغال ہے جو درست نہیں۔ اس کے لئے مصر شرط ہے۔ وانتفاء الشرط یستلزم انتفاء المشروط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ شاہ سلامت اللہ مصنف "الشمس الطالع" از راپور ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ شاہجہاں پور کے رہنے والے دو شخص، ثقہ عادل، بمبئی سے آئے اور انہوں نے بیان کیا کہ ہم نے خود ۲۹ ذیقعدہ کو بمبئی میں چاند دیکھا تو بمبئی کے آئے ہوئے لوگوں کی شہادت پر شاہجہاں پور میں عید ۲۹ کے حساب سے ہوگی یا ۲۹ کے حساب سے نہ ہوگی؟۔ بنوا تو جروا۔

الجواب

فی الواقع موافق ظاہر الروایۃ (کہ اسی پر عمل واجب اور اس کا خلاف مرجوح و مرجوح عنہ ہوتا ہے جس پر افتاء جہل و خرق اجماع۔ کما فی الدر المختار) شاہجہاں پور میں ۲۹ کا چاند ثابت ہو کر چہار شنبہ کو عید اضحیٰ کرنی لازم ہے کہ نصاب شہادت کامل۔ ان کی شہادت واجب الاعتبار اور اختلاف مطالع کا موافق ظاہر الروایۃ اور مذہب مفتی بہ و تصریحات علماء، اصلاً اعتبار نہیں۔

عالمگیریہ میں ہے: "ولا عبرة باختلاف المطالع فی ظاہر الروایۃ کذا فی فتاویٰ قاضی خان و علیہ فتویٰ الفقیہ ابی الیث وبہ کان یفتی شمس الائمة الحلوانی، قالوا: رائی اهل مغرب هلال رمضان یجب الصوم علی اهل مشرق کذا فی الخلاصة۔"

اور ہلال عید الفطر کی طرح حکم ہلال عید اضحیٰ ہے۔ خزائن المفتیین میں خلاصہ سے ہے:

"وهلال ذی الحجة کالفطر وهو ظاہر المذهب۔" پس اسی پر عمل واجب۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ سید محمد ظہور احمد از سرکار یتھو شریف ۶ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز جنازہ میں جو کچھ امام کو پڑھنا چاہئے، وہ مقتدی کو بھی پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ بنوا تو جروا۔

الجواب

مقتدی بھی سب پڑھیں کہ نماز جنازہ صرف ذکر و دعا ہے، قراءت قرآن نہیں۔ اور مقتدی کو بھی صرف قراءت

قرآن عظیم ہی منع ہے، باقی دعا و اذکار میں وہ امام کے شریک ہیں، مثل امام سب کچھ پڑھیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”اذا صلیتہم علی المیت فاخلصوا الہ الدعاء۔“ جب تم کسی کے جنازہ کی نماز پڑھو تو خلوص کے ساتھ اس کے لئے دعا مانگو۔

فی العطایا النبویۃ: ”فی الرحمانیۃ فی الطحاوی یکبرون الافتتاح مع رفع الیدین ثم یقرؤن ثم یکبرون ویصلون علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم یکبرون ویستغفرون للمیت ثم یکبرون ویسلمون ولا یرفعون ایدیہم فی التکبیرات الثلاث ولا قراءۃ فیہا۔“

خزانۃ المفتیین میں ہے: ”فان کان المیت غیر بالغ فان الامام ومن خلفہ یقولون اللہم اجعلہ لنا فرطاً واجعلہ لنا اجرا و ذخراً واجعلہ لنا شافعاً و مشفعاً۔“ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ مسئلہ ذیل میں؟

ایک بستی کی مجموعی آبادی ۱۵۰ گھر کی ہے اور مسلمانوں کی آبادی تقریباً ۵۰ گھر کی ہے۔ مسلمانوں کی آبادی مسلسل ہے اور مسلمانوں کا محلہ اتر دکھن لانا ہے، شمالی کنارے سے جنوبی کنارے تک، محلہ کی لانبائی تقریباً چار سو قدم ہے۔ زمانہ قدیم سے ایک مسجد محلہ کے بالکل شمالی کنارے پر ہے، جس میں پنج وقتی اور جمعہ کی بھی نماز ہوتی ہے۔ محلہ چونکہ جنوبی کنارے پر زیادہ آباد ہے اور مسجد شمالی کنارے پر ہے۔ اس لئے بیشتر نمازی پنج وقتی نماز میں مسجد نہیں پہنچ سکتے ہیں۔ اس مسجد میں زیادہ تر لوگوں کے نہیں پہنچنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مسجد کا راستہ ایک کھار کے کنارے سے ہے، جو برسات کے چار مہینوں میں دس ہاتھ تک (لانبائی میں) دوفٹ پانی میں ڈوبا رہتا ہے اس لئے آمد و رفت میں سخت دقت ہوتی ہے۔

متذکرہ بالا مجبوریوں کی وجہ سے بستی کے لوگوں کی اور محلہ کے جنوبی کنارے پر رہنے والے لوگوں کی خواہش ہے کہ جنوبی کنارے پر ایک مسجد پنج وقتی نماز ادا کرنے کے لئے بنائیں (جولب سڑک و شاہراہ ہوگی)۔ اس لئے دریافت طلب ہے کہ ایسی صورت میں اس مسجد کی بنا درست ہوگی یا نہیں؟ مینوا تو جروا۔

المستفتی: عبدالغنی عفی عنہ۔ تاریخ بست و چہارم ماہ شوال المکرم ۱۳۶۱ھ

الجاب

صورت مسئلہ میں، جیسا کہ بیان سائل سے معلوم ہوا کہ جس جگہ اب مسجد ہے اور جہاں پر دوسری مسجد بنانی چاہتے ہیں، ان دونوں میں اس قدر بُعد اور دوری ہے کہ اس مسجد کی اذان اس مسجد تک نہیں جاتی۔ اور بستی کا نقشہ دیکھنے سے بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی آبادی اس خطہ زمین کے قریب ہے۔ جہاں لوگ مسجد بنانی چاہتے ہیں اور اس مسجد بنانے

سے ہرگز اس پہلی مسجد کو نقصان پہونچانا مقصود نہیں، نہ اس کا خیال ہے۔ بلکہ اس مسجد سے یہ فائدہ ہوگا کہ جو لوگ دور ہونے کی وجہ سے اس مسجد میں نہیں جاتے ہیں، اپنے گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں، اس مسجد کے بن جانے سے وہ لوگ بھی مسجد میں نماز پڑھنے کی وجہ سے ثواب پانے کے مستحق ہو جائیں گے۔ تو ایسی صورت میں اس مسجد کے بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ بنانے والے اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے۔

حدیث شریف میں ہے: ”من بنی للہ مسجدا بنی اللہ لہ بیتا فی الجنة۔“ ”جو شخص اللہ کے لئے مسجد بنائے یعنی مقصود اس سے خداوند عالم کی رضا مندی و خوشنودی ہو، نہ ریا و شہرت، تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ جنت میں گھر بنائے گا۔“

بلکہ جتنے لوگ اس میں چندہ دیں گے اور مسجد کے بنانے میں شریک ہوں گے، سب کے لئے یہی اجر ہے کہ خداوند عالم جنت میں ان کے لئے گھر بنائے گا۔

تفسیر روح البیان جلد ۲ ص ۵۸۲ میں ہے: ”واذا اشترك جماعة في عمارة مسجد فهل يحصل لكل منهم بيت في الجنة كما لو اعتق جماعة عبدا مشتركا بينهم فانهم يعتقون من النار ويجوزون لعقبة لقوله تعالى: ”مَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ، فَكُ رَقَبَةً“ وقد فسر النبي صلى الله عليه وسلم فك الرقبة بعق السعس والقياس الحاق المساجد بالعنق لان فيه ترغيبا وحملا للناس على انشاء المساجد وعمارتهما۔“

”یعنی اگر ایک جماعت کسی مسجد کی تعمیر کرنے میں شریک ہو تو کیا ہر ایک کے لئے جنت میں گھر ہوگا؟ جس طرح ایک جماعت اپنے مشترک غلام کو آزاد کرے تو وہ سب کے سب آتش دوزخ سے آزاد ہو جائیں گے اور ان سب لوگوں کو عقبہ کی جزاء دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہیں کیا معلوم کہ عقبہ کیا چیز ہے؟ غلام آزاد کرنا ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فك رقبة کی تفسیر بعض غلام آزاد کرنا، فرمایا ہے۔ اور قیاس یہ ہے کہ مسجد بنانے کو بھی غلام آزاد کرنے کے ساتھ ملحق کیا جائے۔ اس لئے کہ اس میں لوگوں کو ترغیب ہے، مسجد بنانے اور اس کی عمارت پر۔“

رہا قرآن شریف میں ایک مسجد قبا کے ہوتے ہوئے دوسری مسجد بنانے کا ذکر وعید کے ساتھ ”وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ۔“ (النوبة: ۱۰۷) میں اس وجہ سے ہے کہ ان منافقین نے دوسری مسجد اس لئے بنائی تھی کہ پہلی مسجد کو ضرر پہونچائیں۔ اس کا نشان ان کے اندرونی کفر و تقویت دینا، مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ اندازی، تشتت و تفرق پیدا کرنا تھا۔ تو جہاں یہ باتیں نہ ہوں گی، دوسری مسجد بنانا، ناجائز نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

محمد ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ سینئر مدرس مدرسہ اسلامیہ نسیم الہدیٰ، پٹنہ

جواب صحیح ہے مگر فاضل مجیب نے جو شرائط تحریر فرمائے ہیں، ان کی رعایت ضروری ہے۔ خصوصاً تشتت و تفرق پیدا کرنا کسی طرح لازم نہ آئے۔

محمد اصغر حسین عفی عنہ ۴/۲/۱۳۶۱ھ

سئلہ مولوی محمد رضوان از کانپور مسجد رنگیان ۱۵ صفر ۱۴۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ نے اپنے شوہر کو چھوڑ کر کسب ناجائز اور قدرے تجارت بھی کرتی ہے۔ یعنی سال میں ہزار پانسو کا مال خرید کر فروخت کرتی ہے اس درمیان میں دو چار مکان بھی اس نے خریدا اور وہ مال اس کے پاس کچھ کسب حرام سے پیدا ہوا تھا اور کچھ بطور حلال۔ لیکن یہ امر کہ کس قدر حلال اور کس قدر مال حرام ہے، کچھ معلوم نہیں۔ بعد چند دنوں کے اس مال کی وارث اس کی ماں یعنی ہندہ کی ماں نے اپنی رائے سے ایک مسجد کی تعمیر کیا۔ اب لوگ اس خیال سے کہ مسجد میں روپیہ ناجائز بھی لگا ہے، نماز پڑھنے سے گریز کرتے ہیں۔ لہذا عرض ہے کہ من کل الوجوہ اس سے آگاہی دی جائے کہ یوں ہی مسجد بنوانا مال مختلط سے بلا جریان ارث جائز ہے یا نہیں؟ مینواؤ تو جروا۔

الجواب

ایسی مسجد میں نماز صحیح ہونے میں تو کلام نہیں۔ اولاً لعدم الاختلال برکن او شرط۔

ثانیاً یہ مسجد مال مختلط سے بنی ہے، نہ خاص حرام سے۔ ایسے مقام پر ہمارے ائمہ ثلاثہ رضی اللہ عنہم تصریح فرماتے ہیں کہ حرام پر محمول نہ کریں گے جب تک تحقیق نہ ہو جائے کہ یہ شیء بعینہ حرام سے ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے فتاویٰ ظہریہ سے، کہا امام فقیہ ابواللیث نے، بعضوں نے فرمایا: "یحوز مالہ لم یعلم انہ یعطیہ من حرام قال محمد وہ ناخذ مالہ نعرف شیئاً حراماً بعینہ وهو قول ابی حنیفہ واصحابہ۔"

ثالثاً اگر بالفرض مال حرام ہی سے ہے اور مسجد تعمیر کی تو اگر زحر حرام دکھا کر بائع سے کہے کہ اس کے بدلے فلاں چیز دیدے پھر وہی روپیہ ثمن میں ادا کرے۔ اور اگر وہ روپیہ نہ دکھایا یا مطلقاً خریدا پھر ثمن میں زحر حرام دیا گیا، زحر حرام پر عقد کیا اور دیتے وقت مال حلال ادا کیا، تو یہ خریدی شیء حسب مذہب مفتی بہ امام کرخی کے حلال ہے۔

تنویر الابصار میں ہے: "تصدق لو تصرف فی المغصوب والودیعة وربح اذا كان متعیناً بالاشارة او بالشراء بدرہم الودیعة او الغصب ونقداً وان اشار الیہا ونقد غیرہا والی غیرہا او اطلق ونقداً لا وبہ یفتی۔"

درمختار میں ہے: "اكتسب حراماً واشترى به او بالدراهم المغصوبة شيئاً قال الكرخی ان نقد قبل البیع تصدق بالربح والا لا۔"

روا المختار ج ۴ ص ۲۴ پر ہے: "توضیح المسئلة ما فی التتارخانیة حیث قال رجل اکتسب مالاً من حرام ثم اشترى فہذا علی خمسة اوجہ اما ان دفع تلك الدراهم الی البائع او لا ثم اشترى منه بها او اشترى قبل الدفع بها او دفعها او اشترى قبل الدفع بها او دفع غیرہا او اشترى مطلقاً ودفع تلك الدراهم او اشترى بدرہم اخر ودفع تلك الدراهم قال ابو نصر بطیب لہ ولا یجب علیہ ان یتصدق الا فی الوجہ الاول والثانی لا یطیب وفی الثلاث الاخیرة یطیب وقال ابو بکر لا یطیب فی الكل لكن الفتوی الان علی قول الكرخی دفعا للخرج عن الناس اه وفی الوجہ الجبۃ وقال بعضهم لا یطیب فی الوجوہ کلہا وهو

المختار لکن الفتویٰ الآن علی قول الکرخی دفعا للخرج بکثرة الحرام اه۔“
 رابعاً کسب ناجائز سے جو کچھ ہندہ نے حاصل کیا تھا، جب مخلوط ہو کر وارث یعنی اس کی ماں کے پاس پہنچا اور اس کو اس مال کی کوئی تفصیل معلوم نہیں کہ کس کس سے لیا اور کتنا کتنا لیا، تو اس کے لئے یہ حلال ہے۔
 شامی میں ہے: ”وان کان مالا مختلطاً مجتمعاً من الحرام ولا یعلم اربابہ ولا شیئاً منه بعینہ حل لہ والاحسن دیانۃ التنزه عنه اه۔“

اسی کے باب الحظر والاباحۃ میں ہے: ”فی المجتبئ مات و کسبه حرام فالمراث حلال۔“ اور مال حلال سے جو مسجد بنائی گئی، وہ مسجد ہی ہوگی اور اس کو دیران اور خراب کرنا، اپنے دین کو دیران اور خراب کرنا ہے کہ اس مسجد میں صحت نماز میں شک نہیں۔ اور مال مخلوط سے جو مسجد بنائی جائے، وہ بھی مسجد ہے۔ لیکن بنانے والے کو اس کی اجازت نہ تھی کہ جب تک اس حرام سے میراث حاصل نہ کر لیتا مال مخلوط کو دوسرے کام میں صرف کرتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از سنجل ضلع مراد آباد مرسلہ محمد مدنی صاحب ۲ ربیع الآخر ۱۳۳۳ھ
 ہادی ورہما بعد سلام مسنون ملتئم ہوں کہ قصہ سنجل میں ایک مسجد کے نیچے دکان ہے۔ جس کے بابت علماء صاحبان فرماتے ہیں کہ اس کا کرایہ لینا منع ہے۔ اور اس وجہ سے اب وہ تہ خانہ یعنی دکان بند کرائی جا رہی ہے۔ جس کے باعث سے مسجد کے دوروپہ ماہوار کی آمدنی میں فرق آنے والا ہے۔ امر دریافت طلب ہے کہ یہ بات اگر جائز ہو تو معزز فرمائیں کہ اس کو کرایہ پر دیا جائے یا نہیں؟ اور اس کا دوروپہ مسجد کے صرف میں آنا چاہئے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الـجـواب

بلاشبہ مصارف مسجد کے لئے ایسی دکان کو کرایہ پر دینا، اس کا مسجد میں صرف کرنا، موافق مذہب ظاہر الروایۃ جائز و درست ہے، جبکہ تعمیر مسجد سے وہ دکان بنائی گئی ہو۔ جس کا مانع محض جاہل یا مجنون لا یعقل ہے۔ اس کے ثبوت میں تصریحات علماء بکثرت موجود، جس کے آگے مانعین کے اوہام بالکل مردود ہیں۔

بحر الرائق میں ہے: ”بخلاف ما اذا كان السرداب او العلو موقوفا لمصالح المسجد فانه يجوز له۔ اذا لا ملک فيه لاحد بل هو من تمیم مصالح المسجد فهو کسرداب بیت المقدس۔ هذا هو ظاهر المذهب کذا فی ملا مسکین شروح الكنز و حاشیۃ فتح اللہ المعین معزیا الی الفتح۔“

در مختار میں ہے: ”واذا جعل تحتہ سرداباً لمصالحه جاز کمسجد المقدس کذا فی حاشیۃ للطحطاوی ورد المختار للشامی۔“

مگر یہ ان ہی صورتوں میں ہے جبکہ تعمیر مسجد کے وقت دکان بنائی گئی ہو۔ اور اگر بعد تمامی مسجدیت پھر کسی نے بنالیا ہو تو درست نہیں۔ کما صرح به العلامة الشلبی لقوله: ”فان قبل لو جعل تحتہ حانوتا وجعله وقفا علی المسجد

قيل لا يستحب ذلك ولكنه لو جعل ذلك في الابتداء هكذا صار مسجدا وما تحته صار وقفا عليه ويجوز المسجد والوقت الذي تحته ولو انه بنى المسجد اولا ثم اراد ان يجعل تحته حانوتا للمسجد فهو مردود باطل "هكذا في الدير المختار ورد المختار من معتمدات الاسفار - والله تعالى اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ از شہر محلہ قراولان مسئلہ مولوی امین اللہ صاحب ۱۳ رجب المرجب ۱۳۲۳ھ
ما تو لکم رحمکم اللہ تعالیٰ اس بارے میں کہ مسجد میں خرچہ دینا کیسا ہے؟ اور دینے والے کی فضیلت اور جو کوئی دینے والے کو منع کرے تو کیا عقاب ہے؟ بیوا تو جروا۔

السبب جواب

مسجد میں خرچہ دینا یعنی اس کی تعمیرات میں فروش و حوض و حمام، و دیگر مصارف میں مثل روشنی وغیرہ کے صرف کا اتنا ثواب ہے جس کو شمار میں نہیں لا سکتے۔ اس کا ثواب بما لا عين رأت ولا اذن سمعت ولا خطر على قلب بشر ہے۔ جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی دل پر اس کا خطرہ گذرا۔

رب العزّة جل وعلا فرماتا ہے: "إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ" "خدا کی مسجدیں وہی تعمیر کرتے ہیں جو اللہ اور پچھلے دن پر یقین رکھتے ہوں۔"

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "ان مما يلحق المؤمن من عمله بعد مماته مسجدا بناه"۔ "بے شک مسلمان کے ان عملوں سے جن کا ثواب بعد موت بھی ملتا رہتا ہے، وہ مسجد ہے جس کی بنائیں اس نے شرکت کی"۔ اخرجہ ابن خزيمة وابن ماجة والبيهقي عن ابی هريرة رضي الله عنه۔

حضور اقدس نبی مکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "من بنى لله مسجدا بنى الله له بيتا في الجنة"۔ "جو شخص اللہ کے لئے مسجد بنائے اللہ اس کے بدلے جنت میں گھر بنائے گا"۔ وفي رواية ولو كمفحص قطاة اگرچہ قطا کے گھونسلے جیسی اور بعض روایت میں ہے موتی اور یا قوت سے۔ رواه احمد والبخاري ومسلم وابن ماجة وابن حبان وابو حنيفة وابن خزيمة والبخاري في المسند والطبراني في الصغير والترمذي وهو في الكبير وايضا في الاوسط وابن عدي عن سيدنا عثمان وعمر وجابر بن عبد الله وابي ذر وانس بن مالك وابي امامة وابي هريرة واسماء بنت سيدنا الصديق رضي الله عنهم اجمعين۔

پھر یہ ثواب صرف اسی پر نہیں کہ ساری مسجد خود بنائے یا مال کثیر سے شرکت کرے۔ بلکہ ہر شرکت والے کو، چاہے شرکت پیسوں سے ہو یا روپوں سے یا اشرافیوں سے، سب کو بے کم و کاست اتنا ہی ثواب ملے گا۔ لا ينقص من اجورهم من شئ۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہزار روپے والے کا سوا دس روپیہ والے کا ایک روپیہ اور دس آنہ کے مالک کا چار پیسہ، سب ایک حیثیت میں ہے۔ اور جو شخص اسے روکے، سخت گناہگار، آثم، فاسق، مرتکب گناہ کبیرہ، مستحق وعید، مناع الخیر ہے۔ اعادنا الله

منہ ومن سائر اہل الاسلام بصدقۃ نبیہ صاحب التاج والمقام علیہ الصلوٰۃ والسلام واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

چہ می فرمانید علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ:

اول: اینکہ مسجد کہنہ را بجائے دیگر نقل کردن جائز است۔

دوم: آنکہ زیارت قبور از قرآن مجید ثابت است یا از حدیث شریف؟

سوم: گزاردن نماز جنازہ بے نمازی جائز است یا نہ؟

چہارم: اگر شخصی بمیرد، در آں خانہ اندرون سہ روز اتخاذ ضیافت، خواہ دفن کنندگان باشد یا غیر او شاں جائز

است یا حرام؟

پنجم: زیارت قبور بے نمازی چہ حکم دارد؟

ششم: قربانی بقر کردن از قرآن مجید ثابت است یا از حدیث؟

الـجـواب

(۱) معا ذالہ من ذلک مسجد کہنہ را بجائے دیگر نقل ہرگز روا نیست کہ ایں ابطال غرض وقف است کہ اصلاروا

نیست۔ لا یجوز تغییر الوقف۔

صاحب فتح القدیر فرماید: ”الواجب ابقاء الوقف علی ما کان علیہ“ علمائے کرام فرمودہ اند کہ مسجد را

مدرسہ یا قبرستان و عکس نتواند کرد۔

در فتاویٰ عالمگیریہ از سراج الوہاج است: ”لا یجوز تغییر الوقف عن ہیأتہ فلا یحول الدار بستانا ولا

الخان حماما ولا الرباط دکانا۔“ پس چون تبدیل ہیئت جائز نیست، تغییر اصل مقصود چگونہ روا باشد۔ آرے اگر حول مسجد

ہمہ ویران شد و مسجد از آبادی دور افتادہ ماند و ہیچ کس در نمی آید، اگر نقل نہ کنند غاصبان وظالمان مال اورامی برند، ایں گاہ

بضرورت بر جواز نقل فتویٰ دادہ اند۔ کما فصلہ فی رد المحتار۔

(۲) رسول اللہ ﷺ فرمودند: ”كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزورو القبور۔“ الخمسة عن ابن

مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ و در قول اللہ عزوجل: ”وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى

قَبْرِهِ۔“ (التوبة: ۸۴) اشارہ است بزیارت قبور مسلمانان۔

(۳) نماز جنازہ بر ہر مسلم متقی باشد یا فاسق سوائے اربعہ مذکورین فی کتب الفقہ کہ در آن تارک الصلوٰۃ نیست فرض

است۔ صاحب در مختار فرماید: ”وحي فرض على كل مسلم مات خلا اربعة بغاة وقطاع طريق اذا قتلوا

في الحرب الخ۔“

(۴) رسم مذکور سخت قبیح و اتخاذ ضیافت مذکور گناہ و ناجائز است۔ امام محقق علی الاطلاق و در فتح القدیر و علامہ

حسن شربلای در مراقی الفلاح و امام بزازى در فتاوى وغيرهم من الاعلام در مصنفات خودش آورده اند و عبارت چنين است: "يكره اتخاذ الضيافة من الطعام من اهل الميت لانه شرع فى السرور لافى السرور وهى بدعة مستقبحة" - والله تعالى اعلم -

(۵) جائز است که رقت قلب و دموع چشم و ذکر از و هم حاصل است - لا جرم علامه تصریح فرمودند: "والزيارة بهذا المقصد يستوى فيها جميع القبور" -

(۶) از هر دو - قال الله تعالى: "وَالْبُذُنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ" الآية - (الحج: ۳۶)

خود حضور اقدس ﷺ از ازواج مطهرات بقره ذبح فرموده، صحابه کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم را امر فرموده اند - البخاری عن ام المؤمنين الصديقة رضى الله تعالى عنها قالت: "ضحى رسول الله ﷺ عن نسائه با لبقر" - شيخين و ابوداؤد از جابر بن عبد الله رضى الله تعالى عنهما راوى: "امرنا رسول الله ﷺ ان نشترك فى الابل والبقره كل سبعة منافيه بذاته" - والله تعالى اعلم -

☆☆☆☆☆

کتاب الزکوٰۃ ۳

مسئلہ از بارہ بنکی قصبہ ردولی مرسلہ محمد الطاف الرحمن ۵ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۳ھ
کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس ایک ہزار روپیہ تھا، جس کی تجارت کی۔ بعد
ایک سال کے دو سو روپیہ منافع ہوا۔ سال اول میں زکوٰۃ صرف دو سو روپیہ منافع پر لازم ہوگی یا صرف ایک ہزار اصل پر یا دونوں پر؟
بینوا تو جروا۔

الجواب

جس تاریخ سے وہ مالک نصاب ہوا، جب اس تاریخ پر سال گزرے گا، اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ تاریخ مذکور پر
دیکھنا یہ ہے کہ اس کے پاس اموال زکوٰۃ میں سے دین وغیرہ ضروریات سے فاضل، اس وقت کتنا مال ہے؟ خواہ نقد، خواہ
مال تجارت، خواہ دوسروں پر قرض۔ ان سب پر زکوٰۃ آنے کی صورت یہ ہے کہ مال تجارت جتنا اس وقت موجود ہو، بازار
کے بھاؤ سے اس کی قیمت لگائی جائے۔ جو نفع مال تجارت ہے، وہ اگر اس تاریخ سال، تمام نصاب سے پہلے مل گیا تو وہ بھی
حساب کیا جائے گا۔ اگر چہ تمامی سال سے ایک ہی گھڑی پیشتر ملا ہو۔ اور جو نفع اس تاریخ کے بعد ہوگا، وہ اس سال میں
محسوب نہ کیا جائے گا۔ سال آئندہ میں اس کا حساب لگایا جائے۔

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: "ومن كان له نصاب كاملا وفي اثناء الحول وجد مالا من جنسه، ضمه
الى ماله وزكاه ولو كان من غير جنسه من كل وجه كالغنم مع الابل فانه لا يضم هكذا في الجوهرة النيرة
فان استغفاه بعد حولان الحول فانه لا يضم ويستأنف له حول آخر بالاتفاق۔ هكذا في شرح الطحاوی۔"
والله تعالى اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مسئلہ واجد علی خاں بریلی محلہ سواگران ۲۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۴ھ

مولانا! السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

گھانس یعنی پولوں پر عشر واجب ہے یا نہیں؟ اور اس کے مصارف، مصارف زکوٰۃ ہیں یا کیا؟ بینوا تو جروا۔

الجواب

پولوں کا طریقہ جس طرح آپ کے گاؤں میں مروج ہے کہ اس کی احتیاط اور نگاہداشت ہوتی ہے، ضرور ان پر
عشر ہمارے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب ہے۔ علماء نے جو طب اور قصب کو مستثنیٰ فرمایا، اس سے مراد وہی
تہ کہ جس سے استغلال ارض مقصود نہ ہو۔ یہاں تک کہ عامہ کتب مذہب مثل بحر، بدائع ورد المختار و در مختار و خانہ و خزانہ

المفتیین وغیرہا، میں تصریح فرمایا:

واللفظ للاول "انما استثنیٰ الثلاثة لانه لا يقصد بها استغلال الارض غالبا حتى لو استغل بها ارضه وجب العشر اه۔" "یعنی صاحب کفر نے ان تین چیزوں کو اس لئے مستثنیٰ کیا کہ غالباً ان سے مقصود استغلال ارض نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ اگر کوئی مشغول کرے ان چیزوں کے ساتھ زمین کو، ان میں بھی عشر واجب ہوگا۔ اور مصارف اس کے مصارف زکوٰۃ ہیں۔ فتح القدیر، رد المحتار اور خانہ اور فوائد متفرقہ پھر خزانۃ المفتیین میں ہے: "و یصرف العشر الی من یصرف الیه الزکوٰۃ اه قال فی الجوہرۃ: مصرفه مصرف الزکوٰۃ۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از بنارس محلہ پتر کنڈہ مرسلہ مولوی سید حسن ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ

نانا، نانی، چچا کو زکوٰۃ دینا ولینا جائز ہے یا نہیں؟ بینواتو جروا۔

الـجـواب

نانا، نانی کو نہیں دے سکتا۔ چچا کو دینا جائز ہے بلکہ اس میں دو ہر ا ثواب ہے، صدقہ اور صلہ رحمی۔

خانیج ص ۱۲۸ میں ہے: "(ای لا یجوز دفع الزکوٰۃ) الی والدیہ واجدادہ وجداتہ وان علوا من قبل الالباء والامہات ویجوز الی سائر قرابتہ نحو الاخوة والاخوات والاعمام والعمات والاخوال والخالات اه۔" ہکذا فی کنز الدقائق و شرحیہ البحر وتبیین الحقائق۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از ملک کاٹھیاوار ضلع راجکوٹ، دھوراجی مرسلہ موسیٰ الان ۲ ربیع الاول ۱۳۲۴ھ

بخدمت فیض درجت، مجدد مائتہ حاضرہ، عالم اہلسنت، مولانا و بالفضل اولانا، کترین حاجی موسیٰ الان مقام دھوراجی بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے عرض رساں ہے کہ بندہ سے زکوٰۃ کے بارے میں جو کچھ کوشش ہوتی ہے، وہ خود بھی کرتا ہے اور دوسروں سے دلا کر حق الہیہ ادا کرتا ہے۔ اور اس دینے میں حضرات سادات کرام کو بھی بقول شامی و بحر الرائق و مراقی الفلاح شامل کرتا ہے۔ پر اب مولانا مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی مرحوم کے فتاویٰ جلد اول میں ایک فتویٰ دیکھنے میں آیا، جس میں صاف ممانعت حضرات سادات کو دینے کی لکھی ہے بلکہ شامی بحر الرائق اور مراقی الفلاح کے قول کو صاف نامعتبر لکھا ہے۔ لہذا میں متردد ہوں کہ حضرات سادات کرام کے لئے غیروں کے پاس میں جو کوشش کرتا ہوں تو محنت برباد اور گناہ لازم ہوتا ہے۔ اس لئے گزارش ہے کہ حضرات سادات کو زکوٰۃ دینے اور نہ دینے کا جواز یا عدم جواز موافق حکم شریعت غراء کے لکھ کر نا چیز کو اس مجمعہ سے نجات بخشیں اور عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں۔ بینواتو جروا۔

الـجـواب

بنی ہاشم کو زکوٰۃ و صدقات دینا زہار جائز نہیں۔ نہ انہیں لینا حلال۔ سیدنا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر حدیثیں

اس کے تحریم میں وارد آئیں۔ ہمارے ائمہ ثلاثہ بالاجماع بنی ہاشم پر تحریم صدقات فرماتے ہیں اور کافہ فقہاء علی الاطلاق اسی پر ماضی اور اجلہ محققین اہل شروح و فتاویٰ و ارباب تصحیح و فتویٰ مثل امام ابو بکر مرغینانی صاحب ہدایہ و امام فقیہ النفس قاضی خاں و امام طاہر صاحب خلاصہ و امام صاحب کافی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بے اشعار خلاف، امر جازم کہ مسئلہ میں کوئی روایت ضعیفہ مخالفہ کو بھی نہیں دیتی۔ قابل التفات سمجھنا تو درکنار اور جن بعض نے اس کا ذکر کیا تھا، ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ مذہب کے خلاف اور ظاہر الروایۃ سے جدا ہے۔ جس کے حاکی فقط نوح جامع ہیں۔

مجمع الانہر میں ہے: "لا تدفع الی ہاشم و هو ظاہر الروایۃ و روی ابو عصمۃ عن الامام انہ یحوز فی زمانہ الخ۔"

اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ جو کچھ ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے ہمارے ائمہ کا قول نہیں بلکہ مرجوع عنہ ہے اور مرجوع عنہ پر عمل ناجائز۔

امام خیر الدین الزمیلی عالم فلسطین اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں: "هذا هو المذهب الذي لا يعدل عنه الى غيره وما سواه روايات خارجة عن ظاهر الرواية وما خرج عن ظاهر الرواية فهو مرجوع عنه لما فرروه في الاصول من عدم امكان صدور قوانين مختلفين متساويين عن مجتهد والمرجوع عنه لم يبق قولاً له كما ذكره وحيث علم ان القول هو الذي تواردت عليه المتون فهو المعتمد المعمول به الخ۔"

رہا یہ کہ پھر اس زمانہ پر آشوب میں حضرات سادات کرام کی مواسات کیونکر ہو؟
اقول: بڑے مال والے اگر اپنی خاص جیب سے بطور نذر و ہدیہ ان حضرات کی خدمت نہ کریں، تو یہ ان کی بے سعادت ہی ہے۔ وہ وقت یاد کریں جب ان حضرات کے جدا مجد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ظاہری آنکھوں کو بھی ملجا و ماویٰ نہ ملے گا۔ کیا پسند نہیں آتا کہ وہ مال، جو انھیں کے صدقہ میں انھیں کی سرکار سے عطا ہوا، جسے عنقریب چھوڑ کر پھر ویسے ہی خالی ہاتھ زیر زمین جانے والے ہیں، ان کی خوشنودی کے لئے ان کے پاک مبارک بیٹوں پر اس کا ایک حصہ صرف کیا کریں۔ کہ اس سخت حاجت کے دن اس جو ادو کریم رؤف و رحیم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے بھاری انعاموں سے مشرف ہوں اور متوسط حال والے اگر مصارف مستحبہ کی وسعت نہیں دیکھتے تو بحمد اللہ تعالیٰ وہ تدبیر ممکن کہ زکوٰۃ کی زکوٰۃ ادا ہو اور خدمت سادات بھی بجا ہو۔ یعنی کسی مسلمان مصرف زکوٰۃ معتمد الیہ کو جو اس کی بات سے نہ پھرے، مال زکوٰۃ میں کچھ روپے بہ نیت زکوٰۃ دے کر مالک کر دے۔ پھر اس سے کہے کہ تم اپنی طرف سے فلاں سید کو نذر کر دو۔ تو قرض ادا ہو گیا اور خدمت سید کا کامل ثواب اسے اور فقیر دونوں کو ملا۔

ذخیرہ میں اور ہندیہ میں ہے: "اذا اراد ان یکفن من زکوٰۃ ماله لا یحوز والحیلة ان یتصدق بها علی فقیر من اهل المیت ثم ہو یکفن به فیکون له ثواب الصدقة و لاهل المیت ثواب التکفین و کذلک فی حمیع البر الخ۔"

مگر اس میں اتنی دقت ہے کہ اگر اس نے نہ مانا تو اس پر کوئی راہ جبر کی نہیں کہ آخروہ مالک مستقل ہو چکا۔ اسے اختیار ہے، چاہے دے یا نہ دے۔ لہذا فقیر غفر اللہ لہ کے نزدیک اس کا احسن طریقہ یہ ہے کہ مثلاً زکوٰۃ سے بیس روپیہ سید کو نذر یا مسجد میں صرف کیا جاتا ہے۔ کسی فقیر، عاقل، بالغ، مصرف زکوٰۃ کو کوئی کپڑا مثلاً ٹوپی یا سیر، سوا سیر غلہ دکھائے کہ ہم یہ تمہیں دیتے ہیں مگر مفت نہ دیں گے، بیس روپیہ کو بیچیں گے۔ یہ روپیہ تمہیں ہم اپنے پاس سے دیں گے کہ ہمارے مطالبہ میں واپس کر دو۔ اب بیع شرعی کر کے روپے بہ نیت زکوٰۃ اُسے دے۔ جب وہ قابض ہو جائے، اپنا مطالبہ شمن میں پہلے اول تو خود ہی لے اور وہ انکار نہ کرے گا۔ اور اگر کیا بھی تو یہ جبراً چھین لے کہ وہ اس قدر میں اس کا مدیون ہے۔ اور دائن جب اپنے دین کی جنس سے مال مدیون پائے تو بالاتفاق بے اس کی رضا مندی کے لے سکتا ہے۔ اب یہ روپیہ لے کر بطور خود سید یا بنائے مسجد میں صرف کر دے کہ یہ دونوں مرادیں حاصل ہیں۔

در مختار میں ہے: ”يعطى مديونه الفقير زكوة ماله ثم ياخذها من دينه ولو امتنع المديون مديده وَاخْذَهَا لَكُونَهُ ظَفَرٌ بِجَنَسِ حَقِّهِ اهـ۔“ من الزهر الباسم في حرمة الزكوة على بنی هاشم لعالم اهل السنة مجدد السادة الحاضرة سيدى احمد رضا خاں متع الله المسلمين بطول بقائه۔ والله تعالى اعلم۔



مسئلہ مرسلہ رحیم بخش خان بہادر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! بعد آداب و تسلیمات کے عرض خدمت اقدس ہے۔ جناب عالی! ایک شخص سید زادہ ہے اور وہ شخص قرض دار ہے۔ اور اس شخص کے معاش سے قرض ادا نہیں ہو سکتا ہے۔ اگر زکوٰۃ کے مال سے اس کا قرض ادا کر دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ ایک شخص کہتا ہے کہ جائز ہے اور ایک شخص کہتا ہے کہ ناجائز ہے۔ تو آپ کیا فرماتے ہیں؟ صحیح طور پر بدلیل لکھ کر روانہ فرمائیں۔ بینواتو جروا فقط۔

الجواب

زکوٰۃ اور اسی طرح تمام صدقات واجبہ، اوساخ الناس حضرات سادات کرام کو دینا ناجائز و حرام، نہ ان کے دیئے زکوٰۃ ادا ہو۔

فتح القدیر میں ہے: ”لا تدفع الی بنی ہاشم هذا ظاهر الروایۃ۔“

مجمع الانہر میں ہے: ”لا تدفع الی بنی ہاشم وهو ظاهر الروایۃ۔“

ربا یہ کہ پھر ایسی حالت میں حضرات سادات کرام کی مواسات کیونکر ہو؟ تو اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ کسی مسلمان، مصرف زکوٰۃ، معتمد علیہ کو جو اپنی بات سے نہ پھرے، مال زکوٰۃ سے کچھ روپیہ بہ نیت زکوٰۃ دے کر مالک کر دے۔ پھر اس سے کہے: تم اپنی طرف سے فلاں سید صاحب کو نذر کر دو، اس میں دونوں مقصود حاصل ہو جائیں گے کہ زکوٰۃ اس فقیر کو گئی اور یہ جو سید نے پایا، نذرانہ تھا۔ اس کا فرض ادا ہو گیا اور خدمت سید کا کامل ثواب اسے اور فقیر دونوں کو ملا۔

ذخیرہ و ہندیہ میں ہے: ”واذا اراد ان یکفن میتا من زکوٰۃ ماله لا يجوز والحيلة ان يتصدق بها علی فقير من اهل الميت ثمه و یکفن به، يكون له ثواب الصدقة و لاهل الميت ثواب التكفين و كذلك في جميع ابواب البر كعمارة المساجد و بناء القناطر، الحيلة ان يتصدق بمقدار زکوٰۃ علی فقير ثم یامرہ بالصرف الی هذه الوجوه فيكون للمتصدق ثواب الصدقة و للفقير ثواب بناء المسجد و القنطرة اه ملخصاً۔“

اقول و یظهر لی ان ثواب تلك القرب لهما جميعا لان من دل علی خیر کان کفاعله و التفصیل فی فتاویٰنا و اللہ تعالیٰ اعلم۔

صح الجواب فقیر احمد رضا قادری غفرلہ

☆☆☆☆☆

کتاب الصوم ۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ کیا روزہ ارکان اسلام میں شامل ہے؟ اور قرآن کریم میں ”فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ“ کی آیت میں ”شہد“ سے کیا مراد ہے؟۔ اہم کتابوں کے حوالے سے مزین کر کے جواب عنایت فرمائیں۔ بینواتو جروا۔

الجواب

بلاشبہ روزہ ماہ مبارک بھی اہم و اعظم فرائض اسلام سے ہے۔ جس کی فرضیت خود قرآن شریف میں مذکور اور احادیث صحیحہ ثابتہ سے مدلل ہے۔ قال تعالیٰ: ”شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ“۔ (البقرة: ۱۸۵) رمضان کا مہینہ وہ ہے (متبرک مہینہ) جس میں قرآن نازل کیا گیا لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے اور فیصلہ کی روشن باتیں، تو جو شخص پائے تم میں سے اس مہینہ کو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔ ”فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ“ کی تفسیر میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ چند اقوال جو اس وقت نظر تفسیر میں ہیں، قلمبند ہوتے ہیں۔

(۱) تفسیر بیضاوی، جلالین، مدارک، تفسیر خازن، ابن جریر طبری، تفسیر نیشاپوری، درمنثور، تفسیر واحدی، تفسیر حسینی، معالم التنزیل، تنویر المقیاس، روح المعانی، بحر المحیط، النہر، تفسیر کبیر، تفسیر کشاف، تفسیر ابن کثیر، فتح البیان قنوجی، میں ہے: واللفظ لاول ”فمن حضر فی الشهر ولم یکن مسافرا فلیصمه“ یعنی جو شخص رمضان کا مہینہ اپنے گھر میں پائے اور مسافر نہ ہو تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔

(۲) تفسیر بیضاوی، تفسیر حسینی، روح البیان، بحر المحیط میں ہے: واللفظ للبیضاوی ”فمن شهد منکم ہلال شہر فلیصمه“ یعنی جو شخص تم میں سے رمضان کا چاند پائے تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔

روح المعانی میں اتنا اور بڑھایا ”ونیقن بہ“ یعنی رمضان کا چاند پائے اور اسے یقین ہو تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔ بحر المحیط میں یہ معنی لکھ کر محاورہ کے اعتبار سے اس معنی کو ضعیف کہا کہ محاورہ شہدت الہلال نہیں کہتے بلکہ شہادت۔

اقول وهذا کما ترئی لانک تقول شہدت الہلال لما رایتہ وشہدت الہلال اعم منه کما صرح بہ فی نفسہ لقولہ وشہد من الشہود والترکیب بدل علی الحضور اما ذاتا او علما وقد قبل لکل منہما۔

(۳) تفسیر فتح الرحمن علامہ شیخ علی مہائمی میں ہے: ”(فمن شهد) ای علم (منکم الشہر) باستکمال شعبان او شاہد الہلال (فلیصمه)۔“ یعنی تم میں سے جس کو ماہ رمضان کا علم ہو شعبان کے دیکھنے سے تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔

(۳) تفسیر کبیر میں ہے: ”(فمن شهد) ای من شاهد الشهر بعقله ومعرفته (فليصمه) یعنی جو شخص ماہ رمضان کو حاضر جانے اپنی عقل سے، معرفت سے تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔ اگرچہ بظاہر متعدد اقوال معلوم ہوتے ہیں مگر سب ایک ہیں لہذا فیہ بمنزلہ قیود و احترازاۃ۔ خلاصہ یہ کہ جسے رمضان شریف کا علم ہو، خواہ چاند دیکھ کر یا ثقہ عادل کی گواہی سے، ورنہ شعبان کے تیس دن پورا کر کے اس پر فرض ہے کہ رمضان کا روزہ رکھے، جب کہ عاقل بالغ مکلف مقیم تندرست غیر معذور ہو۔ اس لئے کہ شہود کا معنی علم کے ہیں۔ کما صرح به المہائمی فی فتح الرحمان و اشار الیہ النووی فی ”روح المسائل فی الفروع“ لقوله شہود الشهر اما بالروية والسماع والخازن لقوله ”وقيل هو محمول علی العادة شہود الشهر ای روية الهلال ولذلك قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم صوموا الرویۃ وافطروا الرویۃ اخرجاه فی الشیخین ولا خلاف انه یصوم رمضان من رأى الهلال ومن استكمل شعبان وفصله الامام الرازی فی الکبیر کما هو دابہ حیث قال: ”اعلم ان قوله تعالى فمن شهد منكم الشهر فليصمه يستدعي بحثین۔ البحث الاول ان شہود الشهر بماذا یحصل؟ فنقول اما بالروية واما بالسماع فنقول اذا رأى انسان هلال رمضان فأما ان یكون منفردا بتلك الروية أو لا یكون؟ فان كان منفردا بها فأما ان یرد الامام شهادته أو لا یردها؟ فان تفرد بالروية ورد الامام شهادته لزمه ان یصوم لأن الله تعالى جعل فی حقه فوجب ان یجب علیہ الصوم واما ان انفرد بالروية وقبل الامام شهادته أو لم ینفرد بالروية فلا كلام فی وجوب الصوم واما السماع فنقول اذا شهد عد لان علی روية الهلال حکم به فی الصوم والفطر جميعا واذا شهد علی هلال رمضان یحکم به احتیاطا لا امر الصوم۔“ (التفسیر الکبیر ۲۵۶/۵)

ان دونوں اکابر مفسرین کی تصریح سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوئی کہ من شهد منکم الشهر کے معنی من علم کے ہیں۔ اور یہی مفہوم حدیث شریف ”صوموا الرویۃ وافطروا الرویۃ“ کا ہے۔ کما نص علیہ الخازن وبعد تصریحات العلماء فی کتب اللغة لسان العرب بین الروية النظر بالعين والقلب۔ اسی میں ہے: ”وروية القلب هو العلم“ تو حدیث شریف کا مطلب یہ ہوا کہ روزہ رکھو رمضان کا، خود چاند دیکھ کے یا دو عادل کی رویت پر بھروسہ کر کے یا شعبان کے تیس دن پورے کر لو کہ اس کے بعد کا دن ضرور رمضان ہی کا ہے۔ یونہی افطار کرو عید کا چاند دیکھ کر ورنہ دو عادل کی رویت پر بھروسہ کر کے ورنہ ماہ رمضان کا تیس دن پورا کر کے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

عید کا چاند

(رسالہ مبارکہ ”عید کا چاند“ کے آغاز میں مرتب قیس محمد خاں قادری رزاقی کے وہ مراسلات ہیں جو انہوں نے امیر جماعت اہل حدیث اور امیر شریعت پھلواری شریف کی خدمت میں چاند کی بابت ارسال کئے تھے۔ پھر ان پر

مفصل تنقیدی تبصرہ اور ماہنامہ نقیب کے ایڈیٹر کے مضمون کا علمی محاسبہ ہے۔ چونکہ یہ چیزیں زیر نظر کتاب سے غیر متعلق تھیں، اس لئے انہیں حذف کر دیا گیا۔ (۱۲ ساحل)۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین ان مسئلوں میں:

- (۱) روزہ رکھنا کب فرض ہوتا ہے اور کب روزہ کھولنا اور عید کرنا واجب ہوتا ہے؟
- (۲) چاند دیکھنے سے کیا مراد ہے؟ ہر مقام اور ہر شہر والوں کو خود ان کے دیکھنے پر حکم ہوگا یا ایک جگہ کی رویت سے دوسری جگہ روزہ رکھنے اور کھولنے کا حکم ہوگا اور کب؟
- (۳) اگر اس بارے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں تو ان قولوں میں کس پر فتویٰ ہے کس پر عمل کرنا چاہئے؟
- (۴) مشرق مغرب کا ایک حکم ہونا اس وقت تھا جب رسل و رسائل کے ذرائع محدود تھے۔ اب سارے کرہ زمین کی خبر چند منٹوں میں معلوم ہو جاتی ہے۔ ایسے وقت لندن کے افق پر چاند ہونے کو ہندوستان کے افق پر ماننا کیونکر ممکن ہے؟
- (۵) زمانے کی ایجادات ریڈیو، تار، ٹیلیفون، ٹرینک کال وغیرہ سے جب خبروں کی آسانیاں پیدا ہو چکی ہیں تو ان کو نہ ماننا اور لکیر کے فقیر بنے رہنا خود کو سو برس پیچھے دھکیل دینے کے مرادف ہے اور اس بارے میں عام علمائے ہندوستان کا کیا فتویٰ ہے؟

(۶) سننے میں آیا ہے ۱۹ اگست کو مراد آباد میں جمعیت العلماء نے متفقہ طور پر فتویٰ دیا ہے کہ ریڈیو کے ذریعہ ثبوت ہلال کی خبر دی جاسکتی ہے۔ اس فتوے کے متعلق جناب کی کیا رائے ہے؟

امید کہ ان سوالوں کے جوابات آیات و احادیث و کتب فقہیہ کے علاوہ حضرت امیر شریعت اول جناب مولانا سید شاہ بدر الدین صاحب سجادہ نشین پھلواری شریف قدس سرہ کی تحقیقات کی روشنی میں تحریر فرمایا جائے تو بہت بہتر ہو کہ خود غرضوں کے سوا صوبہ بہار کے علماء و عوام کسی کو ماننے میں نہ عار ہو اور نہ کسی کو ہمت انکار ہو۔ بینوا تو جروا۔

قیس محمد خاں قادری رزاقی عفی عنہ محلہ مغلوپورہ پٹنہ سٹی ۲۲ اگست ۱۹۵۱ء

الـجـواب

جواب سوال اول: قال الله تعالى: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ: ”رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اترالوگوں کے لئے ہدایت اور راہ نمائی اور فیصلہ کی روشن باتیں تو تم میں جو کوئی پائے یہ مہینہ ضرور اس کے روزے رکھے۔

من سے مراد عاقل بالغ تندرست مسلمان ہیں۔ شہد یا شہود سے ہے جس کے معنی ہیں حاضری یا حضر میں ہونا جو سفر کا مقابل ہے یعنی جو مسلمان عاقل بالغ اس مہینے رمضان میں مسافر نہ ہو بلکہ مقیم ہو تو اس پر روزے رکھنا

فرض ہیں۔ یا مشاہدہ سے بنا ہے یعنی تم میں سے جو کوئی ماہِ رمضان کا چاند مشاہدہ کر لے تو اس میں روزہ رکھے۔

تفسیر ابوسعود ہیں ہے: ”فمن شهد منكم الشهر اى حضر فيه ولم يكن مسافرا و قیل من شهد

منك هلال الشهر فليصمه“

تفسیر کبیر میں ہے: ”(المسئلة الثانية) شهداى حضر و الشهور الحضور ثم ههنا قولان احد هما ان

مفعول شهد محذوف لان المعنى فمن شهد منكم البلدا و بينه بمعنى لم يكن مسافرا و القول الثانى مفعول

شهد هو الشهر و التقدير من شاهد هذا الشهر بعقله و معرفته فليصمه“ تفسیر کبیر جلد (۲ ص ۱۸۴)۔

حدیث شریف میں ہے: ”اذا رايتم الهلال فصوموا و اذا رايتم فافطروا و ان غم عليكم

فعدوا ثلثين يوما“ ”جب دیکھو رمضان شریف کا چاند تو روزہ رکھو اور جب دیکھو شوال کا چاند تو افطار کرو اور اگر

چاند نظر نہ آئے تو گنتی تیس دن پوری کرو“۔ رواہ الامام احمد و البیهقی عن جابر رضی اللہ عنہ و رواہ

الامام احمد و مسلم و النسائی و ابن ماجه عن ابی هريره و رواہ النسائی و ابن ماجه عن ابن عباس

و رواہ ابو داؤد من حذیفة“۔

دوسری حدیث میں ہے: ”اذا جاء رمضان فصم ثلاثين الا ان ترى الهلال قبل ذلك“ ”جب

رمضان شریف کا مہینہ آئے تو تیس دن روزہ رکھو مگر یہ کہ تیس کے قبل عید کا چاند دیکھا جائے تو ۲۹ ہی دن روزہ رکھنا

ہوگا“۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر عن عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ۔

تیسری حدیث میں ہے: ”اذا رايتم الهلال فصوموا و اذا رايتم فافطروا فان غم عليكم و فعد

رواه رواه البخارى و مسلم و النسائی و ابن ماجه و فى رواية فان غم عليكم فعدوا ثلثين“۔ رواہ

الطبرانی فی الکبیر عن طلق بن علی رضی اللہ عنہ۔

اس مضمون کی حدیثیں اس قدر ہیں جو اہل علم سے مخفی نہیں، جن کا خلاصہ حکم یہ ہے کہ رمضان کا چاند دیکھ کر

روزہ رکھو اور عید کا چاند دیکھ کر روزہ افطار کرو اور اگر ۲۹ کو چاند نظر نہ آئے تو تیس دن پورے کرو۔ حضرت امیر شریعت

اول رحمہ اللہ استفتاءً رویت ہلال کے ص ۳ میں فرماتے ہیں: فمن شهد منكم الشهر فليصمه۔ تو جو کوئی تم میں

سے حاضر ہو یعنی پائے اس مہینہ کو تو چاہے کہ اس میں روزہ رکھے شہد کے معنی حضر کے ہیں۔ یہاں مقصود یہ ہے کہ جو

مسلمان اس مہینے کو پائے اس حال میں کہ مکلف بالشرع اور تندرست و مقیم ہو، اس پر اس مہینہ کا روزہ فرض ہے۔ بیمار

و مسافر کو اس کے بعد کی آیہ شریفہ میں قضا کرنے کی رخصت دی گئی ہے۔ مفسرین نے فمن شهد منكم الشهر

فليصمه کے کئی معنی کیے ہیں۔ از انجملہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: هو اهلاله بالدار اپنے گھر میں

مقیم ہو اور رمضان مبارک کا چاند دیکھے تو چاہئے کہ روزہ رکھے۔ یعنی ضرور ہے، فرض ہے کہ روزہ رکھے۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہے کہ شہود ماہ رمضان سے اہل اسلام پر روزہ فرض ہو جاتا ہے اور شہود رمضان سے غرض ماہ رمضان کو چاند دکھائی دینا ہے۔

پھر اسی استفتاء کے ص ۵ پر تحریر فرماتے ہیں اور اگر آسمان صاف ہونے کے ساتھ ۲۹ کو چاند نہ دیکھا گیا، وہاں کے آدمی نے چاند نہ پایا، وہ شعبان کا ۳۰ دن پورا کرنے کے بعد ماہ رمضان جانے اور روزہ رکھے پھر اگر ۲۹ شعبان کو ابر ہونے کے سبب سے چاند ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ نہ ہو سکے تو بھی شعبان کا ۳۰ دن پورا کرنا ہوگا۔ کیونکہ آیہ کریمہ کے موافق اس نے رمضان کا مہینہ ابھی پایا نہیں ہے۔ ہاں اگر قرب و جوار سے ۲۹ کے چاند ہونے خبر کی تحقیق ہو جائے، مسلمان چاند دیکھنے والے کی گواہی سے چاند ہونے کی تصدیق ہو جائے تو ۲۹ ہی کے حساب سے مہینہ لیا جائے گا اور روزہ بھی اسی حساب سے فرض ہوگا۔

پھر اسی استفتاء کے ص ۹ پر اس مسئلہ کو حدیث جامع ترمذی: ”صوم الرویتہ و افطر الرویتہ فان حالت دونکم غیابة فاکملوا ثلثین یوما“ ”چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور افطار کرو چاند دیکھ کر، اور اگر بدلی حائل ہو جائے (چاند دیکھنے سے) تو تیس دن مہینے کا پورا کرو“، سے مدلل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حکم یہ ہے کہ بدلی حائل ہونے کے سبب سے اگر ۲۹ شعبان کو چاند نہ ہو تو تیس دن پورا کر کے روزہ رکھو اور اگر عید کا چاند ۲۹ رمضان کو نظر نہ آئے تو تیس دن روزے کے پورے کرو، نہ یہ کہ دور کے شہر و ملک کی روایت کی خبر تا برقی منگاؤ اور اس برقی خبر پر ۲۹ دن کے بعد روزہ رکھ لو یا عید مناؤ اور روزہ کو رخصت کر دو۔

پھر بحوالہ علامہ عینی ابو عمر یعنی ابن عبد البر کا قول نقل کرتے ہیں: ”لابصح اعتقاد رمضان الا برویة فاشیہ او شہادة عادلة او اكمال شعبان ثلثین یوما و علیٰ مذهب جمهور فقهاء الا مصار بالبحاز والعراق والشام والمغرب“ ماہ رمضان ہونے کا اعتقاد صحیح نہیں مگر صاف ظاہر رویت ہلال سے یا عادل کی گواہی سے یا ماہ شعبان کا تیس دن پورا کرنے سے۔ اسی پر بلاد حجاز اور عراق اور شام اور ملک مغرب کے جمہور فقہاء کا مذہب ہے۔

پھر فرماتے ہیں: اور جمہور قد روا کے معنی کہتے ہیں اکملوا یعنی پورا کرو تیس دن۔ حدیث کا مفاد یہ ہے کہ ابتداءً ماہ میں روزہ کا واجب ہونا اور انتہائے صوم میں افطار کا واجب ہونا، دونوں ہی کا تعلق چاند ہو جانے سے ہے اور چاند کا ہونا اپنی جگہ یا قرب و جوار کی رویت پر ہے، نہ حساب نجوم پر، نہ اور شہروں سے برقی خبر منگانے پر۔

نیز امیر شریعت اول رحمہ اللہ اسی استفتاء کے ص ۱۳ پر فرماتے ہیں: ابر کی حالت میں تیس دن کا مہینہ پورا کر شعبان میں ہو یا رمضان، ہر ایک میں ہے۔ عقود الجواهر ”المنیفة فی رواية الامام ابی حنیفہ رحمہ اللہ

میں مرتضیٰ زبیدی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں: ”وفیه عن الحکم بتعلق بالروية ولا عبرة بقول الموقنین وان كانوا اعدولا في الصحيح وهو مذهب الجمهور الا من شذمن المتأخرين۔“ اس روایت میں حکم چاند دیکھنے کے متعلق ہے اور یقین سے بتانے والے کے قول کا اعتبار نہیں اگرچہ وہ عادل ہوں۔ صحیح اور جمہور کا مذہب یہی ہے کہ اگر چاند نکلنے کی جگہ آسمان میں ابر یا غبار کی وجہ سے رویت نہ ہو اور قرب و جوار سے رویت کی خبر آئے تو ماہ رمضان کے چاند کی تصدیق ایک مسلمان کی گواہی سے ہو جائے گی عادل ہو یا نہ لیکن فاسق نہ ہو اور ماہ شوال کی رویت کے لئے دو گواہ عادل کا ہونا چاہئے۔ غیر عادل یا ایک کی گواہی افطار کے لئے معتبر نہیں۔“

یہ چند اقتباسات استفتائے رویت ہلال کے بحوالہ صفحے لکھے گئے۔ اب حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ کے جواب استفتائے رویت ہلال کے چند اقتباسات تمام علمائے ہند خصوصاً حضرات صوبہ بہار کے لئے پیش کرنا مناسب جانتا ہوں جس سے مسئلہ روز روشن کی طرح واضح اور ابن ہو جائے۔ جواب ص ۵ پر لکھتے ہیں: درمنثر میں جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں: ”واخرج الحاكم وصححه والبيهقي في سننه عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: جعل الله الاهلة مواقيت للناس فصوموا الرويته وافطروا الرويته فان غم عليكم فعدوا ثلثين۔“ ”حاکم نے اس کو روایت کیا اور صحیح بتایا ہے اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا نے چاندوں کو لوگوں کے اوقات بتانے کو بنایا ہے تو روزہ رکھو اسے دیکھ کر اور افطار یعنی فطر یوم عید کرو اس کو دیکھ کر۔ پھر اگر وہ تم پر پوشیدہ ہو جائے تو تمیں دن رمضان کے شمار کر لو۔“

پھر ص ۱۰ پر فرماتے ہیں: قاضی ابوبکر بن عربی مالکی اپنی تفسیر احکام القرآن میں لکھتے ہیں: ”محمول علی العادة بمشاهدة الشهر وهي روية الهلال وكذلك قال صلى الله عليه وسلم: صوموا الرويته وافطروا الرويته۔“ یہ مہینہ دیکھنے کی عادت پر محمول ہے اور وہ چاند دیکھنا ہے۔ ایسا ہی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: روزہ رکھو چاند دیکھ کر اور افطار کرو (یعنی مہینہ تمام کرو) چاند دیکھ کر۔

پھر اس جواب کے ص ۱۲ پر تحریر فرماتے ہیں: رمضان مبارک کا چاند ہونے کے بعد روزہ کی ابتدا ہوتی ہے۔ اسی طرح رویت شوال پر روزہ کا تمام ہونا بھی ہے۔ تفسیرات احمد یہ میں ملا احمد لکھتے ہیں: ”وفیه اشارۃ الی ان الصوم والافطر يعتبر بروية الهلال وهو الذي عليه اسم الشهر سواء كان تسعة وعشرين او ثلاثين يوما كاملا۔“ ”اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ روزہ اور فطر کا اعتبار کیا جاتا ہے چاند دیکھنے پر اور اسی پر مہینے کا نام ہے، خواہ انتیس دن کا ہو یا پورے تیس دن۔“

پھر فرماتے ہیں: اور تفسیرات احمدیہ میں ملا احمد معروف بہ ملا جیون لکھتے ہیں: ”ای یرید اللہ ان تکملوا مدة رمضان من الهلال الى الهلال كاملة اذا كان خطا بالکل من خطا بالکل من عليه الصوم او تکملوا عدة قضاائه اذا كان خطا بالمسافر والمريض خاصة“۔ ”حضرت تعالیٰ چاہتے ہیں کہ رمضان کا شمار ایک چاند سے دوسرے چاند تک کامل پورا کرو، جب خطاب ان کی طرف سمجھا جائے کہ جن پر روزہ فرض ہے یا یہ معنی کہ قضا شدہ روزہ کو گن کر پورا کرو جب خطاب خاص کر مسافر یا بیمار کے لئے سمجھا جائے“ اور اسی قول کو علامہ عبدالعزیز کی تفسیر فتوحات ربانیہ اور ابو حبان اندلسی کی تفسیر بحر المحیط اور امام جلال الدین سیوطی کی تفسیر درمنثور کی عبارات سے اور تقویت پہونچائی۔

الحمد للہ کہ جواب سوال اول کا آیہ کریمہ تفسیر، حدیث کے علاوہ حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ کے استفتائے رویت ہلال و جواب استفتائے رویت ہلال کے اقتباسات سے جن کو حضور نے بیس کتابوں کی عبارات سے مبرہن و مدلل فرمایا ہے، مختصر اہدیہ ناظرین ہے۔ وہ سوال و جواب جس کو ذاتی رائے کہہ کر رد کیا جاتا ہے اور حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ کے فتویٰ کی پرواہ نہیں کی جاتی ہے۔ یہ وہ تحریر ہے جس سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ رمضان شریف کی ابتدا اور اسی طرح عید بھی چاند دیکھنے ہی سے ہوتی ہے اور ۲۹ شعبان کو چاند نہ ہو تو تیس دن پورے کر کے روزہ رکھنا فرض ہوگا اور اسی طرح اگر شوال کا چاند ۲۹ رمضان کو نہ ہو تو تیس دن پورے روزہ رکھ کر عید کرنی ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب سوال دوم: اس بارے میں علما کے تین قول ہیں:

پہلا قول: ہر شہر کی رویت اسی شہر والوں کے لئے ہوگی۔ دوسری جگہ والوں کے لئے اس کا حکم نہ ہوگا۔ یہ قول قاسم، سالم، عکرمہ، الخن وغیرہ کا ہے۔ یہی مذہب اہل حدیث کا ہے۔

امیر جماعت اہل حدیث مولانا حکیم سید عبدالنجیر صاحب اپنے فتویٰ منسلک جامعہ الاقوال فی رویۃ الهلال ص ۷۴ میں سوال ایک جگہ کے چاند دیکھنے سے دوسری جگہ کے لوگوں کے لئے روزہ، عید الفطر، عید اضحیٰ کا حکم ہوگا یا نہیں؟ کے جواب میں لکھتے: ہیں ایک جگہ کے لوگوں کے چاند دیکھنے سے دوسری جگہ کے لوگوں کے لئے اس چاند کا حکم نہیں چل سکتا: جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں حضرت کریم کے واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ملک شام سے مدینہ منورہ پہونچے اور انہوں نے شب جمعہ کے چاند دیکھنے کی خبر دی اور مدینہ والوں نے چاند شب شنبہ کو دیکھا تھا تو حضرت عبداللہ ابن عباس نے اس روایت کو مدینہ والوں کے لئے نہیں قبول کیا اور یہ کہا کہ ہم اپنی رویت کے حساب سے روزہ رکھیں گے اور یہ صرف اپنی ہی رائے نہیں بیان فرمائی بلکہ فرمایا ہکذا امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ استفتائے رویت ہلال ص ۷ پر حدیث مسلم شریف مذکور ترمذی شریف سے

نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: جامع ترمذی میں اس مضمون کا ایک باب ہی قائم کیا ہے باب ماجاء لكل بلد رویتهم پھر اس حدیث کو نقل اور ترجمہ کر کے شرح مسلم نووی سے اس کے فوائد و اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اس روایت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنا اجتہاد نہیں ہے کہ انہوں نے بتا دیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسا ہی کرنے کو حکم فرمایا ہے اور اس بنا پر اہل ملک شام کے چاند دیکھنے اور ان سب کے مع امیر کے روزہ رکھنے کی خبر سننے کے ساتھ امر نبوی ہی پر اپنا معمل رہنا ظاہر کیا۔

نیز جواب استفتاءے رویت ہلال ص ۳۳ پر محمد ابو الطیب سندی کی شرح جامع ترمذی سے نقل فرماتے ہیں: ”قوله هكذا امرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم يحتمل ان يكون معناه انه امرنا ان لا نقبل شهادة الواحد في حق الا فطار او انه امرنا بان نعتمد على رواية اهل بلدنا ولا يعتمد على رواية غير اهل بلدنا والمصنف حمله على المعنى الثاني فلذا استدل به“۔ ”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا کہنا کہ ہم کو ایسا ہی حکم دیا ہے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، احتمال رکھتا ہے اس کا معنی ہو کہ آپ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ایک شخص کی شہادت افطار کے بارے میں ہم قبول نہ کریں یا یہ کہ ہمیں آپ نے حکم دیا ہے کہ اپنے شہر والوں کی رویت پر ہم اعتماد کریں اور اپنے شہر کے سوا دوسرے شہر کی رویت پر اعتماد نہ کیا جائے۔ مصنف (امام ترمذی) نے اس کو معنی دوم پر حمل کیا اور اسی بنا پر اس حدیث سے استدلال کیا۔“

پھر ص ۳۹ پر ترمذی شریف کے دوسرے شارح سراج احمد رحمہ اللہ سے نقل فرماتے ہیں: ”ظاہرہ اعتبار اختلاف المطالع قال الخطابي ذهب الى ظاهره القاسم و سالم و عكرمة و هو مذهب اسحق و قاتران لكل قوم رویتهم انتھی“۔

”اس حدیث کا ظاہر اختلاف مطالع کا اعتبار کرنا ہے خطابی نے کہا کہ اس حدیث کے ظاہر کی طرف قاسم، سالم اور عکرمہ رحمہم اللہ گئے ہیں اور یہ مذہب اخلق کا ہے اور ان سب نے کہا کہ ہر قوم کے لئے ان کی رویت معتبر ہے۔ انتہی“۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ دوسری قریب جگہ کی رویت کا اعتبار کیا جائے گا، دور کی رویت معتبر نہ ہوگی۔ پھر قریب

اور دور کی حدوں میں اختلاف ہوا ہے۔ اس بارے میں عا کے پانچ قول ہیں:

(۱) جہاں تک نماز قصر نہیں کی جاتی ہے، وہ قریب ہے اور جہاں نماز قصر کی جاتی ہے وہ دور ہے۔

(۲) جہاں تک مطلع واحد ہو وہ قریب ہے اور جہاں تک مطلع دور ہو وہ دور ہے

(۳) جہاں تک اقلیم کا اتحاد ہو، وہ قریب ہے اور دوسری اقلیم دور ہے یعنی ایک اقلیم میں کسی جگہ چاند ہونے سے پورے

اقلیم میں روزہ رکھنا افطار کرنا فرض ہوگا۔ دوسری اقلیم میں یہ حکم نہ ہوگا۔

(۴) ایک مہینہ سے کم کی راہ ہو تو وہاں ایک حکم ہوگا اور مہینہ بھر سے زیادہ کی راہ ہو تو وہاں چاند ہونے سے دوسری جگہ نہ ہوگا اور مراد اس راہ سے پیدل چلنے کی راہ ہے، نہ موٹر، ریل گاڑی، ہوائی جہاز سے۔

(۵) ۲۴ فرسخ سے کم ہو تو ایک حکم ہوگا اور اس سے زائد فاصلہ ہو تو دور سمجھا جائے گا۔

حضرت امیر شریعت اول استفتار ویت ہلال ص ۶ پر تحریر فرماتے ہیں: ”ہاں اگر قرب و جوار سے ۲۹ کے چاند ہونے کی تحقیق ہو جائے، مسلمان چاند دیکھنے والے کی گواہی سے چاند ہونے کی تصدیق ہو جائے تو ۲۹ ہی کے حساب سے مہینہ لیا جائے گا اور روزہ بھی اسی حساب سے فرض ہوگا۔ کیونکہ یہاں ابر کے حائل ہونے کی وجہ سے چاند نظر نہ آیا اور قرب و جوار میں کسی جگہ مطلع سے ابر ہٹا ہونے کے سبب سے نظر آ گیا اور وہاں سے خبر تصدیق آ گئی تو یہاں کے لوگ بھی مہینہ پانے والے سمجھے جائیں گے اور روزہ رکھنا فرض ہوگا جب قرب و جوار کے دیکھنے کی تصدیق ہو گئی تو اگر ابر کا حجاب نہ ہوتا تو یہاں بھی دیکھا جاتا، اس کی تصریح کی حدیث شریعت سے ظاہر ہوتی ہے (اس جگہ حضور نے حدیث اعرابی مروی عن ابن عباس نقل کر کے ترجمہ کیا پھر فرمایا) اور منزلوں دور سے ۲۹ کے چاند کی خبر آئے تو اس پر اعتبار نہ ہوگا اس لئے کہ فمن شہد منکم سے مخاطب وہیں تک کے لوگ ہو سکتے ہیں جہاں تک کا مطلع ایک ہے، نہ یہ کہ جہاں بھر کے لوگ مطلع مختلف کے رہنے والے اختلاف مطلع کے اعتبار سے مسافت بعیدہ کی رویت ہلال پر عمل نہ کرنا، یہ بھی حدیث میں آ گیا ہے (اس جگہ حضور نے کریم والی حدیث ترمذی شریف سے نقل کر کے اس کا ترجمہ کیا پھر تحریر فرمایا) صحیح مسلم میں بھی ایسا ہی ہے اور امام نووی اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ رویت ہلال (ایک جگہ کی) سب لوگوں کے لئے عام نہیں ہوتی بلکہ ایسی مسافت قریبہ تک جہاں تک نماز قصر نہیں کی جاتی، خاص ہے۔ کہا گیا ہے کہ جہاں تک مطلع واحد ہو یا اقلیم کا اتفاق ہو، ان سب کو روزہ لازم ہوگا۔ نہیں تو نہیں۔

اسی میں طحاوی حاشیہ در مختار سے ہے ص ۱۶: ”واطلق المصنف فشمیل ما اذا كان بينهما تفاوت

بحیث مختلف المطلع اولاً و فصل بعض بالتفاوت وعدمه و حداً لتفاوت شهر فصاعداً اعتبار بقصة سليمان عليه الصلاة والسلام۔“ ”مصنف نے مطلق کہا تو دونوں کو شامل ہو گیا آپس میں تفاوت اختلاف مطلع کی حیثیت سے ہو یا نہ ہو اور بعض نے تفاوت وعدم تفاوت اختلاف مطلع میں فرق کیا ہے۔ تفاوت کی حد ایک مہینے کی مسافت اور اس سے زیادہ میں ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکایت کے اعتبار سے۔ شامی رحمہ اللہ بھی مثل طحاوی کے لکھنے کے بعد مسافت زمین کے متعلق دوسرا قول تاج تبریزی کا لکھتے ہیں کہ ۲۴ فرسخ سے کم میں اختلاف ف مطلع نہیں ہو سکتا پھر جواب استفتاء رویت ہلال ص ۲۳ فرمایا آئیہ شریفہ فمن شہد منکم الشهر سے قریب کی رویت پر اعتبار کرنا اور بعید کی رویت کو نا معتبر جاننا۔ جیسا کہ میں نے لکھا ہے، اس آئیہ شریفہ کی تفسیر میں قاضی ابوبکر

بن عربی مالکی نے بھی تفسیر احکام القرآن میں لکھا ہے: ”السابعة اذا اخبر مخبر عن روية بلد فلا يخلو ان يقرب او يبعد فان قرب فالحكم واحد وان بعد فقد قال قوم لاهل كل بلد ورويتهم وقيل يلزمهم ذلك“۔ (اس آیت کے متعلق) ساتھ اس مسئلہ کو جب کوئی منجر کسی شہر کی رویت ہلال سے خبر دے تو دو حال سے خالی نہیں یا وہ شہر قریب ہوگا یا دور۔ اگر قریب ہے تو ایک ہی حکم ہے یعنی چاند ہونا تسلیم ہوگا اور اگر دور ہے تو قوم نے کہا کہ ہر شہر والوں کے لئے ان کی رویت معتبر ہے۔ بعض کا قول ہے کہ چاند کو مان لینا ان کو ضرور ہوگا۔“

پھر جواب استفتاء رویت ہلال کے ص ۴ پر شرح ترمذی سے نقل فرمایا: ”قال القرطبي قال شيوخنا يعني المالكية اذا كانت روية الهلال ظاهرة بموضع ثم نقل الى غيرهم بشهادة اثنين لهم الصوم انتهى قال الخطابي وبه قال اكثر الفقهاء واليه ذهب الشافعي واحمد ولكن المذکور في كتب الشافعية ان ذلك فيما تقاربت البلاد وقال الحافظ وان تباعدت فلا يجب عندا اكثرهم ووجه ابو الطيب وحكاية البغوي عن الشافعي لكنه قال ابن عبد البر اجمعوا على انه لا تراعى الروية فيما بعد عن البلاد كخراسان والاندلس انتهى“۔ ”قرطبی نے کہا ہمارے شیوخ مالکیہ نے کہا ہے کہ جب رویت ہلال کسی ایک جگہ ظاہر ہو جائے پھر (وہ خبر) دو شخص کی گواہی سے دوسروں کی طرف منتقل ہو تو ان پر روزہ واجب ہے انتہی۔ خطابی نے کہا کہ اکثر فقہانے یہی کہا ہے اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ اسی طرف گئے ہیں انتہی۔ لیکن شافعیہ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ ایک شہر دوسرے سے قریب ہوں اور حافظ ابن حجر نے کہا کہ اگر دوسرے دور ہوں تو اکثر شافعیہ کے نزدیک واجب نہ ہوگا۔ ابو الطیب نے واجب کیا اور بغوی نے امام شافعی رحمہ اللہ سے اس کو حکایت کیا ہے لیکن ابن عبد البر نے کہا کہ مالکیوں اجماع کیا ہے کہ دور کے شہروں میں رویت کی رعایت نہ کی جائے گی جیسے خراسان اور اندلس۔ انتہی“۔

تیسرا قول: جو خفیہ کا ظاہر المذہب ہے، یہ ہے کہ کسی ایک جگہ چاند دکھائی دینے سے سب جگہ کے لوگوں پر روزہ رکھنا اور روزہ کھولنا فرض ہو جاتا ہے مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس جگہ چاند دیکھے جانے کا علم دوسری جگہ والوں کو بطریق موجب شرعی ہو جائے اور اگر بطریق موجب اس کا علم نہ ہوا بلکہ تار، ٹیلیفون، ریڈیو، اخبار یا حکایت یا اور کسی وادی تباہی ذریعہ سے اس کی اطلاع پہونچی تو اس کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔ اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ دوسری جگہ کے لوگوں کو ۳ شعبان پورے کر کے روزہ رکھنا اور ۳۰ رمضان پورے کر کے عید کرنے کا حکم شرعی ہوگا۔

حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ استفتاء رویت ہلال ص ۴ پر تحریر فرماتے ہیں: مسافت بعیدہ کی رویت ہلال کی نسبت درمختار میں ہے: ”واختلاف المطالع وروية نه اقبل الزوال وبعده غير معتبر على“

ظاہر المذہب وعلیہ اکثر المشائخ وعلیہ الفتوی بحر عن الخلاصة فیلزم اهل المشرق برویة اهل المغرب اذ اثبت عندهم روية اولئك بطريق موجب كما مر قال الزيلعي الاشبه ان يعتبر لکن قال الکمال الاخذ بظاهر الرواية احوط۔“ اور مطالع کا اختلاف اور دن کو چاند دیکھنا وال کے پہلے اور بعد اس کے، سب نامعتبر ہے۔ ظاہر مذہب پر اور اکثر فقہاء اسی بات پر ہیں اور اسی پر فتویٰ ہے۔ یہ خلاصہ سے بحر میں لکھا ہے تو مشرق کے لوگوں کو لازم ہوگا (روزہ یا افطار) مغرب والوں کے چاند دیکھنے سے جب اہل مشرق پر اہل مغرب کا چاند دیکھنا شرعی شہادت سے ثابت ہو جائے جیسا کہ گزرا۔ زیلعی نے کہا کہ اشبه یہ ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار کیا جائے لیکن کمال نے کہا کہ ظاہر روایت پر عمل کرنا زیادہ احتیاط کی بات ہے۔“

پھر ص ۸ پر علامہ شامی کی روایت مختار سے دونوں قول (اختلاف وعدم اعتبار) ذکر کے نقل فرمایا: ”و ظاہر الرواية الثانی وهو المعتمد عند المالک والحنابلة لتعلق الخطاب عاما بمطلق الرویة فی حدیث صوم و الرویة بخلاف اوقات الصلاة۔“ اور ظاہر روایت نے ثانی کو لیا ہے (یعنی مطالع کا اعتبار کیا جائے گا ہمارے نزدیک یہی معتمد ہے اور مالکیوں اور حنبلیوں کے نزدیک بھی حدیث صوم و الرویة میں رویت مطلق کے ساتھ خطاب عام ہونے کے سبب بخلاف نماز کے اوقات کے۔“

پھر جواب استفتاءے رویت ہلال ص ۲۹ پر امام نووی شارح صحیح مسلم سے حدیث کرب کی شرح میں شوافع کا مسلک اختلاف مطالع کے معتبر ہونے کو بیان کر کے فرماتے ہیں: ”وقال بعض اصحابنا نعم الرویة فی موضع جمیع اهل الارض۔“ اور لوگوں نے ہمارے کہا ہے کہ ایک مقام کی رویت عام ہوگی، کل زمین والوں کو یعنی عدم اعتبار اختلاف مطالع ظاہر المذہب حنفیوں اور مالکیوں اور حنبلیوں کا ہے اور شوافع کا مسلک اعتبار اختلاف مطالع ہے مگر یہ مسلک تمام شوافع کا نہیں ہے بلکہ بعض کا ہے اور بعضوں کا مذہب ائمہ ثلاثہ کے مطابق یہ ہے کہ ایک مقام کی رویت ہلال عام ہوگی کل زمین والوں کو۔“

پھر جواب استفتاءے رویت ہلال کے ص ۳۴ پر ابوالطیب سندی کی شرح ترمذی سے نقل فرماتے ہیں: ”و ظاہر الرواية فی مذهبنا انه یثبت برویة اهل بلده علی اهل بلد اخر لعموم الخطاب فی قوله صوموا معلنا بمطلق الرویة فی قوله لرویة قوم یصدق اسم الرویة فیثبت ما یعلق به من عموم الحکم فیعم الوجوب۔“ اور ہمارے مذہب کی ظاہر روایت یہ ہے کہ کسی ایک شہر والوں کی رویت دوسرے شہر والوں پر ثابت ہو جائے گی صوموا میں عموم خطاب کے باعث لرویة میں اعلان مطلق رویت کے سبب ہے اور ایک قوم کی رویت سے رویت کا نام صادق ہو جاتا ہے تو جو کچھ اس کے متعلق ہوگا، عام حکم ہونے سے وہ بھی

ثابت ہو جائے گا اور وجوب عام ہو جائے گا۔“

اسی جواب استفتاءے رویت ہلال کے ص ۴۱ پر ترمذی شریف کے دوسرے شارح سراج احمد رحمۃ اللہ سے نقل فرماتے ہیں: ”وظاهر المذهب عن ابی حنیفۃ انه اذا ثبت فی مصر لزوم سائر الناس فیلزم اهل المشرق برویة اهل المغرب و انما یلزمهم اذا ثبت عندهم رویة اولئک بطریق موجب۔“ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ جب کسی ایک شہر میں رویت ثابت ہو جائے تو سب لوگوں پر لازم ہو جائے گی تو اہل مشرق کی رویت اہل مغرب کو لازم ہوگی اور اس وقت لازم ہوگی جبکہ اول کی رویت ان کے نزدیک بطریق موجب ثابت ہو جائے۔“

پھر اسی جواب استفتاءے رویت ہلال کے ص ۴۲ پر تحریر فرماتے ہیں: حنفیہ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ ایک جگہ کی رویت تمام اقالیم کے واسطے کافی ہے بشرطیکہ ثبوت اس کا بطریق موجب ہو جائے اور طریق موجب کی شرح یہ ہے: ”کان یتحمل اثنان الشهادة او یشهدا علی حکم القاضی او یستفیض الخبر بخلاف ما ذا الحیران اهل بلده، کذا راءه لانه حکایة حلبی۔“ ”دو شخص خود چاند دیکھنے کی گواہی دیں یا (رویت کی تصدیق پر) قاضی کے حکم دینے کی دو شخص گواہی دیں یا متواتر خبر آئے بخلاف اس کے کہ دو شخص خبر دیں کہ فلاں شہر کے لوگوں نے چاند دیکھا ہے، کیونکہ یہ حکایت ہے (اس کا اعتبار نہیں) حلبی (الی قولہ)، طریق موجب کی شرط نے تار برقی پر آنیوالی خبر کو اخبار کے پرچوں میں چھپی ہوئی خبروں کو جیسا کہ عام طور پر چھپتی ہیں۔ ریل کے سفر کرنے والے جنہوں نے خود نہ دیکھا ہو اور کسی شہر کے لوگوں کے دیکھنے کی خبر دیتے ہوں، یہ سب خبر حکایت میں شمار ہوں گی۔ اس لئے کہ ان میں سے کسی میں نہ اپنی رویت شہادت ہوتی ہے، نہ قاضی (یا بجائے قاضی کے کسی عالم) کے حکم کی شہادت ہوتی ہے جو قابل اعتبار ہو سکے۔ ایسی ناقابل اعتبار دور کی رویت کی خبر ملے بھی تو اس کا کچھ نفع نہیں اور حالت یہ ہے کہ اس طرح کی ناقابل اعتبار خبروں پر عمل نہ کرنے والے سے لوگ جھگڑتے رہتے اور سند میں پیش کرتے ہیں کہ حنفیہ کا فتویٰ اسی پر ہے کہ اہل مشرق کی رویت پر اہل مغرب کو صوم و افطار واجب ہے اور بطریق موجب کی شرط کو نہیں دیکھتے، نہ اس کے معنی جانتے ہیں۔“

الحمد للہ کہ سوال دوم کا جواب بھی حسب درخواست سائل حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ کی تحقیق کی روشنی میں تحریر کیا گیا۔ ناظرین سولہ اقتباسات خصوصاً اخیر ص ۴۲ والی عبارت کو بغور پڑھیں اور اس پر عمل کریں۔ یہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے جن کو ذاتی رائے قرار دے کر رد کیا جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب سوال سویم: حضرت عزت حق سبحنہ تعالیٰ شانہ علمائے کرام فقہائے عظام کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائے کہ کسی مسئلہ کو بھی مجمل مہمل نہیں چھوڑا بلکہ ایسی روشن تصریحات فرمادیں جس سے مسئلہ کا حل بہت آسانی سے ہو سکتا

ہے اور اس مسئلہ میں بھی کوئی الجھن کی بات نہیں رہی۔ سوال دوم کے جواب میں معلوم ہوا کہ اس باب میں علما کے تین قول ہیں:

قول اول: ہر جگہ کا چاند صرف وہیں کے لئے ہے، جہاں دیکھا گیا۔ دوسری جگہ اس کا حکم نہیں چل سکتا۔ اسی

کی طرف قاسم، سالم، عکرمہ گئے ہیں۔ یہی مذہب اسحق کا ہے۔ اسی پر فتویٰ امیر جماعت اہل حدیث پڑھتا ہے۔

قول دوم: اختلاف مطالع کا اعتبار کر کے قرب و جوار کی رویت اگر شرعی طریقہ پر ثابت ہو جائے تو لیا

جائے گا، دور کی رویت کا اعتبار نہ ہوگا، اس کا دوسرا حکم ہوگا۔ یہ مذہب بعض شافعیہ کا ہے اور احناف سے علامہ زیلعی

صاحب فیض، صاحب تجرید اور بعض مشائخ حنفیہ بھی اس کی طرف گئے ہیں اور حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ اس

قول کو ضعیف فرماتے ہیں۔ استفتاء رویت ہلال کے ص ۷۷ پر علامہ شامی کی عبارت ”فقیل بالاول و اعمدہ

الزیلعی و صاحب الفیض و هو الصحیح عند الشافعیہ“ کا ترجمہ کرنے میں کہا گیا ہے یعنی ضعیف قول ہے کہ

پہلی بات لی جائے گی یعنی اعتبار کیا جائے گا۔ زیلعی اور صاحب فیض نے اس پر اعتماد کیا ہے اور خود بھی بعض دقتوں کو

پیش نظر رکھ کر اسی کو پسند فرماتے ہیں اس دقت کو جواب استفتاء رویت ہلال من قول سوم، حنفیہ کا ظاہر مذہب یعنی عدم

اعتبار اختلاف مطالع اور ایک جگہ کی رویت تمام اقالیم کے واسطے کافی ہونا بشرطیکہ ثبوت اس کا بطریق موجب ہو جائے

لکھ کر اور طریق موجب کی شرح شامی سے بحوالہ حلبی نقل فرما کر تحریر فرماتے ہیں: ”طریق موجب کی شرح معلوم کرنے

کے بعد جاننا چاہئے کہ بعید المسافت شہر کی رویت ہلال کی تصدیق اس شرط کے موافق کس قدر مشکل ہے“

قول سوم: اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کیا جائے اور ایک جگہ کی رویت تمام اقالیم کے لئے لازم ہوگی بشرط

ثبوت بطریق موجب ہو جائے۔ یہی مذہب عام احناف کا ہے، یہی ظاہر المذہب، یہی ظاہر الروایت ہے۔ یعنی ان

مسائل سے ہے جو اصحاب مذہب یعنی امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام ابو یوسف، امام محمد سے مروی ہے تو اسی کو ماننا

اور حنفی عالم کو اسی پر فتویٰ دینا ضروری ہے۔

علامہ شامی رسم المفتی میں محقق ابن کمال پاشا سے ناقل کہ فقہاء کے سات درجے ہیں۔ اول مجتہدین فی الشرع

جیسے ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم۔ دوم مجتہدین فی المذہب جیسے صاحبین رضی اللہ عنہما۔ سوم مجتہدین فی المسائل جیسے امام

خفاف، امام طحاوی وغیرہما۔ چہارم مقلدین سے اصحاب تخریج جیسے امام رازی وغیرہ۔ پنجم مقلدین سے اصحاب ترجیح

جیسے ابوالحسنین قدوری صاحب ہدایہ وغیرہما۔ ششم طبقہ مقلدین سے جو اقویٰ، قوی، ضعیف اور ظاہر المذہب، روایت

نادرہ میں تمیز پر قادر ہیں جیسے صاحب کنز، صاحب مختار وغیرہما۔ ہفتم طبقہ مقلدین جو ان باتوں پر قدرت نہیں رکھتے

جیسے آجکل کے عام علما۔ انہیں کے بارے میں صاحب درمختار لکھتے ہیں: ”وامانحن فعلینا اتباع مارححوہ

وصححوہ کمالو افتوافی حبانہم“۔ ”ہم مقلدین پر اتباع کرنا اس کا ہے جسے ان علما نے ترجیح دی اور جس کی

تصحیح کی جیسے وہ حضرات اگر زندہ ہوتے اور فتویٰ دیتے تو کیا ہماری مجال تھی کہ ہم ان کی مخالفت کرتے۔“ نہیں ہرگز نہیں تو جب انہوں نے ایسے اصول و ضوابط مقرر فرما دیے تو ہمارا فرض مذہبی و منہجی ہے کہ فتویٰ دیتے وقت انہیں کا لحاظ کریں اور عوام کو خوش کرنے کی کوشش میں نہ پڑیں۔

درمختار میں ہے: ”رسم المفتی ان ما اتفق علیہ اصحابنا فی الروایات الظاہرة یفتی بہ قطعاً۔“ جو مسئلہ ظاہر الروایت میں ہمارے ائمہ کا متفق علیہ ہے۔ اس پر قطعاً فتویٰ دیا جائے گا۔“ کیونکہ وہ ائمہ ثلاثہ سے بروایت ثقات مروی ہے تو اس سے عدول کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ کے استفتاءے رویت ہلال میں درمختار کی عبارت اوپر گزری کہ انہوں نے بحر الرائق شرح کنز الدقائق علامہ زین بن نجیم ہے اور انہوں نے فتاویٰ خلاصہ سے قول سوم کو لکھا علیہ اکثر المشائخ، اسی پر اکثر مشائخ ہیں۔ تو جس پر اکثر مشائخ ہوں ہماری کیا مجال کہ اس کی مخالفت کریں۔ اسی میں ہے، وعلیہ المفتوی اسی پر علما کا فتویٰ ہے۔ تو جس قول پر علمائے سابقین فتویٰ دے چکے، ہماری کیا مجال کہ اس کے خلاف فتویٰ دیں۔ اسی کو ظاہر المذہب فرمایا پھر ظاہر المذہب سے عدول کا کسے حق ہے؟ اسی کو علامہ کمال نے الاخذ بظاہر الروایۃ احوط فرمایا یعنی ظاہر الروایت ہی کو لینے میں زیادہ احتیاط ہے پھر دوسرے قول کو لے کر بے احتیاطی کرنے کا کیا حق ہے۔ اسی کو علامہ شامی نے فرمایا: هو المعتمد عندنا ہمارے یعنی حنفیہ کے نزدیک یہی معتمد ہے۔ پھر معتمد کو چھوڑ کر غیر اعتمادی قول کا لینا کہاں کا انصاف ہے اور یہ نہ صرف حنفیہ ہی کا معتمد بلکہ مالکیہ کا یہی مذہب ہے، حنبلیہ کا بھی یہی مذہب ہے اور بعض شوافع کا بھی یہی مسلک ہے پھر ایسے قول کو جو چاروں مذہب کا ہو چھوڑنے کی کون سی وجہ ہو سکتی ہے اور وہ بھی اسی حالت میں کہ ظاہر المذہب کے ترجیح کی علما تصریح فرماتے ہیں۔

علامہ شامی جلد اول ردالمحتار میں فرماتے ہیں: ”وفی وقف البحر فانه اذا كان احد القولین ظاہر الروایۃ والا خیر غیر ما فقد صرحوا اجمالاً بانہ لا یعدل عن ظاہر الروایۃ۔“ بحر الرائق کی کتاب الوقف میں ہے: جب کسی مسئلہ میں دو قول ہوں۔ ایک ظاہر الروایۃ ہو اور دوسرا غیر ظاہر الروایۃ (جیسا کہ اس مسئلہ میں ہے کہ قول سوم ظاہر الروایۃ ہے اور قول دوم غیر ظاہر الروایۃ بلکہ حسب تصریح حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ ضعیف ہے) تو علما نے مطلقاً تصریح فرمائی کہ ظاہر الروایۃ سے عدول جائز نہ ہوگا۔

اسی میں ہے: ”فہو ترجیح ضمنی لکل ما کان ظاہر الروایۃ فلا یعدل عنہ بلا ترجیح صریح لمقابلہ۔“ تو یہ ترجیح ضمنی ہے ہر اس قول کے لئے جو ظاہر الروایۃ ہو تو اس سے عدول جائز نہ ہوگا جب تک اس کے مقابل کی ترجیح صریح نہ ہو۔ اور اس جگہ مقابل کی اصلاً ترجیح نہیں بلکہ قیل سے تعبیر اس کے ضعف کی تصحیح ہے پھر ظاہر

الروایہ سے عدول کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

علامہ شامی جلد اول ص ۵۱ پر تحریر فرماتے ہیں: ”و کذا یرجح اذا کان احدهما ظاہر الروایۃ“۔ ”اسی طرح ترجیح دی جائے گی جب دو قول میں ایک ظاہر الروایہ ہو“۔ پھر فرماتے ہیں: ”وبہ صرح فی کتاب الرضاع من البحر حیث قال الفتوی اذا اختلف کان الترجیح لظاهر الروایۃ لماسبباتی ان الفتی بالمرجوح جهل“۔ ”ظاہر الروایہ کی ترجیح کی تصریح علامہ بن نجیم نے بحر الرائق کی کتاب الرضاع میں فرمائی کہ فتویٰ جب مختلف ہو یعنی دو قول ہوں اور دونوں مفتی بہ تو ظاہر الروایت کو ترجیح ہوگی۔ اس دلیل سے قریب آتی ہے کہ قول مرجوح پر فتویٰ دینا جہالت و نادانی ہے“۔

اور اس مسئلہ میں تو دوسرے قول پر اصلاً فتویٰ نہیں پھر ظاہر الروایہ کو چھوڑنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے خصوصاً جبکہ فتویٰ بھی اسی قول پر ہے۔ درمختار کی عبارت اوپر گزری ”وعلیہ الفتوی بحر عن الخلاصہ“ پھر فرمایا: ”وفیه من باب الصرف اذا اختلف التصحیح وجب الفحص عن ظاہر الروایۃ والرجوع الیہا“۔ ”جب تصحیح مختلف ہو یعنی دو قول ہوں اور دونوں کو علما نے صحیح فرمایا ہو تو اس وقت دیکھنا چاہئے کہ ظاہر الروایہ کون ہے اور اسی کی طرف رجوع واجب ہے۔ تو اس جگہ دوسرے قول نے بھی تصحیح نہ کی بلکہ حضرت امیر شریعت اول رحمہ اللہ نے اس کے ضعیف ہونے کی تصریح فرمادی تو ظاہر الروایہ کو چھوڑ کر قول دوم اختیار کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

علامہ شامی جلد اول ردالمحتار میں فرماتے ہیں: ”ماخرج عن ظاہر الروایۃ فهو مرجوع عنه والمرجوع عنه لا یجوز الاخذ به“۔ ”جو ظاہر الروایہ سے باہر ہے، وہ مرجوع عنه ہے اور مرجوع عنه کو لینا جائز نہیں“۔ درمختار میں ہے: ”ان الحکم والفتی بالمرجوح جهل و خرق الاجماع“۔ ”حکم اور فتویٰ دینا قول مرجوح پر جہالت اور خلاف اجماع کرنا ہے“۔

علامہ شامی اس کی شرح میں فرماتے ہیں: ”اولیٰ من هذا بالبطلان الافتاء بخلاف ظاہر الروایۃ اذا لم یصحح و الافتاء بالقول المرجوع عنه اه“۔ ”اور اس سے زیادہ باطل امر ظاہر الروایہ کے خلاف فتویٰ دینا ہے جب کہ اس کی تصحیح نہ کی گئی ہو اور قول مرجوع عنه پر فتویٰ دینا ہے“۔

پھر علامہ شامی جلد ۲ ردالمحتار میں فرماتے ہیں: ”الواجب الرجوع الی ظاہر الروایۃ عنه اختلاف الترجیح“۔ ”ترجیح کے اختلاف کی صورت میں ظاہر الروایہ کی طرف رجوع کرنا واجب ہے تو جب دوسرے قول کی اصلاً ترجیح نہ ہو تب تو ظاہر الروایت پر فتویٰ ضروری اور لازمی ہوگا“۔

نیز ردالمحتار جلد سوم میں فرماتے ہیں: ”اذا ذکر فی ظاہر الروایۃ حکم من دون ذکر خلاف کان

مقتضاہ انہ قول ائمتنا الثلاثة۔ ”جب ظاہر الروایہ میں کوئی حکم مذکور ہو اور وہاں اس کا خلاف نہ مذکور ہو تو اس کا مقتضی یہ ہے کہ یہ ہمارے ائمہ ثلاثہ امام اعظم، امام یوسف، امام محمد کا قول ہے۔“

پھر جلد رابع میں فرماتے ہیں: ”لا یحل الافتاء بالمرجوح ولا ینفذ القضاء بہ۔“ ”قول مرجوح پر کسی مفتی کو فتویٰ دینا اور کسی قاضی کو فیصلہ کرنا جائز نہیں اور اگر کوئی قاضی فیصلہ دے گا تو وہ نافذ نہ ہوگا۔“

پھر جلد پنجم میں فرماتے ہیں: ”ما خالف ظاہر الروایۃ لیس مذہبا لا صحابنا۔“ ”جو ظاہر الروایت کے خلاف ہو وہ ہمارے اصحاب کا مذہب نہیں۔“

ان تمام تصریحات صریحہ کے بعد واضح ہو گیا کہ ان تینوں اقوال میں قول سوم کو ترجیح ہوگی، اسی پر فتویٰ دینا ہوگا۔ یہی ہمارے ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے۔ اس کے سوا ہمارے اصحاب کا مذہب نہیں۔ اسی کی طرف رجوع واجب، اس کے سوا دوسرے قول کو لینا اور اس پر فتویٰ دینا جہالت اور خرق اجماع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

جواب سوال چہارم: مولیٰ تعالیٰ بہتر سے بہتر جزائے خیر دے ہمارے علمائے کرام، فقہائے عظام کو کہ اپنے دہن رسا سے ایسے اصول و قواعد بنائے، ایسی باتیں بتا گئے جو بعد کے شبہات و شکوک کے زہر کے لئے تریاق ہوں۔

در مختار جلد اول میں ہے: ”ان الحکم الملق باطل بالاجماع۔“ ”حکم ملحق جس کی بنا دو مذہب یا دو اصول پر ہو بالا جماع باطل ہے۔“

علامہ شامی اس کی مثال دے کر توضیح فرماتے ہیں: ”مثالہ متوضی سال من بدنہ دم ولمس امرأة ثم صلی فان صحۃ هذه الصلوۃ ملفقة من مذهب الشافعی والحنفی والتلفیق باطل فصحتہ منتفیۃ اہ الخ۔“ ”اس کی مثال یہ ہے کہ ایک با وضو شخص ہے جس کے بدن سے خون بہا اور اس نے کسی عورت کو بھی چھوا پھر نماز پڑھ لی تو اس کی نماز کی صحت امام ابو حنیفہ اور امام شافعی دونوں کے مذہب کی تلفیق سے ہو سکتی ہے یعنی ایک مسئلہ امام صاحب کا لیں اور ایک مسئلہ امام شافعی صاحب کا۔ عورت کے چھونے سے حنفیہ کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا اور شافعیہ کے یہاں ٹوٹ جاتا ہے۔ تو اس مسئلہ میں امام صاحب کا قول لے اور خون نکلنے سے احناف کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے اور شافعیہ کے یہاں نہیں ٹوٹتا ہے تو اس مسئلہ میں امام شافعی صاحب کی بات لے اور نماز پڑھ لے۔ اس ترکیب سے اس نماز کو صحیح جانے مگر چونکہ تلفیق باطل ہے اس لئے یہ نماز بھی کسی کے نزدیک صحیح نہ ہوگی۔ امام صاحب کے نزدیک اس وجہ سے کہ اس کے بدن سے خون نکلا اور خون نکلنے سے وضو جاتا رہا اور امام شافعی صاحب کے نزدیک اس وجہ سے کہ اس نے عورت کو چھوا اور شافعیہ کے نزدیک عورت کے چھونے سے وضو جاتا رہتا ہے تو اس شخص نے دونوں اماموں کے نزدیک بے وضو نماز پڑھی، اس لئے وہ نماز باطل ہوگی۔

اسی طرح یہ مسئلہ امام ابو حنیفہ اور اپنی جدت سے تعلق ہے تو بدرجہ اولیٰ باطل ہوگا ورنہ اگر پوری بات امام صاحب کی لیں تو کوئی دقت نہیں اور اگر پوری بات اپنی لیں جب بھی کوئی دشواری نہیں۔ اس لئے امام صاحب کا مذہب جہاں یہ ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں، اس لئے اہل مشرق کی رویت پر اہل مغرب کو روزہ رکھنا اور افطار کرنا واجب ہوگا، وہیں ان کا مذہب یہ بھی ہے کہ مشرق والوں کے چاند دیکھنے سے مغرب والوں پر کب روزہ افطار کا حکم ہوگا، جب کہ ان کا چاند دیکھنا مغرب والوں کو بطریق موجب ثابت ہو جائے۔ یہ نہیں کہ کو اکائیں کائیں کرتا جا رہا ہے، کسی کی سمجھ میں آ گیا کہ وہ کہہ رہا ہے دہلی میں چاند ہو گیا تو پٹنہ والوں پر روزہ رکھنا یا عید کرنا فرض ہو جائے گا بلکہ ابرو باد کی صورت میں رمضان کے لئے ایک معتبر شخص کی خبر اور ہلال عیدین میں دو عادل شخصوں کی شہادت ضرورت ہے جو خود چاند دیکھنے کی گواہی دیں یا رویت کی تصدیق پر قاضی کے حکم دینے کی گواہی دیں یا چاند دیکھنے کی جگہ سے متعدد جماعتیں آئیں اور سب یک زبان اپنے علم سے خبر دیں کہ وہاں فلاں دن بر بنائے رویت روزہ ہو یا عید کی گئی۔ جب ایسی گواہیاں گذریں گی تب چاند ثابت ہوگا ورنہ نہیں اور ہر دیندار جانتا ہے کہ اس دور آزادی دے قیدی میں مطابق قواعد شرع مقبول الشہادہ شخص کا ملنا اور اس کا گواہی دینا کس قدر قلیل الوجود کبریت احمر کا حکم رکھتا ہے۔ فساق فجار کی کثرت ہے اور انہیں کے ذریعہ ایسی خبروں کی حکایت و روایت۔ اس لئے فقہائے کرام کے مذہب پر چاند کا ثبوت دوسری جگہوں کے لئے کس قدر مشکل ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ فقہائے عظام کے ارشاد کو پس پشت ڈال دیں۔ اس لئے کہ اس کے مشکل اور دشوار ہونے کی وجہ سے الجھن کیا ہے۔ اس لئے کہ اگر اس شرط کے مطابق رویت ہلال ثابت نہ ہوگی تو یہاں عید کرنے، روزہ کھولنے کا حکم نہ دیا جائے گا جس طرح زنا کی شہادت کے لئے کالمیل فی المسکحلہ کی گواہی دینا شرط ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ اس طرح دیکھنا اور وہ بھی نہ صرف ایک یا دو شخصوں کا بلکہ اکٹھے چار آدمیوں کا اور اس کی گواہی دینا کس قدر مشکل ہے مگر اس میں دقت ہی کیا ہے؟ اگر ایسی گواہی نہ گذرے گی قاضی مجرم نہ قرار دے گا، حد نہ لگائے گا۔ رمضان شریف کے چاند کے لئے اگرچہ عادل ہونا شرط نہیں، غیر فاسق ہونا کافی ہے اور ایسے لوگ اس زمانے میں بھی بہت ملیں گے مگر رمضان کے چاند کی گواہی دیتا ہی کون ہے؟ یہ ساری دینداری کا زور تو عیدین کے چاند کے لئے صرف کیا جاتا ہے اور ان اختراعات کرنے والوں کے طور پر اس لئے کہ اگرچہ یہ لوگ ریڈیو تار ٹیلیفون کو مانتے ہیں اور ان کو بہ منزلہ شہادت جانتے ہیں۔ اسی لئے دوسرے علماء سے پوچھتے ہیں ”سمجھ میں نہیں آتا کہ ان تصریحات کے بعد تار اور ریڈیو کی خبروں پر اعتماد نہ کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ لیکن ساتھ ساتھ وہ موافق مذہب احناف عدم اعتبار اختلاف کو نہیں مانتے اور نہ صرف اپنا بلکہ اپنے ساتھ اپنے استادوں کا بھی یہی خیال ظاہر کرتے ہیں کہ بہر حال دور دراز مقامات میں اختلاف مطالع کا لحاظ کرنا ہی پڑے گا تو ان کے طور پر دور دراز

مقامات کی خبر اختلاف مطالع کی وجہ سے قابل قبول نہ ہوگی تو مقصد ایک ہی رہا۔ فقہاء کی تحریرات و تحقیقات ماننے والوں کے لئے دہلی وغیرہ دور کی خبریں جو ریڈیو، تار، ٹیلیفون کے ذریعہ آئی ہوں، غیر معتبر ہیں۔ اس لئے کہ ضرورت شہادت کی ہے اور یہ چیزیں خبر کے لئے موضوع ہیں، شہادت میں کارآمد نہیں۔ اس لئے کہ ان پر روزہ رکھنے اور عید کرنے کا حکم نہ دیا جائے گا اور روشن خیال مجتہدین وقت حضرات کے نزدیک بھی دہلی وغیرہ دور کی خبریں جو ریڈیو، تار، ٹیلیفون کے ذریعہ آئی ہیں غیر معتبر ہیں۔ اگرچہ ان کے نزدیک اس دور ترقی میں ریڈیو، تار، ٹیلیفون کے ذریعہ دنیا نے عوام کی سہولت کے سامان فراہم کئے ہیں۔ اس سے فائدہ نہ اٹھانا اور لکیر کے فقیر بنے رہنا، خود کو سو برس پیچھے دھکیل دینے کے مرادف ہے۔ اس لئے اس کو ضرور ماننا چاہئے مگر وہ لوگ اختلاف مطالع کا اعتبار کرتے ہیں اور فقہاء کی تصریح لا عبرہ لا اختلاف المطالع کو نہیں مانتے۔ ان کے نزدیک مطلع مختلف ہونے کی وجہ سے دہلی کی خبر ہمارے بہار کے لئے قابل اعتبار و لائق عمل دارآمد نہیں تو حکم بہر حال ایک ہی رہا کہ دہلی کی خبر ہلال تار، ٹرنک کال، ریڈیو کے ذریعہ معتبر نہ ہوگی واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب سوال پنجم: تحریرات سابق یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ ہلال عیدین میں شہادت گواہان عادل کی ضرورت ہے۔ نہ صرف خبر کی اور تار، ٹیلیفون، ٹرنک کال، ریڈیو وغیرہ خبر رسانی کے لئے موزوں ہیں، نہ شہادت کے لئے۔ اسی لئے جن لوگوں نے تار، ٹیلیفون وغیرہ ایجاد کئے، کبھی انہوں نے بھی فوجداری اور دیوانی کے مقدمات میں گواہوں کے لئے ان چیزوں کو قابل قبول نہ جانا۔ ایسے روشن خیال حضرات سے گزارش ہے کہ پہلے یہ نصیحت حکام وقت کو کریں کہ جب دنیا نے ترقی کر کے عوام کی سہولت کے لئے سامان فراہم کیا ہے، اس سے فائدہ نہ اٹھانا اور لکیر کے فقیر بنے رہنا خود کو سو برس پیچھے دھکیل دینے کے مرادف ہے۔ اس لئے آپ لوگوں کو چاہئے کہ مقدمات میں گواہوں کی حاضری لازم قرار نہ دیجئے۔ جی چاہے تو آئے ورنہ جہاں سے چاہے فون کر دے یا تار دیدے یا جو اظہار دینا ہے، ریڈیو اسٹیشن پر جا کر وہیں سے نشر کر دے۔ اس میں متخاصمین کا بہت روپیہ جو گواہوں کے لانے لے جانے میں صرف ہوتا ہے، بچ جائے گا۔ اگر کچھریوں میں اس کو رائج نہ کر سکیں تو الیکشن کا زمانہ قریب ہے، کوشش کر کے پہلے اسی میں جاری کرائیے کہ ووٹروں کو پولنگ اسٹیشن پر آنے کی ضرورت نہ پڑے۔ ہر شخص اپنے قریب کی جگہ سے فون کر دے یا تار دیدے یا ریڈیو اسٹیشن پر جا کر بول دے کہ میں نے فلاں شخص کو ووٹ دیا، تب اس روشن خیالی کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ جب کچھریوں کی شہادت میں ان ذرائع کو جاری کر لیں تب علمائے کرام کو نصیحت کریں اور لکیر کے فقیر بننے سے ان کو روکیں۔ افسوس کی بات ہے کہ دنیوی قانون میں ایک انج کمی بیشی کی ہمت نہیں کر سکتے، ہر بات پر آئنا و صدقنا کہنے کے لیے تیار مگر شرعی مسائل میں مداخلت کے لئے کمر بستہ۔ میری یہ غرض نہیں

کہ چونکہ دنیوی کچہریوں میں شہادت کے لئے یہ چیزیں مقبول نہیں، اس لئے ثبوت ہلال کے لئے ہم نہیں مانتے۔ جب کسی وقت کچہریوں کی شہادت میں قابل قبول سمجھی جائیں گی، ثبوت ہلال میں بھی معتبر ہوں گی بلکہ دکھانا یہ ہے کہ دنیوی کچہریوں میں شہادت کے قواعد و قانون بہت نرم ہیں پھر بھی یہ چیزیں شہادت کے لئے معتبر نہیں پھر شرعی مسائل جس کی شہادت کی شرطیں بہت سخت ہیں، ان میں کیونکر قابل اعتبار سمجھی جاسکتی ہیں۔ یہ فتویٰ کہ تار، ٹیلیفون، ریڈیو، ٹرنک کال وغیرہ برقی خبریں صرف خبر رسانی کے لئے ہیں، شرعاً ثبوت ہلال کی شہادت کے لئے معتبر نہیں۔ ہندوستان بھر کے مشاہیر علمائے سابقین و موجودین کی تحقیق ہے۔ اس وقت میرے پیش نظر چار تحریریں ہیں۔ انہیں کی مدد سے علمائے کرام کی تحقیقات کو پیش کر سکتا ہوں (۱) رسالہ مبارکہ از کئی الالہلال بابطال ما احدث الناس فی امر الالہلال مصنفہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد مائتہ حاضرہ مؤید ملت طاهرہ سیدی و سندی، شیخی و مرشدی مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلی قدس سرہ العزیز (۲) رسالہ جامع الافواہ فی رویت الالہلال مرتبہ سید شاہ محمد حسین صاحب ارزاں شاہی برادر جناب سید شاہ حامد حسین صاحب سجادہ نشین درگاہ شاہ ارزاں پٹنہ (۳) رسالہ نادر تحفہ جامعہ حبیبیہ (۴) جوابات استفتا عزیزی و تلمیذی مولوی سید شاہ محمد فرید الحق سلمہ و لیعہد سجادہ عمادیہ پٹنہ۔

(اس کے بعد رسالہ مبارکہ از کئی الالہلال اور ہندوستان کے ایک سوا کیا نوے مشاہیر علما کی تصدیقات ہیں۔ از کئی الالہلال فتاویٰ رضویہ میں چھپ چکا ہے اور تصدیقات میں وہی عبارتیں ہیں جن کا تذکرہ ملک العلماء کے فتوے میں آچکا ہے۔ اس لئے احقر نے انہیں یہاں سے خذف کر دیا ۱۲ سائل)

فتیہ قادری محمد ظفر الدین رضوی غفرلہ کہتا ہے کہ یہ یوپی، سی پی سابق حال ام پی، بمبئی، بہار، بنگال، حیدر آباد، پنجاب وغیرہ کے مختلف اضلاع، مختلف مقامات، مختلف خیالات، مختلف اعتقادات اور اپنے وقت کے مشہور و مستند علمائے سابقین و معاصرین کی ایک سوا کیا نوے تحریرات فتاویٰ و تصدیق ہیں، جن میں بالاتفاق حکم ہے کہ تار، ٹیلیفون، ریڈیو، ٹرنک کال، اخبار، خطوط سے ثبوت ہلال نہیں ہو سکتا تا وقتیکہ رویت پر شرعی شہادت نہ ہو۔ ایک جگہ چاند ہونے سے دوسری جگہ روزہ، افطار، قربانی، نماز کا حکم دینا صحیح نہ ہوگا۔ بعض علمائے یہ فتویٰ دیتے ہوئے کہ ریڈیو کے ذریعہ شہادت اور اثبات رویت ہلال نہیں ہو سکتا، اتنا اور اضافہ کیا ہے: البتہ کسی عالم یا قاضی کے پاس شہادت رویت گذرے تو خود وہ عالم اس خبر کو ریڈیو کے ذریعہ نشر کر سکتا ہے، سرکاری آدی یا غیر مسلم شخص اگر نشر کرے گا تو اس کا اعتبار نہ ہوگا، مگر مرکزی انجمن تبلیغ صداقت بمبئی کی طرف سے جامع مسجد مدنیورہ ۱۰ محرم الحرام بروز جمعہ ۱۳۷۱ھ کو دن

میں زیر صدارت حضرت محدث اعظم ہند مولانا الحاج شاہ سید محمد صاحب کچھوچھوی مدظلہ ایک عظیم الشان اجتماع ہوا جس میں الہ آباد، لکھنؤ، دہلی، فیض آباد، بریلی، مراد آباد، سنبھل، پیلی بھیٹ، مظفر پور، بہار، دانا پور، گونڈہ، بہرائچ، نانا پارہ، ناگپور، جبل پور، فتحپور، کانپور، بستی، رائے بریلی، بلیا، اعظم گڑھ، مبارکپور، بنارس، بھاگلپور و دیگر مقامات کے علمائے کرام و مفتیان عظام نے شرکت فرمائی۔ مزید دلائل شرعیہ کے تحت یہ طے فرمایا کہ ریڈیو کے ذریعہ رویت ہلال کی خبر یا شہادت تو غیر معتبر ہے ہی، اگر ریڈیو کے ذریعہ قاضی کے فیصلہ رویت ہلال کا اعلان ہو تو وہ بھی غیر معتبر اور ناقابل عمل ہے۔ کیونکہ قاضی شرع کا فیصلہ اس کے حدود و قصاص ہی میں جاری و نافذ ہوگا اور ایسا قاضی واقعی قاضی شرع، عالم دین ہوگا اور وہ قاضی شرع کے جملہ فرائض انجام دے گا یا صرف چاند کی شہادت لیا کرے گا نیز یہ کہ وہ قاضی جو صرف چاند ہی کی شہادت لے گا اور اعلان کرے گا اور اس کی قضا آل انڈیا ہوگی، وہ ہندوستان میں ایک ہی ہوگا یا ہر شہر، ہر قصبے اور آبادی میں؟ کیونکہ یہ ہوتا ہے کہ ایک جگہ رویت ہلال ہوئی اور دوسری جگہ نہیں ہوئی تو جہاں رویت ہوئی وہاں آل انڈیا قاضی نہ ہوا تو رویت وہیں رہ گئی اور ہر شہر آبادی میں ایسے آل انڈیا قاضی کا ہونا قطعاً ناممکن۔ لہذا ریڈیو سے سنا ہوا رویت ہلال کا فیصلہ قاضی یا فیصلہ کا اعلان ہرگز ہرگز قابل قبول و لائق عمل نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو روزنامہ خلافت بمبئی۔ ۱۱۸ اکتوبر ۱۹۵۱ء

(فتویٰ جس پر ۵ مشہور و مستند علمائے دستخط فرمائے خلافت بمبئی ۱۲ نومبر ۱۹۵۱ء)

الجواب: جہاں رویت ہلال کا شرعی ثبوت ہو، اس وقت وہاں والوں پر روزہ، افطار، اضحیہ واجب ہے۔ ہدایہ وغیرہ میں ہے: ”الاصل بقاء الشهر فلا ينتقل عنه الا بدليل ولم يوجد“۔ فلہذا جہاں رویت ہلال کا شرعی ثبوت نہ ہو، وہاں والوں کو یہ حکم دینا کہ روزہ رکھو یا افطار کرو یا قربانی کرو، نماز عید ادا کرو، خلاف شرع ہے اور قاضی کا حکم خلاف شرع قابل عمل نہیں ہوتا ہے۔ لہذا اگر کوئی قاضی اپنے شہر اور دیگر بلاد جہاں رویت ہلال کا ثبوت نہیں ہوا ہے، ان تمام مقامات کے لئے روزہ و افطار وغیرہ کا حکم دے تو اس کے حکم و اعلان پر جہاں رویت ہلال کا ثبوت نہیں ہوا ہے، عمل نہ ہوگا، خواہ وہ قاضی ریڈیو سے حکم دے یا خود دوسرے بلاد میں جا کر خود حکم کرے۔ دوسری جگہ جب حکم دے گا تو اس سے ثبوت شرعی کا مطالبہ ہوگا۔ بے ثبوت نہ اسے حکم کرنا جائز، نہ اس حکم پر عمل جائز۔

فتح القدیر شرح ہدایہ میں امام علامہ محقق علی الاطلاق فرماتے ہیں: ”الفرق بین رسول القاضی و کتابہ حیث یقبل کتابہ ولا یقبل رسولہ فلان غایۃ رسولہ ان یکون کتفہ و قد منا انہ لو ذکر مافی کتابہ لذلك القاضی بنفسہ لا یقبلہ و کان القیاس فی کتابہ كذلك الا انہ اجیز باجماع التابعین علی خلاف القیاس فاقتصر علیہ“۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کنہ الفقیر ابو الفضل السید محمد افضل حسین مفتی دارالعلوم مظہر اسلام بریلی۔

(اس فتوے پر اکیانوے علمائے کرام کی تصدیقات ہیں۔ جنہیں یہاں سے حذف کر دیا گیا ۲۱ سائل)

ان تمام تحریرات، فتاویٰ و تصدیقات کی روشنی میں کاشمیر فی نصف النہار واضح ہو گیا کہ اثبات ہلال کے لئے شہادت کی ضرورت ہے۔ رمضان شریف کے چاند کے لئے ابرو غبار کی حالت میں ایک شخص کی اگرچہ مستور الحال ہو اور عید الفطر کے چاند کے لئے دو عادل مرد یا ایک مرد عادل اور دو عادل عورتوں کی شہادت ضروری ہے۔ تار، ٹیلیفون، ریڈیو اور ٹرنک کال، اخبار، خطوط، افواہ بازار وغیرہ سے چاند ثابت نہیں ہو سکتا۔ یہی جمہور علمائے اسلام کا مفتی بہ قول ہے۔ ثبوت رویت کے بعد ریڈیو سے اعلان بھی محض خبر ہی خبر ہوگی۔ کسی صورت، کسی حالت میں حدود سے باہر کے مسلمانوں کے لئے وہ اعلان مثبت و ملزم نہیں ہو سکتا ہے۔ مذکورہ بالا ایک سواکیانوے فتاویٰ و تصدیقات کے علاوہ اور بھی علمائے کرام کی تحریرات و تصدیقات اس مسئلہ پر اور موجود ہیں مگر کتاب کی طوالت، ازدیاد حجم و ضخامت و صرف کثیر طباعت و اشاعت کی وجہ سے صرف اسی قدر پر اکتفا کیا۔ ماننے والے کے لئے اس قدر فتاویٰ و تصدیقات کا بیش قیمت ذخیرہ بہت کافی ہے۔ درخانہ کس ست یک حرف بس ست اور منکر متعصب ہٹ دھرم کے لئے نہ صرف ہندوستان بلکہ پاکستان، افغانستان، ترکستان، عرب، عجم سارے جہان کی تحریرات فتاویٰ و تصدیقات سب بیکار ہیں واللہ الہادی و هو تعالیٰ اعلم۔

ضمیمہ جواب سوال پنجم: صدق جدید لکھنؤ نمبر ۱۱۶ جنوری ۱۹۵۲ء میں ایک مضمون ریڈیو اور رویت ہلال (ایک بیرسٹریٹ لا اور سٹیشن جج کے قلم سے) کی سرخی سے شائع ہوا ہے۔ مضمون قدرے طویل اور بہت مفید ہے۔ ایک حصہ اس کا عام انگریزی داں حضرات کے مطالعہ کے لئے اس جگہ نقل کیا جاتا ہے۔ ایک اچھی سی صحبت میں مجھ سے سوال کیا گیا کہ جب حساب سے چاند نکلنے کا سوال حل ہو سکتا ہے تو پھر عید کی بابت ہر سال یہ بددھا کیوں؟ میں نے اپنے خیال کے مطابق کہا کہ کچھری کی تعطیلات کے نقشہ میں خود لکھا ہے کہ اعتبار رویت کا ہوگا، نہ کہ چاند نکلنے کے حساب کا۔ سوال ہوا کہ جب تار اور ٹیلی فون موجود ہے تو پھر ہر جگہ کے لئے الگ رویت کا سوال کیوں پیدا ہوتا ہے؟ میں نے کہا کہ جہاں عام طور پر رویت منائی جاتی ہے تو کوئی نزاع نہیں رہتی ہے اور جہاں نزاع ہوتی ہے تو اس کی مہذب صورت کسی معتبر ہستی مثلاً قاضی کا فیصلہ ہے اور وہ بھی ایک Democratic طریقہ سے کہ مقدمہ پیش ہو، مانے ہوئے شہادت کے اصول برتے جائیں، گواہ معتبر ہوں وغیرہ۔ تیسرا سوال ہوا کہ کیوں نہ ایک جگہ کے قاضی کا فیصلہ سارے ملک میں ریڈیو سے نشر ہو جائے تو مان لیا جائے۔ میں نے کہا کہ لکھنؤ کالج ایک مقدمہ میں ڈگری دیتا ہے تو اس کو وہ خود دہلی میں نافذ نہیں کر سکتا۔ وہ ڈگری جب دوسرے جج کے نزدیک ثابت ہو جاتی ہے تو وہ اس کو اپنے

حکم سے بلاچون و چرا نافذ کر دیتا ہے اور زمانہ حال کے قانون میں بھی ریڈ، یوتار، ٹیلیفون کا اعتبار حاضری عدالت کے سمن تک کی ضرورت کے لئے نہیں کیا گیا ہے، نہ کہ کسی حکم یا ڈگری کے نفاذ کے لئے۔ آجکل کے قانون شہادت میں بھی اگر کوئی ٹیلیفون پر شہادت دینا چاہے تو نہیں لی جائے گی اور اس بابت احکام بہت سخت ہیں کہ کسی عدالت کا حکم تار، ٹیلیفون پر نقل کیا جائے تو اس کا اعتبار نہ کیا جائے خواہ وہ کسی حاکم ہی کی زبانی کیوں نہ ہو، احکام خواہ کیسے ہی اہم ہوں، معطل رہتے ہیں جب تک باضابطہ طریقہ پر منتقل نہ ہوں۔ البتہ ہوتا ہے تو اعتبار حلف نامہ کا ہوتا ہے یا معتبر گواہ کے حلف کا وہ بھی خاص مقررہ صورتوں میں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ریڈیو اور تار جس کی چیزیں ہیں، وہی ان پر اعتبار کرنا نہیں چاہتا، نہیں چاہ سکتا تو اس زمانہ میں دنیا کو اصول قانون کے نئے تصورات پیدا کرنا، بہت نرالی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ اس مضمون کی تمہید بھی بہت دلچسپ طریقہ سے شروع کی ہے۔ فتویٰ اور فقہی مسائل پر کوئی رائے دینا تو میرے لئے چھوٹا منہ بڑی بات ہے لیکن محض علمی نقطہ نظر سے یہ عرض کرنے کی جرأت ہوتی ہے۔ اگر ریڈیو کے سے عالمگیر نظام کو اس ضمن میں مان لیا گیا تو پھر شاید رمضان کبھی ۳۰ روزوں کا ہوا کرے گا اور پھر ٹیلیفون نے کیا تصور کیا ہے؟ اس پر تو جانے بوجھے لوگوں کی آواز بھی پہچانی جاسکتی ہے۔ شملہ، سری نگر، کھٹمنڈو وغیرہا کے لوگ اگر طے کر لیں کہ کم از کم ہندوستان میں رمضان کی ۳۰ نہ آنے پائے تو ہر ممکن جنتری لغو ہو سکتی ہے اور کیا عجیب کہ جلد ہی وہ وقت بھی آجائے کہ اس اعلان کا کام یو این او کے سپرد کیا جائے جو ریڈیو سے زیادہ معتبر ادارہ ہوگا اور اس کا اعلان اسلامی دنیا بلکہ ہر دنیا کے لئے زیادہ قابل قبول ہو گیا الخ۔

جواب سوال ششم: ہر واقف کار جانتا ہے کہ جمعیت علمائے ہند ایک سیاسی جماعت ہے اور سیاست ہی کے لئے اس کی وضع و تشکیل ہوئی تھی۔ اس نے آج تک جو کچھ کام کیا من حیث جماعت اسی دائرہ میں قدم رکھے ہوئے کیا۔ اگرچہ حصول مقصد انگریزوں کی ہندوستان سے روانگی اور حکومت ہند پر ہندو کے تسلط کے بعد بظاہر سیاست سے علیحدہ ہو گئی ہے لیکن زمانہ دراز سے مجلس بازی، رزلوشن سازی کی جو عادت پڑ گئی ہے ۱۸/۱۹ اگست کے جلسہ میں بھی وہی روش اختیار کی۔ اخباروں سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعیت علمائے ہند کے ۱۳۵ افراد مراد آباد میں جمع ہوئے لیکن انہوں نے عالمانہ طرز پر عالم ہونے کی حیثیت سے کوئی فتویٰ تحریر نہ کیا، جس کے حکم کو قرآن شریف، حدیث شریف، فقہ کی عبارات سے مدلل کرتے بلکہ سیاسی طرز پر رزلوشن سازی سے کام لیا اگرچہ شرط در شرط کے ساتھ مشروط کرنے کی وجہ سے وہ رزلوشن علمائے محققین کے فتویٰ کے خلاف نہیں، لیکن عوام کو دھوکا اور ہر سال عیدین کے موقع پر ایک جھگڑے کا نیا سامان پیدا کر دیا کہ ہر عید میں جھگڑا ہو اور لطف یہ کہ فریقین کے ہاتھوں میں جمعیت العلماء ہی کا فیصلہ ہو اور دونوں اسی قرار دار سے سند پکڑے ہوئے سر پھٹول کر رہے ہوں۔

مجلس نے جو طے کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: ”مجلس نے بالاتفاق طے کیا کہ اگر ریڈیو کے ذریعہ آنے والی خبر کے متعلق یہ اطمینان ہو جائے کہ جس جگہ سے ریڈیو کی خبر دی جا رہی ہے، وہاں کے علما نے چاند ہونے کی باقاعدہ شہادت لے کر چاند ہونے کا حکم کر دیا ہے، خبر دینے والا بھی متعین ہو کہ کوئی مسلم معتمد خبر دیتا ہو تو اس اعلان پر اعتماد کر کے دوسرے مقامات پر بھی چاند ہو جانے کے حکم پر عمل کیا جانا جائز ہے اور تمام ہندوستان کے شہروں اور قصبوں میں متعین ذمہ دار جماعت اس کے موافق حکم کریں تو ان پر عمل کیا جائے۔ یہ حکم تمام ہندوستان اور پاکستان کے لئے ہے۔“ بظاہر دیکھنے میں یہ فیصلہ ہے اور اخبار والوں نے بھی اس کو فیصلہ ہی سمجھا۔ اسی لئے مراد آباد کے اس اجتماع کو ۱۳ و ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۸-۱۹ اگست ۱۹۵۱ء کو ہوا بہت مبارک قرار دیا ”کہ جس طرح اس پیچیدہ صورت حال کا فیصلہ اطمینان بخش اور سکون افزا ہوا جو آنے والے انتخابات کی ہماہمی کے سبب سے پیدا ہو رہی تھی، اس طرح اس مسئلہ (ریڈیو) کے متعلق بھی اطمینان بخش فیصلہ علمائے کرام نے صادر فرما دیا۔“ حالانکہ گہری نگاہ سے دیکھا جائے تو اس مجلس نے نہ کوئی حکم بتایا نہ فیصلہ صادر کیا بلکہ قضیہ شرطیہ کے طور پر عوام کے لئے دل خوش کن بات کر دی۔ اس لئے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ ان کانت الشمس طالحة فالنہار موجود یعنی اگر آفتاب طلوع ہو تو دن موجود ہوگا، کہنے والا ہرگز نہ حکم ایجابی وجود نہار کا دیتا ہے، نہ حکم سلبی عدم نہار کا۔ یعنی نہ وہ یہ کہتا ہے کہ دن ہے، نہ کہ کہتا ہے کہ دن نہیں ہے بلکہ ایک گول مول بات کہہ کر وقت ٹالنا چاہتا ہے، بعینہ یہی حالت اس فیصلہ کی ہے۔ اس فیصلہ کی ابتدا بھی جملہ شرطیہ سے ہے اور نہ صرف ایک شرط بلکہ شرط در شرط بالائے شرط کے ساتھ اس کو مشروط کیا کہ اگر ریڈیو کے ذریعہ آنے والی خبر کے متعلق یہ اطمینان ہو جائے۔ الخ۔ ہر شخص جانتا ہے کہ یہ فیصلہ کسی عامی شخص کا نہیں، نہ عوام کی پنچایت کا بلکہ جمعیت العلماء کے تین درجن مولویوں کا متفقہ فیصلہ اور وہ بھی مشروط بشرائط جسے اخبار الجمعہ سنڈے ایڈیشن اور دوسرے اخباروں نے دوسری سرخی کے ساتھ شائع کیا ہے:

”رویت ہلال کا اعلان اور شرعی نقطہ نظر۔ چند شرطوں کے ساتھ ریڈیو کے اعلان پر عمل کیا جاسکتا ہے۔“

اس سرخی نے بتایا کہ ریڈیو کے ذریعہ آئی ہوئی خبر جمعیت علمائے ہند کے نزدیک بھی شہادت کی حیثیت نہیں رکھتی، خود اسی مضمون میں ہے: ”ریڈیو کے ذریعہ جو اعلان کیا جاتا ہے، اس کے متعلق یہ تو ظاہر ہے کہ اس کو شہادت کی حیثیت نہیں دی جاسکتی، نہ اعلان کرنے والا اس کو شہادت کے طور پر پیش کرتا ہے، نہ شرعی قانون شہادت کی شرطیں اس میں پائی جاتی ہیں۔ اس اطلاع کو اگر خبر کی حیثیت دی جائے تب بھی وہ موجودہ صورت میں قابل اعتماد نہیں۔ کیونکہ خبر دینے والا ایک ایسا شخص ہوتا ہے جس کو نہ سننے والے جانتے ہیں اور نہ اس میں وہ شرطیں موجود ہوتی ہیں جو شرعی نقطہ نظر سے ایسی خبروں کے لئے ضروری ہیں۔ علاوہ ازیں وہ صرف ایک شخص کی خبر ہوگی جس کی بنا پر کسی خاص صورت کے

علاوہ عام طور پر رویت ہلال کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔

اس عبارت سے صاف ظاہر کہ ریڈیو کی خبر کی حیثیت شہادت کی نہیں بلکہ خبر کی ہے اور خبر بھی شخص واحد کی جو نہ جامع شرائط ہے، نہ سننے والے اس کو جانتے ہیں تو اس کو شہادت کی حیثیت ہرگز نہیں دی جاسکتی بلکہ بعد شہادت فیصلہ و حکم علما کا اس کے ذریعہ صرف اعلان کیا جاسکتا ہے تو اس کی حیثیت ایک ڈگڈگی یا نقارہ کی سی ہوئی اور اناؤنسر اس کے ذریعہ نشر کرنے والا ہوا اور وہ بھی چند شرطوں کے ساتھ مشروط اور ہر شخص مشروط حکم کے متعلق جانتا ہے کہ اس کی حیثیت خواب میں سلطنت کرنے والے شخص کی ہے۔ جب تک خواب دیکھ رہا ہے سلطنت کے پورے سامان ہیں، آنکھ کھلی تو ہو کامیدان۔ یہی حالت مشروط حکم کی ہے اگر شرط پائی گئی حکم برقرار و موجود ورنہ ہباء منثور۔ اذافات الشرط فافات المشروط اور جب کہ ایک شرط نہیں چند شرطوں کے ساتھ حکم مشروط تو سب شرطوں کا پایا جانا ضرور ورنہ حکم بے سیاہ مریج کا کافور ہوگا۔

اہل علم حضرات بنظر غائر ملاحظہ فرمائیں۔ یہ فیصلہ تین ٹکڑوں پر مشتمل ہے:

اول اگر ریڈیو کے ذریعہ آنے والی خبر کے متعلق یہ اطمینان ہو جائے کہ جس جگہ سے ریڈیو کی خبر دی جاتی ہے، وہاں کے علما نے چاند ہونے کی باقاعدہ شہادت لے کر چاند ہونے کا حکم دیا ہے۔ اس میں چھ شرطیں ہیں۔ اگر ایک بھی منتهی تو حکم معدوم یعنی (۱) اگر ریڈیو سے خبر آئی مگر علما نے حکم نہیں کیا تو ریڈیو کی خبر ناقابل اعتبار (۲) اگر علما نے حکم بھی کیا لیکن بغیر شہادت لئے کسی کے قول پر اعتماد کر کے حکم کیا جب بھی ریڈیو کی خبر ناقابل اعتبار (۳) اگر شہادت بھی لی لیکن باقاعدہ شہادت نہ لی جب بھی ریڈیو کی خبر ناقابل اعتبار (۴) اگر باقاعدہ شہادت بھی لی گئی لیکن علما نے شہادت نہ لی بلکہ معززین کے باقاعدہ شہادت لینے پر علما نے حکم کیا، جب بھی ریڈیو کی خبر ناقابل اعتبار (۵) اگر علما نے شہادت باقاعدہ لی مگر وہاں کے علما نے لی، نہ جس جگہ سے ریڈیو کی خبر دی جا رہی ہے بلکہ دوسری جگہ کے علما نے باقاعدہ شہادت لے کر حکم کیا جب بھی ریڈیو کی خبر ناقابل اعتبار (۶) اگر وہیں کے علما نے جہاں سے ریڈیو میں اعلان کیا گیا ہے، باقاعدہ شہادت لی اور حکم کیا لیکن سننے والے کو اس کا اطمینان نہ ہوا، جب بھی ریڈیو کی خبر ناقابل اعتبار۔ غرض پہلے ٹکڑے کی رو سے ان چھ شرطوں کی تحقیق ضروری ہے ورنہ رویت ہلال کے متعلق ریڈیو کی خبر کا کوئی وزن نہ ہوگا۔

دوم دوسرا ٹکڑا یہ ہے کہ خبر دینے والا بھی متعین ہو کہ کوئی مسلم معتد خبر دیتا ہو تو اس اعلان پر اعتماد کر کے دوسرے مقامات میں بھی چاند ہو جانے کے حکم پر عمل کیا جانا جائز ہے۔ یعنی انہیں چھ شرطوں پر بس نہیں بلکہ ان کے ساتھ ساتھ ساتویں یہ ہے کہ خبر دینے والا متعین ہو۔ اگر کوئی شخص خاص اس کام کے لئے متعین ہو، جب بھی ریڈیو کی خبر ناقابل اعتبار۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہر ریڈیو اسٹیشن پر ایک ایک آدمی اس کام کے لئے متعین کیا جائے۔ کیا معلوم

کہاں چاند نظر آئے اور کہاں کی اطلاع سے کہاں روزہ رکھنے، روزہ کھولنے، عید کرنے کا حکم دیا جائے؟ کلکتہ کی خبر سے دہلی والوں پر یا لکھنؤ کی خبر سے مدراس والوں پر دیہات کی خبر سے شہر والوں پر یا شہر کی خبر سے دیہات والوں پر حکم روزہ افطار کا ہوگا تو ہر جگہ ریڈیو اسٹیشن قائم کیا جانا اور ریڈیو اسٹیشن پر ایک آدمی خاص اس کام کے لئے متعین و مقرر کئے بغیر چارہ نہیں (۸) اور صرف متعین ہونا بھی کافی نہیں بلکہ خبر دہندہ کا مسلم ہونا ضرور ورنہ ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار (۹) اور صرف مسلمان ہونے ہی سے کام نہیں چلتا بلکہ خبر دہندہ کو معتمد بھی ہونا ضرور ورنہ ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار۔ ہر شخص جانتا ہے کہ ہندوستان کے طول و عرض میں مذہبی اختلافات کس قدر ہیں اور ہر شخص اپنے ہی ہم مذہب شخص کو معتمد و مستند سمجھتا ہے۔ کیا سنی عالم کے پاس شہادت رویت گزرے اور اس بنا پر ریڈیو سے اس نے اعلان کیا تو اسے شیعہ صاحبان مان لیں گے یا شیعہ مجتہد کے نزدیک رویت کا ثبوت ہو اور وہ ریڈیو پر اعلان کرے تو اس کو سب سنی معتمد مستند سمجھ کر مان لیں گے پھر سب سننے والوں کا معتمد ہونا کس قدر دشوار ہے؟

سوم پھر تیسرا پیرا گراف ملاحظہ کیجئے اور تمام ہندوستان کے شہروں اور قصبوں میں متعین ذمہ دار جماعت اس کے موافق حکم کریں تو ان پر عمل کیا جائے۔ یہ حکم تمام ہندوستان اور پاکستان کے لئے ہے۔ یعنی ان نو شرطوں کے بعد دسویں (۱۰) شرط یہ بھی ہے کہ تمام ہندوستان کے شہروں اور قصبوں یعنی اگر تمام ہندوستان کے شہروں، قصبوں میں حکم نہ کیا بلکہ بعض ہندوستان کے شہروں قصبوں میں حکم کیا جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار (۱۱) اسی طرح اگر تمام ہندوستان کے شہروں میں حکم کیا لیکن قصبوں میں حکم نہ کیا، جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار (۱۲) علیٰ ہذا اس کے برعکس تمام قصبوں میں حکم کیا لیکن تمام شہروں میں حکم نہیں کیا جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار (۱۳) بعد میں اگر تمام دیہات کے متعین ذمہ دار جماعت نے حکم کیا جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار کہ شرط تمام ہندوستان کے شہروں قصبوں میں حکم کی ہے، نہ دیہات میں (۱۴) اسی طرح اگر پاکستان کے تمام شہروں، قصبوں دیہات میں ذمہ دار متعین جماعت نے حکم کیا جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار کہ شرط تمام ہندوستان کی ہے، نہ پاکستان کی۔ اگرچہ حکم ہندوستان کا پاکستان کو بھی ماننا ضروری ہوگا ملاحظہ ہوا خیر کا فقرہ ”یہ حکم تمام ہندوستان پاکستان کے لئے ہے“ (۱۵) پھر ان شرطوں کے ساتھ متعین ذمہ دار جماعت کو بھی لحاظ رکھنا چاہئے یعنی اگر تمام ہندوستان کے شہروں قصبوں میں حکم کیا لیکن غیر معین جماعت نے حکم کیا جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار (۱۶) متعین جماعت نے حکم کیا لیکن وہ ذمہ دار نہ تھی جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار (۱۷) حکم تمام ہندوستان کے شہروں قصبوں میں متعین ذمہ دار جماعت نے کیا جب بھی ریڈیو کی خبر نا قابل اعتبار کہ شرط جماعت بصیغہ جمع ہے نہ جماعت بصیغہ واحد (۱۸) ان تمام شرطوں کے بعد تمام گھاٹیوں سے گزرنے پر بھی ریڈیو کی خبر سے چاند ثابت ہو کر بحکم صوم الرویتہ و افطرو الرویتہ یہاں بھی

رویت کا حکم ہو کر روزہ رکھنا یا افطار کرنا ضروری نہ ہوگا بلکہ عمل کیا جاسکتا ہے یعنی اگر کوئی عمل کر لے تو مضائقہ نہیں۔ یہ خلاصہ اس متفقہ فیصلہ کا ہے جسے ۳۵ علمائے جمعیت علماء ہند نے مراد آباد میں ۱۸-۱۹ اگست کو پاس کیا ہے جو سب کچھ ہے اگر سرسری نگاہ سے دیکھا جائے اور جو گہری نگاہ سے دیکھا جائے تو کچھ بھی نہیں۔ میرے خیال میں یہ فیصلہ لسان العصر اکبر الہ آبادی کے اس شعر کا مصداق ہے۔

ہے وہم نقش ہستی ہر چند دل نشیں ہے دیکھو اسے تو سب کچھ، سوچو تو کچھ نہیں ہے

ہاں یہ ضرور ہوا کہ عوام خوش ہو گئے کہ ریڈیو کے ذریعہ اعلان پر عمل کرنے کا علما نے چند شرطوں کے ساتھ فتویٰ دیدیا لیکن جب عید الفطر یا عید اضحیٰ کے چاند کے متعلق کسی جگہ کارڈیو بولے گا تو..... ہوئے بس است کے مطابق ایک جماعت ریڈیو سے ہی عید کرنے کے لئے تیار ہو جائے گی اور اپنے دعوے کے ثبوت میں اسی فیصلہ کو پیش کرے گی۔ دوسری جماعت کہے گی یہ اعلان قابل اعتبار نہیں، اس لئے کہ علما نے تو ان شرطوں کے ساتھ فیصلہ کیا ہے۔ وہ کہاں پائی گئیں (۱) اس پر کہاں اطمینان ہوا کہ جس جگہ سے ریڈیو کی خبر دی جا رہی ہے، وہاں کے علما نے چاند ہونے کی باقاعدہ شہادت لے کر چاند ہونے کا حکم دیا ہے (۲) یہ نشر کرنے والا کون شخص ہے؟ ہم تو اسے جانتے ہی نہیں (۳) پھر کیا معلوم کہ مسلم ہے یا غیر مسلم؟ (۴) مسلم بھی ہے تو کس مذہب و مشرب کا ہے؟ ہمیں اس پر کس طرح اعتماد ہو کہ وہ شرعاً مقبول و قابل وثوق ہے؟ (۵) یہ سب مان لیں پھر تمام ہندوستان کے شہروں، قصبوں میں متعین ذمہ دار جماعات نے اس کے موافق کب حکم کیا ہے جو حسب شرائط فیصلہ یہ اعلان قابل اعتبار ہو؟ شرطوں پر عمل کے متعلق عوام کی حالت اگر جمعیت علمائے ہند کے حضرات معلوم کرنا چاہیں تو مولوی اشرف علی صاحب کی کتاب امداد الفتاویٰ ملاحظہ فرمائیں اور ان کے تلخ تجربہ سے سبق حاصل کریں۔ اس لئے کہ یہ ۳۵ حضرات جن کا فیصلہ اخبار والے اچھا لے رہے ہیں اور عوام شہود کے ساتھ پیش کر رہے ہیں، اکثر ان کے شاگرد کی حیثیت رکھتے ہیں اور بہتیرے شاگرد کے شاگرد کی حیثیت کے ہوں گے۔ شاید ہی گئے چنے حضرات ان کے مساوی اور برابری کی حیثیت کے ہوں تو جب ان کو اپنا مشروط فتویٰ عوام کی بے احتیاطیوں اور ان کی وجہ سے ضرور فتن پیدا ہونے کی وجہ سے کہ عوام ان قیود و شرائط کو ملحوظ نہیں رکھ سکتے، واپس لینا پڑا۔ اس لئے ان ۳۵ علمائے جمعیت العلماء ہند سے نہایت ہی مخلصانہ گزارش ہے کہ مولوی اشرف علی صاحب کے تجربہ سے آپ حضرات بھی فائدہ اٹھائیں اور اس فیصلہ کو واپس لیں ورنہ کچھ دنوں کے بعد ہر جگہ جنگ و جدل، نزاع، سرپھٹول اسی فیصلہ کی وجہ سے دیکھ کر اس سے رجوع کرنا ضرور ہوگا۔

امداد الفتاویٰ کی عبارت درج ذیل ہے: ”اس کے قبل بندہ نے تار کو خط یا طبل و مدفع یعنی توپ پر قیاس کر کے اس باب میں ایک تقریر لکھی تھی جس میں قبول تار میں کچھ تفصیل اور بعض شرائط کے ساتھ تنقید تھی مگر اس سال

یعنی ۱۳۲۷ھ کی رویت شوال کے متعلق تاروں پر عمل کرنے میں بے علموں اور کم علموں نے بے احتیاطیاں کیں اور ان سے جو فتن و شرور پیدا ہوئے، ان کو دیکھ کر تجربہ ہوا کہ عوام ان قیود و شرائط کو ملحوظ نہیں رکھ سکتے اور نیز اخبار متواترہ سے تحقیق ہوا کہ تار میں مختلف اقسام کی غلطی اور دھوکہ بھی زیادہ محتمل ہے۔ لہذا خط سے بھی ادون ہے کہ خط میں اس کے طرز سے کچھ تو شناخت کا تب کی ہوتی ہے پھر بھی الخط يشبه الخط بعض احکام میں کہا گیا ہے اور تار میں تو اس کی بھی کوئی علامت نہیں اور نیز طبل سحر و مدفع افطار سے بھی اضعف ہے کیونکہ ان کی ضرب ایک جماعت حاضرین کی مشارکت سے ہوتی ہے جس میں جرأت تعدد خدع کی ابعاد ہے، تار میں یہ بھی نہیں۔ ان امور پر نظر کر کے سـ اللذرائع وحسما للماده، اس تفصیل سے رجوع کر کے اب یہ حکم متعین سمجھتا ہوں کہ اس باب میں تار کی خبر اصلا قابل اعتبار ولا ین عمل نہیں واللہ اعلم۔ ۳ ذیقعدہ ۱۳۲۷ھ۔

بالجملہ بمضمون السعید من وعظ بغيره، لوگوں کو اس تجربہ سے سبق لینا چاہئے اور ہرگز ہرگز مناسب نہیں کہ عوام کے سامنے کوئی مشروط فیصلہ یا حکم پیش کریں۔ اس لئے کہ عوام بے احتیاطی سے کام لیں گے اور شرائط کا لحاظ نہ کریں گے بلکہ جو بات ان کی خواہش کے مطابق ہوگی، کر گذریں گے اور علما کے سراسر الزام ڈالیں گے اور اسی فیصلہ کا سہارا پکڑیں گے۔ واللہ یقول الحق وهو یهدی السبیل وهو الہادی وهو الموفق واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ حافظ عبدالکریم صاحب از علی گڑھ ۲۵ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روافض کہتے ہیں کہ روزہ کورات میں افطار کرنا چاہئے اور یہ حوالہ دیتے ہیں "ثُمَّ أَتَمُّوا الصَّيَّامَ إِلَى اللَّيْلِ"۔ ان کو کیا جواب دیا جائے؟ اور افطار کا وقت کون ہے؟ بینوا تو جروا۔

الـجـواب

رات میں افطار سے اگر یہ مراد ہے کہ جب دن ختم ہو جائے اور رات آجائے، اس وقت افطار کرنا چاہئے تو یہ بے شک حق ہے۔ اور یہی مفاد آیت کریمہ ہے اور یہی اہلسنت وجماعت کا مذہب و عمل ہے۔ دن کے ختم ہونے اور رات کے داخل ہو جانے میں بیچ میں کوئی وقفہ نہیں۔ ایک آن واحد دونوں میں مشترک ہے۔ مگر یہ روافض کا مذہب نہیں ہے۔ ان کے نزدیک جب تک ایک حصہ معتد بہ رات کا نہ گذر جائے، افطار جائز نہیں۔ ان سے یہ پوچھا جائے کہ لیل سے مراد اول لیل لیتے ہو یا آخر یا اس کے وسط کا کوئی حصہ؟ ثالث غیر متعین ہے۔ نہ آیت کریمہ سے کچھ پتہ چل سکتا ہے کہ گھڑی بھر رات گذرے مراد ہے یا ایک پہر یا دو پہر۔ ثانی بدابہت باطل۔ ورنہ معنی یہ ہوں گے کہ ساری رات گذر جائے، دوسرے دن کے صبح کو افطار کرو۔ لاجرم شق اول متعین، کہ آغاز لیل ہونے تک روزہ پورا کرو، اور یہی مذہب اہلسنت کا ہے۔ روافض کا یہ قول

بے باک شریعت مطہرہ پرافترا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”اذا اقبل الليل من ههنا وغربت الشمس فقد افطر الصائم۔“

نیز فرماتے ہیں: ”لا يزال الناس بخير ما عجلوا الفطر۔“

رہا اس کا حوالہ دینا اور اپنے زعم میں آیت قرآنیہ کو اپنا مؤید سمجھنا، سو یہ خیال خام، بلکہ نقش بر آب ہے۔ اس کا جواب یہ کہ غائت اگر جنس ماقبل سے ہو تو تحت حکم مغیا داخل ہوگا۔ مثل مرتقین و کعبین کے بوجہ جنس مغیا ہونے، داخل حکم مغیا یعنی غسل ہے اور اگر غائت غیر جنس مغیا ہو تو نہیں داخل ہوگا۔ اور یہاں صورت ثانیہ ہے۔ والتفصيل فی کتاب الاصول من شاء فلينظر اليه۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از بنارس محلہ مدنی پورہ مرسلہ مولوی عبدالرحمان ۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ

زید کہتا ہے کہ دعا ”اللہم لك صمٹ و بك امنٹ و عليك توكلٹ و علىٰ رزقك افطرت“ میں سب صیغہ ماضی کے ہیں۔ اور ماضی دعا میں مستقبل کے معنوں میں ہو جاتی ہے۔ تو یہ سب صیغے مستقبل کے معنی میں ہوں گے۔ اور عمرو کہتا ہے کہ وہ جو کتابوں میں لکھا ہے، اس کا مطلب تو یہ ہے کہ جس ماضی کے ساتھ اپنے کو یا غیر کو دعا کی جاتی ہے، نہ یہ کہ جو صیغے کہ دعا میں بولے جاتے ہیں۔ خواہ بغرض ماضی، ان سب سے مستقبل کے معنی لئے جائیں۔ تو ان دونوں میں قول صحیح کس کا ہے؟ بینوا تو جروا۔

الـجـواب

بے شک عمرو سچا ہے زید کا قیاس محض فاسد ہے۔ قائل کا مقصود ان الفاظ سے دعا کرنا نہیں ہوتا۔ رہا لفظ افطرت سو اگر قبل افطار پڑھا تو البتہ معنی استقبال محتمل ہے۔ ورنہ اس میں بھی خبر مقصود ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از کمپ میرٹھ، کوٹھی خان بہادر، مرسلہ منشی میر محمد ۶ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ برخوردار حبیب محمد نے سترہ برس ۵ ماہ ۴ یوم کی عمر میں اس جہان فانی سے بعالم جاودانی رحلت کی۔ ایام حیات میں نماز مرحوم پابندی کے ساتھ نہیں پڑھتے تھے۔ لہذا میں چاہتا ہوں کہ کل نمازوں کا کفارہ جس قدر سن بلوغ سے ایام وفات تک قضا ہوں یا جس قدر واجب ہوں، ادا کروں۔ براہ نوازش کتب فقہ وحدیث سے ٹھیک تعداد و ایام تعداد کفارہ یومیہ و کل کفارہ سے کس قدر ہوا، معزز کیجئے۔ مرحوم کے سات سال کی عمر سے کبھی رمضان شریف کے روزے قضا نہیں ہوئے۔ البتہ اس سال بحالت بیماری یک ماہ کے روزہ قضا ہوئے، ان کا کفارہ کیا ہوگا؟ پیدائش مرحوم ۶ شوال ۱۳۰۶ھ ہوئی بوقت ۷ بجے شام اور وفات ۱۰ رذی الحجہ بوقت ۳ بجے کے ہوئی۔ بینوا دو جروا۔

الجواب

حسب تصریح فقہاء کرام ہر نماز، ہر روزہ کا فدیہ، گیسوں خواہ اس کے آٹے یا ستو کے نصف صاع اور جو اور اس کے ستو اور آٹے سے ایک صاع ہے۔

درمختار میں ہے: "لو مات وعلیہ صلوات فائتہ و اوصیٰ بالكفارة یعطی لكل صلاة نصف صاع من بُر کالفطرة و کذا حکم الوتر والصوم۔"

اسی میں ہے: "یحجب نصف صاع من بر لو دقیقہ لو سوبق وصاع من تمر لو شعیرا۔"

سنن و نفل کا کفارہ نہیں کہ وہ مکملات ہیں۔ دن رات میں صرف وتر و فرائض خمسہ کے چھ کفارہ، جس کے تین صاع گیسوں، چھ صاع جو ہوئے۔ صاع عربی پیمانہ ہے، ہمارے بلاد میں مروج نہیں۔ لہذا اس کا حساب سیروں سے عام فہم ہے۔

فاقول وبالله التوفیق: صاع دو سو ستر تو لے، نیم صاع اس کا نصف ایک سو پینتیس تو لے، تولہ بارہ ماشے، ماشہ ۸ رتی، رتی آٹھ چاول کا ہوتا ہے۔ اور انگریزی روپیہ سکہ رائجہ سوا گیارہ ماشے ہیں۔ پس چہارم صاع کی مقدار آٹھ سو دس ماشے یعنی ساڑھے سرٹھ تو لے ہوئے اور نیم صاع ایک سو پینتیس تو لے اور اس انگریزی روپیہ سے ایک سو چوالیس روپیہ بھر ہوئے۔ انگریزی سیر کہ بنگال و ہندوستان و پنجاب کے اکثر شہروں میں مروج ہے، اسی روپیہ بھر یعنی پچتر تو لے کا ہے۔ اس سیر سے ایک صاع کے ساڑھے تین سیر اور ڈیڑھ چھٹانک اور دسواں حصہ چھٹانک کا ہوا۔ تو فدیہ یومیہ نماز کا ۳ صاع گندم یعنی دس سیر..... چھٹانک ہوا یعنی چار روپیہ بھر اوپر پونے گیارہ سیر۔ اور ہر ماہ کے کہ ۳۰ دن کا ہو، آٹھ من چار سیر ہوئے۔ اور حسب تصریح علماء عظام سال قمری کبھی تین سو پچپن دن سے زائد نہیں ہوتا۔ تو سال بھر کے پچانوے من چونتیس سیر ہوئے۔ پس اگر مدت بلوغ معلوم ہے تو ان سترہ سال ۲ ماہ ۴ دن سے اس قدر نکال کر باقی کا فدیہ سال ماہ یوم سے حساب کر کے ادا کریں۔ اور اگر معلوم نہیں تو اقل مدت بلوغ کہ مرد کے لئے ۱۲ برس ہے، نکال کر باقی ۵ سال ۲ ماہ ۴ دن کے چار سو چھیانوے من اکیس سیر تین چھٹانک، اور پانچواں حصہ چھٹانک کا کفارہ نماز میں ادا کریں۔ خواہ بازار کے نرخ سے اس قدر کی قیمت دیں۔

رہے انتیس کفارے روزے کے کہ رمضان ۱۳۲۳ھ ۲۹ ہی دن کا ہوا، اس کی دو صورتیں ہیں۔ اگر ایسا مرض جس میں روزہ مضر تھا یا روزے کی طاقت نہ تھی، شروع ماہ مبارک سے آخر تک برابر مستمر رہا۔ اور شوال تک بھی کوئی دن ایسا نہ پایا جس میں روزے کا امکان ہوتا۔ جب تو ان روزوں کا فدیہ اصلاً لازم نہیں۔ اگر شروع رمضان سے ۶ شوال تک کچھ دن ایسے پائے جس میں روزہ رکھنا مضر نہ ہوتا اور اس کی طاقت تھی، تو ایسے جتنے دن ہوئے، ان کا کفارہ وہی فی روزہ نیم صاع کے حساب سے یعنی چار روپیہ بھر اوپر پونے دو سیر کے ادا کریں۔ یہ سب فدیے کسی فقیر مصرف زکوٰۃ پر تصدق کریں۔

درمختار میں ہے: "فان ماتوا قبلہ ای فی ذلک العذر فلا نجب علیہم الوصیۃ بالفدیۃ لعدم ادراکہم عدۃ

من ایام اخر ولو ماتوا بعد زوال العذر وجبت الوصیۃ بقدر ادراکہم عدۃ من ایام اخر۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔

(سوال دستیاب نہ شد)

الـجـواب

طریقہ آن سنت کہ حساب کنند سالہای عمر میت را و ادنی مدت در مرد و دوازده سال و در زن نہ سال است، وضع کنند۔ باقی را مقابل ہر شش نماز واجب شبانہ روز کہ سہ صاع کامل گیرند و ما بینہا کامل سی روز اعتبار کنند تا فدیہ نماز ہائے یکساں کہ سی صد و شصت روز است، یک ہزار و ہشتاد صاع حاصل آید۔ مگر از آنجا کہ سال قمری بیش از سہ صد و پنجاہ و پنج یوم نمی شود، فدیہ سال کامل یک ہزار شصت و پنج صاع از گندم شد و پانزدہ صاع فدیہ رمضان افزائند، ہمگی فدیہ تمام سال یک ہزار و ہشتاد صاع شود و زنان را اگر عادت حیض معلوم بود فہما ورنہ از پیش بلوغ تا عمر پنجاہ سال یا بہر عمر کہ حیض منقطع شدن معلوم باشد، بہر ماہ سہ روز کم کنند۔ ہمیں طریق سالہائے تمام عمر را حساب کنند۔ حاصل آنرا موافق قیمت آن وقت اگر ارزانی شود مبلغ شخص نمودہ والا پس ہر قدر کہ غلہ شدہ باشد بفقر او ہر کہ مصرف زکوٰۃ باشد، دہند۔ و اما فی زمانہا کہ رغبت عامہ کسان در امور شرعیہ فائزست یا بوجہ قلت استطاعت قدر مذکور ادا نتوانند کہ تیسر ش آنست کہ قدرے گندم یا جو و غیر ہا کہ میسر شود۔ منجملہ بایں نام بفقر ادا ہند و او قبول کردہ اینہا را بدہد۔ باز بہماں نام دہند و پنچین مکرر کنند تا آنکہ فدیہ نماز و روز ہائے تمام و کمال ادا شود۔

امام بزاز فی در فتاویٰ خود فرماید: ”ان لم یکن لہ مال یتقرر ض نصف صاع ویعطیہ المساکین ثم یتصدق بہ المسکین علی الوارث ثم الوارث الی المسکین ثم و ثم حتی یتیم لکل صلوٰۃ نصف صاع کما ذکرنا۔“ ہکذا فی البحر الرائق والخلاصۃ والہندیۃ والطحطاوی علی مراقی الفلاح و ابی السعود علی المسکین والملقط والبرجندی والدر المختار وغیرہما من معتمدات الاسفار۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔



کتاب النکاح ۵

مسئلہ مرسلہ مولوی ظہور الحسن رامپوری مدرس مدرسہ محمدیہ راندیر ۲۵/۲/۱۳۲۲ھ

در نکاح ایجاب و قبول کہ رکن است اگر بجائے قبول الحمد للہ گفت و قبول کردم و غیر آن از الفاظ قبولیہ نگفت۔ دریں صورت نکاح نافذ خواهد شد یا نہ؟ بینوا تو جروا۔

الجواب

نہ۔ فی الہندیۃ: ”سئل نجم الدین عمن قال لامرءة خويشتن را بہزار درم کا بین بمن بزنی دادی فقالت بالسمع والطاعة قال ینعقد النکاح۔ ولو قالت سپاس دارم لا ینعقد۔ لان الاول اجابة والثانی وعد کذا فی المحيط۔“ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ سید محمد ظہور احمد، پیتھو شریف ضلع گیا ۶/صفر المظفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چوری سے نکاح درست ہے یا نہیں؟ یعنی وکیل بالنکاح اور شاہدین جانتے ہوں یا ایک ایسا شخص اور سوائے ان تین کے جانتے ہوں اور بعد نکاح بھی اخفاء منظور ہو اور یہ مقصود ہے کہ حمل نہ رہے، جو افشائے نکاح ہو یا یہ بات کہ فلا نہ عورت سے بذریعہ نکاح جو تعلق ہے، ظاہر نہ ہو۔ بینوا تو جروا۔

الجواب

نورت جو چھپا کر نکاح کرنا چاہتی ہے، اگر نابالغہ ہے تو ظاہر کہ بغیر اولیاء کے نکاح نافذ نہیں۔ در مختار میں ہے: ”وہو ای الولی شرط صحة نکاح صغیر و مجنون و رقیق۔“

ردالمحتار میں ہے: ”فلا یصح الا بولی۔“

اور اگر بالغہ ہے اور اس کے لئے کوئی ولی نہیں یا جس سے نکاح کرنا چاہتی ہے، وہ اس کا کفو ہے یعنی نسب یا مذہب یا چال چلن یا پیشہ یا کسی بات میں ایسا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح اس عورت کا ہونا اس کے اولیا کے لئے باعث تنگ و عار ہو یا کفو بھی نہیں نہ تو اس عورت کے ولی کو اس کی اطلاع ہے اور وہ یہ جان کر کہ یہ شخص اس کے ساتھ اس نکاح پر راضی ہے تو ان دونوں صورتوں میں نکاح ہو جائے گا۔ جبکہ دو مرد یا ایک مرد، دو عورتیں ایجاب و قبول دونوں کو ایک جلسہ میں کرادیں اور اتنا سمجھیں کہ یہ نکاح ہو رہا ہے۔ اور اگر یہ صورت نہیں بلکہ اس عورت نابالغہ کے اولیا موجود ہوں، جس سے نکاح کرتی ہے یہ کفو نہیں اور اولیا کو خبر نہ کی گئی، یا وہ راضی نہیں یا راضی ہوئی لیکن انہیں کفو نہ ہونا معلوم نہیں، تو سرے سے نکاح ہوگا ہی نہیں۔ اور صورت اولیٰ جس سے نکاح ہو جائے گا، اس میں بھی ایسا اخفاء ناپسند و خلاف شرع ہے۔

حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں: ”اعلنوا هذا النکاح واجعلوه فی المساجد واضربوا علیہ بالدفوف۔“
 ”نکاح کا اعلان کرو، اسے (تبرکاً) مسجد میں کرو، اس پر دف بجاؤ۔“ رواہ الترمذی عن عائشة رضی اللہ عنہا
 والامام احمد فی مسنده وابن حبان فی صحیحہ والطبرانی فی الکبیر وابو نعیم فی الحلیۃ والحاکم فی
 المستدرک عن ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 حدیث شریف میں ہے: ”فصل ما بین الحلال والحرام الدف والصوت فی النکاح۔“ ”زنا اور بیوی سے
 مجامعت میں فرق دف اور صوت ہے کہ زنا چپکے چپکے کیا جاتا ہے اور نکاح اعلان کے ساتھ۔“ رواہ احمد و الترمذی و النساء
 وابن ماجہ۔

شرع الاسلام میں ہے: ”والسنة فی النکاح الاعلان ای الاظهار لیقع الفصل بینہ وبين السفاح۔“
 در صورت جواز نکاح یہ قصد کہ ولادت نہ ہو، مستلزم ہے عزل کو یعنی وقت جماع فرج سے باہر انزال۔ عورت
 اگر حرہ ہو (اور بیشک یہاں سب کی عورتیں ایسی ہیں) تو بے ان کے اذن جائز نہیں۔ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
 مروی ہے: ”نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یعزل عن الحرۃ الا باذنہا۔“ اور اگر وہ بھی راضی ہو تو
 ایک عیب فعل ہے۔

حضور اقدس ﷺ سے عزل کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا: ”ما من کل النساء یکون الولد واذا رآه
 اللہ خلق شیئاً لم یمنعه شیء۔“
 بلکہ ناپسند اور مقصود شرع کے خلاف ہے۔ حدیث شریف میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”تزوجوا
 الودود والود فانی مکاثر بکم یوم القیمۃ۔“ نکاح فی نفسہ کوئی بری چیز نہیں کہ ظاہر نہ کیا جائے۔ حضور اقدس ﷺ
 فرماتے ہیں: ”النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔“ نکاح میری سنت ہے، جو اس سے اعراض
 کرے وہ مجھ سے نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از شہر کہنہ ۸ جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عمرو کے نکاح میں اپنی پھوپھی زاد بھائی کی لڑکی اور
 ماموں زاد بھائی کی لڑکی آسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الـجـواب

عمرو کے نکاح میں بے شک آسکتی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: ”وَأَجَلَ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ۔“ (النساء: ۲۴) ”درست ہے نکاح کرنا
 سوائے ان محرمات منصوصہ کے“ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از فرید پور، بریلی مرسلہ قاضی محمد صلاح الدین ۱۲ جمادی الآخرہ ۱۳۲۳ھ
چہ می فرماتے علمائے دین اندر میں صورت کہ زید بحالت مجرد، ایک عورت مسماۃ ہندہ، بیوہ سے شادی کی اور
ندہ اپنے ساتھ ایک لڑکا عمر دلائی۔ عمر کی وفات کے بعد عمر کی بیوہ سے زید کی شادی جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب

بلاشبہ عمر کی بیوہ بیوی کا نکاح زید کے ساتھ جائز ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: ”وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَمُ۔ (النساء: ۲۴)“ اور ان
کے سوا جو ہیں، وہ تمہیں حلال ہیں۔“ (کنز الایمان)
نسبہ الخلاق میں ہے: ”ولا تحرم بنت زوج الام وامہ ولا ام زوجة الاب ولا بنتها ولا ام زوجة الابن ولا بنتها
ولا زوجتہ ولا زوجة الاب رملی۔“ واللہ تعالیٰ اعلم۔



کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے نکاح کیا۔ اس عورت کے ہمراہ
ایک لڑکی سات برس کی تھی اور اس شخص کے ایک لڑکا تھا۔ پہلی بیوی سے دس برس کا، اب وہ لڑکی اور لڑکا دونوں جوان
ہو گئے۔ اب وہ شخص اور وہ عورت باہم لڑکی اور لڑکے کا نکاح کرتے ہیں، جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب

بلاشبہ جائز ہے۔ نکاح آپس میں درست ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: ”وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَمُ۔ (النساء: ۲۴)“ اور ان
کے سوا جو ہیں، وہ تمہیں حلال ہیں۔“ (کنز الایمان)
بحر الرائق میں ہے: ”تحل اخت اخیه نسبا بان یکون له اخ من اب او اخ من امه فانه یجوز له
التزوج بها کذا فی شرح الكنز والتبیین والملا مسکین۔“ واللہ تعالیٰ اعلم وعلیہ اتم واحکم۔



مسئلہ مسئلہ از شہر..... ۳۰ ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی زوجہ نے انتقال کیا اور شخص مذکورہ کی خواہش یہ ہے
کہ اپنی سگی بہتیجی بہو سے جو کہ بیوہ ہے عقد کرنا چاہتا ہے۔ از روئے شرع شریف درست ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب

اگر کوئی وجہ حرمت رضاعت یا قرابت سے نہیں تو اس شخص کا نکاح اپنی بہتیجی بہو سے درست ہے قال اللہ تعالیٰ:
”وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَمُ۔ (النساء: ۲۴)“ اور حلال کی گئی تمہارے لئے ماسوا محرمات منصوصہ کے۔ اور ظاہر ہے کہ محرمات منصوصہ
سے بہتیجی بہو نہیں۔ والمسئلة لا تخفی علی من له عقل سلیم وفوق کل ذی علم علیم واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب صحیح اور عجیب نسخہ ہے واللہ اعلم فقیر الی القدر وصی احمد قادری مدرس مدرسة الحديث، پہلی بہت محلہ میر خان

مسئلہ مرسلہ حافظ نبی بخش محافظ دفتر سرائے خادم ۷ ربیع الثانی شاہجہاں پور ۱۳۲۳ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک طوائف غیر مذہب نے اپنا نکاح مسلمان
کے ساتھ بلا مسلمان ہوئے کیا۔ ایک ماہ تک اس کے مکان پر رہی اور کھانا پینا بھی شمول رہا۔ بعد ایک ماہ، زید کے یہاں
سے نکل کر بکر کے ساتھ نکاح کر لیا۔ قبل نکاح ثانی کے اس کو کلمہ شریف پڑھایا گیا اور نماز بھی پڑھائی گئی۔ اسلام میں
مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شرع شریف میں وہ نکاح اول یعنی زید کے ساتھ اور نکاح ثانی یعنی بکر کے
ساتھ ان دونوں میں کوئی نکاح درست ہے یا نہیں؟ اگر کوئی درست نہیں ہوا، تو اب شرع شریف کے نزدیک کس طرح
پر درست ہو سکتا ہے یا نہیں؟ بینو او تو جردا۔

الجواب

طوائف کا، اگر وہ کتابیہ تھی اور اس نے اپنا نکاح زید کے ساتھ قبل قبول مذہب اسلام کر لیا تو یہ نکاح صحیح ہو گیا۔
لعدم المانع۔ اس کے بلا طلاق و موت زید جو نکاح بکر سے کر لیا، یہ نکاح درست نہیں اور نہ ہوا۔ قال اللہ تعالیٰ حل
وعلا: ”وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ“ (النساء: ۲۴) ”اور حرام ہیں شوہر دار عورتیں۔“ (کنز الایمان)
جلالین میں ہے: ”وحرمت علیکم ای ذوات الازواج من النساء من قبل مفارقة وراحتہن“ یعنی اور حرام کی
گئیں تم پر شوہر دار عورتیں قبل مفارقت ازواج ان کے۔ اگر وہ عورت مشرکہ تھی تو بلا مسلمان ہوئے اس کا نکاح زید سے درست نہ
ہوا۔ قال اللہ تعالیٰ: ”وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَنَّ“ (البقرة: ۲۲۱) اور نہ نکاح کرو مشرکات سے جب تک وہ ایمان
نہ لے آئیں۔ اس صورت میں بعد اسلام جو نکاح اس نے بکر سے کیا، وہ صحیح ہوا۔ لخلو ثمن الازواج و المسئلة مشہورہ۔
واللہ تعالیٰ اعلم۔



بحضور جناب زبدۃ العارفین و قدوة السالکین، خاتم المحدثین، وارث علوم سید المرسلین، اعلیٰ حضرت استاذنا
و مرشدنا صاحب قبلہ ادام فیوضہم علینا و علی سائر المسلمین آمین
پس از تقدیم آداب و قدم بوسی معروض خدمت بابرکت میں یہ ہے کہ بہت دن گذر گیا ہے کہ ایک خط مندرج
ایک سوال کے ارسال خدمت کیا گیا تھا۔ مگر شومی بخت سے جواب نہیں دیا گیا۔ لہذا بار دیگر عرض کرتا ہوں۔
سوال: ایک شخص نے ایک آدمی کو اس وعدے سے کہ اپنی لڑکی کی شادی کر دیں گے، اپنے گھر میں لایا اور کہا
کہ تم میرے گھر داماد رہو! مگر میرے گھر کا کام کما حقہ انجام دینا ہوگا۔ دین مہر کذا و کذا پر جانہیں سے قواعد قرار ٹھیک ہوئی
تم جو میرے گھر میں کام کرو گے، اس سے مہر ادا کیا جائے گا۔ مگر یہ بات معلوم نہیں تھی کہ ناکح پر بہت روپیہ قرض تھا۔
جب کہ اتنا روز گذرا، قرض خواہوں نے تقاضہ شروع کیا۔ اب دلہن کے باپ نے اپنی طرف سے اس کا قرض کچھ
ادا کیا اور کچھ باقی رہا۔ پھر جب کچھ دن گذرے تو ناکح کہتا ہے کہ اب نکاح کرادو۔ دلہن کا باپ کہتا ہے، تم میرے یا

س آئے، اتنا اتنا قرض تھا تم پر، میں نے تمہارا قرض ادا کیا۔ اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ تم کچھ روپیہ کہیں سے لاؤ تب شادی ہو جائے گی۔ انہوں نے بہت تلاش کیا اور قرض چاہا مگر آگے کا مقروض تھا، کہیں سے کچھ نہیں پایا۔ پھر دلہن کے باپ نے کہا کہ تھوڑا دن میرے پاس ٹھہرو، میرے پاس کچھ روپیہ ہو جائے، تب تمہاری شادی کرادیں گے، مگر وہ نہ مانا۔ دوسرے ایک آدمی سے مل کر رات کو اس لڑکی کو چرا کر لے بھاگا اور مشورہ دینے والے کے گھر میں رکھا۔ لے جانے کے بعد دلہن کے باپ نے اس کے پاس رو کر کہا کہ مجھ کو شرم مت دینا، میرے گھر میں آؤ، میں بخوشی نکاح کرادوں گا۔ جب دلہن نے یہ بات سنی تب یہاں سے دوسری جگہ لے جا کر دونوں چھپ رہے۔ تو دلہن کے باپ نے پولس کو خبر کر دی۔ قریب دو مہینہ بعد میاں بی بی دونوں پکڑے گئے۔ حاکم کے پاس مقدمہ دائر ہوا۔ تو آ کر فیصلہ یہ ہوا کہ لڑکی کو اپنے والدین کے حوالہ کیا جائے اور اس کو مجبوس ڈیڑھ مہینہ کیا اور دولہا کے پاس نہ گھر رہنے کو نہ جگہ گھر باندھنے کو۔ نہ طعام ایک وقت کا موجود ہے اور نہ ایک کوڑی مول لینے کو ہے۔ ایسا مفلس اور نادار شخص ہے۔ ایسے آدمی کو ایک لڑکی کیوں کر دی جائے، نہ ایک کپڑا دے سکتا ہے۔ پس دلہن کے باپ نے دوسرے آدمی کو کہ اس کے پاس دو سو روپیہ موجود ہے، اس سے نکاح کرادیا۔ تب ظاہر ہوئی یہ بات کہ جو چرا کر لے گیا تھا، اس وقت میاں جن نے نکاح پڑھوایا تھا مگر جس وقت کہ مقدمہ دائر تھا، اس وقت کسی نے یہ بات نہیں کہی اب جب کہ نکاح دوسرا ہو گیا۔ جو لوگ شاہد اور وکیل تھے، کہتے ہیں کہ نکاح اس سے ہو گیا تھا مگر لڑکی سے قبل نکاح ثانی کے ہم دو تین آدمیوں نے بہت پوچھا اور بار بار استفسار کیا لیکن وہ برابر انکار ہی کرتی رہی کہ نکاح نہیں ہوا۔ ایک دفعہ ایک عورت سے اقرار کرتے سنا ہوں مگر اپنے کان سے نہیں سنا اور یہ بات پھر پوچھی گئی تھی۔ مہر میں کچھ تعین کیا گیا تھا یا نہیں؟ کچھ کپڑا بھی نقد دیا تھا یا نہیں؟ برابر کہا کہ نہیں۔ واقعہ بھی یہی تھا کہ اس نے کچھ نہیں دیا۔ حاکم برہما تھا۔ لڑکی چودہ برس سن کی تھی۔ برہما قانون میں نابالغ ٹھہرایا، نابالغ اپنے اختیار سے نکاح نہیں کر سکتی ہے۔ مگر از روئے شرع محمدی، موافق مذہب حنفی کے لڑکی بالغہ ہے۔ خوب ظاہر، اس میں کچھ شک نہیں۔ اب لڑکی کے والدین کہتے ہیں کہ اگر اس سے نکاح ہو گیا ہو، تاہم اس کو لڑکی نہیں دیں گے۔ چونکہ اس کو نہ گھر ہے، نہ جگہ گھر باندھنے کی ہے اور نہ روزی ایک روز کی موجود ہے۔ اور نہ وہ ایک کپڑا دے سکتا ہے، ایسے آدمی کو لڑکی کیسے دی جائیگی؟ بالفرض اگر دی بھی جائے تو وہ کیا کھلائے گا اور کہاں رکھے گا؟ اس سے اگر نکاح ہوا ہے تو فسخ کر دوں گا، چونکہ وہ میرا کفو نہیں ہو سکتا ہے۔ اب یہ مسئلہ میرے پاس آیا ہے۔ مگر میں کیا جواب دوں، ساکت ہوں، کچھ جواب نہیں نکلتا ہے۔ اب آنحضور خوب تحقیق کر کے، عبارت کتب تحریر فرما کر بندہ کے پاس ارسال فرمائیں۔ اگر صورت فسخ ہو تو صحیح اگر نہ ہو تو صحیح۔

جواب مرسلہ مولوی واعظ الدین بنگالی پنجم محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

مولانا المکرم علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! اس شخص کی حالت جو لڑکی کو لے گیا تھا اور دعویٰ نکاح کرتا ہے، جس طرح کہ سوال میں مرقوم ہے، بہت قرض دار ہے، نہ گھر رہنے کا، نہ چاول کھانے کا، نان نفقہ، خور و نوش سے عاجز ہے۔ نہ طعام ایک وقت کا موجود ہے، نہ کوڑی مول لینے کو، نہ ایک جوڑا کپڑا دے سکتا ہے، نہ مہر معجل و نہ مہر مؤجل ادا

کر سکتا ہے۔ تو فی الواقع اس لڑکی کا قصور نہیں، کہ کفایت میں معتبر کفایت فی المال بھی ہے۔ یعنی وہ ایسا ہو کہ مہر و نفقہ دے سکے۔ عالمگیری میں ہے: ”وہو ان یکون مالکاً لمہر و النفقة وھی المعتبر فی ظاہر الروایۃ حتی ان من لا یملکها او لا یملک احدھا حتی لا یکون کفء کذا فی الہدایہ۔“

پس جب کہ وہ اس کا کفو نہیں۔ تو اگر لڑکی چودہ سال کی بالغہ ہے، قطع نظر اس سے کہ عورت نکاح کا انکار کرتی ہے۔ چو نکہ ولی سے اجازت نہ ملی، بغیر اس کی رضا کے نکاح کر لیا بطور خود تو موافق مذہب مفتی بہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں، محض باطل ہے۔ اور موافق ظاہر الروایۃ کے اگر چہ صحیح ہے، مگر ولی کو حق فسخ حاصل ہے۔ حاکم سے کہہ کر تفریق کرا سکتا ہے۔

”امراء زوجت نفسہا من غیر کفو صح النکاح فی ظاہر الروایۃ وروی الحسن عن ابی حنیفۃ ان النکاح لا ینعقدو بہ اخذ کثیر من مشائخنا کذا فی المحيط۔“

تبیین میں ہے: ”من نکحت غیر کفو فوق الولی لما ذکرنا و النکاح ینعقد صحیحاً فی ظاہر الروایۃ۔“ حاشیہ علامہ شملی میں ہے: ”اما علی الروایۃ المختارۃ للفتوی لا یصح العقد اصلاً اذا كانت زوجت نفسہا منها۔“

در مختار میں ہے: ”ویفتی فی غیر الکفء بعدم جوازہ اصلاً و هو المختار للفتوی لفساد الزمان“ (الدر المختار، باب الولی: ۵۶/۳)

عقودوریہ میں ہے: سئل فی امرء یرید الزوج بلا رضا ابیہا و هو غیر کفو کیف احکم فی ذلک؟ الجواب: اذا نکحت بلا رضا ابیہا فرق القاضی بینہما بطلب الولی و هذا ظاہر الروایۃ عن ائمتنا و لکن المروی عن الحسن عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بطلان النکاح من غیر کفو و بہ اخذ کثیر من مشائخنا قال شمس الائمة و هذا اقرب الی الاحتیاط و الاحوط سداً باب التزوج عن غیر کفو۔ قال الامام فخر الدین الفتوی علی قول حسن فی زماننا۔ فی البحر المفتی بہ روایۃ الحسن عن الامام ابی حنیفۃ من عدم انعقاده اصلاً اذا کان لها ولی ولم یرض قبل فلا یفید الرضاء بعده اہ مختصراً۔“

مفتی بہ روایت حسن کی امام صاحب سے ہے کہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں، کہ عالمگیریہ اور در مختار میں اور صاحب ہدایہ اور خلاصہ اور قاضی خاں میں ”مختار للفتوی“ اور علامہ شملی نے ”الروایۃ المختارۃ للفتوی“ ایضاً میں ”وعلیہ الفتوی“ فرمایا۔ ہکذا فی فتح اللہ المعین و تبیین و بزازیہ و خزائنہ المفتیین۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بلاشبہ جواب صواب ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ فقیر سراپا تقصیر و صی احمد خفی سنی قادری مدرس مدرسہ الحدیث واقع پبلی بھیت محل منیر جان۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ مولوی عبدالرؤف از ملک بنگال شوبہ پور ضلع نواکھی ۲۲ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

ماقولکم ایہا العلماء، وارث الانبیاء رحمنا اللہ ببر کاتکم اندرین مسئلہ کہ زید، زوجہ خود را سہ طلاق داد۔ بعد ازاں برائے آوردن در نکاح خود عمر و را بران کلام مقرر و معین نموده کہ تو زوجہ مطلقہ مرا بعد از انقضائے عدت بنکاح آورده بعد از دو یک شب زن مذکورہ را سہ طلاق بدہ۔ عمرو بر آں قول مقرر گشتہ، آں زن را بنکاح آورده بحسب قرار آں زن را سہ طلاق بداد۔ آں نکاح صحیح است یا نہ؟ و برائے زوج اول حلال است یا نہ؟ اگر علماء عوام الناس را بران فعل ترغیب بدہند مجرم خواہند شد یا نہ؟ و مصداق قول رسول اللہ ﷺ لعنة اللہ علی المحلل والمحلل لہ براوشاں صادق آید یا نہ؟ بادلہ شرعیہ قویہ بمطابق مذہب حنفیہ بیان فرمانید و عند اللہ اجرش بگیرند۔

الجواب

السلام اربنا الحق حقاً والباطل باطلاً سبخنک لاعلم لنا الا ما علمتنا نکاح عمرو با زوجہ زید منکوحہ بنکاح صحیح بشرط تحلیل مثل آنکہ گوید، تزوجت علی ان احللک نزد فقیہ اقدم، امام اعظم، سراج المملۃ والدین والائمة ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکروہ است، و ممنوع و گناہ است۔ و ہمیں مذہب اہل علم از اصحاب کبار عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عثمان بن عفان و عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم و از تابعین اہبار امام سفیان ثوری و ابن مبارک است و امام شافعی، احمد ہم قائلش شدہ اند۔

در ہدایہ است: "واذا تزوجها بشرط التحلیل فالنکاح مکروہ۔" اگر ازاں مطلق بشرط تحلیل نکاح کرد، نکاح مکروہ است۔ کذا فی التبیین والبحر و شرح الوقایہ و فتح اللہ المعین قال فی الدر المختار و کرہ التزوج للثانی (تحریماً) در رد المحتار تحت قولہ و کرہ التزوج للثانی است: کذا فی البحر یعنی در بحر ہم کراہتیش مرقوم است۔ لکن اگر تحلیل آں زن بر زوج اول عند العقد محض منوی و مضمر داشت۔ کما هو المستفاد من ظاهر السؤال و شرط در عقد نکرد، مستحق لعن نخواہد شد۔

فی العنایہ، لو اضمرد ذلك فی قلبه لم يتحقق اللعن، ورنہ مکروہ است بلکہ آن مرد و انشاء اللہ تعالیٰ ما جور خواہد شد۔ کما فی البحر و التبیین در قبستانی از مضمرات ست (کہ آنرا علامہ ابن عابدین شامی شارح در مختار تحت قولہ لایکرہ کردہ بل یحل فی قولہم جمیعاً بلکہ بالاتفاق حلال است مراورا۔ باز نکاح بشرط تحلیل اگر چہ گناہ است، فاما در حصول تحلیل آں مرد زوج اول را نہ اشتباہ است چون عمرو بالغ یا مراہق کہ مثلش جماع می تواند کرد، آں را بعد و طی طلاق داد۔ بعد انقضائے عدت بر زوج اول بلاشبہ حلال است، ہے۔ لوجود الدخول فی النکاح الصحیح۔ در ہدایہ است: فان طلقها بعد و طیها حلت للاول پس اگر آن مرد، آن زن را بعد و طی طلاق داد، بر زوج اول حلال است۔ فی الدر المختار: "کرہ بشرط التحلیل وان حلت للاول لصحة النکاح و بطلان الشرط فلا یحبر علی الطلاق کما حققه الکمال۔"

”نکاح بشرط تحلیل مکروہ است اگرچہ آن زن برائے شوی حلال شد بسبب صحت نکاح و بطلان این شرط۔ پس زوج ثانی اگرچہ بشرط طلاق در عقد آورده باشد بر طلاق جبر نکرده شدہ۔ چنانچہ امام کمال ابن ہمام تحقیق فرمودہ است۔“
 وعلمائے کہ بر تزویج بشرط تحلیل ترغیب دہند، لاجرم بمضمون الدال علی الشی کفاعلہ اثم ومصدق حدیث لعن رسول اللہ ﷺ الحدیث خواہند شد، احتراز باید کرد و از شان علماء پس بعید است کہ نکاح برائے اجتماع زوجین کردہ می شود، برائے تفریق را ترغیب دہند نسأل اللہ العفو والعافیۃ۔ واللہ تعالی اعلم

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نابالغ کا نکاح اس کا باپ کر سکتا ہے یا نہیں اور ماں کو منع کرنے کا حق ہے یا نہیں اور ولی کون کون ہیں؟

الـجـواب

بلاشبہ جائز ہے۔ کنز الدقائق میں ہے: ”وللولی النکاح الصغیر و الصغیرۃ۔“ ”یعنی جائز ہے نکاح کردینا ولی کو صغیر اور صغیرہ کا۔“ اور عصبہ بہ ترتیب ارث ہے۔ یہاں تک کہ اقرب کے ہوتے بعد محبوب ہے۔ ہدایہ میں ہے: ”والترتیب فی العصبات فی ولایۃ النکاح کالترتیب فی الارث والابعد محجوب بالاقرب۔“

پس جب کہ باپ نکاح کرنا چاہتا ہے ماں منع نہیں کر سکتی اور باپ کا نکاح کر دینا جائز ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اثم واحکم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ اگر ولی غیر جابر دخترک نابالغہ را بنکاح زید داد۔ بعد از بلوغ آں دخترک بروفق شرع بر فسخ نکاح قادر است یا نہ؟ نیز بر تقدیر اول نزد محمد و ابو حنیفہ بعض از شرائط فسخ نکاح قضائے قاضی پست۔ لہذا معترض گوید کہ دریں دیار بوجہ عدم قاضی نہ دخترک پس از بلوغ بر فسخ نکاح قادر نیست۔ بدلیل عقلی و نقلی ایں اعتراض درست شود یا نہ؟ بینوا دو تو جروا۔

الـجـواب

زبانی سبائل معلوم شد کہ نکاح ہذا بہ وجودگی اب نمودہ و پدرش بجلوس نکاح حاضر نبود و بعد استماع خبر جلسہ اولی سکوت کردہ نجلہ ثانیہ او کرد و براں راضی شد۔ پس بر تقدیر صدق مستفتی نکاح مذکور باطل محض است۔ اصلاً روئے صحت ندارد۔ وفی الدر: ”فلو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ اہ الی ان اجاز جازو الا فلا واذالم یجزلم یجز۔“ یعنی اگر ولی ابعد وقت موجودگی ولی اقرب نکاح کرد۔ براجازت موقوف خواہد ماند۔ پس اگر اجازت داد نکاح صحیح و درست شد و اگر رد کرد باطل است۔ پس چوں اجازت نہ داد و رد کرد، نا جائز باطل است۔ و سکوتش

بہ مجلس اول ہم نیست کہ رضا صراحتہ و دلالتہ مثل قبض مہر یا فرستادن دختر خود را نزد ولی وغیر ذلک در کار است۔

قال العلامة الشامي في حواشيه: ”(قوله توقف على اجازته) تقدم ان البالغة لو زوجت نفسها غير كفوف لولي الاعتراض ما لم يرض صريحاً او دلالة لقبض المهر ونحوه فلم يجعلوا سكوتها اجازة والظاهر ان سكوته ههنا كذلك فلا يكون سكوته اجازة لنكاح الا بعد وان كان حاضراً في مجلس العقد وما لم يرض صريحاً او دلالة تامل۔“

و اما جواب ايس آمد کہ صورت فسخ بودی چگونه کرده شدی پس از آنجا کہ در عامہ بلاد ہند بوجہ سلطنت مسلمانان، قاض شرع مفقود و حکم عنقاء دارد، چارہ کار ايس بود کہ زوجہ معاملہ مذکورہ را پیش حکم برد کہ او بعد ثبوت بموجبہ شوہر تفریق کند۔ فان الحکم کالتقاضی کل ماليس بحد ولا قود ولا دية کما نص عليه في عامة الكتب للمذهب۔

مگر حکم بلا رضا ئے فریقین نتوان شد۔ اگر زوج تن برضا ندہد، حکم حکم مقبول نیفتد و در زمان فقدان سلطان اسلام، قضاہ ہر کہ از علمائے سنت اعلم وافقہ و اہل باشد، دریں چنین امور قائم مقام اوی باشد۔ می رسید کہ پیش آں عالم رفتی و از کار خود خن گفت و عالم بعد ثبوت مواجہت شوہر تفریق فرمودے۔ فاما ايس معاملہ دریں دیار پیش نمی رود۔ اگر بعد تفریق عالم زن تحکم شوہر نمی گرفته خود رہنی دیگر دہد۔ شوہر بہ کچہری ہاناشی می توان شد۔ پس اولی آنکہ بر یا۔ ستہ اسلامیہ نزد قاضی وے کہ مجاز عام من جانب نواب باشد، تفریق خواہد۔ بتفریقش نکاح فسخ خواہد شد۔ اینجا دقت ہمیں است کہ تقاضہ محل الغائب روانیست و ریاست را بر شہر کہ ساکن قلم بردار نیست ولایت کرا خواہد داد۔ فاما بسبب معاہدہ کہ میان ریسان وانگریزاں است، آناں بالجبر بذریعہ کلکٹرا ايس ظلمت می تواند کرد و گواہیم نتواند پیش اعلم بلد معاملہ بپایاں رساند تا عند اللہ تفریق حاصل نشود تا آنکہ آں زن گوید کہ تفریق یافتہ ام بلکہ از سر مقدمہ پیش کند کچہری ہانبہ..... شرع اند۔ چون ثابت شود کہ ولی ا بعد بے اجازت اقرب تزویج کرد و اقرب رونمود، حکم برو خواہند داد و ايس حکم مطابق آں حکم خواہد شد۔ واللہ تعالی اعلم۔

اصاب المحیب جزاء القریب جز الا یثیب عبده المذنب احمد رضا خاں قادری۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بالغہ کا نکاح اس کے بھائی نے بلا رضا مندی اس کے اور بلا قبول اس کے، زید سے کر دیا۔ اور حیلہ سے زید کے مکان پر بھائی لے گیا اور جس وقت نکاح کی خبر ہندہ نے سنی فوراً وہاں سے چلی آئی۔ یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟

الـجـواب

صورت مسئلہ میں حسب بیان سائل معلوم ہوا کہ ہندہ بالغہ ہے۔ لہذا بغیر رضا اس کے اور بلا اجازت اس کی ہرگز درست نہیں۔ یہ نکاح نہیں ہوا۔ ولایت جزنا بالغہ پر کسی کو حاصل نہیں واللہ اعلم۔ محمد حسین

بیشک نکاح نہیں ہوا کیونکہ عورت نابالغہ کا نکاح بدون اس کے اذن کوئی بھی نہیں کرا سکتا۔ قال النبی ﷺ: ”لا

تَنْكَحُ الْاَيْمَ حَتَّى تَسْتَامِرَ وَلَا تَنْكَحُ الْبَكَرَ حَتَّى تَسْتَاذِنَ۔“ الحدیث متفق علیہ۔ وعن حسناء بنت خدام ان اباهما زوجها وهی ثیب (ای بالغہ) فکرمھت ذالک فانت رسول ﷺ فرد نکاحھا رواہ البخاری۔

حرره العبد الضعیف محمود غفرلہ

یہ جواب غلط ہے۔ سوال میں صرف اتنا ہے کہ ہندہ بالغہ کا نکاح اس کے بھائی نے بغیر اس سے اجازت لئے زید سے کرا دیا۔ جب ہندہ کو خبر ہوئی، فوراً چلی آئی۔ اس پر یہ کہنا کہ ہرگز نکاح درست نہیں اور بیشک یہ نکاح نہ ہوا، محض غلط ہے۔ نکاح ضرور درست ہے اور ضرور ہو گیا۔ اجازت نہ لینے سے اس قدر ہوا کہ نکاح فضولی قرار پایا۔ پھر نکاح فضولی صرف درست نہیں بلکہ صحیح و منعقد ہے۔ ہاں اس کا نفاذ اجازت پر موقوف رہتا ہے۔ اگر اجازت دیدے نافذ ہے، چاہے رد کرے تو باطل ہے۔ پر یہاں کوئی کلمہ بھی مذکور نہیں۔ صرف اتنا ہے کہ وہ سن کر فوراً چلی آئی۔ چلا آنا ممکن ہے کہ بر بنائے عدم رضا ہو یا بر بنائے شرم و حیا ہو، محتمل بات سے خواہی نخو اہی رد قرار دینا، محض جہالت ہے۔ اس کا جواب مستند یہ ہے کہ نکاح صحیح سمجھا جائے گا اور ہو گیا۔ اور اس کا نفاذ اجازت ہندہ پر موقوف ہے۔ واللہ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے ہندہ کو نابالغہ میں شادی کیا اور ہندہ کے والدین نہیں تھے۔ نانائانی نے پرورش کیا اور ان کو ولی مان شادی دلایا۔ اور ہندہ کا اس وقت سے لے کر وقت شادی تک کوئی واسطہ نہیں رہا۔ اور ہندہ نے از شادی تا بعد بلوغیت آمد و رفت کا سلسلہ جاری رکھا۔ تقریباً شادی کو ڈیڑھ سال ہو رہا ہے..... ہوئی ہے اور اس کے نانائانی نے ان کو آنے سے باز رکھا ہے..... وقت شادی ان کے چچا کی موجودگی پر میں نے ولی بن کر شادی دلایا۔ لہذا نکاح منسوخ ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ یہ بتائیں کہ نکاح ہوا یا نہیں؟ سوال کا جواب مفصل دیں۔ (نام ندارد)

الـجـواب

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ ہندہ کی شادی کو ڈیڑھ سال ہوئے۔ شادی کے چھ ماہ بعد وہ بالغہ ہوئی اور شادی کے دن سے اس وقت تک شوہر سے راضی اور اس نکاح سے خوش ہے۔ اور سوال میں یہی ہے کہ ”ہندہ نے از شادی تا بعد بلوغیت آمد و رفت کا سلسلہ جاری رکھا“۔ اس لئے یہ نکاح کہ ولی بعید نے پڑھایا اور ہندہ نے بعد بلوغ پسند کیا، انکار نہ کیا، جائز و ثابت ہے۔

ہدایہ میں ہے: ”وان زوجہما غیر الاب والجد فکل منہما الخیار اذا بلغ، ان شاء اقام علی

النکاح وان شاء فسخ۔“

ہندہ کے ناناکا اس کو شوہر کے پاس آنے سے روکنا سخت گناہ اور ”یُفَرِّقُونَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ“ (البقرة: ۱۰۲) میں داخل ہے۔ اور یہ بے معنی دلیل پیش کرنا کہ ”وقت شادی ان کے چچا کی موجودگی پر میں نے ولی

بن کر شادی دلا یا لہذا نکاح منسوخ ہے، عجیب بے عقلی اور گناہ کا اعادہ کرنا ہے۔ اگر چچا کی موجودگی میں نانا کے نکاح پڑھانے سے نکاح نہیں ہوتا تو کیا اس نے اپنی نواسی کو زنا کرانے کے لئے زید کے حوالہ کیا تھا۔ اس کے نانا کو چاہئے کہ خدا سے ڈرے اور میاں بیوی میں تفرقہ کا باعث اور اپنے کو مورد طعن نہ بنائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ

صدر مدرس جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار۔ ۱۱/۱۱/۱۳۵۱ یقعدہ بروز یکشنبہ ۱۳۵۱ھ

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید فضولی نے ہندہ بالغہ، باکرہ کا نکاح خالد سے بلا تعین دو گواہ باجارت باپ ہندہ کے بعوض مبلغ اکیس ہزار روپیہ (جو کہ مہر مثل سے نصف کم سے قریب ہے) ایک جماعت عام میں کر دیا۔ زید یا پدر ہندہ نے خود ہندہ سے نہ قبل نکاح اجازت لی تھی اور نہ بعد نکاح اطلاع دی۔ مگر ہندہ کو قبل سے خبر تھی کہ آج خالد سے میرا نکاح ہے اور جب دوسرے اجنبی لوگوں نے نکاح کی خبر ہندہ کو دی تو ہندہ چپ رہی اور انکار نہیں کیا اور خلوت صحیحہ بھی ہو گئی۔ ایسی صورت میں نکاح ہو گیا یا تجدید نکاح کی ضرورت ہے؟ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب

الجواب واللہ الموفق للصواب۔

الجواب: اس صورت میں نکاح ہندہ کی صریح اجازت پر موقوف ہے۔ لہذا لازم ہے کہ ہندہ سے صاف لفظوں میں منظوری نکاح کا اقرار کرا لیا جائے ورنہ ابدالاً یا دوزنا ہوتا رہے گا اور اولاد و ولد الحرام قرار پائے گی جیسا کہ ہدایہ میں ہے: ”وإذا استأذنها الولی فسکت أو ضحكت فهو إذن بقوله ﷺ البکر تستامر فی نفسها فان سکت فقد رضیت اه قال وان فعل هذا غیر الولی لم یکن رضاء حتی تتکلم به لان هذا لسکوت نقلة الالتفات الی کلامه فلم یقع دلالة علی الرضا ولو وقع فهو محتمل والا کتفاء بمثله للحاجة والحاجة فی حق غیر الاولیاء بخلاف اذا ما کان المستامر رسول الولی لانه قائم مقامه انتھی۔“

اگر یہ کہا جائے کہ خلوت صحیحہ سے بڑھ کر اور رضا مندی کے لئے صراحت کی کیا ضرورت ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ احکام شرعیہ کی تکمیل ضروری ہے اور بلا تصریح کے محض وطی ہو جانے سے صحت نکاح کا حکم نہیں دے سکتے ہیں کیونکہ شیوع جہالت کا زمانہ ہے اور جہل شرعاً عذر نہیں واللہ اعلم۔ اور جب کہ نکاح ہذا مجمع عام میں ہوا ہے، دو گواہوں کے تعین نہ ہونے سے کوئی حرج نہیں ہے۔ اور جبکہ نکاح ہذا موقوف ہے تو صرف تصریح اذن سے نافذ ہو جائے گا، دوبارہ نکاح پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور جبکہ ہندہ کے باپ نے مہر مثل سے کم پر اجازت دی ہے تو ولی کو فتح نکاح کا حق ہی نہ رہا واللہ اعلم بالصواب۔

نمقہ المسکین ابو المظفر محمد سعید الدین عفی عنہ المدرس الاول فی المدرسة العزیزہ

بین السوال والجبوب عجب اضطراب مشوش قلب واقع ہے۔ سوال میں زید نکاح پڑھانے والے کو فضولی بتایا گیا ہے اور فضولی وہ شخص ہے جو مامور بانشائے عقد نہ ہو اور جواب میں یہ عبارت ”اور جبکہ ہندہ کے باپ نے مہر مثل سے کم پر اجازت دیدی ہے تو ولی کو نسخ نکاح کا حق بھی نہ رہا“ جو سوال کے اندر داخل نہیں ہے، جواب کو مفید اطمینان ہونے سے مانع ہوتی ہے کیونکہ یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ آیا باپ کی طرف سے یہ اجازت زید کو حاصل ہوئی تھی اور اسی اجازت کی بناء پر انشاء عقد ہوا؟ اگر یہی صورت ہے تو فضولی نہیں ٹھہرتا بلکہ مامور منجانب اب ہوا۔ فانی بصرہ ص ۱۸۱ جواب دیا ہے کہ یہ اجازت باپ سے بعد از انشاء عقد خبر پہونچنے پر پیرایہ رضا میں صادر ہوئی، اس صورت میں گو جواب از روئے عبارت صاحب ہدایہ صحیح ہو سکتا ہے لیکن محل نظر ضرور ہے۔ فقط کتبہ علی نعمت الظواری رحمت زید باری

(سوال مطول و مفصل)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بالغہ باکرہ کی منسوب خالد سے ایک سال سے تھی۔ اور ہندہ اور ہندہ کے باپ وغیرہ کو معلوم تھا کہ آج ہندہ کا نکاح ہے۔ لیکن ہندہ کا باپ چار کوس پر تھا۔ ہندہ کے باپ نے اکبر کے نام سے خط لکھا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ میں بیمار ہوں۔ پیادہ روی سے مجبور ہوں، سواری ملتی نہیں ہے۔ میں تو چاہتا تھا کہ تاریخ بڑھادی جاتی تاکہ میری بھی شرکت ہوتی۔ مگر جب کہ عورتوں نے تاریخ مقرر کر لی ہے تو انجام ہی ہونا ضرور ہے۔ زید وہاں موجود ہے بعوض مبلغ اکیس ہزار روپیہ نکاح کر دے۔ لڑکی میری دانستہ بالغہ ہے، اس کی بھی اجازت لے لے اور احمد آرنہ خط کا زبانی ہدایت بھی ایسی کر دی۔ زید ہندہ کے باپ کا حرف پہچانتا تھا بلا اجازت اکبر خط پڑھ کر احمد آرنہ خط کا زبانی بیان سن کر بلا لینے ثبوت شہادت، زید نے بعوض مبلغ اکیس ہزار روپیہ (جو کہ مہر مثل سے نصف کم کے قریب ہے) ایک مجمع عام میں بلانا مزد کرنے دو گواہ کے، ہندہ کا نکاح خالد سے کر دیا۔ زید یا پدر ہندہ نے خود ہندہ سے قبل نکاح اجازت نہیں لی تھی اور نہ بعد نکاح خود زید یا کسی دوسرے شخص خاص نے ہندہ کو نکاح کی خبر دی۔ مگر جب نکاح ہو گیا تو گھریا ہر شور غل مچ گیا کہ نکاح ہو گیا، نکاح ہو گیا۔ جس وقت تو اتر سے نکاح کی خبر ہندہ کے گھر پہونچی (ہندہ بھیڑ میں تھی) صریح لفظوں میں اقرار یا انکار نہ کیا اور خلوت صحیحہ بھی ہو گئی۔ ہندہ خالد سے راضی ہے اور ہندہ کے باپ کو بھی کوئی کلام نہیں ہے۔ ایسی صورت میں نکاح صحیح و نافذ ہو گیا یا تجدید نکاح و تصریح اذن ہندہ کی ضرورت ہے اور بالفرض اسی صورت میں اگر ہندہ کے باپ کا خط نہیں آتا اور زبانی ہدایت بھی نہیں ہوتی تو کیا جواب ہوگا؟

(اعتباہ) مانحن فیہ، میں امورات خمسہ مفصلہ ذیل پر ضرور دلیل شافی ہونی چاہئے:

(۱) اجازت بالکتابت جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس صورت میں زید وکیل منجانب پدر ہندہ قرار پائے گا یا نہیں؟ خانیہ وغیرہ میں مصرح ہے کہ اگر ولی نے بلا اجازت اپنی لڑکی بالغہ کا نکاح پڑھا دیا تو یہ نکاح لڑکی کی رضا پر موقوف ہے۔ اگر بالغہ ہے تو سکوت بھی رضا ہوگا جیسا کہ عند الاستیذان سکوت رضا پر محمول ہے۔ پس اگر زید وکیل پدر ہندہ قرار پاتا ہے تو اس کے نکاح پڑھا دینے پر سکوت، رضا پر محمول ہوگا یا نہیں؟ اور اگر بالفرض زید وکیل نہیں بلکہ فضولی قرار دیا

جائے تو بغیر تصریح اذن ہندہ، یہ نکاح نافذ ہوگا یا نہیں؟ اور اجازت فعلی (اعنی خلوت صحیحہ) مثل اجازت قولی (اعنی اقرار باللسان) کے متغیر ہوگی یا نہیں؟

(۲) انعقاد نکاح کے وقت نامزد کرنا دو گواہوں کا (جیسا کہ فی زمانہ ہذا مروج ہے) بھی ضرور ہے یا صرف موجود رہنا کافی رہے گا؟

(۳) بعد نکاح منکوحہ کے پاس رو برو شخص خاص (جیسا کہ فی زمانہ ہذا رائج ہے) کو جا کر نکاح کی اطلاع کرنا بھی ضرور ہے یا کسی طرح (جیسا کہ مآخذن فیہ میں ہوا ہے) سے اطلاع ہو جانا کافی ہوگا؟

(۴) استیذان غیر ولی میں تکلم باللسان شرط ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے: ”واذا استاذ نہا الولی فسکت او ضحکت فهو اذن وان فعل هذا غیر الولی لم یکن رضا حتی یتکلم به۔“ اور ”مما یحکم فیہ“ میں یہ نکاح بوجہ ترک استیذان ہندہ کی اجازت پر موقوف ہے۔ جیسا کہ ہدایہ میں ہے: ”وتزویج العبد والامۃ بغیر اذن مولاہما موقوف فان اجاز الولی جاز وان ردہ بطل و کذا لک لو زوج رجل امرءة بغیر رضاها او رجلا بغیر رضاہ۔“

پس استیذان اور اجازت شرعاً دوشی ہے یا شی واحد؟ اگر دوشی ہے تو جس طرح استیذان غیر ولی میں تکلم باللسان شرط ہے، اسی طرح اجازت میں بھی تکلم باللسان شرط ہے یا نہیں؟ اور ہر واحد کی بقول مفتی بہ اجمالاً یا جداگانہ کیا تعریف ہے؟

(۵) مجرد سکوت دلیل اجازت ہے یا نہیں؟ اور اگر بالفرض مجرد سکوت دلیل اجازت نہیں ہے تو خلوت صحیحہ دلیل اجازت ہوگی یا نہیں؟ بنقل عبارات فقہیہ معتبرہ علمائے احناف جواب ہونا چاہئے۔ بینوا تو جروا۔

الجواب

صورت مسئلہ میں نکاح مذکور صحیح و نافذ ہوا۔ اب نہ تصریح اذن ہندہ کی ضرورت نہ تجدید نکاح کی حاجت۔ بلکہ بالفرض اگر ہندہ کے باپ کا خط بھی نہ آتا اور زبانی ہدایت بھی نہ ہوتی، جب بھی نکاح نافذ ہی ہوتا۔ اس لئے کہ یہاں یا تو زید بوجہ توکیل اب ہندہ بمنزلہ اب ہے کہ القلم احد اللسانین والکتاب كالخطاب۔ یا اتنا بھی نہیں بلکہ ایک اجنبی و فضولی گرچہ بالغہ کے نکاح میں باپ بھی حکماً فضولی ہے اور امر خود عورت ہی کی طرف عاید۔ اسی کی اجازت سے جائز، اس کے رد سے رد ہے۔

فتاویٰ امام فقیہ النفس قاضی خاں میں ہے: ”لان رجلاً زوج ابنته البالغة من رجل غائب وقبل عن الزوج فضولی فانت ابوالمرءة۔ قبل اجازة الغائب لا یبطل نکاح الاب بموته لان الاب لو اراد فسخ النکاح لا یملک فی قول ابی یوسف و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ لانه فضولی فلا یبطل النکاح۔“

صورت اولیٰ میں جب کہ بحکم فعل الوکیل فعل المؤکل زید کا نکاح جو مجمع عام میں اگرچہ بے تعین شاہدین ہوا (اس لئے کہ نکاح کے لئے حضور و سماع و فہم شاہدین شرط ہے نہ کہ مجمع حاضر سے خاص دو کی تعین) ہندہ کے باپ کا کیا

ہو انکاح قرار دیا جائے۔ کما سیاتہ نصہ جب تو اس کی خبر پا کر ہندہ بکر کا سکوت ہی اجازت کو بس ہے۔ اگر تمکین و خلوت صحیح نہ بھی ہوتی تو صرف سکوت ہی رضا سمجھا جاتا۔

خانیہ میں ہے: ”السکوت جعل رضافی مسائل معدودة منها بکر زوجها دلیلها فعلت ذالک فسکت کأن سکوتها رضا۔“

اور صورت ثانیہ میں اگرچہ زید بمنزلہ اب ہندہ نہیں، نہ اس کا نکاح حکم نکاح اب ہندہ میں ہے۔ تو یہاں مجرد سکوت کافی نہ ہوتا۔ مگر جب بھی لا اقل فضولی اجنبی تو ہے اور نکاح فضولی منعقد ہے۔ بالغہ کا نکاح کوئی راہ چلتا محض بلا اذن کر دے تو اجازت بالغہ پر موقوف رہتا ہے۔ اگر اجازت ہے تو جائز، رد کر دے تو رد ہو جائے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ”لا يجوز نکاح احد علی بالغه صحيحة العقل من اب او سلطان بغير اذنها بکرا کانت او ثیافان فعل ذلک فالنکاح موقوف علی اجازتها فان اجازته جاز وان ردت بطل۔“

اب تنقیح طلب دو باتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اجازت کے لئے صاف لفظوں میں ہی اقرار ضروری ہے یا اور بھی کسی طرح سے اجازت ہو سکتی ہے؟ تو ان صورتوں میں سے کوئی بات یہاں پائی گئی یا نہیں؟ ہم دیکھتے ہیں کہ خاص الفاظ سے اجازت کی حاجت نہیں۔

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، فتاویٰ عالمگیریہ، تنویر الابصار، درمختار، میں ہے: واللفظ للاول ”و کما يتحقق رضاها بالقول لقولها رضيت وقبلت او احسنت و اصبت و بارک الله لك ولنا ونحوه ما يتحقق رضاها بالدلالة بطلب مهرها ونفقتها و تمكينها علی الوطی وقبول التهنية وضحك بالسرور من غير استئذان۔“

شامی میں حلبی اور اسی میں خانیہ سے ہے: ”اجاب صاحب الهدایہ فی امرء زوجت نفسها بالف من رجل عند الشهود فلم يقل الزوج شيئاً لكن اعطاها المهر فی المجلس ان يكون قبولا وانکر صاحب المحيط وقال لا مال لم يقل بلسانه قبلت بخلاف البيع لانه ينعقد بالتعاطی والنکاح لخطرة لا حتی توقف علی الشهود بخلاف اجازة نکاح الفضولی بالفعل لا تجوز العقول ثمہ۔“

ردالمحتار میں ہے: ”یعنی و اشار ان الاجازة یثبت بالدلالة کما یثبت بالتصريح وبالضرورة۔“

عالمگیریہ میں بحر الرائق سے ہے: ”ویثبت الاجازة فی النکاح الفضولی بالقول والفعل۔“ اور ہم دیکھتے ہیں کہ خلوت برضا بھی اجازت ہے۔

فتاویٰ ظہیریہ، بحر الرائق پھر ردالمحتار میں ہے: ”ولو خلا بها برضاها هل يكون اجازة لا رواية لهذه المسئلة وعنده ان هذا اجازة۔“

بزاز یہ قبیل فصل عاشر میں ہے: ”ولو خلا بها برضاها فالظاهر انه اجازة۔“ اسی میں ہے: ”عندی

انہ اجازۃ و کذا الخلوۃ فی النکاح الموقوف۔“ پس جب خلوت صحیحہ بھی اجازت ہے اور دلالت بھی رضا۔ تو صورت مسئلہ میں اگرچہ عاقد نے خود جا کر اطلاع نہ کی، نہ شرعاً اسے یہ ضرور مگر جب ہندہ کو خبر پہونچی اور اس نے رد نہ کیا، یہاں تک کہ خلوت صحیحہ ہوئی تو اجازت فعلی پائی گئی، جو اقویٰ من القول ہے۔ لاجرم نکاح نافذ ہو گیا۔ اب تصریح اذن کی اصلاً حاجت نہیں۔ واستیذان غیرولی میں خاص زبان سے کوئی لفظ کہنا شرط ہے، نہ اجازت نکاح غیرولی میں بلکہ قولی و فعلی دونوں کافی ہیں۔ ہاں سکوت محض قولاً و فعلاً، دلالت صراحۃً اجازتاً، اصلاً نہ ہو، استیذان یا تزویج غیرولی کے لئے کافی نہیں۔ اور یہی مطلب عبارت ہدایہ کا ہے، جس کی توضیح عنقریب آتی ہے۔ یہ سب اس صورت میں ہے کہ سوال میں خلوت سے حقیقی معنی مراد ہوں اور اگر وہ جماع سے کنایہ ہے یعنی صحبت برضا واقع ہوئی، جب تو فضولی اجازت میں اصلاً کسی طرح کسی کو محل شبہ نہیں۔ فان التمكن من الوطی اجازۃ بلا خلاف وقد نص علیہ فی غیر ما کتب۔

استیذان و اجازت میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔ استیذان غالباً مزوج یا کسی بالائی شخص کا کام ہے۔ اور اجازت بحال بلوغ و عقل و قرب خاص زوجین کا فعل کہ دوسرے سے ناممکن۔ اذن و اجازت میں فرق ہے۔ اگرچہ ایک دوسرے کی جگہ کلمات علما میں مستعمل۔ قبل از نکاح اظہار رضا کو اذن کہتے ہیں اور بعد کو اجازت، قولی ہو یا فعلی۔

ردالمحتار میں ہے: ”قلت یظهر مما ذکرنا الفرق بین الاذن والاجازۃ ان الاذن مما سيقع والاجازۃ مما وقع ویظهر منه ایضا ان الاذن یکون بمعنی الاجازۃ اذا کان لامر وقع بالجملة۔“ صورت مسئلہ میں نکاح مذکور، بے شبہ صحیح و نافذ ہے۔ نہ حاجت تجدید، نہ ضرورت تصریح اذن۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب جناب مولوی ابوالمظفر محمد سعید الدین صاحب مدرس اول مدرسہ عزیز یہ قطعاً باطل ہے۔ چند حروف مختصر اس کے متعلق حسب فرمائش گزارش کرتا ہوں۔

قولہ ”اس صورت میں نکاح ہندہ کی صریح اجازت پر موقوف ہے“

اقول نہیں ہرگز نہیں۔ بنا بر مذہب قوی نکاح فضولی میں خلوت صحیحہ بھی اجازت ہے۔ ملاحظہ ہو فصول عمادیہ عبارت بزازیہ

سے ہے: ”وکذا الخلوۃ فی النکاح الموقوف اجازۃ۔“

پس جب خلوت صحیحہ ہوئی جو اجازت فعلی اولیٰ من القولی ہے، نکاح فائز ہو گیا پھر دوبارہ اجازت کی حاجت نہیں رہی۔

قولہ ”لہذا لازم ہے کہ ہندہ سے صاف لفظوں میں منظوری نکاح کا اقرار کرایا جائے۔“ اقول صاف لفظوں میں اجازت تو اصلاً کسی حالت میں لازم نہیں۔ بلکہ قولاً و فعلاً ہر طرح مطلقاً اجازت ہوتی ہے اور استیذان ان اور تزویج ولی اقرب میں محض سکوت بلا قول و فعل سے بھی۔ اور عبارت ہدایہ سے شبہ کا حل اجمالاً گذرا اور تفصیلاً عنقریب آتا ہے۔ تو لہذا جس بنیاد پر لکھا گیا ہے، وہی غلط ہے۔ لہذا یہ ”لہذا“ بھی فاسد و ضطط ہے۔ کوئی ضرورت نہیں کہ اب پھر صاف لفظوں میں ہندہ سے کہلوایا جائے۔

قوله ”ورنه ابدا لا باذننا ہوتا رہے گا اور اولاد ولد الحرام قرار پائے گی“ اقول یہ حکم، علیٰ محض جبروتی و بے دلیل، بنائے فاسد علی الفاسد ہے۔ خادم فقہ و واقف رموز شرع پر پوشیدہ نہیں کہ اذن و اجازت سے مقصود صرف اظہار رضا ہے نہ کہ خاص لفظ۔ قلت اور تمکین علی الوطی اول دلیل علی الرضا۔ کما صرح العلامة الشامی قدس سرہ السامی تو ابدا لا باذننا اور کنار ایک دفعہ کی وطی بھی زنا نہ ٹھہرے گی، نہ زوجین کی اولاد کبھی حرامی قرار پائے گی۔ اور ابدا لا باذننا عجب ارشاد۔ معدود برسوں سے زیادہ تو زوجین زندہ بھی نہ رہیں گے مگر ان کا زنا ابدا لا باذننا جاری رہے گا۔ اور اگر اس سے وبال زنا مراد ہو، جب بھی غلط۔ زنا کفر نہیں، جس کی سزا دائم و نامنقطع ہو۔

قوله ”جیسا کہ ہدایہ میں ہے:“واذا استاذنھا الولی الی قولہ لانه قائم مقامہ الخ“

اقول مولوی صاحب یہاں تک کہ جو لکھا محض اجتہاد تھا اور اپنے خیال پر احکام تھے۔ اب عوام کے نزدیک فتویٰ کی عزت اور اسے بھاری بھر کم بنانے کو عربی عبارت تحریر فرمائی۔ مگر اس سے تو نہ لکھنا ہی اچھا تھا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ استیذان و اجازت دونوں کا حکم ایک ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو عبارت ہدایہ میں دوبارہ استیذان ولی وغیر ولی کا فرق بتایا ہے کہ ولی کے استیذان میں سکوت و صکک بھی اذن ہے۔ اور غیر ولی میں نہیں بلکہ تکلم درکار ہے۔ اور سوال میں صاف مذکور ہے کہ زید یا پدر ہندہ نے خود ہندہ سے نہ قبل اجازت لی تھی اور نہ بعد نکاح اطلاع دی۔ پھر صورت مسئلہ سے اس عبارت کو کیا تعلق ہوا؟ اور اگر اذن و اجازت دونوں کا ایک ہی حکم ہے تو اس عبارت ہدایہ سے زیادہ کھلی ہوئی تصریح خائبر میں ہے: ”اما غیر الاب والجد لیس بولی فی النکاح من غیر کفو فلم یکن سکوتھا رضا ولا بد من التعلق۔“

مگر جواب اس کا اولایہ ہے کہ یہ اس صورت میں ہے جب اجنبی فضولی محض ہو اور وہ خود نکاح پڑھا دے۔ درمختار

میں ہے: ”بکر استاذنھا غیر الاقرب کا جنبی۔“

شامی میں ہے: ”قوله کا جنبی المراد به من لیس له ولایۃ فتمثل الاب اذا کان کافرا او عبدا او مکانبا لکن رسول الولی قائم مقامہ فیکون سکوتھا رضا عند استیذانہ کما فی الفتح والوکیل کذا لک کما فی البحر عن القنیۃ“ اور یہاں پر زید وکیل اب ہندہ ہے تو حکم اب میں ہوا۔ پس خلوت اور تمکین تو در کنار نفس سکوت ہی رضا ہوگا۔ العبارة قد مضت ثانیاً۔ بالفرض زید حکم اب میں نہ لیا جائے اور اجنبی محض ہی قرار پائے، جب بھی صاف لفظوں میں کہنا کچھ ضروری نہیں، دلالت اذن بھی حکم نطق و تکلم میں ہے۔

درمختار میں ہے: ”فان استاذنھا غیر الاقرب کا جنبی او ولی بعید فلا عبرۃ بسکوتھا بل لابد من

القول الثیب البالغۃ او ما هو فی معناه من فعل یدل علی الرضا بطلب مہرھا ونفقتھا وتمکینھا من الوطی ودخولہ بہا برضاھا“ ظہیرہ۔

شاید مولوی صاحب کو بعض رسمی کتابوں کے الفاظ ”حتی تنکلم بالقول کا الثیب“ سے دھوکا ہوا، اس لئے صاف لفظوں میں منظوری نکاح کا اقرار لازم کیا۔ یہ خیال صحیح نہیں۔ سیاق کلام مظہر ہے کہ مراد یہ ہے کہ غیر ولی کے

استیذان میں سکوت محض کافی نہیں۔ بلکہ دلالت واضحہ چاہئے۔ جس طرح بھی ہو۔ ممکن کہ سکوت، قلت التفات کی وجہ سے ہو تو رضا پر دال نہ ہوگا۔ اس لئے درمختار میں عبارت تنویر ”فان استاذنہا غیر الاقرب فلا بل لا بد من القول کا لثیب“ کے درمیان فلاں کے بعد بڑھایا ”لا عبرة بسکوتہا“ ہدایہ میں ”حتی لا تتکلم“ کے بعد فرمایا: ”لان هذا السکوت لقلۃ التفات الی کلامہ فلم یقع دلالة علی الرضا۔“ ظاہر ہوا کہ یہاں سکوت، عدم دلالت کی وجہ سے نا معتبر ہوا۔ تو جہاں دلالت ہو، اعتبار لازم ہے۔

فقیر غفرلہ المولیٰ القدر کہتا ہے کہ شریعت مطہرہ کا یہ قاعدہ نہیں کہ ”بہ مکن بگیر تا بہ تپ راضی شود“ بلکہ چند چیزوں سے ممانعت مقصود ہوتی ہے یا چند طریقہ سے اجازت سمجھی جاتی ہے تو اس میں اہل کوز کر فرماتی ہے تاکہ اقویٰ واشد کا حکم بدرجہ اولیٰ معلوم ہو جائے۔ ابوین کے بارے میں حکم ہوا ”ولا تنقل لہما اف“ جس سے سب و شتم، ضرب وغیرہ سب سے ممانعت بدرجہ اولیٰ سمجھی گئی۔ یوں ہی تکلم باللسان، طلب مہر، طلب نفقہ، خلوت صحیحہ، تمکین علی الوطیٰ میں سب سے آسان صرف زبانی اجازت تھی۔ شرح وقایہ، ہدایہ، خانیہ وغیرہا میں صرف قول و نطق و تکلم پر اکتفا کیا کہ ذی عقل سلیم سمجھ سکتا ہے کہ جب اجازت قولی سے نکاح موقوف، نافذ ہو جاتا ہے، اجازت فعلی سے کہ اس سے بدرجہ ہا قویٰ ہے، بدرجہ اولیٰ نافذ ہوگا۔ اگر قدمائے حنفیین کے وہم و خیال میں بھی یہ بات آتی کہ آخر زمانہ میں بعض مدعیان علم ایسا خیال فرمائیں گے کہ ماں باپ کو اف کہنا تو بے شک گناہ ہے، مارنے، گالی دینے، تحقیر شان، سوء ادب سے نہیں تو جس طرح متاخرین نے تصریح کر دی ہے، وہ بھی صاف فرما دیتے اور عبارت ہدایہ سے دھوکا نہ ہوتا۔

علامہ شامی تحت قول ”لا بل رضاہما یكون بالدلالة“ لکھتے ہیں: ”اشارة الی ماورد الزیلعی علی الکنز وغیرہ

من ان رضاہما لا یقتصر علی القول۔“

قولہ ”اگر یہ کہا جائے کہ خلوت صحیحہ سے بڑھ کر اور کیا رضا مندی کے لئے صراحت کی ضرورت ہے؟

تو جواب یہ ہے کہ احکام شرعیہ کی تعمیل ضروری ہے“

اقول بے شک ضروری ہے اور ضرور ضروری ہے۔ مگر حکم شرع تو یہی ہے کہ اجازت صرف قول پر موقوف نہیں۔

جو فعل اجازت پر دلالت کرے، وہ بھی اسی حکم میں ہے۔ بکر کے متعلق تصریحات گذر چکیں، شیب اور صبی کے متعلق بھی ملاحظہ ہو۔

خانیہ پھر ردالمحتار میں ہے: ”الولی اذا زوج الشیب فرضیت بقلبہا نظہر الرضا بلسانہا کان لہا ان ترد

لان المعتبر فیہا الرضا باللسان اذا الفعل الذی یدل علی الرضا نحو التمکین علی الوطیٰ و طلب المہر

وقبول المہر دون قبول الہدیۃ و کذا فی الغلام۔“

دیکھتے عدم اظہار رضا باللسان پر اختیار متفرع کیا ہے۔ جس سے آپ جیسا وہم ہوتا ہے کہ خاص الفاظ لازم ہیں اور

وہیں اسی سطر، اسی حکم کی خاص تغلیل میں رضائے قولی و فعلی کی تعلیم فرمادی، جس سے ہر ذی فہم پر روشن ہو گیا کہ رضا باللسان

مارضا بالقول سے مطلق دلیل رضا مراد ہے۔ قولی ہو یا فعلی۔ ورنہ دلیل مناقض دعویٰ ہوگی۔

امام ابن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں: ”انہ (ای التمكن) فوق القول ای لانه اذا ثبت الرضا

بالقول ثبت بالتمكين علی الوطی بالاولی لانه دل علی الرضا۔“ رد المحتار۔

قولہ ”اور بلا تصریح کے محض وطمی ہو جانے سے صحت نکاح کا حکم نہیں دے سکتے ہیں۔“

اقول عبارات کتب سے تو کالٹنس فی رابعة النهار معلوم ہو چکا ہے کہ اس صورت میں اجازت قولی ہی ضروری نہیں،

اجازت فعلی بھی کافی ہے۔ اور تنفیذ نکاح کے لئے مثل قولی ہے۔ متعدد عبارتیں گزر چکیں۔ علامہ زین بن نجیم کی تصریح سنئے۔

شرح کنز الدقائق میں فرماتے ہیں: ”وبثبت الاجازة لنكاح الفضولي بالقول والفعل۔“

قولہ ”کیونکہ شیوع جہالت کا زمانہ ہے اور جہل شرعاً عذر نہیں۔“

بے شک جہل شرعیہ سے شرعاً عذر نہیں اور یہ شیوع جہالت کا زمانہ ہے۔ اقول جب تو مدعیان علم وافتا نکاحی

اولاد کو ولد الحرام بتاتے، بی بی سے صحبت کو ابد الابد تک زنا فرماتے ہیں۔

اعاذنا الله وسائر المسلمين بحرمة نبيه الامين المكيين ﷺ عليه السلام يوم الدين۔

غرض اس جواب کی غلطی میں کلام نہیں۔ مگر تعجب تو جناب مولوی علی نعمت صاحب پر ہے کہ یہ کیا فتویٰ دیتے ہیں اور ان

سے کیا غرض متعلق اور اصل مقصود مسائل سے کیا تعلق۔

قولہ ”بین سوال والجواب عجب اضطراب مشوش قلب واقع ہے۔“

افسوس یہ تشویش بیجا ہے۔ بین سوال والجواب اصلاً اضطراب نہیں۔ مگر شاید آپ نے سرسری نظر سے دیکھا

۔ اگر بغور ملاحظہ فرماتے یا سائل سے دریافت فرمالیتے کہ باپ نے زید کو اکیس ہزار پر نکاح کی اجازت دی تھی یا اس نے

بطور خود اکیس ہزار پر نکاح کر دیا، آپ کو یہ تشویش نہ ہوتی۔ سوال میں اگر کوئی بات مجمل ہو اور مجیب دریافت کر کے بعد

تعیین ایک شق پر جواب دے تو یہ بین سوال والجواب اضطراب نہیں کہلاتا، خصوصاً جب کہ لفظوں میں اس کا صریح ظاہر

احتمال موجود ہو۔

قولہ ”سوال میں زید نکاح پڑھانے والے کو فضولی بتایا گیا ہے اور فضولی وہ ہے جو مامور بانشاء عقد نہ ہو اور

جواب میں یہ عبارت ”اور جبکہ ہندہ کے باپ نے مہر مثل سے کم پر اجازت دیدی ہے تو ولی کو نسخ نکاح کا حق بھی نہ رہا

“ جو سوال کے اندر داخل نہیں ہے جواب کو مفید اطمینان ہونے سے مانع ہوتی ہے۔“

اقول یہ وہ اضطراب بین سوال والجواب ہے جس نے مولوی صاحب کے دل کو پریشان کر دیا کہ سوال میں

زید کو فضولی لکھا ہے اور جواب میں باپ نے اجازت دیدی ہے، لکھا ہے۔ افسوس کہ سائل کا بیان معترض صاحب کے

کلام سے زاید روشن، علم سے قریب ہے۔ جہاں وہ زید کو فضولی بتاتا ہے، ساتھ ساتھ یہ بھی لکھتا ہے ”باجازت باپ ہندہ

بعض مبلغ اکیس ہزار روپیہ الخ“۔ جس سے معلوم ہوا کہ نکاح بالغہ میں اجازت پدر کے بعد بھی وہ فضولی ہی جانتا ہے اور

بے شک ایسا ہی ہے کہ عاقلہ بالغہ میں باپ خود بھی فضولی ہے۔ اب تو ارشاد ہو کہ جواب میں وہ عبارت مفید اطمینان ہے اور یہ سوال کے اندر داخل ہے، اس لئے بعوض مبلغ الخ میں جار مجرور متعلق اجازت ہے۔ چنانچہ مطول سوال میں اب ہندہ کے باپ کا مقولہ صاف مذکور ہے۔ زید وہاں موجود ہے، بعوض مبلغ اکیس ہزار روپیہ نکاح کر دے۔ فضولی کی یہ تعریف صحیح نہیں۔ آپ کی اسی غلطی نے آپ کو پریشان کیا۔ اور بین سوال والجواب اضطراب کھلوا یا ورنہ فضولی کی تعریف اگر پیش نظر ہوتی، تو اضطراب نہ سمجھا جاتا۔ بے شک زید فضولی ہے اور بے شبہ ہندہ کے باپ نے اسے اجازت دیدی ہے۔

قولہ ”کیونکہ یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ آیا باپ کی طرف سے یہ اجازت زید کو حاصل ہوئی تھی اور اسی اجازت کی بنا پر اثنا ہوا۔“ اقول یہ وہی بات ہے جس کا جواب گذر چکا۔
 قولہ ”اگر یہی صورت ہے تو زید فضولی نہیں ٹھہرتا۔“
 اقول یہ مثل محل شقشقه ہے۔ یقینی یہی صورت ہے پھر بھی زید فضولی ہے۔ اس لئے کہ توکیل ہندہ کی طرف سے ہوتی تو البتہ وکیل ہوتا ہے۔

قولہ ”فانی یصح هذا الجواب“ الی قولہ ”یا یہ کہ یہ اجازت باپ سے از انشاء عقد خبر پہونچنے پر پیرایہ رضا میں صادر ہوئی۔“

اقول اس کا سوال اصلاً ذکر نہیں، نہ واقعہ کے مطابق۔ عجب کہ وہ معنی کہ عبارت سوال سے پیدا ہو سکیں، نامقبول ٹھہرا کر اضطراب بین سوال والجواب میں مانا جائے اور جس معنی کی سوال میں ہو بھی نہیں، وہ مطلب فرض کیا جائے۔

قولہ ”اس صورت میں گو جواب از روئے عبارت صاحب ہدایہ صحیح ہو سکتا ہے۔“
 اقول عبارت صاحب ہدایہ سے اگر مراد وہ عبارت ہے جو جواب میں منقول ہے تو اس کو اس سے کیا تعلق؟ اور اس کی رو سے یہ جواب کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ اور اگر دوسری عبارت جو اس مقام پر ہدایہ میں مذکور ہوئی وہ مراد ہے تو از روئے عبارت ہدایہ کی تحقیق کیا معنی؟ کیا از روئے دیگر کتب صحیح نہیں۔
 قولہ ”لیکن محل نظر ضرور ہے۔“

اقول جب از روئے عبارت ہدایہ جواب صحیح ہو سکتا ہے تو پھر محل نظر کیوں ہے؟ اور یہ سب سہی مگر جواب مسئلہ جو سائل کا مقصود ہے کہ نکاح ہو گیا یا تجدید نکاح کی ضرورت ہے؟ کیا ہوا؟ اللہم اصلح امة محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین و افضل الصلوٰۃ علی سید المرسلین محمد و آلہ
 بحبہ اجمعین الی یوم الدین فقط



مسئلہ مسئلہ ابو الحسن ۱۱ محرم الحرام ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نابالغ لڑکیاں، قوم سید کا نکاح دونابالغ لڑکوں قوم پٹھان کے ساتھ بولایت والدین فریقین ہوا۔ لیکن چند ہی روز ہونے کے بعد لڑکیاں بحالت نابالغی ہی اپنے والدین کے گھر میں آگئیں۔ تب سے اب تک چار سال ہوئے، وہ اپنے شوہروں کے گھر نہیں گئیں۔ نہ ان کے شوہروں نے، نہ ان کے والدین نے ان منکوحہ لڑکیوں کو اپنے گھر بلایا۔ اب لڑکیاں بالغ ہیں مگر بوجہ سادات اشرف النسب ہونے کے پٹھان شوہروں کے گھر جانے کو انکار کرتی ہیں۔ پس ان صورتوں میں یہ بالغ لڑکیاں بوجہ غیر کفو ہونے کے اپنے نکاح فسخ کر دینے کے مجاز و مختار نہیں ہیں یا ہیں؟ اور غیر کفو ہونے کی کیا تعریف ہے؟ نیز یہ کہ ان لڑکیوں کے آباؤ واجداد کا پٹھانوں کے ساتھ سابق کا کوئی رشتہ ان کے موجود رشتہ پر نظیر ہو سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا تو جردا۔

الجواب

غیر کفو کے یہ معنی ہیں کہ اس کے قوم یا مذہب یا اعمال یا پیشہ میں بہ نسبت خاندان دختر کے کوئی قصور و عیب ہو، جس کے سبب اس کے خاندان کو عار لاحق ہو یا ایسا محتاج ہو کہ اگر کچھ مہر معجل یا بعض معجل شہرا ہو تو فی الحال اس کے ادا کرنے پر قادر نہ ہو، یا لڑکی قابل جماع ہو تو نفقہ نہ دے سکے۔ پس اگر صغیرہ ہو کہ مرد کی طاقت نہیں رکھتی ہے تو نفقہ کا اعتبار نہ ہوگا۔ اس کے لئے نفقہ بھی صرف قدرت علی المہر کافی ہے۔

تنویر الابصار میں ہے: ”يعتبر یعنی الكفاءة نسباً وحرية و اسلاماً وديانةً و مالاً و حرفة۔“

ملتقى البحر میں ہے: ”ويعتبر مالا فالعاجز عن المهر المعجل و النفقة غير كفوء۔“

عالمگیریہ میں ہے: ”يعتبر القدرة على النفقة اذا كانت المرأة كبيرة تصلح الجماع اما اذا كانت صغيرة لا تصلح الجماع فلا تعتبر القدرة على النفقة لانه لا نفقة لها في هذه الصورة و يكتفى بالقدرة على المهر كذا في الذخيرة۔“

پٹھان اگر عالم نہ ہو تو سیدہ کا کفو نہیں۔ مگر جب باپ یا دادا صغیرہ کا نکاح غیر کفو سے یا مہر میں غبن فاحش کے ساتھ کر دیں، مطلقاً لازم ہوتا ہے۔ کہ نابالغ کو بعد بلوغ اصلاً اختیار فسخ نہیں ہوتا۔ مگر جب کہ نکاح کرتے وقت باپ دادا نشے میں ہوں یا اس سے پہلے بھی کسی بچی کا نکاح غیر کفو میں یا مہر میں غبن فاحش کے ساتھ کر چکے ہوں تو البتہ پھر نکاح ناجائز ہوگا۔

در مختار میں ہے: ”لزم النكاح ولو بغبن فاحش بنقص مهرها و زيادة مهره أو بغير كفوء ان كان الولي المزوج بنفسه ابا او جدًا لم يعرف منها سوء الاختيار وان عرف لا يصح النكاح اتفاقاً و كذا لو كان سكران الخ (در المختار۔ باب الولی ۱ / ۱۹۲)، زوج بنته من فاسق صبح وان تحقق بذلك أنه لسوء الاختيار اشتهر به عند الناس فلو زوج بنتا اخرى من فاسق لم يصح الثاني لانه كان مشهوراً

بسوء الاختیار قبلہ بخلاف العقد الاول۔“

فتاویٰ خیر یہ لنفع البریۃ علامہ خیر الدین رملی میں ہے: ”ظاہر کلامہم ان الاب اذا کان معروفاً بسوء الاختیار لم یصح عقده باقل من مهر المثل ولا باکثر فی الصغیر بغبن فاحش ولا من غیر الکفو فیہما سواء کان عدم الکفائة بسبب الفسق او لا الخ۔“

بالجملہ صورت مسئلہ میں اگر وہ پٹھان غیر عالم ہے۔ باپ نے نشہ کی حالت میں نکاح کر دیا یا اسکے قبل بھی کسی لڑکی کا نکاح غیر کفو میں کر چکا تھا تو یہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں۔ اور اگر ایسا نہیں تو وہ نکاح ہو گیا، اسے اصلاً اختیار فتح کا نہیں۔ خانیہ میں ہے: ”اذا بلغ الصغیر او الصغیرۃ وقد زوجها الاب او الجد لاخیار لهما۔“ ”آبا و اجداد کا پٹھانوں کے ساتھ کوئی رشتہ سابق ہونا موجب کفایت نہیں ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔“

مسئلہ مرسلہ مولانا و مولوی ثناء اللہ خلف مولانا احمد حسین ۲۱/ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ہندہ بالغہ نے بلا اجازت اور اطلاع اپنے ولیوں کے، زید کے ساتھ جو اس کے غیر کفو سے ہے، روبرو گواہوں کے اپنا نکاح کیا، یہ نکاح حنفی مذہب میں جائز ہوا یا نہیں؟ اگر اس میں اختلاف ہے تو مفتی ابہ قول کونسا ہے؟۔
(۲) ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ تھا اور اس نکاح کے ہوتے ہوئے ہندہ پر جبر کر کے اس کا دوسرا نکاح عمرو کے ساتھ یعنی نکاح علی النکاح، گواہوں کے اور نکاح خواں کے رشوت دے کر پڑھاتا ہے، شرعاً جائز ہے یا حرام؟ اور اس کا ارتکاب کرنے والوں اور گواہوں اور نکاح خواں کے لئے شرعاً کیا حکم ہے جنہوں نے دیدہ و دانستہ ایسا کام کیا؟ اور اس منکوحہ مجبورہ کو شوہر ثانی کے ساتھ ہمبستر ہونے پر مجبور کرنا اور نکاح ثانی (عمرو) کو اس ہندہ کے ساتھ ہمبستر ہونے کی ترغیب دلانی کہ حلال ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟ عورت منکوحہ کو اللہ و رسول و قرآن کا واسطہ دلانا کہ اس کے طفیل میں اس نکاح سے انکار کر دے، یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کے جو معین و مددگار اور جو لوگ کہ کوشاں ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ بیواؤ تو جروا۔

الـجـواب

اگرچہ زید بایں معنی ہندہ کا کفو نہ تھا کہ اس کے مذہب یا نسب یا پیشے یا چال چلن میں بہ نسبت ہندہ کے کہ اس سے نکاح ہونا اولیائے ہندہ کے لئے باعث تنگ و عار ہو، بدنامی ہو اور ہندہ نے اپنے ولی سے اجازت نہ لے لی اور اس کی رضائے صریح کے بطور جو زید سے نکاح کر لیا تو وہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں، محض باطل ہے۔

عالمگیریہ میں ہے: ”امرءۃ زوجت نفسہا من غیر کفو صغ النکاح فی ظاہر الروایۃ و روی الحسن عن ابی حنیفۃ ان النکاح لا ینعقد و بہ اخذ کثیر من مشائخنا رحمہم اللہ تعالیٰ کذا فی المحيط۔“
”مبین میں ہے: ”(من نکحت غیر کفو فرق الولی) لما ذکرنا و النکاح ینعقد صحیحاً فی

ظاہر الرویۃ۔“

حاشیہ علامہ شمس علی میں ہے: ”اما علی الروایة المختارة للفتوی لا یصح العقد اصلاً اذا كانت زوجت نفسها منه۔“

در مختار میں ہے: ”وبفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلاً وهو المختار للفتوی لفساد الزمان۔“
 عقود الدریہ میں ہے: ”سئل فی امرءة یرید التزوج بلاء رضاء ابیہا وهو غیر کفو کیف الحکم فی ذالک؟ الجواب: اذا نکحته بلاء رضاء ولیہا فرق القاضی بینہما بطلب الولی وهذا ظاهر الروایة عن ائمتنا ولكن المروی عن الحسن عن ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ بطلان النکاح من غیر کفو، وبہ اخذ كثير من مشائخنا قال شمس الائمة الحلوانی وهذا اقرب الی الاحتیاط والا حوط سد باب التزوج من غیر کفو، قال الامام: الفتوی علی قول الحسن فی زماننا۔ قال فی البحر المفتی بہ روایة الحسن عن الامام عن عدم انعقاد اصلاً اذا کان لها ولی ولم یرض بہ قبل فلا یفید الرضا بعده اهمختصر ا۔“
 عالمگیریہ اور در مختار اور خزائن المفتیین اور خلاصہ اور تبیین میں مختار للفتوی اور علامہ شیخ شمس علی تہنیتی الروایة المختارة للفتوی ایضاح میں وعلیہ الفتوی فرمایا اور اگر ان باتوں سے کسی بات میں ایسا نقص نہیں بلکہ محاورہ عوام کے طور پر بایں معنی زید کے کو غیر کفو کہا گیا کہ وہ ہندہ کے خاندان سے نہیں تو صرف اس قدر بات مضر نہیں۔ وہ نکاح صحیح ہوگا۔

نکاح علی النکاح یعنی کسی عورت منکوحہ، غیر مطلقہ کا نکاح اس کے شوہر کی حیات میں کسی سے کر دینا سخت ناجائز و حرام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ”وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ (النساء: ۲۴)“ ”اور حرام ہیں شوہر دار عورتیں“ (کنز الایمان)
 جلالین میں ہے: ”وحرمت علیکم المحصنات ای ذوات الازواج من النساء ان تنکحوهن قبل مفارقة ازواجهن۔“

حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں: ”لا یخطب الرجل علی خطبة اخیه“ ”نکاح کا پیغام نہ دے کوئی مرد اپنے بھائی کے پیغام پر“ رواہ الاربعة واحمد والبیہقی عن ابن عمر وابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔
 اقول فکیف بالنکاح علی النکاح۔

ہندہ کا نکاح ثانی عمرو کے ساتھ باطل ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”امرءة زوجہا ولیان فہی للاول۔“ اور اسی بلا پر انکار تکبر اہل علم کا ہے۔ کیونکہ نکاح کے لئے شرط محل قابل ہے۔

عالمگیریہ میں ہے: ”ومنها (ای من شروطہ) المحل المقابل وہی المرءة التي احلها الشرع بالنکاح کذا فی النہایہ۔“ اور یہ ظاہر ہے کہ غیر کی منکوحہ قابل نکاح نہیں۔ کما مر۔
 اس میں ہے: ”زوجہا علی التعاقب جاز الاول دون الثانی۔“

قاضی خاں میں ہے: ”ولا يجوز نکاح منکوحۃ الغیر عند الكل۔“ ”سموں کے نزدیک غیر منکوحہ کا

نکاح جائز نہیں۔“ اور اس عورت کو شوہر ثانی کے ساتھ صحبت کرنے پر جبر کرنا اور عمر کو ہندہ کے ساتھ ہمبستر ہونے کی ترغیب دلائی نا جائز اور حرام، دلالت علی الزنا ہے اور اسے حلال جاننا کفر و مخالفت نص قطعی رب العزّة جلالہ۔

شرح عقائد میں ہے: ”استحلال المعصية صغيرة كانت او كبيرة كفر اذا ثبت كونها معصية بدليل قطعی اعاذنا الله منه۔“ نکاح سے مکر جانے کو اللہ و رسول و قرآن شریف کا واسطہ دینا اور یہ کہنا کہ اس کے طفیل میں اور صدقے میں اس نکاح سے انکار کر دے، سخت نا جائز و گناہ کبیرہ ہے۔ اور اس کا مرتکب، مرتکب گناہ کبیرہ ہے اور یہی حکم ان کے معین و مددگار کو شاں کا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں ایک عورت عاقلہ بالغہ نے بلا اذن ولی برضا و خوشی اپنے کفو میں روبرو چند گواہوں کے بعوض مہر معین ایک مرد سے نکاح کر لیا تو شرع شریف میں یہ نکاح جائز ہو گا یا نہیں؟

مسئلہ دوم: ایک عورت نے جو کہ عاقلہ بالغہ ہے، مہر بذریعہ خط زید کو لکھ بھیجا کہ میرا نکاح بالعوض اتنے مہر کے عمرو سے کر دے۔ چنانچہ زید نے اس عورت کی توکیل کے موافق عمرو مذکور سے نکاح روبرو چند گواہوں کے کر دیا اور اس عورت کو اطلاع دیدی کہ میں نے فلاں بالغ کا نکاح عمرو سے تیری تحریر کے موافق کر دیا تو یہ نکاح عند الشرع جائز ہو گا یا نہیں؟ اور عمرو اور عورت کا درمیان دو سو ۲۰۰ مبلغ فیصلہ ہے۔ بینوا تو جردا۔

الـجـواب

جائز ہے اگر وہ کفو شرعی ہو۔ محاورہ عام میں فقط ہم قوم کو کفو کہتے ہیں۔ اور شرعاً وہ کفو ہے کہ نسب یا مذہب یا پیشے یا چال چلن، کسی بات میں ایسا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح ہونا، اولیاء زن کے لئے عرفاً باعث تنگ و عار ہو۔ اگر ایسا کم ہے تو نکاح اصلاً نہ ہوگا۔ جب تک کہ باوصف علم عدم کفاءة، صریح رضاء ولی سے نہ ہوا ہو۔ پھر اگر کفو بمعنی شرعی ہے تو نکاح مطلقاً ہو گیا اور ولی کو حق اعتراض بھی نہیں، اگر مہر مثل کے ساتھ کیا ہو۔ ورنہ اگر شوہر مہر مثل دینے سے انکار کرے تو عصبہ کسی اسلامی ریاست میں وہاں کے قاضی کے پاس جو ماذون عام منجانب ریاست ہو، جا کر دعویٰ کرے۔ قاضی شوہر کے سامنے تفریق کر دے، نکاح فسخ ہو جائے گا۔ فی الدر: ”ولو نکحت باقل من مهرها فللولی (العصبۃ) (الاعتراض حتی یتیم) مثلها (او یفرق) القاضی بینہما دفعاً للعار۔“ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(جواب دوم) اس کا جواب بھی جواب سوال اول سے واضح ہے۔ یہاں اس قدر امر زائد ہے کہ وکیل نے جن گواہوں کے سامنے نکاح کر دیا، ان کے سامنے ایسے لفظوں سے عورت موکلہ کو بتایا ہے کہ اس کا تعین ہو جائے مثلاً ہندہ بنت زید ابن عمرو یا فقط ہندہ بنت زید یا ہندہ فلانیہ جب کہ شاہدین اس قدر سے اسے پہچان لیں ورنہ نکاح صحیح نہ ہوگا۔

فی رد المحتار عن البحر: ”ان كانت غائبة لم يسموا اكلامها بان عقدھا و كيلھا فان كانت الشهود يعرفونھا اذا علموا انه ارادھا وان لم يعرفونها لابد ذكر اسمها واسم أبيها وجدها۔“ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سید ابوالقاسم در بھنگوی..... ۲۱ شعبان المعظم ۱۳۵۹ھ

علمائے دین مسائل ذیل میں کیا فرماتے ہیں کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ مطلقہ کو عدت گزار جانے کے بعد مہر دین میں کچھ زمین دیدیا تھا۔ اب تک وہ زمین ہندہ کے قبضہ میں ہے۔ رجسٹری کے لئے کہتی ہے مگر زید دوجہ سے انکار کرتا ہے۔ وجہ اول: زید خیال کرتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ رجسٹری کے بعد ہندہ اپنے چچا زاد بھائی کو دیدے۔ کیا اس خیال سے زید رجسٹری روک سکتا ہے یا نہیں؟ بصورت شق ثانی کیوں؟

وجہ دوم: زید خیال کرتا ہے کہ مہر دین کی مدت گزر گئی۔ بوجہ شادی ہونے کے۔ نہ ہم پر وہ دین واجب الادا ہے اور نہ اب ہندہ جبراً زمین کی رجسٹری کرا سکتی ہے۔ کیا شرعاً مہر دین کی تمادی ہے یا نہیں؟ اور نہیں تو کیوں؟ ہندہ کے قبضہ میں جو زمین ہے وہ شرعاً ہندہ کی ملکیت سمجھی جائیگی یا نہیں؟ بیواؤ تو جرا

الـجـواب

زید نے جو زمین اپنی مطلقہ بی بی کو بعوض دین مہر دیدیا اور جس پر وہ قابض و خلیل شرعاً وہ زید کی بی بی ہندہ کی چیز ہے۔ زید کا رجسٹری سے انکار کرنا غلطی اس کی ہے اور جو وجہ اس کے انکار کی خیال کرتا ہے، وہ دونوں مہمل ہے۔ جب وہ چیز ہندہ کی ہو گئی تو اس کو پورا اختیار ہے۔ اپنے چچا زاد بھائی کو دیدے یا کسی راہ چلتے کو۔ ہندہ کا اپنی ملک میں پورے تصرف کا اختیار ہے۔ نیز یہ خیال کہ دین کی مدت گزر گئی، خیال خام ہے۔ شرعاً تمادی کوئی چیز نہیں۔ جس کا جو حق ہے وہ ادا کرنے سے ادا ہوتا ہے یا معاف کرنے سے۔ بغیر اس کے اس کا حق باطل نہیں ہوتا۔ ہندہ کے قبضہ میں جو زمین ہے، جو بذریعہ مہر بعوض دین مہر سے حاصل ہوئی ہے، بلاشبہ اس کی ملک ہے۔ ان البیع يتم بالايجاب والقبول والهبة تتم بالقبض۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ مولوی حفیظ اللہ صاحب از مار ہرہ شریف ضلع ایٹہ ۱۱ صفر ۱۳۲۳ھ

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم بندہ دام مجد ہم بعد آداب آنکہ مسئلہ ذیل میں بحوالہ کتب مطلع کیجئے، اللہ اجر دے گا۔ زید حنفی مذہب نے ہندہ حنفی مذہب سے بہ تعین ایک ہزار روپیہ، دین مہر کے نکاح کیا اور نکاح کے دس پانچ برس بعد اپنی زوجہ کی اطاعت اور فرماں برداری سے خوش ہو کر زید نے بجائے ایک ہزار کے، تین ہزار دین مہر اپنے ذمہ قبول کر کے تین ہزار روپیہ کی جائداد اپنی بنام ہندہ کے لکھوادی اس طرح تو اددین مہر بڑھانا جائز ہے یا نہیں؟

الـجـواب

اپنی بیوی کی مہر میں زیادتی مع قبول عورت کے اسی مجلس میں بلاشبہ جائز ہے، جس کے جواز میں اصلاً کلام نہیں۔ رب العزت عزت عظمتہ فرماتا ہے: ”وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَا ضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيقَةِ“ (النساء: ۲۴) ”(اور قرارداد کے بعد اگر تمہارے آپس میں کچھ رضا مندی ہو جائے تو اس میں گناہ نہیں)“ (کنز الایمان) یعنی تم پر کچھ گناہ نہیں اس بات میں کہ کم کر دے عورت اپنے مہر مفروضہ سے یا کل کا کل شوہر کو مہر کر دے یا

بڑھادے شوہر مقدار مہر پر اس کی رضا مندی سے۔

شرح وقایہ میں ہے: ”مازید علی المہر بعد العقد یجب کذا فی الاصلح۔“

کنز الدقائق میں ہے: ”وما فرض بعد العقد او زید لا یتنصف۔“

بحر الرائق میں ہے: ”واما ما زید علی المسمی فانما یتنصف لما ذکرنا ان التنصیف یختص

بالمفروض فی العقد الاول ودل وضع المسئلة علی جواز الزیادة فی المہر بعد العقد وہی لازمة بشرط قبولہا فی المجلس علی الاصح۔“ یعنی دلالت کرتا ہے یہ مسئلہ جائز ہونے پر زیادتی مہر میں بعد عقد کے۔

تبیین الحقائق میں ہے: ”تحت قول ”وصح“ ثم المصنف ذکر جواز الحط ولم یدکر جواز الزیادة لان جوازها علم من قوله وما فرض الخ فلهذا لم یدکره مقصودا۔“

خزانہ میں ہے: ”امرأة وهبت مہرہا من زوجها ثم ان الزوج اقربین الشہود وان علیہ کذا وکذا من المہر یصح اقرارہ اذا قبلت ویحمل انه زاد فی المہر والزیادة فی المہر بعد المہر جائز لکن لا بد من القبول لان الزیادة فی المہر لا یصح من غیر قبول المرأة۔“

”مہر چھوڑ دینے کے بعد شوہر نے سامنے گواہوں کے اقرار زیادتی مہر کا ذکر کیا تو اس کا اقرار قبول کیا جائیگا اور اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ اس نے مہر میں زیادتی کی اور مہر میں زیادتی مع قبول عورت کے جائز ہے۔“

در مختار میں ہے: ”وما زید بعد العقد او زید علی المسمی فانہا تلزمہ بشرط قبولہا۔“

رد المختار میں ہے: ”افاد انہا صحیحة ولو بلا شہود او بعد ہبة المہر الابرء منه وہی من جنس

المہر او من غیر جنسہ۔“

عالم گیر یہ میں ہے: ”الزیادة فی المہر صحیحة حال قیام النکاح عند علمائنا الثلاثة کذا فی المحيط۔“ اپنی بیوی کے مہر میں زیادتی ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ فشی عوض علی بیگ..... ۱۶ شعبان ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے ایک شیر خوار بچہ چھوڑا۔ بچہ کا باپ اور دادا دادی اور نانا نانی موجود ہیں۔ بچہ کی پرورش کا شرعاً کون مستحق ہے؟ اور اسباب جہیز متوفیہ کا کون مستحق ہے؟ بچہ کے مال کا کون ولی ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں لڑکا سات برس کی عمر تک اپنی نانی کے پاس رہے گا۔

ہدایہ میں ہے: ”فان لم تکن له ام فام الام اولی من الاب وان بعدت لان هذه الولاية تستفاد

من قبل الامهات۔“ (الهدایة ۲/ ۴۱۴)

عورت کا جہیز مہر وغیرہ جو کچھ متروکہ ہو، بارہ سہام پر منقسم ہو کر تین سہم شوہر اور دو عورت کے مادر و پدر اور پانچ سہم پسر کو ملیں گے۔ بچہ کے سات برس عمر ہونے تک اس کے دادا دادی کو اپنے پاس رکھنے کے بارے میں مال سے مزاحمت کا اصل حق نہیں ہے۔ نانی بالجبر دادا دادی سے لے سکتی ہے۔

مہدایہ میں ہے: ”والام والجدۃ احق بالغلام حتیٰ یا کل و حدہ ویشرب و حدہ ویلبس و حدہ ویستنجدی و حدہ و فی الجامع الصغیر حتیٰ یا کل و حدہ ویشرب و حدہ ویلبس و حدہ والخصاف قدر الاستغناء بسبع سنین اعتباراً للغالب اہ و علیہ الفتویٰ کذا فی الکافی وغیرہ قال لہ العینی۔“

نانی بالجبر دادا دادی سے لے سکتی ہے۔ بچہ کا جو مال ہے خواہ اسے متروکاً مادر سے ملا ہو یا اور کسی طرح، اس کی ولایت دادا کو ہے۔ نانا نانی کو اس میں کچھ حق نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از بہار شریف مدرسہ حنفیہ مدرسہ مولوی عبداللہ طالب علم ۷ ربیع الاول ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اس طرف مسلمانوں میں دستور ہے کہ جب کسی عورت کا شوہر انتقال کرتا ہے اور جب تک وہ عورت نکاح ثانی نہیں کرتی، تو جو کچھ کہ اس کے شوہر یا سر یا اس کے ماں باپ وغیرہ نے از قسم زیورات و ظروف وغیرہ ما وقت شادی یا بعد شادی اس عورت کو دیا تھا، اس کے قبضہ قدرت و تصرف میں رہنے دیتے ہیں۔ خواہ سسرال میں وہ رہے یا میکہ میں اور جب اس کا نکاح ثانی ہوتا ہے تو اس کے شوہر اول کے وارث جو کچھ زیورات و ظروف کہ انہوں نے وقت شادی یا بعد شادی کے، وقتاً فوقتاً دیا تھا، سب واپس کر لیتے ہیں۔ پس اور جو کچھ کہ اس عورت کو اس کے ماں باپ نے دیا تھا۔ اگر شوہر اول کے وارث کے پاس ہوتا ہے تو وہ سب کو واپس کر دیتے ہیں۔

پس سوال یہ ہے کہ وقت شادی یا بعد شادی کے شوہر یا سر یا اس عورت کے ماں باپ از قسم زیورات و ظروف دیتے ہیں، وہ اس عورت کی ملک سمجھی جائے گی یا ریت کے مطابق بطریق زیب و زینت کے خیال کیا جائے گا؟ بینوا تو جردا۔

الجواب

جس قدر مال زیورات و ظروف وغیرہ ما وقت شادی یا بعد شادی، وقتاً فوقتاً اس کے باپ نے جہیز میں دیا ہے، سب اس کی ملک حسب عرف عام ہمارے بلاد کے ہے، جس میں شوہر، اس کے ماں باپ کا استحقاق نہیں۔ اس لئے بعد رخصتی اس کی واپسی کو سخت معیوب و باعث مطعون جانتے ہیں۔

ردالمحتار میں ہے: کل احد یعلم ان الجهاز ملک المرءۃ لاحق لاحد فیہ۔“

ہاں جب عرف تملیک نہ ہو بلکہ صرف پہننے کو بطور عاریت دیا ہو اور وہ عرفاً پہنانے والوں کی ہی ملک میں شمار کیا جاتا ہو، تو حکم اس کا عاریت کا ہے کہ واپس کر دیا جائے۔

درمختار میں ہے: "جہز ابنتہ ثم ادعی ان ما دفعہ بہا عاریۃ وقالت ہو تملیک او قال الزوج ذلک بعد موتہا یرث منہ او قال الاب او ورثتہ بعد موتہ عاریۃ المعتمد ان القول للزوج اذا کان العرف مستمرا ان الاب یدفع مثله جہاز الا عاریۃ واما ان کان مشترکا کمصر والشام فالقول للاب۔ (الدر المختار باب المہر ۱/ ۲۰۳)

رہا زیور وغیرہ کہ والدین زوج، اپنی بہو کے پہننے کو دیتے ہیں، اگر اس میں نہ یا عرفاً کسی طرح تملیک مقصود نہیں ہوتی تو وہ بدستور ملک والدین پر ہے، جس میں بہو کا کچھ حق نہیں۔ بعد انتقال اپنے لڑکے کے جب عورت آمادہ نکاح ہو جائے یا جب چاہیں لے سکتے ہیں۔ بالجملہ شریعت مطہرہ نے اس امر کو معلق بہ عرف رکھا ہے۔ موافق عرف تملیک یا عاریت قرار پائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔



کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے فرزند کی شادی، جس گاؤں میں وہ رہتا تھا، کی۔ اور بموجب حکم کثرم کے تاریخ مقررہ پر برات لے کر اس کے گھر میں گیا اور کھانا کھایا۔ کھانا کھا کر حسب رواج گاؤں مذکورہ کے برات کے سب آدمی اپنے اپنے گھر میں چلے گئے۔ اور لڑکا سر کے گھر میں رہا اور لڑکے کا باپ بھی اپنے گھر میں چلا آیا۔ جب صبح ہوئی تو لڑکے کا باپ اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا تو لڑکی کے باپ نے اس کو پیغام بھیجا، جو زیور تم نے اپنی بیٹی کے لئے رکھا ہے، وہ بھیج دو اور آنکھ نکاح کر لو، اس وقت لڑکے کے باپ نے تین گواہوں کے روبرو یہ اقرار کیا کہ یہ زیور عاریتاً زینت کے واسطے ہیں، اپنی پتوہ کو پہناتا ہوں نہ میں نے اس کا مالک کیا ہے اور نہ بہہ کیا اور نہ بخشش کیا، فقط عاریتاً دیا ہے۔ جس وقت چاہوں گا، لے لوں گا اور مہر جو نکاح کے وقت مقرر ہوتا ہے وہ زیور سے جدا نہیں۔ اب شرعیہ زیور کس کا ہوتا ہے؟ لڑکے کے باپ کا یا لڑکے کا یا پتوہ کا؟ بینوا تو جروا۔

الجواب

وہ زیور اس کے (لڑکی) باپ کا ہے، نہ لڑکے، نہ اس کی بی بی کا۔

جامع الفصولین ص ۲۶۶ میں ہے: "بعث الی امرء ابنتہ شیئاً یا با ثم ادعی انها عاریۃ صدق۔" جب ابوین (کہ غالباً جہیز تملیک بھی دیتے ہیں) دیتے وقت کسی کو گواہ کر دیں کہ یہ عاریۃ ہے، نہ تملیک یا شہر کا رواج ہی ایسا ہو کہ جہیز کے لئے دیا کرتے ہیں یا عرف شہر مشترک ہو اور ابوین دعوی عاریت کا کریں تو عاریت ہی بچھا جائیگا نہ کہ تملیک۔ کما افتیٰ بنہا العلامة حامد آفندی فی مغنی المستفتی و ذکرہا العلامة الشامی فی تنقیحہ۔ تو یہ زیور دینا کہ سر اپنے پتوہ سے واپس کرے، درست ہے۔ عامہ کتب ہدایہ، عنایہ، تنویر الابصار، درمختار، کنز الدقائق، بحر الرائق وغیرہ میں ہے: "للمعیر ان یرجع" اور بیٹی والے کو اختیار ہے کہ اپنی چیز جب چاہے واپس کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔



کتاب الطلاق ۶

علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ ایک شخص نے اپنے سر کو ایک خط لکھا۔ اس کی عبارت حسب ذیل ہے۔ جس زمانہ میں اس شخص نے اپنے سر کو خط لکھا، اس کی بیوی اپنے باپ کے یہاں تھی، وعدت کا زمانہ ہنوز باقی ہے۔

عبارت خط:

”ہم لوگوں کو آج روز پنجشنبہ تاریخ ۱۸ رمضان المبارک سے لے کر دس روز کی مہلت دیتے ہیں۔ اگر اس درمیان میں سواری ہماری رخصت ہوگئی تو خیر۔ ورنہ یہ میری تحریر ناطق ہوگی کہ اگر عزیزی محمد شبلی کی ماں ۱۸ تاریخ رمضان شریف سے لے کر ۱۰ روز کے اندر گھر نہ آئیں تو میرا طلاق رجعی ان پر واقع ہو جائے گا اور اگر بیس کے روز ۱۸ تاریخ رمضان شریف سے لے کر ۸ رعید الفطر تک گھر رخصت ہو کر نہ آئیں تو عزیزی محمد شبلی کی ماں مطلقہ ہوگی ساتھ طلاق بائن کے۔ یہ میرا فیصلہ ہے۔ آپ لوگ کا جی چاہے اس طلاق کو بائن کرائیے اور رخصتی نہ کیجئے اور جی چاہے شرط کے درمیان میں رخصت کر دیجئے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔“

تو سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں عورت کو طلاق ہوئی یا نہیں؟ اور اگر طلاق ہوگئی تو اس عورت کے اس شخص کی زوجیت میں آنے کی کیا صورت ہے؟

ال جواب

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ اب تک والدہ محمد شبلی گھر آنے لگیں تو شک نہیں کہ بحکم تعلیق اول طلاق رجعی و بحکم تعلیق ثانی طلاق بائن واقع ہوگئی۔ فان الصریح بلحق الصریح ولا فرق فی الصریح الثانی بین کون الواقع به رجعیا او بائنا کما صرح به العلامة الشامی فی حاشیة الدر المختار والطلاق المضاف الی الشرط یقع عقبہ اتفاقا وھنا علق الطلقتان علی شرطین وقد وقعا فطلقت تطلیقتین کما صرحوا به فی مسائل قال فی الھندیة ناقلان عن المحیط: ”لو قال لھا ان کلمت فلانا فانت طالق وقال لھا ایضا ان کلمت انسانا فانت طالق فکلم فلانا طلقت تطلیقتین۔“

اب اس عورت کے اس شخص کی زوجیت میں آنے کی یہ صورت ہے کہ عدت کے اندر یا بعد انقضائے عدت، مدۃ العمر میں، جب دونوں راضی ہوں اور نکاح کر لیں، بدستور حقوق زوجیت قائم ہو جائیں گے۔ الا انہ لا یملک الا ما بقی من الطلقات فان الزوج الثانی هو الذی یهدم بالدخول ما دون الثلاث من الطلقة او الطلقتین فیجعلھما کان لم یكونا کما یهدم الثلاث اجماعا۔

درمختار میں ہے: ”وینکح مبائنة عما دون الثلاث فی العدة وبعدها بالاجماع۔“

ہدایہ میں ہے: ”اذا كان الطلاق بمسا دون الثلاث فلا بد له ان يتزوجها في العدة وبعد انقضائها۔“ ”یعنی جب کوئی شخص تین طلاق سے کم (دو یا ایک) دے تو وہ شخص اس عورت سے عدت کے اندر اور بعد گزرنے عدت کے بھی نکاح کر سکتا ہے۔“ والمسئلة مشهورة في الكتب مسطورة۔

عبدہ العاصی ظفر الدین البہاری۔ مہر

بے شک صورت مسئلہ میں طلاق بائن واقع ہوگئی۔ چونکہ وقوع طلاق بائن موجب تجدید نکاح ہے، لہذا تجدید نکاح کی ضرورت ہے۔ البتہ بسبب عدم تحقق طلاق مغلطہ، حلالہ کی ضرورت نہیں۔ فقط

بندہ مقبول احمد خاں تاب اللہ علیہ مدرس الحدیث مدرسہ شمس الہدیٰ بانکی پور۔ مہر

صورت مسئلہ میں بلاشبہ شرط محقق ہونے سے طلاق بائن واقع ہوگئی۔ مگر چونکہ حل اصلی باقی ہے لہذا تجدید نکاح کی ضرورت ہے۔ بغیر حلالہ کے زوج اس سے نکاح کر سکتا ہے، کیونکہ حلالہ کی ضرورت طلاق مغلطہ میں ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ سید دیانت حسین، مدرس الفقہ مدرسہ شمس الہدیٰ بانکی پور، پٹنہ۔ مہر

☆☆☆☆☆

مسئلہ مسئلہ سید ازہر علی خلف جناب سید امیر احمد ۲۱ جمادی الآخرۃ ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا نکاح ہندہ سے ہوا۔ اور وہ چند دن اس کی زوجیت میں رہ کر بلا اطلاع اس کے، نکل کر آوارہ ہوگئی۔ اور بحالت آوارگی بقول ہندہ مقدمہ زن و شو میں دائر ہوا۔ زید نے پچاس روپیہ لے کر رضا مندی داخل کر دی اور زوجہ اور شوہر باہر کچہری کے آئے۔ ہمراہوں نے بقول ہندہ یہ بات کہی کہ تو اپنی زوجہ کو لے جا۔ زید نے کہا کہ میں نے علیحدگی اختیار کی ہے اور اس کو چھوڑ دیا اور طلاق دے دی۔ چنانچہ اس وقت سے آوارہ پھرتی رہی اور جگہ جگہ آوارہ لوگوں میں رہی۔ اس کو قریب سات آٹھ مہینہ ہوا۔ اب ہندہ بکر سے نکاح کرنے پر آمادہ ہوئی۔ اس نے خیال کیا کہ زید کوئی دعویٰ کچہری میں ایسا دائر نہ کرے جس میں ملزم قرار پاؤں۔ زید کو کچھ روپیہ دے کر لا دعویٰ اسٹامپ پر لکھا گیا۔ اب بکر ہندہ ایک مکان میں ہیں اور حرام کاری میں مبتلا ہیں۔ اور ہندہ کا یہ قول ہے کہ اگر بکر نکاح کرے گا تو میں میکے بیٹھ جاؤں گی۔ طلاق نامہ تحریر ہوئے عرصہ ایک ہفتہ کا ہوا۔ اس صورت میں بکر کا نکاح کیا جانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الـجـواب

اگر واقع میں زید نے ہندہ کو طلاق دے دی اور اس مدت سات آٹھ ماہ میں آوارہ پھرتی رہی، ایام عدت گزر گئے۔ یعنی اگر حاملہ تھی تو وضع حمل ہو گیا اور اگر حائضہ تھی تو تین حیض آ گیا، تو اگرچہ طلاق نامہ تحریر کئے ایک ہی ہفتہ ہوا، بکر سے اس کا نکاح جائز ہے، اگر اور کوئی مانع شرعی نہ ہو۔ ورنہ انقضائے عدت کے بعد ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس وقت زید نے نکاح ثانی کرنا چاہا تو ولی نے کہا کہ جب تک تم اپنی پہلی زوجہ کو طلاق نہ دو گے، ہم نکاح نہیں کریں گے۔ زید نے کہا کہ میں اسے خفیہ طلاق دے سکتا ہوں تا کہ سوا تمہارے اوروں کو ظاہر نہ ہو۔ یہ کہہ کر زید ولی کو ایک علیحدہ جگہ لے گیا۔ یہاں اس نے بتایا کہ ہم لوگوں میں ایک شخص نکاح ثانی کا وکیل تھا مگر دونوں کو بخوبی معلوم تھا کہ زید ولی مذکور دونوں اس بات پر متفق ہیں اور زید نے ولی سے بھی کہا کہ آپ بھی یہ طلاق دینا کسی پر ظاہر نہ کیجئے۔ مگر انھوں نے وکیل سے کہہ دیا۔ تھوڑی دیر تھم کر پھر وہیں گیا اور ان دونوں نے زید سے پوچھا کام ہو گیا؟ اس نے کہا، ہاں وہ کام ہو گیا۔ اس وقت اس کی زوجہ اپنے میکے میں تھی۔ بعد ڈیڑھ برس کے معلوم ہوا میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی ہے۔ پھر زید اپنی زوجہ ہندہ کو اپنے مکان میں لے آیا اور زید نے انکار کیا کہ میں نے اسے طلاق نہیں دی۔ پھر ان شخصوں نے عورت کو دینا طلاق ثلثہ کا ظاہر کیا۔ اب ان شخصوں کی شہادت سے طلاق ثلثہ واقع ہوگی یا نہ؟ اور دریں حالت شاہد ان مذکور، خطا کے مرتکب ہیں یا نہیں؟ اور جو لوگ شاہد ان مذکور کی تائید کریں ان کا کیا حکم ہے؟ اور شاہد ان مذکور پر کتمان ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟ اور اس کی کہاں تک حد ہے؟ اور اس میں کیا شرط ہے؟ اور شاہد ان مذکور تاخیر شہادت سے فاسق ہیں یا نہیں؟ اور فاسق ہوئے تو کون سے فاسق؟ اور وہ دو شخص جنہوں نے کہا تھا کہ دریافت کرنے پر اظہار کر دیں گے، کتمان میں شامل رہے یا نہیں؟ زید نے ان دونوں سے جو اشارہ کہا تھا کہ کام ہو گیا، اس سے اظہار ثابت اور کتمان زائل ہوتا ہے یا نہیں؟ اور زید اپنی زوجہ مطلقہ کے مکان پر آمد و رفت کرتا تھا۔ اس سے عیش ازواج ثابت ہوگا یا نہیں؟ زوجہ مطلقہ کا وکیل یہ کہتا ہے کہ جب تک زوجہ مطلقہ اپنے والد کے مکان میں تھی، جب تک ہم نے کچھ نہیں کہا۔ جب زید کا ارادہ مطلقہ کو گھرانے کا ہوا، قبل گھرانے کے وکیل مذکور، طلاق ثلثہ کا اظہار کرنا فسق سے خارج ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجبواب

سوال میں کسی جگہ زید کا اپنی بیوی کو طلاق دینا مذکور نہیں۔ اس کے الفاظ یہ لکھے گئے ہیں ”طلاق دے سکتا ہوں“ آپ بھی یہ طلاق کسی پر ظاہر نہ کیجئے، وہ کام ہو گیا“ اور ظاہر ہے کہ ان میں کوئی لفظ، الفاظ طلاق سے نہیں۔ پس صورت مسئلہ میں اگر واقعی زید نے طلاق دی ہے تو اگر گواہ بھی نہ ہو، جس طرح کی طلاق دی، دینا پڑ گئی۔ اور اگر فی الواقع نہ دی تو وہ تین کیا دس ہیں بھی گواہی دیں تو عند اللہ طلاق واقع نہیں۔ رہا قضاء پس اگر دو مرد اور دو عورتیں کہ سب عادل ہوں، گواہی دیں گے، قاضی حکم طلاق دے دے گا، لان القاضی لیس له الا الظاهر والتدین لیس من القضاء۔ درمختار میں ہے: ”ونصابها (ای الشہادۃ) بغیرها من الحقوق سواء كان مالا او غیره کنکاح و طلاق۔“ اس صورت میں وہ بعد انقضائے عدت زوج کے لئے قضاء حرام سمجھی جائے گی۔ اگرچہ طلاق نہ دی اور اب بے نکاح اور بے حلالہ اس سے نکاح بھی حلال نہ ہوگا۔

رہی تنقیح اس بات کی کہ صورت مسئلہ میں ان کی شہادت پر طلاق کا حکم دیا جائے گا یا نہیں؟

فـاقول وبـالله التوفیق : یہ لوگ ہر طرح فساق و فجار گواہ ہیں اور ان کی شہادت سے ہرگز حکم طلاق نہیں دیا جاسکتا کہ اگر یہ لوگ جھوٹے ہیں اور واقعی اس نے طلاق نہ دی، تب تو ظاہر ہے۔ اور اگر واقعی زید نے طلاق دی بھی ہو، تو ان کو فقط اتنا سن کر کہ وہ کام ہو گیا، شہادت کی اجازت نہیں۔ یہ لفظ محتمل ہے۔ خود انہوں نے طلاق دیتے نہ سنا اور یہ اقرار ایسے ضمائر اور کنایات میں ہوا، جو ہر گونہ احتمال کی گنجائش رکھتے ہوں۔ مثلاً انہوں نے پوچھا کہ وہ کام ہو گیا اور اس سے یہ مراد رکھی ہو کہ جس غرض کے لئے قصد طلاق تھا وہ بلا طلاق حاصل ہو گئی، کام ہو گیا۔ تو معائنہ محل، و بلا اقرار صریح شہادت محض جزاف و جسارت تھی۔ اس صورت میں اب تک شہادت نہ دینے کے باعث کتمان یا تاخیر کا کوئی الزام نہیں کہ شرع تو ان کو اس شہادت کی کسی وقت اجازت نہیں دیتی۔ الزام تو اس شہادت کا ہے۔ مع ہذا اس سے قطع نظر بھی کیجئے اور بالفرض مان ہی لیجئے کہ اس نے صریح لفظوں میں ان کے سامنے تین طلاقیوں کا اقرار کیا تھا۔ تو جب زید عورت کے پاس اس کی ماں کے یہاں آمدورفت کرتا تھا، مگر انہوں نے ظاہر نہ کیا۔ وہ کاتمین شہادت، فساق و مردود الشہادۃ ہوئے۔ کہ شہادت حسبہ میں کسی کے دریافت کی حاجت نہیں۔ خود اس پر ادائیگی شہادت واجب ہے۔

در مختار میں ہے: ”وبجب الاداء بلا طلب الشہادۃ فی حقوق اللہ تعالیٰ وہی کثیرۃ عد منها فی الاشیاء اربعۃ عشر منها طلاق المرأة وعتق الامۃ وتدبیرہا شرعاً وقال ومتی اخر شاهد الحسبۃ شہادۃ بلا عذر فسق فترد۔“

اور جو شخص اس بات میں گواہوں کی تائید کرے، وہ فاسق ہے۔ قرآن حکیم میں ہے: ”تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔“ (المائدہ: ۲)

اور وکیل کا یہ کہنا کہ جب تک زوجہ مطلقہ اپنے والد کے مکان میں تھی الخ، محض مہمل اور بیہودہ غیر معتبر کہ یہاں پہلے سے سکوت کیا گیا اور مطلقہ کو گھرا لانے کا انتظار کرنا، تاخیر از وقت ہے۔ اور انہوں نے بلاشبہ وقت سے تاخیر کی۔ یونہی اول ان دونوں کا کہنا، دریافت کرنے پر اظہار کر دیں گے، ان کو حد فسق سے نہیں نکال سکتا کہ اس میں دریافت تک انتظار کی ضرورت نہیں۔ بلا دریافت ان کو شہادت ادا کرنی تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از ناظم صاحب امارت شرعیہ پھلوا ری شریف پٹنہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اس دیار میں بے پڑھے لکھے عوام میں رواج ہے کہ لڑائی جھگڑے میں بیوی کو یہ کہہ دیتے ہیں (۱) تو میری ماں ہے (۲) آج سے سے تو میری ماں ہے (۳) تو میری ماں، میں تیرا بیٹا۔ ان جملوں سے وقوع طلاق اور عدم وقوع طلاق میں اس اطراف کے علماء اختلاف رکھتے ہیں بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس جملہ سے طلاق نہیں واقع ہوگی۔ جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور ہے کہ بیوی کو ماں کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ نیز ابوداؤد کی ایک روایت کا حوالہ دیتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بااختی (بہن) کہہ

کر پکارتا تھا تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ لیکن وقوع طلاق کا حکم نہیں دیا۔ اور اس دیار میں طلاق کی نیت سے اس کا رواج نہیں ہے۔ کیونکہ ان الفاظ کے استعمال کے بعد استنفا کرتے ہیں کہ اس کا کیا حکم ہے؟ کیا کچھ کفارہ دینا ہوگا؟

اور بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ چونکہ اس جملہ کا استعمال صرف طلاق کے لئے اس دیار میں عوام میں رائج ہو گیا ہے، اس لئے اس سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ ایسا کہنے والے علماء یہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس جو استنفا آتے ہیں ان میں بھی استنفا کا یہ مضمون ہے کہ طلاق کا معاملہ پنچایت میں پیش ہوا۔ اور پنچایت نے شوہر کو کہا کہ طلاق دے دو۔ تو شوہر نے دریافت کیا کہ کس طرح طلاق دوں؟ تو پنچایت نے کہا کہہ دو! تو میری ماں، میں تیرا بیٹا۔ نیز ایک استنفا کا مضمون یہ ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی کو مذکورہ جملہ یعنی تو میری ماں یا تو میری ماں، میں تیرا بیٹا کہہ کر نکال دیا پھر جب اس سے کہا گیا، اپنی بیوی کو لے جاؤ تو اس نے اس واقعہ کا حوالہ دے کر کہا کہ مدت ہوئی کہ ہم اس کو طلاق دے چکے۔ ان واقعات کے علاوہ عام رواج کا ثبوت اس امر سے واضح ہے کہ جب اپنی بیوی کو اس قسم کے الفاظ لڑائی جھگڑے میں کہتا ہے تو اس کے متعلق استنفا ہوتا ہے کہ شریعت کا کیا حکم ہے؟ اگر وہ اس کو فعل لغو سمجھتا یا تعظیم و محبت کے معنی میں بولتا تو نہ اشتباہ کی وجہ تھی، نہ سوال کی ضرورت ہوتی؟

اب آپ سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ اطراف بہار میں بیوی کو جھگڑے کے وقت ماں کہنے سے وقوع وعدم وقوع طلاق میں جو رائیں اوپر مذکور ہوئیں، ان دونوں میں آپ کے نزدیک حق و صواب کون سی رائے ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب

فقیر غفرلہ مولیٰ القدر کی تحقیق میں رائے اول اولیٰ ہے۔ اور اسی پر میرا فتویٰ ہے۔ اس لئے کہ قرآن شریف کی نص صریح ہے: ”الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْكُم مِّنْ نِّسَائِهِمْ مَا هُنَّ أُمَّهَاتُهُمْ إِلَّا الْإِثْمُ وَلَٰذَنَّهُمْ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا۔“ (المجادلة: ۲) ”وہ جو تم میں اپنی بیویوں کو اپنی ماں کی جگہ کہہ بیٹھتے ہیں، وہ ان کی مائیں نہیں۔ ان کی مائیں تو وہی ہیں جن سے وہ پیدا ہیں اور وہ بے شک بری اور زری جھوٹ بات کہتے ہیں۔“ (کنز الایمان)

نیز ابوداؤد شریف کی حدیث، اقوال و تصریحات فقہائے کرام اس پر شاہد عدل ہیں۔ پھر اس کے عدول کی کوئی وجہ نہیں۔ دوسری جماعت کی دلیل میرے فہم سے بالاتر ہے۔ اس لئے کہ ”تو میری ماں ہے، میں تیرا بیٹا“ لغت میں اس کے معنی طلاق نہیں۔ نہ فقہائے کرام نے مصطلح شرعی بنایا۔ پھر اس کے شرعی حکم کا ثبوت کیونکر ہو سکتا ہے؟ سائل فاضل دام بالفہائل نے صرف رائے دریافت کی ہے، اس لئے میرے خیال میں یہ چند سطریں کافی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۳۰ ربیع الاول ۱۳۵۹ھ

☆☆☆☆☆

مسئلہ از بنارس محلہ مدن پورہ مرسلہ مولوی قاری عبدالرحمان ۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ
ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ زید نے اپنی بیوی سے کہا ”اگر میں تجھ کو رکھوں تو اپنی

ماں کو رکھوں“ خالد نے کہا کہ ظہار ہو گیا، تم کو کفارہ چاہئے۔ ولید نے کہا ظہار نہیں ہوا۔ ان دونوں میں کون حق پر ہے؟

الجواب

فی الواقع ظہار نہیں ہوا۔ لانہ ہو تشبیہ المسلم الخ اور وہ یہاں متحقق نہیں۔

ردالمحتار میں ہے: ”واحترز به عن نحو انت امی فانه باطل۔“

ایضاً فتاویٰ سراج المنیر میں یوں ہے: ”لو قال ان فعلت کذا فانت امی فهو باطل۔ فلا يلزم منه شیء وان اراد

به التحريم لانه كذب اه۔“ واللہ تعالیٰ اعلم۔



مسئلہ مرسلہ سید محمد ظہور احمد صاحب از بیتھو شریف ضلع گیا ۸/ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص اجنبی عورت سے کہے تو اگر نکاح کرے تو تو ماں ہے

۔ بعد نکاح ظہار ہوا یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب

نہیں، اور نہ ظہار ہونے کے کوئی معنی ہیں۔ کیونکہ ظہار کے معنی ”تشبیہ المسلم زوجته او يعبر عنها بجزء

شائع منها بمحرمة عليه تابيداً“ ہے اور یہاں سے اس نے بیوی کے کسی جزء شائع کو اپنی کسی محرم تابیدی کے ساتھ تشبیہ نہ

دی۔ ظہار کے لئے چار چیزیں ہیں۔ مشبہ، مشبہ بہ، ادات تشبیہ ہونا ضرور ہے۔ بغیر ان کے ظہار نہ ہوگا۔

طحاوی میں ہے: ”اعلم ان له اركاناً اربعة المشبه والمشبه به واداة التشبيه۔“

علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ظہار کے لئے حرف تشبیہ یا اس کا بدل ضرور ہو ورنہ ظہار نہ ہوگا۔ ردالمحتار میں تحت قول ”وشرعا

تشبیہ المسلم“ ہے: ”واحترزت عن امی بلا تشبیہ فانه باطل۔“ یعنی اگر بلا تشبیہ صرف ”تو میری ماں ہے“

کہا تو قول باطل ہے۔

ردمختار میں ہے: ”وان نوی بانة علی مثل امی برا او ظہار اطلاقاً صحت نیته والّا لم ینو شیئاً

او حذف الکاف لغا۔ یہ کنایات ظہار سے ہے۔ اگر کچھ نیت نہ کیا، لغو ہوگا جیسا کہ لغو ہے انت امی یا بنتی یا اختی

وغیرہا، جس میں تشبیہ نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔



مسئلہ از راپور مدرسہ عالیہ مرسلہ مولوی ولی اللہ بنگالی ۲/ رجب ۱۳۲۳ھ

چہ می فرماید علمائے دین دریں مسئلہ کہ اگر بعد نکاح یقین معلوم شد کہ شوہر زن، عین محض است۔ پس برائے نسخ

نکاح چہ صورت ست؟ بینوا تو جروا۔

الـجـواب

در صورت مسئلہ کہ شوہر عنین محض و برزن قدرت ندارد، و در ادائے حق و اجیش قاصر است۔ برو فرض ست کہ زن خود را طلاق دادہ رہا کند، ورنہ گناہگار خواہد شد۔ قال تعالیٰ: "فَامْسَاكَ، بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِیحْ" (البقرة: ۲۲۹) و اگر از ظلم و خدا نا ترسی طلاق نہ دہد، تدبیرش اینست کہ ہندہ نزد حاکم شرع شریف رفتہ طالب جواب از شوہر خود شود۔ اگر شوہر عنین است، خود را اقرار کند فیہا والا حاکم زن نے پارسا ثقہ معتمد ہوشیار را معائنہ کنائندہ شہادت گیرد کہ دوشیزہ ست۔ بعدہ شوہر را مہلت یکسال کامل قمری (کہ آں سہ صد و پنجاہ و چہارم و ہشت ساعت و چہل دقیقہ علی ما ہونی الدر المختار و رد المحتار من القہستانی می شود) بزیادت ایام مرض ہر دو دہد و در روایتہ سال شمسی ہم است۔ لکن ہو ظاہر الروایۃ و صححہ فی الواقعات و الو الحبیۃ فکان ہو المعتمد لآنہ الثابت عن صاحب المذہب۔ اگر دریں مدت شوہر برو قدرت نہ داشت و وطی نکرد، باز ہندہ دعویٰ کردہ تفریقش خواہد۔ پس اگر از اقرار زید یا بشہادت زن نے مسلمہ ثقہ دوشیزگی ہندہ ثابت شد، حاکم اورا در نفس و شوہرش مختار گرداند۔ اگر نفس خود را اختیار کرد، حاکم زید را حکم طلاقش دہد۔ اگر طلاق داد فیہا ورنہ حاکم تفریق کند۔ ازین تفریق طلاق بائنہ واقع شود۔ بعدا نقضائے عدت اورا اختیار است باہر کہ خواہد خود را سپارد و در زواجیتش داخل شود۔ و اگر از زنان شہادت عدم بکارش دادند، قاضی شوہر را حکم حلف دہد۔ اگر سو گند بخورد کہ بکارش از من زائل شد، حق وے باطل گشت۔ و اگر نکول کند، باز مہلت یکسال دادہ خواہد شد۔ و بکذا، پس اگر اولایا ثانیاً قادر شد فذالک ہو المقصود و گر نہ اگر نفس خود را ایں مجلس اختیار نکرد، دعویٰ از زن دست رفت۔ باز بیچ گاہ دعویٰ تفریق ازین مرد نہ توان کرد۔

در وقایۃ الروایۃ ست: "ان افرانہ لم یصل الیہا اجل الحاکم سنۃ قمریۃ فی الصحیح و رمضان و ایام حیضہا منها لامدۃ مرضہ و مرضہا۔ فان لم یصل الیہا فرق القاضی بینہما ان طلبتہ (ای التفریق) وان اختلفا و کانت ثیباً او بکراً فنظرت النساء فقلن ثیب حلیف فان حلف بطل حقہا وان نکل او قلن بکر اجل ولو اجل ثم اختلفا فالتقسیم ہنہا کما مر۔" (شرح الوقایۃ ۲/ ۱۲۳ - ۱۲۴) واللہ تعالی اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ حافظ عبدالکریم از علی گڑھ ۲۵ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک بیاہی عورت اور بیاہی مرد اور بے بیاہی عورت اور بے بیاہی مرد نے زنا کیا، حرام کیا۔ اس کے واسطے کیا سزا ہے؟ حرام اور زنا میں کیا فرق ہے؟ اور جو لوگ کہ رنڈی بازی کرتے ہیں، ان کے لئے کوئی حد مقرر ہے یا نہیں؟ بینوا تو جردا۔

الـجـواب

زانی فاسق و مرتکب کبیرہ، مستحق عذاب شدیدہ ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: "لَا تَقْرَبُوا الزَّانَا إِنَّهُ فَاجِشٌ وَ نَسَاء

سَبِيلًا۔“ (الاسراء: ۳۲) نہ پاس پھنکو زنا کے بے شک وہ بے حیائی اور برار راستہ ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”لا یزنی الزانی حین یزنی وهو مومن۔“، زنا کرنے والے وقت زنا کے مومن نہیں رہتے۔ جو سزا اللہ و رسول نے اس کی مقرر فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ سب کو اس سے بچائے۔ یہ گناہ تو ایسا ہے کہ اس کی جزا دنیا ہی میں مل جاتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے: ”من زنی زنیٰ به ولو بحیطان دارہ۔“
سلطنت اسلامیہ میں محسن اور محسنہ کے لئے حکم سنگسار کرنا ہے۔ حدیث میں ہے: ”الشیخ والشیخة اذا زنیَا فارجموہما نکالا من اللہ۔“

ہدایہ میں ہے: ”رحمہ القاضی حتی مات۔“، اسے قاضی سنگسار کرے یہاں تک کہ مر جائے۔ اور غیر محسن اور غیر محسنہ کو سو سو بار کوڑے ماریں۔ قال عز من قائل: ”فَاجْلِدُوْهُمَا مِائَةً جَلْدَةٍ“ (النور: ۲) زانیہ اور زانی کو سو سو کوڑے مارو۔

ہدایہ میں ہے: ”وان لم یکن محصنا وکان حرافحدہ مائۃ جلدۃ۔“ اگر بے بیاہار زنا کرے تو اس کی حد سو سو کوڑے ہیں۔ یہ حکم مرد اور عورت دونوں کا ہے۔ لان النصوص یشملہما۔
زنا خاص ہے اور حرام عام۔ زنا شرع میں ایلاج عضوہ الی الحشفۃ فی الفرج الداخل لامرءة خالیۃ عن الحمل کین وشبہتہما وشبہۃ الاشتباہ کا نام ہے اور یہ موجب حد ہوتا ہے۔ بخلاف حرام کے مثل وطی کرنا اپنی عورت سے حالت حیض میں کہ حرام ہے مگر زنا نہیں۔ یا وطی کرنا اپنے لڑکے یا باپ کی لونڈی سے اس گمان پر کہ حلال ہے۔
واللہ تعالیٰ اعلم



کتاب السیر ۷

(سوال دستیاب نہ ہو سکا ۱۲ سائل)

الجواب

وبہ ہدایۃ الحق والصواب قبل تفصیل جواب، یہ چند باتیں واجب الحفظ ہیں۔ تاکہ سوالات کے حل میں نہ دقت ہو، نہ آئندہ شبہات کا موقع رہے۔

(۱) ایمان نام ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق کا ان تمام چیزوں میں جو حضور خداوند عالم سے لائے۔
در مختار باب المرتد میں ہے: ”هو تصديق محمد صلى الله تعالى عليه وسلم مما علم مجيئه ضرورة۔“ (۲۸۳/۳)

ہاں اس پر دنیوی احکام جاری کرنے کے لئے زبانی اقرار ضروری ہے۔ اسی میں ہے: ”والاقرار بشرط لاجراء الاحكام الدنيوية۔“
(۲) اسی کی نفی کفر ہے۔ اسلام کی ایک بات کی بھی عدم تصدیق کفر ہے۔ الکفر لغة الستر وشرعاً تکذیبہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی شیء مما جاء به من الدين ضرورة۔

علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں: ”قوله تكذيبه صلى الله عليه وسلم اي التكذيب عدم التصديق الذي مرّ أي عدم الاذعان والقبول بما علم مجيئه به صلى الله عليه وسلم ضرورة اي علما ضروريا لا يتوقف على نظر واستدلال وليس المراد التصريح بانه كاذب في كذا۔“ (۲۸۴/۳) یعنی ضروریات دین میں کسی ایک چیز کے ساتھ بھی عدم اذعان و تصدیق کا نام کفر ہے۔ صراحۃً حضور کو کاذب کہنا ضرور نہیں۔

(۳) تصدیق اور عدم تصدیق ان دونوں کا تعلق قلب سے ہے اور ہمیں دل چیر کر دیکھنے کا حکم نہیں کہ کس نے دل سے کہا اور کس نے نہیں۔ شریعت کا حکم ظاہر پر ہے۔ جو زبان سے اقرار کلمہ شہادت کرتا ہے، ضروریات دین کو مانتا ہے، مسلمان ہے۔ اگرچہ دل میں اس کے کچھ اور ہو۔ فان المفتی بفتی بالظاهر والله يتولى السرائر۔ بعد میں اگر زبان سے کوئی ایسا کلمہ نکالتا ہے، جس سے ضروریات دین سے کسی چیز کا انکار ہوتا ہے، حفاظت و حمایت شریعت کے لئے حکم کفر دیا جائے گا، اگرچہ دل اس کا ایمان سے لبریز ہو۔ منصور حلاج کو سولی کا حکم دینے والے بلاشبہ علماء صالحین اہلسنت وجماعت تھے۔ ان کی وقعت مذہبی اور بزرگی ان کے دلوں پر نقش تھی۔ پھر بھی شریعت کی حفاظت و حمایت کے لئے تکفیر کی اور قتل کا حکم دیا کہ کوئی غیر محض اور ایسا شخص جس کا حال منصور حلاج سا نہ ہو، وہ بھی ایسا کلمہ بولے اور حلاج کو اپنا پیشوا قرار دے۔

مدخل ابن امیر الحاج جلد اول میں ہے: ”وافتی من یشار الیہ فی وقتہ من العلماء والصالحین بقتلہ تحفظاً

منہم علیٰ منصب الشریعة ان يتعرض له غیر محقق فیدعی شیئا من الامور ویجعل قدوة فی ذلك الخلاج رضی اللہ عنہ۔“

شرح شفا ملا علی قاری میں انہیں منصور کے واقعہ مل میں ہے: ”قال بعضهم والدلیل علی صحة باطنہ انہ کان یقطع یداہ ورجلہ وهو یقول حسبی اللہ الواحد وقد زار قبرہ بعض اہل الكشف فرأی نورا ساطعا من قبرہ الی السماء فقال یا رب ما الفرق بین قوله وقول فرعون ”انا ربکم الاعلیٰ“ فالہم ان فرعون رأی نفسه وغاب عنا والمنصور رائنا وغاب عن نفسه۔“

”یعنی بعض علماء نے فرمایا کہ منصور کے صاحب باطن ہونے پر یہ دلیل ہے کہ جب ان کے دونوں ہاتھ اور پاؤں کاٹے جا رہے تھے تو وہ ”حسبی اللہ الواحد“ فرما رہے تھے۔ اور بعض اہل کشف نے ان کی قبر کی زیارت کی تو ان کی قبر سے آسمان تک ایک چمکتا ہوا نور نظر آیا۔ تو انہوں نے بارگاہ ربانی میں عرض کی: اے رب پھر ان کے اور فرعون کے قول انا ربکم الاعلیٰ میں کیا فرق ہے کہ یہ مقتول ہوئے اور فرعون مردود؟ ندا آئی: ”فرعون نے خود کو دیکھا اور ہم سے غائب ہوا اور منصور نے ہمیں دیکھا اور اپنے نفس سے غائب ہوا۔“ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۴) اور کفر کی حالت اور نسبت علامہ سعد الدین تفتازانی کی اس عبارت جیسی ہے: ”العلم ان کان اذعانا

فتصدیق والا فتصور یعنی ان کان اذعانا لما علم مجیئہ من الدین ضرورة فایسان والا فکفر۔“
تو تصدیق کی طرح ایمان کی صورت ہے یعنی ضروریات دین میں سے ہر بات کا اذعان یعنی اعتقاد ثابت جازم مطابق للواقع کا نام ایمان ہے۔ اور والا فتصور کی طرح کفر کی متعدد صورتیں ہیں۔ یعنی جن جن امور کا اذعان ایمان ہے، ان میں کسی ایک ساتھ عدم اذعان کفر ہے۔ اسی لئے فقہاء کرام نے فقہ کی کتابوں میں کلمات کفریہ کے لئے ایک مستقل باب قائم کر کے بہت تفصیل کے ساتھ درج کیا ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ ہندیہ وغیرہ دیکھنے والے پر مخفی نہیں۔ جناب قاضی ثناء اللہ صاحب نے رسالہ فارسی مالا بدمنہ میں بھی ایک مستقل بحث اس کی لکھی بلکہ ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں ایک کافی حصہ اس کا تحریر فرمایا ہے۔ مسلمانوں کو ان کتابوں میں سے اس بحث کو دیکھنا بہت ضرور ہے تاکہ ان کا ایمان سلامت رہے۔ رزقنا اللہ وسائر المسلمین سلامة الایمان۔

(۵) ہاں بحکم الاسلام یعلو ولا یعلیٰ پہلودار الفاظ میں اسلام کو ترجیح دی جائے گی۔ جیسے کوئی کافر اگر کہے:

اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدا عبده ورسوله تو اسے مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔ حالانکہ اشہد جس طرح حال کے لئے ہے استقبال کے لئے آتا ہے۔ تو اگر زمانہ حال کے معنی لیا جائے کہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، ضرور ایمان ہیں۔ اور معنی استقبال کے اعتبار سے کہ گواہی دوں گا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دوں گا کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، ہرگز ایمان نہیں۔ مگر پہلوئے اسلام کو غلبہ دے کر اس شخص کو مسلمان ہی کہیں گے۔ تاہم ایسے لفظوں سے احتیاط اور احتراز معبود ہے۔ اسی

لئے مسلمان کرنے وقت کلمہ طیب لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہلاتے ہیں نہ کہ کلمہ شہادت اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدا عبده ورسوله۔ حالانکہ یہ اس سے مؤکد ہے جس طرح کلمہ ایمان میں اسلام کو غالب رکھا جاتا ہے اسی طرح کلمہ کفر میں بھی جانب اسلام کو ترجیح دینا چاہئے۔ یعنی کوئی شخص ایسا کلمہ بولتا ہے جس میں متعدد وجوہ ہیں اور اکثر ان میں کفر کی طرف جاتا ہے اور ایک پہلو اسلام کا بھی ہے تو اس کی بات اسی پر محمول کرنا چاہئے۔

فتاویٰ عالمگیریہ وغیرہ میں ہے: ”اذا كان في المسئلة وجوه توجب الكفر وجوه واحد يمنع فعلى المفتي ان يميل الى ذلك الوجه كذا في الخلاصة وعالمگیری۔“ (۲۸۳/۲)

اسی لئے علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ محمل التاویل الفاظ جسے محمل حسن پر محمول کرنا ممکن ہو، ان پر تکفیر جائز نہیں۔ اس لئے کہ تکفیر غایت درجہ کی سزا ہے تو اس کے لئے غایت درجہ کا قصور درکار ہے۔

فتاویٰ بزازیہ و بحر الرائق و مجمع الانهر، حدیقہ ندیہ، تاتارخانیہ، سنل الحسام، تنبیہ الولاۃ میں ہے: ”لا یسکفر بالمحتمل لان الکفر نہایۃ فی العقوبۃ فیستدعی نہایۃ فی الجنایۃ ومع الاحتمال لا نہایۃ۔“

بحر الرائق و تنویر الابصار و حدیقہ ندیہ و تنبیہ الولاۃ و سنل الحسام میں ہے: ”والذی تحرر انہ لا یفتی بکفر مسلم امکن حمل کلامہ علی محمل حسن۔“ (رد المحتار، کتاب المرتد، ۲۸۹/۳)

☆☆☆☆☆

مسئلہ مذکورہ طالب حسین خاں، بہیڑی ضلع بریلی ۵ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دارالحرب اور دارالاسلام کی کیا تعریف ہے؟ اور یہ ملک دارالحرب ہے یا دارالاسلام؟

الجواب

دارالاسلام اس جگہ کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کے قبضے میں ہو اور وہاں بے دغدغہ اسلامی احکام جاری ہو جائیں۔ دارالحرب ایسی جگہ کو کہتے ہیں کہ وہاں احکام شرک علانیہ جاری ہوں اور شریعت کے احکام بالکل ممنوع ہو جائیں۔ مگر یہاں بفضل اللہ تعالیٰ ہرگز ہرگز احکام شرعیہ کی ادائیگی ممنوع نہیں۔ اور اقامت و نماز باجماعت وغیرہ شعائر شریعت، مزاحمت علی الاعلان ادا کرتے ہیں۔ فرائض، نکاح، رضاع، طلاق وغیرہ معاملات مسلمین ہماری شریعت بیضا کی بنا پر فیصلہ دیتے ہیں کہ ان امور میں حضرات علمائے کرام سے فتویٰ لینا اور اسی پر حکم و عمل کرنا، حکام انگریزی کو بھی ضرور ہوتا ہے اگر ہندو مجوس و نصاریٰ ہوں۔

فتاویٰ رضویہ میں سراج الوہاج، اس میں حضرت محرم المذہب سیدنا محمد رضی اللہ عنہ کی زیادات سے ہے: ”انما نصیر دارالاسلام دارالحرب عند ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ بشرائط ثلاث۔ احدها اجراء احکام الکفار علی سبیل الاشتہار وان لا یحکم فیہا بحکم الاسلام ثم قال وصورة المسئلة ثلثة اوجه اما ان یغلب اهل الحرب علی دار من دورنا وارتد اهل المصر وغلبوا واجرنا احکام الکفار او نقض اهل الذمة العهد و تغلبوا علی دارهم

ففسی کل من هذه الصور لا تصیر دار الحرب الا ثلث سرائط۔ ہمارے امام اعظم بلکہ علمائے ثلثہ رحمۃ اللہ علیہم کے مذہب پر ہندوستان دارالاسلام ہے، ہرگز ہرگز دارالحرب نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از بنارس مرسلہ مولوی محمد سجاد محلہ اودھو پورہ شہر بنارس، ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ رجب یا شعبان ۱۳۶۰ھ کا واقعہ ہے۔ حسب معمول ایک طالب علم زید مدرسہ میں ہم لوگوں کے پاس رات کو آئے۔ نعوذ باللہ کہنے لگے: یہ تمہارے خدا کا ثبوت کہاں سے ہے؟ میں خدا ہوں۔ میں نے کہا آسمان و زمین وغیرہ خدا کی بنائی ہوئی ہیں، یہی ثبوت ہے۔ اگر تم خدا ہو تو پیدا کر کے دکھاؤ؟ تو اس نے کہا یہ تمہارا کہنا غلط ہے بلکہ ان چیزوں کو میں نے پیدا کیا ہے۔ اگر تمہارے خدا نے پیدا کیا ہے تو اپنے خدا سے کہو کہ دوبارہ پیدا کرے۔ میں نے کہا: ایسا کرنے سے اس کے نظام میں انقلاب ثابت ہوگا اور ہم گنہگار کی دعا ہی کیا؟ زید نے کہا: اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو میرا دعویٰ ثابت ہو گیا۔ میں ہی خدا ہوں اور میں اس وقت ایسی نظیر لاؤں گا جیسا تم اپنے خدا سے کہہ کر لاؤ۔ پھر چند دنوں کے بعد میں نے زید سے پوچھا کہ ایسی بڑی بات تم کیوں کہتے ہو؟ زید نے کہا: ایک آریہ سے اور مجھ سے گفتگو ہوئی تھی، اس نے اس طرح کہا۔ مدرسہ کے اکثر لڑکوں نے ان باتوں کو سنا اور یہ سمجھ کر کہ زید بے وقوفی کی باتیں اکثر زبان سے نکالتا ہے، خاموش رہے۔ پھر ربیع الثانی ۱۳۶۱ھ میں تمام طلباء نے کسی اپنے مطالبہ پر تعلیمی مقاطعہ کیا۔ جس میں یہ زید شریک نہیں ہوا اور طلباء کا ساتھ نہ دیا۔ دوران مقاطعہ میں ایک روز مدرسہ کے ایک فارغ التحصیل اور ایک ہمدرد طلبہ ہم سب طلباء کے ساتھ صدر مدرس کی قیام گاہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جب ان دو شخصوں کو ہم لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ زید ہم لوگوں کے مقاطعہ میں شریک نہیں تو بہت اظہار افسوس کرنے لگے تو ہم میں سے کسی نے کہا۔ اس کا کیا کہنا؟ وہ تو خدائی کا دعویٰ کر بیٹھتا ہے۔ پھر ان لوگوں میں سے کسی ایک کے ذریعہ زید کے بے باکانہ الفاظ کی خبر مدرسہ انتظامیہ، مجلس کے ناظم کو پہنچی اور مقاطعہ کے سلسلہ میں انتظامیہ کی کمیٹی ہوئی۔ ممبران نے مالی مشکلات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ امسال زید وغیرہ کی دستار فضیلت کا جلسہ ہونا چاہئے۔ اس پر ناظم مجلس نے کہا کہ زید تو ایسی ایسی باتیں زبان سے نکالتا ہے۔ مجلس میں زید کے مخالف و موافق دونوں ہی تھے۔ اور یہ بات خوب مشہور ہوئی اور اساتذہ مدرسہ کو بھی اس کمیٹی کے بعد زید کے ان کلمات کا علم ہوا۔ پھر چار پانچ یوم کے بعد ایک استاد نے زید سے کہا کہ جو کلمات تم نے کہے ہیں، اس کو لکھو۔ اولاً تو اس نے انکار کیا پھر اس نے کہا کہ مجھ سے اور ایک آریہ سے بحث ہوئی تھی۔ استاد نے کہا بہر حال جو واقعہ ہو لکھو۔ چنانچہ زید نے مندرجہ تحریر لکھی۔

”ایک آریہ نے مجھ سے یہ سوال کیا تھا کہ خدا کا ثبوت کہاں سے ہے؟ میں اس کا جواب نہ دے سکا تو پھر میں نے اس کا جواب معلوم کرنے کے لئے طلباء سے یہی کہا کہ خدا کا ثبوت کہاں سے ہے؟ تو طلباء جو جواب دیتے تھے اس کو میں توڑ دیتا۔ اس طرح سے اگر وہ لوگ کہتے کہ آسمان اور زمین کس نے بنایا؟ تو میں کہتا میں نے بنایا۔ تو میں کہتا، کیا جواب

ہے؟ میرے نہ بتانے پر تو میں کہتا میں خدا ہوں، اور یہ اس لئے کہ وہ آریہ ایسے ہی جواب توڑتا تھا، جس طرح میں نے توڑا۔“
اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید نے ہم لوگوں سے کلام بالا کہتے وقت یہ ظاہر نہ کیا تھا کہ آریہ سے بحث ہوئی تھی اور نہ یہ ظاہر کیا کہ میں آریہ کا قول نقل کر رہا ہوں بلکہ چند یوم کے بعد میرے پوچھنے پر وہ یہ کہا کہ آریہ سے بحث ہوئی تھی اور اس نے یہ ظاہر کرنے کا اقرار چند اہل محلہ کے سامنے بھی کر چکا ہے۔ تو کیا زید پر تجدید ایمان و نکاح لازم ہے یا نہیں؟

الجواب

اللہم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه۔ اس میں شک نہیں کہ یہ قول کہ ”میں خدا ہوں۔ ان چیزوں (آسمان وزمین) کو میں نے پیدا کیا“ بالکل خلاف شرع و خلاف اسلام ہے۔ مسلمانوں کی زبان سے نکالنے کی یہ بات نہیں اور نہ کوئی مسلمان ایسا عقیدہ رکھ سکتا ہے اور نہ ایسا کہہ سکتا ہے۔ مگر جب زید نے دریافت حال پر کہا کہ ایک آریہ سے مجھ سے گفتگو ہوئی تھی۔ اس نے یہ دلیل بیان کی تھی، وہ آریہ ایسے ہی جواب توڑتا تھا۔ تو اس نے اس آریہ مردود کے قول کی نقل کی اور ظاہر ہے کہ نقل کفر کفر نہ باشد، خود قرآن شریف میں بہت سے مقولے، لوگوں کے خلاف شرع نقل کئے گئے ہیں۔ تو کیا وہ ارشاد باری تعالیٰ سمجھا جائے گا؟ مثلاً ”قَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ شَيْءٌ“ (البقرة: ۱۱۳) ”اور یہودی بولے نصرانی کچھ نہیں اور نصرانی بولے یہودی کچھ نہیں“ (کنز الایمان) اور ”لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ“ (البقرة: ۱۱۱) ”ہرگز جنت میں نہ جائے گا مگر جو یہودی یا نصرانی ہو“ (کنز الایمان) بلکہ ان سب سے بڑھ کر ”إِنَّ اللَّهَ ثَلَاثٌ“ (المائدة: ۷۳) ”اللہ تین خداؤں میں کا تیسرا ہے۔“ (کنز الایمان) تو کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تین کا تیسرا ہے۔ ہرگز نہیں کہ یہ نقل قول نصاریٰ ہے۔ اسی طرح زید نے نقل قول آریہ کیا۔ جیسا کہ چند دنوں کے بعد جب لوگوں نے اس سے پوچھا تو اس نے ظاہر کیا اور اگر زید کو اس حکایت و نقل قول آریہ کے ادعاء میں صادق القول نہ مانا جائے۔ بلکہ جیسا کہ لوگوں نے اس کے متعلق ظاہر کیا کہ اس کا کیا کہنا، اس نے تو خدائی کا دعویٰ کیا ہے۔ ان اقوال کو بجائے نقل خود زید کا قول قرار دیا جائے، تو اس پر کوئی شرعی حجت و برہان نہیں۔ اس لئے کہ دعویٰ کے ثبوت کے لئے یا اقرار ہو یا بینہ۔ اور ظاہر ہے کہ یہاں اقرار معدوم۔ تو خواہ مخواہ اگر ثابت ہوگا تو بینہ سے ہی ثابت ہوگا۔ علمائے کرام فرماتے ہیں البینۃ کانہا مبنیۃ والثابت بالشہادۃ کالثابت بالمشاہدۃ تو یہاں بینہ ہی منتهی۔ اس لئے کہ جن لوگوں کے سامنے اس نے (زید نے) ان کے خیال کے مطابق دعویٰ خدائی کیا تھا، ان لوگوں کو چاہئے تھا کہ بے طلب اس کو ظاہر کرتے۔ اور ہرگز اتنے دنوں تک پوشیدہ نہ کرتے۔ اس لئے کہ شہادت حسبہ کے لئے ضروری ہے کہ بے طلب ظاہر کی جائے، مطالبہ کا انتظار نہ کیا جائے اور اگر ایسا نہ کرے تو خود گواہ فاسق، مردود الشہادت ہو جاتا ہے۔ اور فاسق مردود الشہادت کی بات چند روپے کے مالیات میں تو مقبول نہیں، چہ جائے کہ اس قدر اہم مسئلہ اسلام و کفر میں اور وہ بھی ایسی حالت میں کہ واقعات و قرائن خود ان کی تکذیب کر رہے ہیں، مقبول ہو۔ زید ان لوگوں کے خیال میں دعویٰ خدائی کرتا

ہے، وہ لوگ اس کو سنتے ہیں، نہ اس سے توبہ کراتے ہیں، نہ اس کے ولی و پدر کو خبر کرتے ہیں، نہ اساتذہ و طلباء ہی میں یہ بات منتشر ہوتی ہے، نہ مجمع عام، جامع مسجد وغیرہ میں اس کا کچھ ذکر ہوتا ہے۔ جب نو دس ماہ کے بعد زید طلباء کی وحشت اور سازش اور اسٹرائک میں شریک نہیں ہوتا تو یہ چلتا ہوا نسخہ اس کے لئے تجویز کیا جاتا ہے۔ تو جو شخص ان تمام باتوں کو بنظر انصاف، غائر نگاہ سے دیکھے گا، یقین جانے گا کہ سب پادر ہوا باتیں ہیں، جن کو اصلیت سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس سے فقط یہ مقصد ہے کہ زید لوگوں کی نظر میں ذلیل اور بے وقعت ہو، جیسا کہ اس نے اس تحریک کی مخالفت کر کے طلباء کو ذلیل کیا ہے۔ طلباء اس پر دعویٰ خدائی کا الزام لگا کر اس کو رسوا بنانا اور اپنا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔ غرض شرعی طریقہ پر اس سے ایسا اعتقاد اور اس کا قائل ہونا ثابت نہیں۔ اس لئے تجدید ایمان و نکاح کا حکم شرعی نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد شرف الدین قادری غفرلہ

سینئر مدرس مدرسہ اسلامیہ شمس العلوم پٹنہ ۱۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۶۱ھ

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ سردار رحمت اللہ از محلہ کیدھر شہر بنارس

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین کہ ایک گروہ مسلمانوں کا اہل ہنود سے مل کر اس وقت اس قدر اتحاد و اتفاق بڑھا رہا ہے کہ مسلمان بھائیوں کو قربانی گاؤں کے لئے، جو ایام نحر میں تین دن صاحب نصاب پر واجب ہے، روکتے ہیں اور کہتے ہیں ہندو بھائیوں کی دل آزاری نہ کرنا چاہئے اور انہیں معاندین اہل ہنود نے اس قربانی کے لئے ضلع شاہ آباد، ضلع جوینور و ضلع سہارنپور و ضلع اعظم گڑھ وغیرہ میں جو کچھ سختیاں و بے حرمتیاں غریب مسلمانوں کے ساتھ میں کیں یعنی قرآن پاک کا پرزہ پرزہ پھاڑ کر پھینکنا، مساجد خدا کا ڈھانا، مخدرات اہل اسلام کے پستان کو کاٹ ڈالنا و دیگر شداوند سختیاں جو کچھ نکیں، آج افسوس! ہمارے مسلمان بھائی فراموش کر کے بخاطر اہل ہنود، قربانی گاؤں کے لئے ایام اضحیہ میں بند کرانے کی کوششیں بہر نوع کرتے ہیں۔ اور اہل ہنود بہت خوش ہیں۔ اندیشہ ہے کہ آئندہ ہماری اذان با آواز بلند جس سے ان کو نفرت ہے، روکیں۔

فی الحال یہ بھی ظاہر کیا جاتا ہے کہ خلیفۃ المسلمین شریف مکہ اپنے کو کہتے ہیں سلطان المعظم، والی قسطنطنیہ کو خلیفۃ المسلمین مانیں، جو شخص اس بارے میں شریک جلسہ نہ ہوگا یا بروز جلسہ اپنا کاروبار نہ بند کرے گا وہ از روئے فتویٰ مولانا شوکت علی و مولانا ابوالکلام و مولانا عبدالباری و مہاتما گاندھی دائرۃ اسلام سے خارج ہے۔ جن مسلمانوں نے اپنا کاروبار بند نہیں کیا، ان مسلمانوں کا بیان ہے کہ ہم بعد ہر نماز پنجگانہ کے سلطان المعظم کی ترقی اقبال و قیام سلطنت و محافظت حریم شریفین و دیگر مقامات مقدسہ کے والی و نگہبان رہنے کی اپنے خدائے پاک سے بمصداق حکم خدا "ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً" (الأعراف: ۵۵) "اپنے رب سے دعا کر دگر گڑا تے اور آہستہ۔" (کنز الایمان) اپنی مساجد میں دعا کرتے ہیں اور بروز جمعہ خطبہ میں سلطان المعظم خلد اللہ ملکہ کے قیام سلطنت کی دعا کرتے ہیں۔ ہاں اس طریق پر جو بالکل بغاوت

پر مبنی ہے یعنی والی سلطنت برطانیہ کو گالی دینا اور بے ایمان و دغا باز وغیرہ کہنا، جس سے ہماری عرضیوں کا الٹا اثر و نتیجہ پیدا ہوتا ہے، احتراز کرتے ہیں اور بمصداق فرمودہ باری تعالیٰ ”وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدُوًّا بِغَيْرِ عِلْمٍ“ (الانعام: ۱۰۹) ”اور انہیں گالی نہ دو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے زیادتی اور جہالت سے۔“ (کنز الایمان) اپنی زبان کو سب و شتم سے باز رکھتے ہیں۔ آیا ایسی صورت میں ہم مسلمانانِ قابلِ ملامت ہیں یا برسرِ حق؟ بینوا بالکتاب و توجروا جزیل الثواب۔

الجاب

اتحاد و اتفاق اگرچہ ایک ایسی عمدہ چیز ہے جس کی خوبی سے کوئی عقل والا انکار نہیں کر سکتا۔ مگر اس کے لئے اہل درکار ”فان مجالسة الاغیار تحر الی غایة البوار و نهایة الخسار“ اہل اسلام کے ساتھ اختلاف عقائد و اعمال کی وجہ سے ہنود کو جس قدر عداوت ہے، اظہر من الشمس ہے۔ ان کے نزدیک کتے سوراٹنے ناپاک نہ ہوں گے جتنا مسلمانوں کا ایک ایک شخص ہے۔ چھوت چھات کا مسئلہ اسی اعتقاد پر متفرع ہے۔ مسلمانوں کے لئے قرآن شریف کے بعد کس دلیل و برہان کی ضرورت ہے؟ ”فَبَآئِ حَدِيثٍ بَعْدَ اللَّهِ وَآيَاتِهِ يُؤْمِنُونَ۔“ (الحجاثیہ: ۶) ”پھر اللہ اور اس کی آیتوں کو چھوڑ کر کون سی بات پر ایمان لائیں گے۔“ (کنز الایمان) قرآن شریف جسے ہر مسلمان اپنی دینی مذہبی کتاب یقین کرتا، اس کے تمام ارشادات کو چشم دید سے بھی صحیح مانتا ہے۔ اس کو دیکھئے غیر مسلموں کیا کیسا کچا چٹھا کھولتا اور ہمیں ان کے ساتھ کیسے برتاؤ کا حکم دیتا ہے۔ ”لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ۔“ (آل عمران: ۲۸) ”مسلمانوں کو چاہئے کہ مسلمانوں کے سوا کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا تو اس سے اور اللہ سے کوئی سروکار نہیں۔“

وقال تعالى: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْتُونَكُمْ حَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمْ الْآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ۝ هَآئِمْ أَوْلَاءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ (الی قولہ) إِنْ تَمَسَّسَكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِيبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا۔“ (آل عمران: ۱۱۸-۱۲۰) مسلمانو! اپنے لوگوں کے سوا غیروں کو اپنا دلی دوست نہ بناؤ۔ یہ لوگ تمہاری خرابی میں کچھ اٹھا نہیں رکھتے۔ چاہتے ہیں کہ تم کو تکلیف پہنچے۔ دشمنی تو ان کی باتوں سے ظاہر ہو ہی چکی۔ اور غیظ و غضب، جو ان کے دلوں میں بھرے ہیں وہ (اس سے بھی) بڑھ کر ہیں۔ ہم نے تم کو پتے کی باتیں بتا دیں اگر تم عقل رکھتے ہو۔ سنو جی تم کچھ ایسے (سیدھے سبھاؤ کے) لوگ ہو کہ تم ان سے دوستی رکھتے ہو اور وہ تم سے (مطلق) دوستی نہیں رکھتے (الی قولہ) مسلمانو! اگر تم کو کوئی فائدہ پہنچے تو ان کو برا لگتا ہے اور اگر تم کو کوئی گزند پہنچے تو اس سے خوش ہوتے ہیں۔ صدق العلی العظیم۔

”لَا يَأْتُونَكُمْ حَبَالًا“ کی تصدیق دیکھئے کہ ہاتھ ملاتے ہی قربانی پر نظر شفقت پھیری۔ بظاہر ترک انھیہ بقر کی خواستگاری ہے۔ مگر اہل اسلام کی مذہبی حالت، احکام خدا کی تعمیل میں توانی و مسابلت، ہر ایک کے پیش نظر ہے۔ آج جب

روپے، ڈیڑھ روپے میں واجب اضحیہ ادا ہو جاتا ہے جب تو یہ حالت ہے کہ سیکڑے تیس، جن پر قربانی واجب ہے، نہیں کرتے۔ پھر جب چھ سات روپے صرف ہونے لگیں گے، سیکڑے ستر اسی اس ثواب سے محروم رہا کریں گے۔ بقیہ کا کرنا بھی اس صورت پر موقوف ہے کہ برادران وطن سچے دل سے اس کی اجازت دیں۔ ورنہ دل آزاری کا وہ نایاب نسخہ ہاتھ لگا ہے کہ نہ صرف قربانی بلکہ اذان، تکبیر، جمعہ، جماعت، وعظ، نصیحت، جس کام کو چاہیں گے، بند کرادیں گے اور پھر دوست کے دوست۔ مسٹر گاندھی وغیرہ لیڈران ہنود کا مسلمانوں سے اتفاق و اتحاد ظاہر کرنا، خلافت خلافت چلانا، صرف اپنا آلو سیدھا کرنے، گاؤ کشی ترک کرانے کے لئے ہے۔ اخباروں کے کالم ان واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔

اخبار حقیقت لکھنؤ ۳۰ جنوری ۱۹۲۰ء کا مضمون جس کی سرخی ”انسداد گاؤ کشی پر مسلمانوں کا شکوہ“ ہے، ملاحظہ کرنے سے یہ امر اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ انسداد گاؤ کشی میں مسٹر گاندھی نے سب سے پہلے ابتدا کی ہے۔ انہوں نے اپنی دلی محبت سے مسلمانوں سے اتحاد عمل کر لیا ہے اور اس طرح وہ گایوں کی جانوں کو بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ غرض ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آنا اور ابتدائے اسلام سے اس وقت تک مسلمانوں پر جو مظالم ہوتے آئے ہیں، خصوصاً حال کے واقعات شاہ آباد و کٹار پور وغیرہ کو اس قدر جلد بھلا دینا، مسلمانوں کی سخت نادانی اور غلطی ہے۔ خاص کر ایسی صورت میں کہ باوجود ادعائے اتحاد و اتفاق، اس وقت تک ہنود کے عناد و مخالفت کا وہی رنگ ہے۔ آج ان پر جوش مسلمانوں کے صدقے ہر جگہ کی مساجد، ہنود کے ناپاک قدموں سے پامال ہو رہی ہیں۔ مگر کیا مجال کہ کوئی مسلمان، ہنود کے معابد و مندر میں تو جاسکے۔ اگر کسی کو شبہ ہو تو بشیشتر ناتھ کے مندر ہی میں جا کر اتحاد کی حقیقت دیکھ لے۔ وہاں گھستے ہی ایسی عزت افزائی اور خدمت کی جائے گی کہ اگر برسوں نہیں تو مہینوں تک ضرور یاد رہے گی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہنود اور مسلمانوں کو ہمیشہ لڑتے جھگڑتے رہنا چاہئے۔ ہاں شعائر اسلام کھو کر ذلت کے اتحاد سے اسلام و عزت کے ساتھ ”شائبخیر و ما اسلامت“ کو ضرور بہتر جانتا ہوں۔

میں ان خداوندان اتحاد سے دریافت کرتا ہوں کہ اس وقت کے اتحاد و اتفاق میں، جس کی ہر جگہ چیخ و پکار ہو رہی ہے، امور مذہبی کو بھی دخل ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو ہر شخص نہایت آزادی سے اپنے اپنے مذہب کے فرائض، واجبات، سنن، موکدہ وغیرہ موکدہ، مستحبات، مباحت، بجالائے اور خلاف اولیٰ، مکروہ، تنزیہی، اساءت، مکروہ، تحریمی، حرام سے بچے۔ کوئی کسی طرح کسی پر اعتراض نہ کرے اور دوسرے کے اعمال و افعال شرعیہ میں حارج نہ ہو، اشارۃً کنایۃً کسی طرح مذہبی دست اندازی نہ کرے۔ اور اگر اس اتحاد میں امور مذہبی کو بھی دخل ہے، اس لئے جس بات سے ہنود کی دل آزاری ہوتی ہو، مسلمانوں کو ترک کر دینا چاہئے۔ تو ہنود کی جن جن باتوں سے مسلمانوں کی دل آزاری ہوتی ہے مثلاً مندروں میں سکھ چھوٹنا، گھنٹہ بجانا وغیرہ، کیا برادران وطن ان سب کے چھوڑنے پر آمادہ ہیں؟ اگر ہاں تو بسم اللہ! پہلے کانگریسی اور دیگر انجمنوں، پبلک جلسوں میں اس کے متعلق رزلوشن پاس کر لیں۔ پھر ترک اضحیہ بقر کے لئے مسلمانوں سے کہیں اور اگر نہیں تو یہ اتحاد کی ایک طرف تالی کیسی؟ ہندوؤں کی خاطر ہم اپنا شعار چھوڑ دیں، جسے ہم اپنے گھروں میں پوشیدہ طور سے

کرتے ہیں اور وہ سکھ اور گھنٹوں کی مکروہ اور دلخراش آوازوں سے ہماری علانیہ دل آزاری سے بھی باز نہ رہیں۔ علاوہ بریں جب ہنود کی مذہبی کتاب ویدوں سے ذبیحہ بقر کی ممانعت ثابت نہیں، بلکہ ان کی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مذہب میں گائے کا ذبح کرنا جائز اور خود ان کے پیشواؤں کے فعل سے ثابت۔ جیسا کہ رسالہ سوط الجبار وغیرہ سے ظاہر تو اپنے مذہب کے احکام اور اپنے پیشواؤں کے افعال سے دل آزاری کیوں؟ ولو فرضنا کہ گایوں کا ذبح ہونا، ہنود کی دل آزاری کا سبب ہے۔ تو کیا صرف انہیں تین دن میں جب کہ غریب مسلمان قربانی کے لئے ذبح کرتے ہیں، دل آزاری ہوتی ہے اور بقیہ سال بھر جو برابر کسریٹ وغیرہ میں روزانہ تیس چالیس ہزار گائیں کٹا کرتی ہیں، اس سے کانوں پر جوئیں تک نہیں رینگتی۔ تو ظاہر ہوا کہ سب مذہبی عناد و عداوت کی وجہ سے مسلمانوں کے مذہب میں دست اندازی اور ان کو قربانی جیسے ثواب عظیم سے روکنے کی حیلہ سازی ہے۔ مسلمانوں کو عقل و ہوش سے کام لینا چاہئے۔ ایسے دھوکے بازوں کے دام میں نہ آئیں۔ فرضی، وہمی اعزاز دنیوی کی خاطر دین سے دست برداری نہ دیں۔

خلیفۃ المسلمین کی بحث مسلمانوں کے لئے ایک علمی بحث ہے، جس کا فیصلہ کتب عقائد و شروح حدیث میں مفصل موجود ہے۔ تمام مسلمانوں پر مقامات مقدسہ کی حفاظت، حریم شریفین کی خدمت کی وجہ سے سلطان معظم کا احترام فرض ہے۔ مگر عامیانہ طریقہ ہڑتال، نہ شریعت کی تعلیم، نہ امیر المومنین کا حکم، نہ علمائے دین کا فتویٰ ہے۔ یہ انہیں لوگوں کے اوہام تراشیدہ ہیں جو جھوٹوں میں بیٹھ کر سلطنت کا خواب دیکھا کرتے اور ہوم رول، سلف گورنمنٹ، سوراخ وغیرہ کا وظیفہ رنا کرتے ہیں۔ ان کی تقلید نہ مسلمانوں پر ضروری، نہ ان کے احکام کی عدم تعمیل کی وجہ سے کوئی شخص شرعاً گنہگار ہو سکتا ہے۔ اس لئے ہندوستان کی ریاستہائے اسلامیہ میں اس قسم کا شور و شر، ہڑبونگ و ہڑتال کا نام و نشان تک نہیں۔ نہ تعلیم یافتہ طبقہ بیرسٹراں، وکلاء، عمال کچہری و ڈاکخانہ جات، ریلوے وغیرہ نے اس کی طرف دھیان کیا۔ حالانکہ رزرویشن کے الفاظ یہ تھے: ”اس دن تمام مسلمانان ہند کاروبار بند کریں“ بلکہ بعض جگہ نہ صرف روز جمعہ بلکہ شب جمعہ کو بھی تمام کاروبار جاری اور تمام دکانیں کھلی رہیں۔ ریاست رامپور جو مسٹر شوکت علی و مسٹر محمد علی کا مسقط الراس، مولد و وطن ہے، وہاں کا اخبار بد بہ سکندری مظہر کہ ”ریاست رامپور میں ۱۸ مارچ روز پنجشنبہ کو شب بھر بازار کھلے رہے اور دوکانداروں نے رات کھل کر دکانوں میں بسر کی، جن کے مال و اسباب کی حفاظت ریاست کی پیدل و سوار فوجیں کرتی رہیں اور ۱۹ مارچ کو تمام کاروبار بدستور جاری رہے اور شہر کے تمام بازار کھلے رہے۔ جامع مسجد میں سوائے دعاء نصرت و فتوحات شاہان اسلام کے کہ وہ ویسے ہی ہر جمعہ کو کی جاتی ہے، غیر معمولی کوئی امر ظہور پذیر نہ ہوا۔“

سلطان اسلام کے لئے سچے دل سے مساجد و جمعات و جماعات میں دعا کرنا، بیشک پسندیدہ کام ہے۔ علماء اہرام نے اپنی کتابوں میں ۱۹ شخص ایسے ذکر کئے ہیں جن کی دعا قبول ہوتی ہے۔ از انجملہ مسلمان کہ مسلمان کے لئے اس کی غیبت میں دعائے مانگے۔ حدیث شریف میں ہے کہ یہ دعا نہایت جلد قبول ہوتی ہے۔ فرشتے کہتے ہیں: ولک بمثل دلت امیس۔ دوسری حدیث میں فرمایا: یہ دعا حاجی اور نمازی، مریض و مظلوم کی دعاؤں سے بھی زیادہ جلد قبول ہوتی ہے۔ تیسری

حدیث میں ارشاد ہوا: اس سے زیادہ جلد قبول ہونے والی کوئی دعا نہیں۔ رواہ الترمذی عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ مگر اس کے لئے نہ کسی وقت کی تخصیص، نہ کاروبار بند کرنے کی تخصیص، ہر وقت کر سکتے ہیں اور ہر وقت کرنا چاہئے۔ خصوصاً بعد صلوٰات خمسہ۔ شورش، ہنگامہ، فتنہ، فساد سے مسلمانوں کو ہر وقت بچنا چاہئے۔ قال تعالیٰ: "وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ" (البقرة: ۱۹۱) فتنہ کرنا قتل سے زیادہ سخت (گناہ) ہے۔ بالجملہ جو لوگ عامیانا ہڑتال، وحشیانہ افعال کے شریک نہ ہوئے اور انہوں نے مساجد میں باتثال امر "أَدْعُوا رَبَّكُمْ نَضِرُّكُمْ" (الأعراف: ۵۵) "اپنے رب سے دعا کرو گڑ گڑاتے اور آہستہ۔" (کنز الایمان) خلیفۃ المسلمین کی فتح و نصرت و بقائے جاہ و عزت کی دعا کی، وہ ہر طرح مستحق تعریف و توصیف ہیں، نہ الٹا قابل مذمت و ملامت۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ مولوی عزیز الدین از ابراہیم پور ڈاکخانہ سبور ضلع بھاگل پور ۱۵ شعبان ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین ان مسئلوں میں:

(۱) وہابی کسے کہتے ہیں؟ ان کے کیا کیا عقائد ہیں؟ شرعاً وہ کافر ہیں یا بے دین؟ اگر کافر نہیں تو اس کو کافر کہنے والا خود کافر ہے یا نہیں؟ کافر اور بے دین یا بد مذہب کا کیا مطلب ہے؟۔

(۲) وہابیوں سے میل جول رکھنا شرعاً کیسا ہے؟

(۳) خالد پیر اہلسنت سے مرید ہے لیکن وہ ایسی بستی میں رہتا ہے جہاں وہابی بکثرت رہتے ہیں۔ اور الگ جگہ کے نہ ہونے سے وہاں کے لوگوں سے زیادہ میل جول رکھتا ہے اور اس کو یہ بھی خیال ہے کہ اگر ہم ان لوگوں سے علیحدگی اختیار کریں گے تو میرا دنیاوی گھانا ہے اور فی الحقیقت اس کا نقصان ہوتا بھی ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو کیا ایسا شخص وہابی کہلائے گا؟۔

(۴) وہابیوں سے ارتباط از قسم خورد و نوش، آمد و رفت، شادی بیاہ، جائز ہے یا ناجائز یا حرام؟ ناجائز اور حرام کا

کیا مطلب ہے؟

(۵) بکر کہتا ہے کہ زید اگر چہ وہابی ہے تو اس بنا پر ہم کیوں آنا، جانا، کھانا، پینا، ترک کر دیں۔ ہم تو وہابی نہیں۔ حشر اگر

خراب ہوگا تو زید کا نہ کہ میرا۔ تو کیا بکر کا یہ کہنا صحیح ہے؟

(۶) زید جو عمرو (سنی) کے نزدیک وہابی ہے، یہ کہتا ہے کہ ہم وہابی نہیں۔ جو عقیدہ عمرو کا ہے، وہی عقیدہ ہمارا

ہے۔ اور دلیلیں میں المہند (نامی کتاب) کو پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر ہم وہابی ہوتے تو کتاب مذکور کو نہ مانتے۔ حالانکہ ہم اس کو مانتے اور صحیح جانتے ہیں، جس طرح تم صحیح جانتے اور مانتے ہو۔ لیکن عمرو جس طرح رشید احمد و اشرف علی اور اسماعیل وغیرہ کی مصنفہ کتابوں کے متعلق پوچھتا ہے کہ تم اسے وہابی سمجھتے ہو اور ان کی کتابوں کو باطل سمجھتے ہو یا نہیں؟ تو وہ کہتا ہے کہ ہم انہیں وہابی یا ان کی کتابوں کو برا نہیں سمجھتے۔ لیکن ہاں اس پر عمل بھی نہیں کرتے۔ نہ معلوم انہوں نے کس مصلحت سے ایسا لکھا؟

تو اس صورت میں زید سنی یا وہابی کس گروہ میں اس کا شمار ہوگا؟

(۷) مولوی محمد علی صاحب و مولوی غنیمت حسین صاحب مولگیری ان دونوں کے کیسے عقائد ہیں؟ وہابی ہیں یا اہل

سنت و جماعت؟ فقط بینوا کما هو فی الكتاب۔

الجواب

(۱) محمد بن عبد الوہاب نجدی کے متبع کو وہابی کہتے ہیں۔ کتاب التوحید عربی زبان میں ایک کتاب اس کی تصنیف ہے، جس میں اپنے خیالات و عقائد اس نے درج کئے ہیں۔ اسی کا ترجمہ تقویت الایمان ہے جو مولوی اسماعیل دہلوی نے لکھی ہے، جو لوگ اس کتاب کے مطابق عقیدہ رکھتے ہیں اور اس کے مسائل کو صحیح و درست جانتے ہیں، وہ سب وہابی ہیں۔ ہندوستان میں وہابیہ کی دو شاخیں ہیں۔ ایک جو اعتقاداً اور عملاً ہر طرح محمد بن عبد الوہاب و مولوی اسماعیل دہلوی کے قدم پر ہیں، ان کو غیر مقلد کہتے ہیں۔ دوسرے وہ جو اعتقاداً تو اسی کے ہم مشرب ہیں اور فرعاً حنفی ہیں، ان کو دیوبندی کہتے ہیں۔ محمد بن عبد الوہاب و اسماعیل دہلوی کے عقائد کفریہ نہ تھے۔ اگرچہ بعض اقوال شان اسلام سے بہت گرے ہوئے ہیں۔ مگر التزام کفر نہ ہونے کی وجہ سے محققین و محتاطین علمائے کرام نے ان دونوں اور ان کے ہم خیالوں کی تکفیر نہ کی، صرف گمراہ اور بد مذہب کہا، جیسا کہ مطالعہ رسالہ الکوکبۃ الشہابیہ سے واضح ہوگا۔ اسی وہابیہ کی دوسری شاخ دیوبندی ہے۔ اس نے اللہ و رسول جل و علا شانہ و رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں سخت توہین و تنقیص کے کلمات لکھے، چھاپے، جس کی وجہ سے علمائے حرمین شریفین نے دیوبندی کی تکفیر فرمائی۔ مطالعہ ہو رسالہ مبارکہ حسام الحرمین۔ ان دونوں شاخوں کے عقائد و خیالات رسالہ الاستمداد میں بحوالہ کتب وہابیہ جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اس کا ایک نسخہ بھیجتا ہوں۔

کافر کا یہ مطلب ہے کہ ضروریات دین میں سے کسی بات کا منکر ہے۔ اس شخص کو نئے سرے سے کلمہ پڑھ کر مسلمانوں میں شامل ہونا چاہئے اور اپنے عقائد و خیالات سے بری ہونا چاہئے۔ اور بد مذہب کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص دائرہ اسلام میں ہے مگر اس کے خیالات مطابق عقیدہ اہل سنت نہیں۔ اسے اپنے خیال سے توبہ کرنا چاہئے۔ واللہ اعلم۔

(۲) وہابیوں بلکہ تمام بد مذہبوں سے میل جول رکھنا شرعاً ناجائز ہے۔ قال تعالیٰ: "وَأَمَّا يُنْسِفُكُمُ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدُوا بَعْدَ الذِّكْرِى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ" (الانعام: ۶۸) "اور جو کہیں تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آئے پر خالموں کے پاس نہ بیٹھ۔" (کنز الایمان)

تفسیرات احمدیہ میں ہے: "دخل فيه الكافر والمبتدع والفاسق والقعود مع كلهم ممتنع۔" "اس آیت کے حکم میں برکافر و مبتدع اور فاسق داخل ہیں۔ ان میں کسی کے پاس بیٹھنے کی اجازت نہیں۔" اللہ عز و جل فرماتا ہے: "وَلَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ" (ہود: ۱۱۳) "اور ظالموں کی طرف میل نہ کرو کہ تمہیں آگ چھوئے گی۔"

صحیح مسلم شریف میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اباکم وایاہم لا یضلونکم ولا

یفتنوں کم۔“ ”ان سے دور رہو اور انہیں اپنے سے دور کرو، کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں، کہیں وہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ واللہ الموفق واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) جو شخص عقیدہ، عملاً ہر طرح سنی ہو، صرف یکجا رہنے کی وجہ سے دنیوی تعلقات، میل ملاپ وہابیہ سے رکھتا ہو تو وہ شخص اگر چہ وہابی نہیں ہو جائے گا مگر یہ فعل اس کا شرعاً ضرور قابل ملامت ہے۔ کیا کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی دینے والے کے پاس ہنسی خوشی بیٹھ سکتا ہے، میل جول رکھ سکتا ہے، اس کی شادی بیاہ میں شریک ہو سکتا ہے، نہ شریک ہو کر طعن خلق و ملامت لائم سے بچ سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ تو اللہ و رسول جل و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مرتبہ تو ماں باپ سے کروڑوں کیا اربوں مرتبہ زائد ہے۔ پھر کوئی دیندار، وہابیہ سے میل جول رکھنا کیسے پسند کر سکتا ہے؟ خود وہابیہ کے افعال سے سبق لے سکتے ہیں کہ کوئی سنی ان کے کبرا، ان کے فضلا کے حق میں وہی الفاظ استعمال کرائے جو انہوں نے ہمارے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں استعمال کئے ہیں، پھر دیکھئے ایک جگہ اپنے کا ساتھ، کیسا حق نباہتے ہیں؟ اسی طرح ملتے جلتے ہیں یا منہ پھلا کر الگ ہو جاتے ہیں۔ کسی وہابی کے سامنے کہہ دیکھئے کہ مولوی اسماعیل وقاسم ورشید احمد و اشرف علی ساعلم تو ہر گدھے، کتے، سور کو ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے تو سب علم ان لوگوں کو دے نہیں دیا، رہا بعض علم تو ایسا ہر گدھے، کتے، سور، پاگل، لونڈی کو ہے۔ یہ کہہ کر ان کے اخلاق دیکھئے۔ حیف صد حیف کہ وہ لوگ جس قدر اپنے علماء کی عزت کریں، افسوس کہ ہمارے سنی بھائی اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بھی وقعت و عظمت اپنے دل میں اتنی نہ رکھیں۔

قال تعالیٰ: "لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ" (المجادلة: ۲۲) ”تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی، اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں۔ یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمادیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد کی اور انہیں باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہیں، ان میں ہمیشہ رہیں۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ یہ اللہ کی جماعت ہے۔ سنتا ہے! اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہے۔“ (کنز الایمان) مسلمانوں کے لئے قرآن شریف سے بڑھ کر کس کی ہدایت درکار۔ واللہ الموفق۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) نمبر ۴ کا جواب بھی اسی نمبر ۳ سے واضح ہو گیا۔

(۵) بکر کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ گناہ صرف زید کو ہوگا اور اس کا حشر خراب نہ ہوگا۔ اس کو عذاب وہابی ہونے کا ہوگا تو

زید کو عذاب خلاف قرآن و حدیث وہابیہ سے ملنے کا گناہ ہوگا کہ اس نے احکام الہی کو پس پشت ڈالا، اور نفسانی احکام پر چلا۔ تفصیل کے لئے مطالعہ ہو رسالہ فتاویٰ الحرمین و کتب ردندوہ۔ واللہ تعالیٰ هو الموفق وهو اعلم۔

(۶) زید اگر عیار نہیں، تو احمق ہے۔ اور اگر احمق نہیں، تو عیار ہے کہ اپنی عیاری دکھاتا اور عقل و عقل سب کے خلاف بات بناتا ہے۔ اس سے پوچھا جائے کہ ان کتابوں کو حق سمجھتے ہو یا ناحق؟ اگر حق سمجھتے ہو تو کیوں حق کے مطابق عقیدہ نہیں رکھتے۔ اور اگر ناحق سمجھتے ہو تو پھر کس طرح اچھا جانتے ہو؟ تو کیا اچھا اور برا، حق اور ناحق کے درمیان کوئی حد فاصل ہے؟ قال تعالیٰ: ”فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ“ (یونس: ۳۲) ”حق کے بعد نہیں مگر گمراہی“۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۷) مولوی محمد علی صاحب کی کوئی تحریر یا تقریر وہابیت، کے متعلق مجھ تک نہ پہنچی۔ انہوں نے اپنے ابتدائی زمانہ میں نصاریٰ کا رد کر کے دین کی حمایت کی۔ اور آج کل بھی قادیانیوں کے رد میں منہمک ہیں۔ ہاں بیچ کا زمانہ ندویت کا تھا۔ مگر العبرة بالخواتیم جب خود اصول ندوہ کے خلاف قادیانی کا رد کر کے دین کی حمایت کر رہے ہیں تو انہیں اب ندوی بھی نہیں کہا جاسکتا۔ مولوی غنیمت حسین صاحب مونگیری غیر معروف شخص ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ یہ کون شخص ہیں؟ کس خیال، کس عقیدہ کے ہیں؟ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ مولوی سید شاہ رشید الدین احمد بہار شریف محلہ خانقاہ ۱۴ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسائل مفصلہ میں:

- (۱) ترک موالات جس کا مفہوم حمایت دین و اسلام و آخری انجام جہاد فی سبیل اللہ ہے، مسلمانوں پر اس وقت فرض ہے یا نہیں؟
- (۲) جزیرۃ العرب مکہ معظمہ مدینہ طیبہ آج کا مسلمانوں کے قبضہ میں ہے یا انگریزوں کے؟
- (۳) مکہ معظمہ میں شراب علانیہ پتی جاتی ہے یا نہیں۔ عرفات کے میدان میں تھیسٹر کا تماشہ کیا گیا یا نہیں؟
- (۴) مکہ معظمہ میں بام کعبہ محترم پر انگریزوں نے گولہ باری کی ہے یا نہیں؟
- (۵) کعبہ شریف کا غلاف گولہ باری کی وجہ سے جل گیا یا نہیں؟
- (۶) اگر یہ خبریں جیسی کہ ہندوستان میں شہرت رکھتی ہیں اور سارے اخبارات اس کے شاہد ہیں اور حجاج راوی، تو ایسی صورت میں مسلمانوں پر ترک موالات و تعلقات یا جہاد کرنا انگریزوں سے فرض ہے یا نہیں؟
- (۷) جزیرۃ العرب مکہ معظمہ، مدینہ طیبہ اگر انگریزوں کے زیر اثر اور قبضے میں ہے تو ان مقامات مقدسہ کو کفاروں کی نجاست و پلیدی سے پاک کرنا، مسلمانوں پر فرض ہے یا نہیں؟
- (۸) رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ قول (اخرجوا اليهود والنصارى من جزيرة العرب) اور پھر اس پر اجماع منعقد ہونا، اس وقت موجودہ حالت میں کیا فتویٰ دیتا ہے؟
- (۹) اگر بادشاہ وقت کے آگے ضعف و کمزوری کا عذر کر کے ترک موالات و جہاد سے انکار کیا جائے، تو یہ عذر قابل سماعت ہوگا یا نہیں؟ کیونکہ اگر بادشاہ وقت خدا نخواستہ فرائض سے مثل روزہ، نماز کے مسلمانوں کو کمزور پا کر

روک دے، تو اس وقت ضعف کا عذر کر کے خاموش بیٹھ جانا جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب

(۱) ترک موالات بموجب احکام آیات واحادیث، جملہ اعداء دین ہنود و یہود و نصاریٰ مجوس وغیرہم سب سے ضروری ہے۔ ان میں کسی سے موالات جائز نہیں۔

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں تحت آیہ کریمہ: ”وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّى يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُواهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا۔“ (النساء: ۸۹) ”یعنی دوست رکھتے ہیں کہ جس طرح وہ خود کافر ہو گئے ہیں، اسی طرح تم بھی کفر کرنے لگو۔ پس وہ اور تم سب ایک ہی طرح کے ہو جاؤ۔ تو جب تک یہ مسلمان نہ ہو جائیں، ان میں کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ پھر اگر یہ منھ موڑیں تو ان کو پکڑو اور جہاں پاؤ ان کو قتل کرو۔ اور ان میں سے کسی کو اپنا دوست اور مددگار نہ بناؤ۔“ فرماتے ہیں: ”دلت الآية على انه لا يجوز موالاته المشركين والمنافقين والمشتهرين بالزندقة والالحاد وهذا متأكد بعموم قوله تعالى يا ايها الذين امنوا لا تتخذوا عدوى وعدوكم اولياء O والسبب فيه ان اعز الاشياء واعظمها عند جميع الخلق هو الدين لان ذلك هو الامر الذي به يتقرب الى الله ويتوسل به الى طلب السعادة في الآخرة واذا كان كذلك كانت العداوة الحاصلة بسببه اعظم انواع العداوة واذا كان كذلك متنع طلب المحبة والولاية في الموضع الذي يكون اعظم موجبات العداوة حاصلا۔“

یعنی اس آیت سے معلوم ہوا کہ مشرکین اور منافقین اور جو لوگ کہ الحاد و زندقہ کے ساتھ مشہور ہیں، ان میں سے کسی سے موالات جائز نہیں۔ اور یہ حکم ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ“ سے اور موکد ہوتا ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ سب سے بڑی اور سب سے عزیز ترین چیز جملہ مخلوق کے نزدیک دین ہی ہے، کہ اسی کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ تک رسائی ہوتی ہے اور آخرت میں نیک بختی کا حصول ہوتا ہے اور جب یہ بات ہے تو جو عداوت اس سبب سے ہوگی، وہ سب دشمنوں سے زیادہ اور بڑی ہوگی۔ تو جس جگہ دشمنی کا سب سے بڑا سبب موجود ہوگا، وہاں محبت اور موالات ناممکن ہے۔

تفسیر مدارک التنزیل میں ”حَتَّى يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ“ (النساء: ۸۹) ”جب تک کہ اللہ کی راہ میں گھر بار نہ چھوڑیں“ (کنز الایمان) کے تحت لکھتے ہیں: ”حتیٰ يومنوا لان الهجرة في سبيل الله بالاسلام۔“ پس مسلمانوں کو جو اس کے احکام کو مانتے ہیں، چاہئے کہ مطابق حکم خداوند عالم، جملہ اعداء دین سے موالات ترک کر دیں اور کسی غیر مومن کو اپنا دوست نہ بنائیں۔

والتفصيل في رسالتي المفردة في هذا الباب والله تعالى اعلم بالصواب

(۲) جزيرة العرب میں حریم محترمین اور اس کا زیادہ حصہ سلطان المعظم خلد اللہ ملکہ کے قبضہ میں اور کچھ حصہ اس کا

اب انگریزوں کے قبضہ میں آیا ہے اور کچھ اس کا بہت پہلے سے نصاریٰ کے قبضہ میں ہے جیسے عدن وغیرہ۔

کنز العلوم واللغة میں ہے: "(عدن) میناء ذات تجارة واسعة في الجنوب الغربي من بلاد العرب يسكنها نحو ۳۵۰۰۰ نسمة اشترتها انجلترا ۱۸۳۹م وجعلت فيها مخازن فحم للسفن المسافرة الى الهند وبها قلعة حربية على بوزغاز باب المندب۔"

"عدن ایک وسیع تجارتی بندرگاہ ہے بلاد عرب کے دکھن پچھتم کے گوشہ پر، جہاں ۳۵ ہزار آدمی رہتے ہیں۔ اس کو انگریزوں نے ۱۸۳۹ عیسوی میں خریدا ہے اور وہاں ہندوستان آنے والے جہازوں کے لئے کونکوں کا مخزن ہے اور وہاں باب المندب پر ایک جنگی قلعہ ہے۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) میں نے آج تک یہ کسی سے نہیں سنا، نہ کسی اخبار میں دیکھا۔

(۴) یہ خبر بھی محقق طور پر معلوم نہیں ہوئی ہے۔

(۵) غلاف کعبہ معظمہ کا جل جانا، یہاں بھی مشہور ہے اور اخباروں میں بھی ہے۔ ہاں اس کے سبب میں اختلاف

ہے۔ عام طور پر زبان زد نصاریٰ کی وجہ سے اس کا نقصان ہونا ہے، مگر ولایت کی کونسل میں اس کے متعلق سوال ہوا، تو انگریزوں نے یہ جواب دیا کہ یہ ترکوں کا کام ہے۔ آگے رہے قیاسات و قرائن، والعلم عند اللہ۔

(۶) ترک موالات کا جواب نمبر ۱ میں گزرا۔ ترک تعلقات کا ہر وقت انسان کو اختیار ہے۔ یہ اپنے جوش اور غیظ

وغضب سے جتنا زیادہ جوشیلا ہوگا، اسی قدر جلد الگ ہو سکتا ہے۔ رہا جہاد اگر سب حاصل، شرائط موجود، موانعات مفقود ہیں

تو ضرور مستعد ہو جائیے۔ ورنہ اس بے کسی اور بے بسی پر جہاد کا خیال تو بالکل اسی کا مضمون ہوگا۔

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

در مختار میں ہے: "ولا بد لفرضيته من قيد اخر وهو الاستطاعة۔"

سراج الوہاج میں ہے: "وشرط لوجوبه القدرة على السلاح۔"

شامی میں ہے: "ای وعلى القتال وملك الزاد والراحلة كما في قاضی خاں وغیرہ قہستانی۔"

یہاں بھی ایک بہت ہی جوشیلے صاحب ہیں۔ ایک دن مجھ سے فرمانے لگے، مولانا! آپ جہاد کا فتویٰ دیتے۔

میں نے کہا، آپ رسد اور اسلحہ کا بندوبست کر لیجئے، تب کہئے۔ اب زمانہ گزری گئی کنم والی بندوق اور کند تلواروں کا نہیں ہے

۔ مشین گن، ہوائی جہاز، اسی میل مارنے والی توپ کا انتظام کیجئے اور اگر یہ نہیں کر سکتے تو جہاد کا خواب کچھ فائدہ نہیں پہنچا

سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۷) اگر قدرت اور استطاعت ہے تو ضرور فرض ہے۔ مگر فرضیت اس کی ترتیب وار باعتبار الاقرب فالاقرب کے ہے۔

در مختار میں ہے: "يفرض على الاقرب فالاقرب من العدو الى ان تقع الكفاية۔"

شامی میں ہے: "ونظيره الصلاة على الميت فان من مات في ناحية من نواحي البلد فعلى حبرائه

واهل محلته ان يقوموا باسبابه وليس على من كان بعد من الميت ان يقوم بذلك وان كان الذي بعد من الميت يعلم ان اهل محلته يضيعون حقوقه او يعجزون عنه كان عليه ان يقوم بحقوقه كذا هننا۔
والله تعالى اعلم۔

(۸) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد واجب الانقیاد ”واخرجہم الیہود والنصارى من جزيرة العرب“ موجودہ حالت میں وہی فتویٰ دیتا ہے جو اس وقت میں رب العزت جل جلالہ کا فرمان واجب الاذعان ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً۔“ (التوبة: ۱۲۳) ”مسلمانو! اپنے آس پاس کے کافروں سے لڑو اور چاہئے کہ وہ تم میں کرار اپن معلوم کریں“ فتویٰ دیتا ہے۔

(۹) بعد وجوب و فرضیت اس قسم کے لایعنی اعذار، قابل قبول نہیں اور بغیر تحقق شرط یا وجود مانع اس کا حکم جڑ دینا، ایسا ہی ہے جیسے کسی فقیر مسکین کو زکوٰۃ یا حج کی فرضیت جتا کر اس کو ابھارنا یا شیخ فانی کو روزہ پر مجبور کرنا یا نابالغ و مجنون پر نماز فرض جاننا یا کسی عورت کو حیض و نفاس کی حالت میں نماز پڑھنے کا حکم دینا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ عبدہ العاصی محمد ظفر الدین القادری

عفی عنہ بمحمد المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

☆☆☆☆☆

کتاب الوقف ۸

مسئلہ ملک بنگالہ ضلع سلہٹ مرسلہ مولوی عبید اللہ ۲۷ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں:

- (۱) ایک ہندو زمیندار کی زمین مملوک پر اس کی اجازت سے بنائی ہوئی مسجد کہ اس نے نہ زمین ہیہ کی، نہ اسے کسی مسلمان نے خریدا، اب وہ مسجد، شرعاً مسجد ہوئی یا نہیں؟
- (۲) رعیت کی اجازت سے جمعہ خانہ قائم ہوا ہے بدون اجازت مالک کے۔ تو وقف کے لئے مالک ہونا شرط ہے یا نہیں؟ اور وقف صحیح ہوا یا نہیں؟ بحوالہ کتب معتبرہ ارشاد فرماویں۔ بیناؤ تو جروا۔

الجواب

- (۱) صورت مسئلہ میں وہ مسجد، شرعاً مسجد نہیں۔ اور اس میں نماز سے ثواب مسجد میں پڑھنے کا ہوگا کیونکہ یہاں ملک ابھی کافر کا باقی ہے۔ وان المسجد لله فما لم یکن لله لم یکن مسجداً نیز وقف کے اسباب سے طلب تقرب الی اللہ ہے اور کافر کا کوئی فعل بھی اللہ کے لئے نہیں ہوتا۔

عالمگیریہ میں ہے: ”واما سببه فطلب الزلفی الی اللہ هکذا فی العنایۃ۔“

اسی کے بیان شرائط وقف میں ہے: ”ومنها (ای من شرائط الوقف) ان یکون قرۃ فی ذاته عند المتصرف فلا یصح وقف المسلم او الذمی علی البیعة او الكنيسة او علی فقراء اهل الحرب هکذا فی النهر الفائق۔“

اسی میں ہے: ”ولو وقف الذمی داره علی بیعة او کنيسة او بیت نار فهو باطل کذا فی المحيط۔“

اس لئے اگر اس نے اپنا مکان مسجد میں وقف کر کے نماز کی اجازت دے دی اور اس کی اجازت سے لوگوں نے نماز بھی پڑھی، تب بھی بعد موت اس کے ورثہ کا میراث ہوگا۔

اسی میں ہے: ”ولو جعل فی داره مسجداً للمسلمین وبناه کما هی المسلمون واذن لهم بالصلوة فيه فصلوا فيه ثم مات بصیر میراثا لورثته وهذا قول الكل فی جواهر الاخلاطی۔“

عطا یا نبویہ میں اسعاف سے ہے: ”لو جعل داره مسجداً للمسلمین وبناه کما هی المسلمون واذن لهم بالصلوة فيه فصلوا فيه ثم مات بصیر میراثا لورثته و اوصی بان یحج عنه یکون الوقف باطلا لکونه لیس مما یتقرب به اهل الذمة لله تعالیٰ۔“

عقود الدریہ میں ہے: ”وقف اهل الذمة لا یجوز الا اذا کان قرۃ عندنا وعندهم حتی لو جعل

دارہ مسجد للمسلمین لا یحوز۔“

اس کے مسجد شرعی ہونے کا یہ طریقہ ہے کہ اگر کوئی ہندو ایسا چاہے تو اس سے کہا جائے کہ تو اس شی کا کسی مسلمان کو مالک کر دے اور وہ اپنی طرف سے مسجد کے لئے وقف کر دے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ نہ لے کیونکہ دین میں کافر سے مدد، شرع مطہر ناپسند کرنا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۲) صرف رعیت کی اجازت، بلا اجازت مالک لغو ہے۔ اس سے وقف نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وقف کی پہلی شرط یہ ہے کہ واقف وقت وقف اس شی کا مالک ہو، پرانی شی کو کوئی وقف نہیں کر سکتا اور نہ اس کے لئے وہ وقف ہو۔ وہ بدستور ملک مالک پر رہتی ہے۔

ہندیہ میں ہے: ”و منها (ای من شرائط الوقف) الملك وقت الوقف حتى لو غصب ارضا فوقفها ثم اشترها من مالکها ودفع الثمن اليه لا يكون وقفا كذا في البحر الرائق۔“

در مختار میں ہے: ”شرطه شرط سائر التبرعات۔“

رد المحتار میں ہے: ”افادان الواقف لا بد ان يكون مالک وقت الوقف۔“

فتح المعین ودر مختار میں ہے: ”ومحلله المال المتقوم۔“

طحطاوی میں ہے: ”(قوله ومحلله المال المتقوم) ای يكون المملوك له وقت الوقف۔“

تو بغیر اجازت مالک نہ وہ جمعہ خانہ مسجد ہے اور نہ وہ وقف، وقف۔ بلکہ ایک مکان ہے مثل اور مکانوں کے۔ کیونکہ مسجد کے لئے افراز و تابید کے ساتھ وقف درکار ہے۔ یہاں جب زمین غیر مملوک ہے تو نہ افراز ہو نہ تابید۔ اس میں نماز ایسی ہی ہے جیسے کرایہ کے مکان میں، جس میں اصلاً ثواب مسجد کا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ بمقام جام نگر حاکم ہنود، مسلمات عورات کو اپنے گھر میں ڈال لیتا ہے چنانچہ وہ اپنے راہ برادر، اپنے دین اسلام پر، وہ عورتیں متمول ہو کر عمدہ عمدہ مساجد بنواتی ہیں؟ ان میں نماز جائز ہے یا نہیں؟ بیان فرمادیں بعبارت کتب۔ جزاکم اللہ خیرا۔

الجواب

اعوذ باللہ من غضبه وعقابه وشر عباده قال تعالى: ”وَلَا تَقْرَبُوا الزَّانَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَمَا سَبِيلًا۔“ (الاسراء: ۳۲) ”اور نہ پاس پھنکوزنا کے کہ وہ بے حیائی اور اللہ کو دشمن اور سخت بری راہ ہے۔“ زنا حرام قطعی، گناہ کبیرہ عظیمہ شدیدہ ہے نہ کہ معاذ اللہ من ذلک یہ خاص صورت۔ پھر زنا کی وجہ جو کچھ اموال زانیات کو مالتا ہے، وہ اس کی ہرگز ہرگز مالک نہیں ہوتیں۔ ان کے ہاتھوں میں حکم غصب رکھتا ہے۔ جس جس سے جتنا جتنا لیا ہے، اس کو واپس دینا واجب۔ اور وہ نہ رہے ہوں، ان کے ورثا کو دے۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو فقر پر تصدق واجب۔ لانہ حاصل بوجہ خبیث و کل مال کذا افشانه وجب تصدقه۔

بایں ہمہ حسب مذہب مفتی بہ ان میں نماز جائز اگر اس طرح سے بنائی گئی ہوں کہ خود زمین غاصبانہ طریقے سے حاصل کی گئی ہو اور نہ اس کی خریداری میں زحر حرام پر عقد و نقد جمع ہوا ہو۔ لان الخبث لا یسری فی الابدال من الاشیاء والدراہم والدنانیر۔ حرام پر عقد کے یہ معنی ہیں کہ زحر حرام دکھلا کر اس پر عقد کرے، اور نقد یہ کہ پھر زحر حرام ہی اس کے معاوضہ میں دے اور اگر مطلقاً بے روپیہ معین کئے کوئی چیز خریدی اور وہ زحر حرام بھی عوض میں دیا تو یہ دینا اگرچہ اسے حرام تھا لہذا مامور بادائہ اتی من کان له وان لم یبق ہو او وارثہ او لم یعرف فالتصدق وخذل عدول عنہما فلا یحوز۔

بلکہ بائع کو بھی لینا حرام تھا جب کہ اسے معلوم ہو کہ یہ روپیہ عین حرام اور اس کے پاس بلا ملک ہے۔ مگر جب کہ عقد حرام پر نہ ہوا، خریدی شے میں نہ آیا۔ یونہی اگر زحر حرام دکھا کر کہا کہ اس کے عوض فلاں شے دیدے۔ جب اس نے وہی مشتری نے وہ روپیہ شمن میں نہ دیا بلکہ زحر حلال دیا۔ تو اب اگرچہ عقد حرام پر ہوا مگر نقد اس کا نہ ہوا اور ظاہر ہے کہ یہاں عام خریداریاں اسی صورت روپیہ پر ہوتی ہیں کہ روپیہ معین کر کے عقد نہیں ہوتا۔ یہ نہیں کہا جاتا کہ اس روپیہ کے عوض میں زمین یا فلاں شے دیدے یا میں نے اس روپیہ کے عوض میں خریدی۔ اور اگر بالفرض کہیں اجتماع عقد و نقد کا اتفاق ہوا بھی ہو تو، جو نادر محض ہے اور ہم کو اس کا حال معلوم نہیں، تو حکم خبیث نہیں ہو سکتا۔ وقد قال فی الاصل بہ ناخذ مالہ یعرف شینا حراما بعینہ۔ خصوصاً جب کہ معلوم و معبود ہے کہ ایسے لوگ جو نیک کام کرنا چاہتے ہیں، اپنا خبیث روپیہ نہیں لگاتے بلکہ قرض لے کر کرتے ہیں اور اپنے روپے سے قرض ادا کر دیتے ہیں۔ تو جب تک خاص وجہ خبیث و بطلان مسجد ثابت نہ ہو ایسی مسجدیں، مساجد ہی ہیں اور ان میں نماز صحیح۔

کتبہ عبد المصطفیٰ محمد طفر الدین القادری الرضوی عفی عنہ

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ شیخ رحمۃ اللہ..... ۲۳ صفر ۱۴۲۳ھ

ایک زمین متصل مسجد دفن اموات کے لئے وقف ہے، جس میں بہت دنوں سے قانوناً دفن کی ممانعت ہو گئی ہے۔ آیا اس میں مکان سکنی بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اس زمین میں مکان سکنی بنانا حرام ہے۔ کہ یہ جگہ دفن اموات کے لئے وقف ہے تو یہ تبرعاً مقبرہ کہا جائے گا۔ اگرچہ انگریزی قانون سے اس میں دفن کی ممانعت ہو گئی ہو کہ یہ ابطال غرض وقف ہے اور اس کا تغیر بھی جائز نہیں۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے: "لا یحوز تغیر الوقف عن حیاتہ اقول فکیف بابطال غرضہ۔" غزوہ الدریہ میں ہے: "لا یحوز للناظر تغیر صبغة المواقف کما افتی بہ الخیر الرملی والحانوتی وغیرہما۔"

خزانہ میں ہے: "مقبرہ قدیمہ بمحلہ لم ینق فیہا آثار المقبرۃ لا یباح لاهل المحلۃ الانتفاع بہا۔"

کہ اس سے انتفاع اور مکان سکنی بنانے میں قبر مسلم بلکہ مسلم کی بے حرمتی ہے اور وہ شرعاً ممنوع۔ علما فرماتے ہیں کہ مسلمان کی عزت زندگی اور بعد موت برابر ہے۔ والمیت يتاذى بما يتاذى به الحي۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”کسر عظم المیت واذاہ ککسرہ حیا۔“ مردے کی ہڈی توڑنا اور اسے ایذا پہنچانا ایسا ہی ہے، جیسے زندہ کی ہڈی توڑ دینا ہے۔ اور جب وہاں مکان سکنی بنے گا تو لوگ بیٹھیں گے، چلیں گے، پھریں گے، حالانکہ قبر پر پاؤں رکھنا بھی منع ہے کہ سقف قبر پر بھی حق میت ہے۔

عالمگیریہ میں ہے قنیہ سے: ”قال علاء التوقانی یائم بوطء القبور لان سقف القبر حق المیت واما قول الزیلعی فی التبیین“ ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ“ فمعناہ اذا دفن رجل فی ملک غیرہ لان الملك مطلق والمانع زال وهذا ایضا اذا كان ذلك باذنه والا ففی الغصب له اخراج المیت وتسویۃ الارض۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”لیس لعرق ظالم حق“ کما اشار الیہ فی الدر المختار ولا یخرج منه بعد احوالہ التراب الا لحق ادمی کأن تكون الارض مغصوبۃ او اخذت بشفعۃ ویخیر المالك بین اخراجه و مساواته بالارض کما جاز زرعها والبناء علیہ اذا بلی وصار ترابا زیلعی والا فالزرع فی المقبرۃ لم یذهب الیہ احد وفی غایۃ القبح ان یقبر فیہ الموتی سنة ویزرع سنة والتفصیل فی ”العطايا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ۔“ واللہ تعالی اعلم۔



کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چار بھائیوں کو ایک جائیداد کثیر تر کہ پدری سے پہنچی۔ من جملہ اس جائیداد کے چاروں بھائیوں نے تین مواضع کی حقیقت جو ان کے حصہ کی ان مواضع میں تھی، واسطے مصارف فاتحہ والدین و نیز تنخواہ قرآن خوانوں کے اور عزیزان جو مفلس ہوں، دروقف نامہ وقف کردی۔ اور تخمیناً سو برس تک عمل درآمد فاتحہ و تنخواہ قرآن خواں و عزیزان مفلس رہا۔ ایک زمانے کے بعد درثناء نے منجملہ جائیداد موقوفہ کے ایک موضع کی تقسیم کی نالش، عدالت سرکار انگریزی میں دائر کی کہ اس میں تنخواہ عزیزان وغیرہ کا تعلق ہے، وقف فلاں قانون انگریزی کی رو سے نہیں ہوئی۔ لہذا تقسیم ہونا چاہئے اسے حکم کے موافق مستدعیان تقسیم کے۔ منجملہ پست بسوہ کے ساڑھے سات بسوہ حقیقت تقسیم کرا لی اور بقیہ کل جائیداد مذکورہ بالا کی آمدنی جیسے قدیم سے صرف ہوا کرتی تھی، وہ اب تک صرف ہوتی ہے۔ بموجب شرع شریف جائیداد مذکورہ اور غیر منقسمہ وقف ہے یا نہیں؟۔ بنیوا تو جروا۔

الجواب

شرعاً وہ کل جائیداد جس قدر چاروں بھائیوں نے وقف کی تھی، سب بدستور وقف ہے۔ اس کو تقسیم کرا کر اپنی ملک ٹھہرانا شرعاً جائز نہ تھا۔ شریعت میں وقف اہلی بھی جائز ہے۔ جس میں سے عزیزوں کی تنخواہ بھی منجملہ مصارف خیر مقرر کی جائے۔

در مختار میں مواہب علامہ برہان الدین ابراہیم طرابلسی سے ہے: ”فی الوقف علی نفسہ وولده و نسلہ وعقبہ جعل ربعہ

لنفسہ ایام حیاتہ ثم وثم جاز عند الثانی وبہ یفتی۔“ انتہی۔ واللہ تعالی اعلم و علمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

کتاب القضاء ۹

تحفة الاحباب فی فتح الکوة والباب (۵۱۳۳۶)

کھڑکی کا فیصلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العلمین، احکم الحاکمین الذی جعل سیدنا محمدا صلی اللہ علیہ وسلم سید المرسلین وحاتم النبیین وبعض عبادہ خلیفۃ فی الارض لیحکم بین الناس بالحق ولا یتبع النہوی فیضله عن سبیل اللہ وفضل الصدقة واکمل نسلا علی من قال وصدق فی قوله: "وَمَا یَنْطَلِقُ عَنِ النُّہَی اِنَّ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوحِی" من حکم بین اثین تحاکما الیہ وارتضیاه فلم یقض بینہما بالحق فعلیہ لعنة اللہ۔ ثم الصلاة والسلام علی آلہ واصحابہ والذین تبعوہم باحسان لا یمینا امامنا الاعظم وھما من الاقدم ابی حنیفة النعمان الذی دعی الی القضاء فابی وعینا معین وبنہ الی یوم الدین یا ارحم الراحمین۔

زمانہ کی نیرنگیاں بھی نت نئے شگوں نے چھوڑا کرتی ہیں جو بظاہر ایک کے لئے باعث مسرت ہوتی ہیں تو دوسرے کے لئے سبب حسرت۔ یہی واقعات اگر بنگاہ تامل و تحقیق دیکھے جائیں تو کسی کے لئے موجب شرم و ندامت ہیں اور کسی کے لئے ذریعہ عبرت و نصیحت۔ اس قصبہ شہرام ناصر الحکام کا ایک معمولی سا واقعہ ترقی یافتوں کی بدولت کچھ ایسا پھیلا پھولا، اس درجہ اس نے نشوونما پایا کہ دور دور تک مشہور ہوا، ورنہ بات معمولی تھی، معاملہ آسان تھا۔ ایک شخص کو خداوند عالم دیتا ہے۔ وہ اپنے دو منزلہ مکان کے ایک حصہ کو سہ منزلہ بنواتا ہے۔ زمانہ مکان ہونے کی وجہ سے بقیہ تین طرف پردہ کی دیوار کھینچواتا ہے اس صورت میں ہوا کی آمد و رفت نسبت کم ہو جاتی ہے، جس کی تلافی کے لئے وہ غرب رویہ ایک کھڑکی لگاتا ہے جس سے اوپر رہنے والوں کے لئے دوسرے مکان میں جو اس کے خاص رشتہ دار کا ہے، آنے جانے کا بھی آسان راستہ نکل آتا ہے۔ اس کھڑکی کا کھلنا تھا کہ ٹولے محلہ کے ترقی یافتہ حضرات کے حسد کی کھڑکی کھل گئی اور آتش حسد کی چنگاریاں اڑنی شروع ہو گئیں۔ حق کو ناحق، ناحق کو حق بنانا جن کا رات دن کا کام ہو، ان کے نزدیک اس تل کو پہاڑ بنا لینا کیا دشوار تھا۔ نفسانیت کے جوش نے یہ راہ بتائی کہ ایک مکان کو پھیلاؤ کر بے پردگی ہونے کا دعویٰ عقل سلیم کے نزدیک مستبعد ہے۔ اس لئے اس شخص کے پڑوس والے خاص رشتہ دار کو ابھارا کہ میاں تم اپنی بے پردگی کا مقدمہ دائر کرو، ہم بھی اس کا مقدمہ کرتے ہیں۔ دونوں مقدمہ کے ہم قالب ہونے کی وجہ سے جو کچھ کارروائی میرے مقدمہ کی ہوگی وہی تمہارے مقدمہ کی بھی ہوگی، تم خم ٹھونک کے کھڑے تو ہو جاؤ ہم سب کچھ دیکھ لیں گے۔ خرچ بہت کم ہوگا اور جو کچھ ہوگا بھی تو ہم خرچ کے لئے تیار ہیں مگر

تجب اس بے چارے کو روپیوں کی ضرورت ہوئی تو فرماتے ہیں کہ ہاں آپ کس موضع پر روپیہ لینا چاہتے ہیں یعنی کوئی جائیداد مکفول کیجئے تو ہم روپیہ دیں گے۔ آخر اس بے چارے نے اس خلاف عہدی سے متاثر ہو کر مقدمہ اٹھالیا اور تصفیہ کی درخواست دے دی۔ اب بے پردگی کا مقدمہ ایک ٹانگ کا مرغا ہو کر چلنے سے معذور ہوا تو عقلمندوں نے دوسری راہ نکالی۔ سوء اتفاق سے اس زمانہ میں بلوہ شاہ آباد ہو گیا۔ پیشہ ور حضرات کو اپنا پیشہ چلانے اور بھولے بھالے مسلمانوں کے دلوں میں رسوخ جمانے کا اچھا موقع ہاتھ آیا۔ بنام امداد مظلومین ایک انجمن کی بنیاد ڈالی جس کی صدارت کی پگڑی اپنے زیب سر کی، پھر کیا تھا قوم کی ٹکیل ہاتھ میں آ گئی۔ جدھر چاہتے قوم کو گھما ڈالتے۔ اپنا معتقد، غیروں سے قوم کو بدظن بنانے کا اس سے بڑھ کر کون سا موقع ملتا۔ امداد مظلومین کے نام سے جلسہ کیا جاتا، جب لوگ آ جاتے تو اپنے مخالفین کی متارکت و مخالفت کا عہد و پیمان لیا جاتا۔ بعض نیک غیتوں نے جب دیکھا کہ یہ طریقہ امداد مظلومین کے لئے کیا مفید ہوگا یہ تو آپس کا رہا سہا اتفاق بھی ملیا میٹ کر دے گا اور شہر بھر میں دو مضبوط پارٹی قائم کر دے گا جو اس وقت مسلمانوں کے لئے سم قاتل ہے۔ آخر ان لوگوں نے عام مسلمانان شہر میں اتفاق پھیلانے، پچھڑے ہوؤں کو ملانے کی کوشش کی۔ خداوند عالم نے ان کی سعی مشکور فرمائی اور ۸ محرم الحرام روز جمعہ مبارکہ کو عام مسلمانان شہر کا جلسہ روضہ کی مسجد میں اس غرض سے ہوا کہ آج سب مسلمان آپس میں مل جائیں اور سب کے سب متفقہ متحدہ کوشش سے امداد مظلومین کی طرف متوجہ ہوں۔ اس جلسہ کی غرض و غایت تو یہ تھی مگر خود غرضوں نے (جن کی عادت ہمیشہ اپنے نفع کو قومی بہودی پر مقدم سمجھنا ہے بلکہ قوم قوم کرنے سے بھی اپنی ہی مقاصد کی سرسبزی مقصود ہوا کرتی ہے) اس جلسہ کا ماحصل اپنے مقصد کا حصول قرار دیا۔ ملتے ہی کھڑکی کا سوال کیا اور ثالثی پر رائے جمائی جس نے صاف کھول دیا کہ امداد مظلومین کا نام تو برائے نام ہے، اصل مقصد جو بلوہ اور مسلمانوں کے لوٹے جانے اور مسجدوں کے شہید کئے جانے سے بھی اعظم ہے یہی ہے ورنہ اس عظیم الشان جلسہ میں جس میں شہر کے عام لوگ جمع تھے اور ایسا جلسہ نہ پہلے ہوا، نہ بعد کو ہوا۔ ان مظلوموں کی امداد کی تجویز اور وجوہ امداد کے متعلق تبادلہ خیالات کرنا تھا، نہ کہ ان سب کو پس پشت ڈال کر اپنے مطلب کے حصول کو مقدم کرنا۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم۔

غرض جب قانون داں حضرات کو معلوم ہو گیا کہ مقدمہ کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور پچھری میں چلنے کے قابل نہ رہا تو ان ترکیبوں سے اسے ثالثی پر ڈھالا۔ قسمت کی خوبی ثالث بھی وہ ہاتھ لگے جو ممنون احسان، جن کی حمایت کر کے ایک زمانہ میں عید گاہ کی امانت دلوا چکے تھے ان کی کیا مجال کہ آیت قرآنیہ کا خلاف کریں اور ”هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ“ (الرحمن: ۶۰) ”نیکی کا بدلہ کیا ہے مگر نیکی“ (کنز الایمان) پر عمل کر کے ان کو شاد کام نہ بنائیں۔ اگر کاش ثالث صاحب اسی جلسہ میں اس قصہ کو دو لفظوں میں طے فرما دیتے کہ آج کا یہ دن باعث مسرت و خوشی ہے، بگڑے ہوئے بنے، پچھڑے ہوئے ملے ہیں۔ ایک کھڑکی کی وجہ سے آپ دونوں کے دلوں میں رنج رہنا مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے۔ بہتر ہے کہ اس کو بند کر دیجئے تاکہ کسی قسم کا ملال کسی کو کسی کی طرف سے نہ رہے، بات ختم ہو جاتی۔ مجھے ذاتی طور پر علم ہے کہ اس دن جو کچھ کہا جاتا، عین مسرت کے ساتھ قبول کرنے میں کسی کو تامل نہ ہوتا مگر ایک مصلحت غامضہ کے سبب اس کو معرض

تعوین میں ڈالا گیا یعنی اس کھڑکی سے متعلق ایک مقدمہ ہائی کورٹ میں دائر تھا۔ اس کے نتیجہ کا انتظار کیا گیا کہ اگر وہ مقدمہ فریق مخالف کے خلاف میں فیصلہ ہوا تو پھر اس سے تن مردہ میں جان آ جانے کا خیال ہے مگر خدا کی شان کہ وہ مقدمہ حق بھدار فیصلہ ہوا۔ جب ادھر سے ناکامی ہوئی تو پھر ثالثی یاد پڑی۔ ثالث صاحب نے پہلے تو بہت کچھ انکسار سے کام لیا، اپنے کو اس لائق نہ جانا، معذرت کے خطوط لکھے، ایک اسٹنٹ طلب کیا مگر فریق اول (مدعی) کو تو ان سے بڑھ کر ثالث مل ہی نہیں سکتا تھا۔ کیونکر ممکن تھا کہ اس کی جانب سے ان خطوط معذرت کی طرف توجہ کی جاتی۔ فریق دوم (مدعا علیہ) تن بتقدیر و رضا بالقضا میں کچھ اس درجہ مشغوف تھا کہ اس نے بھی ان خطوط کی طرف اصلاً خیال نہ کیا مگر جب آثار و قرائن سے خلاف انصاف ہوتا پایا تو ان کو صاف منع کر دیا۔ اس پر مجوز صاحب نے التفات نہ فرمایا۔ آخر بے ثالثی ثالث صاحب نے فیصلہ کیا اور خوب ہی دل کھول کر فیصلہ لکھا جس میں تسمہ تک باقی نہ رکھا۔ عقل و شرع کو اپنے زور قلم کے گھاٹ اتار اور فیصلہ میں سوائے مقصد واحد مدعی کے کسی بات کا لحاظ نہ کیا۔ فیصلہ میں اگر صرف اپنی رائے کا اظہار کیا جاتا اور بر بناء، منصحت جو کچھ حکم دیا جاتا، اس میں کسی دوسرے کو دخل کی ضرورت نہ تھی مگر غضب یہ کہ شریعت مطہرہ کے بالکل خلاف فیصلہ کو شریعت حقہ کے مطابق و موافق ہونا ظاہر کیا اور آخر حصہ میں فیصلہ کے، کچھ عربی عبارتیں فتاویٰ کی نقل کر کے اس کو بھری بھر کر بنانے اور نگاہ عوام میں موافق فقہ حنفی ٹھہرانے کی کوشش کی۔ مجھ سے بعض احباب نے اس فیصلہ پر ایک نظر کرنے کی درخواست کی اور اصل واقعات کو بیان کر کے مسئلہ فقہیہ لکھنے کی خواہش کی۔ اگر اس فیصلہ میں ناحق کو حق ثابت کرنے، عبارات فقہیہ کے غلط معانی باور کرانے کی کوشش نہ کی گئی ہوتی تو ایک کھڑکی کا معاملہ کوئی ایسا مہتمم بالشان نہ تھا کہ میں اپنے عزیز وقت کو اس کی طرف صرف کرتا اور فیصلہ کی غلطیوں کو عالم آشکار کرتا مگر محض حمایت حق نے مجبور کیا کہ فیصلہ ثالثی پر ایک نظر کروں اور اس کے اغلاط شرعیہ و عقلیہ کو حوالہ قلم کر کے اس رسالہ کو بنام ”تحفة الاحباب فی فتح الکوة والباب“ موسوم کروں۔

قارئین کرام سے التماس ہے کہ ایک مرتبہ شروع سے آخر تک ملاحظہ فرمائیں تاکہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے کہ شریعت مطہرہ کا فیصلہ اس بارے میں کیا ہے۔ ناظرین ذوی الاحترام پر مخفی نہ رہے کہ مجھے اصل مسئلہ کی وضاحت اور شریعت کی حمایت منظور ہے نہ زید و عمر سے بحث۔ اسی لئے اس تحریر میں کسی جگہ کسی شخص کا نام نہ لکھا جائے گا تاکہ یہ خیال نہ کیا جائے کہ اس سے مقصود کسی کی عزت ہے یا کسی کی ذلت اور آزا نجا کہ اس تحریر کا پورا مطلب بے فیصلہ سمجھا جانا دشوار ہے، اسی لئے حاشیہ پر (احقر نے اسے رسالہ سے پہلے سیٹ کر دیا ہے اور ہم سے مقامات بحث واضح کر دیئے ہیں ۱۲ ساحل) فیصلہ ثالثی بھی لفظ بلفظ نقل کر دیا جائے۔ وما نوفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب و هو حسبی ونعم الوکیل۔

☆ فیصلہ ثالثی ۷۹۶ سید شاہ... بنام سید شاہ... مدعا علیہ۔ ۲۷ مئی ۱۹۱۸ء کو روز دو شنبہ تھا، مسل میرے پاس آئی۔ اسی روز بنام مدعی و مدعا علیہ نوٹس دے کر پانچ بجے شام کو اسی دن طلب کیا۔ مدعی و مدعا علیہ دونوں وقت پر آئے۔ دونوں فریق کا بیان سن کر ۲۸ مئی سہ شنبہ کو پانچ بجے شام کا وقت واسطے دیکھنے مقام متنازع فیہ کے دیا اور اس وقت اس جگہ

بچے۔ مدعی و مدعا علیہ دونوں کو حاضر پایا۔ بہ موجودگی دونوں فریق کے ملاحظہ کھڑکی و چھت وغیرہ کا کیا اور بوقت ملاحظہ جو کچھ مدعی و مدعا علیہ نے اپنے عذر کو بیان کیا، اس کو سنا۔ ☆ فریقین کے بیان سننے اور مقام متنازع فیہ کے ملاحظہ کرنے سے ظاہر ہوا کہ مدعی کو تین امر کا عذر ہے۔ ایک جدید کھڑکی کا، دوسرے کھڑکی کے کواڑ کے اوپر کے دیوار میں سوراخ رہنے کا، تیسرے دیوار جس میں کھڑکی ہے، اس کے پست ہونے کا اور تینوں عذر کا منشا و باعث، خیال بے پردگی زنا نہ مکان مدعی ہے۔ اور لحاظ و خیال عورتوں کے پردہ کا علاوہ شرعاً و عقلاً ضروری و شعار شرفا ہونے کے اس شہر کے رسم و رواج میں داخل ہے۔ ۶۷ ساتھ ان سب عذر کے مدعی کا یہ بھی بیان ہوا کہ ان تینوں کی کوئی حاجت و ضرورت مدعا علیہ کو ایسی نہیں ہے جو بمقابلہ میرے ضرر بے پردگی کے قابل اعتبار ہو۔ ☆ بعد سننے اس بیان مدعی کے مدعا علیہ سے ضرورت کھڑکی دریافت کی گئی۔ اس کے جواب میں مدعا علیہ نے بیان کیا کہ..... میرے سسرالی رشتہ دار میں ان کے یہاں کی عورتوں کی آمد و رفت کے لئے یہ کھڑکی بنائی گئی ہے۔ ☆ اس کے سوا اور کوئی ضرورت مدعا علیہ نے بیان نہیں کیا۔ اور بجواب اس سوال کے کہ عورتوں کی آمد و رفت کے لئے ایک ہمسایہ کی بے پردگی کب مناسب ہے؟ ☆ مدعا علیہ نے کہا کہ یہ مکان ہمارا بھی زنا نہ ہے۔ یہاں مردوں کی آمد و رفت نہیں ہوتی ہے جس سے اندیشہ بے پردگی کا ہو۔ اس پر مدعی نے نمبر ۵ بیان حلفی مدعا علیہ کا جو عدالت میں ہوا ہے مسل سے نکال کر سنایا۔ وہ یہ ہے:

”(نمبر ۵ یہ کہ بلحاظ ہوا صاف لینے کے مدعا علیہ کی لڑکی برابر چھت و کوٹھری پر رہتی ہے اور اس کو دیکھنے کے لئے ہمارے دوست احباب آیا کرتے ہیں۔“ ☆ مدعی نے کہا کہ ان مردوں سے اور مجھ سے ایسا رشتہ نہیں ہے کہ میرے یہاں کی عورتیں ان کے سامنے ہو سکیں۔ پس میرے یہاں کی عورتوں کے لئے وہ لوگ ویسے ہی ہیں جیسے اور غیر مرد جن سے عورتوں کو ہماری پردہ کرنا ضرور ہے۔ ☆ مدعی نے مکان مدعا علیہ کے نیچے طبقہ کے متعلق مکان زنا نہ کی صحن سے ایک وسیع کھڑکی مجھے دکھائی جو..... کے عورتوں کی آمد و رفت کے لئے کھڑکی متنازع فیہ سے زیادہ مناسب بایں وجہ ہے کہ اس میں زینہ بنانے کی بھی حاجت نہیں۔ اس کی چھت کی سطح..... کی چھت کی سطح کے تقریباً برابر ہے اور یہ کہ کھڑکی متنازع فیہ ابھی اس کام کے لئے ناتمام ہے۔ اس میں زینہ بنانے کی حاجت ہے۔ بغیر اس کے کوئی عورت کیا معنی، مرد بھی..... کے مکان سے کھڑکی پر آ نہیں سکتا۔ ☆ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ مکان جس میں وسیع کھڑکی ہے، مدعا علیہ کی والدہ کے رہنے کا مکان ہے، کسی غیر کا مکان نہیں۔ اور قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بزرگان مدعا علیہ کے وقت سے وہی راہ عورتوں کی آمد و رفت کے لئے ہے۔ چونکہ میرا خیال یہ تھا کہ دونوں فریق میں تصفیہ برضا مندی و صلح باہمی ہو جاتا تو بہتر تھا کہ کسی فریق کے خلاف فیصلہ ہوتا۔ ☆ میں نے مدعا علیہ سے کہا کہ اس قدیمی راہ کو برقرار رکھئے۔ نئی کھڑکی کو جو ابھی نامرتب ہے، اس میں زینہ بنانے کی حاجت ہے، بند کر دیجئے کہ نزاع جاتی رہے۔ اس کی نسبت مدعا علیہ نے عذر کیا کہ وہ دوسرے مکان سے راہ ہے۔ اس سے ہم کو نفع نہیں۔ ☆ مگر یہ عذر میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اپنی والدہ کے مکان کو جو..... کی قریبی رشتہ دار ہیں اور گویا سب ایک ہی ہیں، غیر کا مکان کیوں قرار دیا۔ کھڑکی جدید جس چھت پر ہے، اس کے نیچے کے مکان مدعا علیہ میں اسی

کھڑکی کے محاذات میں ایک الماری ہے جس میں کواڑ، چوکھٹ سب کچھ موجود ہے۔ ☆ بنظر رفع نزاع بطور صلح باہمی یہ نجویز کیا گیا کہ بجائے اس کھڑکی کے الماری کھڑکی بنادی جائے۔ جو غرض کھڑکی کی بیان مدعا علیہ سے ظاہر ہے، وہ اس سے ساتھ اس آسانی کے حاصل ہوگی کہ زینہ بنانے کی بھی ضرورت نہیں ہوگی۔ مگر اس کو بھی مدعا علیہ نے منظور نہیں کیا اور کوئی معقول وجہ بھی اس کی نا منظوری کی بیان نہ کر سکے۔ ☆ اس کے بعد مدعا علیہ نے یہ عذر پیش کیا کہ جیسی کھڑکی متنازع فیہ ہے، ویسی ہی ایک کھڑکی... کے گھر سے مدعی کے مکان میں جانے کے لئے ہے اور میری لڑکیاں... کے یہاں آتی ہیں پس جیسا کہ اندیشہ مدعی کو میری چھت کی کھڑکی سے اپنے یہاں کی عورتوں کی بے پردگی کا ہے، مجھے بھی اندیشہ اس کھڑکی سے ہے۔ مدعی اس کھڑکی کو بند کر دیں تو مجھے بھی اپنی کھڑکی جدید بند کرنے میں عذر نہ ہوگا۔ میں نے اس کی نسبت مدعی پر زور دیا کہ وہ کھڑکی اپنی طرف بند کر دیں تب مدعی اس شرط پر اس کے بند کرنے پر راضی ہوئے کہ تین بھائی ہیں اور تینوں میں یہ مکان مشترک ہے۔ ☆ اگر تینوں صاحب حلفاً بیان کریں کہ جیسا کہ مجھے نئی کھڑکی سے تکلیف و اندیشہ بے پردگی ہے، ویسی ہی تکلیف ان لوگوں کو بھی اس کھڑکی سے پہنچتی ہو یا اب تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو گو اس کھڑکی اور اس کھڑکی میں قدیم و جدید، مسلم و مقبول، نامسلم و نامنظور ہونے کا فرق ہے نا ہم ہم کو بند کرنے میں عذر نہ ہوگا، ابھی ہم بند کر دیتے ہیں۔ ☆ اس پر... نے اظہار تکلیف و اندیشہ بے پردگی دختران مدعا علیہ کیا۔ پر ان کے دونوں بھائی اور نے بکمال کشادہ پیشانی حلفاً کہا کہ آج تک کوئی تکلیف یا بے پردگی ہوئی ہے، نہ آئندہ کو ایسا اندیشہ ہے۔ اس قسم کی بہت سی باتیں ہوتی رہیں۔ پر کوئی وجہ و ضرورت معقول نئی کھڑکی کے بننے کی اور اس سے بے پردگی زنا نہ مکان مدعی کے نہیں ہونے کی صورت مدعا علیہ بیان نہ کر سکے اور مدعی نے اپنے زنا نہ مکان کی بے پردگی دکھلایا اور اس کی نسبت آئندہ کے لئے بھی اندیشہ معقول طریق سے بیان کیا اور خود بیان حلفی مدعا علیہ سے اس اندیشہ کو مدعا علیہ کے سامنے ثابت کر دیا۔ سوراخ دیوار کے بند کرنے میں مدعا کو عذر نہیں بلکہ ایک طرف سے اس کو بند بھی کر دیا ہے۔ دیوار کے بلند کرنے میں کہ جس سے بے پردگی زنا نہ مکان مدعی کی بصورت کھڑے ہونے کسی مرد کے چھت پر متصل دیوار جاتی رہے۔ مدعا علیہ کو دعو عذر ہوا: ایک یہ کہ اس دیوار سے متعلق ایک موری ہے جس سے موقع بلند کرنے اور دیوار پر زیادہ بار ڈالنے کا نہیں ہے۔ دوسری یہ کہ اور طرف کی دیوار بھی بلند کرنی پڑے گی جس سے ہوا کا رکاوٹ ہو جائے گا۔ ☆ اتفاق وقت سے ایک واقف کار حال و قواعد تعمیر عمارت بھی اس وقت اس جگہ موجود تھے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ بغور دیکھئے کہ دیوار بلند ہو سکتی ہے یا بلند کرنے میں دیوار کے اندیشہ نقصان دیوار یا موری کا ہے؟۔ انہوں نے بغور دونوں جانب دیوار کے ملاحظہ کر کے کہا کہ کوئی نقصان کسی طرح کا نہیں ہو سکتا ہے۔ دوسرا عذر مدعا علیہ کا بھی قابل توجہ معلوم نہیں ہوا۔ اس لئے کہ اولاً ایک جانب کی دیوار ذرا بلند ہونے سے ہر جانب کی دیوار اس کے برابر ہونا، ایسا ضرور امر نہیں ہے جیسی ضرورت بوجہ زوال ضرر بمسایہ ایک طرف کی دیوار بلند کرنے میں ہے۔ ثانیاً اور طرف کی دیوار بلند کرنے میں بھی ہوا کا رکاوٹ بوجہ وسیع رہنے صحن کے، نہیں ہو سکتا۔ بیہ مقصود اس طوالت سے یہ ہے کہ میں نے تاوسع اپنے بہت کوشش کی کہ صلح و رضامندی فریقین سے ثالثی کا فیصلہ کروں پر

مجھے اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ ناچار مجھے خیال صلح کے فکر سے قطع نظر کر کے ہر عذر و ایشوکا فیصلہ کرنا پڑا۔ اس لئے میں نے کتب معتبرہ فقہ حنفیہ کی طرف رجوع کیا جس کے پابند فریقین اور خود ضعیف بھی ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ عموماً ہر ایسی کارروائی سے انسان روکا جائے گا جس سے ضرر بین ہمسایہ کو پہنچے اور سوراخ دروازہ سے بے پردگی ہونے کی صورت میں سوراخ دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ علیٰ ہذا چھت پر چڑھنے سے بصورت بے پردگی زنان ہمسایہ کے تا حصول صورت پردہ منع کیا جائے گا۔ ان سب امور کی صراحت کتب فقہیہ حنفیہ میں موجود ہے۔ ان میں سے بعض عبارات اس مقام پر نقل کی جاتی ہیں۔

در مختار چھاپہ کلکتہ کے ص ۴۹۹ میں مندرجہ عبارت ہے: ”اشری دارا و دبغ و تاذی جبرانہ ان علی الدوام

یمنع و علی النذرة یتحمل۔“

اس کی شرح میں ردالمحتار چھاپہ مصر جلد چہارم کے ص ۳۴۱ میں لکھا ہے: ”قال فی جامع الفصولین:

والقیاس فی جنس هذه المسائل ان من تصرف فی خالص ملکہ لا یمنع ولو اضر بغيره لكن ترك القیاس فی محل یضر لغيره ضرراً بیناً قیل وبه اخذ كثير من المشایخ وعلیه الفتویٰ اہ۔“

فتاویٰ خیریہ جلد ثانی چھاپہ مصر کے ص ۲۰۲ میں ہے: ”(سئل) فی الحار یرید فتح کوة علی جاره وفی ذلك

اطلاع علی عوراته وحریمہ او بناء غرفة او حائط علی جدار مشترك بینہما هل یمنع من ذلك ام لا (اجاب) اما مسئلة فتح الكوة ففيہا استحسان و قیاس والاستحسان المنع وعلیه الفتویٰ کما نقلہ فی التارخانیة قبل مسئلة الكوة بقلیل۔ والحاصل فی هذه المسئلة واجناسہا ان القیاس کل من تصرف فی خالص ملکہ لا یمنع فی الحکم وان کان یودی الی الحاق الضرر بالغير لكن ترك القیاس فی مواضع یتعدی ضرر تصرفہ الی غیرہ ضرراً بیناً وقیل بالمنع مطلقاً وبه اخذ كثير من مشایخنا وعلیه الفتویٰ انتہی۔“ ومثله فی فصول العمادی وکثیر من الکتب انتہی بقدر الضرورة۔

تنقیح فتاویٰ حامد یہ جلد ثانی چھاپہ مصر کے ص ۲۶۵ میں ہے: ”(سئل) فیما اذا كان کل من جارین سطح

بیت فی دارہ مساو سطح الآخر وصار الان احدهم یصعد الی سطحه واذا صعد یقع بصره فی دار جاره علی حریمہ ویرید الحار منعه من الصعود حتی یتخذ سترة فهل للحار ذلك (الجواب) نعم انتہی بقدر الحاجة۔“

مطابق حکم شرعی و مضمون عبارات مذکورہ کتب معتمدہ حنفیہ و موافق رسم و رواج شرفا شہر کے فیصلہ ہر عذر و استغاثہ کا

حسب تفصیل ذیل ہے:

(۱) عذر کھڑکی: کھڑکی بند کر دی جائے۔ (۲) متعلق سوراخ دیوار کھڑکی: مستحکم طور پر بند کر دیا جائے۔ (۳) متعلق

پستی دیوار: وہ دیوار اس قدر بلند کر دی جائے کہ اگر کوئی مرد متصل دیوار یا اس چھت پر کہیں کھڑا ہو تو بے پردگی زنانہ مکان مدعی کی نہیں ہو۔ (۴) کوٹھری متنازع فیہ کے چھت پر تا حصول صورت پردہ چڑھنے کی ممانعت۔ (۵) آئندہ کے لئے مدعا علیہ کو خیال رکھنا چاہئے۔ گاہے ایسی کارروائی و عمل مدعا علیہ نہ کریں جس سے کسی طرح بے پردگی مکان مدعی کی مشہور ہو۔ (نقل

(دستخط) تاریخ ۳۰ مئی ۱۹۱۸ء

(۱) فیصلہ ثالثی ملاحظہ ہوا۔ اس فیصلہ کو شروع سے آخر تک پڑھنے والا باآسانی اس نتیجہ تک پہنچ سکتا ہے کہ ہوشیار مجوز نے کسی خاص اثر سے متاثر ہو کر محض یک طرفہ فیصلہ دیا ہے۔ اگر یہ فیصلہ ایسے شخص کا نہ ہوتا جو عالم مشہور ہے تو کسی طرح یہ کہنا ناجائز نہ ہوتا کہ ہوشیار مجوز نے ایسا مہمل فیصلہ دیا ہے جو کسی طرح نہ قواعد شرعیہ پر ٹھیک اترتا ہے نہ قواعد عقلیہ پر نہ عرف و رواجات رسمہ پر۔

(۲) ظاہر ہے کہ ثالث کو فی نفسہ کوئی ولایت شرعیہ نہیں۔ محض فریقین کے رضاء و قبول کی وجہ سے اس کا حکم ان لوگوں پر نافذ ہوتا ہے۔ اسی لئے قبل حکم، فریقین میں ہر شخص کو رجوع کا حق حاصل ہے۔ ہدایہ جلد سوم ص ۱۴۳ میں ہے:

”ولکل واحد من المحکمین ان يرجع مالم بحکمہ علیہما لانه مقلد من جہتہما فلا یحکم الا برضاہما جمیعاً۔“

اور فریقین میں سے جو شخص چاہے ثالثی کو قبل حکم توڑ سکتا ہے۔

در مختار جلد ۲ باب التحکیم ص ۳۶۳ میں ہے: ”وینفرد احدہما بنقضہ ای التحکیم بعد وقوعہ۔“ بعد نقض و رجوع ثالث جو کچھ فیصلہ کرے گا محض باطل و نامقبول ہوگا۔

جامع الرموز ص ۵۹۱ میں ہے: ”(ولکل منہما) ای الخصمین (ان يرجع) عن التحکیم (فس

حکمہ علیہما فالعزل غیر محتاج الی الاتفاق بخلاف التحکیم ولذا لو حکم بعدہ لم ینفذ۔“

جیسا کہ ذی علم مجوز سے بھی پوشیدہ نہ ہوگا باوجود اس کے جب ۲۸ مئی روز سہ شنبہ کو وقت ملاحظہ رفتار و گفتار، اقوال و افعال سے مدعا علیہ کو شبہ ہوا اور اس نے سمجھ لیا کہ اب فیصلہ بروئے انصاف ناممکن ہے اور وہی ہوا جو اس نے خیال کیا تھا تو اس وقت اس نے اپنے چچا کو بھیج کر منع کر دیا کہ آپ تکلیف فیصلہ نہ فرمائیں، یہ مقدمہ کچہری جا کر فیصلہ ہوگا۔ جس پر ان کے مشیر و وزیر باتدبیر نے بھی کہا کہ مولانا اٹھائے پھینکے، آپ کہاں اس بلا میں پڑتے ہیں؟۔ پھر اس خیال سے کہ شاید ایک آدمی کا بیان کافی نہ ہو بعد مغرب تکمیل عدد کر کے بھیجا مگر مجوز صاحب نے در دسر کا عذر فرمایا، ملاقات نہ کی اور صبح کے وقت بلایا۔ صبح کو جب یہ دونوں پہونچے تو قبل اطلاع ایک لڑکے سے دریافت کیا کہ مولوی صاحب کیا کر رہے ہیں؟۔ معلوم ہوا کہ چند کتابیں ان کے سامنے ہیں، کچھ لکھ رہے ہیں۔ جب ان لوگوں نے اطلاع کرائی تو پھر وہی رات والا جواب آیا کہ غایت در دسر کی وجہ سے پریشان ہیں، باہر نہیں آسکتے۔ کہا گیا کہ ذرا پردہ کرا دیا جائے کہ خود ہم دونوں حاضر ہو کر ایک بات کہہ دیں مگر یہ بھی مقبول نہ ہوا۔ مانا کہ ایک دو شخص کی زبانی ممانعت کچہری کے ذریعہ ثالثی کے مت بل با وقعت نہ ہو مگر ایک مسلمان خصوصاً عالم کے لئے اتباع احکام شرعیہ مقدم ہے۔ وہ بھی ایسی صورت میں کہ کچہری سے قبول ثالثی پر جبر نہیں اور شرعاً بعد نسخ تحکیم حکم ناجائز۔

(۳) بجز چند مسائل کے جن میں مسئلہ دائرہ نہیں، بالعموم ثالث مثل قاضی ہے۔

ردالمحتار جلد ۴ ص ۳۶۲ میں ہے: ”الحکم کالقاضی۔“

اور قاضی یا ثالث کے پاس مسل اسی لئے بھیجی جاتی ہے کہ عرضی دعویٰ و بیان تحریری و دیگر ضروری مفید باتیں اس سے اخذ کر سکے جس بنا پر اسے فیصلہ دینا ہوگا۔ اسی لئے قاضی کو اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرنا جائز ہے۔

الاشباہ والنظائر ص ۳۱۷ میں ہے: ”الفتویٰ علی عدم العمل بعلم القاضی فی زماننا کما فی جامع

المفصولین۔“

علماء کرام نے مفتی اور قاضی میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ مفتی کو چاہئے کہ اپنے علم و دیانت کے مطابق فتویٰ دے اور قاضی پر واجب ہے کہ رواد مقدمہ کی بنا پر فیصلہ فرمائے۔

بزاز یہ پھر در مختار جلد ۴ ص ۳۱۸ میں ہے: ”المفتی یفتی بالدیانة والقاضی یقضی بالظاہر۔“

مگر اس فیصلہ ثالثی میں شروع سے آخر تک کسی جگہ بھی مسل سے کام نہ لیا گیا۔ ہاں ایک جگہ بیان حلفی مدعا علیہ نمبر ۵ کا تذکرہ اس لئے آیا ہے کہ اس سے مدعا علیہ کے اقوال میں تعارض ثابت کیا جائے مگر وہ بھی بے لوث رہا کہ تناقض کے لئے ہشت وحدات کی ضرورت ہے جس کا بیان عنقریب آتا ہے۔

(۳) تحکیم کے الفاظ اگرچہ ظاہراً عام ہوتے ہیں کہ یہ جو کچھ فیصلہ دیں گے، قبول ہے۔ مگر اہل عقل پر پوشیدہ نہیں کہ ثالث شرعاً شتر بے مہار نہیں کہ قلم اٹھا کر آم املی جو کچھ چاہے لکھ دے۔ بلکہ اس کو حجت و دلیل کے موافق فیصلہ دینا چاہئے ورنہ وہ نافذ نہ ہوگا۔

در مختار جلد ۴ ص ۳۶۳ میں ہے: ”حکما رجلا فحکم بینہما ببینۃ او اقرار او نکول ورضیا بحکمہ

صح لو فی غیر حد و قود و دینۃ علی عاقلہ۔“

بحر الرائق جلد ۷ ص ۲۸ میں ہے: ”و شرط ان یکون حکمہ بحجة من الثلاث لیوافق حکم الشرع والا یقع

باطلا و ظاہرہ انہ لا یحکم بعلمہ ولم ارہ صریحا۔“

الاشباہ والنظائر ص ۳۶۰ میں ہے: ”الحجة بینة عادلة او اقرار او نکول عن یمین او یمین او قسامة او

علم القاضی بعد تولیتہ او قرینۃ قاطعة وقد اوضحناہ فی الشرح من الدعوی الا ان الفتویٰ علی قول محمد

المرجوع الیہ انہ لا اعتبار بعلم القاضی و فی جامع الفصولین و علیہ الفتویٰ و علیہ مشایخنا کما فی البزازیۃ

من المسائل الخمسة من الدعوی۔“

علماء کرام نے تصریح فرمائی کہ ارکان قضا چھ ہیں یعنی اگر ان میں ایک بھی ساقط ہوگا تو وہ قضا، قضا نہ سمجھی جائے گی۔

در مختار جلد ۴ ص ۳۰۹ میں ہے: ”وارکانہ ستة علی ما نظمہ ابن الفرس بقولہ م۔“

اطراف کل قضیۃ حکمیۃ ست بلوح بعدہا التحقیق

حکم و محکوم بہ ولہ و محکوم علیہ و حاکم و طریق

علامہ شامی اس کی شرح میں فرماتے ہیں: ”قوله وطريق، طريق القاضي الى الحكم يختلف بحسب اختلاف المحكوم به والطريق فيما يرجع الى حقوق العباد المحضة عبارة عن الدعوى والحجة وهي اما البينة او الاقرار او اليمين عنه الخ“

اور ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ محض بے حجت ہے تو اسے فیصلہ کہنا اور سمجھنا ایک فرضی بات ہے ورنہ ایک ردی کاغذ ہے جو مدعی کے ہاتھ میں دے دیا گیا ہے۔

(۵) یہ سب اس صورت میں ہے کہ تحکیم صحیح ہو اور ثالث شرعاً بھی ثالث ٹھہرے، ورنہ یہاں تو سرے سے فیصلہ کنندہ شرعاً ثالث ہی نہیں۔ اس لئے کہ ثالثی کے لئے قبول ثالث ضروری ہے ورنہ اس کا حکم دینا جائز نہ ہوگا۔ بحر الرائق جلد ۷ ص ۲۷ میں ہے: ”وركنه اللفظ الدال عليه مع قول الآخر فلو حکما رحلا فلم يقبل لا يجوز حکمه الا بتجديد التحکیم کذا فی المحيط“۔

رد المحتار جلد ۴ ص ۳۶۲ میں ہے: ”(قوله ورکن) ای رکن التحکیم لفظه الدال عليه ای اللفظ الدال على التحکیم کا حکم بیننا او جعلناک حکما او حکمناک فی کذا فلیس المراد خصوص لفظ التحکیم (قوله مع قبول الآخر) ای المحکم بالفتح فلولم يقبل لا يجوز حکمه الا بتجديد التحکیم بحر عن المحيط“۔

ثالث صاحب کا دستخطی خط جو شیخ پورہ ضلع موئگیر سے ۲ شعبان ۱۳۳۶ھ کو لکھا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں: ”آپ لوگوں کے تعمیل امر میں مجھے عذر نہیں ہے لیکن بعد یاد دلانے اس امر کے کہ جامع مسجد میں آپ اور جناب اچھے میاں صاحب نے میری ثالثی کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا، اولاً میں نے تامل و عذر کیا تھا۔ من بعد اس شرط پر منظور کرنے کے متعلق سکوت کیا تھا کہ کوئی اور ایک صاحب واقف کار جو اندرونی حالات اختلاف و وجوہ نزاع سے آگاہ ہوں، میرے شامل کئے جائیں۔“

اس سے صاف ظاہر کہ ثالث صاحب نے قبول اس شرط کے ساتھ مشروط کیا کہ ایک واقف کار شامل کئے جائیں اور ظاہر ہے کہ کوئی واقف کار شامل نہ کیا گیا تو بحکم اذافات الشرط فات المشروط قبول تحکیم فوت ہوا، جس سے عدم ثبوت تحکیم و ثالثی بھی واضح ہے۔

(۶) بفرض ثبوت تحکیم اگر روداد مقدمہ سے منھ موڑ کر صرف اسی وقت کی باتوں پر فیصلہ کا ارادہ تھا تو نظر بحال زمانہ لوگوں کے بیانات قلمبند کرنا ثالث صاحب کا فرض منہی تھا تا کہ وقت فیصلہ ان لوگوں کے واقعی بیانات پیش نظر رہتے۔ مگر ایسا نہ ہوا بلکہ مجوز صاحب نے بیانات سن کر صرف اپنی یاد پر بھروسہ کیا اور تین دن کے بعد فیصلہ دیا، جس کا لازمی نتیجہ جو ہونا تھا وہ ہوا کہ بہت سی باتیں خیال سے جاتی رہیں، بعض باتیں الٹ پلٹ فیصلہ میں درج ہیں، بعض باتیں مع حواشی و زوائد ہیں۔

فتاویٰ فقیہ النفس قاضی خان جلد ۳ ص ۴۷ میں ہے: ”واذا ادعی المدعی شیئاً علی المدعی علیہ یکتب القاضی علی بیاض صورة الدعوى ثم يقول للمدعی علیه ماذا تقول فان اقر بما ادعاه المدعی اثبت

اقرارہ فی کتابہ ویامر المدعی علیہ بإیفاء الحق وان انکر یکتب انکارہ فی ذلک ثم یامر المدعی باقامة البینة وهذا کان فی عرفہم اما فی عرفنا المدعی یجیء الی کاتب القاضی فیخبرہ بکیفیة دعواه ویصور عنده صورة الدعوی فیکتب الکاتب ذلک ثم یجیء الی القاضی مع خصمه ویدعی علیہ فان اقر خصمه اثبت القاضی اقرارہ فی الکتاب ویامرہ بقضاء الحق وان انکر امر المدعی باقامة البینة فان جاء المدعی بشہود فشہدوا عنده علی الترتیب یکتب القاضی شہادة کل شاهد ویکتب اسمہ واسم ابیہ وجده۔

”یعنی زمانہ سلف میں قضا کا یہ دستور تھا کہ جب مدعی کسی امر کا مدعا علیہ پر دعویٰ کرتا، قاضی ایک سادہ کاغذ پر اس دعویٰ کو لکھتا پھر مدعا علیہ سے پوچھتا کہ تم کیا کہتے ہو؟ اگر وہ دعویٰ کا اقرار کرتا، اس کے اقرار کو اپنی کتاب میں لکھ لیتا اور مدعی کو ڈگری دیتا اور مدعا علیہ کو ایفاء حق کا حکم کرتا اور اگر مدعا علیہ انکار کرتا تو قاضی اس کے انکار کو بھی لکھ لیتا پھر مدعی کو گواہ لانے کے لئے کہتا اور ہمارے زمانہ میں یہ طریقہ ہے کہ مدعی پیشکار کے پاس جا کر اپنا دعویٰ بیان کرتا، پیشکار اسے لکھتا پھر مدعی مع مدعا علیہ قاضی کے پاس آتا اور اس پر دعویٰ کرتا تو اگر مدعا علیہ اقرار کرتا، قاضی اس کے اقرار کو درج کتاب کر کے قضا، حق کا حکم دیتا اور اگر مدعا علیہ مدعی کے دعویٰ کا انکار کرتا تو قاضی مدعی کو حکم دیتا کہ گواہ پیش کرے۔ اگر مدعی گواہوں کو لاتا جو ترتیب وار گواہی دیتے۔ قاضی ہر شخص کی گواہی لکھتا اور ہر گواہ کا نام مع اس کے باپ اور دادا کے لکھتا۔“

تو صورت واقعہ میں جب کہ ذی علم ثالث نے مسل سے کام نہ لیا یا اس کے انگریزی اور ہندی ہونے کے سبب اس کے سمجھ سے قاصر تھے اور ترجمہ کرانے کی زحمت بھی گوارا نہ کی اور ان سب تحریرات کو کان لم تکن جانا تو اب اپنے اسلامی قاعدہ پر رواد مقدمہ کو بنانا چاہئے تھا۔ یعنی پہلے مدعی کا دعویٰ دریافت کر کے اس کو قلمبند کرنا تھا بعد ازاں مدعا علیہ سے دریافت کرنا تھا۔ اگر وہ اقرار کرتا اس بنا پر فیصلہ دیتے اور جب اسے انکار تھا تو مدعی سے اصل دعویٰ پر گواہان طلب کرنا تھا اور ان لوگوں کی گواہی مع نام ہر گواہ و اہنیت وغیرہ لکھنا تھا تا کہ فیصلہ مطابق اصول شریعت مطہرہ ہوتا۔

(۷) مدعی کا دعویٰ دفع ضرر بے پردگی ہے۔ اس ضرر کے تین سبب اس نے بیان کئے۔ ایک جدید کھڑکی، دوسرے کھڑکی کے اوپر سوراخ، تیسرے اس دیوار کا جس میں یہ کھڑکی لگائی گئی ہے، پست ہونا۔ ہمارے ائمہ کرام کے اصل مذہب میں تو یہ دعویٰ سرے سے نامسموع ہے اور استحسان متاخرین پر اس وقت قابل سماعت ہے کہ ضرر من کل الوجوہ جانب مدعا علیہ سے ہو کہ اس کے دفع کی تدبیر مدعی کے ہاتھ میں نہ ہو ورنہ خود اپنا ضرر دفع کرنے پر قدرت رکھتے ہوئے دوسرے کی گلو گیری باطل ہے۔ اس کا بیان آگے آئے گا۔ اس قول اخیر پر کہ دعویٰ سننے کے قابل تھا قواعد شرع و عقل کے مطابق مدعا علیہ سے اس کے متعلق دریافت کرنا تھا۔ مدعا علیہ اگر اقرار کرتا کہ واقعی ضرر بے پردگی ہے، جس کا چارہ مدعی کے پاس کوئی نہیں، تو اسے اس سے منع کرنا تھا اور اگر مدعا علیہ انکار کرتا مدعی سے گواہان طلب کرنا تھا۔ مگر اس کے بالکل خلاف مسائل شرعیہ سے ذہول یا تجاہل کی وجہ سے پاؤں کی جگہ سر سے چلنا پڑا کہ اصل کو باعث و منشا سمجھا اور باعث و منشا کو اصل قرار دے کر تجویز میں لکھا:

”فریقین کے بیان سننے اور مقام متنازع فیہ کے ملاحظہ کرنے سے ظاہر ہوا کہ مدعی کو تین امر کا عذر ہے۔ ایک جدید کھڑکی کا، دوسری کھڑکی کے کواڑ کے اوپر کی دیوار میں سوراخ رہنے کا، تیسرے دیوار جس میں کھڑکی ہے اس کے پست ہونے کا، اور تینوں عذر کا منشا و باعث خیال بے پردگی زنا نہ مکان مدعی ہے۔“

(۸) ”مدعی نے علاوہ ان تین عذروں کے یہ بھی بیان کیا کہ ان تینوں کی کوئی حاجت و ضرورت مدعا علیہ کو ایسی نہیں جو بمقابلہ میرے ضرر بے پردگی کے قابل اعتبار ہو۔“ ضرورت مند آدمی اپنے غرض کا باولا ہوتا ہے۔ عربی میں ضرب المثل ہے احمل لغرض محزون مدعی نے اگر ایسی بے علاقہ فضول بات کہی تو کیا الزام کہ وہ نہ مسائل شرعیہ کا عالم ہے، نہ مطابق شرع دعویٰ کرنے بیٹھا ہے۔ اس کا نصب العین حصول مقصد ہے۔ جس طرح ممکن ہو، ادنیٰ ادنیٰ بات جسے اپنے لئے مفید خیال کرے، پیش کرنے پر جلتہ مجبور ہے کہ الغریب بتثبت بکل حشیش مگر تعجب اور بسا تعجب ذی علم مجوز سے ہے کہ انھوں نے اس بے تعلق بات کو نہ صرف مفید ہی سمجھا بلکہ فیصلہ کا مدار اسی کو قرار دیا کہ فرماتے ہیں:

”بعد سننے اس بیان مدعی کے مدعا علیہ سے ضرورت کھڑکی دریافت کی گئی۔ اس کے جواب میں مدعا علیہ نے بیان کیا کہ بکومیاں میرے سرالی رشتہ دار ہیں۔ ان کے یہاں کی عورتوں کے آمد و رفت کے لئے یہ کھڑکی بنائی گئی ہے۔“ اس جگہ ذی علم مجوز کا کام تھا کہ مدعی کو روکتے اور کہتے کہ یہ عذر سرے سے لفو ہے۔

اولاً اس لئے کہ کسی شخص پر ضرور نہیں کہ صرف بقدر ضرورت و حاجت اپنی ملک سے انتفاع کرے اور دوسروں کی نفسانیت و خود غرضی کو مقدم رکھے اور مدعی کو سمجھانا تھا کہ شرعاً اشیاء سے انتفاع کے پانچ مرتبے ہیں۔ ضرورت حاجت منفعت زینت فضول۔ مثلاً ضرورت وہ ہے کہ بغیر اس کے ہلاک ہو جانے کا اندیشہ قوی ہو۔ یہ وہ صورت ہے جس میں مردار تک کھانا جائز رکھا گیا ہے۔ حاجت وہ کہ بغیر اس کے ہلاک تو نہ ہوگا مگر معتد بہ مشقت و تکلیف ہوگی۔ یہ وہ صورت ہے کہ اس میں روزہ قضا کرنا درست ہے۔ منفعت وہ کہ بغیر اس کے نہ ہلاک ہوگا، نہ مشقت مگر تحصیل نفع ہے مثلاً گیہوں کی روٹی، بکری کا گوشت۔ زینت کہ محض لذت و تجمل مقصود ہو جیسے باقر خانی، پرائٹھا، خسی کا قورمہ کھانا، عمدہ دریوں، نفیس چاندنیوں، بہترین قالینوں، اچھے گاؤں کیوں، شیشہ و آلات سے مکان کو سجانا وغیرہ۔ فضول مال حرام یا مشتبہ سے وسعت کرنا۔

حموی شرح اشباہ صفحہ ۱۰۸ میں ہے: ”فی الفتح دھنا خمسة مراتب ضرورة وحاجة ومنفعة وزينة وفضول فالضرورة بلوغه حدا ان لم يتناول الممنوع هلك اوقارب وهذا يبيح تناول الحرام والحاجة كالحاجع الذي لو لم يجد ما ياكله لم يهلك غير انه يكون في جهد ومشقة وهذا لا يبيح الحرام ويبيح الفطر في الصوم والمنفعة كالذي يشتهي خبز البر ولحم الغنم والطعام الدسم والزينة كالمشتهى بحلوى والسكر والفضول التوسع باكل الحرام والشبهة“

توجب شرعاً یا عقلاً کسی شخص پر، رگز ضرر نہیں کہ دوسرے کی خاطر صرف ضرورت یا حاجت پر اکتفا کرے اور اپنی

منفعت وزینت کو ترک کرنے پر مجبور کیا جائے۔ احکم الحاکمین عز جلالہ فرماتا ہے: ”قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ“ (الاعراف: ۳۲) ”تم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی زینت اور اس کی پاکیزہ دی ہوئی چیزیں“ (ساحل) تو ایسی بات کو درمیان میں لانا محض فضول ہی فضول تھا۔

ثانیاً خصوصاً جب کہ مدعی کو خود اقرار ہے کہ اس کی مدعا علیہ کو حاجت ہے مگر میرے ضرر کے مقابل کم ہے۔ اگرچہ مرتبہ ایثار اعلیٰ مرتبہ ہے مگر وہ مقدمہ دائر کر کے نہیں حاصل کیا جاتا۔ اگر اس پر فیصلہ یا فتویٰ دیا جائے تو جملہ اہل نعم کو قدر ضرورت و حاجت کے سوا بقیہ نعمتوں سے دست برداری دینی ہوگی۔ اس لئے کہ اگرچہ ایک شخص کو ادب نماز اور اپنی وضع و بیات کے استحفاظ کو کرتے کے اوپر انگر کھے یا چادر اور ٹوپی پر عمامے کی حاجت ہے، مگر ایک غریب آدمی کا ضرر سردی و بے ستری کے مقابل کم ہے۔ یا کسی کھاتے پیتے شخص کو اگرچہ بارش وغیرہ سے تحفظ کے لئے پختہ مکان کی حاجت ہے مگر اس مسکین کی ضرورت سے کم ہے جس کے چھپر پر پھونس نہیں۔ تو کوئی بیوقوف ضرورت مند اس قسم کا دعویٰ دائر کر سکتا ہے اور کیا کوئی عقل سے دور مجوز اس دعویٰ کو سن کر اس منتعم سے انگر کھے اور چادر اور عمامے اور پختہ مکان کی ضرورت کا سوال کر سکتا ہے۔؟ نہیں نہیں، ہرگز نہیں۔

ثالثاً وہ تین باتیں جس کے متعلق مدعی کا بیان ہے کہ اس کی کوئی حاجت و ضرورت مدعا علیہ کو ایسی نہیں جو بمقابلہ میرے ضرر بے پردگی کے قابل اعتبار ہو، دیوار میں کھڑکی لگانا، کھڑکی کے اوپر دیوار میں سوراخ رہنے دینا، دیوار کا پست ہونا ہے۔ انھیں تینوں کے ضرورت نا قابل اعتبار ہونے کو مدعی نے بیان کیا اور ذی علم مجوز نے تسلیم کیا۔ حالانکہ امر سوم یعنی دیوار پست ہونے کے متعلق یہ بات کسی طرح قابل قبول نہیں۔ اس لئے کہ اس دیوار اٹھانے کا سبب خود مدعی نے بیان کیا کہ چونکہ میرے مکان سے مدعا علیہ کا مکان بے پردہ ہوتا تھا، اس بے پردگی کو دفع کرنے کو مدعا علیہ نے یہ دیوار اٹھائی ہے۔ ظاہر ہے کہ بے پردگی محاذات سے ہوتی ہے اور اس کا دفع اس کے انسداد سے اور محاذات جانبین سے ہے تو اس کا انسداد بھی اگر ہوگا، جانبین سے ہو جائے گا۔ زید و عمرو کے مکانوں میں باہم بے پردگی تھی کہ ایک دوسرے کے محاذی تھے۔ ایک دیوار بنائی گئی جس نے مکان عمرو کو محاذی مکان زید نہ رکھا۔ لیکن مکان زید اب بھی محاذی مکان عمرو ہے۔ یہ ایک ہاتھ کی تالی کیسی؟۔

فصول عمادی سے آتا ہے: ”انہ ان کان یقع بصرہ علیہم فی السطح یقع بصرہم علیہ ایضاً فی السطح“۔ تو ظاہر ہوا کہ دعویٰ باقرار مدعی باطل و مدفوع اور الزام محض ہباء منشور۔ یوں ہی امر دوم یعنی اس دیوار میں کھڑکی سے اوپر سوراخوں کا ہونا اور اس کی ضرورت نا قابل اعتبار ہونے کا ادعا اور اس کی وجہ سے بے پردگی کا الزام، اس نے بھی اسی طرح صاف کھول دیا کہ اصل منشاء مقدمہ، محض نفسانیت ہے اور بے پردگی کا دعویٰ محض لفظ جس کے نیچے معنی نہیں۔ اس لئے کہ دیوار کے سوراخوں کی تین شکلیں ہوتی ہیں اول وہ سوراخ کہ اندرونی و بیرونی دونوں جانب سے ایک سطح میں ہو جیسے یہ سب سوراخ ہیں۔ دوم وہ کہ بیرونی جانب اندرونی سے بلند ہو جیسے اکثر شعاع دانوں میں ہوتا ہے۔ سوم بیرونی سطح

اندرونی سے پست ہو جیسے قلعے کے روزن، تو پہلی صورت میں جب کہ سوراخ چھوٹے چھوٹے ہوں نگاہ سیدھی بخط مستقیم جائے گی۔ یعنی جتنی بلندی رائی (دیکھنے والے) کی آنکھ کی ہوگی، خطوط شعاعی بھی اتنی ہی بلند اپنے نہایت مسافت تک جائیں گے۔ اور شکل دوم میں جس قدر خط شعاعی دور جائے گا، سطح بھر سے بلند و بالا ہوتا جائے گا اور شکل سوم میں اس کے برعکس، جس قدر دور ہوگا اسی قدر پست ہوتا ہوا زمین تک پہنچ جائے گا۔ اور دیوار اس کے سوراخوں کے دیکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں کہ وہ سب سوراخ مربع ہیں جن کے اضلاع ڈھالی انچ سے زیادہ نہیں اور وہ دیوار کے اندرونی و بیرونی دونوں جانب سے ایک ہی سطح میں ہیں، تو ان سوراخوں سے کسی طرح بے پردگی ممکن ہی نہیں۔ اس لئے کہ ان سوراخوں سے مدئی کے مکان کے اوپر کی ہوا جو اس سہ منزلہ کے محاذات میں ہے البتہ دکھائی دے گی۔ اس کے سوا کوئی حصہ مکان کا یا رہنے والا ہرگز نہیں معلوم ہو سکتا تو اس کو بھی معرض عذر قرار دینا، سوانفسانیت اور تعدی کے کیا کہا جاسکتا ہے۔ غرض امر دوم و سوم محض لغو بے معنی ہیں۔ ہاں امر اول ایک ایسا امر ہے کہ بادی النظر میں اعتراض کا منشاء اور بے پردگی کا سبب ٹھہرایا جاسکتا ہے۔

(۹) ذی علم مجوز کا مدعا علیہ سے کھڑکی کی ضرورت کا سوال بھی اسی مسئلہ فقہیہ سے غفلت کی وجہ سے ہوا۔ اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کب حکم دیا کہ جس چیز کی ضرورت ہو، اسی کا کرنا جائز ورنہ ناروا؟۔ یہاں تو مدعا علیہ نے ایک دو وجہ بیان بھی کیں ورنہ اس کے لئے سب وجہوں سے بڑی وجہ یہی کافی ہے کہ ہم نے اپنے خالص ملک میں تصرف کیا ہے۔ دوسرے کو اس کی ضرورت جبراً دریافت کرنے کا کیا اختیار؟۔

الاشباہ والنظائر ص ۴۳۹ میں ہے: "لہ التصرف فی ملکہ وان تاذی جارہ فی ظاہر الروایۃ"

علامہ ابن الشنہ شرح و ہبانیہ میں فرماتے ہیں: "وفی حفظی عن ائمتنا الخمسة ابی حنیفۃ و ابی یوسف و محمد و زفر و الحسن بن زیاد انه لا یمنع من التصرف فی ملکہ وان اضر بجارہ و فی الفتاویٰ عن استاذنا انه یفتی بقول الامام و هو الذی امیل الیہ و اعتمدہ و افتی بہ تبعاً لوالدی شیخ الاسلام اہ ذکر ہ الحموی فی شرح الاشباہ ص ۴۳۹ و العلامة زین بن نجیم فی البحر الرائق جلد ۷ ص ۳۶ و ارتضاء بالقبول و قال و رجح فی الفتح ایضاً جواب الروایۃ و قال انه ظاہر المذہب"

"یعنی مالک کو اپنے ملک میں کامل تصرف کا اختیار ہے اگرچہ پڑوسی کو اس سے تکلیف پہنچے۔ یہی ظاہر الروایۃ ہے اور علامہ ابن الشنہ نے فرمایا کہ میری یاد میں ہمارے پانچوں ائمہ امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر، امام حسن بن زیاد رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ مالک اپنے ملک میں تصرف کرنے سے منع نہ کیا جائے گا اگرچہ اس سے اس کے پڑوسی کو تکلیف پہنچے۔ اور فتاویٰ میں ہمارے استاد سے ہے کہ امام صاحب کے قول پر فتویٰ دیا جائے گا اور یہی وہ قول ہے جس کی طرف میں مائل ہوں اور اس پر اعتماد کرتا ہوں اور اپنے والد شیخ الاسلام کی تبعیت میں اسی پر فتویٰ دیتا ہوں۔"

تو جب حسب تصریح علماء مجھے اپنے ملک میں تصرف کا پورا پورا حق ہے اور یہ مسئلہ ہمارے ائمہ ثلاثہ کیا ائمہ خمسہ کا متفق علیہا ہے تو اس کے متعلق مجھ سے ضرورت کا سوال کس قدر بے معنی اور عقل و شرع سے بعید ہے؟۔ اگر اس سے کسی کی

بے پردگی ہوتی ہو تو وہ اپنے پردہ کا انتظام کرے۔ علماء کرام نے تو خاص اس کا جزئیہ لکھا ہے پھر اس قدر طوالت کیا معنی رکھتی ہے؟۔

فتح القدیر جلد ۳ ص ۲۰۵ میں ہے: ”لو فتح صاحب البناء فی علو بنائہ با با او کوة لا یلی صاحب الساحة منعه بل له أن یبنی ما یستر جہتہ۔“

”یعنی اگر مکان والے نے اپنے مکان کے حصہ بالائی میں دروازہ یا روشن دان کھولا تو اس کے پڑوسی کو جس کی زمین اس کے متصل ہے، اپنی بے پردگی کی وجہ سے منع کرنے کا حق نہیں ہے۔ بلکہ اس کو یہ پہنچتا ہے کہ کوئی دیوار بنالے جو اس کی جانب کا پردہ کرے۔“

کتب فن میں اس قدر وضاحت کے ساتھ تصریح جزئیہ ہونے پر ثالث صاحب کا مدعا علیہ سے ضرورت کھڑکی دریافت کرنا اور اس بنا پر اصل قضیہ گاؤں کر دینا کس درجہ فقاہت سے بعید ہے۔

(۱۰) ذی علم مجوز کا یہ فرمانا کہ ”اس کے سوا اور کوئی ضرورت مدعا علیہ نے بیان نہیں کیا“ اس کا منشاء مسل سے منھ موڑنا اور بیانات و اظہارات کو قلم بند نہ کرنا ہے۔ مجھے بہ تحقیق معلوم ہوا کہ ۲۷ مئی کو مدعی نے اپنے دو گواہ پیش کئے۔ گواہ نمبر ۱ نے کہا کہ میں نے اوپر جا کر نہیں دیکھا کہ اس کھڑکی سے بے پردگی ہوتی ہے یا نہیں؟ اس پر مدعی نے دریافت کیا کہ آخر آپ نے اس پر کبھی غور کیا کہ اس کھڑکی سے سوائے میری بے پردگی کے کیا فائدہ ہے، کیوں بنوائی گئی ہے؟ گواہ نے کہا کہ ہاں میں نے اس پر غور کیا ہے مگر میرے نزدیک اس کے بنوانے کی غرض آپ کی بے پردگی درست نہیں۔ اس لئے کہ مالک مکان کو بے پردگی مقصود ہوتی تو اسے پچھم طرف دیوار بنوانے اور اس میں کھڑکی لگانے کی کیا ضرورت تھی؟ سرے سے دیوار ہی نہ بناتا۔ صرف منڈیر رہنے دینے سے یہ مقصد بدرجہ اولیٰ حاصل ہوتا۔ اس پر مدعی نے کہا کہ اس دیوار بنوانے کی وجہ میں بتاتا ہوں۔ جب مدعا علیہ نے دو منزلہ پر کوٹھری تعمیر کی تو وہ میرے مکان کے سامنے ہونے کی وجہ سے میرے مکان سے بے پردہ تھی۔ یہاں تک کہ میرے مکان سے اس کوٹھری کی چار پائی تک معلوم ہوتی تھی۔ اس لئے مدعا علیہ کو اس دیوار کے بنوانے کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ دوسرے دن ۲۸ مئی کو وقت معاینہ جس طرح بخت و اتفاق سے ایک انجینیر یا کم از کم اور سیر صاحب موجود تھے۔ جن کے متعلق ذی علم ثالث نے لکھا: ”اتفاق وقت سے ایک واقف کار حال و قواعد تعمیر عمارت بھی اس وقت اس جگہ موجود تھے۔“ اسی طرح حسب اتفاق دوسرے دن وہ گواہ صاحب بھی موجود تھے جن کو مدعی نے کھڑکی کے قریب کھڑا کر کے اپنے یہاں کی بے پردگی دکھائی اور کل کے تقریر کی تفہیم میں یوں لب کشائی کی کہ دیکھئے یہ کوٹھری میرے اس مکان سے بے پردہ ہوتی تھی۔ اس لئے ان کو اس دیوار کے بنوانے کی ضرورت پیش آئی۔ اس پر اس گواہ نے کہا کہ واقعی یہ دونوں مکان اس طرح آمنے سامنے واقع ہوئے ہیں کہ ان کے مکان سے آپ کا مکان بے پردہ ہوتا ہے اور آپ کے مکان سے ان کا۔ تو جس طرح بقول آپ کے، آپ کے مکان سے اپنے مکان کی بے پردگی دفع کرنے کو مدعا علیہ نے اپنی غربی دیوار اس قدر بلند کر دی ہے جس سے وہ بے پردگی جاتی رہی۔ کیا اچھا ہو کہ آپ بھی اپنے مکان کی ان کے مکان سے بے پردگی دفع کرنے کو اپنی مشرقی دیوار بلند کر لیجئے، بے پردگی جاتی رہے گی۔ گواہ نمبر ۲ سے

سبب کھڑکی کی ضرورت و فائدہ کا سوال ہوا، اس کے جواب میں کہا کہ سہ منزلہ کی چھت چاروں دیواروں سے گھری ہونے کی وجہ سے وہاں ہوا کی آمد بہت کم ہوگئی تھی۔ اس لئے ہوا آنے کے لئے وہ کھڑکی کھولی گئی ہے تاکہ اس کے ذریعہ آمد و رفت ہوا کی ہو اور وہ مکان رہنے کے قابل ہو۔ ذی علم مجوز کے متعلق یہ خیال تو ہو ہی نہیں سکتا کہ یہ اظہار و بیان انہیں یاد تھا اور یہ ضرورت ان کے پیش نظر تھی پھر بھی جان بوجھ کر دوسری ضرورت سے انکار کیا بلکہ یہ ساری خرابی مسل ملاحظہ کرنے کی زحمت گوارا نہ فرمانے اور بیانات کو قلم بند نہ کرنے کی ہے۔ ہاں یہ امر ضرور تعجب خیز و حیرت انگیز ہے کہ باوجودیکہ مدعی نے دو گواہ پیش کئے اور ثالث صاحب نے ان کی گواہیاں سنیں مگر مسل میں اس کا کسی جگہ تذکرہ تک نہیں۔ حالانکہ شرعی حیثیت میں ان لغویات سے، جن سے کئی صفحے سیاہ کئے گئے ہیں، کہیں زیادہ قیمتی وہ بیانات تھے کہ یہ رکن مقدمہ ہیں۔ بخلاف ان مہمل تجاویز و منشورات لایعنی کے کہ ”بجوئے نمی ارزند“ سے بڑھ کر حیثیت نہیں رکھتے۔

(۱۱) ذی علم ثالث کا مدعی کے ایک سوال کے جواب میں مدعا علیہ کا جواب نقل فرمانا کہ ”مدعا علیہ نے کہا کہ یہ مکان ہمارا بھی زنا نہ ہے۔ یہاں مردوں کی آمد و رفت نہیں ہوتی ہے جس سے اندیشہ بے پردگی کا ہو“ پھر مدعی کا اعتراض ذکر کرنا کہ ”اس پر مدعی نے نمبر ۵ بیان حلفی مدعا علیہ کا جو عدالت میں ہوا ہے، مسل سے نکال کر سنایا وہ یہ ہے: نمبر ۵ یہ کہ بلحاظ ہوا صاف لینے کے مدعا علیہ کی لڑکی برابر چھت و کوٹھری پر رہتی ہے اور اس کو دیکھنے کے لئے ہمارے دوست و احباب آیا کرتے ہیں۔“ مقصود اس سے مدعا علیہ کے دونوں باتوں میں تعارض و تناقض ثابت کرنا ہے مگر

اولا بیان حلفی نمبر ۵ میں خاص ایک حالت کا تذکرہ ہے کہ مدعا علیہ کی لڑکی بوجہ بیماری ہوا صاف لینے کے لئے چھت اور کوٹھری پر رہتی ہے اور عیادت کرنے والے حضرات اس کی عیادت کو آتے ہیں۔ اہل عقل جانتے ہیں کہ علالت کی حالت، عام حالتوں سے جداگانہ ہوتی ہے۔ بہت سی باتیں جسے کوئی شریف آدمی کیا گنوار تک ایک لمحہ کے لئے پسند نہیں کر سکتا، علالت کی حالت میں ان سے بدرجہا زائد مجبوراً روا رکھی جاتی ہیں۔ کیا کوئی شریف آدمی اپنے متعلقین کو کسی میدان کے کھلے ہوئے مکان میں رکھنا پسند کر سکتا ہے جہاں نہ پردے کی دیوار ہو، نہ کسی شخص کے آنے کی ممانعت۔ دوست دشمن، موافق مخالف، شریف گنوار، معزز بے عزت، چوہڑا چمار، جو شخص چاہے وہاں جاسکے، کسی کی ممانعت نہیں۔ مگر پھر بھی بہت سے مدعیان شرافت کو پہاڑوں پر قیام کی حاجت اور علالت کی وجہ سے متعلقین کو ایسے میدان میں رکھنے کی ضرورت پیش آ جاتی ہے۔ تو کیا کسی غفلند کو زیبا ہے کہ اس ضرورت کی حالت سے استناد کرے اور کہے کہ فلاں شخص کے یہاں پردہ کا رواج نہیں، میں نے اس کے متعلقین کو پہاڑ پر رہتے دیکھا ہے، جہاں بے روک ٹوک ہر شخص جاسکتا ہے۔

ثانیاً مدعا علیہ نے یہ کب کہا کہ اس مکان میں مردوں کا آنا کسی حال، کسی وقت میں ممکن ہی نہیں کہ بیان حلفی نمبر ۵ سے متناقض ہو، ”کوئی مرد نہیں آتا اور مردوں کی آمد و رفت نہیں ہوتی“ میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ دنیا میں وہ کون سا زنا نہ مکان ہے جس میں کبھی کسی عذرو حاجت کے سبب مرد نہیں آتے جاتے۔

ثالثاً مسل سے جس طرح نمبر ۵ بیان حلفی مدعا علیہ سن کر فیصلہ میں اس سے کام لیا ہے۔ کاش عرضی دعویٰ و بیان

تحریری بھی سن لیتے تو معلوم ہوتا کہ مدعی کا دعویٰ کیا ہے؟ اور اس کی کیا دلیل ہیں اور مدعا علیہ نے کیا جواب دیا ہے؟ اور کیا فائدہ اس کھڑکی کا بیان کیا ہے؟ اس وقت اس بات کے لکھنے کی ضرورت پیش نہ آتی کہ اس کے سوا اور کوئی ضرورت مدعا علیہ نے بیان نہیں کی۔ اگر انصاف نصب العین ہوتا تو جس قدر بیانات حلفی فریقین کی طرف سے داخل کئے گئے تھے ان سب کو مع عرضی دعویٰ و بیان تحریری کسی نا طرفدار، دیانتدار شخص سے ترجمہ کرا کر سننا تھا پھر مدعی و مدعا علیہ سے اس کی تصدیق کرا کے اس سے فیصلہ پر پہنچنا۔

(۱۲) مدعی کا یہ کہنا کہ ”ان مردوں اور مجھ سے ایسا رشتہ نہیں ہے کہ میرے یہاں کی عورتیں ان کے سامنے ہو سکیں۔“ محض عذر بارد ہے اور ذی علم ثالث کا اسے برقرار رکھنا تعجب خیز۔

اولا کتنے مرد ہیں جن سے شرعاً رشتہ سامنے ہونے کا نہیں ہوتا پھر بھی عورتیں ان کے سامنے ہوا کرتی ہیں۔
ثانیاً یہ کس نے کہا کہ جب کوئی شخص مدعا علیہ کی لڑکی کو دیکھنے آئے تو مدعی کی عورتیں اس کے سامنے آئیں۔ مریضہ کو دیکھنے کے لئے جب کوئی آئے گا، اطلاع کرے گا۔ جب مدعا علیہ کی عورتیں پردہ ہوں، مدعی کی عورتیں بھی اتنی دیر تک پردہ میں رہنے کی زحمت گوارا کریں۔ اس لئے کہ مدعا علیہ کے مکان میں اس کے رشتہ کی کئی عورتیں رہتی ہیں۔ اور ایک یا دو آدمی بھی ایسا نہ نکلے گا کہ وہ سب عورتیں اس کے سامنے ہوتی ہوں۔ تو ضرور ہے کہ ہر شخص کے لئے ایک نہ ایک عورت کو پردہ کے لئے اطلاع کی جائے۔

ثالثاً میں نے پہلے بھی لکھا ہے کہ ضرور تمند اپنے غرض کا باولا ہوتا ہے۔ جو رشتہ دار لوگ اس لڑکی کی علالت سے متاثر ہو کر اس کو دیکھنے کے لئے آئیں گے، انھیں لڑکی کی علالت کا خیال دامن گیر ہو گا یا اس وقت انھیں ادھر ادھر تارکے جھانکنے کا خیال پیش نظر ہو گا؟ خصوصاً جانے کی حالت میں تو ان لوگوں کی پیٹھ مدعی کے مکان کی طرف ہوگی اور رخ مریضہ کی کوٹھری کی طرف، جو مکان مدعی اور سیڑھی دونوں سے پورب اثر واقع ہے اور آتے وقت عورتیں پردہ میں ہوں گی۔ تو ان عیادت کرنے والوں سے بے پردگی کا دعویٰ محض تصنع ہے۔

رابعاً مدعا علیہ کے سہ منزلہ مکان یا اس کھڑکی سے اگر بے پردگی ہو سکتی ہے تو مدعی کے چھت کی، نہ مکان کی، اور چھت شریف عورتوں کے رہنے سہنے کی جگہ نہیں ہوتی۔ حدیث میں ہے: ”لا تسکنوہن العلالی“ عورتوں کو بالا خانہ پر نہ رکھو۔ اسی لئے علماء کرام نے مکان کی بے پردگی اور چھت کی بے پردگی میں فرق کیا ہے اور مکان کی بے پردگی کا خیال کیا کہ وہ عورتوں کے بود و باش کی جگہ ہوتی ہے۔

فصول عمادی جلد دوم ص ۱۲۱۰ میں ہے: ”رجل اشتری حجرة سطحها و سطح جارہ یستویان فاخذ جارہ یتخذ سترة بین السطحین لا یجبر علی ذلك لان الانسان لا یجبر علی البناء فی ملکہ۔ ولو اراد ان یمنعہ من صعود السطح حتی یتخذ سترة قالو ان کان فی صعودہ یقع بصرہ فی دار الجار کان لہ ان یمنع لان فیہ ضررا زائدا وان کان لا یقع بصرہ فی دارہ ولكن یقع بصرہ علیہم اذا کانوا علی السطح لا یمنعہ لانہما استویا فی

ضرر لانه ان كان يقع بصره عليهم في السطح يقع بصرهم عليه ايضا في السطح ذكر المسئلة على هذا
وجه في فتاوى ابى الليث وعلى قياس المسئلة التي تقدم ذكرها وهي ما اذا فتح صاحب البناء في جدار
لوه كوة ليس لصاحب الساحة ان يمنعه عنه ينبغي ان يقال في هذه المسئلة ليس للجدار حق منع عن
صعود وان كان يقع بصره في دار جاره الا يرى ان محمدا رحمه الله لم يجعل لصاحب الساحة حق منع
صاحب البناء من فتح الكوة في علوه مع ان بصره يقع في الساحة

”یعنی کسی شخص نے ایک کوٹھری خریدی جس کی سطح اور اس کے پڑوسی (کے مکان) کی سطح برابر ہے۔ پڑوسی نے
چاہا کہ وہ دونوں چھتوں کے درمیان میں دیوار بنائے (تاکہ اس کی بے پردگی نہ ہو) تو وہ شخص اس پر مجبور نہ کیا جائے گا
۔ اس لئے کہ کسی شخص کو اپنے ملک میں مکان یا دیوار بنانے پر مجبور کرنا جائز نہیں۔ اور اگر پڑوسی نے چاہا کہ جب تک یہ
پردہ کی دیوار نہ بنالے اس کو چھت پر چڑھنے سے منع کرے۔ علماء نے فرمایا کہ اگر اس کی نگاہ چڑھنے میں پڑوسی کے مکان
میں پڑتی ہے تو اس کو منع کرنے کا حق ہے کیونکہ اس میں سخت ضرر ہے۔ اور اگر اس کی نگاہ گھر میں نہیں پڑتی، لیکن جب وہ
لوگ چھت پر ہوں تو اس کی نگاہ ان لوگوں پر پڑتی ہے، تو اس کو نہیں روکے گا۔ اس لئے کہ وہ دونوں ضرر میں برابر ہیں۔ اس
لئے کہ اگر اس کی نگاہ چھت پر ان لوگوں پر واقع ہوتی ہے تو ان لوگوں کی نگاہ بھی اس پر واقع ہوگی، جب وہ شخص چھت پر
ہوگا۔ اس مسئلہ کو اس تفصیل کے ساتھ فتاویٰ فقیہ ابواللیث میں بیان کیا ہے اور مسئلہ سابقہ (یعنی جب کہ عمارت والا اپنے ہاں
خانہ کی دیوار میں روشندان کھولے تو صحن والے پڑوسی کو منع کرنے کا حق نہیں ہے) پر قیاس کر کے لائق ہے کہ اس مسئلہ میں
یوں کہا جائے کہ پڑوسی کو چڑھنے سے منع کرنے کا حق نہیں اگرچہ اس شخص کی نگاہ پڑوسی کے گھر میں پڑتی ہو۔ کیونکہ امام محمد
رضی اللہ عنہ نے صحن والے کو حق نہیں دیا کہ مکان والے کو کھڑکی کھولنے سے منع کرے باوجودیکہ اس کی نگاہ صحن میں پڑے
گی۔“ موافق ظاہر الروایۃ تو اس کو مطلقاً حق ممانعت ہی نہیں اور جن علماء نے استحساناً اس کو حق بھی دیا ہے، انہوں نے بھی چھت
کی بے پردگی کا عام طور پر بود و باش نہ ہونے کی وجہ سے خیال نہیں کیا اور پڑوسی کو اجازت نہ دی کہ چھت پر چڑھنے سے اس
شخص کو منع کرے۔ تو صورت واقعہ میں کب قابل لحاظ ہے۔

خامساً یہ سب صورتیں تو اس وقت تھیں اب تو ع وہ سر ہی ہم نہیں رکھتے جسے سودا ہوساماں کا، مضمون ہے۔ خداوند
عالم نے اس مکان کو منہدم فرما کر یہ قصہ ہی پاک کر دیا۔ اب مدعی کا مکان نئے سرے سے بن رہا ہے۔ کیا اچھا ہو کہ وہ واقف
کار قواعد تعمیر عمارت اتفاق وقت سے آجائیں اور مدعی ان کے مشورہ سے ایسے طرز پر مکان بنائے جس سے بے پردگی ناممکن
ہو۔ ہاں نفسانیت اور ہٹ کا علاج لقمان کے پاس بھی نہیں۔

(تعمیہ) فصول عمادی کی اس جامع عبارت نے نہ صرف چھت اور مکان کی بے پردگی کا فرق ہی ظاہر کیا بلکہ

اس مقدمہ کے اکثر حصہ کا فیصلہ بھی کر دیا۔ اس لئے کہ اس عبارت سے اتنے مسئلے معلوم ہوئے:

(۱) کوئی شخص اپنے ملک میں مکان یا دیوار بنانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) کسی شخص کے چھت پر چڑھنے سے اگر مکان کی بے پردگی ہوگی تو دیوار بنائے جانے تک اس شخص کو اگر منع بھی کر سکتے ہیں تو چھت پر چڑھنے سے اور اگر دوسرے کی چھت کی بے پردگی ہوتی ہے تو اصلاً حق منع نہیں۔

(۳) بے پردگی دفع کرنے کو دیوار وہ شخص بنائے جس کی بے پردگی ہوتی ہو۔

(۴) قابل لحاظ پڑوسی، کاخت نقصان ہے۔ جس کو بعض کتابوں میں ضرر بین، بعض میں ضرر فاحش، بعض میں ضرر زائد سے تعبیر کیا ہے، نہ معمولی ضرر جس کا دفع اسے آسان ہو۔

(۵) ضرر مشترک قابل لحاظ نہیں ہے۔ اگر زید کے مکان سے عمرو کا مکان بے پردہ ہو اور عمرو کے مکان سے زید کا تو دونوں اپنا اپنا انتظام کر لیں۔

(۶) مسئلہ مقدمہ جس کے قیاس پر اصلاً حق منع نہ دیا، وہ مسئلہ ہے جسے اسی صفحہ میں اس مسئلہ سے متصل ذکر کیا ہے: ”

وفی کتاب القسمة اذا وقع لرجل بالقسمة بناء وللآخر ساحة لا بناء فيها ففتح صاحب البناء فی جدار علوه كوة وطالبه صاحب الساحة بسدها فليس له هذه المطالبة ولا يجب على صاحب البناء سد الكوة لانه بفتح الكوة تصرف فی ملكه من غير ان اتلف على صاحب الساحة شيئاً من ملكه او منفعة ملكه الا يرى انه لو رفع جميع جدار علوه كان له ذلك فاذا فتح كوة كان اولی۔“

”یعنی اور نوازل کی کتاب القسمة میں ہے کہ جب تقسیم سے ایک شخص کے حصہ میں مکان پڑا اور دوسرے کے حصہ میں صحن آیا۔ مکان والے نے اپنے بالا خانے کی دیوار میں روشندان کھولا اور صحن والے نے اس کے بند کرنے کا مطالبہ کیا تو اس شخص کو اس مطالبہ کا حق نہیں۔ اور مکان والے پر اس روشندان کو بند کرنا ضروری نہیں۔ کیونکہ روشندان کھولنے سے اس نے اپنے ملک میں تصرف کیا بغیر اس بات کے کہ صحن والے کی ملک یا منفعت میں کچھ نقصان کرے۔ کیونکہ اگر وہ اپنے بالا خانے کی کل دیوار ہٹا دیتا تو اس کو یہ جائز تھا۔ تو روشندان کھولنا بدرجہ اولیٰ۔ اس عبارت نے کس قدر وضاحت سے بتا دیا کہ وہ دو شخص کہ ایک وقت میں شریک تھے اور بعد تقسیم جار ملاصق ہیں۔ جب ایک شخص کو بالا خانہ کی دیوار میں روشندان کھولنے سے دوسری کی وجہ سے منع کرنا جائز نہیں تو اس مقدمہ میں کہ مدعی نہ مدعا علیہ کا جار ہے، نہ اسے حق جوار، دونوں کے درمیان مدعا علیہ کا سرالی وسیع مکان حاکل ہے۔ باوجود ان تمام باتوں کے مدعا کی کھڑکی بند کرانا کس درجہ ظلم صریح ہے۔

(۱۳) ذی علم ثالث کا یہ فرمانا کہ ”مدعی نے مکان مدعا علیہ کے نیچے طبقہ کے متعلق مکان زنا نہ کے صحن سے ایک وسیع کھڑکی مجھے دکھائی الخ“

اولاً اس کا منشاء وہی حقوق ضرورت و حاجت و منفعت و زینت سے تغافل یا ذہول ہے۔ اگر یہ امر پیش نظر رہتا کہ کسی شخص کو اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف حق ضرورت و حاجت پر مجبور و مقصور نہ کیا بلکہ منفعت اور زینت کی بھی اجازت دی ہے تو ہرگز اس قسم کی دوراز کار باتیں لکھنے کی نوبت نہ آتی۔ مدعی نے جس وقت اس کھڑکی کے

دکانے کا قصد کیا تھا، ثالث صاحب کو کہنا تھا کہ شاید آپ اپنا اور میرا منصب بھول گئے۔ آپ اس مقدمہ میں مدعی ہیں اور میں ثالث۔ آپ کا کام اپنا دعویٰ پیش کر کے مدلل کرنا ہے اور میرا کام فیصلہ دینا۔ آپ یا ہم مدعا علیہ کے مشیر نہیں کہ ان کو اپنے سرال آنے جانے کے راستہ کی بابت مشورہ دیں کہ یہ راستہ آسان ہے یا وہ، اور اس میں بنانا اور کچھ خرچ کرنا پڑے گا اور اس میں نہیں، یوں تو بیسیوں رائیں آپ کو میں ایسی بتا سکتا ہوں جس میں آپ کی بے پردگی جاتی رہے اور اس کھڑکی کے بند کرنے کی نوبت نہ آئے مگر اس وقت ہمارا یہ فرض منصبی نہیں۔

ثانیاً نمبر ۵ بیان حلفی مدعا علیہ سے اس قدر فقرہ کہ ”اس کو دیکھنے کے لئے ہمارے دوست احباب آیا کرتے ہیں جو موافق مدعی تھا، خیال رہا اور اسی کے متصل کی عبارت کہ ”بلحاظ ہوا صاف لینے کے مدعا علیہ کی لڑکی برابر چھت اور کوٹھری پر رہتی ہے“ جسے فیصلہ میں نقل بھی کیا ہے، یک دم دل سے بھلا دیا۔ ورنہ ذی علم ثالث کے نزدیک اگر وہ لڑکی ہمیشہ کوٹھری اور چھت پر رہتی ہے، جس کلیت اور عموم سے تناقض ثابت کرنا چاہا تو یہ بات ادنیٰ تاہل سے بآسانی سمجھ میں آ جانے کی ہے کہ اس سہ منزلہ پر رہنے والی کے لئے پانچ قدم اتر کر اپنے ناناہال جانا آسان ہے یا وہاں سے ایک منزل نیچے اترے پھر دس پندرہ قدم چل کر دادی کا مکان کھلوائے، اس کے بعد پھر کچھ چل کر دوسری کھڑکی ناناہال کی طرف کی کھلوائے، پھر ایک مسافت طے کر کے اسی چھت کے سامنے واپس آئے، یہ تو مغل سرائے ہو کہ شہرام سے گیا جانا ہوا۔ زیادہ مناسب ہونے کی وجہ کا زیادہ تر تعلق فن انجینیری سے ہے۔ اسے تو شاید کوئی انجینیر صاحب سمجھیں گے یا شاید اتفاق وقت سے آ جانے والے وہ واقف کار قواعد تعمیر عمارت۔ ورنہ ادنیٰ عقل والا بھی جانتا ہے کہ جہاں جہت ایسی قریب ہو اور آنے جانے کی بکثرت حاجت پڑتی ہو، وہاں ایک مرتبہ کچھ صرف کر کے چند سیڑھی بنوا لینا آسان ہے، جس کے بعد آنے جانے میں صرف چند قدم کی مسافت رہے۔ یا ایک روپیہ کی پینا کا تو خیال کیا جائے اور برابر آمد و رفت میں ایک مسافت طے کی جائے وہ بھی دو دو جگہ قیام کر کے کہ وہ دونوں کھڑکیاں ہمیشہ بند رہتی ہیں، ورنہ وہ مکان بالکل غیر محفوظ ہو جائے۔

(۱۴) ذی علم ثالث کا یہ فرمانا کہ ”اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ مکان جس میں وسیع کھڑکی ہے، مدعا علیہ کی والدہ کے رہنے کا مکان ہے، کسی غیر کا مکان نہیں۔ اور قرینہ سے معلوم ہوتا ہے بزرگان مدعا علیہ الخ“ عجیب منطق اور نئی شریعت ہے۔

اولاً آج تک تو یہ معلوم تھا کہ انت و مالک لابیك۔ اب شاید نئی حدیث نکلی ہے: ”انت و مالک لابیك“ اگر وہ مکان مدعا علیہ کے بیٹے کا ہوتا جب بھی شرعاً بے اس کے اذن کے اسے اس میں تصرف ناجائز ہوتا۔ اور اگر وہ خاطر یا لحاظ سے اذن دے دیتا جب بھی دینا ناجائز ہوتا کہ املاک متماز ہیں ورنہ تو ریث باطل ہو، نہ کہ وہ مکان جس میں نہ صرف مدعا علیہ کی والدہ بلکہ اس کے اور بھائی بھی متعلقین کے رہتے ہیں۔ اس مکان کو مدعا علیہ کا اپنا مکان بتانا عجیب دانشمندی ہے۔

ثانیاً اولاد کے ساتھ والدین کے جو کچھ تعلقات ہوتے ہیں، ان کے مقابل کسی ایک قطعہ مکان کی کوئی بستی نہیں۔ مگر جب جدائی ہو جاتی ہے تو ہر شخص اپنی چیز کو خالص اپنی ملک سمجھتا ہے۔ جیسا کہ باپ بیٹوں میں مخالفت کی حالت پیش نظر رکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں۔ ہاں اگر مدعا علیہ اپنی والدہ کے ساتھ رہتا تو یہ بات قدرے معقول تھی۔ ذی علم ثالث

کا خیال کہ ”بزرگان مدعا علیہ کے وقت سے وہی راہ عورتوں کے آمد و رفت کے لئے ہے“ میرے نزدیک بھی صحیح معلوم ہوتا ہے مگر محلہ داری یا معمولی رشتہ داری کی آمد و رفت شاذ و نادر ہوا کرتی ہے اور مدعا علیہ کے سرالی تعلق کی وجہ سے اس کے علاوہ ایک اور خاص جدید رشتہ قائم ہو گیا، جس نے اس امر کی ضرورت ظاہر کی کہ والدہ مدعا علیہ سے وہی قدیم رشتہ داری کی وجہ قدیم راستہ آمد و رفت کا برقرار رہے اور مدعا علیہ سے جدید تعلق کی وجہ سے آنے جانے کی ضرورت حسب عادت زمانہ بہت زیادہ ہو گئی۔ خصوصاً مدعا علیہ کی اولاد کے لئے تو گویا دونوں مکان ایک ہی حیثیت رکھتے ہیں یعنی اگر یہ والد کا مکان ہے تو وہ والدہ کا۔ تو ایسی حالت میں آمد و رفت کے لئے قریب تر راستہ اختیار کرنا مناسب ہے یا دوسرے مکان ہو کر انسب۔ اور نزاع جاتی رہنے کی از روئے مصالحت یہ تجویز بتانا کہ کھڑکی بند کر دیجئے اور قدیمی راہ سے آمد و رفت جاری رکھئے، عجب دانائی ہے۔؟ ذی علم ثالث کو خیال کرنا تھا کہ مخالفت کا اصل منشاء تو یہی ہے کہ مدعی اپنی ضد اور نفسانیت سے خواہش کرتا ہے کہ یہ کھڑکی بند ہو جائے اور مدعا علیہ کہتا ہے کہ میں کون سے حکم شرعی سے اس بات پر مجبور کیا جاتا ہوں۔ اگر آپ کی بے پردگی ہوتی ہے تو اپنی شرعی دیوار بلند کر لیجئے، جس طرح میں نے اپنی بے پردگی دفع کرنے کو غربی دیوار اونچی کر لی ہے۔ جب اس مصالحت میں بھی مدعی اپنی ناجائز ہٹ پر باقی رکھا گیا اور مدعا علیہ خلاف شرع و عقل اپنے ایک جائز حق سے مجبوراً محروم کیا گیا تو یہ محض حکماً مدعی کو ڈگری دینا ہوا یا برضا مندی و صلح باہمی تصفیہ کرنا؟۔

(۱۵) ذی علم ثالث کا یہ فرمانا کہ ”یہ عذر میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اپنی والدہ کے مکان کو (الی قولہ) غیر کا مکان کیوں قرار دیا۔“ از روئے انصاف ارشاد ہو کہ اور کون سی بات آپ کی سمجھ میں آئی ہے جو ایک اس کے سمجھ میں نہ آنے کے شاک کی ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر منصفانہ حیثیت سے آپ اپنے اس فیصلہ پر ایک نگاہ فرمائیں گے تو خود اقرار کر لیں گے کہ میں نے نہ دعویٰ سمجھا ہے نہ جواب دعویٰ سمجھا، نہ اظہار سمجھا نہ بیان حلفی سمجھا، نہ اصل منشاء مقدمہ سمجھا نہ مدعی کی ہٹ دھرمیوں کو سمجھا، نہ مدعا علیہ کے معقول عذروں کو سمجھا نہ مسالک فقہاء کو سمجھا، نہ کتب فقہیہ کی عبارتوں کو سمجھا نہ اپنی پیش کردہ عبارتوں کو سمجھا، جب اتنی باتیں سمجھ میں نہ آئیں تو ”این ہم بر سر علم“ ایک یہ بھی نہیں سمجھا کہ مدعا علیہ نے اپنی والدہ کے مکان کو غیر کا مکان کیوں قرار دیا۔ ورنہ وجہ ظاہر ہے کہ والدہ مدعا علیہ، نہ عین مدعا علیہ ہیں نہ جزء مدعا علیہ، تو اگر مدعا علیہ نے غیر کہا تو کیا جرم کیا؟ علاوہ بریں اپنا مکان دو ہی طرح کہا جاسکتا ہے۔ یا وہ مکان اس کا مملوک ہو یا اسے شرعاً حق سکونت و منفعت ہو۔ اور جب وہ مکان مدعا علیہ کی والدہ کا ہے جس میں وہ مع اپنے بیٹوں کے رہتی ہیں۔ تو مدعا علیہ اس کو اپنا مکان کس طرح

کہہ سکتا تھا؟ وقد صرح فی الاشباہ ص ۵۳۲: ”ان اجتماع الملکین فی محل واحد محال۔“

(۱۶) ذی علم ثالث کی یہ انوکھی تجویز کہ ”الماری توڑ کر کھڑکی بنائی جائے اور اس کو بطور صلح باہمی کہنا“ نیا تفقہ ہے۔

اولاً صلح وہ عقد ہے جو بتراضی فریقین رفع منازعت کے لئے موضوع ہو۔

فتاویٰ عالمگیری جلد ۴ ص ۳۱۳ میں ہے: ”اما تفسیرہ شرعاً فهو انه عقد وضع لرفع المنازعة بالتراضی

كما فی النہایة۔“

اور یہاں ذی علم ثالث کی تجویز ہے پھر وہ بطور صلح کیونکر ہو سکتا ہے؟ یہ تو مدعی کو پوری ڈگری دے کر مدعا علیہ کو ایک مشورہ دینا اور زبان حال سے کہنا ہے کہ میں آپ کا ایسا خیر خواہ ہوں کہ آپ کو ایک جائز حق سے مجبوراً صرف روکتا ہی نہیں ہوں بلکہ آپ کی بنی بنائی الماری بگاڑنے کی بھی راہ بتاتا ہوں اور طرفہ احسان کہ اس کا نام صلح باہمی رکھ کر تمہیں بد دل ہونے سے بچاتا ہوں۔

ثانیاً شرائط صلح سے ہے کہ مصالح علیہ یعنی جس چیز پر صلح کی جائے، مال ہو۔ اگر اس کے قبضہ کی ضرورت ہے تو مال معلوم ہونا چاہئے اور اگر قبضہ کی حاجت نہیں تو معلوم و مجہول دونوں ہو سکتا ہے۔ بہر حال مصالح علیہ کا مال ہونا ضرور۔ عالمگیری ص ۳۱۳ میں ہے: ”واما شرائطه فانواع (الی ان قال) ومنها ان یکون المصالح علیہ مالا معلوما ان کان یحتاج الی قبضه وان کان لا یحتاج الی قبضه فشرطه ان یکون المصالح علیہ مالا سواء کان معلوما او مجهولا هکذا فی المحيط“

اور یہاں سرے سے مصالح علیہ ہی مفقود پھر بھی صلح موجود۔

ثالثاً صلح کا خلاصہ، مطلب مدعی کا کچھ لے کر اپنے کل یا جزء دعویٰ سے باز آ جانا ہے اگر کل دعویٰ پر قائم رہے تو صلح کس بات سے ہوئی؟ یہاں دعویٰ رفع بے پردگی تھا۔ اس کے کون سے جزء سے مدعی باز آیا؟ کیا تمام و کمال بے پردگی جائز رکھی یا آدمی، پھر صلح یعنی چہ؟

رابعاً صلح کا حکم مدعی کے لئے مصالح علیہ کا مالک ہو جانا ہے۔

بحر الرائق جلد ۷ ص ۲۷۸ میں ہے: ”وحکمه فی جانب المصالح علیہ وقوع الملك فيه للمدعی سواء کان المدعی علیہ مقرا او منکرا وفي المصالح عنه وقوع الملك فيه للمدعی علیہ ان کان مما یحتمل التملیک کالمال وکان المدعی علیہ مقرا به وان کان مما لا یحتمل التملیک کالقصاص وقوع البرائة“۔ الماری کو کھڑکی بنالینے میں مصالح علیہ میں کون سی ملک مدعی کو ثابت ہوئی؟ اور شی جب اپنے حکم سے خالی ہو، باطل ہے۔ لہذا اسے صلح کہنا محض لا حاصل ہے۔

خامساً علماء کرام نے تصریح فرمائی کہ اگر کسی شخص نے ایک قطعہ مکان کا دعویٰ کیا پھر اس میں سے ایک گھریا کسی ایک حصہ پر صلح واقع ہوئی تو یہ جائز نہیں۔ کیونکہ جس چیز پر اس نے قبضہ کیا وہ اس کے حق کا ایک جز ہے تو باقی میں اپنے دعویٰ پر قائم ہے۔

ہدایہ جلد ۳ ص ۲۲۵ میں ہے: ولو ادعی دارا فصالح علی بیت او قطعة منها لم یصح الصلح لان ما قبضه من عین دعواه فی الباقی۔ مکان کے دعویٰ میں اسی مکان کے ایک گھر پر صلح کرنے کو صلح نہیں قرار دیا تو مدعی کو پوری ڈگری دے کر پھر اس کا صلح نام رکھنا ذی علم ثالث کی کمال فقہ دانی ہے۔

سادساً جس مسئلہ کا جزئیہ کتب فقہ میں مصرح نہ ہو مثلاً تار، بیمہ، منی آرڈر، نوٹ، سیونگ بینک وغیرہ، عالم سے

اس میں غلطی ہو جائے تو چنداں جائے تعجب نہیں۔ حد سے زیادہ اس وقت ہوتا ہے کہ مدعی علم باوجود روشن تصریحات علماء کے کسی کی حمایت میں ایجاد بندہ سے کام لیتا ہے۔ اس وقت کی غلطی، غلطی نہیں کہی جاتی بلکہ خود اسی کے الفاظ پکاراٹھتے ہیں کہ یہ کچھ اور ہے۔ یہ مسئلہ کوئی ایسا نہ تھا کہ کتب فقہیہ میں کہیں مصرح نہ ہو۔

فتاویٰ عالمگیری جلد ۴ ص ۳۵۱ میں فتاویٰ ظہیریہ سے اور فتاویٰ فقیہ النفس قاضیخان جلد سوم ص ۱۹۰ میں ہے: "واللفظ للخانية" رجل له باب في غرفة او كوة فخاصمه جاره فصالحه على دراهم معلومة يدفعها الجار ليرك الكوة ولا يسدها كان ذلك باطلا لان الجار ظالم في منع صاحب الكوة عن الانتفاع بمال نفسه فانما ياخذ المال فكيف عن الظلم والكف عن الظلم واجب وكذا لو كان الصلح بينهما على ان ياخذ صاحب الكوة دراهم معلومة ليسد الكوة والباب كان باطلا لان الجار انما دفع المال ليمتنع صاحب الكوة عن التصرف في ملكه والانتفاع بمال نفسه لا على وجه الازالة والتملك من الغير وذلك باطل " کسی شخص کے بالا خانہ میں دروازہ یا روشندان ہے۔ اس کے پڑوسی نے اس سے جھگڑا کیا۔ اس نے کچھ روپیہ دے کر پڑوسی سے صلح کی کہ اس روشندان کو رہنے دے اور بند نہ کرے۔ تو یہ صلح باطل ہے اس لئے کہ وہ پڑوسی ظالم ہے کہ روشندان والے کو اپنے مال سے نفع اٹھانے سے روکتا ہے۔ تو یہ روپیہ اس لئے لیتا ہے تاکہ ظلم سے رکنا تو اسے یونہی واجب ہے۔ اسی طرح اگر ان میں صلح اس طرح ہو کہ روشندان والا کچھ روپیہ لے کر اس روشندان یا دروازہ کو بند کر دے جب بھی باطل ہے۔ کیونکہ پڑوسی اس لئے روپیہ دیتا ہے کہ روشندان والا اپنے مال میں تصرف کرنے اور اپنے مال سے نفع اٹھانے سے بغیر ازالہ و تملیک غیر روکا جائے اور یہ باطل ہے۔ غرض کھڑکی کی صورت میں کسی طرح صلح صحیح نہیں۔ اگر بغیر مال صلح کیا جب باطل اور اگر مدعی مال لے کر کھڑکی کو رہنے دیتا ہے جب باطل اور اگر مدعا علیہ مال لے کر کھڑکی بند کرتا ہے جب باطل۔ تو ذی علم ثالث کا صلح تجویز فرمانا، مدعی مدعا علیہ دونوں کا نقصان کرنا، خلاف شرع راہ دکھانا ہے، جس کے باطل ہونے کی فقہائے کرام تصریح فرما چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے علمائے کرام پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے کہ ساڑھے سات سو برس پہلے کیسا جزئیہ تحریر فرمایا جس نے نہ صرف صلح ہی کا خاتمہ کیا بلکہ سرے سے مقدمہ کا بھی فیصلہ کر دیا کہ ایسا شخص ظالم ہے کہ کھڑکی کے مالک کو اپنے مال سے نفع اٹھانے سے منع کرتا ہے۔ وفات امام قاضیخان کی ۵۹۲ ہجری میں ہے۔

سابغایہ ساری خرابیاں اس کی ہیں کہ ذی علم مجوز جیسا کہ نمبر ۷ میں گزرا شروع ہی سے الٹی چال چلے ہیں۔ اب جس طرف جاتے ہیں مقاصد شرع و قوانین عقل سے اور دوری ہوتی جاتی ہے۔ ورنہ اگر ٹھیک راہ چلتے اور حق بھگدار پہونچانا صحیح نظر ہوتا تو مدعی سے دریافت کرنا تھا کہ آپ کا مقصد اصلی کیا ہے؟ بے پردگی سے بچنا یا پردہ؟ بے پردگی سے بحث نہیں۔ مدعا علیہ نے جو اپنی دیوار میں کھڑکی لگائی ہے، اس کو بند کرانا۔ بر تقدیر اول رائے صائب اور بے مثل فیصلہ تھا کہ جس طرح مدعا علیہ نے خود آپ کے اقرار کے بموجب اپنی بے پردگی دفع کرنے کو غربی دیوار بلند کر لی ہے، آپ بھی اپنی بے پردگی

دفع کرنے کو اپنی شرعی دیوار بلند کر لیجئے، بے پردگی جاتی رہے گی۔ بر تقدیر دوم صاف معلوم ہو جاتا کہ مدعی متعنت ہے، دعویٰ خارج کیا جاتا۔ اس صورت میں ذی علم ثالث کو اس قسم کی دور از کار باتوں کا سامنا نہ ہوتا کہ اس فیصلہ کا دیکھنے والا تعجب سے کہتا ہے: ”یہ ثالث صاحب ہیں یا مدعی کے وکیل یا مدعا علیہ کے مشیر“۔ ورنہ جس طرح مدعا علیہ کو مشورہ دیا تھا کہ اس کھڑکی کو بند کر دیجئے، والدہ کے مکان ہو کر جو قدیم راہ ہے اسی کو برقرار رکھئے یا الماری توڑ کر کھڑکی بنا لیجئے اور اس کھڑکی کو بند کر دیجئے۔ اسی طرح دو ایک صورتیں بطور صلح باہمی مدعی کے لئے بھی تجویز کرتے کہ یہ قصہ تو اس مکان کا تھا۔ اب نئے سرے سے مکان بنا رہے ہیں، اس وضع سے بنائیے کہ بے پردگی نہ ہو یا اگر مدعا علیہ نہیں مانتے تو آپ ہی اپنی شرعی دیوار اونچی کر لیجئے، بے پردگی جاتی رہے گی یا یہ بھی نہ سہی تو اپنے قدیم رفیق جن کو رائے دے کر مقدمہ دائر کرایا تھا انھیں کو کہئے کہ وہ اپنی دوستی کی دیوار اونچی کر ڈالیں۔ ان کا بھی پردہ ہو جائے گا اور آپ کی بھی بے پردگی جاتی رہے گی۔ تب معلوم ہو جاتا کہ مدعی صاحب ان رایوں کو مانتے ہیں یا نا منظوری کی کیا وجہ بتاتے ہیں؟۔

(۱۷) ذی علم ثالث کا فرمانا ”اس کے بعد مدعا علیہ نے یہ عذر پیش کیا کہ جیسی کھڑکی متنازعہ فیہ ہے الخ“ رفع نزاع کی بے مثل صورت اور مقبول عام فیصلہ دینے کی راہ جیسی یہ تھی، شاید دوسری نہ ہو۔ مدعا علیہ کا مطلب یہ ہے کہ بے پردگی کا الزام اگر میرے کسی فعل سے ہے تو وہ ثابت نہیں اور اگر محض کھڑکی کی وجہ سے اس کا خیال کیا جاتا ہے تو ایک ایسی ہی کھڑکی ان دونوں مکانوں میں بھی ہے۔ تو یہ دونوں کھڑکیاں بند کر دی جائیں کہ یہ قصہ ہی پاک ہو جائے اور ایک فتنہ کہ آئندہ کسی وقت اٹھنے والا ہو، ابھی سے اس کی جڑ کٹ جائے۔ مگر افسوس کہ اس وقت کے بیانات قلمبند نہ کرنے کی وجہ سے باتیں بہت بدل کر لکھی گئیں۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ جب مدعا علیہ نے یہ عذر پیش کیا، معقول عذر ہونے کی وجہ سے مدعی کو صاف لفظوں میں انکار کی گنجائش نہ تھی۔ مگر کمال طلاقت لسانی سے کہا کہ اگر... حلفا کہہ دیں کہ مجھے بھی اس کھڑکی سے بے پردگی و تکلیف کا اندیشہ ہے تو میں ابھی بند کر دیتا ہوں جب... نے حلفا اس امر کو بیان کیا تو اب بموجب اقرار کھڑکی بند کرنا چاہئے تھا۔ مگر نفسانیت کا خدا برا کرے کہ اس نے بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا... کے انداز اور رخ کو دیکھا کہ وہ لفظ بلفظ اپنے بڑے بھائی کے ساتھ فوراً پلٹے اور کہا کہ... آپ کیا کہتے ہیں اس پر انھوں نے انکار کیا اور چھوٹے بھائی... نے بھی انہیں کا ساتھ دیا کہ نہ مجھے اس کھڑکی سے اس وقت تک تکلیف پہونچی، نہ آئندہ اندیشہ ہے۔ یہ دونوں روشن دان جو آپ نے کھولے ہیں ان کو بند کر دیجئے۔ اس سے میری بے پردگی ہوتی ہے۔ اس وقت کے بیانات قلمبند نہ ہونے کی وجہ سے ذی علم ثالث نے اسے تینوں بھائیوں کے اقرار حلفی پر مشروط کرنا لکھا ہے۔ حالانکہ مدعی نے شرط کرنے میں مبالغہ اور چھوٹے کا تذکرہ تک نہیں کیا تھا۔

ثانیاً یہ کون سی شریعت کا حکم ہے کہ جب تک تین شخص کی بے پردگی نہ ہو یا تین آدمی بے پردگی کے دعویدار نہ ہوں، عذرنا مسموع ہوگا۔ کیا ایک شخص کی بے پردگی قابل لحاظ نہیں؟ مانا کہ مدعی نے یہی کہا تھا تو ذی علم ثالث کا فرض تھا کہ مدعی کو سمجھاتے کہ یہ مجھے تسلیم ہے کہ یہ دونوں بھائی اس کھڑکی کی وجہ سے بے پردگی کے شاک میں نہیں اور آئندہ کے لئے بھی۔

دستاویز دے رہے ہیں، مگر یہ مدعی نہیں کہ ان کا اقرار کافی ہو۔ مدعی تیسرا شخص ہے، ان کے اقرار کا اس پر کیا اثر پڑتا ہے۔ معہذا بے پردگی مختلف ہے۔ ممکن کہ ایک بھائی کے متعلقین کی جن لوگوں سے بے پردگی ہو، دوسری کی نہ ہو یا ایک بھائی روا نہ رکھے دوسرا سے گوارا کرتا ہو، تو آپ کو ان کے اقرار سے کیا فائدہ تو جب ایک شخص خصوصاً وہ کہ ان سب سے بڑا اور اہل علم ہے اور اہل علم ہی کو پردہ کا خیال زائد ہوتا ہے، وہ بے پردگی کا اندیشہ ظاہر کرتا ہے تو بے شک آپ کو بند کر دینا چاہئے کہ کسی ایک کی بھی بے پردگی شرعاً جائز نہیں۔

ثالثاً بیان حلفی کے الفاظ بھی جو ذی علم ثالث نے بنائے ہیں ضحکہ اطفال ہیں ”کہ جیسا کہ مجھے نئی کھڑکی سے تکلیف و اندیشہ بے پردگی ہے، ویسی ہی تکلیف ان لوگوں کو بھی اس کھڑکی سے پہونچتی ہو یا اب تکلیف پہونچنے کا اندیشہ ہو تو باوجود ان تمام تفرقوں کے ہم کو بند کر دینے میں عذر نہ ہوگا“ یعنی نفس بے پردگی قابل لحاظ نہیں، جس کی وجہ سے مدعی کی کھڑکی بند ہو سکے بلکہ جس قسم کی تکلیف مدعی کو پہونچتی ہے اور آئندہ پہونچنے کا اندیشہ ہے، اسی قسم کی تکلیف پہونچتی ہو یا پہونچنے کا اندیشہ ہو تو البتہ یہ کھڑکی بند کی جاسکے گی۔ شاید اسی وجہ سے مدعی کے مکان کے وہ دونوں روشندان جن کے بند کرنے لئے... نے کہا تھا بند نہیں کئے گئے کہ اس سے اگرچہ تکلیف پہونچتی ہے مگر اس قسم کی تکلیف نہیں پہونچتی، نہ آئندہ اندیشہ ہے۔

رابعاً قدیم و جدید، مسلم و مقبول، نامسلم و نامنظور کا تفرقہ ہرگز مدعی نے نہیں دکھایا تھا۔ اور اگر بالفرض یہ تفرقہ پیش کئے بھی ہوتے تو ذی علم ثالث کو خلاف شرع ہونے کی وجہ سے قلم زد کرنا تھا۔ جیسے بہت سی باتیں کہ حسب تحریر ذی علم ثالث اس جلسہ میں ہوئیں اور لغو جان کر ذی علم ثالث نے نہ لکھیں۔

ردالمحتار جلد ۴ ص ۶۷۳ میں ہے: ”قال الخیر الرملی و اقول لا فرق بین القديم والحديث حیث کانت

العلّة الضرر البین لوجودھا فیہما“۔

اسی ردالمحتار ص ۲۳۰ میں جہاں سے تھوڑی سی عبارت ذی علم ثالث نے نقل بھی کی ہے: وانظر ما لو کانت دار

قدیمة بهذا الوصف هل للجیران الحادثین ان یغیروا القدیم عما کان علیہ۔ قلت الضرر البین یزال ولو قدیما کما افتنی به العلامة المہمنداری ومثله فی حاشیة البحر للخیر الرملی من کتاب القضاء کما فی کتاب الحیطان من الحامدیة۔

غرض اگر یہ ضرر بین ہے تو اس کے مقابل یہ تفرقہ محض لغو ہیں اور اگر بین نہیں تو دعویٰ ہی راساً بالاتفاق باطل و

مدفوع ہے۔ جس طرح ظاہر الروایۃ و مذہب ائمہ مذہب میں مطلقاً مسموع ہے۔

(۱۸) حاکم اور حکم کو چاہئے کہ فریقین کے ساتھ بالکل یکساں برتاؤ کرے۔ ایک مرتبہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ

عنه اور کسی شخص سے کچھ خلاف ہو گیا۔ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنه کی بارگاہ میں یہ قصہ پیش ہوا۔ آپ نے یا علی کے بدلے یا

ابا الحسن کہہ کر خطاب کیا، جس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنه ناخوش ہوئے کہ آپ کو نام لے کر پکارنا تھا، آپ نے مجھے کنیت

سے کیوں یاد فرمایا؟

مستطرف جلد اول ص ۱۳۷ میں ہے: ”ادعی رجل علی علی عند عمر رضی اللہ عنہما وعلی جالس فالتفت عمر الیہ وقال یا ابا الحسن قم فاجلس مع خصمک فقام فجلس مع خصمه فتناظرا وانصرف الرجل ورجع عنی الی مجلسہ فتبین لعمر التغبیر فی وجہ علی فقال یا ابا الحسن مالی اراک متغبیرا؟ اکرهت ما کان؟ قال نعم قال وما ذاک قال کنیتی بحضرة خصمی هلا قلت یا علی قم فاجلس مع خصمک فاخذ عمر براس علی رضی اللہ عنہما فقبلہ ثم قال بانی انتم بکم ہدانا اللہ وبکم اخرجنا من الظلمت الی النور۔

اور یہاں ذی علم ثالث کا ایک طرفہ انداز شروع تحریر سے ظاہر۔ خصوصاً اس موقع پر تو حد کردی۔ بالفرض مدعی نے تینوں بھائیوں کے بیان حلفی پر معلق کیا تھا مگر وہ لوگ آپس میں مختلف ہو گئے۔ کسی نے اقرار کیا، کسی نے انکار۔ تو از روئے انصاف اس کو اس طرح لکھنا تھا کہ اس پر تینوں بھائیوں میں اختلاف ہوا۔۔۔ نے اظہار تکلیف و اندیشہ بے پردگی کا کیا مگر ان کے دونوں بھائیوں نے کہا کہ ہمیں اس کا اندیشہ نہیں۔ مگر بجائے اس کے فیصلہ میں اس کو اس طرح تعبیر کیا کہ ”اس پر بکو میاں نے اظہار تکلیف و اندیشہ بے پردگی دختران مدعا علیہ کیا۔ پر ان کے دونوں بھائی یحییٰ میاں اور معین میاں نے بکمال کشادہ پیشانی حلفاً کہا کہ آج تک کوئی تکلیف یا بے پردگی ہوئی ہے، نہ آئندہ کو ایسا اندیشہ ہے۔“ ایک بھائی کے بیان کو کہ خلاف مدعی تھا، ایسے مرے گرے لفظوں سے تعبیر کیا اور ان دونوں کا بیان موافق مدعی ہونے کی وجہ سے بکمال کشادہ پیشانی اور حلفاً کے زیوروں سے مزین کر کے لکھا۔ حالانکہ اگر مدعی نے تینوں سے حلفاً بیان کرنے کو کہا تھا تو۔۔۔ کا بیان بھی حلفاً ہی ہوا ہو گا اور ضرور حلفاً ہوا، جب تو مدعی و ثالث نے اسے تسلیم کیا۔ تعجب ہے کہ۔۔۔ اور۔۔۔ نے کس طرح ایسی لغو بات حلفاً بیان کی۔ مگر اس سے زیادہ تعجب اور حیرت کی بات ہے کہ ذی غم ثالث نے اس خلاف شرع و عقل بات کو کس کمال کشادہ پیشانی سے قبول کیا اور اس کا کیسا پر جوش استقبال کیا ہے۔ حالانکہ ادنیٰ عقل والا جانتا ہے کہ جو امر ممکن ہو یعنی اسے وجود و عدم دونوں سے یکساں نسبت ہو تو چاہے وہ کیسا ہی مستبعد ہو مگر کوئی شخص از پیش خویش اس کے عدم وقوع پر جزم نہیں کر سکتا، نہ کہ جو کلام مثلاً زید کی قدرت میں ہو، اس پر عمر و کو اس جزم کی کیا سبیل کہ وہ کبھی اس کام کو نہیں کرے گا۔ یہاں تک کہ زید اگر بقسم بھی کہے کہ میں فلاں کام نہیں کروں گا پھر یہی عمر و اگر چہ اس کے صدق کا کیسا ہی معتقد ہو، قسم کھا کر نہیں کہہ سکتا کہ زید اس کام کو کبھی نہیں کرے گا، مجھے اس کا اندیشہ بھی نہیں۔ اور اگر قسم کھالے تو سخت جری اور نگاہ عقلاء میں ہلکا ٹھہرے گا۔ تو اس جگہ کہ بے پردگی مدعی کا فعل ہے، نہ مدعی اس کا بقسم عہد کرتا ہے، نہ صاف سیدھے سادے لفظوں میں اس کا وعدہ ہی کرتا ہے، مگر۔۔۔ ہیں کہ بکمال کشادہ پیشانی حلفاً بیان کرتے ہیں کہ آئندہ کو بے پردگی ہونا درکنار، اندیشہ بھی نہیں اور جناب ثالث صاحب بکمال کشادہ پیشانی اسے قبول کرتے ہیں۔

ثانیاً حلف شرعاً وہ عقد ہے جس کے سبب حالف کا ارادہ فعل یا ترک کا قوی ہو جائے۔

در مختار جلد ۳ میں ہے: ”الیمین شرعاً عبارة عن عقد قوی عزم الحالف علی الفعل او الترك“

اور جب ان دونوں کے بحلف کہنے سے بے پردگی کا فعل قوی ہوا نہ ترک۔ اس لئے کہ جس کے فعل و ترک سے اس کا وجود و عدم ہو سکتا ہے، وہ ان دونوں کے قبضہ ہی میں نہیں تو پھر اسے حلف سمجھنا کمال خوش فہمی ہے۔

(۱۹) دیوار اونچی کرنے کے متعلق مدعا علیہ سے عذر دریافت کرنا بھی اسی الٹی چال چلنے کا نتیجہ ہے۔ ورنہ مقتضائے عقل و شرع تو یہ ہے کہ جس کی بے پردگی ہو، وہ اپنے لئے دیوار کھینچے۔ کما صرح الفقہاء بل لہ ان یبنی ما یستر جہتہ۔ یہ نئی فقہانیت ہے کہ زید کے مکان سے عمرو کی بے پردگی ہوتی ہو، عمرو تو ہاتھ پاؤں توڑے بیٹھا رہے اور زید ہی اپنی دیوار اونچی کرے یا اس کے متعلق عذر بیان کرے۔

میرے نزدیک مناسب ہے کہ تمام دنیا یا ہندوستان بھر یا صوبہ بہار یا کمشنری پٹنہ یا ضلع آرہ میں نہ ہو سکے تو کم از کم اس قضیہ میں عام نوٹس دے دیا جائے کہ جس جس شخص کو خداوند عالم نے ذی مقدور بنایا ہے اور اس کا مکان دو منزلہ نہ منزلہ ہو اس کو چاہئے کہ اوپر کی چھت میں صرف منڈیر پر اکتفا نہ کرے۔ اس کو ہر چہار جانب ورنہ جس جانب کسی شخص کا مکان بھی معلوم ہوتا ہو، وہ اتنی اونچی دیوار بنائے کہ چھت پر چڑھنے سے کسی شخص کا مکان نہ معلوم ہو سکے ورنہ اس کی وجہ دکھا دے اور جو کچھ عذرات ہوں، پیش کرے۔ اور دیوار کمزور ہونے کا عذر قابل قبول نہیں جب تک واقف کا قواعد تعمیر عمارت کا سارٹیفکیٹ نہ پیش کرے۔ ہاں اگر وہ دونوں جانب سے ملاحظہ کر کے لکھ دے کہ اس میں نقصان ہے تو البتہ قابل قبول ہوگا۔ اور ایک جانب کی دیوار بلند کرنے سے اور جانب کی دیوار کی بلندی کا مسئلہ اہل دول یا انھیں واقف کا حال و قواعد تعمیر عمارت سے دریافت کرنا تھا۔ اور چھ ہاتھ چوڑے صحن کو وسیع صحن بنانا خلیفہ مامون رشید کے سامنے اعرابی کا گڑھے کے پانی کو آب جنت سمجھ کر پیش کرنا یاد دلاتا ہے۔ ع فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔

(۲۰) ”مقصود اس طوالت سے یہ ہے کہ میں نے تاوسع اپنی بہت کوشش کی کہ صلح و رضا مندی فریقین سے ثالثی کا فیصلہ کروں الخ“ شاید ایسا ہی ہو ورنہ فیصلہ کا ملاحظہ تو بتا رہا ہے کہ اس عبارت کو یوں ہونا چاہئے تھا۔ ”مقصود اس طوالت سے یہ ہے کہ میں نے تاوسع اپنے اس بات کی کوشش کی کہ مدعی کو پوری ڈگری دی جائے، اس کے دعویٰ میں ذرہ بھر کمی نہ ہونے پائے اور پھر براہ البہ فریبی صلح و مصالحت کا سبز باغ دکھا کر مدعا علیہ کو بھی خوش رکھا جائے“ ع۔ ہم لعل بدست آید وہم یار نہ رنجہ۔

مگر اس طرح کون اپنی عقل کو پس پشت ڈالے ہوئے ہے کہ اپنے مفید اور مضر میں تمیز نہ کر سکے، اس لئے مجھے اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ ناچار بحق مدعی فیصلہ دے کر اس کو بھاری بھر کم بنانے کے لئے عبارات کتب فقہیہ کی ضرورت پڑی۔ غرض اس فیصلہ پر فقہ حنفی کی چار کتابوں کی عبارتیں نقل کی ہیں۔ جن میں اول محض بے علاقہ، دوم ناقص، سوم غیر مفید، چہارم مسخر۔ اسی وجہ سے ہوشیار مجوز نے ان عبارتوں کا اردو ترجمہ نہیں کیا ورنہ اصل حقیقت عالم آشکار ہو جاتی۔ پہلی عبارت در مختار چہما پہ کلکتہ ص ۴۹۹ کی ہے:

”اشتری دوا و دبنغ و تاذی جیرانہ علی الدوام یمنع و علی النذرة یتحمل“

یہ عبارت محض بے علاقہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی نے مکان خریدا اور اس میں چڑا پکانے کا کام کیا، جس

سے پڑوسیوں کو اذیت ہوتی ہے۔ تو اگر یہ ہمیشہ ہوتا ہے منع کیا جائے گا اور اگر شاذ و نادر ہے، تو تکلیف برداشت کی جائے گی۔
 اولاً چڑا پکانے کی اذیت ایسی ہے کہ اس کو روکنے کی ترکیب پڑوسیوں کے اختیار سے باہر ہے۔ سوا اس کے کہ
 اس کو منع کر دیا جائے اور کوئی صورت اس کے ضرر سے بچنے کی نہیں۔ اس لئے کہ ہوا کی آمد و رفت ہو اور دماغ صحیح میں بد بو
 نہ آئے، یہ عادت ناممکن ہے۔ اور ہوا ہر طرف سے بند کر کے رہنا بھی سخت دشوار بلکہ محال عادی ہے۔ اور یہاں مدعی اپنی شرقی
 دیوار بلند کر کے اپنی بے پردگی کو روک سکتا ہے۔ علماء نے ضرر فاحش، ضرر بین کی یہ صورت بیان فرمائی ہے کہ اس سے بچنے کی کوئی
 صورت نہ ہو۔ اور اگر دیوار کھینچ کر تکلیف سے بچ سکتا ہے تو اس صورت میں مالک مکان کو منع نہیں کریں گے۔

بحر الرائق جلد ۷ ص ۳۶ میں ہے: ”وذكر الرازي في كتاب الاستحسان ان الدار اذا كانت محاورة
 للدور فاراد صاحبها ان يبني فيها تنورا للخبز الدائم كما يكون في الدكاكين او رحي للطحين او مدقات
 للقصارين لم يجر لان ذلك يضر بجيرانه ضررا فاحشا لا يمكن التحرز عنه فانه ياتي منه الدخان الكثير الشديد
 و رحي الطحن ودق القصارين يوهن البناء بخلاف الحمام لانه لا يضر الا بالنداوة ويمكن التحرز عنه بان
 يبني حائطا بينه وبين جاره“۔

دیکھئے حمام بنانے سے منع نہیں کیا جائے گا۔ حالانکہ اس کی تری سے پڑوسی کا نقصان ہے۔ اس لئے کہ اپنے اور
 پڑوسی کے درمیان دیوار کھینچ کر اس تکلیف سے بچ سکتا ہے۔ تو اسی طرح صورت واقعہ میں اگر چہ مدعی کو اپنی بے پردگی کا
 اندیشہ ہے مگر اپنی شرقی دیوار بلند کر کے اس تکلیف سے بچ سکتا ہے۔ پھر کیوں مدعا علیہ کو اپنی ملک میں تصرف کرنے سے
 روکا جائے گا۔

ثانیاً اگر دونوں صورتیں یکساں بھی ہوتیں جب بھی یہ عبارت مفید نہیں۔ اس لئے کہ اس میں تصریح ہے کہ
 اذیت دائمہ ہے تو منع کیا جائے گا اور نادرہ ہے تو برداشت کی جائے گی۔ اور صورت واقعہ میں حسب بیان مدعا علیہ وہ کھڑکی
 صرف عورتوں کی آمد و رفت کے لئے ہے اور حسب بیان حلفی مدعا علیہ نمبر ۵ اس کو ٹھری اور اس کی چھت پر مدعا علیہ کی لڑکی
 رہتی ہے۔ وہاں مردوں کا آنا بضرورت عیادت تھا۔ یہ عیادت دوامی نہیں کہ اس سے منع کیا جائے گا بلکہ شاذ و نادر ہے۔
 اس لئے اس کو تحمل و برداشت کرنا ہوگا۔

دوسری عبارت ردالمحتار جلد چہارم ص ۳۲۰ کی ہے: ”قال في جامع الفصولين القياس في جنس هذه
 المسائل ان من تصرف في خالص ملكه لا يمنع ولو اضر بغيره الخ“

اس کا مطلب یہ ہے کہ جامع الفصولین میں لکھا ہے کہ اس قسم کے مسئلوں میں قیاس یہ ہے کہ جو شخص اپنی خالص
 ملک میں تصرف کرے، وہ روکا نہ جائے گا، اگر چہ اس سے غیر کو تکلیف پہونچے۔ لیکن یہ قیاس اس جگہ چھوڑ دیا گیا ہے،
 جب غیر کو بین ضرر پہونچے۔ کہا گیا کہ اسی کو اکثر مشائخ نے لیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

اولاً یہ ناقص ٹکڑا بے محل نقل کیا گیا ہے۔ اس لئے اس پر پورے طور سے روشنی نہیں پڑتی کہ اصل مسئلہ کیا اور ہذہ

المسائل کا مشارالیه کیا ہے۔ اگر پوری عبارت نقل کی جاتی تو معلوم ہو جاتا کہ وہ مسئلے کیسے ہیں اور کس رتبے کے ہیں۔

عبارت کی ابتدا یوں ہے: ”وفی اجارات النوازل رجل اراد ان يتخذ خراسا فی بیتہ ویضر ذلك بدار جاره ضررا بینا بان کان يعلم ان دوران الریح دورانه یوهن بناء الجار یمنع عن ذلك هکذا اجاب ابو القاسم رحمه الله لانه وان کان مما یتصرف فی خالص ملکہ لکن یضر بجاره ضررا بینا و کثیر من مشایخ بلخ و مشایخ بخارا و افقوه فی هذا الجواب فالحاصل ان فی هذه المسائل وفی اجناسها الخ“

ملاحظہ ہو فصول عمادی جلد دوم ص ۱۲۱۰ یعنی اجارات نوازل میں ہے کہ ایک شخص نے ارادہ کیا کہ اپنے گھر بڑی چکی کہ گدھوں یا خچروں سے پھرائی جاتی ہے، بنائے اور اس سے پڑوسی کا سخت نقصان ہے کہ اس کے گھومنے کے صدمے یا اس کے ہوا کے تپانچے سے پڑوسی کا مکان کمزور ہوتا ہے، تو امام ابو القاسم نے فتویٰ دیا کہ اس شخص کو اس سے منع کریں گے۔ کیونکہ وہ اگرچہ اپنے ملک میں تصرف کرتا ہے مگر اس سے پڑوسی کا بین ضرر ہے اور اکثر مشائخ بلخ و بخارا نے جواب میں ان کی موافقت کی۔ تو خلاصہ یہ کہ اس قسم کے مسئلوں میں قیاس یہ ہے کہ جو شخص اپنی ملک میں تصرف کرے، منع نہ کیا جائے گا۔ کہاں اس بڑی چکی کی وجہ سے پڑوسی کو تکلیف کہ اس کے صدمہ سے دیوار کمزور ہو جائے اور جار کے پاس اس کا کوئی چارہ نہیں اور کہاں یہ صورت واقعہ۔

ثانیاً پڑوسی کا محض نقصان قابل لحاظ نہیں بلکہ جب اسے سخت ضرر پہونچے جس کو بعض کتابوں میں ضرر بین، بعض میں ضرر فاحش، بعض میں ضرر زائد سے تعبیر کیا ہے۔ ہاں ایک سوال یہ ہو سکتا ہے کہ آخر ضرر بین کی حد کیا ہے؟ میرے نزدیک یہی ضرر، ضرر بین ہے۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ علماء کرام نے اس تصفیہ کو بھی اٹھا نہیں رکھا ہے۔

ردالمحتار جلد ۲ ص ۳۷۶ میں فتح القدیر امام ابن الہمام سے نقل کیا: والحاصل ان القیاس فی جنس هذه المسائل ان یفعل المالك ما بداله مطلقا لانه متصرف فی خالص ملکہ لکن ترك القیاس فی موضع یتعدی ضرره الی غیره ضررا فاحشا وهو المراد بالبین وهو ما یکون سببا للهدم او ینخرج عن الانتفاع بالکلیة وهو ما یمنع الحوائج الاصلیة کسد الضوء بالکلیة واختاروا الفتویٰ علیه فاما التوسع الی منع کل ضرر ما فیسد باب انتفاع الانسان بملکہ کما ذکرنا قریبا اه ملخصا۔

”خلاصہ یہ کہ اس قسم کے مسئلوں میں قیاس یہ ہے کہ مالک کو حق ہے کہ مطلقاً جو کچھ چاہے کر سکتا ہے، کیونکہ وہ اپنے خالص ملک میں متصرف ہے۔ مگر یہ قیاس اس جگہ متروک ہے۔ کہ اس کی وجہ سے غیر کو سخت تکلیف پہونچے اور ضرر بین سے یہی مراد ہے کہ وہ مکان کے گرنے کا سبب ہو یا اس کی وجہ سے مکان قابل رہنے کے نہ رہے۔ یعنی حوائج اصلیه بالکل رک جائیں مثلاً روشنی بالکل بند ہو جائے۔ اور لوگوں نے فتویٰ کے لئے اسی کو پسند کیا اور نہ ہر ضرر کی وجہ سے منع کرنا تو انسان کو اپنی ملک سے فائدہ اٹھانے کا دروازہ ہی بند کر دیتا ہے جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا۔

اسی ردالمحتار میں بحر الرائق سے ہے، جس کی عبارت اوپر نقل ہوئی کہ ضرر فاحش وہ ہے جس سے بچنے کی کوئی

سبیل اس کے اختیار میں نہ ہو اور اگر دیوار کھینچ کر اس ضرر سے بچ سکتا ہے تو وہ ضرر، ضرر فاحش نہیں۔
 رابعاً رب العزة جل جلالہ نے جسے نظر فقہی عطا فرمائی ہے، اس اختلاف میں فریقین کی قوت کو انداز کر سکتا ہے۔
 عبارت فصول عمادی شاہد ہے کہ یہ مذہب نہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ہے، نہ امام ابی یوسف سے منقول، نہ امام محمد سے مروی، نہ دیگر ائمہ مذہب سے بلکہ امام ابوالقاسم رحمہ اللہ کی رائے ہے جو امام یوسف کے شاگرد کے شاگرد کے شاگرد ہیں، جسے اکثر علماء بلخ اور مشائخ بخارا نے پسند فرمایا رضی اللہ عنہم۔ اور مطلقاً تصرف کا حکم اور پڑوسی کے نقصان کے خیال سے مالک کو اپنی خالص ملک میں تصرف کرنے سے روکنے کی ممانعت ہمارے ائمہ خمسہ، امام اعظم، امام ابی یوسف، امام محمد، امام زفر، امام حسن بن زیاد کا مذہب ہے کما مر عن الحموی والبحر۔ یہی ظاہر الروایۃ ہے۔ اور فتویٰ جب مختلف ہو تو ظاہر الروایۃ ہی پر عمل ہے اور فتویٰ ہمیشہ قول امام پر واجب ہے، اگرچہ صاحبین مخالف ہوں نہ کہ امام اعظم و صاحبین و بقیہ خمسہ سب متفق ہوں تو ان کا خلاف کیونکر روا ہو سکتا ہے۔؟ استحسان متاخرین، نظر بہ تبدل حالات زمانہ نہیں کہ دفع ضرر، شریعت کے مسائل قدیمہ سے ہے۔ امام اعظم، امام ابی یوسف، امام محمد، امام زفر، امام حسن کو معلوم نہ تھا کہ لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام؟ قطعاً معلوم تھا مگر ضرر مالک کو کہ حصر عن التصرف فی ملکہ والحاقہ بذلك بالبہائم ہے، ضرر جنبی پر مقدم رکھا۔ تو جمیع ائمہ مذہب کے خلاف بعض متاخرین کا استحسان کیونکر معمول بہ ہو سکتا ہے۔

بحر الرائق کتاب الزکوۃ باب الصرف میں ہے: ”اذا اختلف التصحيح وجب الفحص عن ظاهر

الرواية والرجوع اليها۔“

در مختار میں ہے: ”یفتی بقول الامام علی الاطلاق ثم بقول الثانی ثم بقول الثالث ثم بقول زفر والحسن۔“

فتاویٰ خیرہ میں ہے: ”المقرر عندنا انه لا یفتی ولا یعمل الا بقول الامام الاعظم۔“

شرح عقود میں ہے: ”رايت فی بعض کتب المتاخرین نقلاً عن ایضاح الاستدلال علی ابطال الاستبدال لقاضی القضاة شمس الدین الحریری احد شراح الهدایة ان صدر الدین سلیمان قال ان هذه الفتاوى هي اختيارات المشايخ فلا تعارض كتب المذهب قال وكذا كان بقول غيره من مشايخنا وبه اقول۔“

رد المختار جلد ۴ باب الہبۃ میں ہے: ”حيث علمت انه ظاهر الرواية وانه نص عليه محمد ورووه عن

ابی حنیفۃ ظهر انه الذی علیہ العمل۔“

صاحب در مختار نے اس مسئلہ کو کتاب القسمۃ میں اس طرح لکھا: ”لہ التصرف فی ملکہ وان تضرر بخارہ فی

ظاهر الرواية الكل من الاشباه وفي المجتبى وبه یفتی وفي السراجیۃ الفتویٰ علی المنع قال المصنف فقد

اختلف الافتاء وينبغي ان یعول علی ظاهر الرواية اه“

علماء نے تصریح فرمائی کہ جو کچھ ظاہر الروایۃ سے خارج ہے، ہمارے ائمہ کا مذہب نہیں۔ وہ اگر روایت نوادر بھی

ہو تو مرجوع عنہ ہے اور قول مرجوح پر افتا و قضا جہل و خرق اجماع ہے، نہ کہ مرجوع عنہ کہ وہ قول ہی نہ رہا، نہ کہ جو سرے سے قول ہی نہ ہو، لاجرم ایسے فیصلے کو منسوخ کرنے کا حکم فرمایا۔

ردالمحتار میں ہے: ”ما خالف ظاهر الرواية ليس مذهبا لاصحابنا۔“

بحر الرائق میں ہے: ”ما خرج عن ظاهر الرواية فهو مرجوع عنه والمرجوع عنه لم يبق قولاً له۔“

تصحیح قدوری و درمختار میں ہے: ”الحکم والفتی بالقول المرجوح جہل و خرق للاجماع۔“

تنویر و شرح علائی میں ہے: ”وبأخذ القاضي كالمفتي بقول أبي حنيفة على الإطلاق ثم بقول أبي يوسف ثم

بقول محمد ثم بقول زفر والحسن بن زياد وهو الأصح منية وسراجية وعبارة النهر ثم بقول الحسن فتنبه و صحح في

البحاوی اعتبار قوة المدرك والاول اضبط نهر ولا يخير الا اذا كان مجتهدا بل المقلد متى خالف مذهبه لا ينفذ

حكمه وينقض هو المختار للفتوى كما بسطه المصنف في فتاواه وغيره وقدمناه اول الكتاب وسيجيء۔“

ردالمحتار میں ہے: ”القاضي مأمور بالحكم بأصح اقوال الامام فاذا حكم بغيره لم يصح۔“

یہ ترتیب اس وقت ہے جب ایک سے کچھ منقول نہ ہو تو دوسرے کی بات لی جائے گی اور اگر دوسرے سے بھی کچھ مروی

نہ ہو تو تیسرے کی، علیٰ ہذا القیاس۔ اور جب کسی امر پر ائمہ ثلاثہ متفق ہوں تو پھر عدول کی گنجائش ہی نہیں۔

محیط امام سرخسی پھر فتاویٰ ہندیہ میں ہے: ”لا بد من معرفة فصلين احدهما انه اذا اتفق اصحابنا في شيء ابو

حنيفة وابو يوسف ومحمد رضي الله تعالى عنهم لا ينبغي للقاضي ان يخالفهم براءه الخ۔“

فتاویٰ فقیہ النفس امام قاضی خان میں ہے: ”المفتي في زماننا من اصحابنا اذا استفتي في مسألة او سئل عن

واقعة ان كانت المسئلة مروية عن اصحابنا في الروايات الظاهرة بلا خلاف بينهم فانه يميل اليهم ويفتي بقولهم ولا

يخالفهم براءه وان كان مجتهدا متقنا لان الظاهر ان يكون الحق مع اصحابنا ولا يعدوهم واجتهاده لا يبلغ

اجتهادهم ولا ينظر الى من خالفهم ولا يقبل حجته لانهم عرفوا الادلة وميزوا بين ما صح وثبت وبين ضده الخ۔“

جب مجتہد کے لئے اپنے ائمہ کے قول سے پھرنے کی اجازت نہیں تو مقلد کی کیا مجال؟۔ اس کے بارے میں تو

ملقط و درمختار و ردالمحتار میں مصرح ہے:

”وان لم يكن مجتهدا فعليه تقليدهم واتباع رائهم فاذا قضى بخلافه لا ينفذ حكمه۔“ ”یعنی اگر

مجتہد نہ ہو تو اس کو ائمہ مذہب کی تقلید اور ان کے رائے کی پیروی ضروری ہے تو اگر اس کے خلاف فیصلہ دے گا نافذ نہ ہوگا۔“

غرض مقلد کو قول امام پر فیصلہ دینا بحر وغیرہ میں مصرح ہے اور اس کی تحقیق جلیل کے لئے فتاویٰ رضویہ میں مستقل

رسالہ ہے ”احلی الاعلام بان الفتوى مطلقا على قول الامام“ تو اسی پر فیصلہ کرنا واجب ورنہ نافذ نہ ہوگا۔

خامساً خلاف ظاہر الروایۃ ہونے کی وجہ سے اس کا مرجوح ہونا ثابت ہو گیا۔ اب نہ ہی مگر اس پر فتویٰ دیے

جانے کی وجہ سے اس کی تقویت۔ مگر عبارت درمختار سے معلوم ہو چکا کہ مفتی بہ دونوں قول ہیں۔ اگر بعض علماء نے اس پر

فتویٰ دیا ہے تو بعض علماء نے اُس پر بھی فتویٰ دیا ہے۔

در مختار کتاب القضاء مسائل شتی ج ۴ ص ۳۷۵ میں ہے: ”ولا يمنع الشخص من تصرفه في ملكه الا اذا كان الضرر بحاره ضررا بينا فيمنع من ذلك وعليه الفتوى بزاوية واختاره في العمادية وافتى به قلاری انهاءً حتى يمنع الحار من فتح الطاقه وهذا جواب المشايخ استحسانا وجواب ظاهر الرواية عدم المنع مطلقاً وبه اعني طائفة كالامام ظهير الدين وابن الشحنة والدة ورجحه في الفتح وفي قسمة المحتجب وبه يفتى وحسنه المصنف ثمه فقال وقد اختلف الافتاء وينبغي ان يعول على ظاهر الرواية اهـ۔“

تو مفتی بہ ہونے کی وجہ سے تقویت دونوں میں مشترک ہے۔ اور ترجیح تول امام کو ہے، ترجیح قول ائمہ و بہ ترجیح ظاہر الروایہ کو ہے، ترجیح اس روایت کو ہے جو مطابق درایت ہو خصوصاً ایسی حالت میں کہ ذی علم ثالث کی منقولہ عبارت میں اس قول کو اکثر مشایخ کا اختیار کرنا، اس کا مفتی بہ ہونا بلفظ قیل منقول ہے جو ضعف کا مشعر ہے اور ترجیح مقابل کے لئے مشہور۔

رد المحتار جلد اول میں ہے: ”قالوا وقيل كلاهما مشعران بالضعف۔“

اسی میں ہے: ”الحكاية بقيل ترجيح للمقابل۔“

پھر باوجود ان تمام باتوں کے ظاہر الروایہ کو ترک کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ پس ظاہر الروایہ کو چھوڑ کر ائمہ خمسہ کے مذہب کو چھوڑ کر مشایخ متاخرین کے قولی پر فیصلہ دینا شان نقاہت و انصاف سے بعید ہے۔

تیسری عبارت فتاویٰ خیر یہ جلد ۲ ص ۲۰۲ کی ہے: ”(سئل) في الحار يريد فتح كوة على جاره وفي ذلك اطلاع على عوراته وحريمه او بناء غرفة او حائط على جدار مشترك بينهما هل يمنع عن ذلك ام لا (اجاب) اما مسئلة فتح الكوة ففيها استحسان وقياس الخ۔“

”یعنی کسی نے علامہ خیر الدین رملی سے پوچھا کہ ایک پڑوسی روشندان کھولنے کا ارادہ کرتا ہے جس سے اس کے پڑوسی کی بے پردگی ہوتی ہے یا مشترک دیوار پر دیوار یا جھروکا بنانا چاہتا ہے۔ اس سے منع کیا جائے گا یا نہیں؟۔ آپ نے جواب دیا کہ روشندان کھولنے میں دو قول ہیں ایک استحسان دوسرا قیاس۔ استحسان منع ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔“

جیسا کہ نقل کیا اس کو فتاویٰ تارخانہ میں اور مضمرات شرح قدوری میں تہذیب سے۔ اور تارخانہ میں روشندان کے مسئلہ سے کچھ پہلے لکھا کہ خلاصہ یہ کہ اس قسم کے مسئلوں میں قیاس یہ ہے کہ جو شخص اپنی خالص ملک میں تصرف کرے، اس سے روکا نہ جائے گا اگرچہ اس سے غیر کو ضرر پہنچے۔ لیکن یہ قیاس اس جگہ متروک ہے کہ اس کے تصرف کا ضرر بین غیر کو پہونچے۔ اور ممانعت کا قول کیا گیا ہے مطلقاً اور اسی کو اکثر مشایخ نے لیا اور اسی پر فتویٰ ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ ضرر بین ہو جس کی تفصیل اوپر مذکور ہوئی۔ اور ظاہر ہے کہ وہ سب معانی یہاں متحقق نہیں۔ شاید ذی علم ثالث کو قیل بالمنع مطلقاً سے دھوکا ہوا اور اس کو قول ثالث سمجھ کر بالکل موافق مدعا پایا مگر درحقیقت یہ قول ثالث نہیں کہ مطلقاً منع کیا جائے گا، چاہے ضرر بین ہو یا نہ ہو۔ بلکہ یہ لفظ مطلقاً عبارت خیر یہ میں قلم ناسخ سے زائد ہو گیا ہے اور قیل، ترک کا معطوف ہے۔

علامہ شامی ردالمحتار جلد ۴ ص ۳۷۵ میں عبارت جامع الفصولین نقل کر کے فرماتے ہیں: ”قلت قوله وقيل بالمنع عطف تفسير على قوله ترك القياس فليس قولاً ثالثاً نعم وقع في الخيرية وقيل بالمنع مطلقاً الخ ومقتضاه انه قول ثالث بالمنع سواء كان الضرر بينا او لا، لكن عزا في الخيرية ذلك الى التارخانيه والعمادية وليس ذلك في العمادية كما رايت فالظاهر ان لفظ مطلقاً بسبق قلم۔“

چوتھی عبارت عقود الدرر یہ تنقیح فتاویٰ حامد یہ جلد ثانی ص ۲۶۵ کی ہے: ”(سئل) فيما اذا كان لكل من جارین سطح بيت في داره مساو سطح الاخر ر صار الآن احدهما يصعد الى سطحه الخ۔“

یعنی سوال ہوا کہ دو پڑوسی ہیں جن کی گھر کی چھت دوسرے کی چھت کے مساوی ہے۔ ان میں ایک شخص اپنی چھت پر چڑھتا ہے اور جب وہ اپنی چھت پر چڑھتا ہے تو اس کی نگاہ پڑوسی کے گھر میں اس کے عورتوں پر پڑتی ہے اور پڑوسی کہتا ہے کہ پردہ کی دیوار بنانے تک آپ چھت پر نہ چڑھیں۔ تو کیا پڑوسی کو اس کا حق ہے؟۔ جواب دیا کہ ہاں! اسے اس کا حق ہے۔“

یہ مسئلہ تو وہی ہے جس کا مفصل بیان نمبر ۱۲ میں گزرا مگر ذی علم ثالث کو اصلاً مفید نہیں۔ اس لئے کہ صورت واقعہ سے محض بے علاقہ۔ یہ اس صورت میں ہے جبکہ اس کی نگاہ پڑوسی کے گھر میں اس کی عورتوں پر پڑے اور صورت واقعہ میں ایسا ہرگز نہیں۔ یہاں نگاہ صرف چھت کی فضا تک پہنچتی ہے۔ اگر کوئی شخص مدعی کی چھت پر ہو تو جو شخص مدعا علیہ کی چھت پر ہو اس سے اس کی نگاہ چار ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔ تو اس عبارت سے صورت واقعہ پر استدلال کیونکر صحیح ہو سکتا ہے بلکہ یہ عبارت ذی علم ثالث کے سراسر خلاف ہے۔ اس لئے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پردہ کی دیوار وہ شخص بنائے جس کی بے پردگی ہوتی ہو اور یہی مطابق روایت و درایت ہے۔ حدیث میں ہے: ”الغنم بالغرم۔“ مثل مشہور ہے ”جس کا ٹپکے گا، وہ چھائے گا۔“ بخلاف ذی علم ثالث کے کہ انھوں نے مدعا علیہ کو حکم دیا کہ پردہ کی دیوار اس قدر بلند بنائے کہ اگر کوئی مرد متصل دیوار یا چھت پر کھڑا ہو تو بے پردگی زنا نہ مکان مدعی کی نہ ہو۔ غرض ان چار عبارتوں میں اول بے علاقہ، دوم ناقص، سوم بالکل غیر مفید، چہارم مضر ہے۔

(۲۱) نمبرات سابقہ سے یہ بات روشن طرح پر معلوم ہوئی کہ فیصلہ محض یک طرفہ کیا گیا ہے، جو نہ شریعت مطہرہ کے مطابق ہے، نہ عقل کے موافق۔ اور عبارتیں محض بھرتی کی ہیں تاکہ نگاہ عوام میں فیصلہ مدلل معلوم ہو۔ ان عبارتوں سے جن نمبروں کا جواب اخذ کیا گیا ہے وہ ہرگز ان سے مستفاد نہیں، نہ یہ جوابات مطابق شرع ہیں۔ بلکہ ان نمبروں کے جوابات یہ ہیں:

نمبر اول: کھڑکی بند کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اگر مدعی کی بے پردگی ہوتی ہے تو اپنے پردہ کی دیوار کھینچے۔

بحر الرائق جلد ۷ ص ۳۶ وفتح القدیر امام ابن ہمام جلد ۳ ص ۲۸۵ میں ہے: ”لو فتح صاحب البناء في علو

بنائه بابا او كوة لا يلي صاحب الساحة منعه بل له ان يبني ما يستر جهته۔“

نمبر دوم: سوراخ کے متعلق نمبر ۸ میں مفصل بیان ہوا کہ ان سوراخوں سے ہرگز بے پردگی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس

کے ذریعہ نگاہ سیدھی سہ منزلہ کی بلندی پر جائے گی، جس سے مدعی کا کچھ نقصان نہیں۔ پھر بھی مدعا علیہ نے اسے بند ہی کر دیا ہے تو بند کئے ہوئے کو پھر سے بند کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔

نمبر سوم: مدعا علیہ نے اپنی ضرورت کے لائق دیوار تیار کرائی، اس کی ضرورت اسی قدر سے دفع ہو گئی۔ اب اگر مدعی کو پردہ کی ضرورت ہے، وہ اپنی دیوار بلند کرائے۔ مدعا علیہ کو دیوار بلند کرنے کا حکم دینا محض ظلم ہے۔

فصول عمادی جلد ۲ ص ۱۲۱ میں ہے: ”الانسان لا يجبر على البناء في ملكه۔“

نمبر چہارم: اگر متنازع فیہ کوٹھری کی چھت پر چڑھنے سے مدعی کی بے پردگی ہوتی ہے اور مدعی کی گھر میں نگاہ پہنچتی ہے اور مدعی خواستگار ہے کہ جب تک میں پردہ کی دیوار نہ کھینچ لوں اس پر نہ چڑھا جائے تو مدعی کی اس بات کا خیال کرنا چاہئے۔ اور مدعی کو چاہئے کہ جلد دیوار کا انتظام کرے ورنہ جیسا کہ ذی علم ثالث نے گول رکھا ہے کہ تا حصول صورت پردہ اور مدعی کو پردہ کی دیوار بنانے کا حکم نہیں یا، یہ ہمیشہ کے لئے مالک کو اپنی ایک مملوک چیز سے نفع اٹھانے سے محض مدعی کی خاطر بے وجہ روکنا ہے۔ نمبر ۱۶ میں عبارت غائبہ لڑی کہ اگر پیچھ دے کر مالک کو اپنی ملک سے نفع اٹھانے سے روکے، جب بھی باطل ہے تو یہ صورت اولیٰ بالبطلان ہوگی۔

نمبر پنجم: ہمیشہ کے لئے مدعی و مدعا علیہ دونوں کو خیال رکھنا چاہئے کہ کوئی حرکت یا کوئی کارروائی ایسی نہ کریں جس سے دوسرے کو تکلیف و ضرر پہنچے۔

(۲۲) بحمد اللہ جملہ ابحاث متعلقہ فیصلہ و جواب نمبرات سے فراغ پایا۔ اتنے مختصر الفاظ فیصلہ کے متعلق یاد ہیں کہ ☆ بوجہ عدم قبول تحکیم و مشروط بشرط کرنے اور عدم وجود شرط تحکیم، ثابت نہیں ☆ بفرض وجود وثبوت قبل فیصلہ مدعا علیہ کے نقص و فسخ کی وجہ، تحکیم کا عدم ہو گئی حکم کو حکم دینا روا نہیں۔ ☆ بر تقدیر عدم فسخ فیصلہ ہذا بے حجت شرعیہ (بینہ و یمن و نکول) ہونے کی وجہ سے فیصلہ شرعی نہیں بلکہ ایک ردی کاغذ ہے کہ مدعی کے حوالہ کر دیا گیا بلکہ اگر یہ وجوہ نقص نہ بھی ہوتے تو از انجا کہ ثالث مقلد نے اپنے جمہور خمسہ امام اعظم سیدنا ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر، امام حسن بن زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خلاف، ظاہر الروایۃ کے خلاف، درایت کے خلاف فیصلہ دیا ہے۔ اس لئے محض باطل و غیر نافذ ہوگا۔ یہ فیصلہ، فیصلہ شرعی نہ ہوگا۔ واللہ یقول الحق ویہدی السبیل وهو حسبی ونعم الوکیل واللہ سبحنہ وتعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ انم واحکم۔

محمد ظفر الدین قادری رضوی غفر لہ

صدر مدرس مدرسہ عالیہ، شہرام

☆☆☆☆☆

کتاب الاضحیہ ۱۰

مسئلہ مرسلہ از اثاؤہ از جانب محمد روح اللہ ۱۱ صفر ۱۲۰۴ھ

مسئلہ اولیٰ: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بندوق سے بسم اللہ، اللہ اکبر پڑھ کر شکار مارا اور پھر بعد کرنے شکار کے، اس کے ذبح کرنے کی کوشش کی لیکن اس کے پہنچنے تک شکار مر گیا۔ اب اس کا کھانا درست ہے اور وہ حلال ہے یا نہیں؟

مسئلہ ثانیہ: اس ملک میں اکثر ہندو کھٹک بکری کا گوشت فروخت کرتے ہیں اور مذبح میں ایک مسلمان ذبح کرنے والا مقرر ہے، وہی ذبح کرتا ہے۔ وہاں سے کھٹک اپنی دکان پر لے جا کر گوشت فروخت کرتے ہیں اور ان کی دوکان پر کوئی مسلمان نگران نہیں رہتا۔ ان سے گوشت خرید کر کھانا درست ہے یا نہیں؟

مسئلہ ثالثہ: زید باوجود قدرت اس بات کے کہ زمین یا تخت پر نماز پڑھ سکتا ہے۔ لیکن بلا عذر اپنے پلنگ پر نماز پڑھتا ہے۔ یہ نماز درست ہے یا نہیں؟ بینواتو جروا۔

ال جواب

(۱) حلال نہیں کہ بندوق کا حکم تیر کے مثل نہیں۔ یہاں آلہ وہ چاہئے کہ اپنے دھار سے قتل کرے اور گولی چہرہ میں دھار نہیں ہوتی۔ بندوق کاٹ نہیں کرتی بلکہ قوت کرتی ہے۔

ردالمحتار میں ہے: "لا یخفی ان الجرح بالرصاص انما هو بالاخراق والثقل بواسطة اندفاعه العنیف اذ لیس له

حد فلا یحل وبہ افتی ابن نجم۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) صورت مستفسرہ میں اس گوشت کا خریدنا، کھانا اور کھلانا سب ناجائز ہے۔ حیوان جب تک زندہ تھا، حرام تھا کہ اس کا یا اس کے کسی جز کا کھانا یا کھلانا سب حرام تھا۔

حدیث میں ہے: "ما یقطع من البہیمۃ وہی جثۃ فہو میتہ۔"

پھر ذبح شرعی سے حلال ہوگا۔ اور وہ بر بنائے قول کھٹک ثابت نہیں کہ یہ امر دیانت متعلق حلت و حرمت کے ہے

اور دیانت میں کافر کی خبر محض نامعتبر۔

درمختار میں ہے: "خبر الکافر مقبول بالاجماع فی المعاملات لا فی الدیانۃ۔"

ہاں اگر مذبح سے اس کے دوکان تک کوئی مسلمان ساتھ آیا اور دوکان پر بھی کوئی مسلمان موجود رہا، غرض اگر

مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہو تو اب اس مسلمان کی خبر کی بنا پر کہ وہی گوشت ہے جو مسلمان نے ذبح کیا تھا، اس کا خریدنا اور کھانا اور کھلانا سب جائز ہے کہ اب وہ خبر مسلم ہے نہ کہ خبر کافر۔ اور خبر، مسلم کی دیانت و معاملات ہر جگہ معتبر ہے بشرطیکہ

عادل ثقہ ہو۔ ورنہ قلب پر اس کا صدق جتنا شرط ہوگا۔ فی التنویر: ”شرط العدالة فی الدیانات و تجری فی الفاسق المستور۔“ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) اصل ان مسائل میں یہ ہے کہ جو چیز ایسی ہو کہ سجدہ میں سر اس پر مستقر ہو جائے یعنی اس کا دینا ایک حد پر ٹھہر جائے کہ پھر کسی قدر مبالغہ کرے، اس سے زائد نہ دے، اس چیز پر نماز جائز ہے۔ خواہ وہ چار پائی ہو یا زمین پر رکھا ہوا گاری کا کھٹولہ یا کوئی شی اور۔ تو اگر چار پائی اس قدر سخت ہو، اس پر نماز جائز ہوگی ورنہ نہیں۔

غنیہ میں ہے: ”ضابطہ ان لا یستفل بالتسفیل فحیث جاز سجودہ علیہ۔“

رد المحتار میں ہے: ”تفسیرہ ان الساجد لوبالغ لا یتسفل راسہ ابلیغ من ذلک فصیح علیٰ طنفیة وحصیر وحنطة وشعیر و سریر وعجلة ان کانت علی الارض اه“ مختصرا من العطایا النبویة فی الفتاوی الرضویة ونماہ فیہا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ احکم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از رامپور مدرسہ عالیہ مرسلہ مولوی ولی اللہ طالب علم بنگالی رجب ۱۳۲۳ھ

چہ می فرمایند علماء دین دریں مسئلہ کہ اگر شخص مسلمان، جانورے بنام اصنام ہنود رہا کند۔ گوشت آں جانور خوردن حلال است یا نہ؟ و آں جانور در ملک وے ماند یا نہ؟ و حکم آں کس چہ؟ علیٰ ہذا اگر ہنود بنام اصنام خود جانورے رہا کند یا چیزے بدہ، استعمال و خوردن آں از روئے شرع شریف جائز است یا نہ؟ مینواؤ تو جروا۔

الـجـواب

از رہائی جانور بنام اصنام ہنود حرام نمی شود۔ قال تعالیٰ: ”مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ وَلَكِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَآكَثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ“ (المائدة: ۱۰۳) ”اللہ نے مقرر نہیں کیا ہے کان چہ اہوا اور نہ بجا اور نہ وصیلہ اور نہ حامی۔ ہاں! کافر لوگ اللہ پر جھوٹا افترا باندھتے ہیں اور ان میں اکثر ترے بے عقل ہیں۔“ (کنز الایمان)

قال فی المدارك: ”یفترون علی اللہ الکذب فی نسبتہم هذا التحريم الیہ واکثرہم لا یعقلون ان اللہ تعالیٰ لم یحرم ذلک۔“

در ملک او بلاشبہ باقی میماند کہ وقت رہا کردنش می گوید: ہر کہ بگیرد ملک اوست و نہ ایں را در ملک غیر دارند۔ در فتاوی عالمگیری است: ”من لہ دابة وقال ”لا حاجة لی الیہا“ ولم یقل ”می لمن اخذها“

فاخذها انسان لا تكون لہ۔“

بدیں وجہ گرفتن و ذبح کردن غیر آں جانورے درست نیست۔ لانہ ملک الغیر فان اجازہ جاز بلا شبہ۔ و اما رہا کردن مسلم بنام صنم پس اگر بیت تعظیم و تقریب باں بت باشد، البتہ کفر است۔ و آنکہ آں جانور ملک از

املاک مرتد باشد۔ اگر آں کس براند، او خود برد مال ارتداد او، بسائے مسلمین می شود۔ اگر اسلام آورد، خود ملک اوست۔
 کما فی الدر المختار: ”ويزول ملك المرتد عن ماله والّا موقوفاً فان اسلم عاد ملكه وان مات او قتل علی ردته ورث کسب اسلامه وارثه المسلم بعد قضاء دين اسلامه و کسب ردته فی بعد قضاء دين ردته۔“
 واگر نیت تعظیم و تقرب نداشت، خود کم نہ از آں کہ گناہ کبیرہ است۔ فاما از ملک او بیرون زود۔ و حکم ہمانست کہ بالا گذشت۔

در فتاویٰ عالمگیریہ است: ”فمن اعتق عبده للشیطان او للصنم عتق الا انه یکفر هکذا فی السراج الوہاج۔ اقول: لکن الارفق بحال المسلم والحذر عن الاجترار علی تکفیر المسلم، التفصیل الذی قد بیناه کما فی الاشباہ والنظائر“ فان اعتق للصنم او الشیطان صح واثم ”اما المسلم اذا اعتق له قاصدا تعظیمه کفر کذا فی الطحطاوی والکلام علی التوزیع فان اعتق لهما من غیر قصد تعظیم ثبت الحرمة من غیر کفر وصرح فی مقام اخر لقوله اما اذا لم یقصدہ فلا یکفر۔“
 و در رد مختار است: ”ویصح ایضاً بتحریر (لوجه الله والشیطان والصنم وان) اثم و (کفر بہ) ای بالاعتاق للصنم (المسلم عند قصد التعظیم) لان تعظیم الصنم کفر۔“ (کتاب العتق ۳/ ۶۵۰) والا فلا کما قدمنا عن الاشباہ والطحطاوی والله تعالی اعلم۔



مسئلہ از کلکتہ ڈاکخانہ نیل گچھا اولاً استھان مرسلہ عبدل میانجی باڑی والے کلیم محرم ۱۳۲۵ھ

جناب قبلہ و کعبہ مولانا مولوی محمد احمد رضا خان صاحب دام فیوضکم۔

آداب نیاز کے بعد گزارش ہے کہ چند سوالات بطور استفتا ارسال خدمت اقدس ہے۔ امید کہ جواب اس کا واسطے درستی خیال و عقیدت ناواقف لوگوں کے محرر فرما کر بصیغہ بیرنگ روانہ فرمائیے۔

(امر اول) اکثر اس نواح میں اقوام ہندو بکرا و مینڈھا وغیرہ بطریق چڑھانے کئے، بت کے سامنے لے جاتے ہیں اور محض ایک کان اس کا کاٹ کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کو لوگ پکڑ کر فروخت کرتے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان خرید کر کھائے یا قربانی کرے تو جائز ہے یا ناجائز؟

(امر دوم) اگر کسی مسلمان نے کوئی راس مویشی خواہ گائے یا بکری و مینڈھا وغیرہ کسی مسلمان کو یہ لفظ کہہ کر دیا کہ تم اس کی قربانی لے جا کر کرو اپنے نام سے، تو اس کا ثواب قربانی کرنے والے کو پورا ملے گا یا کچھ مویشی دینے والے کو بھی ملے گا؟
 (امر سوم) خواہ لڑکا ہو یا لڑکی، عقیقہ کرنے کی مدت کس عمر تک ہے؟ دوم یہ بھی ضروری ہے کہ وقت عقیقہ کے سر کے بال اتارے جاتے ہیں یا اگر جوانی میں عقیقہ کیا جائے تو بھی لڑکا خواہ لڑکی کے سر کے بال اتارے جائیں گے؟ فقط

الجواب

(جواب اول) نہ لوگوں کو اسے پکڑ کر بیچنا جائز، نہ خریدنا روا، نہ اسے کھانا حلال۔ نہ اس کی قربانی کافی۔ لہٰذا باع مالا بملکہ۔ بنود جو چیز اپنے بت گنگا جمنّا خاک بلا کے نام سے اس پر چڑھا کر چھوڑ دیتے ہیں، اس سے ان کی ملک نہیں زائل ہوتی۔ وہ بدستوران کی ملک پر باقی رہتی ہے۔ ہاں صراحت یا دلالت جب معلوم ہو جائے کہ اس غرض سے چھوڑا ہے، جو پکڑ لے اس کی ملک ہے، تو البتہ اسے پکڑنا اور بیچنا جائز ہوگا۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ”لو سبب دابته وقال لا حاجة لي اليها ولم يقل هي لمن اخذها فاحدها انسان لا تكون له۔“
روا مختار میں ہے: ”القي شيئا وقال من اخذه فهو له فمن سمعه او بلغه ذلك القول ان ياحده والا لم يملكه۔“

اور دلالت حال یہ کہ عرف عام اس طور پر ہو کہ یہ چھوڑنا اور پھینکنا اس غرض سے ہو کہ جو پالے اس کی ملک ہے۔ جیسے لوگ شادیوں میں روپیے پیسے یا محرم میں روٹیاں سکٹ لٹاتے، پھینکتے ہیں۔ اب خریدنے والے کو اس کا کھانا حلال ہے۔ اور جب یہ مالک ہو گیا تو قربانی بھی حلال ہے اگر تہائی یا زیادہ کان کاٹ کر جدا نہ کر دیا ہو ورنہ قربانی نہ ہو سکے گی۔
تنویر الابصار میں ہے: ”ولا يضحى بمقطوع اكثر الاذن مختصرا والثالث فصاعدا وهو ظاهر الرواية وصححه في الخانية وعليه الفتوى ومشى عليها في مختصر الوقاية والاصلاح۔“
مگر ان چھوڑنے والوں کا یہ تقصیر ہرگز نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ ان کے ملک سے خارج نہیں ہوتا اور ان کا کھانا قربانی کرنا کچھ روا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(دوم) دونوں کو ثواب ملے گا۔ حدیث میں ہے: ”والداں علی الخیر کفاعله۔“ رواہ البزار والطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود والامام احمد فی مسنده وابو یعلیٰ والضياء عن بريدة وابن ابی الدنيا فی قضاء الحوائج عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
(سوم) ولادت سے بلوغ تک عقیقہ کا وقت ہے۔ جب چاہے کرے۔ مگر بہتر ساتواں دن ہے۔
شرح عباب علامہ ابن حجر پھر عقود الدرر یہ علامہ ابن عابدین شامی میں ہے: ”وقتها بعد تمام الولادة الى البلوغ فلا يجرى قبلها وذبحها في اليوم السابع۔“

سراج الوہاج میں ہے: ولو قدم يوم الذبح قبل يوم السابع او اخر عنه جاز الا ان يوم السابع افضل۔
بلکہ تابقائے جان، عقیقہ ممکن۔ حدیث میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد ظہور نبوت خود اپنا عقیقہ فرمایا۔ عقیقہ کے ساتھ وہ بال جدا کئے جاتے ہیں جو پیٹ سے پیدا ہوئے اور جب وہ ایک بار جدا ہو گئے تو اب عقیقہ کے ساتھ بال تراشنا کوئی ضروری نہیں۔ احادیث میں ”واسيطوا عنه الاذى“ فرمایا ہے یعنی پیٹ سے جو بال لے کر پیدا ہوا، وہ دور کر دے

جاتے ہیں۔ اس واسطے اس کو عقیقہ کہتے ہیں کہ اصل عقیقہ کے معنی وہ بال ہیں جو لڑکے کے سر پر وقت پیدائش کے ہوتا ہے۔ کما فی الکرمانی شرح البخاری عن الاصمعی۔ خصوصاً اگر لڑکی کا عقیقہ جوانی میں کیا جائے کہ عورت کو سر کا بال موٹا نا حرام ہے، مثل داڑھی کے، واسطے مردوں کی۔

در مختار میں ہے: ”قطعت شعر راسها اثم ولعنت زاد فی البرازیة وان یاذن الزوج، لانه لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق ولذا یحرم علی الرجل قطع لحیته۔“ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ ظفر الدین البہاری

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ منشی کلیم الدین، پورنیہ ڈاکخانہ بمبئی ہاٹ موضع چوپڑا۔ ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۴۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں:

سوال اول: یہ کہ نمازی، پرہیزگار و صوفی، شخص اگر بے نمازی، گناہگار کے ساتھ شریک ہو کر قربانی کرے تو ایسی قربانی کی فضیلت و ثواب پرہیزگار کو ملے گا یا نہیں اور اس کے ساتھ شریک ہونے کی وجہ سے اس صوفی کے ثواب میں کمی تو نہ ہوگی؟

سوال دوم: حدیث فعلی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک خسی ابلق سنگدار اپنی طرف سے قربانی کئے اور دوسرا ایک خسی بصفیت مذکورہ ساری امت کی طرف سے قربانی کئے۔ پس ہم لوگ امتان محمدی کو دو چار آدمی شریک ہو کر ناجائز ہونے کی کون سی قولی حدیث و دلیل ہے؟ جواب مدلل تحریر فرمایا جائے۔

سوال سوم: اس ملک میں رواج ہے کہ لڑکوں کے ختنے میں طعام داری، طویل خواہ قلیل کرتے ہیں و برادروں و یگانوں کو دعوت کرتے ہیں۔ ایسی دعوت کھانا اور اس مولود شریف میں شریک ہونا جائز ہے یا نہیں؟

سوال چہارم: ملا نکاح باندھ دینے والے مالدار، اہل نصاب، صاحب زکوٰۃ کو دولہا کی طرف سے عقد خوانی میں کچھ روپیہ پیسہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

سوال پنجم: جن شخصوں نے کبھی دلہن کو نہ دیکھا ہے، نہ اس کی آواز پہچانتا ہے، ایسے شخصوں کی شہادت سے نکاح جائز ہوتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ بجائے اس دلہن کے بوجہ شرارت و دشمنی کے دوسری کسی رذیل قوم کی لڑکی سے ایجاب کرادے اور گواہان کو تمیز نہ ہو کہ یہ منسوب شدہ لڑکی ہے یا دوسری ہے؟

سوال ششم: کسی شخص نے اپنی جوڑو سے جھگڑا و مار پیٹ کر کے یوں کہا کہ میں نے تم کو چھوڑ دیا، تم میرے گھر سے نکل جاؤ۔ اتنا کہنے پر وہ عورت اپنے شوہر کے گھر سے نکل گئی۔ بعد گزرنے تین چار ماہ کے اس کا شوہر چاہتا ہے کہ اس بی بی کو لے آوے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ چھوڑنے کا لفظ کہنے کے سبب اس پر طلاق پڑ گئی ہے۔ یہ سن کر وہ عورت چاہتی ہے، دوسرا شوہر کروں۔ پس وہ عورت دوسرا شوہر کر سکتی ہے یا نہیں؟

سوال ہفتم: ایک شخص زنا میں پکڑا گیا۔ بستی کے سردار و پنچائتان نے مل کر اس زانی سے مثلاً سو روپیہ لے کر اس

روپیہ سے شامیانہ یا فرش و مصلاً خرید کیا۔ اس شامیانہ کے نیچے، فرش اور مصلاً کے اوپر بیٹھنا، نماز و مولود شریف پڑھنا، مستحق ثواب ہو گا یا نہیں؟

الجواب

(۱) نمازی و پرہیزگار اگر بے نمازی اور گناہگار کے ساتھ قربانی میں شریک ہو تو اس کے ساتھ شریک ہونے کی وجہ سے ثواب میں کمی نہ آئے گی۔ ہاں مشرک کے شریک ہونے سے قربانی نہ ہوگی۔ اس لئے کہ شرکت بنیت قربت ہونی چاہئے اور مشرک قربت کا اہل نہیں۔

رد المحتار جلد پنجم ص ۲۰۷ میں ہے: ”والمراد انها تجزى بنية القرية من كل منهم ولو اختلف جهات القرية۔“ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) حدیث قولی و فعلی سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے، بیشک اس پر عمل کرنا چاہئے اور سنت جان کر عمل کرنے والوں کو بہت ثواب ملے گا۔ یعنی ہر شخص ایک خصی بصفات قربانی اپنی طرف سے کرے اور دوسرا خصی اپنے تمام بھائی مسلمانوں کی طرف سے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ حضور نے یہ تو نہیں کہا کہ چند اشخاص جن پر قربانی واجب ہے، ان سب کو فرمایا ہو کہ تم کو الگ الگ خصی کرنے کی ضرورت نہیں، ایک ہی میں شریک ہو جاؤ۔ ایک کسی کار خیر میں لوگوں کو شریک کر لینا اور ایک اس پر سے سقوط واجب جاننا، ان دونوں میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ وھذا ظاہر لمن له عقل کامل وفہم سالم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) ایسی طعام داری کی شرکت میں کوئی مضائقہ نہیں، نہ مولود شریف ناجائز بلکہ بہر اور باعث ثواب ہے۔ قال تعالیٰ: ”وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ“ (الضحیٰ: ۱۱) اور خوشی و مسرت کے موقع پر عزیز و اقارب، دوست و احباب کی دعوت بھی مسنون ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب سورہ بقرہ تمام کیا تو اونٹ ذبح کیا اور لوگوں کی دعوت کی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) اگر دولہا، نکاح کرنے والے قاضی کو کچھ بطور ہدیہ پیش کرے، اگرچہ وہ شخص مالدار، صاحب ثروت ہو، لینے میں مضائقہ نہیں۔ اس لئے کہ یہ زکوٰۃ کا پیسہ نہیں کہ اغنیاء کو لینا حرام ہو بلکہ ہدیہ و تحفہ ہے۔ اس کے لینے میں مضائقہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۵) مسئلہ نکاح میں عام طور پر ایک غلط فہمی ہو رہی ہے۔ وہ یہ کہ جو لوگ عورت سے توکیل کے لئے جاتے ہیں، جن کے سامنے عورت توکیل کا اقرار کرتی ہے، انہیں کو نکاح کا گواہ سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ دو شخص جو زنانے میں جا کر عورت سے اجازت لیتے ہیں، وہ صرف توکیل کے گواہ ہیں۔ یعنی ان دونوں کے سامنے عورت نے فلاں شخص کو نکاح پڑھانے کی اجازت دی۔ نکاح کے گواہ وہ سب مجمع والے ہیں اور وہ لوگ جن کے کہنے سے شوہر نے اقرار و قبول کیا۔ غرض جن جن لوگوں نے اقرار و قبول کے الفاظ سنے، وہ سب کے سب نکاح کے گواہ ہیں۔ اب اگر کسی رذیل قوم کی لڑکی سے کسی نے

اقرار نکاح کیا تو اس نکاح کے گواہ سب جمع والے ہوں گے۔ پھر اس عورت نے اگر واقعی اس کو وکیل نہ کیا تو پھر یہ نکاح، نکاح فضولی ہوگا، عورت کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اگر اجازت دے گی جائز ہوگا ورنہ باطل۔ اور یہ سب اس صورت میں ہے کہ خود عورت جوان، عاقلہ، بالغہ ہو ورنہ اگر کمسن لڑکی ہے تو اس کے ولی کی توکیل کافی ہے۔ وھذا کلہ ظاہر۔

واللہ تعالیٰ اعلم

(۶) اس کہنے سے بیشک وہ عورت مطلقہ ہوگئی۔ شوہر اول نکاح کے بعد البتہ اس کو رکھ سکتا ہے، بشرطیکہ ایک ہی مرتبہ کہا ہو، جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے۔ اور اگر تین مرتبہ کہا تو حرمت غلیظہ ہوگی، صرف نکاح کافی نہیں، بغیر حلالہ جائز، درست نہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۷) اس طرح سے جرمانہ کرنا شرعاً درست نہیں۔

ردالمحتار جلد ۳ ص ۱۸۴ میں ہے: ”قوله لا یأخذ المال فی المذهب قال فی الفتح وعن ابی یوسف یحوز التعزیر للسلطان بأخذ المال وعندهما وباقی الائمة لا یحوزہ امثله فی المعراج وظاہرہ ان ذلک رواۃ ضعیفۃ عن ابی یوسف قال ولا یفتی بہذا لما فیہ من تسلیط الظلمۃ علی أخذ مال الناس فیاکلونہ ومثله فی شرح الوہبانیۃ عن ابن وہبان۔“

تو جب مفتی بہ مذہب پر جائز نہیں ہے تو یہ مال لینا غضب کے حکم میں ہوگا۔ اس سے ان چیزوں کا بنانا جائز نہیں۔ ہاں! اگر وہ شخص بخوشی اجازت دے کہ میں نے شامیانہ، فرش، مصلیٰ کے لئے یہ رقم بخوشی دی تو اس پر نماز پڑھنے، مولود شریف پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ ورنہ اگر چہ نماز ہو جائے گی مگر مکروہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ مولوی کبیر الدین صاحب از بین ضلع پٹنہ ۴ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کھال کی قیمت سے عین مسجد کی تعمیر درست ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب

تعمیر مسجد از سر نو با حرمت اس کے قربانی کی کھال بلکہ اس کے گوشت کی قیمت سے بھی بلاشبہ جائز ہے۔

عالمگیر یہ میں ہے: ”و یتصدق بجلدھا او بجزء منها و کان له التصدق والانتفاع به لا بیعہ بالدراہم

لینفق علی نفسہ و عیالہ واللحم بمنزلۃ الجلد فی الصحیح ولو باعھا بالدراہم لینفق بیھا جاز لانہ قربۃ

کالتصدق اہ۔“

”اور مستحب ہے کہ صدقہ کرے اغنیہ کے چڑے کو کہ چڑہ اس کا جزء ہے اور اس کا حق تصدق اور نفع اٹھانا ہے۔

نہیں جائز ہے بیچنا کھال کا داموں سے تاکہ اپنے اور گھر والوں کے صرف میں لائے اور صحیح مذہب میں گوشت کھال کے

مرتبے میں ہے اور اگر کار خیر میں صرف کرنے کے لئے بیچا تو جائز ہے۔“ ہکذا فی الکافی والہدایۃ والتبیین

والبحر والحلیة وخزانة المفتیین وفتح الله المعین۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”کلوا وادخروا و تصدقوا“ کھاؤ اور جمع رکھو اور صدقہ کرو۔
رواہ مسلم والبخاری واحمد عن عائشة ولا بی داؤد عن نیشة الہذلی: ”کلوا واشربوا وادخروا
وانتجروا۔“ کھاؤ اور پیو اور جمع کر رکھو اور وہ کام کرو جس میں ثواب ہو۔

اور شک نہیں کہ تعمیر مسجد، کارِ ثواب ہے بلکہ اس کا ثواب اتنا نہیں کہ کوئی بتا سکے کہ وہ سالہا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا، نہ کسی دل پر اس کا خطرہ گذرا۔
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”ان مما يلحق المؤمن من عمله بعد مماته مسجدا بئاه“
بیشک مسلمان کے ان عملوں سے جن کا ثواب بعد موت بھی ملتا ہے، مسجد ہے، جو اس نے بنائی۔ اخرجه ابن حريمة
وماجة والبيهقي عن ابی هريرة رضي الله عنه۔

دوسری حدیث میں ہے: ”من يبنى لله مسجدا“ جو شخص خدا کے لئے مسجد بنائے ”وفی رواية ولو
كمفحص قطاة“ اگرچہ قطا کے گھونسلے جیسی ”وفی رواية او اصغر“ یا اس سے بھی چھوٹی ”وفی رواية يدكر الله
عز وجل فيه“ تاکہ اس میں ذکر خدا ہوئے (نہ کہ مسجد ضرار کہ تفریق بین المسلمین و تقلیل جماعت کی غرض سے بنائی
جائے) ”بنی الله له بيتا فی الجنة“ اللہ اس کے لئے گھر جنت میں بنائے گا فی رواية ”من درر وياقوت“ مولیٰ اور
ياقوت کے رواہ ابن ماجه وابن حبان وسيدنا ابو حنيفة وابن خزيمة والبخاری مسنده والطبرانی فی
الصغير والترمذی وهو فی الكبير والاوسط وابن عدی والنسائی عن سيدنا عثمان وعمر و جابر بن عبد الله
وابی ذر و انس بن مالك وابی امامة وابی هريرة واسماء بنت الصديق وعمر و بن عبسة رضي الله تعالى
عنهم اجمعين۔

پھر یہ ثواب صرف اسی پر نہیں کہ ساری مسجد خود بنائے یا مال کثیر سے شرکت کرے۔ بلکہ ہر شرکت والے کو بے کم
وکاست اتنا ہی ثواب ملے گا۔ ”لا ينقص عن اجورهم من شيء۔“
بالجملة تعمیر مسجد قیمت جلوداضیہ سے بلاشبہ درست ہے۔ چاہئے کہ کھال مہتمم تعمیر کے حوالہ کریں کہ وہ اسے بچ کر
تعمیر میں لگائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

”اعلام الساجد بصرف جلود الاضحية فی المساجد“ (۵۱۳۲۵)

مسئلہ مسئلہ جناب شیخ محی الدین اشرف رئیس بین ضلع پٹنہ اوخر ذی الحجۃ الحرام ۱۴۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پوست اضحیہ سے تعمیر مسجد جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کو کس کس کام میں لائے جاسکتے
ہیں۔؟ فقہائے کرام جو ”بتصدق بجلدها“ فرماتے ہیں، اس سے مراد صدقہ واجبہ ہے یا نافلہ؟۔ بینوا تو جروا۔

باب ج

بلاشبہ پوست اضحیہ کو تعمیر مسجد کے لئے دینا، اس سے مسجد کی تعمیر، مرمت، قلعی کرنا، اس کے لئے جانماز، بوریا، چٹائی، لوٹے، رتی، ڈول، جھاڑو، چراغ، بیٹھاتیل خریدنا جائز ہے۔ (مٹی کا تیل مسجد کے لئے نہ خریدیں کہ اس کا مسجد میں جلانا یا کسی اور بدبودار چیز کا مسجد میں لے جانا، دیا سلائی کھینچنا سب مکروہ تحریمی ہے۔ احکام و آداب مسجد میں ہے کہ وہ ہر بدبودار چیز سے بچائی جائے جس سے لوگوں کو ایذا پہنچتی ہو۔ اسی لئے احادیث میں کچا لہسن، کچی پیاز کھانے والے کو مسجد کے قریب آنے سے بھی ممانعت آئی ہے۔ زمانہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں جس شخص کے منہ سے لہسن، پیاز کی بو آتی، بقیع شریف تک نکال دیا جاتا۔

صحیح مسلم شریف میں ہے: ”ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطب یوم الجمعة فذکر: انکم ایہا الناس تاكلون شجرتین لا اریہما الا خبیثتین هذا البصل والثوم ولقد رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا وجد ریحہما من الرجل فی المسجد امر بہ فاخرج الی البقیع“ رواہ عن معدان بن ابی طلحة رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔“

اسی بنا پر علماء کرام نے، جس شخص کے آنے سے نماز پوں کو نفرت ہوتی ہو، انہیں ایذا پہنچتی ہو، اس کو مسجد میں آنے کی اجازت نہ دی اور تصریح فرمائی کہ وہ مسجد سے باز رکھا جائے گا۔ مثل قصاب، ماہی فروش، جذامی، مبروص، گندہ دہن، گندہ بغل، وغیرہ وغیرہ۔

در مختار والاشباہ والنظائر میں ہے: ”یکرہ دخوله لمن اکل ذاریح کریمہ ویمنع عنہ وکذا کل موز ولو بلسانہ او فی الطحطاویہ کمفتاب ونماہ“

عمدة القاری شرح صحیح بخاری پھر رد المحتار حاشیہ در مختار شرح تنویر الابصار میں ہے: ”یلحق بما نص علیہ فی الحدیث کل مالہ رابحة کریمہ ما کولا او غیرہ والقصاب والسماک والمخدوم والابرص اولیٰ بالاحاق۔“

نووی شرح صحیح مسلم میں ہے: ”قال العلماء ویلحق بالثوم والبصل والکراث کل مالہ رابحة کریمہ من الماکولات وغیرہا۔ قال القاضی ویلحق بہ من اکل فحلا وکان یتحشی قال وقال ابن المرابط ویلحق بہ من بہ بخر فی فیہ او بہ جرح لہ رابحة۔ وفيہ تحت قوله ”فاخرج الی البقیع“ فیہ اخراج من وجد منه ریح الثوم والبصل ونحوہما من المسجد وازالة المنکر بالید لمن امکنہ او۔“

مسجد کے لئے حسب حاجت جھاڑو فانوس، ہانڈی، موی بتی وغیرہ خریدنا، مسجد کے لئے حدود حرم سے باہر کنواں، غسل خانہ، استنجا خانہ، پاخانہ بنوانا، امام موزن جاروب کش مسجد کی تنخواہیں دینا، سب کچھ جائز و درست ہے۔ ظاہر ہے کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقصود قربانی سے ہرگز ہرگز گوشت و پوست، شعرو و بر، صوف و خم نہیں، نہ ان کا نام قربانی ہے۔ بلکہ وہ ایام مخصوصہ میں اراقت دم مخصوص تقرباتی اللہ ہے۔ اس واسطے ایام نحر میں اس جانور کے زندہ صدقہ کرنے سے

قربانی ادا نہیں ہوتی بلکہ غنی پر دوسرے جانور کی قربانی واجب ہوتی ہے۔

رد المحتار جلد پنجم میں جوہرہ نیرہ شرح قدوری سے ہے: ”والدلیل علیٰ انہا الاراقۃ لو تصدق بعین

الحيوان لم يحز والتصدق بلحمها بعد الذبح مستحب وليس بواجب۔“

اسی میں ہے: ”فان تصدق بعینہا فی ایامہا فعلیہ مثلہا مکانہا لان الواجب علیہ الاراقۃ۔“

نہ قبل از ذبح یا نہ بوحہ قبل از وقت کے دودھ، اون، گوشت یا کسی جز سے انتفاع درست اور اگر دودھ دودھ لیا یا

اون کاٹ لی تو اسے اپنے مصرف میں نہیں لاسکتا۔ بلکہ اس کا صدقہ کرنا واجب ہے اور بعد قربانی کرنے کے اس میں ہر قسم

کے تصرف کا، سوا تمول کے، مجاز مختار ہے۔

فتاویٰ عالمگیریہ جلد پنجم میں ہے: ”ولو اشترى شاة للاضحية بكرة ان يحلبها او يحز صوفها فينتفع

به لانه عينها للقربة فلا يحل له الانتفاع بحزء من اجزائها قبل اقامة القربة بها كما لا يحل له الانتفاع

بلحمها اذا ذبحها قبل وقتها بدائع۔ ولو حلب اللبن من الاضحية قبل الذبح او جز صوفها يتصدق به

ولا ينتفع به كذا في الظهيرية واذا ذبحها في وقتها جاز له ان يحلب لبنها ويحز صوفها وينتفع به لان

القربة اقيمت بالذبح والانتفاع بعد اقامة القربة مطلق كالاكل كذا في المحيط اه“ مختصرا۔

یعنی اقامت قربت اضحیہ سے انتفاع جائز نہیں۔ اور بعد قربانی کرنے کے اس کے دودھ، گوشت، صوف سب

سے انتفاع روا کہ قربت تو ذبح ہی سے حاصل ہوگئی اور بعد اقامت قربت انتفاع مطلقا جائز ہے۔ جس طرح اور جس وجہ

سے ہو، نفع اٹھا سکتا ہے۔ دینی ہو یا دنیاوی۔ گوشت کو انہیں دنوں میں کھائے یا بعد کے لئے اٹھا رکھے۔ پوست کی کوئی چیز

استعمال مثل ڈول، مشک، چھلنی، پوستین، توشہ دان، فرش، تکیہ، ترازو، چھاگل، دسترخوان، بستر بند، جلد کتاب، بیگ، جوتہ

موزہ، تسمہ، جانماز، زین، ساز، لگام، پرتلہ، کپی، دھونکنی، وغیرہ بنائے یا اس سے کوئی ایسی چیز بدل لے جو بعینہ استعمال

میں آتی ہو جیسے برتن، کپڑا، کتاب، قلمدان، الماری، بکس، فانوس، لیپ، میز، کرسی، تخت، تپائی، ٹیبل، کواڑ، سماوار، چاندان،

پرچ، پیالیاں، ٹفن بکس، کیش بکس، پیٹی، صندوق، لالٹین، جھینکا، دیوار گیر، کھوٹی، کھڑاون، وغیرہا۔ ہاں وہ چیزیں نہ بدلے

جن سے انتفاع بعد استہلاک ہوتا ہو۔ جیسے گوشت، ترکاری، غلہ، نمک، مسالا، مٹھائی، حلوا، ربڑی، برف، مکھن، دودھ، دہی،

گھی، چاول، دال وغیرہا کہ اس قسم کی چیزیں بدلنا نہ گوشت پوست سے جائز، نہ اس کی چربی، سرا، پائے، اون، بال، دودھ

وغیرہا سے روا۔“

عالمگیریہ جلد ۵ میں بدائع شرح تحفۃ الفقہاء سے ہے: ”ولا يحل شحمها و اطرافها و راسها و صوفها

ووبرها و شعرها و لبنها الذي يحلب منها بعد ذبحها بشيء لا يمكن الانتفاع به الا باستهلاك عينه من

الدراهم والدنانير والماكولات والمشروبات۔“

مگر یہ یاد رہے کہ اپنے لئے برتن وغیرہ سے اشیاء مستعملہ بعینہا کو چمڑے سے بدلنا جائز ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کھال یا

گوشت یا اس کے کسی جزء کو روپوں سے بیچیں پھر ان روپوں سے یہ سب چیزیں خریدیں کہ یہ درست نہیں۔

رد المحتار جلد ۵ میں طحاویہ حاشیہ در مختار سے ہے: ”قوله (بما ينتفع بعينه) ظاهر انه لا يجوز بيعه

بدراهم ثم يشتري بها ما ذكره ويفيده ما ذكره عن البدائع۔“

کہ اپنے لئے کھال یا گوشت، روپوں سے بیچنا مطلقاً ممنوع ہے۔ بیچ لیا تو اس میں روپوں کو اپنے صرف میں لانا

جائز نہیں بلکہ اس کا تصدق واجب۔ لانه حصل بوجه خبيث لحديث التمول المنهى عنه و كل مال صفته

هكذا يجب تصدقه۔ قال في الهداية: ”ولو باع الجلد او اللحم بالدراهم او بمالا ينتفع به الا بعد

استهلاكه تصدق بثلثه لان القرية انتقلت الى بدله اه“ وسبيلها التصديق اه عناية قلت كذا علله في

الكافي حيث قال تصدق بثلثه لان معنى التمول سقطه عن الاضحية فاذا تمولها بالبيع انتقلت القرية

الى بدله فوجب التصديق۔

چاہے پھر ان روپوں کو اپنے پاس رکھے یا ان سے کوئی چیز خریدے کہ ہر طرح تمول ہے اور اضحیہ سے تمول مطلقاً

نا جائز۔ اس واسطے اگر کسی نے پوست یا گوشت قربانی فقیر کو بہ نیت زکوٰۃ دیا، زکوٰۃ ادا نہ ہوئی۔ اور اگر اس نے کسی امیر کو

ہدیہ دیا اور اس نے بہ نیت زکوٰۃ فقیر کو دے دیا، اس کی زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ اس لئے کہ صورت اولیٰ میں تمول پایا گیا کہ اس پر

جتنا روپیہ پوست میں منہا ہوا، اتنا اسے بیچ رہا۔ بخلاف دوسری صورت کے کہ اس نے غنی کو ہدیہ دیا اور ہدیہ دینا اغنیاء کو

درست ہے۔

فتاویٰ سراجیہ میں ہے: ”ولا باس بان يهدى الاغنياء۔“

عالمگیر یہ میں فتاویٰ غیاثیہ سے ہے: ”ويهب منها (اي من الاضحية) ماشاء للغنى والفقير۔“

اور بعد قبول ہب وہ پوست اس کے تمامی املاک کی طرح اس کی ملک ہے۔ جس طرح اپنے مال کو زکوٰۃ میں دے

سکتا ہے اس کا دینا بھی درست اور صحیح ہے۔

رد المحتار جلد ۵ میں قہستانی سے ہے: ”اذا دفع بنية الزكوة لا يحسب عنها في ظاهر الرواية لكن اذا دفع

لغنى ثم دفع الغنى بنيتها (الزكوة) يحسب۔“

دینی فائدہ یہ کہ گوشت اپنے عزیز واقارب، احباب واصحاب کو کھلائے یا ان کے گھر بھیج دے۔ پوست کسی فقیر یا

غنی کو بعینہ یا اس کی چیز موزہ، پوستین، تکیہ، وغیرہ بنا کر ہدیہ دے یا اس سے کوئی چیز مستهلك یا غیر مستهلك بدل کر یا روپیوں

سے بیچ کر صدقہ کرے یا کسی نیک کام میں صرف کرے یعنی نفع عام کی کوئی چیز مدرسہ، حوض، پل، نہر، سرائے، کنواں، مسجد،

شفا خانہ، قبرستان کی حفاظت وغیرہ کی تعمیر کرائے۔ غرض ہر اس کام میں جس میں ثواب ہو، صرف کرنا بلاشبہ جائز ہے۔

عالمگیر یہ میں تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق سے ہے: ”ويتصدق بجلدها او بعمل منه نحو غربال

وجراب ولا باس بان يشتري به ما ينتفع بعينه مع بقائه استحسانا وذلك مثل ما ذكرنا ولا يشتري به

مالا ینتفع الا بعد استهلاكه نحو اللحم والطعام ولا یبیعه بالدراهم لیتفق الدراهم علی نفسه و عیالہ
واللحم بمنزلة الجلد فی الصحيح حتی لا یبیعه بما لا ینتفع به الا بعد الاستهلاك ولو باعها بالدراهم
لیتصدق بها جاز لانه قربة کالتصدق کذا فی التبین۔ وھکذا فی الھدایۃ والکافی۔“

یعنی اور مستحب ہے کہ کار خیر میں لگائے پوست اضحیہ کو یا اس سے چلنی اور موزہ یا کوئی اور چیز اس کے مثل
بنائے۔ اور نہیں مضائقہ کہ خریدے اس سے وہ چیز کہ بعینہ اس چیز سے نفع اٹھایا جاتا ہو مثل اول چیزوں کے کہ ذکر کیا ہم
نے اور نہ خریدے اس سے وہ چیز جس سے قبل از استهلاك نفع غیر متصور ہو جیسے گوشت غلہ اور پوست کوروپیوں سے تاکہ
اپنے اور اپنے عیال کے صرف میں لائے اور صحیح مذہب میں گوشت پوست کے حکم میں ہے۔ اسی لئے نہیں بیچ سکتے اس چیز
سے جس سے قبل استهلاك نفع نہ اٹھایا جاتا ہو۔ اور اگر بیچے اس کوروپیوں سے تاکہ صدقہ کرے ان روپیوں کو تو جائز ہے
کیونکہ یہ بھی قربت ہے مثل صدقہ کرنے کھال کے (اور ہر قربت جائز ہے تو یہ بھی جائز ہے) یہ علامہ زلیحی کی تبیین الحقائق
شرح کنز الدقائق میں ہے اور ایسا ہی علامہ برہان الدین مرغینانی کی ہدایہ شرح ہدایہ اور علامہ عبداللہ ابوالبرکات نسفی کی
کافی شرح وافی میں ہے۔“

عبارت ہذا تحریر بالا کی روشن دلیل ہے۔ اور اس سے ہر ذکی، متفطن، سلیم الطبع، جزئیات مسائل متعلقہ پوست
اضحیہ اولیٰ تامل سے نکال سکتا ہے۔ مگر تعمیم نفع کے لئے ایک ضابطہ وقاعدہ کلیہ لکھا جاتا ہے جو قلب فقیر پر ارواح طیبہ اساتذہ
کرام و مشائخ عظام حصہم اللہ العلام باللطف العام سے فائز ہوا۔ جس سے ہر عاقل فہیم تمامی جزئیات بآسانی نکال
سکتا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ وھو حسبی ونعم الوکیل

ظاہر ہے کہ پوست، گوشت اضحیہ دونوں ^{منتفع بہ} ہیں اور شریعت مطہرہ نے بعد اراقت دم اس سے انتفاع کا حکم دیا
کما قدمنا عن الھندیۃ عن المحيط اور انتفاع دو حال سے خالی نہیں۔ دینی ہوگا یا دنیاوی۔ اول ہر طرح جائز ہے،
عین سے ہو یا بدل سے۔ لما مر من قوله ویتصدق بجلدها وقوله ولو باعها بالدراهم لیتصدق بها جاز لانه
قربة کالتصدق۔

ثانی بھی دو حال سے خالی نہیں۔ یا بعینہ ہوگا یا بدل۔ اول مطلقاً جائز ہے، لما فی غرر الاحکام: "او یجعلہ
آلۃ کجراب وخف وفرواہ و فی الخانیۃ ولا یاس بان یتخذ من جلد الاضحیۃ فروا او بساطا او متکنا
یحلس علیہ اہ و فی الکافی والھدایۃ او یعمل منہ الۃ تستعمل فی البیت کالقطع والجراب والعربال
ونحوھا اہ" کالدلو والسفرة والقرب عینی۔

ثانی بھی دو حال سے خالی نہیں یا بدل ثمن ہوگا یا نہیں۔ اول ناجائز ہے۔ تملکہ بحر الرائق و تبیین و خلاصہ میں ہے: "ولا
یبیعہ بالدراهم لیتفق الدراهم علی نفسه و عیالہ"۔

ثانی یعنی بدل ثمن نہ ہو بلکہ مٹمن ہو وہ بھی دو حال سے خالی نہیں یا مستہلک ہوگا یا غیر مستہلک، اول ناجائز ہے۔

لما فی الهدایة والتبیین والکافی والطحاوی وخزانة المفتیین: "ولا یشتری به مالا ینتفع به الا بعد استہلاکہ کالخل والابازیر اعتبارا بالبیع بالدراہم والمعنی فیہ انہ تصرف علی قصد التمول۔"

ثانی جائز ہے لما فی الهدایة وشرح الكنز لملا مسکین والکافی والتبیین والطحاوی وخزانة المفتیین: "ولا باس بان یشتری به ما ینتفع بعینہ فی البیت مع بقائہ استحسانا۔"

یایوں خیال کیا جائے کہ قربانی کرنے والا گوشت اضحیہ کو اپنے صرف میں لائے گا یا غیر کے۔ عام ازیں کہ کوئی شخص معین ہو یا غیر معین جیسے رفاہ عام۔ ثانی ہر طرح جائز ہے۔ اور اپنے صرف میں لانے کی چار صورتیں ہیں دو جائز، دو ناجائز (۱) اس کی کوئی چیز بنائے (۲) اس سے کوئی غیر مستہلک چیز بدلے تو جائز ہے اور (۳) اگر روپیوں سے بیچا (۴) کوئی مستہلک چیز خریدی تو ناجائز و ممنوع۔ وقد مضت الادلة آنفاً۔

پوست اضحیہ کا صدقہ، واجبہ نہیں بلکہ نافلہ ہے۔

اولا اگر واجبہ ہوتا تو مثل زکوٰۃ و صدقہ فطر اپنے نفس و عیال پر اس کا صرف کرنا یا کسی غنی یا ذمی کو ہدیہ دینا یا گھر رکھ کر چھوڑنا ہرگز جائز نہ ہوتا۔

عالمگیری جلد ۵ میں ہے: "ولیس للمتصدق ان یاکل صدقته ولا ان یعطی غیرہ من الاغنیاء۔"

ہدایہ میں ہے: "ولا یجوز ان یدفع الزکوٰۃ الی ذمی۔"

اور نہیں جائز ہے کہ صدقہ کرنے والا اپنے صدقے سے کھائے اور نہ یہ جائز ہے کہ کسی غنی کو کھلائے اور نہ یہ جائز کہ کسی ذمی کو دے۔ حالانکہ اس کا کھانا اور غنی کو کھلانا یعنی اپنے صرف میں لانا، اپنے گھر رکھ چھوڑنا، غنی اور ذمی کو دینا، سب کچھ جائز ہے۔

کنز الدقائق، بحر الرائق، تبیین الحقائق، درر الحکام، غرر الاحکام، برجندی۔

رد المحتار جلد ۵ میں ہے: "ویاکل من لحم الاضحیة ویوکل غنیا ویدخر "اور کھائے گوشت اضحیہ سے اور کھلائے

غنی کو اور جمع کر رکھے بعد کو کہ صرف میں لائے"

فتاویٰ غیاثیہ پھر فتاویٰ ہندیہ میں ہے: "وبہب منها ای من الاضحیة ماشاء للغنی والفقیر والمسلم والذمی۔"

بلکہ اہل و عیال والے کے لئے یہی مستحب ہے کہ صدقہ نہ کرے بلکہ اپنے بچوں کے لئے جمع کر رکھے تاکہ خوب

فراغ کے ساتھ کھائیں۔

در مختار، ہندیہ، بدائع، شرح شرعۃ الاسلام، شرح وقایہ، درر غرر، شرنبلالیہ، ذخیرہ، منقہ، برجندی، شرح مختصر وقایہ

و خزانة المفتیین میں ہے: واللفظ للاول "وبندب ترکہ ای التصدق لذی عیال وسعة علیہم۔"

"اور مستحب ہے عیال والے کے لئے نہ صدقہ کرنا تاکہ وسعت ہو ان پر۔"

ثانیاً شریعت مطہرہ نے یہاں مخیر بنایا کہ چاہے کل کو صدقہ کریں یا کل اپنے صرف میں لائیں یا اغنیاء کو ہدیہ دیں۔

قال فی البدائع: "والافضل ان يتصدق بالثلث ويتخذ الثلث ضیافة لاقربائه واصدقائه ویدخر الثلث ویستحب ان یأکل منها ولو حبس الكل لنفسه جاز لان القربة فی الاراقة والتصدق باللحم تطوع۔"

اور تخیر منافی وجوب ہے۔ کما فی الهدایة قبیل فصل البقراة۔

ثالثاً خود علماء نے تصریح فرمادی کہ تصدق مستحب ہے، واجب نہیں۔

شرح لباب و نمک متوسط و مسلک متقطط میں ہے: "لا یجب التصدق بکله ولا بیعضه۔" اور نہیں واجب

ہے صدقہ کرنا گوشت اضحیہ کا، نہ کل کا، نہ بعض کا۔

جوہرۃ نیرہ شرح قدوری پھر ردالمحتار میں ہے: "والتصدق بعد الذبح مستحب ولیس بواجب۔" اور

ذبح کرنے کے بعد صدقہ کرنا مستحب ہے واجب نہیں۔ اس واسطے اگر کل صدقہ کر دیا یا کل کھا لیا یا دوسرے دن کے لئے

اٹھا رکھا تو کچھ حرج نہیں، جائز و درست ہے۔

بدائع پھر عالمگیریہ میں ہے: "ولو تصدق بالکل جاز ولو حبس الكل لنفسه جاز وله ان یدخر کل

فوق ثلاثة ايام۔" اور اگر کل کسی کو دے دیا یا کل اپنے لئے رکھ لیا یا تین دن سے زیادہ روک لیا تو یہ سب جائز ہے۔ لقولہ

عليه الصلوة والسلام بعد النهی عن الادخار "كنت نهيتكم عن لحوم الاضاحی فوق ثلاث لیسع دو

الطول علی من لا طول له فكلوا ما بدالکم واطعموا وادخروا" رواہ الترمذی عن بریدة رضی اللہ تعالیٰ عنہ

وقال فی الباب عن ابن مسعود وعائشة ونبشة وابی سعید وقتادة بن النعمان وانس وام سلمة وحديث

بریدة حسن صحيح والعمل علی هذا عند اهل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم و غیرہم اذ

رضی اللہ تعالیٰ عنہم والامام احمد عن ابی ہریرة والبخاری عن سلمة بن الاکوع ومسلم عن بریدة

وابوداؤد وابن ماجه عن نبیشة الہذلی والنسائی عن عائشة والحاکم وابن حبان عن ابی سعید الخدری

وابن ابی شیبہ شیخ الشیخین والبیہقی وعبد بن حمید عن ابی ہریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہم جمیعین

بالفاظ متقاربة عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

بعض حضرات کاو تصدق بسجلہا سے صدقہ واجبہ سمجھنا اور صرف تملیک یا اباحت فقیر پر اقتضار کرنا، معافی

تصدق سے تصور پر مبنی ہے۔ اس لئے کہ تصدق کے تین معنی ہیں۔ ایک اخص کہ فقط تملیک فقیر ہے کما صرح بہ فی

الخانبة وغیرہ۔ ازکوۃ وصدقہ فطر میں یہی معنی مراد ہے۔ اس میں فقیر کے لئے اباحت بھی نہیں آسکتی ولہذا اپنے دسترخوان

پر جو کچھ فقیروں کو اباحت سے کھلا دیا۔ زکوۃ میں محسوب نہیں ہو سکتا۔ فی الدر فلو اطعم یتیماننا ویا للزکوۃ لا

یحزبہ۔ دوسرے خاص جس میں اباحت فقیر بھی داخل ہے جیسے کفارات۔ تیسرے عام جس میں اباحت بلکہ صلہ رحم

ومواسات احباب اغنیاء بھی داخل، جس کا حاصل وہی مطلق تقرب ہوگا۔

بحر الرائق پھر ردالمحتار میں ہے: "الصدقة تكون علی الاغنیاء ایضا وان کانت مجازا عن الہبة عند

بعضہم وصرح فی الذخیرۃ بان فی التصدق علی الغنی نوع قرۃ دون قرۃ الفقیر۔“

ولہذا انفع عام کے لئے تصرف مال بغیر تملیک و اباحتہ کو بھی صدقہ کہتے ہیں۔ اسی بنا پر حدیث شریف میں کنواں کھود کر وقف کر دینے کو صدقہ فرمایا۔ بلکہ کبھی قطع نظر غیر سے اپنے اہل و عیال پر صرف کرنے کو بھی صدقہ کہتے ہیں جبکہ نیت صالحہ ہو۔ وہ بھی قربت ہے۔

طبرانی معجم کبیر میں حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”ما انفق الرجل فی بیتہ و اہلہ و خدمہ فہو صدقۃ۔“ جو کچھ خرچ کرے آدمی اپنے گھر میں اپنی بی بی، اپنے بچوں، اپنے خادم پر، وہ اس کے لئے صدقہ ہے۔ بلکہ بہ نیت محمودہ اپنے نفس پر صرف کرنے اور خود اپنے خرچ میں لانے کو بھی صدقہ کہتے ہیں۔

حدیث میں ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: ”ما اطعمت زوجتک فہو لک صدقۃ و ما اطعمت ولدک فہو لک صدقۃ و ما اطعمت خادمک فہو لک صدقۃ و ما اطعمت نفسک فہو لک صدقۃ۔“ ”یعنی تو اپنے نفس کو کھلا دے وہ بھی تیرے لئے صدقہ ہے۔ رواہ الامام احمد فی مسندہ والطبرانی فی الکبیر عن مقدم بن معدی کرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم و حسنہا السیوطی۔“

جب صدقہ اور تصدق اتنے معنوں میں مستعمل ہے، تو اب یہ دیکھنا ہے کہ یہاں کون کون سے معنی مراد ہو سکتے ہیں ظاہر ہے کہ اول و ثانی یعنی خاص تملیک و اباحتہ فقیر ہرگز ہرگز مراد نہیں ہو سکتے کہ وہ صرف صدقہ واجبہ زکوٰۃ و صدقہ فطر اور کفارہ میں ہوتا ہے اور یہ صدقہ واجبہ نہیں ہے بلکہ نافلہ ہے۔ کما قدمنا اور خود تستعمل فی البیت سے اپنے اور اپنے عیال کے صرف میں لانا اور بؤ کل غنیا سے اغنیا کو دینا، سب کا جواز ثابت ہو چکا ہے۔ لاجرم معنی ثالث یعنی تقرب مراد ہے۔ اور بعمل منہ نحو غربال وغیرہ کا اس پر عطف بایں معنی کہ اپنے صرف میں لانا بے کسی خاص نیت محمودہ کے ہو، جو اسے صدقہ میں داخل کر دے اور جب مطلق تقرب کا ارادہ لازم اور تصریح امام زیلعی لانہ قرۃ کالتصدق اس پر جازم۔ تو اضحیہ کے چمڑے سے کوئی کام رفاہ عام کا کرنا جس سے ثواب حاصل ہو بلاشبہ جائز ہوا۔ اور ہر شخص جانتا ہے کہ مسجد بنانے میں وہ ثواب عظیم ہے کہ لا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر ”جو کسی آنکھ نے نہ دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل پر خطرہ گزرا۔“

حدیث میں ہے:

(۱) ”من بنی للہ مسجدا ولو کمفحص قطاۃ بنی اللہ لہ بیتا فی الحنۃ“ رواہ امام الاثمۃ، سراج

الامۃ سیدنا ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت عبد اللہ بن ابی اوفیٰ یقول سمعت رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول من بنی الحدیث۔ قلت فیہ تصریح بتابعیۃ الامام والحمد للہ المملک

المنعم

- (۲) ورواه الامام احمد في مسنده عن ابن عباس رضي الله تعالى عنها وزاد لبيضها بعد قوله قطاة۔
- (۳) واخرج الامام احمد في مسنده والشيخان في صحيحيهما والترمذي وابن ماجه في سننهما عن عثمان بن عفان يقول "سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول من بنى مسجدا قال بكير حسبت انه قال يبتغي به وجه الله بنى الله له مثله في الجنة"۔
- (۴) ورواه ابو موسى المديني في كتاب الصحابة عن عمر بن مالك وزاد "لله" و"بيتا"۔
- (۵) واخرج الترمذي عن انس قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم "من بنى لله مسجدا صغيرا كان او كبيرا بنى الله له بيتا في الجنة"۔
- (۶) واخرج النسائي عن عمرو بن عبسة ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال "من بنى مسجدا يذكر الله عز وجل فيه بنى الله له بيتا في الجنة"۔
- (۷) واخرج ابن ماجه وابن حبان في صحيحه عن عمر بن الخطاب قال "سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم من بنى مسجدا يذكر فيه اسم الله بنى الله له بيتا في الجنة"۔
- (۸) واخرج الطبراني في الكبير عن واثلة بن الاسقع قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم "من بنى مسجدا يصلى فيه بنى الله له بيتا في الجنة افضل منه"۔
- (۹) واخرج هو والضياء في المختارة عن ابي قر صافة انه سمع النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يقول "ابنوا المساجد واخرجوا القمامة منها فمن بنى لله بيتا بنى الله له بيتا في الجنة قال يا رسول الله وهذه المساجد التي تبنى في الطريق قال نعم واخراج القمامة منها مهوور حور العين"۔
- (۱۰) واخرج هو في الكبير عن ابي امامة قال: "من بنى لله مسجدا بنى الله له في الجنة اوسع منه"۔
- (۱۱) ورواه ابو نعيم عن اسماء بنت يزيد وزاد "بيتا" وابوالفرج في كتاب العلل وزاد "من علق فيه قنديلا صلى عليه سبعون الف ملك حتى يطفى ذلك القنديل ومن بسط فيه حصيرا صلى عليه سبعون الف ملك حتى ينقطع ذلك الحصر ومن اخرج منه قذاة كان له كفلان من الآجر"۔
- (۱۲) واخرج هو في اوسطه والبيهقي في شعب الايمان عن ابي هريرة قال من بنى بيتا يعبد الله فيه حلالا بنى الله له بيتا في الجنة من الدر والياقوت"۔
- (۱۳) واخرج ابو نعيم عن انس رضي الله تعالى عنه "من بنى مسجدا لله في الدنيا يريد به وجه الله بنى الله له بيتا في الجنة قالوا اذا نكثريا رسول الله قال كل بناء وبال على صاحبه يوم القيمة الا مسجدا فان له به قصرا في الجنة من لؤلؤ"۔
- (۱۴) وعن ابي امامة: "لا بنى احد مسجدا لله الا بنى الله له بيتا اوسع منه"۔

”یعنی جو شخص مال حلال سے اللہ کے واسطے مسجد بنائے جس میں ذکر الہی ہوتا ہو، چھوٹی ہو یا بڑی، اگرچہ قضاۃ کے گھونسلے برابر یا اس سے بھی چھوٹی، (قضاۃ ایک چھوٹی سی چڑیا کا نام ہے) اللہ اس کے لئے جنت میں مثل اس کے یا اس سے وسیع تر اور افضل گھر موتی اور یاقوت سے بنائے۔ پھر یہ کچھ ضروری نہیں کہ ساری ہی مسجد اپنی طرف سے بنائے بلکہ ہر ایک شرکت کرنے والے کو اسی قدر ثواب ہے۔ فدفع ما یتوہم ان هذا الاجر لمن بنی مسجدا ولما یمکن ان ینبی رجل مسجدا ولو اصغر من اصغر من جلد الاضحیہ لا سیما جلود الغنم۔

با ایں ہمہ اگر وساوس کسی پر غلبہ کریں تو اس کا اہل علاج یہ ہے کہ کسی متدین مسلمان کو کھال ہبہ کر دے کہ وہ اسے بیچ کر تعمیر مسجد وغیرہ میں لگائے۔ وہ شخص اگر فقیر ہے جب تو اظہر ہے۔ اور اگر غنی ہے تو اسے بھی ہدیہ دینا صحیح ہے، لانہ لما جاز التصرف لنفسه فجواز الهدیۃ اولیٰ کما استدلل فی الهدایۃ لجواز اطعام الغنی بقولہ متیٰ جاز اکلہ وهو غنی جاز ان یؤکل غنیا۔

اور بعد قبول ہدیہ، شے اس کی ملک ہے جہاں چاہے صرف کرے، کسی مسکین کو دے یا کسی سید صاحب کو نذر کرے یا مردے کو کفن دے یا مسجد تعمیر کرائے یا سرائے، حوض، مدرسہ، شفا خانہ بنائے۔ رہا یہ شبہ کہ مسجد اپنی ملک سے تعمیر کرنا چاہئے اور پوست اضحیہ اس شخص کی ملک نہیں۔ اس لئے اس کو اپنے لئے روپیوں سے بیچنا یا کوئی چیز مستہلک خریدنا صحیح نہیں، حالانکہ اپنی ملک میں آدمی کو ہر طرح تصرف کا اختیار ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ ایک تعمیر مسجد کیا، تمامی میراث و خیرات اپنی ملک سے ہی چاہئے کہ حدیث میں ہے: ”لا یقبل اللہ صدقۃ من غلول ولا صلوة بغیر طہور“ رواہ ابو داؤد وابن ماجہ عن اسامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بُنیَا للمفعول والبخاری مرسلًا۔

مگر یہ دعویٰ کہ پوست اضحیہ مضمحی کی ملک نہیں۔ محض باطل و جہالت و خلاف درایت و روایت ہے۔ اگر وہ اس کی ملک نہیں تو ”و یتصدق بجلدها“ کے کیا معنی؟ کیا شریعت مطہرہ اس کا حکم دیتی ہے کہ پرانے مال پر یا حسین کرو؟ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ حسب تصریحات فقہاء جو مال حرام کو صدقہ کر کے اس پر ثواب کی نیت رکھے، وہ کافر ہے۔

خلاصہ، عالمگیریہ، خزائنہ میں ہے: والفظ للاول ”رجل تصدق من الحرام ویرجوا الثواب یکفر۔“ علاوہ بریں خود فقہاء نے تصریح فرمادی کہ پوست اضحیہ مضمحی کی ملک میں رہتا ہے۔ اس کی ملک سے نکل نہیں جاتا ہے۔ اسی واسطے طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا بیچنا درست اور جائز ہے۔

ہدایہ، تبیین الحقائق، بحر الرائق، کافی، رد المحتار میں ہے: ”اما البیع فجائز لقیام الملك والقدرة علی التسليم۔“ اگرچہ بسبب حدوث تمول منہی عنہ مکروہ ہے۔ اور ایسی حالت میں اس ثمن کا صدقہ کرنا واجب۔ اور ہر ایک اس کام میں، جس میں تمول پایا جاتا ہو، لگانا جائز۔ اس لئے اجرت قصاب یا ذابح میں دینا درست نہیں۔

بدائع، عالمگیریہ، خانیہ، سراجیہ میں ہے: واللفظ للاول: ”ولا (یحل) ان یعطى احرة الحزار والذابح منها۔“

اسی لئے اگر کسی غنی یا فقیر نے نذر کر لی کہ میں اللہ کے واسطے قربانی کروں گا تو اس میں سے نہ کھا سکتا ہے، نہ کسی غنی کو کھلا سکتا ہے بلکہ اس کا تصدق واجب ہے۔ اب اس سے مسجد نہیں تعمیر کر سکتا۔

فتاویٰ عالمگیریہ ورد المختار میں تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق سے ہے: ”ان وجبت بالنذر فلیس لصاحبها ان یاکل منها شیئا ولا ان یعطى غیره من الاغنیاء کان الناذر غنیا او فقیرا لان سبیلها التصدق ولیس للمتصدق ان یاکل صدقته ولا ان یعطى الاغنیاء کذا فی التبیین وھکذا فی النہایۃ۔“

اسی طرح اگر گوشت یا پوست اضحیہ سے اپنے لئے کوئی مستہلک چیز خرید لی یا روپیوں سے بیچا تو اس کا صدقہ کرنا واجب ہے۔ ان روپیوں کو مسجد میں نہیں لگا سکتا۔ لانہ حصل بوجه خبیث واللہ طیب لا یقبل الا الطیب۔

اسی طرح اگر کسی فقیر نے قربانی کے لئے جانور خرید لیا تو اسے مسجد میں نہیں لگا سکتا۔ لان شرائہ لھا یجرى مجرى الايجاب وهو النذر بالتضحیۃ وقد سبق انه ان وجبت بالنذر الخ۔ اسی طرح اگر کسی نے میت کی طرف سے اس کے حکم سے قربانی کی تو مسجد میں نہیں لگا سکتا۔

رد المختار میں بزازیہ سے ہے: ”من ضحی عن الميت یصنع کما یصنع فی اضحیۃ من التصدق والا کل والاجر للمیت والملک للذابح قال الصدر والمختار انه ان یامر المیت لا یاکل منها والا یاکل۔“

در مختار میں وہبانیہ سے ہے: ”وعن میت بالامر الزم تصدقا والا فکل منها وھذا المخیر ای المختار کما قدمنا عن البزازیۃ سابقا اہ شامی۔“

اسی طرح اگر قربانی کا جانور خرید کر کے چھوڑ دیا۔ ذابح پر اس کی قیمت لازم ہے۔ اس نے دوسرا جانور خرید کر ایام نحر میں قربانی کرے۔ اس کا قربانی کرنا واجب ہے۔ نہ اس میں سے خود کھا سکتا، نہ کسی دوسرے کو کھلا سکتا، نہ مسجد میں صرف کر سکتا ہے۔ اور اگر ایام نحر نکل گئے تو اس کی قیمت فقرا پر تصدق کرے۔

در مختار میں خانیہ سے ہے: ”شری اضحیۃ وامر رجلا بذبحها فقال ترک التسمیۃ عمداً لزمہ قیمتھا لیشتري الامر بها اخری ویضحی یتصدق ولا یاکل لو ایام النحر باقیۃ والا تصدق بقیمتھا علی الفقراء۔“ خانیہ افاد العلامة الشامی فی حاشیئہ علیہ وکذا فی الذخیرۃ والخلاصۃ وغیرھما ونظمھا ابن وہبان وابن الشحنۃ اہ۔“

بالجملۃ سوا بعض صورتوں کے، جہاں خود اپنے صرف میں لانا یا غنی کو دینا جائز نہیں، عام طور پر مطلقاً بلاشبہ پوست اضحیہ سے تعمیر مسجد جائز ہے۔ لانہ قرۃ من القربات ویجوز صرفہ الی سائر القربات واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ انم واحکم وانما اطنبنا الکلام لان المقام من مزال الاقدام وتراکم الشکوک والا وہام فقد زل قدم بعض الاعلام والحمد لله العلی العلام الذی ہدانا لھذا وما کنا لنہتدی لولا ان ہدانا اللہ والصلاۃ والسلام علی رسولہ سید الانام وعلی آلہ وصحبہ وحزبہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین ما تقاربت الصفوف والاقدام۔

مسئلہ از میرٹھ صدر بازار مدرسہ حافظ عزیز الدین صاحب کیم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

- (۱) یہ کہ چرم قربانی یا اس کی قیمت مدارس میں دینا جائز ہے یا نہیں اور قیمت اور چرم کے احکام میں متولی مدرسہ کو کچھ فرق کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟
- (۲) یہ کہ در صورت جواز متولی کو ضروریات مدرسہ کے واسطے چرم قربانی بیچ کر کتابیں یا فرش وغیرہ بلا تملیک خریدنا جائز ہے یا نہیں اور قیمت کا یہی حکم ہے یا نہیں؟
- (۳) در صورت عدم جواز اگر متولی نے باعث عدم علمی ایک رقم کثیر کی کتابیں حسب دستور دیگر مدارس اسلامیہ خریدی ہیں، تو اس کے لئے اپنے مواخذہ اخروی سے بچنے کی کیا سبیل ہے؟
- (۴) یہ کہ مدرسہ میں تین قسم کا چندہ آتا ہے۔ مد قربانی و زکوٰۃ و دوا می اور متولی کو یہ امر دشوار معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کے زر چندہ کو علیحدہ علیحدہ تھیلی میں رکھے۔ بلکہ وہ تفصیل اس قسم کی کہ آمد و خرچ کے کاغذات حساب میں کمی بیشی دکھاتا ہے۔ لیکن روپیہ سب ایک تھیلی میں رکھتا ہے یا خازن مدرسہ بطریق قرض دے دیتا ہے کہ مدرسہ کے حساب میں سے روپیہ مارا نہ جائے اور مسروق ہو جانے پر خازن سے وصول کر لیا جائے۔ اس کے جواز کی کوئی سبیل ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

ال جواب

جو مدارس تعلیم علوم دینیہ کے لئے چندہ سے مقرر ہوں، اس میں قربانی کی کھال، خواہ بیچ کر اس کی قیمت بھیجنا کہ مصارف مدرسہ مثل تنخواہ مدرسین و خوراک طلبہ و خرید کتب وغیرہ میں صرف کی جائے، بلاشبہ جائز ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”کلوا وادخروا وائتجروا“ ”کھاؤ اور جمع کر رکھو جس سے ثواب حاصل ہو۔ اور شک نہیں کہ اس سے مدارس دینیہ کی اعانت، قربات سے ہے اور قربات میں صرف کرنے کے لئے گوشت و پوست قربانی بیچنے کی بھی مطلقاً اجازت ہے۔

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: ”لا یبیعہ بالدراہم لیسفک علی نفسہ و عیالہ واللحم بمنزلۃ الجلد فی الصحیح ولو باعہا بالدراہم لیسفک بہا جاز لانہ قربۃ کالتصدق اہ ہکذا فی الکافی والہدایۃ والبحر والخلاصہ والسراجیۃ والخانیۃ وفتح اللہ المعین۔“

متولی بلا تملیک اس سے کتابیں خرید سکتا ہے کہ اس میں مثل زکوٰۃ، تملیک فقیر شرط نہیں۔

منک متوسط میں ہے: ”یحجب التصدق بہ“۔ اس کی شرح میں ہے: ”لا بکله ولا بیعضہ۔“ اسی وجہ سے اس کے کھانے کی بھی اجازت ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”کلوا واطعموا وادخروا“ ”کھاؤ اور کھلاؤ اور جمع رکھو۔“ آخر جہ احمد والشیخان عن سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ والتفصیل بما لا مزید علیہ فی الرسالة المبارکۃ ”المحاکمۃ الملیۃ فی حکم جلود الاضحیۃ“ لعالم اہل السنۃ مد ظلہم الاقدس واللہ تعالیٰ اعلم۔

اگرچہ جب چند اشخاص اپنے اموال زکوٰۃ ایک شخص مثلاً زید کو بغرض ادا و تقسیم فقرادیں اور وہ انہیں ملائے اور فقرانے اسے اپنے لئے زکوٰۃ لینے کا وکیل نہ کیا ہو تو ان صورتوں میں زید ان اموال کا مالک ہو جاتا ہے۔ اور اصل مالکوں نے اگر بعد خلط اسے از سر نو اجازت ادا بفقرانہ دی ہو تو ان کے اموال کا تاوان دینا، زید پر لازم آتا ہے۔ ان کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ جو کچھ زید کی طرف سے صدقہ نافلہ ہوتا ہے۔

بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے: ”فی الفتاویٰ رجلان دفع کل واحد منهما زکوٰۃ ماله الی رجل لیودی عنہ فخلط مالهما ثم تصدق ضمن الوکیل و کذا لو کان فی ید رجل اوقاف مختلفة فخلط اموال الاوقاف فاذا ضمن لا تسقط الزکوٰۃ عن اربابها فاذا ادی صار مودیا مال نفسه کذا فی التجنیس و حکذا فی حاشیة العلامة الشلبی علی التبیین و کذا فی الہندیة و خزانة المفتیین و الخانیة و فتح اللہ المعین۔“

مگر مالکوں نے اگر اسے ملا لینے کی اجازت صراحتاً دے دی ہو، خواہ بوجہ جریان عرف... ہو تو اس صورت میں خلط بھی روا اور زکوٰۃ بھی ادا۔

ردالمحتار میں ہے: ”ضمن و کان متبرعا لانه ملکہ بالخلط و صار مودیا مال نفسه فی التار خانہ الا اذا وجد الاذن او اجاز المالکان او وجد الاذن بالخلط کما جرت العادة بالاذن بخلط ثمن الغلات و كذلك المتولی اذا کان فی یدہ اوقاف مختلفة و خلط غلاتہ ضمن الخ۔“

اور شک نہیں کہ مدارس کا عرف عام جاری ہے کہ اموال زکوٰۃ خلط بھی کر لیتے ہیں۔ سخت معسر ہے کہ وہ چند شخص کے زکوٰۃ کا روپیہ جدا تھیلی میں رکھیں اور ایک کی زکوٰۃ دوسرے سے ملنے نہ دیں۔ پس اگر اصحاب زکوٰۃ بھی اس عرف سے آگاہ ہیں تو ان کی جانب سے اذن دلالت پایا گیا اور اب خلط کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اور اسلم یہ ہے کہ جو لوگ مذکوٰۃ میں دیں، متولی اسی وقت ان سے خلط کرنے کا اذن لے لیا کرے کہ پھر اصلا دقت نہیں۔

ردالمحتار میں ہے: ”یتصل بهذا العالم اذا سال للفقراء شيئا و خلط بضمن قلت و مقتضاه لو وجد العرف ليكون اذنا منه دلالة۔“

رہا خازن کو قرض دینا، اس کی اجازت ہرگز نہیں۔ اگرچہ وہ بزعم خود آئندہ کے لئے احتیاط کرتا ہے۔ مگر قرض ابتداء تبرع ہے اور اسے مال غیر میں بے اذن، تبرع حرام ہے اور یہاں اذن صریح ہرگز نہیں۔ نہ اصلا شیوع صرف ہے کہ اذن دلالت پایا جائے اور آئندہ میں بھی دونوں پہلو ہیں۔ جب خازن کو قرض دیا گیا، وہ مالک ہو گیا۔ اپنے جس صرف میں چاہے لاسکتا ہے اور بعد صرف ممکن ہے کہ نکلنا دشوار ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں صدقہ فطر اور زکوٰۃ کا روپیہ براہ راست مدرسہ میں صرف کیا جاسکتا ہے؟ یعنی مدرس کی تنخواہ میں؟ یا کتب خانہ و مدرسہ کی کتابوں میں صرف کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) قربانی کی کھال کے دام مسجد میں صرف کئے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ ایک عالم نے اپنی کتاب ”بہشتی زیور“ میں لکھا ہے کہ ”قربانی کی کھال کے دام مسجد میں صرف نہیں کرنا چاہئے“۔ بکر اس کے جواب میں یہ کہتا ہے کہ قربانی کی کھال کے دام مسجد میں صرف ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے عالم حضرت مولانا فاضل بریلوی قدس سرہ کا فتویٰ اخبار ”روز افزوں بریلی“ میں سالہا سال ہوئے، چھپ چکا ہے کہ ”کھال قربانی کی قیمت، مسجد میں صرف ہو سکتی ہے۔ ایسی صورت میں زید و بکر میں کس کا قول حق و صواب ہے؟ بکر کا قول حق ہے تو اس کی دلیل کیا ہے؟

(۳) مثلاً ہندہ کا تعلق ناجائز زید سے ہو گیا۔ اسی سلسلہ میں ہندہ کے حمل بھی زید ہی سے قرار پا گیا۔ بعد دریافت ہونے اس بات کے یعنی حمل کے، زید کا اسی ہندہ سے نکاح کر دیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں دریافت طلب یہ بات ہے کہ آیا یہ نکاح جو اسی حالت میں کر دیا گیا ہے، جائز ہو یا نہیں؟ بعض لوگ برادری و پنچائت والے اس نکاح کو ناجائز خیال کرتے ہیں اور ہندہ و زید کا حقہ و پانی بند کئے ہوئے ہیں اور برادری ترک کرنے پر مصر ہیں۔ لہذا ایسی صورت میں از روئے شرع شریف کیا حکم ہے؟ جبکہ دونوں نے توبہ کر لی اور نکاح بھی ہو گیا، پھر اس سے میل جول میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟ بلا تاویل فتویٰ دے کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں۔ المستفتی محمد عبداللہ، از مین پوری۔

الـجـواب

(۱) زکوٰۃ و صدقۃ الفطر، صدقہ واجبہ ہے۔ اس کے لئے تملیک ضروری ہے۔ اس لئے براہ راست مدرسہ میں صرف کرنا یعنی مدرسین کی تنخواہ میں دینا یا قیمت کتاب ادا کرنا یا دوسری ضروریات یا کتب خانہ میں صرف کرنا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) زید اور بکر دونوں کا قول مجمل ہے۔ ضرورت تفصیل کی ہے۔ مسئلہ حق یہ ہے کہ قربانی کی کھال اگر اپنے صرف میں لانے کے لئے بیچا ہے تو اس کا صدقہ کر دینا ضروری ہے۔ ایسے دام کو مسجد میں صرف کرنا جائز نہیں۔ اور اگر اپنے لئے نہیں بیچا بلکہ مسجد ہی کے لئے بیچا تو اس دام کو مسجد میں صرف کرنا، ناجائز نہیں بلکہ جائز ہے۔ مثلاً کسی جگہ مسجد بن رہی ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ اس میں مسجد کی کھال دیں تو عین کھال دور دراز جگہ بھیجنے سے رہے۔ اس لئے متولی یا منتظم مسجد کی نیابت میں کھال بیع کر دی تا کہ روپیہ مسجد کے لئے بھیجنے میں آسانی ہو۔ تو ایسے مال کو مسجد میں صرف کرنے میں مضائقہ نہیں۔ اور میں نے اس باب میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، جس کا نام ”اعلام الساجد لـصرف جلود الاضحیۃ الی المساجد“ رکھا۔ اس میں پوست قربانی کے مصرف کو بہت ہی واضح طریقہ پر بہت ہی تفصیل سے لکھا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۳) یہ نکاح زید کا ہندہ سے جائز ہے۔ برادری و پنچائت کے لوگوں کا اس نکاح کو ناجائز خیال کرنا، غلط و خلاف شرع ہے۔ اور زید و ہندہ کا حقہ پانی بند کرنا، ان پر ظلم صریح ہے۔ وہ دونوں زن و شو ہیں۔ ان کو اس سے باز رکھنا اور اس فعل کو ناجائز قرار دینا، افتراء علی الشرع ہے۔

ہدایہ میں ہے: ”وان تزوج حبلی من زناء جاز النکاح“ یعنی اگر کسی شخص نے اس عورت سے نکاح کیا جو زنا سے حاملہ ہے تو یہ نکاح جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتاب الحظر والاباحہ

مسئلہ مرسلہ شیخ رحیم بخش ازراولپنڈی بازار لال کرتی ۵ ارجب ۱۳۲۲ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حدیث ”لولاك لما خلقت الافلاك“ کس
کتاب کی حدیث ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باعث ایجاد خلق ہیں یا نہیں؟ اور اس حدیث کی موید اور کوئی حدیث ہے یا
نہیں؟ اور اگر اس حدیث کے ضمن میں کوئی رسالہ ہو تو روانہ فرمائیں۔

الجواب

بے شک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم باعث تخلیق آدم علیہ السلام و عالم ہیں۔ اگر حضور نہ ہوتے تو عرش و فرش،
لوح و قلم، آسمان و زمین، جنت و دوزخ، شجر و حجر، برگ و ثمر، ماء و مدر کچھ نہ بنائے جاتے۔ احادیث عدیدہ متعددہ اس مضمون
میں وارد ہیں۔

(حدیث اول) حاکم مستدرک اور بیہقی دلائل النبوة اور طبرانی کبیر میں اور ابو نعیم حلیہ اور ابن عساکر تاریخ دمشق
میں حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: ”قال قال رسول الله صلى الله عليه وعلى آله
وإصحابه وبارك وسلم: “لما افترف آدم الخطيئة قال يا رب! اسئلك بحق محمد لما غفرت لي فقال الله
تعالى يا آدم! وكيف عرفت محمداً ولم اخلقه بعد؟ قال يا رب! لانك ونفخت فيه من روحي، رفعت
راسي فرأيت على قوائم العرش مكتوباً “لا اله الا الله محمد رسول الله“ فعلمت انك لم تضيف لما
خلقتني بيدك الى اسمك الا احب الخلق اليك فقال الله تعالى صدقت يا آدم انه لا حب الخلق الى واذا
سالتني بحقه فقد غفرت لك ولولا محمد ما خلقتك۔“

”یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جب آدم علیہ السلام سے لغزش واقع ہوئی،
عرض کی: الہی! میں تجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ میری مغفرت فرما۔ ارشاد ہوا: اے آدم تو نے محمد کو کیونکر
پہچانا حالانکہ میں نے ابھی اسے پیدا نہ کیا؟ عرض کی: الہی! جب تو نے مجھے اپنی قدرت سے بنایا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی، میں
نے سر اٹھا کر تو عرش کرپایوں پر لکھا دیکھا۔ ”لا اله الا اللہ محمد رسول اللہ“ تو میں نے جانا کہ تو نے اس کے ہی نام کو اپنے نام
پاک کے ساتھ ملایا ہوگا جو تجھے تمام جہان سے پیارا ہوگا۔ رب تبارک و تعالیٰ نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا: اے
آدم! تو نے سچ کہا، بیشک محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) مجھے تمام مخلوق سے پیارا ہے اور جب تو نے اس کا واسطہ دے کر
سوال کیا تو میں نے تیرے لئے مغفرت فرمائی۔ اگر محمد نہ ہوتا، تو میں تجھے نہ بناتا۔“ صحیحہ الحاکم وقرره فی الحلبة
ر قال السبکی فی شفاء السقام تبين لنا صحته والشهاب فی النسیم هو حدیث صحیح۔

(حدیث دوم) حاکم صحیح مستدرک اور ابوالشیخ طبقات الاصفہانیین میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے

راوی: ”اوحی اللہ الی عیسیٰ ان امن محمدا و امر امتک ان یؤمنوا بہ فلولما خلقت آدم ولا الجنة ولا النار۔“
 ”یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی بھیجی: اے عیسیٰ! تم محمد پر ایمان لاؤ اور اپنی امت کو حکم دو کہ ان پر ایمان لا دیں۔ اگر محمد نہ ہوتے، تو میں آدم کو پیدا نہ کرتا، نہ جنت و دوزخ کو بناتا۔“ صحیحہ الحاکم والشیخ تقی الدین السبکی فی شفاء السقام وشیخ الاسلام البلقینی فی فتاواہ وابن حجر فی افضل القرآن۔

(حدیث ثالث) دیلمی مسند الفردوس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی: ”قال قال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم اتانی جبرئیل فقال یا محمد! ان اللہ تعالیٰ یقول: ”لولاک ما خلقت الجنة ولولاک ما خلقت النار۔“

”یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام میرے حضور میں حاضر ہوئے اور عرض کی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اگر تم نہ ہوتے میں جنت نہ بناتا اور اگر تم نہ ہوتے تو میں دوزخ نہ بناتا“ اشار الی صحتہ القاری فی تذکرۃ الموضوعات۔

(حدیث رابع) ابن عساکر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: ”هبط جبریل علی النبی صلی

اللہ علیہ وسلم فقال ان ربک یقول: ”لقد خلقت الدنیا واهلها لاعرفهم کرامتک ومنزلتک عندی ولولاک ما خلقت الدنیا۔“

”یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حاضر ہو کر عرض کی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے اپنی بارگاہ میں تم سے زیادہ عزت والا کسی کو پیدا نہیں کیا۔ دنیا اور اہل دنیا کو، سب کو اس لئے پیدا کیا کہ تمہاری جو قدر و عزت میرے حضور میں ہے، ان پر آشکارا کروں۔ اگر تم نہ ہوتے میں دنیا کو نہ بناتا۔ افادہما کلہما العلامة سیدنا الاستاذ فی فتاواہ۔

(حدیث خامس) علامہ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: ”وفی روایات اخر لولاه ما خلقت

السماء والارض والطول ولا العرض ولا وضعت فیہا ثواب ولا عقاب ولا خلقت الجنة ولا ناراً ولا شمسا ولا قمرًا“

”یعنی ان روایتوں میں آیا ہے کہ اگر وہ نہ ہوتے تو میں پیدا نہ کرتا آسمان اور نہ زمین اور نہ طول، نہ عرض کو اور نہ

رکھا جاتا اس میں ثواب و عذاب۔ اور نہ بناتا جنت اور نہ دوزخ نہ آفتاب، نہ مہتاب کو اور اس کے سوا اس کی مؤید اس مضمون کی اور بہتری حدیثیں ہیں، جنہیں اعلیٰ حضرت قبلہ و کعبہ مدظلہم الاقدس نے اپنی کتاب مستطاب میں ”تسلی الیقین بان نبینا سید المرسلین“ میں ذکر فرمایا ہے اور شک نہیں کہ ائمہ دین و علمائے شرع متین شرقاً و غرباً، مجاہد عرباً، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سبب تخلیق آدم و عالم لکھتے اور کہتے چلے آئے۔ اگر ان کے اقوال جمع کئے جائیں، ایک مبسوط

کتاب ہو۔ لکن مالا بدرك كله لا يترك كله فاقول وباللہ التوفیق

(قول اول) علامہ سیف الدین ابو جعفر بن عمر الحمیری الحنفی۔ ”الدر التنظیم فی مولد النبی الکریم“ میں فرماتے ہیں۔ ”ویروی انه لما خلق الله تعالى ادم الهمه ان قال يا رب لم کنیتنی ابا محمد؟ قال الله تعالى يا ادم ارفع راسک فرفع راسه فرأى نور محمد فی سراق العرش فقال يا رب ما هذا النور؟ قال نبی من ذریئتک، اسمه فی السماء احمد وفي الارض محمد۔ لولاه ما خلقتک ولا خلقت السماء ولا ارضا۔“

”یعنی جب کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، ان کو الہام کیا کہ سوال کریں کہ اے اللہ میری کنیت ابو محمد کیوں رکھی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم اپنا سراٹھا۔ پس سراٹھایا تو حضور کا نور عرش کے پردوں میں دیکھا۔ عرض کی یا اللہ! یہ کس کا نور ہے؟ فرمایا تیری ذریت میں سے ایک نبی ہے۔ اس کا نام آسمان پر احمد ہے اور زمین میں محمد ہے۔ اگر وہ نہ ہوتا تو میں نہ تجھے پیدا کرتا نہ آسمان، نہ زمین کو۔“

(قول ثانی) سیدی ابوالحسنین حمدونی شاذلی اپنے قصیدہ دالیہ میں فرماتے ہیں۔

روح الوجود حیاة من هو واجد لولاه ما تم الوجود لمن وجد
”نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام ہستی عالم کی جان ہیں، حیات جملہ موجودین کے سبب ہیں۔ اگر وہ نہ ہوتے، کسی شی کا وجود نہ ہوتا۔“

(قول ثالث) علامہ شرف الدین ابو عبد اللہ محمد بوسیری قدس سرہ قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں۔

وکیف ندعو الی الدنيا ضرورة من لولاه لم تخرج الدنيا من العدم
”اور کیوں کر بلائے گی دنیا کی طرف ایسے کو ضرورت کہ اگر وہ نہ ہوتا تو دنیا نیستی سے نہ نکلتی یعنی پیدائش کی جاتی۔“

(قول رابع) علامہ شیخ ابراہیم بنجوری اس کی شرح میں فرماتے ہیں: ”ای لولا وجودہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لاستمرت الدنيا علی عدمها ولم توجد فوجودہ صلی اللہ علیہ وسلم علة فی وجودها والاصل ان قال الله تعالى لادم ولولاه ما خلقتک فوجود آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام متوقف علی وجودہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کانت الدنيا انما خلقت لأجله فیکون صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم هو السبب فی وجود کل شیء۔“

”یعنی اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معدوم رہتے تو دنیا کبھی موجود نہ ہوتی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا: اگر محمد نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدائش نہ کرتا۔ آدم علیہ السلام تمامی بشر کے باپ ہیں۔ اور زمین میں جو کچھ ہے، سب بشر کے لئے بنا ہے۔ اور جب آدم علیہ السلام حضور کے سبب مخلوق ہوئے تو بلاشبہ تمامی دنیا حضور ہی کی وجہ سے بنائی گئی۔ تو حضور سبب و علت تمامی اشیاء کے وجود کی ہیں۔“

(قول خامس) علامہ خالد ازہری اس بیت کے نیچے فرماتے ہیں: ”فان الدنيا ما اخرجت من العدم الی“

الوجود الا لاجله۔“ یعنی دنیا حضور ہی کی وجہ سے نیستی سے ہستی کی طرف لائی گئی۔“

(قول سادس) علامہ ملا علی قاری اس کی شرح میں فرماتے ہیں: ”لولا وجوده وفضله وجوده لم تظهر

الدنيا من العدم الى الوجود وجد في العالم غير الموجد موجود۔“

”یعنی اگر حضور کا فضل اور حضور کی عطا نہ ہوتی تو دنیا عدم سے وجود میں نہ آتی۔ اور عالم میں سوا موجد جل جلال

کے کوئی نہ ہوتا۔“ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

(قول سابع) علامہ معقول و منقول، بحر العلوم والفروع والاصول، مولانا ابو العیاش عبد العلی لکھنوی، فواتح

الرحموت شرح مسلم الثبوت میں فرماتے ہیں: ”لولا لما ظهر من الله الجود بافاضة الوجود على الحقائق۔“

”یعنی اگر حضور نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ کا فضل، حقائق کو وجود سے سرفراز نہ فرماتا۔“

اس حدیث کی صحت معنی پر انکار نہ کرے گا مگر سفیہ جاہل یا وہابی لا یعقل۔ رہا ملا علی قاری کا تذکرۃ الموضوعات میں

موضوع فرمانا، وہ اس لفظ مخصوص کی نسبت ہے کہ یہ حدیث ان لفظوں کے ساتھ وارد نہیں کہ خود فرماتے ہیں: ”لكن ههنا

صحيح۔“ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب رامپوری نے خاص اسی حدیث کی بحث میں ایک مبسوط رسالہ تحریر فرمایا ہے۔

☆☆☆☆☆

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جا حاضر و ناظر ہیں یا نہیں؟

وآجناب کو علم غیب تھا یا نہیں؟ مفصل طور پر لکھیں۔ بینواتو جروا۔

الـجـواب

بیشک رب العزۃ جل وعلا نے اپنے حبیب و محبوب، طالب و مطلوب، عالم غیوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

تمامی اولین و آخرین کا علم عطا فرمایا۔ شرق تا غرب، عرش تا فرش سب انہیں دکھایا، اشیاء ماکان وما یکون سے کوئی ذرہ

حضور کے علم سے باہر نہ رہا، ملکوت السموات والارض سے ہر صغیر و کبیر، ہر رطب و یابس، سب کو جدا جدا تفصیلاً جان لیا بلکہ یہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے ایک چھوٹا حصہ ہے۔ دریائے علم سے ایک نہر اور سطور علم سے ایک سطر ہے کہ حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ”ان الله رفع لى الدنيا فانا انظر اليها والى ما هو كائن فيها الى يوم

القيامة كانما انظر الى كفى هذه۔“ ”بیشک اللہ عز و جل نے ہمارے سامنے ساری دنیا کو پیش فرمادیا تو اسے اور جو کچھ اس

میں قیامت تک ہونے والا ہے، سب کو ایسا دیکھتا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو“۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر و نعیم بن حماد

فی کتاب الفتن و ابو نعیم فی الحلیۃ عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ رب العزۃ جل جلالہ نے شرق تا غرب، تمام دنیا اور جو کچھ قیامت تک اس

میں ہونے والا ہے، سب اپنے محبوب کے پیش نظر فرمادیا کہ آن واحد میں یکساں ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ اور یہی معنی حاضر

وناظر کے ہیں کہ سب کچھ ان کے پیش نظر ہے۔ ہر شی ان کے حضور حاضر ہے۔

علامہ بیضاوی شرح جامع صغیر میں ارقام فرماتے ہیں: "ان النفوس الزکیة اذا تجردت عن العلائق البدنیة عرجت و اتصلت بالملأ الاع لى فلم یبق لها حجاب فترى الكل كالمشاهد۔" "پاک جانیں جب بدن کے علاقوں سے مجرود ہوتی ہیں، عروج فرما کر عالم بالا سے متصل ہو جاتی ہیں۔ ان کے آگے کوئی حجاب نہیں رہتا۔ وہ سب کچھ ایسا دیکھتی ہیں جیسے سامنے موجود ہے۔ اسی طرح ملا علی قاری قدس سرہ نے مرقاة شرح مشکوٰۃ میں امام قاضی سے نقل کیا۔

رہا امر وہابیہ کا تقویۃ الایمان مطبوعہ فخر المطابع لکھنؤ کے ص ۸ س ۱۵ میں اور اس کے اتباع میں سائر وہابیہ کا یوں کہنا کہ "ہر جگہ حاضر و ناظر رہنا یہ اللہ ہی کی شان ہے" اھ ملخصاً۔ سو یہ محض جہالت و گمراہی و گمراہ گری ہے۔ حاضر و ناظر سرے سے صفات الہیہ سے نہیں اور نہ ان کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز، یہاں تک کہ اس کے اطلاق پر علماء کو حاجت ہوئی کہ اُس میں تاویل کر کے نفی کفر کریں۔

در مختار میں ہے: "ویا حاضر و یا ناظر لیس بکفر۔"

ردالمحتار میں ہے: "فان الحضور بمعنی العلم شائع والنظر بمعنی الرویة فالمعنی یا عالم یا من یرئ۔" ہزازیہ

البتہ اس کی صفتیں شہید و بصیر ہیں، جو بعباء الہی خود رب العزۃ نے اپنے عباد کے لئے ثابت فرمائیں۔ قال تعالیٰ: "يَكُونُ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيداً۔" وقال تعالیٰ: "فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعاً بَصِيراً۔" اور جو صفات بعبائے الہی مل سکتی ہیں، اس کا اثبات شرک نہیں ہو سکتا ہے۔ ورنہ لازم کہ مولیٰ تعالیٰ اپنا شریک پیدا کرنے پر قادر ہو۔ اور یہ صریح کفر ہے بلکہ علماء کرام نے خاص اسی لفظ کی تصریح فرمائی۔

ملا علی قاری شرح شفا میں ذیل "قول ان لم یکن فی البیت احد فقل السلام علیکم علی النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ" لکھتے ہیں: "لان روحہ علیہ السلام حاضر فی بیوت اہل الاسلام۔"

شیخ محقق مولانا عبدالحق دہلوی "جامع البرکات" میں فرماتے ہیں: "ونبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم براحوال و اعمال امت مطلع ہست و بزرگان و مقربان و خاصان درگاہ خود مد و مستفیض و حاضر و ناظر است۔" رہا مطلق علم غیب جو متعدد آیات قرآنیہ سے ثابت بلکہ سائر مومنین کو بنص قاطع قرآن شریف حاصل، جس کا انکار نہ کرے گا مگر مجنون و جاہل۔

قال تعالیٰ: "يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ" (البقرة: ۲) "بے دیکھے ایمان لائیں۔" (کنز الایمان) ومن الظاہر ان الایمان العلم بالغیب و معرفتہ ولو بوجه فان المکھول المطلق مما لا یعیل الی تصدیقہ و اقرارہ وقد فصلت هذه المسئلة بعون اللہ یکاد ان یبلغ مائتین جزءً و صلی اللہ علی رسولہ محمد رحمۃ الکونین۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ از شہر بریلی مرسلہ محمد طالب میلاد خواں ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب قرآن شریف سے ثابت ہے یا نہیں؟ آیات صریح ہوں۔ بینواتو جروا۔

الجواب

بیشک عطائی علم غیب (یعنی ان اشیاء کا علم کہ حواس ظاہری و باطنی سے پوشیدہ ہوں اور اس کے اسباب و علامات بھی عقل میں نہ آئیں کہ عقل اسے بداہتہ یا استدلالاً جان سکے کما فی البیضاوی) نصوص قطعیہ، متعدد آیات قرآنیہ سے ثابت ہے۔ جن کا منکر نہ صرف گمراہ، بد دین بلکہ کافر، منکر منصوص بالیقین ہے۔ نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پاک کا منقص ہے اور منقص شان سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بالاتفاق کافر ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: ”ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا و الاخرۃ واعد لہم عذابا مہینا“۔ (الأحزاب: ۵۷) ”بیشک جو لوگ کہ ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو، پھٹکا کر دیا ان کو اللہ تعالیٰ نے دونوں جہان میں اور ان کے لئے رسوائی کا عذاب مہیا کر دیا۔

امام قاضی عیاض مالکی تحکیمی اپنی کتاب مستطاب ”الشفافی تعریف حقوق المصطفیٰ“، قسم رابع باب اول ص ۳۲۰ میں فرماتے ہیں: ”اعلم وفقنا اللہ وایاک ان جمیع من سب النبی صلی اللہ علیہ وسلم او عابہ فہو سائب لہ والحکم فیہ حکم السائب بقتل و هذا اجماع من العلماء وائمة الفتوی من لدن الصحابة رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین الی ہلم جراً۔“

(نص اول) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”ذَٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيْهِ اِلَيْكَ“ (آل عمران: ۴۴ / یوسف: ۱۰۲) ”یہ غیب کا بتلانا ہے جو ہم وحی کرتے ہیں طرف آپ کے“

(نص دوم) مولیٰ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ”مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهِ مَنْ يَّشَاءُ۔“ (آل عمران: ۱۷۹)

”اللہ وہ نہیں ہے جو تمہیں اے عام لوگو! اپنے غیب پر مطلع کر دے لیکن اللہ چاہتا ہے اس کے لئے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔“
یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کما فی التفسیر البیضاوی۔

(نص سوم) رب العزّة جل جلالہ فرماتا ہے: ”وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۔“ (النساء: ۱۱۳) ”اللہ نے انہیں سکھایا جو کچھ غیب و شہادت کی باتیں نہ جانتے تھے اور اللہ کا فضل تم پر بہت بڑا ہے۔“

(نص چہارم) حق سبحانہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ”عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ اَحَدًا اِلَّا مَنْ اِذْنٰی مِنْ رُّسُوْلٍ۔“ (الجن: ۲۶) ”غیب کا جاننے والا تو خدا ہے۔ مطلع نہیں فرماتا مگر جسے چاہے اپنی رسالت کے لئے، اسے مسلط فرما دیتا ہے۔“

(نص پنجم) باری تعالیٰ فرماتا ہے: ”وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ“۔ (التکویر: ۲۴) ”اور نہیں ہے وہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب پر بخیل“۔
تو جب علم غیب ہے ہی نہیں تو پھر بخیل و سخا کے کیا معنی ہیں۔ وغیرہا من الايات الكثيرة التي ذكرت جلها في رسالة مستقلة في هذا الباب۔ واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از مراد آباد مدرسہ امدادیہ مدرسہ مولوی نعیم الدین صاحب ۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۳ھ
فخر العلماء، وارث الانبیاء، ناصر دین متین، جناب مولانا صاحب ادام اللہ ظلہ لکم!
بعد از ادائے سلام مسنون عرض یہ ہے کہ علم نبی کریم کو ازلی وابدی کہنا، درست ہے یا نہیں؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الـجـواب

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ! علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو، بلکہ کسی صفت کو کسی مخلوق کی ازلی کہنا ممنوع ہے۔ ابدی کہنا البتہ حق ودرست ہے کہ بتقریح علمائے دین، تمامی صفات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی علیٰ حالہا بلکہ ترقی پذیر ہیں۔ قال تعالیٰ: ”وَلِلْآخِرَةِ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ“۔ (الضحیٰ: ۴) ”اور بے شک کچھلی تمہاری پہلی سے بہتر ہے“ (کنز الایمان) اسی طرح ازلی کہنا بھی اگرچہ ایک معنی کر درست ہے کہ ازلی زمانہ مدید ممتد فی سبیل الماضی کو بھی کہتے ہیں۔ تاہم اس سے احتراز لازم بمافیہ من ابطال التوحید۔ اور بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ذات الہی اور اس کی صفات کا ہے، جو ہر آن ترقی پر ہے، نہ اس معنی پر کہ اللہ تعالیٰ کو باحاطہ تامہ جان لیا، یہ محال ہے۔ کما ہو المشہور وفي الكتب مسطور صرح به الاکابر الصدور۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

تمامی مسلمانان اہلسنت کا اعتقاد ہے کہ حضرت رب العزت جل جلالہ نے جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمامی اولین و آخرین یعنی بدء خلق سے الی یوم القیامۃ جو کچھ ہوگا، سب بتلادیا۔ اور وہابیہ اس کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں اور اپنے دعویٰ کے لئے اسی حدیث سوال جبرئیل سے استدلال لاتے ہیں۔ اگر حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب ہوتا تو آپ نے جس طرح اور سوالوں کا جواب دیا، اس کا بھی جواب دیدیتے اور اگرچہ آپ نے صراحتہ لا اعلم نہ فرمایا، لیکن اسے ٹال دیا اور ایک آیت شریفہ پڑھی، جس سے مطابقت معلوم ہوتا ہے کہ پانچ چیزوں کو اللہ ہی جانتا ہے۔ جس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب نہ تھا۔

الـجـواب

اولاً ”متی الساعة“ کے جواب میں ”ما المسئول عنها اعلم من السائل“ فرمانے کا یہ مطلب نہیں کہ میں

نہیں جانتا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آپ ”لا اعلم“ فرماتے۔ پس جانتا چاہئے کہ کسی سوال کا جواب نہ دینا، اس بات کو مستلزم نہیں کہ مسئول عنہ جانتا نہیں ہے۔ دیکھو کہ جس وقت رب العزۃ جل جلالہ سے سوال اہلۃ، کا ہوا تو اس کا جواب ”قُلْ هِيَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ“ (البقرہ: ۱۸۹) ”وہ وقت کی علامتیں ہیں لوگوں کے لیے“ (کنز الایمان) ارشاد ہوا۔ حالانکہ یہ اس سوال کا ہرگز جواب نہیں ہو سکتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ سوال ان کا محض بے کار تھا، اس لئے جواب وہ عنایت ہوا جس سے ان کو فائدہ پہنچے۔ علیٰ ہذا القیاس یہاں پر بھی وہی ہے جیسا کہ بمضمون حدیث الحدیث بعضہا بیان للبعض۔ دوسرے واقعہ سے ظاہر ہے کہ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے اگر اس کے لئے سامان مہیا کیا ہے تو تمہیں کیا غم؟ جب چاہے، ہو اور اگر تم نے سامان نہیں مہیا کیا تو اس کے بارے میں پوچھنے کا کیا فائدہ؟ پوچھنا عبث ہے۔

ثانیاً آپ کا نہ بتانا میرے دعویٰ کو ضرر رساں نہیں۔ کیونکہ میں نے کب دعویٰ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدائشی علم غیب ہے، جو کسی وقت کے عدم جواب دہی سے میرا قول ٹوٹ جائے۔ بلکہ حسب مضمون ”نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْآنَ بَيِّنَاتٍ لِّكُلِّ شَیْءٍ“ (النحل: ۸۹) ”اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیا ہے“ (کنز الایمان) آپ کا علم روز بروز ترقی قبول کرتے کرتے جس وقت کہ نزول، قرآن پاک کا پورا ہوا تو آپ کا علم بھی پورا ہو گیا۔ لیکن یہ معنی نہیں کہ آپ کے علم میں ترقی نہیں ہوئی بلکہ غایت کو پہنچ گئی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جمیع مکتوبات لوح محفوظ ہر صغیر و کبیر، ہر رطب و یابس کو آپ نے ذرہ ذرہ جان لیا۔ پس اگر کوئی شخص اعتراض کرے لا یعلمہن صیغہ مضارع کا ہے، جس کے معنی حال و استقبال کے آتے ہیں۔ قد لا یعلمہن نہ کہا، جس سے صرف زمانہ حال مراد لے کر تعارض و تناقض دفع کیا جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس سے زمانہ استقبال مراد لیا جائے اور معنی یہ ہوں کہ ان چیزوں کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا، تو سخت خرابی لازم آئے گی۔ وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ تو اعظم و ارفع ہے، ان کے صحابہ یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے وصال کے وقت منجملہ وصایا کے حضرت عائشہ سے یہ فرمایا کہ یہ مال تمہارے دو بھائی اور دو بہنوں کے لئے ہے، وہ متخیر ہوئیں کہ دو بھائی تو البتہ ہیں، لیکن دو بہنیں کون ہیں؟ انہوں نے اپنی بیوی کا نام لے کر فرمایا کہ اس کے حمل ہے، جس سے لڑکی پیدا ہوگی۔ حالانکہ یہ خلاف تخصیص ”وَيَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْْحَامِ“ (لقمان: ۳۴) اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے۔“ (کنز الایمان) کے ہے۔ دیکھئے وہ صدیق تھے، نہ جادوگر، نہ مسریم جاننے والے، یا لاف گو، یا نجومی تو جب حضرت ابوبکر نے جان لیا تو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے جاننے میں کیا استحالہ ہے؟ تو اب معنی حال ہی کے کہیں گے ورنہ کذب باری تعالیٰ لازم آئے گا۔ حالانکہ اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ جمیع آیات کلام مجید راست و حق ہے۔ ہم کو سب پر ایمان لانا فرض ہے۔ اسی قاعدہ کلیہ کی وجہ سے اہلسنت مسئلہ حق پر ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

(سوال دستیاب نہ ہو سکا - ۱۲ ساحل)

- ۱- حضرت سیدنا داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرآن ہلکا کر دیا گیا تو اپنے گھوڑے کے کسنے کے متعلق حکم فرماتے اور یہ قرآن شریف (زبور) پڑھنا شروع کرتے تھے اور قبل اس کے کہ سواری کس کر تیار ہو آپ ختم فرما لیتے۔ رواہ الامام احمد والبخاری عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔
- ۲- حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی سواری کس کر آتی۔ آپ بایاں قدم رکاب میں رکھتے اور قرآن شریف پڑھنا شروع کرتے اور صاف صاف، درستی الفاظ و فہم معنی کے ساتھ قرآن پڑھتے اور داہنا قدم رکاب تک پہنچنے بھی نہیں پاتا کہ پورا ختم فرما چکے۔ ذکرہ الفاری فی المرقاة۔
- ۳- حضرت..... امیر المومنین رضی اللہ عنہ ملتزم کے قریب سے قرآن شریف پڑھنا شروع کرتے اور باب کعبہ تک نہ پہنچتے کہ پورا ختم فرما دیتے ذکرہ الشیخ المحقق الدہلوی فی اشعة اللمعات۔
- ۴- امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں مجھے زیادہ سے زیادہ خبر اس کی ملی ہے جس نے رات دن میں آٹھ ختم کئے چار دن میں چار رات میں۔
- ۵- امام نووی کا یہ قول نقل کر کے امام عینی فرماتے ہیں کہ میں نے خود ایک حافظ کو دیکھا جس نے شب قدر کی وتر کی ہر رکعت میں ایک ایک ختم کر کے تین ختم کیا۔ ذکرہ فی عمدة القاری۔
- ۶- امام قسطلانی نووی کا یہ قول نقل کر کے فرماتے ہیں کہ میں نے ۸۶۷ھ میں بیت المقدس میں ابوطاہر کو دیکھا اور ان سے سنا کہ وہ رات دن میں دس ختم سے زیادہ کرتے ہیں۔ ذکرہ فی ارشاد الساری۔
- ۷- یہی علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام برہان بن ابی شریف رات دن میں پندرہ ختم کرتے تھے۔ ذکرہ عبد الغنی النابلسی فی الحدیقة الندیة۔
- ۸- ارشاد میں ہے کہ نجم الدین اصہبانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک یمنی شخص کو دیکھا کہ اس نے ایک ختم قرآن ایک چکر اور سات ختم سات میں کیا۔ ذکرہ ابضا النابلسی قدسنا بسرہ القدسی
- ۹- مجھے بعض ثقہ لوگوں سے معلوم ہوا کہ ہمارے شیخ عارف باللہ حضرت عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے مغرب وعشاء کے درمیان دو ختم قرآن شریف کیا۔ ذکرہ ابضا فی الحدیقة۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از مقام پونی ضلع جھنارہ ممالک متوسطہ مرسلہ حافظ عبدالکیم وغیرہ محرم ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین حضرت امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں صاحب سلمہ تعالیٰ! بعد آداب قد مبوسی کے واضح ہو کہ عرض خدمت میں یہ ہے کہ ہم لوگ حضرت پیر مولانا عبداللہ مسولی کے مرید ہوئے ہیں۔ انہوں نے لا الہ الا اللہ تین مرتبہ فرض نماز کے بعد بتلایا ہے۔ ہم لوگ ضرب لگایا کرتے تھے اور ہیں۔ تو یہاں پر الہی

بخش صاحب مولوی تشریف لائے۔ تو انہوں نے بھی اپنے مرید کئے اور فرماتے ہیں کہ ضرب مارنا منع ہے۔ اور ہم لوگوں کو نصیحت کر کے مسجد میں ذکر بند کرادیئے ہیں اور اپنے مریدوں کو سکھا دیئے ہیں کہ یہ لوگ وہابی ہیں۔ فقط ضرب مارنے کے سبب سے ہم لوگ وہابی کہلاتے ہیں۔ ہم اگر ذرا بولیں تو وہ لوگ مارتے ہیں۔ ہم لوگوں کا بازار وغیرہ جانا مشکل ہے۔ اس لئے ہم لوگ آپ کو وسیلہ جان کر برائے خدا ہم لوگوں پر رحم کریئے اور اس آفت سے بچائیئے۔ آپ حضرات عالم دین ہو، حق ناحق جانتے ہو، سچ جان کر لا الہ الا اللہ ضرب مارنا جائز ہے یا نہیں؟ ہم لوگوں کو لکھئے اور بڑی بڑی آفتوں میں ہم لوگ پڑے ہوئے ہیں۔ اب ہم لوگ آپ کے بھروسہ پر ہیں۔ ہم لوگوں کو بتائیئے ضرب لگانا بعد نماز فرض کے تین مرتبہ قرآن شریف و حدیث شریف میں کوئی آیت ہے کہ نہیں۔ اس کو تار سمجھ کر بہت جلد ہم کو فتویٰ روانہ فرمائیں اور قرآن شریف میں کون سی آیت ہے، وہ بھی ہم کو لکھئے۔ لوگ بولتے ہیں کہ ذکر جلی کے واسطے قرآن شریف میں کوئی آیت نہیں ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں؟

الجواب

ذکر رب العزۃ جل جلالہ ہر حال و ہر وقت، موجب نزول رحمت رب العالمین و باعث اطمینان قلوب مسلمین ہے۔ خود ارشاد فرماتا ہے: ”أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ“ (الرعد: ۲۸) ”سن لو! اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے۔“ رہا ذکر خفی یا جلی۔ احادیث کثیرہ دونوں کی موید اور فقہاء کا ذکر جلی کو مکروہ لکھنا خلاف مصلحت ہے یا لزوم مضرت کے ساتھ مقید اور یہی وجہ تطبیق، تبیین الاحادیث ہے۔ علامہ سید احمد طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں تحریر فرمایا ہے: ”جاء فی الحدیث ما اقتضی طلب الجہر و هناك احادیث اقتضت طلب الاسرار والجمع بینہما ان ذلك یختلف باختلاف الاقوال والاشخاص کما جمع بین الاحادیث الدالة علی طلب الجہر بالقراة والدالة علی الاسرار فحیث خیف الریاء او تاذی المصلین او النیام فالاحفاء افضل وعلیہ یحمل خیر الذکر الخفی والجہر افضل حیث خلا عما ذکر لانه اکثر عملا و تنادی فائدته للسامعین و یوخذ قلب الذاکر۔“

علاوہ احادیث قولیہ ذکر جلی، خود فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت۔ صحیح مسلم شریف میں عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی: ”قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سلم من صلاتہ یقول بصوتہ الاعلیٰ: ”لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ المملک ولہ الحمد و هو علیٰ کل شیء قذیر“ ذکرہ فی المشکوۃ۔“ شیخ محدث دہلوی اشحہ اللغات میں فرماتے ہیں: ”اس حدیث صریح است در جہر بذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باواز بلند خواند۔ اما بعضی گفتہ اند کہ بلند خواندن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برائے تعلیم اصحاب بود، اما افضل اخفا است۔ (الی قولہ) حق آنست کہ اوقات مختلف است۔ گاہے ذوق حضور در اخفاء دست دہد و گاہے در جہر شوق افزاید۔ اما جہر بذکر مشروع است بلاشبہ۔“

فاضل نامی علامہ شامی رد المحتار میں فرماتے ہیں: فی حاشیة الحموی عن الامام الشعرانی "اجمع لعلماء سلفا وخلفا استحباب الجهر جماعة فی المساجد و غیرها من غیر نکیر الا ان یشوش جهرهم علی نائم او مصل او قاری کما هو مقرر فی الکتب الفقہیة اه۔"

پس جب معلوم ہوا ذکر بالجہر مثل ذکر خفی مشروع اور سلفا و خلفا اس کے استحباب پر اجماع منقول۔ تو اس سے منع کرنا ہرگز ناجائز ہے۔ نہ کہ معاذ اللہ وہ جبروتی حکم و ہابیت لگانا، مسائل اختلافیہ میں حکم بحرمت قطعہ کا بھی محل نہیں، چہ جائے کہ ضلالت و وہابیت بفرض باطل، اگر ذکر جلی مکروہ ہی ہوتا، تاہم ایسے احکام باطلہ کی شاعت اس سے ہزار درجہ سخت و بدتر ہے۔ یہ دقائق تدلیس و تلبیس ابلیس لعین سے ہے کہ آدمی کو نہی عن المنکر کے پردہ میں اشعر و انکر کا مرتکب کر دیتا ہے۔

ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم۔



مسئلہ از جالندھرا مستفتی محمد احمد خاں محلہ راستہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شوہر نے اپنی عاقبت کی بہبودی، حصول محبت الہیہ، تزکیہ نفس اور منازل سلوک کے طے کرنے کے واسطے ایک شیخ کامل و مکمل عامل شریعت و واقف طریقت سے بیعت کر لی ہے اور اسی بیعت پر اسے کچھ عرصہ گزر گیا ہے۔ یہ شخص دن بھر اپنے معاش کا کام کرتا ہے اور رات کے وقت صرف دو گھنٹے حسب طریق نقشبندیہ اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقے میں شامل ہوتا ہے اور فیضان باطنی حاصل کرتا ہے۔ یہ شخص نہایت پرہیزگار و تہجد خواں و غیرہ بنسبت سابقہ ہو گیا ہے، نیز اس عرصہ میں اس کے دو مقام بھی ذکر سے جاری ہو گئے ہیں۔ مگر اس کا باپ جس پر حرص دنیاوی، جہالت اور ضد غالب ہے، اس لڑکے کو اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہونے سے روکتا ہے۔ اس شخص کے باپ نے اس کو کئی دفعہ زود کو ب بھی کیا ہے کہ میں تم کو مرشد کے پاس ہر گز نہ جانے دوں گا اور میری اس میں سخت ناراضگی ہوگی۔ چونکہ اس شخص پر محبت الہیہ کا اثر جو دامن گیر ہو رہا تھا اور مرشد کی تعلیم ظاہری و باطنی گہر کر گئی تھی، اس نے باپ کے سامنے کبھی اف تک نہیں کی۔ بڑے استقلال اور بردباری سے مار کھا رہا ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ میں مرشد کے پاس جانا کبھی نہیں چھوڑوں گا، اس لئے کہ وہاں جانے سے محبت الہیہ بڑھتی ہے۔ اگر نہیں جاتا تو محبت الہیہ کی پرہوتی نظر آتی ہے۔ صوم و صلوٰۃ و دیگر احکامات شرعیہ میں سستی وارد ہوتی ہے۔

(۱) اس حدیث سے محبت الہیہ کا حاصل کرنا، والدین کی خدمت سے بڑھ کر فرض ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟ وہ

حدیث یہ ہے: "عن انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: "لا یؤمن احدکم حتی

اکون احب الیہ من ولده و والده و الناس اجمعین"

(۲) حقوق اللہ، حقوق عباد پر غالب ہیں یا نہیں؟

(۳) یہ شخص جو باپ کو ناراض کر کے واسطے حصول محبت الہیہ اور طے کرنے منازل سلوک کے، مرشد کے پاس

جاتا ہے۔ آیا یہ شخص گنہگار ہے یا نہیں؟

(۴) اس طرح عبادت کرنے سے اس کی عبادت قبول ہوتی ہے یا نہیں؟

(۵) محبت الہی کے حاصل کرنے کے لئے اس طرح باپ کی ناراضگی میں مرشد کے پاس جانا، والدین کی

خدمت سے بڑھ کر ہے یا نہیں؟

(۶) اس کا باپ اس طرف سے روکنے میں خطا پر ہے یا نہیں؟ اور ایک نقل مکتوب مقدس حضرت مجدد علیہ

الزحمہ اس مسئلے کے متعلق استفتاء کے ساتھ علیحدہ شامل کی جاتی ہے۔ آپ ملاحظہ فرمائیوں۔ اس کا جواب مدلل طور پر

بحوالہ کتب معتبرہ مع عبارت ارقام فرما کر بہت جلد ارسال فرمادیں۔ اس لئے کہ یہ مسئلہ پندرہ روز کو ایک علمائے کرام

کے جلسہ میں پیش ہونا ہے اور اس میں جس قدر علمائے کرام کے دستخط و مواہیر ثبت ہوں گی، بندہ آپ کا دل سے شکر

گزار ہوگا۔ فقط

الجواب

(۱) اللہ و رسول جل و جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اولاد پر ابوین کے اس قدر حقوق رکھے ہیں کہ حد تحریر و احاطہ

تقریر سے باہر ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: ”وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا (الاحقاف: ۱۵)“ ”اور ہم نے تقیید

کی آدمی کو ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کی“ وقال تعالیٰ: ”وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حِمْلَتُهُ أُمُّهُ وَهُنَا عَلٰی

وَهْنٍ وَفِضْلُهُ فِیْ عَامِّیْنِ أَنْ اشْكُرْ لِّیْ وَلِوَالِدَیْكَ۔ (لقمان: ۱۴)“ تاکید کی ہم نے آدمی کو اس کے ماں باپ

کے حق میں، پیٹ میں رکھا اسے اس کی ماں نے سختی پر سختی اٹھا کر اور اس کا دودھ چھٹنا دوبرس میں ہے، یہ کہ حق مان میرا اور

اپنے ماں باپ کا۔ وقال تعالیٰ: ”وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (الاسراء: ۲۳)“ حکم

فرمایا تیرے رب نے سوا اس کے کسی کو نہ پوجو اور والدین کے ساتھ احسان کرو۔

وقال تعالیٰ: ”فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا وَخَفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ

مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْتَنِي صَغِيرًا۔ (الاسراء: ۲۳، ۳۴)“ ”اور والدین کو ”ہوں“ نہ کہو اور نہ

ان کو جھڑک اور ان سے عزت کی بات کہہ اور ان کے لئے نرم دلی سے ذلت کا بازو بچھا اور یوں عرض کر کہ اے میرے

رب ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے چھپن میں پالا“

آیہ شریفہ میں اگر چہ اف کرنے کی ممانعت ہے۔ مگر دلالت النص سے ان تمام باتوں سے، جو ان کو ناگوار اور ان

کے مزاج کے خلاف ہوں، ممانعت ثابت ہے۔ فقد اخرج ابن ابی حاتم عن السدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی

الآیة قال: ”لَا تَقُلْ لَهُمَا اف مِمَّا سِوَاهُ“ وَاخْرَجَ الدِّیْلَمِیُّ عَنْ اَنَسِ بْنِ عَلٰی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهُمَا

مرفوعاً: ”لَوْ عَلِمَ اللہُ شِیْءًا مِنَ الْحَقِّقِ اَدْنٰی مِنْ افٍ لِحَرَمِهِ۔

تفسیر ابوالسعود میں ہے: ”وَبِهَذَا النَّهْيِ یَفْهَمُ النَّهْيُ عَنْ سَائِرِ مَا یُؤْذِيهِمَا بِدَلَالَةِ النَّصِّ۔“

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”افضل الاعمال الصلوة لوقتہا وبر الوالدین“۔ ”حقوق اللہ میں سب سے بہتر وقت پر نماز پڑھنا اور حقوق العباد میں سب سے افضل والدین کی ساتھ نیک برتاؤ کرنا ہے“ رواہ مسلم عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ والخطیب فی التاریخ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وزاد الجہاد فی سبیل اللہ۔

دوسری حدیث میں ہے: ”بر الوالدین افضل من الصلوة والصدقة والصوم والحج والعمرة والجہاد فی سبیل اللہ“۔ ”والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا، نماز، زکوٰۃ اور روزہ اور حج اور عمرہ اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنا، سب سے بہتر ہے۔ ذکرہ الامام حجة الاسلام محمد محمد الغزالی قدس سرہ العالی فی احیاء علوم الدین۔

تیسری حدیث میں ہے: ”رضا الرب فی رضا الوالد وسخط الرب فی سخط الوالد“۔ ”اللہ کی خوشنودی، باپ کی رضا مندی اور اللہ کی ناراضی باپ کی ناخوشی میں ہے۔ رواہ الترمذی والحاکم عن ابن عمرو بن العاص والبزار عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم والبخاری فی ادب المفرد عن ابنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ولفظہ ”رضاء اللہ“ واخرج الطبرانی فی الکبیر عن ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلفظ ”رضا الرب فی رضا الوالدین وسخطہ فی سخطہما“ والحاکم وصححه والبیہقی عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولفظہما ”رضا اللہ فی رضا الوالدین“

چوتھی حدیث میں ہے: ”ایک شخص نے عرض کی، یا رسول اللہ! حق والدین کا اولاد پر کیا ہے؟ فرمایا: ”جنتک ونارک“ وہ دونوں تیری جنت و دوزخ ہیں۔ یعنی اگر تو ان کی فرمانبرداری کرے تو وہ تیرے لئے جنت ہیں اور انہیں ناراض رکھے تو وہی تیرے لئے دوزخ ہیں۔ رواہ ابن ماجہ عن ابی امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

پانچویں حدیث میں ہے: ”الجنة تحت اقدام الامہات“۔ ”جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے“۔ رواہ مسلم عن

نعمان ابن بشیر والخطیب فی الجامع عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ ولقد احسن واجاد من قال و افادہ

جنت کہ رضائے مادر آنت اندر تہ پائے مادر آنت

روزی بکن ای خدائے مارا چیزیکہ رضائے مادر آنت

وغیرہا من الاحادیث الکثیرہ الصحیحۃ الشہیرۃ۔

پس صورت مستفسرہ میں جب کہ باپ اس کا شیخ کے یہاں جانے، حلقے میں شامل ہونے سے روکتا اور کہتا ہے کہ اس میں میری سخت ناراضگی ہوگی، ہرگز اس شخص کو اجازت نہیں کہ والدین کو ناراض کر کے حلقہ میں شامل ہو۔

ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جہاد کی اجازت مانگی، ارشاد فرمایا؟ تیرے ابوین زندہ ہیں؟ عرض کی ہاں! ارشاد ہوا ”فیہما فجاہدا“۔ تو تو انہیں میں جہاد کر یعنی ان کے ساتھ نیک سلوک کر کہ تیرے لئے جہاد کے قائم مقام

ہے۔ رواہ الامام احمد فی مسندہ والشیخان فی صحیحہما و ابو داؤد والترمذی والنسائی وعبد الرزاق

وابن ابی شیبہ عن ابن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

دوسری حدیث میں ہے: ”ایک صحابی یمنی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رکاب جہاد کا ارادہ کیا۔ ارشاد ہوا، تیرے ماں باپ نے اجازت دی؟ عرض کی نہیں! فرمایا: ”فارجع الی ابویک فاستأذنہما فان فعلا فجاهد والا خبرہما فان ذالک افضل مما تلقی اللہ بہ بعد التوحید“۔ ”لوٹ اپنے ماں باپ کی طرف اور ان سے اجازت مانگ۔ اگر اجازت دیں تو جہاد کرو ورنہ ان کے ساتھ نیک برتاؤ کر۔ یہ بعد توحید و ایمان سب اعمال سے افضل ہے۔ رواہ الامام احمد و ابن حبان عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

تیسری حدیث میں ہے: ”ایک صاحب حاضر خدمت اقدس ہوئے اور ہجرت پر بیعت چاہی اور کہا کہ ماں باپ کو رولا کر آیا ہوں۔ فقال: ”ارجع واضحکھما کما ابکیتمھا“۔ ”لوٹ جا ان کے پاس اور انہیں ہنسادیے جیسا کہ رولا یا ہے“۔ رواہ ابو داؤد والنسائی وابن ماجہ وعبد الرزاق فی المصنف والبخاری فی الادب المفرد والبیہقی فی شعب الایمان والحاکم عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وقال صحیح الاسناد۔

چوتھی حدیث میں ہے: ”حضرت جاہمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہاد میں جانے کے بارے میں رائے اقدس دریافت کرنے کو حاضر ہوئے۔ فرمایا: کیا تیری ماں ہے؟ عرض کی ہاں! فرمایا: ”فألزمھا فان الجنة عند رجليھا“۔ اسی کی خدمت میں لگا رہ کہ یقینی جنت اس کے پاؤں کے پاس ہے۔ رواہ النسائی وابن ماجہ والحاکم من حدیث معاویہ بن جاہمہ وقال صحیح الاسناد۔

پانچویں حدیث میں: ”بر الوالدین یجزی عن الجہاد“ ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنا جہاد سے کفایت کرتا ہے۔ رواہ ابن ابی شیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما

پس جب بے اجازت والدین جہاد کی اجازت نہ ہوئی، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ”فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً“۔ ”اور بزرگی دی اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر بڑے ثواب سے اپنے پاس کے درجوں اور بخشش اور مہربانی میں۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”لغزوة فی سبیل اللہ احب الی من اربعین حجة“۔ ”البتہ ایک مرتبہ جہاد کرنا مجھے محبوب ہے چالیس حج سے“ رواہ عبد الحبار الخولانی فی تاریخ راویا عن مکحول مرسلا۔

باپ کو ناراض کر کے حلقہ میں شامل ہونے کی کیونکر اجازت دیجائے گی؟ اس شخص کو چاہئے کہ شیطان کے دھوکہ سے باز آئے، والد کی فرمانبرداری کرے، ان کو ایذا نہ دے، عاق نہ بنے، والدین کی رضا بہت بڑی نعمت ہے، اس کی قدر کرے۔ حدیث میں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: ”من أصبح مرضیا لا یویہ اصبح له بابان مفتوحان الی الجنة وكذلك من امسى مثل ذلك وان کان واحدا فواحد وان ظلما وان ظلما۔“

”جو شخص صبح کرے اس حال میں کہ اپنے ماں باپ کی رضا چاہتا ہے، اس کے واسطے دو دروازے جنت کے کھلے ہوئے ہیں۔ اور ایسا ہی جو شخص شام کرے اور اگر ماں باپ میں سے ایک ہے تو ایک دروازہ جنت کا کھلا ہے۔ اگر چہ ماں باپ ظلم کریں، اگر چہ ظلم کریں، اگر چہ ظلم کریں۔ اور جو شخص صبح کرے اس حال میں کہ ماں باپ کو ناراض کرنے والا ہے، اس کے لئے دو دروازے جہنم کے کھلے ہیں۔ اور اگر ایک ناراض کیا تو ایک اور ایسا ہی جو شام کرے۔ اگر چہ ماں باپ ظلم کریں، اگر چہ ظلم کریں، اگر چہ ظلم کریں۔“ رواہ ابن شیبہ والبیہقی فی شعب الایمان وابن عساکر فی التاریخ والدیلمی فی الافراد ونحوہ للبخاری فی الادب المفرد وابن النجار عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وللدارقطنی من حدیث زید ابن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

دوسری حدیث میں ہے: ”لایدخل الجنة منان ولا عاق ولا مدمن خمر۔“ ”جنت میں نہ جائے گا احسان جتانے والا اور ماں باپ کو ایذا دینے والا اور شرابی۔ رواہ النسائی والدارمی عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مرفوعاً۔

تیسری حدیث میں ہے: ”لایدخل عاق ولا ولد زنا ولا مدمن خمر ولا منان۔“ ”جنت میں والدین کو ستانے والا نہ جائے گا اور نہ حرامی اور نہ شرابی، نہ دے کر احسان جتانے والا۔“ رواہ ابن ابی شیبہ والبخاری والحاکم والبیہقی عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً۔

چوتھی حدیث میں ہے: ”لایدخل الجنة عاق والديه ولا منان ولا ولد زنية ولا مدمن خمر ولا قاطع رحم ولا من اتى ذات رحم۔“ ”جنت میں نہ جائیگا ماں باپ کو ایذا پہونچانے والا، نہ احسان جتانے والا، نہ ولد الحرام، نہ شراب نوش، نہ تفرقہ ڈالنے والا اور نہ خاندانی محرمات سے زنا کرنے والا۔ رواہ ابن ابی شیبہ وعبد الرزاق والنسائی والبیہقی عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

پانچویں حدیث میں ہے: ”ان الجنة يوجد ريحها من مسيرة خمس مائة عام ولا يجد ريحها عاق۔“ ”یعنی جنت کی ہوا پانچ سو برس کی راہ سے معلوم ہوتی ہے اور اس کی بونہ پائے گا والدین کو ناراض کرنے والا۔ رواہ الطبرانی فی الصغیر من حدیث ابی ہریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفی الاوسط من حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفیہ من مسيرة الف۔“

”یعنی جنت کی خوشبو ہزار برس کی راہ سے معلوم ہوتی ہے۔“ اور محرومی کو یہی کیا کم ہے، پانچ سو برس کی راہ جنت سے دور ہے۔ سوا معصیت کے تمامی باتوں میں والدین کی فرمانبرداری فرض ہے۔ جس بات سے ایذا ہو اس کا کرنا حرام۔

امام خاتمة المجتہدین علامہ تقی الدین سبکی پھر علامہ بدر الدین عینی عمدة القاری میں فرماتے ہیں: ”عقوق، والدین کی ایذا رسانی ہے، جس قسم سے ہو تھوڑی ہو یا بہت، وہ منع کریں یا نہ، اور ان کے اوامر و نواہی کی مخالفت ہے

بشرطیکہ وہ معصیت نہ ہو۔ العقوق ایذاً لہما بای نوع کان من انواع الاذی قل او کثر نہیا عنہ او لم ینہیا او یخالفہا فیما یامران او ینہیان بشرط انتفاء المعصیۃ فی الكل۔ بلکہ انہیں علامہ نے امام ابو بکر طوسی ماکھی سے نقل فرمایا کہ ایک یا دو مرتبہ سنت مؤکدہ کے ترک کا حکم کریں تو ان کی فرمانبرداری چاہئے۔ واخرج عبد الرزاق فی المصنف عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ سئل ما بر الوالدین؟ قال: "تبذل لہما ما ملکک وان تطبعہما فیما امراک بہ الا ان یکون معصیۃ۔" حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا، بروالدین کیا ہے؟ فرمایا: اپنی سب ملک کا انہیں مالک جان اور سوا معصیت جس کام کے لئے حکم کریں، بجالا۔

بیہقی کی روایت میں ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے: "وان امراک ان تخرج من کل شیء فاخرج۔" اور اگر وہ تجھے حکم کریں کہ اپنی سب چیزیں چھوڑ کر نکل جاتا تو تو نکل جا۔" صرف استقلال و بردباری سے مار کھالینا اور زبان سے اف تک نہ کرنا، اسے باز (فرمانبردار) نہیں کر سکتا۔ جب صاف صاف باپ کے قول کے خلاف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ باپ کہتا ہے کہ میں تم کو مرشد کے پاس ہرگز نہ جانے دوں گا اور میری اس میں سخت ناراضگی ہوگی۔ اور یہ شخص کہتا ہے کہ میں مرشد کے پاس جانا کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ روزانہ دو گھنٹے کے لئے چل دیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "ما بر اباء من حدّ الیہ الطرف۔" جو شخص اپنے باپ کی طرف تیز نگاہ سے دیکھے، اس نے بر نہیں کیا۔ رواہ ابن مردویہ والبیہقی فی شعب الایمان عن ام المؤمنین الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

یہ حدیث قدسی نہیں بلکہ حدیث میں محبت محمد رسول اللہ ﷺ کا ذکر ہے کہ محبت محمدی جب تک سب سے غالب نہ ہو ہرگز مؤمن نہیں ہو سکتا۔ چاہے باپ ہو یا اولاد یا کوئی، جس سے محبت الہیہ کا حاصل کرنا والدین کی رضا سے ثابت ہو۔ اگرچہ حاصل دونوں کا ایک ہی ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت کی فرضیت، رسول اللہ و حبیب اللہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ مگر جس محبت کا حدیث میں ذکر ہے، وہ باپ کو ناراض کر کے رات کو دو گھنٹے حسب طریقہ نقشبندیہ اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقے میں شامل ہونے سے نہیں ہوتی۔ وہ تو ایک نور ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے مسلمان کے قلب میں ڈال دیتا ہے جس کی وجہ تمامی کائنات ایک پلہ میں اور دامن اقدس ایک پلہ میں رکھ کر تولا جائے تو یہی پلہ غالب ہو۔ اس کا اثر یہ ہونا چاہئے کہ والدین کو ہرگز ناراض نہ کرے کہ وہ اس محبت جلیلہ کی کمی پر دال ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ غنی مطلق ہے، اس کو کسی کی حاجت نہیں اور عباد محتاج ہیں۔ اس لئے علماء نے تصریح فرمائی کہ حق اللہ اور حق العباد میں حق العباد مقدم ہے۔ در مشقی پھر در مختار میں ہے: "دین العباد یقدم لو اجتمع مع دین اللہ لانہ تعالیٰ هو الغنی ونحن الفقراء۔" اگر جمع ہوں حق اللہ اور حق العباد تو بوجہ فقر عباد کے بندوں کا حق مقدم ہے۔ الاشباہ والنظائر میں ہے: "اذا اجتمع الحقان قدم حق العبد لا حتبا جہ علی حق اللہ تعالیٰ لغنائہ۔"

غمر العیون والبصائر میں ہے فتاویٰ دلوالجیہ اور اس میں فتاویٰ صدر الشہید سے ہے: ”اذا اجتمع الحقان قدم حق العبد وذلك كما لو وجد صيدا ومال انسان يذبح الصيد ولا ياخذ مال المسلم لانهما استويا في الحرمة الا ان الصيد حرام فقال الله تعالى ومال المسلم حرام فقال للعبد فكان الترجيح لحق العبد لحاجة اليه۔“

(۳-۴) یہ شخص ضرور گنہ گار ہے۔ اسے ہرگز روا نہیں کہ رضائے والد واجب کو چھوڑ کر شغل و اشتغال ایک مستحب کام میں مشغول ہو۔

(۵) کسی کی عبادت قبول کرنا یا اس کے منہ پر مار دینا، اللہ کی مرضی ہے۔ اس کا ہمارے پاس ٹھیکہ نہیں کہ قبولیت یا مردودیت عبادت کا پروانہ دیا جائے۔ مجھے اپنا ہی حال معلوم نہیں کہ جو کچھ ہم کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے یا معاذ اللہ نہیں۔ ہاں اس کے فضل سے امید کی جاتی ہے کہ جو اس کی مرضی کے موافق ہو، اپنی رحمت سے قبول فرمائے۔ مگر والدین کی ناراضی میں ہرگز اس کی رضا نہیں۔

(۶) محبت الہی فرض اہم ایمان بلکہ رکن ایمان بلکہ عین ایمان ہے۔ بغیر ایمان کے نہ رضائے والدین کام دے، نہ کوئی دوسرا عمل۔ قال اللہ تعالیٰ: ”وَقَدْ مَنَّا إِلَىٰ مَاعْمِلُوا مِن عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ نَبِإً مِّنْشُورًا (الفرقان: ۲۳)۔“ اور جو کچھ انہوں نے کام کیے تھے، ہم نے قصد فرما کر انہیں باریک باریک غبار کے بکترے ہوئے ذرے کر دیا۔ (کنز الایمان)

وقال تعالیٰ: ”أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَبَطَتْ أَعْمَالُهُمْ۔“ (آل عمران: ۲۲) ”یہ ہیں وہ جن کے اعمال اکارت گئے۔“ (کنز الایمان)

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”لا يقبل عمل بلا ایمان۔“ ”اللہ تعالیٰ کوئی عمل بے ایمان کے قبول نہیں فرماتا“ رواہ الطبرانی عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ باسناد حسن اس لئے اس شخص کو سلوک کی تحصیل کے لئے باپ کو ایذا دے کر مرشد کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔ کما قدمنا

(۷) اگر اس کا باپ اسے روکنے میں کوئی مصلحت شرعیہ دیکھتا ہے یا اسے اپنی ایذا کا خیال ہے کہ اسے تنہا چھوڑ کر وہ اپنا کام نہ کر سکے گا، تو کوئی حرج نہیں۔ اگر اس کا کوئی حرج نہیں تو ذکر و فکر، شغل و اذکار سے وہ اپنے بیٹے کو نہ روکے۔ کیونکہ اس کو اجازت نہیں کہ وہ کام کرے جو اللہ اور رسول کی رضا کے خلاف ہو۔ حضرت مجدد کے مکتوب کا بھی خلاصہ یہی سمجھنا چاہئے۔ ورنہ آیات و احادیث اس سے پہلے ذکر ہو چکیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ حافظ محمد بخش صاحب جنوب گنج پیر بھی ۲۲ صفر ۱۳۲۳ھ
علمائے دین کیا ارشاد فرماتے ہیں، ایک شخص ہندو بظاہر ہے مگر عقائد بہت اچھے ہیں۔ یعنی نماز مثل مسلمانوں کے

ادا کرتا ہے۔ اب اس کو قرآن مجید پڑھنے کا ارادہ ہوا ہے۔ اس حالت میں روزہ اس کا کیسا ہے؟ اور نیت اس کی مسلمان ہو نے کے لئے ہے مگر ابھی مسلمان نہیں ہوا ہے اور کلام مجید پڑھانے والے کے لئے باعث ثواب ہے یا معصیت یا کیا؟ ہندوؤں کی جتنی بدعت ہوتی ہیں، وہ سب ترک ہے۔ محرم میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ کرانا اور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ دینا اور کلام مجید میں ہاتھ لگانا کیسا ہے؟ بیواؤ تو جروا۔

الـجـواب

ہندو کہ بلا اکراہ مذہب اسلام ظاہر نہ کرے، اسی کفر پر جمار ہے، اگرچہ ہندوؤں کی بدعتیں چھوڑ دے، فاتحہ امام حسین و غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کرے، قرآن مجید پڑھنے کا ارادہ رکھے بلکہ پڑھے، لیکن جب تک علی الاعلان اپنا اسلام ظاہر نہ کرے، ہرگز مسلمان نہیں۔ لیکن اگر کسی سخت مجبوری و اکراہ شرعی کے سبب ظاہر نہ کرے اور دل اس کا ایمان پر مستقیم ہو تو مضا لفقہ نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: ”إِلَّا مَنْ أَكْرَهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ“ (النحل: ۱۰۶) ”سوا اس کے جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو“۔ (کنز الایمان)

مگر مال کا جانا یا باپ، ماں، عورت، اولاد کا چھوٹنا، اپنی قوم سے، برادری سے نکالا جانا، کوئی وجہ شرعی نہیں۔ اسے قرآن مجید پڑھانا گناہ نہیں بلکہ امید ثواب ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ اسے اس کے طفیل میں ہدایت عطا فرمائے۔

قاضی خان میں ہے: ”الحربی او الذمی اذا طلب تعلیم القرآن یعلم و کذا اذا طلب تعلیم الفقہ رجاء ان یہتدی الی الحق لکنہ یمنع عن المصحف مالم یغتسل ہکذا فی الصغیری۔“

خزانۃ المفتیین میں ہے: ”واذا قال الکافر لمسلم علّمنی القرآن فلا بأس بان یعلمہ لکن لا یمسّ المصحف وان اغتسل او مسّہ لا بأس بہ۔“

”یعنی اگر کوئی کافر حربی یا ذمی مسلمان سے قرآن شریف یا فقہ سیکھنا چاہے تو سکھانے میں حرج نہیں۔ شاید کہ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت کر دے لیکن بغیر غسل قرآن شریف کو ہاتھ نہ لگائے اور اگر نہایت پاک صاف ہو کر مصحف شریف کو چھوئے تو کوئی حرج نہیں۔“ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اصاب من اجاب کتبہ فقیر غلام محمد بہاری۔



مسئلہ مرسلہ سید محمد ظہور احمد، پتھو شریف ضلع گیا ڈاک خانہ چاکند ۶ صفر ۱۳۲۳ھ
علم میں لفظ محمد اور احمد دونوں شرعی حیثیت سے جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً ظہور احمد، محمد عنایت احمد کیسا ہے؟

الـجـواب

بلاشبہ جائز ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میرے نام پر نام رکھا اس کی شفاعت کروں گا۔

علامہ محمد بوسیری قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں:

فان لی ذمة منه بتسمیتی محمدنا وهو اوفی الخلق بالنعم
اور محمد اور احمد دونوں نام پاک ہیں اور دونوں کا جمع بھی جائز ہے کہ مجموعہ حسن اور حسین۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ سید محمد ظہور احمد از بیتھو شریف ضلع گیا ڈاکخانہ کند ۶ صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عالم رویاء میں بیعت ہونا کیسا ہے؟ بینوا و نو جروا۔

الجواب

جائز و صحیح و مقبول ہے۔ حضرت شاہ ابو بکر بن ہوار رضی اللہ عنہ کا سلسلہ منامیہ صدیقیہ عالم رویاء ہی میں بیعت سے ہے۔ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم و ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ عرض کیا یا رسول اللہ! خرقہ عنایت ہو؟ فرمایا: ”اے ابن ہوار! میں تیرا نبی ہوں اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ تیرے شیخ ہیں۔“ پھر فرمایا: ”اے ابو بکر! اپنے ہمنام ابو بکر بن ہوار کو خرقہ عنایت کرو۔“ صدیق اکبر نے خرقہ و کلاہ عنایت فرمایا۔ جب بیدار ہوئے کلاہ مبارک سر پر رکھی دیکھی اور خرقہ پہنے پایا۔

شیخ نور الدین ابوالحسن علی بن یوسف بن جریر بن شافعی اپنی کتاب بہجة الاسرار شریف میں ارقام فرماتے ہیں: ”اخبرنا قاضی القضاة، شیخ الشیوخ، شمس الدین، ابو محمد عبد اللہ محمد المقدسی قال سمعت الاشياخ الثلاثة الشيخ العارف ابا الحسن علی بن سلیمان البغدادی المعروف بالخباز والشيخ الصالح ابا زكريا يحيى بن يوسف ابن يحيى الصرصري والشيخ العالم كمال الدين ابا الحسن علی بن محمد بن محمد بن وضاح الشهر باني قالوا سمعنا الشيخ الجليل ابا منعم علی بن ادريس اليعقوبی يقول سمعت شيخنا الشيخ علی ابن الهيثمی رضی اللہ عنہ يقول سمعت شيخنا تاج العارفين ابا الوفا رضی اللہ عنہ يقول سمعت شيخنا الشيخ ابا محمد الشنبکی يقول شيخنا كان الشيخ ابو بكر بن هوار رضی اللہ عنہ شاطرا يقطع الطريق بالبطائح ومعه رفقاء وكان مقدمهم وكانوا يجلسون على تلك المعابر يقتسمون اموال الناس فسمع ليلة امرءة تقول لزوجها: ”انزل ههنا لثلا ياخذنا ابن هوار واصحابه“ فاتعظ وبكى وقال: ”الناس يخافونني وانا لا اخاف الله تعالى“ وتاب في وقته ذلك وتاب معه اصحابه وانقطع مكانه متوجها إلى ربه عز وجل على قدم الصدق والاخلاص في ارادته ووقع عنده ان يسلم نفسه إلى من يوصله إلى ربه تعالى ولم يكن بالعراق يومئذ شيخ مشهور من اهل الطريق فرأى في منامه رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم و ابا بكر الصديق رضی اللہ عنہ فقال له يا رسول الله البسني خرقه فقال له يا ابن هوار! انا نبيك وهذا شيخك و اشار إلى الصديق رضی اللہ عنہ ثم قال يا ابا بكر البس سميك ابن هوار كما امرت فالبسه الصديق رضی اللہ عنہ ثوبا وطاقيّة ومرّ بيده على راسه ومسح على ناصيته وقال

بارک اللہ فیک فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا ابابکر! بک تحییٰ سنن اهل الطريق من امتی بالعراق بعد موتها ويقوم مناد ارباب الحقائق مع احباب اللہ تعالیٰ بعد دروسها وفیک تكون المشیخة بالعراق الی یوم القيامة وقد هبت نسيمات الله بظهورک وارسلت نفحات الله بقيامک ثم استيقظ فوجد الثوب والطاقيۃ بعینهما علیہ و كانت علیٰ راسه ثوالیل فلم یرها اه (بهجة الاسوار ومعدن الاسرار ص ۱۳۳ مطبوعه مصر)

و علیٰ هذا منجملہ سائر سلاسل رضویہ عزیز یہ علویہ منامیہ بھی اسم باسکی ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی مشرف بزیارت خاتم الخلفاء امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ ہوئے۔ عرض کیا: بیعت لیجئے۔ امیر المومنین نے دست اقدس بڑھا کر بیعت سے مشرف فرمایا۔ ولله الحمد واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ از بنگال ضلع نواکھالی ڈاکخانہ راج گنج محلہ رگورام پور مدرسہ انوار العلوم از مولوی عبدالجبار۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں:

(۱) پیر و مرشد سے توجہ لینا جائز ہے یا نہیں: اور بعض مولوی وہابیہ کہتا ہے کہ حرام ہے اور توجہ لینے والا اور دینے

والا کافر ہیں۔

(۲) اولیاء اللہ کو مکاشفہ ہوتا ہے یا نہیں؟ وہ شخص اس کا بھی منکر ہے اور کہتا ہے جو شخص مکاشفہ کا قائل ہو، وہ کافر ہے۔

(۳) پیر بزرگ کے ہاتھ یا قدم چومنا جائز ہے یا نہیں؟ وہ شخص کہتا ہے کہ حرام ہے اور قدم بوسی کرنے والا

مشرک ہوگا۔

(۴) اجرت پر وعظ کہنا مثلاً ۴۰ روپے دینا ہوگا، نہیں تو میں وعظ نہیں کہوں گا۔

(۵) مولود شریف و قیام جائز ہے یا نہیں؟ وہ شخص قیام مولود شریف کو حرام اور اس کے کرنے والا کو بدعتی کہتا

ہے۔ جواب مسئلہ کا بحوالہ کتب مع صفحہ ارشاد فرمائیں اور اللہ تعالیٰ سے اجر پاویں۔

الـجـواب

توجہ لینا اپنے پیر و مرشد سے اور مرشدوں کا اپنے مریدین کو توجہ دینا جائز اور فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے ثابت ہے۔

کتاب الترغیب والترہیب حافظ ذکی الدین عبدالعظیم منذری مطبع فاروقی دہلی ص ۳۰۱ س ۹ پر ہے: ”وعن

یعلیٰ ابن شداد قال حدثنی ابی شداد ابن اویس وعبادة بن الصامت حاضر بصدقه قال کنا عند النبی

صلی اللہ علیہ وسلم فقط فقال هل فیکم غریب یعنی اهل الكتاب قلنا لا یا رسول اللہ! فامر بغلق الباب

وقال ارفعوا ایدیکم وقولوا لا اله الا الله۔ فرفعنا ایدینا ساعة ثم قال الحمد لله اللهم انک بعثتني بهذه

الكلمة ووعدتني عليها الجنة وانت لا تخلف الميعاد ثم قال ابشروا فان الله قد غفر لكم۔“
 ”یعنی مروی ہے یعلیٰ بن شداد سے، کہا مجھ سے، بیان فرمایا میرے باپ حضرت شداد بن ادیس نے اور حضرت عبادۃ بن صامت تشریف رکھتے تھے اور میرے باپ کی تصدیق فرماتے تھے۔ کہا، تھے ہم نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: کیا تم میں کوئی اجنبی یعنی یہودی یا نصرانی ہے؟ ہم نے عرض کی نہیں یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس حضور نے دروازہ بند کرنے کا حکم فرمایا اور ارشاد ہوا کہ تم اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر لا الہ الا اللہ کہو تو ایک ساعت تک ہم لوگوں نے ہاتھوں کو اٹھایا۔ پھر حضور نے دعا فرمائی کہ سب خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ الہی! تو نے مجھے اس کلمہ کے ساتھ بھیجا اور اس پر مجھے جنت کا وعدہ فرمایا اور تو وعدہ خلاف نہیں فرماتا۔ پھر فرمایا کہ خوش ہو کہ عزوجل نے تم کو بخش دیا۔“ رواہ الامام احمد باسناد حسن والطبرانی وغیرہما۔

یہ خاص توجہ لینے اور دینے کا جزئیہ ہے ورنہ لا الہ الا اللہ کی تعلیم کو تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام جہان کی طرف بھیجے گئے۔ پھر اس پوچھنے کے کیا معنی تھے کہ هل فيكم غريب تم میں کوئی اجنبی تو نہیں؟ پس اس پوچھنے ہی پر بس نہ فرمایا بلکہ دروازہ بند کرنے کا حکم دیا کہ غیر کا دخل نہ ہو؟ تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی خاص تلقین لا الہ الا اللہ تھی جس میں خاص ہی خاص حضرات کا حصہ ہے۔ اور یہ وہی توجہ ہے کہ مشائخ کرام اپنے مریدین کو دیتے ہیں۔ ولله الحمد واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) اولیائے کرام کا مکاشفہ بلاشبہ حق ہے۔ کتب تصوف اس سے مملو و مشحون ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله۔“ ”تم مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے۔“ رواہ البخاری فی التاريخ والترمذی عن ابی سعید الحکیم والطبرانی فی الکبیر وابن عدی فی الکامل عن ابی امامة وابن جریر عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ذکرہ الامام الحلیل الحلال السیوطی فی الجامع الصغیر ص ۷

حضور پر نور سیدنا غوث اعظم رضی تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

نظرتُ الی بلاد اللہ جمعا کخردلة علی حکم اتصال

”میں نے خدا کے تمام شہروں کو بحکم اتصال رائی کے دانہ کی طرح دیکھا۔“

نیز فرماتے ہیں: ”وان بوؤ عینی فی اللوح المحفوظ۔“ ”اور یقیناً میری آنکھ کی پتلی لوح محفوظ میں لگی

ہوئی ہے۔ یعنی میں تمامی مکتوبات لوح محفوظ کو مشاہدہ کر رہا ہوں۔“ (ہجۃ الاسرار شریف)

”نجات الانس فی حضرات القدس“ کے ص ۳۹ میں عارف نامی مولانا جامی قدس سرہ السامی تحریر فرماتے ہیں: ”

حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہ می فرمود کہ حضرت عزیزان علیہ الرحمۃ والرضوان می گفتہ اند کہ زمین در نظر ایں طائفہ چوں سفرۂ ایست کہ مای گوئیم کہ چوں روی ناخن است۔ ہیچ چیز از نظر ایشان غائب نیست۔“

یعنی سب چیزوں کو دیکھ رہے ہیں۔ اس کے سوا اور مکاشفہ نام کس کا ہے؟ ذلک من فضل اللہ علی الناس ولكن الوہابیۃ قوم لا یفقہون۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) بیشک بزرگان دین، مرشدان عظام و اساتذہ کرام و آبائے کرام و پادشاہان اسلام و دیگر معززان واجب الاحترام کے دست و پا کا بنظر محبت اسلامی و تکریم میں چومنا جائز و درست ہے۔

مشکوٰۃ شریف مطبوعہ اصح المطابع باب المصافحۃ والمعانقۃ ص ۴۰۳ میں ہے: ”وعن زارع وکان فی وفد عبد القیس قال: ”لما قدمنا المدینۃ فجعلنا نتبادر من رواحلنا فنقبل ید رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ورجلہ۔“ ”یعنی مروی ہے زارع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (اور تھے وہ عبد القیس کی جماعت میں) کہا جب ہم حاضر ہوئے مدینہ میں۔ جلدی کی اپنی سواریوں سے اترنے میں پس چومادست و پارسل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔“

شیخ محقق محدث دہلوی لمعات میں فرماتے ہیں: ”وفی الحدیث دلیل علی جواز تقبیل الرجل و جاء فی غیر هذا الحدیث ایضا۔“

اشعۃ اللمعات ترجمہ فارسی مشکوٰۃ جلد رابع مطبع نولکشور ص ۲۷ س ۱۱: ”دریں جا تجویز پائے بوس معلوم شد۔ چنانچہ سابقہ برآں اشارت کردیم۔“

ردالمحتار جلد ۵ کتاب المحظور والاباحۃ ص ۸۷ س ۵ میں رسالہ علامہ شرنبلالی سے حدیث نقل کی: ”قال ثم اذن لہ فقبل راسہ ورجلیہ۔ طحطاوی جلد ۴: قال الشرنبلالی فعلم مجموع ما ذکرنا اباحۃ تقبیل الید والرجل والرأس والكشح كما علم من الاحادیث المتقدمۃ اباحتها علی الجبۃ و بین العینین و علی الشفتین اذا کان علی المبرۃ والاكرام۔“

رہا حضرات وہابیہ کا ان سب باتوں کو کفر یا شرک کہنا، ان سے ان کی کیا شکایت؟ مثل مشہور ہے الاناء یتشرح بما فیہ ان بزرگوں کو آبائی ترکہ مسلسلاً ہی عن الدہلوی عن النجدی عن مجتہد الفلک السادس، اسی شرک و کفر کا ملا ہے۔ اب اس کے سوالوگوں کو کیا دیں اور کہاں سے دیں؟ بات بات میں شرک و کفر نہ ہو تو پھر مولویت کیسی؟ جس کو ان کے کفریات کی بہار دیکھنا ہو، ان کی ایمانی کتاب تقویۃ الایمان اٹھا کر دیکھے۔ ہر ورق کیا، ہر صفحہ میں کفریات بھری ہیں اور وہ کسی ایک دو کی تکفیر نہیں، عامہ تامہ شاملہ کاملہ جس سے کوئی انسان کیا کوئی مخلوق بلکہ خالق تک مبرا نہیں۔

اعلیٰ حضرت ختام المحققین، مجدد مائتہ حاضرہ، سیدی وسندی، جناب مولانا محمد احمد رضا خاں صاحب مدظلہم الاقدس نے اپنی کتاب مستطاب ”الامن والعلیٰ لناعنی المصطفیٰ بدافع البلا“ میں ساٹھ آیتوں اور تین سو حدیثوں سے ثابت فرمایا کہ مذہب وہابیہ حق ہے تو آدمیوں سے لے کر فرشتوں اور امتوں سے لے کر رسولوں، بندوں سے لے کر خدا تک کوئی شرک سے محفوظ نہیں۔ سب مشرک و مشرک گر ہیں۔ وہ قرآن شریف جو شرک کو بیخ برکنہ کرنے کے لئے آیا، معاذ اللہ ان کے طور پر شرک سے مملو ہے۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کہ تو حید سکھانے کو مبعوث فرمائے گئے، عیاذ باللہ ان کے

مذہب پر سب خود مشرک و مشرک گر تھے۔ نعوذ باللہ من شرور الشیطان والابالسة والدجاجلة اجمعین۔

اشراک نجد بین کہ ناحق برسد مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم

”قَاتِلْهُمْ اللَّهُ أَنِّي يُؤْفِكُونُ“ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (التوبة : ۳۰ / المنافقون : ۴) ”اللہ انہیں مارے
کہاوندھے جاتے ہیں۔“ (کنز الایمان)

(۴) اجرت پر وعظ کہنے کی نسبت در مختار میں تصریح فرمائی کہ ضلالت و گمراہی و سنت یہود و نصاریٰ ہے۔

در مختار نو لکھنؤ ص ۳۳۳ س ۱۲ پر ہے: ”التذکیر علی المنابر للوعظ والاتعاظ سنة الانبياء

والمرسلین ولریاسة و مال و قبول عامة من ضلالة اليهود والنصارى۔“

یہاں اس سے قطع نظر کر کے حضرات وہابیہ اگر بغیر کسی اجرت کے مفت ہی وعظ کہیں بلکہ سامعین کے لئے اپنے
پاس سے اجرت مقرر کر کے وعظ سنائیں تو بھی ان کا وعظ سننا حرام ہے کہ وہ عقائد باطلہ زائغہ کو بیان کریں گے۔ اور ان کا
ضرر کفار کے ضرر سے اشد ہے۔ اور بالفرض کوئی وہابی صاحب خالی نماز، روزے ہی کا وعظ کریں جب بھی انہیں وعظ کے
لئے بیٹھانا حرام ہے کہ منبر پر بیٹھنا اور واعظ مسلماناں بنانے میں ان کی تعظیم ہے اور ہم کو ان کی توہین کا حکم دیا گیا ہے۔ اس
لئے علماء نے تصریح فرمائی کہ ان کو امام بنانا، ان کے پیچھے نماز پڑھنا، گناہ اور جو نماز ان کے پیچھے پڑھی گئی واجب الاعادہ
ہے۔ رد المحتار ج ۱ باب الامامة ص ۵۸۵ س ۱۴ المبتدع تکرہ امامتہ بکل حال۔ طحطاوی ج ۱
ص ۲۴۴ س ۱۱: الکراهة فيه تحريمية علی ما سبق صغیری۔ ص ۲۷۰ س ۱: ویکرہ تقدیم الفاسق
کراهة تحريم۔ غنیہ مطبوعہ قسطنطنیہ ص ۵۱۳: له قدموا فاسقا یاثمون۔ مبتدع اور فاسق کے پیچھے نماز
مکروہ تحریمی ہے اور اگر امام بنائیں گے، گنہگار ہوں گے۔ در مختار و کل صلوٰۃ ادیت مع کراهة التحريم نجب
اعادتھا۔ ان کی تعظیم کو دین کا ڈھانا فرمایا۔

مشکوٰۃ شریف ص ۲۳: ”وعن ابراهيم بن مسبرة قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم من وقر

صاحب بدعة فقد اعان علی هدم الاسلام۔“ جس نے کسی بد مذہب کی تعظیم کی، اس نے دین کے ڈھانے میں مدد دی۔

شرح مقاصد ج ۲ ص ۲۷۰ س ۸: ”حكم المبتدع البغض والعداوة والاعراض عنه والاهانة والظعن

واللعن۔“

رہا ان کا فاسق اور مبتدع ہونا، وہ کوئی چھپی بات نہیں، عالم آشکار و کاشمیں فی رابعة النهار ہے۔ علمائے عرب
و عجم نے بے شمار رسائل اور فتاویٰ ان کی تھلیل و تفسیق میں تحریر فرمائے اور وہ چھپے اور شائع ہوئے۔ اور یہ تھلیل و تفسیق
بھی اسی حالت تک ہے کہ ضروریات دین کے منکر نہ ہوں اور اگر منکر ضروریات دین ہیں، معاذ اللہ! رب العزت
اصدق الصادقین جل و علا کو کاذب بالفعل کہیں یا ختم نبوت کا انکار کریں، علم الخلق نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے
ابلیس لعین کے علم کو زیادہ بتائیں یا حضور جیسا علم غیب ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کو جانیں جیسا کہ ان کے کبراء

میاں رشید احمد گنگوہی وقاسم نانوتوی و خلیل ایشی واشرف علی تھانوی وغیرہم خذہم اللہ نے اپنے فتاویٰ و رسائل میں لکھے یا ان کے اقوال پر مطلع ہو کر ان کو علمائے دینی یا اقل درجہ ان کو مسلمان ہی جانیں یا لا اقل ان کے کفر میں شک کریں تو کافر مرتد ہیں۔ ان کا وعظ سننا تو درکنار، ان کے پاس جانا، ان سے کسی طرح کا معاملہ کرنا، سب سخت حرام و اشد کبیرہ ہے۔ واللہ ولی التوفیق وبہ الہدایۃ فی البدایۃ والنہایۃ۔ اللہم طہر عنہم حوزۃ الدین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم آمین! واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۵) مجلس میلاد، فیض بنیاد، حضور پر نور سیدالاسیاد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگرچہ خیر القرون میں بہیت کذائی نہ تھا، بعد کو حادث ہوا۔ مگر بلاشبہ مستحسن و مندوب ہے۔ روزِ حدوث مولود سے آج تک اس عمل مقدس کا عرب و عجم، روم و شام و دیگر بلاد اسلام خصوصاً حرمین محترمین میں شیوع عام و رواج تام پانا اور قرناً فقرة فقرة ہزار ہا اکابر دین متین و سواد اعظم مسلمین و جماہیر ائمہ ملت و مشاہیر اجلہ امت کا بکمال عقیدت و رسوخ ارادت اس کا کرنا، اس میں شریک ہونا، اس کے استحباب و استحسان پر شاہد عدل ہیں۔

”اذاقۃ الاثام لمانعی عمل المولد والقیام“ طبع بریلی ص ۸۱ اس ۱۱ میں حافظ الدین عماد الدین کثیر سے ناقل: ”قد اثنی علیہ الائمة منهم الحافظ ابو شامہ شیخ النووی فی کتاب ”الباعث علی انکار البدع والحوادث“ وقال ومثل هذا الحسن یندب الیہ ویشکر فاعلہ ویشنی علیہ۔“ اسی کے ص ۸۳ پر ہے: امام علامہ صدر الدین بن عمر شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”ویشاب الانسان بحسب قصده فی اظہار السرور والفرح بمولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔“ ”انسان اپنی نیت کے موافق اظہار سرور و فرحت مولد میں ثواب دیا جاتا ہے۔“

امام حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ”یستحب لنا ایضا اظہار الشکر بمولده صلی اللہ علیہ وسلم بالاجماع واطعام الطعام ونحو ذلك من وجوه القربات واظہار المسرات۔“ یہ بھی ہمارے حق میں مستحب ہے کہ ولادت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شکر جمع کر کے کھانا کھلانے اور اس کے مثل اور اعمال قربت و اظہار سرور و فرحت سے بجالائیں۔

الکوکب الانور علی عقل المجوہر ص ۹۰ س ۱۸: ”(قد استحسن القیام) ای عدہ حسنا وحکم باستحبابہ وندبہ شرعا (عند) ای لدی وصول القاری للمولد ای (ذکر مولده الشریف ائمة ذوو رواية) بکسر الراي ای نقل من یقتدی بہ کالصحابۃ والتابعین والمجتہدین“ (وذو رواية)۔

”القول المنجی علی مولد البرزنجی“ المطبوع علی هامش الکوکب ص ۹۰ س ۵: ”فی مولد المدابغی جرت العادة بقیام الناس اذا انتہی المداح الی ذکر مولده صلی اللہ علیہ وسلم وہی بدعة مستحبة لما فیہا من اظہار الفرح والسرور والتعظیم“ الی غیر ذلك من نصوص العلماء وان اردت تفصیل

المقام وتنقيح المرام وازاحة الشكوك والاهام فعليكم "بازافة الآثام" لتاج العلماء المحققين راس الكملاء المدققين مولانا المولوى محمد نقى على خاں امطر الله عليه شآبيب الرضوان و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين والصلوة على رسوله محمد وآله اجمعين۔

☆☆☆☆☆

۱۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے: حضرت سیدنا بدیع الدین، قطب المدار، مکن پور شریف کا سلسلہ بیعت سوخت ہے یعنی سلسلہ مدار یہ میں پیری مریدی نا جائز ہے اور عمر و کہتا ہے کہ جائز ہے اور آپ کا سلسلہ سوخت نہیں ہے۔ اور بکر کہتا ہے کہ آپ کا سلسلہ تو سوخت ہے مگر تبرکاً بیعت جائز ہے۔ ان میں سے کون حق پر ہے؟

۲۔ سلاسل مشہورہ چشتی قادری سہروردی نقشبندی کو برا کہنے والا کافر ہے یا نہیں؟

۳۔ مکن پور کا ہر شخص پیری مریدی سلسلہ مدار یہ میں کرتا ہے۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

۴۔ حضرت سیدنا بدیع الدین مدار کی نسل ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس جگہ؟ آپ کس قوم سے تھے؟

۵۔ آپ سے قبل وبعد بیعت کا سلسلہ متصل ہے یا نہیں؟

۶۔ منقطع سلسلہ میں بیعت جائز ہے یا نہیں۔

۷۔ جس میں تعین اوساط مشائخ کا یقین نہ ہو، بلکہ مختلف ہوائے سلسلہ میں بیعت جائز ہے یا نہیں؟

۸۔ پیری مریدی کا سلسلہ، خلافت پر منحصر ہے یا نہیں؟ مدار صاحب نے کسی کو خلیفہ بنایا یا نہیں؟

۹۔ سلسلہ مدار یہ میں ابتدائی بیعت جائز ہے یا نہیں؟

۱۰۔ جو لوگ سلسلہ مدار یہ میں بیعت کر چکے ہیں، وہ اسی پر قائم رہیں یا نہیں؟

۱۱۔ اگر قائم نہ رہیں تو کون سے خاندان میں بیعت ہوں؟

۱۲۔ بیعت مروجہ کے لئے کیا شرائط ضروری ہیں۔ جاہل سے بیعت جائز ہے یا نہیں؟ سید سے بیعت ہونا، مقابلہ غیر

سید افضل ہے یا نہیں؟ مستفتی محمد ارشاد حسین شیش گڈھ ضلع بریلی یوپی

(نوٹ) چند مقامات سے استفتاء کا جواب طلب کیا مگر کہیں نہ ملا، یہاں تک کہ ٹکٹ بھی ہضم کر لئے گئے۔ یہاں

یہ مسئلہ معرکہ آرا بنا ہوا ہے۔ اب جو فتویٰ کا جواب آپ عنایت فرمائیں گے، طرفین اُسی پر عمل کریں گے۔ مفصل واقعہ لکھنے کی گنجائش نہیں۔ جواب جلد از جلد مرحمت ہو، مدلل ہو، جواباً لفافہ حاضر ہے۔

الـجـواب

زید کا خیال صحیح ہے۔ واقعی طریقہ بیعت حضرت سیدنا بدیع الدین مدار قدس سرہ العزیز کا سوخت ہے۔ حضرت

نے چند آدمیوں کے سوا کسی کو بیعت نہ کیا اور جن لوگوں کو مرید کیا ان میں سے کسی کو خلیفہ نہ بنایا۔

سبع سنابل شریف میں ص ۸۶ پر ہے: ”شیخ مدار گفتند: من چند کس را مرید کرده ام۔ بعد ازیں تاریخ پنج کس را مرید نخواہم گرفت و خلافت یکے نداده ام۔“

آخر وقت میں حضرت نے اپنے دست مبارک سے بہت سے خطوط لکھ کر اطراف و جوانب میں بھیج دیا کہ میں نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا ہے۔

اسی میں ہے ص ۸۷: ”چون حضرت شاہ مدار وقت رحلت قریب رسید، بفرست باطن دانستند کہ مریدان من گمراہ کردہ عالمے ہستند۔ از ایشان البتہ بے فرمانی و بے دیانتی صادر خواہد شد۔ رقعات فراواں بخط خود بنشتہ در اطراف و جوانب فرستادند کہ ما کسے را خلافت نداده ام۔“

ان کاغذات و خطوط سے ایک خط حضرت شیخ مخدوم سعد قدس سرہ کو بھی ملا تھا۔ اس میں تحریر تھا کہ میں نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا۔ اسی میں ہے ص ۸۷: ”چنانچہ کاغذے از دست خط حضرت شاہ مدار بدست مخدوم شیخ سعد افتادہ بود و شاہ مدار بنشتہ بودند کہ من کسے را خلافت نداده ام۔“ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۔ سلاسل مشہورہ چشتی، قادری، سہروردی، نقشبندی کو برا کہنے والا برا ہے۔ البتہ جو بیعت کو کفر کہے، وہ کافر ہوگا۔ کما روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ”فقد باء بہ احدهما“ اور ظاہر ہے کہ ان سلاسل میں سیکڑوں کیا، ہزاروں، لاکھوں اولیاء اللہ ہوئے ہیں۔ تو ان کو کافر کہنے والا ضرور کافر ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۔ بغیر شرائط پیری بیعت لینا جائز نہیں۔

”سبع سنابل شریف ص ۸۳ میں ہے: ”اے برادر! از پیری و مریدی رسے واسے پیش نماندہ است و آن رسم واسم نیز مبنی بر چند شرائط میداں کہ بے آن شرائط اصلا پیری و مریدی درست نیست“ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴۔ حضرت شاہ بدیع الدین مدار کے والد ماجد کا نام ابو اسحاق اور بقولے علی، والدہ ماجدہ کا نام بی بی ہاجرہ ہے۔ اصل وطن آپ کا حلب ملک شام ہے اور آپ اولاد امجاد سے حضرت ہارون علیہ السلام کے تھے۔ آپ ۱۲ برس تک عالم صمدیت میں رہے، کچھ کھایا پیا نہیں۔ اس عرصہ میں جو آپ نے ایک بار کپڑا پہنا، نہ کبھی میلا ہوا، نہ پھٹا۔ کتابوں میں آپ کے غرائب احوال اور عجائب انوار لکھے ہیں۔ مگر کسی جگہ آپ کے اولاد کا تذکرہ نظر سے نہ گذرا۔ اس لئے خیال ہوتا ہے کہ آپ عالم تجرید و تفرید میں تھے۔ آپ نے نہ شادی کی، نہ کوئی اولاد ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۵۔ آپ سے قبل سلسلہ متصل و مسلسل ہے اور آپ کے بعد وہ اتصال و تسلسل باقی نہ رہا کہ خود حضور نے اس سلسلہ کو ختم کر دیا اور کسی کو اپنا خلیفہ نہ بنایا۔ واللہ اعلم

۶۔ منقطع سلسلہ میں بیعت جائز نہیں۔ اس لئے کہ اصل مبداء فیض حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے اور یہ مشائخ کرام کی ذات بمنزلہ جداول نہر ہے۔ تو اگر نہر سے نالیاں ملی ہوں گی، پانی پہنچتا رہے گا۔ اور جو جدول نہر سے منقطع ہو، اس سے سیرالی ممکن نہیں۔

کتاب جامع الاصول فی الاولیاء میں ہے: ”والتعلیم من شیخ ماذون اجازة صحیحة مستندة الی شیخ صاحب طریق وهو الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم“۔ ”یعنی تعلیم ایسے شیخ ماذون سے چاہئے جس کی اجازت مستند ہو شیخ صاحب طریق تک اور ان کا طریقہ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مسلسل ہو۔“

سبع سنابل شریف میں ہے: ”اے پسر! شرط صحت بیعت در طریق اجازت سلف است“۔ اسی میں ہے: ”اما نخست از شرائط پیری یکے آنست کہ پیر مسلک صحیح داشته باشد۔ دوم از شرائط پیری آنست کہ پیر در اداء حق شریعت قاصر ومتہاون نباشد۔ سوم از شرائط پیری آنست کہ پیر اعتقاد درست بود موافق مذہب سنت و جماعت“۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۷۔ نہیں کما مر۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۸۔ خلافت پر منحصر ہے۔ حضرت شاہ بدیع الدین صاحب نے کسی کو خلیفہ بنایا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۹۔ نہیں واللہ اعلم

۱۰۔ اس بیعت پر قائم رہنا جائز نہیں۔ وہ بیعت بیکار ہے۔ ایسے لوگوں کو چاہئے کہ پھر سے کسی طریقہ میں بیعت کریں۔
”کاغذے از دست خط حضرت شاہ مدار بدست مخدوم شیخ سعد افتادہ بود و شاہ مدار نبشتہ بودند کہ من کسے را خلافت ندادہ ام۔“

سبع سنابل میں ہے: ”بدان سبب شیخ مخدوم سعد مریدان شاہ مدار را بازی گردانیدند از روئے دیانت، نہ از روئے اہانت۔ و خلفاء حضرت مخدوم سعد نیز مردم را از بیعت رجوع میفرمودند۔ چنانکہ مخدوم شیخ صفی را این بچشم خود دیدہ است و مخدوم شیخ محمد مسکین کہ در مقام ملاوہ آسودہ اند و بندگی شیخ نظام الدین کہ در مقام انہی آسودہ اند نیز مردم را از بیعت و انابت باز میگرددانیدہ اند“۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۱۔ ان لوگوں کو اختیار ہے کہ جس سلسلہ میں چاہیں مرید ہوں۔ مگر بہتر ہے کہ سلسلہ علیہ عالیہ قادریہ شریفہ میں داخل ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۲۔ بیعت مروجہ کے شرائط جواب نمبر ۶ میں گزرے کہ پیر میں تین باتوں کا ہونا ضروری ہے۔
اول یہ کہ وہ صاحب اجازت، خلیفہ اپنے شیخ کا ہو اور وہ اپنے شیخ کا علیٰ ہذا القیاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک سلسلہ اس کا مسلسل ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ مسائل شرعیہ ضروریہ سے واقف اور اس کا عامل ہو اور ادائے حقوق شرع میں قاصر ومتہاون نہ ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ عقیدہ اہل سنت و جماعت ہو، بد مذہب نہ ہو۔ جاہل سے بیعت درست نہیں کہ ع
بے علم نتواں خدا را شناخت۔ جو شخص خود خدا کو نہیں پہچانتا دوسرے کو کیا پہچوائے گا ع
او خویشتن گم ست کرار ہبری کند۔ مشہور مقولہ ہے ”جاہل پیر شیطان کا ٹٹو ہے“

ابریز میں ہے: ”اذا لم یکن علم لدیہ بظاہر ولا باطن فاضرب به لحج البحر قال الشیخ رضی اللہ عنہ مرادہ بعلم الظاہر علم الفقه والتوحید ای القدر الواجب منہما علی المکلف ومرادہ بعلم الباطن معرفة اللہ تعالیٰ۔“

مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ پیر کے لئے ضروری ہے کہ کسی مدرسہ سے دستار فضیلت پائے ہوئے ہو بلکہ اس کو علم باللہ اور علم باحکام اللہ ہو۔ مسائل اعتقادیہ و عملیہ فقہ و قلبیہ تصوف سے بے بہرہ و بے علم نہ ہو۔ حضرات سادات کرام کی فضیلت سید ہونے کی وجہ سے سر اور آنکھوں پر ہے۔ مگر یہاں نسبی بزرگی کی ضرورت نہیں بلکہ مرید ایسے شخص سے ہونا چاہئے جس کے متعلق اس کا یہ اعتقاد ہو کہ اس زمانہ میں تمام لوگوں سے تربیت مرید کے لئے اعلیٰ و افضل ہے، ورنہ اس کو بیعت نہ کرنی چاہئے۔

ابریز فی علم سیدنا عبدالعزیز میں ہے: ”لا تقدم من قبل اعتقادك انه مربى ولا اولی بها منه فی العصر (ای) ولا تقدم من علی شیخ بقصد الدخول فی صحبتہ حتی تعتقد انه من اهل التربية وانه لا احق منه بها فی زمانہ۔“

”یعنی مرید ہونے کے لئے کسی کی خدمت میں اقدام نہ کرو اور اس کی صحبت میں داخل ہونے کا ارادہ نہ کرو۔ جب تک یہ اعتقاد نہ کر لو کہ یہ شخص تربیت کا اہل ہے اور اس زمانہ میں اس سے زیادہ کوئی شخص اس کام کے قابل نہیں۔“

تو اگر کسی غیر سید کے ساتھ اس کو اس طرح وابستگی ہے تو اسی کے ہاتھ پر مرید ہونا چاہئے۔ اور سید صاحب کے ساتھ ہے تو اس کے ہاتھ پر ہو۔ غرض یہ معاملہ معشوق بنانے کا ہے۔ کسی عاشق سے پوچھئے کہ سید پر عاشق ہونا چاہئے یا غیر سید پر؟ جو جواب اس کا ہے، وہی جواب اس کا سمجھئے۔

ہمہ شہر پر زخوباں، منم و خیال ما ہے چہ کنم کہ چشم بدخونہ کند بکس نگا ہے

احب الصالحین ولست منهم لعل اللہ یرزقنی صلاحا

آمین آمین الہ الحق آمین! وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ اجمعین۔

☆☆☆☆☆

نصرة الاصحاب باقسام ایصال الثواب (۵۱۳۵۴)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ رب محمد صلی علیہ و سلم

مسئلہ مرسلہ مولوی سید محی الدین صاحب تمنا عمادی پھلواری توسط پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ۔ علمائے

ملت اسلامیہ مندرجہ ذیل سوالات کے مفصل جوابات مرحمت فرمائیں۔

۱۔ مردوں کے لئے ایصالِ ثواب کا کوئی طریقہ قرآن پاک میں بتایا گیا ہے نہیں؟ اگر بتایا گیا ہے تو وہ کیا ہے؟ مع نقل آیات، جواب مرحمت ہو۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد ہائے مبارک میں مردوں کے لئے ایصالِ ثواب کا کوئی معمول بہ دستور تھا یا نہیں؟ اگر تھا تو وہ کیا تھا؟ مع نقل روایات و حوالہ کتب و تعیین صفحہ و نام جواب ارشاد ہو۔

۳۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اہل بیت و اصحاب میں سے جو لوگ وفات پاتے گئے، مثلاً حضرت خدیجہ الکبریٰ زوج النبی ام المومنین رضی اللہ عنہا اور حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ و رضی اللہ عنہا و حضرت خبیب و حضرت حمزہ و حضرت جعفر طیار و دیگر شہدائے جنگ بدر و خیبر و احد و حنین و تبوک و غیر ہا رضوان اللہ علیہم اجمعین، ان کے لئے رسول اللہ ﷺ نے خود یا آپ کے حکم مبارک سے اور صحابہ یا اہل بیت نے کبھی ایصالِ ثواب کیا یا نہیں؟ اگر کیا تو کس طریقے سے؟ اور ایک بار کیا یا برابر کرتے رہے؟ اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد خاص آنحضرت ﷺ کے لئے یا پہلے یا اپنے وقت کے اموات و شہدا کے لئے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین نے کبھی ایصالِ ثواب کیا یا نہیں؟ اگر کیا تو کس طریقے سے کیا؟ اور ایک بار یا برابر کرتے تھے؟ جواب با صواب مع نقل روایات و حوالہ کتب و تعیین صفحہ و نام مطبع مرحمت ہو۔

۴۔ فقہ حنفی میں کوئی طریقہ ایصالِ ثواب کا لکھا ہے یا نہیں؟ اگر لکھا تو وہ کیا ہے اور خود حضرت امام اعظم و صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ سے کوئی روایت اس کی منقول ہے یا نہیں مع حوالہ کتاب و عدد صفحہ پوری عبارت لکھئے۔

امید ہے کہ ان سوالوں کے مفصل جوابات جلد سے جلد مرحمت ہوں گے۔ انھی الاعظم مولانا عبید اللہ صاحب امجہری مدظلہ، جی الاکرم مولانا ظفر الدین صاحب، جی الاکرم مولانا اصغر حسین صاحب، جی الاکرم مولانا عبدالسبحان صاحب، جی الاکرم مولانا دیانت حسین صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، خصوصیت کے ساتھ ان سوالوں کی طرف توجہ فرمائیں اور ان کے علاوہ ہر ہر مدرس مدرسہ سے بادل استدعا ہے۔ بینوات و جرو او اجر کم علی من بیدہ ازمۃ التوفیق و هو نعم المولیٰ و نعم الرفیق

المستدعی تمنا العمدادی المجیبی الفلواروی بھلواری شریف ضلع پٹنہ۔ ۲۰ اگست ۱۹۳۵ء

الجواب اللہم ہدایۃ الحق والصواب

مکرمی! اکر مکرم اللہ تعالیٰ۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ سوالات پہنچے، دیکھ کر خدا کا شکر ادا کیا کہ جناب کو نفس مسئلہ ایصالِ ثواب میں کلام نہیں۔ ہاں اس کے طریقے کے متعلق سوال ہے کہ کس طریقے سے ہونا چاہئے۔ قرآن و

حدیث سے کیا ثابت ہے، حضور اقدس ﷺ و صحابہ کرام کا معمول بہ دستور کیا تھا؟ بعض بلند پایہ حضرات تو نفس ایصالِ ثواب ہی میں کلام کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ مردوں کو ثواب پہنچتا ہی نہیں۔ میرے ملنے والوں میں ایک صاحب اسی خیال کے ہیں۔ ایک دن کہنے لگے کہ لوگ جو قرآن شریف وغیرہ پڑھ کر مردوں کو بخشتے ہیں۔ اس کا ثواب ان کو نہیں پہنچتا۔ میں نے کہا کہ جناب کو یہ کس نے کہد یا خود جا کر عالم برزخ میں دیکھ آئے ہیں کہ مسلمانوں کا کیا دھرا اکارت جاتا ہے۔ جن کو بھیجا جاتا ہے، انہیں نہیں پہنچتا۔ کیا راستہ میں رہن رہتے ہیں کہ راہ ہی میں لوٹ لیتے ہیں، وہاں نہیں پہنچنے دیتے؟ بولے کیا آپ کے پاس پہنچنے کا کوئی ثبوت ہے؟ میں نے کہا بلاشبہ نبی اکرم ﷺ کے ارشادات، علمائے کرام کی تصریحات جن لوگوں نے بھیجا ان کا مشاہدہ، جن کے لئے بھیجا گیا ان کی تصدیق۔

”عن انس ان رجلا سال رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله انا تصدق عن موتانا ونحج عنهم وندعولهم فهل يصل اليهم ذالك فقال نعم انه يصل اليهم و يفرحون كما يفرح احدكم بالطبق اذا اهدى اليه“۔ رواه ابو حفص الكبير۔ ”امام ابو حفص کبیر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! ہم میت کی طرف سے صدقہ دیتے، حج کرتے، دعا کرتے ہیں تو کیا یہ سب چیزیں ان کو پہنچتی ہیں؟ فرمایا ہاں۔ وہ ان کو ضرور پہنچتی ہیں اور اس سے وہ خوش ہوتے ہیں جس طرح تم میں سے ایک آدمی خوش ہوتا ہے، جب اس کے پاس طباق ہدیہ دیا جاتا ہے۔“ (یعنی شرح ہدایہ ج ۲ کشوری ص ۶۱۲)

ملا علی قاری رحمہ اللہ مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۲ مصری ص ۲۸۶ میں فرماتے ہیں:

”اخرج القاضي ابو بكر بن عبد الباقي الانصاري رحمه الله في مشيخته عن سلمة بن عبيد قال قال حماد المكي خرجت ليلة الى مقابر مكة فوضعت راسي على قبر فنمت فرايت اهل المقابر حلقة حلقة فقلت قامت القيامة؟ قالوا الاول لكن رجل من اخواننا قرء قل هو الله احد وجعل ثوابها لنا فحن نقسمه منذ سنة“۔ ”قاضی ابوبکر بن عبد الباقی انصاری رحمہ اللہ اپنے مشائخ میں سلمہ بن عبید سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: حماد مکی نے فرمایا کہ میں ایک شب مکہ کے قبرستان میں گیا۔ ایک قبر پر سر رکھ کر سو گیا تو قبرستان والوں کو دیکھا کہ حلقہ کئے ہوئے بیٹھے ہیں۔ میں نے کہا قیامت قائم ہو گئی؟ ان لوگوں نے کہا کہ نہیں، لیکن ہمارے بھائیوں سے ایک شخص نے قل هو الله احد پڑھ کر اس کا ثواب ہم لوگوں کو بخشا ہے تو اس کو ایک سال سے ہم لوگ بانٹ رہے ہیں۔“ اگر ثواب پہنچا ہی نہیں تو کس چیز کو تقسیم کرتے تھے؟

اسی میں ہے ص ۲۸۱: ”قال النووي في الاذكار“ قال محمد بن احمد المروزي سمعت

احمد بن حنبل يقول اذا دخلتم المقابر فاقرؤا فاتحة الكتاب والمعوذتين و قل هو الله احد و اجعلوا ثواب ذلك لاهل المقابر فانه يصل اليهم۔ ” امام نووی شافعی کتاب الاذکار میں تحریر فرماتے ہیں: محمد بن احمد مروزی تلمیذ فربری متوفی ۳۷۱ھ نے کہا کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے سنا، فرماتے ہیں کہ جب تم قبرستان جاؤ تو سورۃ فاتحہ اور قل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس، قل هو الله احد پڑھو اور اس کا ثواب اس قبرستان والوں کو بخشو کہ وہ ان کو پہنچتا ہے۔“

امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کی مکتوبات جلد دوم ص ۵۹ مکتوب ۳۶ میں ہے: ”پیش ازیں چند سال داب فقیر آں بودہ کہ اگر طعام می پخت، مخصوص بہ روحانیت مطہرہ آل عبا می ساخت و بآں سرور، حضرت امیر و حضرت فاطمہ و حضرات امامین را ضم می کرد علیہم الصلوٰات والتسلیمات۔ شبے در خواب می بیند کہ آں سرور حاضرست علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام۔ فقیر برایشاں عرض سلام می کند، متوجہ فقیر نمی شوند و بجانب دیگر دارند۔ دریں اثنا بفقیر فرمودند کہ من طعام در خانہ عائشہ می خورم ہر کہ مرا طعام فرستد بخانہ عائشہ فرستد۔ ایں زماں فقیر دریافت کہ سبب عدم توجہ شریف ایشاں آں بودہ کہ فقیر حضرت صدیقہ رادر آں طعام شریک نمی ساخت۔ بعد از اں حضرت صدیقہ را بلکہ سائر ازواج مطہرات را کہ ہمہ اہلبیت اند، شریک می ساخت و بجمیع اہلبیت تو سل می نمود۔“

”اس سے چند سال پہلے فقیر کا طریقہ یہ تھا کہ اگر کھانا پکاتا تھا تو ارواح مطہرہ آل عبا کے ساتھ مخصوص کرتا تھا اور آں حضور کے ساتھ، حضرت امیر المومنین علی اور حضرت فاطمہ اور حضرات امامین کو شامل کرتا تھا علیہم الصلوٰات والتسلیمات۔ ایک رات بندہ خواب میں دیکھتا ہے کہ آن سرور تشریف فرما ہیں علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام۔ فقیر ان پر سلام عرض کرتا ہے۔ متوجہ فقیر کی طرف نہیں ہوتے ہیں اور چہرہ اقدس دوسری طرف پھیرے ہوئے ہیں۔ اسی درمیان میں فقیر سے فرماتے ہیں (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کہ میں کھانا عائشہ کے گھر میں کھاتا ہوں رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ جو مجھے کھانا بھیجے عائشہ کے گھر میں بھیجے۔ اسی وقت فقیر نے سمجھا کہ حضور کے عدم توجہ کا سبب یہ تھا کہ فقیر حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس کھانے میں شریک نہیں کرتا تھا۔ اس کے بعد حضرت صدیقہ کو بلکہ تمامی ازواج مطہرات کو رضوان اللہ تعالیٰ علیہن اجمعین کہ سب کی سب اہل بیت ہیں، شریک کرتا تھا اور تمامی اہلبیت کے ساتھ تو سل کرتا تھا۔“

مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی جن کی جلالت شان ہر کہ و مہ پر ظاہر ہے الدر الثمین فی مبشرات البنی الامین ص ۸ میں تحریر فرماتے ہیں: ”الحديث الثانی والعشرون اخبرنی السید الوالد قال كنت اصنع طعاما صلة بالنبی ﷺ فلم يفتح لی سنة من السنین شیء اصنع به طعاما فلم اجد الا حمصا مقلبا فقسمته بین الناس فراء یتہ ﷺ و بین ید به هذا الحمص متبهجا بشاشاً۔“ ”بائیسویں حدیث

مجھے میرے سردار والد ماجد نے خبر دی کہ میں ہر سال نبی ﷺ کی ایصالِ ثواب کے لئے کھانا پکوا یا کرتا تھا۔ ایک سال کچھ فتوح نہ ہوا جس سے میں کھانا پکوا سکوں تو میں نے بھنا چنا منگوایا اور اسی کو لوگوں میں تقسیم کیا تو میں زیارت حضور اقدس ﷺ سے مشرف ہوا۔ دیکھا کہ حضور کے سامنے وہ بھنا ہوا چنار کھا ہے اور آپ بہت خوش اور بشارت ہیں۔

معلوم ہوا کہ ثواب بدنی ہو جیسا کہ پہلے دو واقعہ میں یا مالی ہو جیسا کہ حضرت شیخ مجدد اور شاہ عبدالرحیم صاحب کے واقعہ میں یا دونوں کا مجموعہ جیسا کہ حدیث شریف کی مثال سے واضح، سب مردہ کو پہنچتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو چیز ایصالِ ثواب کے لئے پکائی جاتی اور تقسیم کی جاتی ہے وہ بعینہ پہنچتی ہے۔ خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی۔ قبل تحریر جواب اگر لفظ ثواب اور ایصال کی تحقیق کر لی جائے تو بہتر ہے۔ ثواب وہ عمل نہیں جس کی مقدار معین ہو اور ہر کام کرنے والے کو ملے۔ بہترے کام کرنے والے ہیں۔ جن کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”وَقَدْ مَنَّا إِلَىٰ مَاعْمَلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَنْثُورًا۔ وَقَالَ تَعَالَىٰ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ تَصْلَىٰ نَارًا حَامِيَةً۔“ اور قصد کیا ہم نے طرف اس کے جو انہوں نے عمل کیا تو اس کو ہم نے تباہ و برباد کر دیا۔ ”عمل کرنے والی مشقت اٹھانے والی داخل ہوں گی بھڑکتی آگ میں۔“

بلکہ وہ اجر اس عمل مقبول کا ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائے، اسی لئے اس کے لئے کوئی حد نہیں۔ حسن نیت اور اخلاص عمل پر دس سے لے کر سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ جس کے لئے خدا چاہے، ملتا ہے۔

قال تعالى: مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتُ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِائَةٌ حَبَّةٌ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ۔ ”ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو صرف کرتے ہیں، مثل اس ایک دانہ کے ہے جس سے سات بالیں اگیں۔ ہر بال میں سودا نے ہیں (تو مجموعہ سات سو ہوا) اور اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہے اور زیادہ فرمائے۔“

آیت کریمہ اگرچہ مال کے متعلق وارد ہے مگر یہ مخصوص اسی کے ساتھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ جس عمل پر جس کو چاہے اجر عطا فرمائے۔ کسی کو کسی عمل پر اجر بے پایاں دے تو خدا کو کوئی روکنے والا نہیں۔ اب رہا ایصال، یہ خدا کو وکیل کرنا نہیں کہ اس امر کا ثواب میرے نامہ اعمال میں نہ لکھا جائے بلکہ فلاں شخص کے نامہ اعمال میں لکھا جائے، اس کو دیا جائے۔ اس لئے کہ توکیل اس میں صحیح ہے جو کام انسان خود کر سکتا ہے۔

ہدایہ جلد ۳ ص ۶۷۱ میں ہے: ”کل عقد جازان بعقدہ الا نسان بنفسہ جازان یو کل غیرہ۔“ ”جس کام کو انسان خود کر سکتا ہے اس میں دوسرے کو وکیل کرنا جائز ہے۔“

اور ظاہر ہے کہ ثواب یہ شخص نہ خود لے سکتا ہے، نہ کسی دوسرے کو دے سکتا ہے تو اس میں کسی دوسرے کو وکیل بھی نہیں کر سکتا۔ بلکہ ایصال ثواب خداوند عالم سے دعا ہے کہ خداوند امین نے جو یہ نیک کام تیرے لئے کیا ہے، اس کا ثواب مجھ کو اور میرے ساتھ فلاں فلاں اشخاص کو بھی اپنے فضل و کرم سے عطا فرما۔

مولوی اسماعیل صاحب دہلوی صراط مستقیم ص ۵۵ میں لکھتے ہیں: ”ہر عبادت کہ از مسلمان ادا شود، ثواب آن بروح کسے از گزشتگان رساند۔ طریق رسانیدن آن دعائے خیر بجناب الہی ست پس ایں خود البتہ بہتر و مستحسن ست و اگر آن کس کہ ثواب بروح می رساند از اہل حقوق است، بہ مقدار حق وے خوبی رسانیدن ایں ثواب زیادہ تر خواہد شد۔ پس در خوبی ایں قدر امر از امور مرسومہ فاتحہ و اعراس و نذر و نیاز کہ اموات شک و شبہ نیست۔“ ”جو عبادت مسلمان سے ادا ہو، اس کا ثواب اپنے گزرے ہوؤں میں سے کسی کی روح کو پہونچائے اور اس دعائے خیر کے پہونچانے کا طریقہ جناب الہی کے ذریعہ ہے تو یہ خود البتہ بہتر اور مستحسن ہے۔ اور اگر وہ شخص کہ جس کی روح کو ثواب پہونچاتا ہے، اس کے اہل حقوق سے ہے تو اس کے حق کے مقدار کے موافق اس ثواب کے پہونچانے کی خوبی بہت زیادہ ہوگی۔ پس وہ امور جو میت کے لئے مروج ہیں مثلاً فاتحہ اور اعراس اور نذر و نیاز کے، ان سب کی خوبی میں شک و شبہ نہیں۔“

اسی کے ص ۶۴ میں ہے: ”ہر گاہ ایصال نفع بمیت منظور دارد، موقوف بر اطعام نہ گذارد۔ اگر میسر باشد بہتر ست والا صرف ثواب سورہ فاتحہ و اخلاص بہترین ثواب است۔“ ”جس وقت کسی کو میت کو نفع پہونچانا منظور ہو تو چاہئے کہ وہ اس نفع کو کھانا کھلانے پر موقوف نہ رکھے۔ اگر بر وقت کھانا میسر ہو جائے تو بہتر ورنہ صرف سورہ فاتحہ، اخلاص کا ثواب ہی بہترین ثواب ہے۔“

اسی لئے علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ کوئی شخص ایک آیت یا ایک سورہ پڑھ کر مثلاً دس آدمی کو اس کا ثواب بخشے تو دسوں کو پورا پورا ثواب اس آیت یا سورہ کا ملے گا۔

علامہ شامی جلد اول رد المحتار ص ۸۴۵ میں فرماتے ہیں: ”سنل ابن حجر المکی عمالو قراء لاهل المقبرۃ الفانحہ، هل تقسم الثواب بینہم او یصل لکل منہم مثل ثواب ذلک کاملاً؟ فاجاب بانہ افقی جمع بالشانی و هو اللائق بسعة الفضل۔“ ”علامہ ابن حجر سے سوال ہوا کہ کوئی شخص مقبرہ والوں کو فاتحہ پڑھ کر بخشے تو کیا سورہ فاتحہ کا ثواب انہیں بٹ کر ملے گا یا سب کو پورا پورا ثواب سورہ فاتحہ کا پہونچے گا تو انہوں نے جواب دیا کہ ایک جماعت کا فتویٰ یہ ہے کہ سب کو پورا پورا ثواب ملے گا اور یہی اللہ تعالیٰ کے وسیع فضل کے لائق ہے۔“

مکتوبات امام ربانی جلد سوم مکتوب بست و ہشم ص ۵۴ میں ہے: ”اگر بروحانیت یکے تصدق کردہ سائر

مومنوں کو شریک سازد، بہمہ برسد و از آن شخص کہ بیعت اودادہ بود ہیچ نقصان نہ کند ان ربك واسمع المغفرۃ۔“ اگر ایک کی روحانیت کے لئے صدقہ کر کے سارے مومنین کو شریک کر لے تو سب کو (ثواب برابر) پہونچے گا اور جس کی نیت سے (صدقہ) دیا گیا، اس میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ بے شک تیرا رب (تبارک و تعالیٰ) وسیع مغفرت والا ہے۔“

نیز یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ ایصالِ ثواب جس طرح مردوں کے لئے ہوتا ہے۔ زندوں کے لئے بھی ہو سکتا ہے۔ ثواب پہنچانے کے لئے مردہ ہونا کچھ ضروری نہیں،۔ یہ محض عامیانہ خیال ہے۔ وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ثواب مردہ ہی کو بخشا جاسکتا ہے۔ زندوں کے لئے ایصالِ ثواب سن کر ان کو سخت حیرت ہوتی ہے۔

شامی جلد ۲ ص ۲۴۲ میں ہے: ”قوله بغيره ای الاحیاء والاموات بحر عن البدائع“۔ ”ان کا کہنا ہے کہ اس کا ثواب کسی مردہ یا زندہ کو بخشا تو جائز ہے۔ یعنی ماتن نے جو کہا کہ ”الاصل ان کل من اتى بعبادة ماله جعل ثوابها لغيره“ یعنی اس بارے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو شخص کوئی عبادت کرے اس کو حق ہے کہ اس کا ثواب غیر کو دے۔ چاہے وہ غیر زندہ ہو یا مردہ دونوں کو ثواب پہونچا سکتا ہے۔“

شامی جلد اول ص ۸۴۳ میں ہے: ”وفی البحر من صام او صلی او تصدق وجعل ثوابه لغيره من الاموات والاحیاء جازو یصل ثوابها الیہم عند اهل السنة و الجماعة کذا فی البدائع ثم قال و بهذا اعلم انه لا فرق بین ان یکون المجموع له میتا او حیاً والظاهر انه لا فرق بین ان ینوی به عند الفعل للغير او یفعله لنفسه ثم بعد ذلك یجعل ثوابه لغيره لا طلاق کلامہم و انه لا فرق بین الفرض والنفل اہ“۔ ”بحر الرائق میں ہے کسی نے روزہ رکھا یا نماز پڑھی یا صدقہ دیا اور اس کا ثواب کسی مردہ یا زندہ کو بخشا تو جائز ہے اور اہل سنت کے نزدیک اس کا ثواب ان لوگوں کو پہونچے گا۔ اسی طرح بدائع میں ہے۔ پھر کہا اس سے معلوم ہوا کہ اس بارے میں کوئی فرق نہیں ہے کہ جس کو ثواب بخشیں وہ مردہ ہو یا زندہ اور نہ فرق اس میں ہے کہ کام کرتے وقت اس غیر کی نیت سے کیا جائے یا اپنے لئے کریں اور اس کے بعد اس کا ثواب دوسرے کو بخشیں۔ اس لئے کہ کلام ان کا مطلق ہے اور اس بارے میں فرض اور نفل میں بھی کوئی فرق نہیں“

بالجملہ ایصالِ ثواب کسی عمل خیر فرض، واجب، سنت، مستحب، مباح و مجاز شرعی، بدئی یا مالی یا دونوں کے مجموعہ کا کسی کے نفع اخروی کی نیت سے کرنا یا بغیر نیت کسی دوسرے کے خود اپنے لئے کرے، اس وقت یا کچھ بعد زبان سے یا فقط دل سے خداوند عالم سے دعا کرنا ہے کہ اس کا ثواب فلاں شخص یا اشخاص مردہ یا زندہ کو پہونچے۔ اب ان تمام تمہیدات کے بعد اصل سوالوں کے جواب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ فاقول و بالله التوفیق۔

قرآن شریف میں مردوں کے لئے ایصالِ ثواب کے متعدد طریقے بتائے گئے ہیں۔ ان میں جس طریقہ کو انجام کرے گا، مردے کو ثواب ملے گا اور اگر کوئی شخص سب طریقے بجالائے تو اور بہتر ہے۔

(اوّل) مغفرت کی دعا کرنا

”قال تعالى: وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ“ (سورہ حشر) ”اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وہ لوگ جو ان کے بعد آئے، کہتے ہیں، خداوند! ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت کر جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں۔“

تفسیر کبیر جلد ۸ ص ۱۷۹ میں اس آیت کریمہ کے تحت میں ہے: ”اعلم ان قوله والذين جاءوا من بعدهم عطف ايضا على المهاجرين وهم الذين هاجروا من بعد و قيل التابعون باحسان وهم الذين يحبون بعد المهاجرين و الانصار الى يوم القيمة و ذكر تعالى انهم يدعون لانفسهم و لمن سبقهم بالايمان و هو قوله يقولون ربنا اغفر لنا و لايخواننا الاية و اعلم ان هذه الايات قد استوعبت جميع المؤمنين لانهم اما المهاجرون او الانصار او الذين جاءوا من بعدهم و بين ان شان من جاء بعد المهاجرين و الانصار ان يذكر السابقين و هم المهاجرون و الانصار بالدعاء و الرحمة فمن لم يكن كذلك بل ذكرهم بسوء كان خارجا من جملة اقسام المؤمنين بحسب نص هذه الآية“۔

اللہ تعالیٰ کا قول والذين جاءوا من بعدهم عطف ہے المهاجرين پر اور وہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے بعد کو ہجرت کی اور بعضوں نے کہا کہ جو لوگ بھلائی کے ساتھ ان کے تابع ہوئے اور اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو ان کے بعد قیامت تک آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ ان کی صفت یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے لئے دعا کرتے ہیں اور ان لوگوں کے لئے جو ایمان لانے میں ان سے سابق ہوئے اور وہ باری تعالیٰ کا ارشاد يقولون ربنا اغفر لنا الا یہ ہے۔ اور جان لو کہ ان آیات نے مسلمانوں کی تمام قسموں کا استیعاب کر لیا۔ اس لئے کہ مومنین یا مهاجریں ہیں یا انصار یا جو لوگ کہ ان کے بعد ہوئے اور بیان فرمایا کہ مهاجریں و انصار کے بعد جو لوگ ہوئے، ان کی شان یہ ہونی چاہئے کہ اگلے لوگوں یعنی مهاجریں و انصار کو دعائے خیر اور رحمت کے ساتھ یاد کریں اور جو شخص ایسا نہیں بلکہ انہیں برائی کے ساتھ یاد کرے تو وہ بحکم آیت کریمہ مسلمانوں کے تمام اقسام سے خارج ہے۔“

جمل حاشیہ تفسیر جلالین مصری ج ۴ ص ۳۱۷ میں ہے: ”قوله الذين سبقونا بالايمان كل واحد من

القائلين لهذا القول ان يقصد بمن سبقه من انتقل قبله من غير فاضل و ينتهي الى عصر النبي ﷺ فيدخل في اخوانه الذين سبقوه بالايمان جميع من تقدمه من المسلمين و لا يقصد بالذين سبقوه

خصوص الهاجرین والانصار لقصوره وان كان اصل سبب النزول اه شيخنا يعنى الذين سبقونا بالایمان۔ ”الذين سبقونا بالایمان سے مراد یہ ہے کہ ہر کہنے والا اس قول کا من سبقہ سے ان کو مراد لے جو لوگ اس زمانہ سے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ تک انتقال کر چکے ہیں تو اس صورت میں اس کے اخوان سابقین بالایمان میں تمامی وہ سب مسلمان داخل ہوں گے جو اس سے پہلے انتقال کر چکے ہیں اور اس سے فقط مہاجرین وانصار مراد نہ لے کہ اس میں تنگی اور کمی ہے اگرچہ وہی لوگ اس آیت کے اصل سبب نزول ہیں۔“

اسی طرح صاوی حاشیہ تفسیر جلالین ج ۴ ص ۱۹۶ میں ہے: وعبارته هكذا الذين سبقونا بالایمان ای بالموت عليه فينبغي لكل واحد من القائلين لهذا القول ان يقصد بمن سبقه من انتقل قبله من زمانه الى عصر النبي ﷺ فيدخل جميع من تقدمه من المسلمين۔ ”جب مسلمان دعا کرے اور اس میں اغفرلنا ولاخواننا الذين سبقونا بالایمان کہے تو اس سے یہ قصد کرے کہ جو لوگ ہم سے پہلے سابق بالایمان ہوئے ہیں یعنی جو لوگ اس کے زمانہ سے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک تک انتقال کر چکے ہیں تو اس میں تمامی گزشتہ مسلمان داخل ہو جائیں گے۔“

فتاویٰ حاشیہ تفسیر بیضاوی مصری جلد ۷ ص ۱۵۶ میں ہے: ”قوله يقولون الآية وفيه ترغيب للخلف اللدعا للسلف لا سيما العلما الاقدمين فانهم ابااء تعليم الذين و ان الدعاء بالمغفرة اهم۔“ اس آیت کریمہ میں خلف کو رغبت دینا ہے سلف کے لئے دعا کرنے کی خصوصاً اگلے علما کے لئے کہ وہ دینی تعلیم کے باپ ہیں اور یہ مغفرت کی دعا سب سے اہم ہے۔“

حاشیہ شہاب خفاجی علی البیضاوی مصری جلد ۸ ص ۱۸۰ ہے: ”وجملة يقولون الحالية والمراد بدعاء اللاحق للسابق والخلف للسلف انهم متبعون لهم او هو تعليم لهم بان يدعوا لمن قبلهم ويدعوا لهم بالخير۔“ اس آیت کریمہ میں جملہ يقولون الآية جملہ حالیہ ہے اور سابق کے لئے للاحق اور سلف کے لئے خلف کی دعا کا یا تو یہ مطلب ہے کہ وہ ان کے متبع ہیں اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں یا اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ تعلیم ہے کہ خلف کو چاہئے کہ سلف کے لئے دعا کیا کریں اور ان کو بھلائی کے ساتھ یاد کیا کریں۔“

تفسیر روح البیان مصری جلد ۵ ص ۲۱۰ میں ہے: ”وفى الآية دليل على ان الترحم والاستغفار واجب على المؤمنين الا اخرين للسابقين منهم لا سيما لائبائهم و معلميهم امور الدين۔“ آیت کریمہ ربنا اغفرلنا میں اس امر پر دلیل ہے کہ گزشتہ مسلمانوں کے لئے رحمت کی دعا کرنا اور مغفرت چاہنا پچھلے مسلمانوں پر واجب ہے۔ خصوصاً اپنے آبا و اجداد اور دینی علوم کے اساتذہ کرام کے لئے۔“

قوت القلوب حضرت ابوطالب کی جلد ۲ ص ۲۴۸ میں ہے: ”قال بعض العلماء لو لم یکن فی اتخاذ الاخوان الا ان احدہم یملغہ موت اخیه فیترحم علیہ و یدعو لہ فلعلہ یغفر لہ بحسن نیتہ و یقال من بلغہ موت اخیه فترحم علیہ و استغفر لہ کان شہد جنازہ و صلی علیہ و قدر وینا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل المیت فی قبرہ مثل الغریق یتعلق بكل شیء ینتظر دعوة من ولد او والد او واخ وانه لیدخل علی قبور الاموات من دعاء الاحیاء من الانوار امثال الجبال و یقال الدعاء للاموات بمنزلة الهدایا للاحیاء فی الدنیا قال فیدخل الملک علی المیت معہ طبق من نور علیہ منديل من نور فیقول ہذہ ہدیۃ من عند اخیک فلان من عند قریبتک فلان قال یفرح بذلك کما یفرح الحی بالہدیۃ“۔

”بعض علما کہتے ہیں کہ اگر اخوان بنانے میں اور کوئی فائدہ نہ ہو تو یہ کیا کم ہے کہ کسی شخص کو اس کے دینی بھائی کے مرنے کی خبر پہونچتی ہے، وہ اس پر رحم کرتا، اس کے لئے دعا کرتا ہے تو شاید دعا کرنے والے کی نیک نیتی سے اس میت کی مغفرت کر دی جائے۔ اور کہا جاتا ہے کہ جس شخص کو اس کے بھائی کے مرنے کی خبر پہونچی پس اس نے اس پر رحم کیا اور مغفرت کی دعا کی تو گویا اس کے جنازہ میں حاضر ہوا اور جنازہ کی نماز پڑھی اور ہمیں رسول اللہ ﷺ سے روایت پہونچی ہے کہ میت کی مثال قبر میں ایسی ہے جیسے کوئی ڈوبتا ہر چیز کا سہارا ڈھونڈھتا ہے۔ وہ دعا کے انتظار میں ہے کہ لڑکا دعا کرے یا باپ یا بھائی اور بیشک زندوں کی دعا کی برکت سے مردوں کی قبور میں پہاڑ ایسے انوار داخل ہوتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ مردوں کے لئے دعا کرنا ایسا ہے جیسے دنیا میں زندوں کو ہدیہ دینا۔ کہا کہ فرشتہ میت کے پاس جاتا ہے۔ اس کے ساتھ نور کا طباق ہوتا ہے جو نور کے رومال سے چھپا ہے اور کہتا ہے: یہ تحفہ تیرے فلاں بھائی کا ہے جو فلاں جگہ کارہنے والا ہے تو وہ مردہ یہ دیکھ کر خوش ہوتا ہے جس طرح زندہ ہدیہ پا کر خوش رہتا ہے“۔

علامہ سید مرتضیٰ زبیدی شرح احیاء العلوم مصری جلد ۱۰ ص ۳۶۷ میں فرماتے ہیں: ”عن ابن عباس عن النبی ﷺ ما المیت فی قبرہ الاشبه الغریق المتغوث تنتظر دعوة من اب او ام او صلیق ثقة فاذا الحفته کان احب الیہ من الدنیا وما فیہا لان اللہ عزوجل لیدخل علی اهل القبور من دعاء اهل الدنیا امثال الجبال و ان ہدیۃ الاحیاء للاموات الاستغفار لہم والصدقة عنہم“ (رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس ورواہ البیہقی فی شعب الایمان)

”دیلمی مسند الفردوس اور بیہقی شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً راوی کہ نہیں ہے مردہ اپنی قبر میں مگر مثل ڈوبتے ہوئے کے، طالب، فریادرس ہے انتظار کر رہا ہے باپ یا ماں یا معتمد دوست

کی دعا کا، تو جب دعا سے پہونچتی ہے اس کی دنیا و مافیہا سے بڑھ کر محبوب ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ دنیا والوں کی دعا سے اہل قبور پر پہاڑ جیسے خیر و برکات و انوار داخل کرتا ہے اور بیشک مردوں کے لئے زندوں کا تحفہ ان کی مغفرت چاہنا اور ان کی طرف سے صدقہ دینا ہے۔“

حضرت شیخ مجدد اکثر تعزیتی خطوط میں اسی حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے دعا و صدقہ کی ہدایت فرماتے ہیں۔
مکتوبات جلد اول ص ۱۱۰ مکتوب ہشتاد و نہم میں ہے: ”مرحومہ شادریں اواں بے مغتنم بودند۔ الحال بر شمایاں لازم است کہ مکافات احسان با احسان بکنید و بدعا و صدقہ ساعت بساعت مدد نما سندان المیت کا الغریق ینتظر دعوة تلحقه من اب او ام او اخ او صديق“۔ ”تمہارے (میت) مرحومہ بڑے احسان کرنے والے تھے۔ اب تم پر یہ لازم ہے کہ احسان کا بدلہ احسان سے دو اور دعا اور صدقہ سے ہر وقت ان کی مدد کر۔ واس لئے کہ میت مثل غریق کے ہے۔ انتظار کرتا ہے اپنے رشتہ داروں باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کی دعاؤں کا جو اسے پہونچتی ہے۔“

نیز مکتوب جلد اول ص ۱۲۱ مکتوبات صد و چہارم میں ہے: ”مصیبت بر رفتن نیست بر حال رونده الی الحبيب ست تا باو چہ معاملہ کنند۔ بدعا و استغفار و تصدق امداد باید نمود قال رسول اللہ ﷺ ما المیت فی القبر الا کا الغریق المتغوث ینتظر دعوة تلحقه من اب او ام او صديق الی قوله وان هدیته الاحیاء الی الاموات الاستغفار لهم“۔ ”مصیبت جانے پر نہیں ہے (بلکہ) دوست کی طرف جانے والے کے حال پر ہے یہاں تک کہ مردہ منتظر رہتا ہے کہ دیکھیں لوگ کس طرح (میرے دوست) معاملہ کرتے ہیں (لہذا) دعا اور استغفار اور تصدق کے ذریعہ مدد کرنی چاہئے۔ (جیسا کہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میت قبر میں مثل ڈوبنے والے، فریاد کرنے والے کے ہے۔ انتظار کرتا ہے ان دعاؤں کا جو پہونچتی ہیں اس کو باپ یا ماں یا دوست کی طرف سے۔ الی قولہ۔ بیشک زندوں کے تحفے مردوں کے لئے ان کے (مردوں) لئے استغفار کرنا ہے۔“

قرآن شریف کی آیت، تفاسیر کی عبارت، علمائے کرام کی صراحت، احادیث کی دلالت نے مردوں کے لئے ایصالِ ثواب کے طریقہ کو بہت صاف طور پر واضح کر دیا کہ مسلمانوں پر نہ صرف مستحب بلکہ بقول علامہ حقی واجب ہے کہ گزشتہ مسلمانوں خصوصاً اپنے آباؤ اجداد و علمائے کرام و مشائخ عظام کے ایصالِ ثواب کے لئے ان کی مغفرت کی دعا کیا کریں ورنہ حسب تصریح امام رازی مسلمانوں کی تیسری قسم بھی شامل ہونا معلوم۔

(دوم) ماں باپ کے لئے خدائے تعالیٰ سے رحم و کرم چاہنا

قال تعالیٰ: وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا کَمَا رَبَّیْنِی صَغِيرًا (بنی اسرائیل رکوع ۳) ”ماں باپ کے لئے

دعا کرو اور کہو کہ خداوند ان دونوں پر رحم فرما جس طرح ان دونوں نے بچپن میں مجھے پالا۔“

تفسیر روح المعانی مصری جلد ۳ ص ۵۰۸ میں ہے: ”والظاہر ان الامر للوجوب فیجب علی الولدان بدعوا لوالدیه بالرحمہ“۔ ”اس آیت سے ظاہر یہ بات ہے کہ اولاد پر واجب ہے کہ والدین کے لئے رحمت کی دعا کیا کریں“۔ اس لئے کہ امر وجوب کے لئے آتا ہے۔

حمل مصری حاشیہ تفسیر جلالین جلد ۲ ص ۶۲۲ میں ہے: ”قوله وقل رب ارحمہما ای ادع لہما ولو خمس مرات فی البوم واللیلۃ“ (کذا فی الصاوی جلد ۲ ص ۲۷۱) ”آیت کریمہ وقل رب ارحمہما کے یہ معنی ہیں کہ ماں باپ کے لئے رحمت کی دعا کیا کرے اگر زیادہ نہیں تو کم از کم دن رات میں صرف پانچ ہی دفعہ سہی“۔

تفسیر روح البیان جلد ۵ ص ۱۴۸ میں ہے: ”وقل رب ارحمہما و ادع اللہ ان یرحمہما برحمۃ الباقیۃ ولا تکتف برحمتک الفانیۃ“۔ ”اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ اپنی رحمت باقی کے ساتھ ان پر رحم کرے۔ تم فقط اپنی رحمت فانی پر اکتفا نہ کرو کہ جہاں تک ہو سکے ان کے ساتھ سلوک کرو“۔

اسی میں ہے: ”سئل ابن عیینہ عن الصدقۃ عن المیت فقال کل ذلک واصل الیہ ولا شیء انفع لہ من الاستغفار ولو کان شیء افضل منہ لامرت بہ فی الابوین و یعضدہ قوله علیہ السلام ان اللہ لیرفع درجۃ العبد فی الجنۃ فیقول باستغفار ولدک وفی الحدیث من سار قبر ابوہ او احدہما فی کل جمعة کان باراً۔“ ابن عیینہ سے سوال ہوا کہ مردہ کی طرف سے صدقہ کرنا کیسا ہے اور یہ پہونچتا ہے کہ نہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ جو کچھ اس کے لئے کیا جائے گا، سب اس کو پہونچے گا اور کوئی چیز استغفار سے بڑھ کر نہیں۔ اس لئے کہ اگر کوئی چیز استغفار سے افضل ہوتی تو والدین کے حق میں اسی کا حکم ہوتا اور اس کی تائید حضور اقدس ﷺ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے جو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جنت میں اپنے بندہ کا درجہ بلند فرمائے گا۔ وہ بندہ کہے گا میرے مولیٰ یہ رتبہ مجھ کو کس طرح ملا؟ ارشاد ہوگا کہ تیرے لڑکے کے استغفار کی وجہ سے اور حدیث شریف میں کہ جو شخص جمعہ کے دن ماں باپ یا ان میں کسی ایک کی قبر کی زیارت کیا کرے، وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بار یعنی نیکو کار گنا جائے گا“۔

تفسیر ابی مسعود علی ہامش تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۵۷۲ میں ہے: ”ولا تکتف برحمتک الفانیۃ بل ادع اللہ لہما برحمۃ الواسعۃ الباقیۃ وقل رب ارحمہما برحمتک الدنیویۃ والاخریۃ التی من جملتہا الہدایۃ الی الاسلام فلا ینافی ذلک کفرہما“۔ ”والدین کے حق میں فقط اپنی فانی رحمت پر اکتفا نہ کر بلکہ ان دونوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے اس کی وسیع باقی رحمت کے لئے دعا کرو اور یوں کہہ کہ خداوند! ان دونوں پر اپنی دنیوی و اخروی رحمت کے ساتھ رحم فرما اور منجملہ اخروی رحمت کے اسلام کی طرف رہبری بھی ہے تو اگر کسی کے ماں باپ کافر

ہوں، جب بھی اس دعا میں مضائقہ نہیں۔ اس لئے کہ کفر اس دعا کے منافی نہیں۔“

(سوم) میت کے لئے نماز جنازہ پڑھنا:

قال تعالى: وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ (سورہ برآة رکوع ۱۳)

”اور ان کے مرنے کے بعد ان کی نماز جنازہ پڑھے اس لئے کہ آپ کا ان پر نماز جنازہ پڑھنا ان کے لئے

سکون و وقار ہے۔“

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ اول دعا مغفرت کرنا۔ اس معنی کر یہ پہلے طریقہ کی دلیل ہوگی اور

بعض علما نے اس آیت کی تفسیر نماز جنازہ سے کی ہے۔ تب یہ آیت تیسری صورت کی دلیل ہوگی۔

تفسیر البحر المحیط جلد ۵ ص ۹۵ میں ہے: ”قال فی الکافی الصلوٰۃ علی المیت مشروعہ لقوله تعالى

وصل عليهم ان صلواتك سکن لهم“۔ ”کافی میں ہے کہ جنازہ کی نماز مشروع ہے اور اس کی دلیل باری تعالیٰ

کا یہ ارشاد وصل عليهم ان صلواتك سکن لهم ہے۔“

تفسیر روح المعانی جلد ۳ ص ۳۲۵ میں ہے: ”والحمل علی صلاة المیت بید و ان روی عن ابن

عباس رضی اللہ عنہما“۔ ”آیت کریمہ وصل عليهم سے نماز جنازہ مراد لینا بعید ہے۔ اگرچہ یہ تفسیر حضرت

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔“

اس عبارت نے اتنا پتہ دیا کہ وصل عليهم سے نماز جنازہ مراد لینا نہ صرف صاحب البحر المحیط اور صاحب

کافی کی ذاتی رائے ہے بلکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ تفسیر مروی و منقول ہے۔ رہا علامہ آلوسی

بغدادی مولف روح المعانی کا باوجود روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کو بعید بتانا، عقل و علم سے بعید

ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جلالت شان علمی اور وہ بھی خاص فن تفسیر میں اس سے ظاہر کہ حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعاء اللہم علمہ الكتاب فرمائی۔ وہ اس آیت کی یہ تفسیر فرماتے ہیں اور الفاظ قرآن

اس کو مقتضی۔ علمائے کرام نماز جنازہ کے ثبوت و استدلال میں اس آیت کو پیش کرتے ہیں۔ روح البیان والے اس کو

نقل کر کے مقرر رکھتے ہیں۔ باوجود ان سب باتوں کے علامہ آلوسی اس کو بعید کہتے ہیں۔ ثابت بالحدیث اور صحابی کے

قول کو تفسیر قرآن میں بعید بتانا، سخت جرأت اور شان علم و عقل سے بہت ہی بعید ہے۔

امام جلال الدین سیوطی تفسیر الدر المنثور جلد ۳ ص ۲۷۵ میں اس آیت کی تفسیر میں منجملہ اور احادیث کے ایک

یہ حدیث لکھتے ہیں: ”واخرج ابن ابی شیبہ عن خارجة بن زید عن عمه یزید بن ثابت وکان اکبر من

یزید قال خرج جنامع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما وردنا البقیع اذ اهو بقبر حدید فسال عنه

فقالو افلا نذر فہا قال افلا اذ نتمونی بہا فقالو اکنت قائلًا فکر ہنا ان نود یلک فقال لا تفعلو امامات منکم میت مادت بین اظہر کم الا اذ نتمونی فان صلاتی علیہ رحمۃ۔۔۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت یزید بن ثابت سے روایت کیا کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے۔ جب جنت البقیع پہونچے تو حضور نے ایک نئی قبر ملاحظہ فرمائی۔ آپ نے پوچھا۔ لوگوں نے کہا کہ فلاں عورت کی قبر ہے تو آپ نے اس کو پہچان لیا۔ ارشاد ہوا کہ تم لوگوں نے مجھے کیوں نہ خبر دی؟ لوگوں نے کہا حضور قیلولہ فرما رہے تھے، اس لئے ہم نے ناپسند کیا کہ حضور کو تکلیف دیں۔ ارشاد ہوا کہ ایسا نہ کیا کرو۔ جب تک میں تم میں ہوں تو نہ انتقال کرے تم میں کوئی شخص مگر مجھے ضرور خبر دیا کرو۔ اس لئے کہ میرا نماز پڑھنا میت کے لئے رحمت ہے۔۔۔ والحدیث رواہ بن ماجہ فی سننہ و ابن حبان فی صحیحہ والحاکم فی المستدرک فی الفضائل وسکت عنہ وروی نحوه البخاری ومسلم ص ۳۱۰ و ابوداؤد الطیالسی ص ۳۲۱۔

اس مسئلہ کی تائید اس آیت کریمہ سے بھی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں ارشاد فرمایا: لا تصل علی احد منہم مات ابدًا (سورہ براءۃ) یعنی منافقین میں جو شخص مر جائے اس کی جنازہ کی نماز آپ نہ پڑھیں۔

تفسیر بیضاوی شریف میں اس آیت کریمہ کے تحت میں ہے: ”والمراد من الصلاۃ الدعاء للمیت والاستغفار لہ وهو ممنوع فی حق الکافر“۔ ”صلاۃ سے مراد میت کے لئے دعا اور اس کے لئے مغفرت چاہنا ہے اور کافر کے لئے یہ منع ہے۔“

حاشیہ خفاجی علی البیضاوی جلد ۴ ص ۳۵۲ میں ہے: ”ان المراد بالصلاۃ علیہ صلاۃ المیت المعروفۃ وانما منع منها علیہ لان صلاۃ المیت دعاء واستغفار واستشفاع لہ وقد منع من الدعاء لمیتہم فیما تقدم فی هذه السورة لقوله تعالیٰ سواء علیہم استغفرت لہم اولم تستغفر لہم لن یغفر اللہ لہم وقوله تعالیٰ ان تستغفر لہم سبعین مرة فلن یغفر اللہ لہم“۔ ”اس آیت میں صلاۃ سے مراد نماز جنازہ معروفہ ہے اور منافقین کے لئے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ میت پر نماز پڑھنا، دعا واستغفار اور شفاعت کرنا ہے اور منافق مردوں کے لئے دعا کرنا پہلے غیر مفید و ممنوع ہو چکا ہے۔ ان پر ایک سا ہے تم ان کی معافی چاہو یا نہ چاہو۔ اگر تم ستر بار ان کی معافی چاہو گے تو اللہ ہرگز انہیں بخشے گا۔“

ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب منافقین کے لئے استغفار، دعا، نماز جنازہ ممنوع ہے تو ضروری ہے کہ مسلمانوں کے لئے یہ سب باتیں نہ فقط جائز بلکہ مامور و مشروع ہوں ورنہ ان کی تبکیت و تذلیل کیا ہوگی؟

امام رازی تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۷۰۹ میں اس آیت کریمہ کے تحت میں ارشاد فرماتے ہیں: ”اعلم انه تعالى امر رسوله بان يسعى في تخذيلهم و اهانتهم و اذلا لهم فالذي سبق ذكره في الآية الاولى وهو منعهم من الخروج معه الى الغزوات سبب قوى من اسباب اذلالهم و اهانتهم وهذا الذي ذكره في هذه الآية وهو منع الرسول من ان يصلى على من مات منهم سبب اخر قوى في اذلالهم و تخذيلهم“۔ ”اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ منافقین کے رسوا کرنے، اہانت کرنے، ذلیل کرنے کی کوشش کریں تو آیت گزشتہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات میں جانے کی ممانعت کرنا، ایک قوی سبب ان کے ذلت و اہانت کا ہے اور جو اس آیت میں مذکور ہے یعنی نبی ﷺ کو ان کی نماز جنازہ سے روک دینا، ان کی تذلیل و رسوائی کا دوسرا قوی سبب ہے۔“

(چہارم) مسلمان میت کی قبر کی زیارت کرنا اور اس جگہ ٹھہرنا

قال تعالى: وَ لَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ (سورہ براءہ رکوع ۱۱)

تفسیر بیضاوی میں ہے: ”و لا تقف عند قبرہ للدفن او للزيارة“۔

حاشیہ قنوی علی البیضاوی جلد ۴ ص ۷۱ میں ہے: ”ای النهی عن القيام نهی عن الوقوف مطلقا كناية او مجاز او كان ﷺ يقوم على قبور المنافقين ويدعولهم ثم نهى عن ذلك حين مات رئيس المنافقين“۔ ”قیام سے ممانعت مطلقاً ٹھہرنے سے کنایتاً یا مجازاً ممانعت ہے اور حضور اقدس ﷺ پہلے منافقین کی قبروں پر بھی ٹھہرتے اور ان کے لئے دعا کرتے تھے۔ جب رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی مرثدہ اس سے ممانعت ہو گئی۔“

تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۷۱۰ میں ہے: ”ثم قال و لا تقم على قبره وفيه و جهان۔ الاول قال الزجاج كان رسول الله ﷺ اذا دفن الميت وقف على قبره و دعاه فممنع ههنا منه الثاني قال الكلبي لا تقم باصلاح مهمات قبره“۔ ”آیت کریمہ و لا تقم علی قبرہ کی دو تفسیریں ہیں۔ اول زجاج نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت کریمہ یہ تھی کہ جب کسی میت کو دفن کرتے، اس کی قبر پر ٹھہرتے اس کے لئے دعا کرتے تو اس سے منع کر دیئے گئے کہ مہمات قبر کی اصلاح کے لئے آپ منافقوں کی قبر پر نہ ٹھہریں۔“

تفسیر ابوسعود جلد ۴ ص ۷۰۲ میں ہے: ”ای لا تقف عليه للدفن او للزيارة او للدعاء“۔ ”منافق کی قبر پر آپ کھڑے نہ ہوں، نہ دفن کے لئے، نہ زیارت کے لئے، نہ دعا کے واسطے۔“

تفسیر روح البیان جلد ۲ ص ۵۵۹ میں ہے: ”و لا تقم على قبره ای لا تقف عند قبره للدفن او للزيارة او للدعاء و كان النبي ﷺ اذا دفن الميت وقف على قبره و دعاه انهم كفروا بالله و رسوله تعليل“۔

للمنهي على ان الا ستغفار للميت والوقوف على قبره انما يكون لا ستصلاحه و ذلك مستحيل في حقهم لا نهم استمر واعلى الكفر بالله و برسوله مدة حياتهم قال الحافظ

بہ آب کوثر و زمزم سفید نتواں کرد گلیم بخت کے را کہ بافتند سیاہ

آیت کریمہ ولا تقم علی قبرہ کے یہ معنی ہیں کہ آپ منافق کی قبر پر نہ ٹھہریں دفن یا زیارت اور دعا کے لئے اور حضور اقدس ﷺ کی عادت کریمہ تھی کہ جب مردہ دفن کیا جاتا تو اس کی قبر پر ٹھہرتے اور اس کے لئے دعا کرتے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد انہم کفروا باللہ و رسولہ اس نہیں کی علت ہے۔ اس لئے کہ میت کے لئے استغفار اور اس کی قبر پر ٹھہرنا، اس کی اصلاح کے لئے ہوتا ہے اور یہ منافقوں کے حق میں محال ہے، چونکہ وہ مدۃ العمر اللہ و رسول کے ساتھ کفر پر مستمر رہے، جیسا کہ حضرت حافظ شیرازی فرمایا۔

”جس کے نصیب کے گلیم کی بنت ہی سیاہ ہو، اسے کوثر و زمزم کا پانی بھی سفید نہیں کر سکتا۔ ۱۲ ساحل“

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ان سیہ بختان قسمت کے حق میں ان کے کفر کے سبب غیر مفید ہونے کی وجہ سے جب قبر پر ٹھہرنا منع کر دیا گیا تو مسلمانوں کے لئے وہ حکم بدستور باقی رہا چونکہ ان کے لئے مفید ہے۔

بالجملہ قرآن شریف کی ان آیات کریمہ سے ایصال ثواب کے چار طریقے ثابت ہوئے۔ اول دعائے مغفرت، دوم دعائے رحمت، سوم نماز جنازہ چہارم قبر پر ٹھہرنا اور دعا کرنا۔ ان میں نماز جنازہ کی ترکیب تو مفصل طریقے پر کتب فقہ میں مذکور ہے۔ رہا دعائے مغفرت و دعائے رحمت کرنا اور قبر پر ٹھہرنا تو قرآن شریف میں اس کا مفصل بیان مذکور نہیں کہ کس طرح دعا کرنی چاہئے اور اس کے آداب و شرائط کیا ہیں؟ لیکن اہل علم و فہم پر مخفی نہیں کہ جب یہ دعا ہے تو جو آداب و شرائط دعا کے اپنی جگہ مرقوم و مکتوب ہیں، اس دعا کے لئے بھی ان کا لحاظ ضروری ہے۔ وہ بہت امور ہیں جن کا مفصل بیان اعلیٰ حضرت مولانا مولوی محمد تقی علی خاں صاحب قدس سرہ العزیز کی مستقل تصنیف ”احسن الوعاء لآداب الدعاء“ اور اعلیٰ حضرت امام اہل سنت شیخ الاسلام والمسلمین (۱۳۴۰ھ) سیدی مرشدی مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ القوی کے حاشیہ مسمی بہ ”ذیل المدعاء لاحسن الوعاء“ میں مذکور ہے۔ اگر ان سب امور کا لحاظ نہ کر سکیں تو کم از کم دو تین بات کا خیال کرنا ضروری ہے تاکہ جو دعا کریں، امید قبولیت قوی ہو۔

اول: کچھ سورتیں یا آیتیں قرآن شریف کی پڑھیں کہ قرآن شریف پڑھنے کے بعد دعا قبول ہوتی ہے

کنز العمال جلد ۱۲۹ ص ۱۲۹ ہے: ”عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان لقاری

القرآن دعوة مستجابة فان شاء صاحبها عجلها فی الدنیا و ان شاء اخرها الی الآخرة“ (رواہ بن

امردو یہ) ”قرآن شریف پڑھنے والے کی دعا قبول ہوتی ہے تو اگر چاہے دنیا میں جلد لے لے اور اگر چاہے آخرت کے لئے موخر کرے۔“

اسی میں ہے ص ۱۳۲: ”عن ابی امامہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ خیر کم من قرء القرآن و اقراہ لحامل القرآن دعوة مستجابة يدعو بها فيستجاب له“ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان) ”تم میں بہتر وہ شخص ہے جو قرآن شریف پڑھے اور قرآن شریف پڑھائے اور حافظ قرآن کی دعا مستجاب ہوتی ہے جو دعا کرتا ہے قبول کی جاتی ہے۔“

اسی میں ہے ص ۱۳۳: ”عن عمران ابن حصین قال قال رسول اللہ ﷺ من قرء القرآن فلیسال اللہ بہ فانہ سیاتی اقوام یقرؤن القرآن ویسألون بہ الناس“ (رواہ ابن ابی شیبہ والطبرانی فی الکبیر والبیہقی فی شعب الایمان) ”جو شخص قرآن شریف پڑھے، اسے چاہئے کہ خداوند عالم سے اس کے وسیلے سے سوال کرے اس لئے کہ ایک قوم ایسی آئے گی جو قرآن پڑھے گی اور لوگوں سے اس کے ذریعے سوال کرے گی۔“

اب رہی یہ بات کہ کون کون سورہ پڑھے۔ کون کون آیتیں پڑھے؟ اس میں اختیار ہے۔ کوئی خاص سورہ ضروری نہیں۔ ہاں! جن جن سورتوں کا ثواب خصوصیت کے ساتھ مذکور ہے، جیسے سورہ فاتحہ یا اول و آخر بقرہ، آیہ الکرسی، سورہ یسین، انا اعطینا قل یا یہا الکفرون، قل ہو اللہ، معوذتین وغیرہ ان کا پڑھنا افضل و اعلیٰ ہے۔

کنز العمال جلد ۱ ص ۱۳۹ میں ہے: ”عن ابی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ما انزل اللہ فی التورۃ والا انجیل مثل ام القرآن وہی السبع المثانی“ (رواہ الترمذی والنسائی) ”توریت و انجیل میں کوئی سورہ اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ کے مثل نہیں نازل کی اور یہ سبع مثانی ہے۔“

اسی میں ہے ص ۱۳۹: ”عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ ﷺ فاتحة الكتاب تجزی مالا تجزی شیء من القرآن ولوان فاتحة الكتاب جعلت فی کفة المیزان وجعل القرآن فی الكفة الاخری لفضلت فاتحة الكتاب علی القرآن سبع مرات“ (رواہ الدیلمی مسند الفردوس) ”سورہ فاتحہ اس کام میں کفایت کرتی ہے کہ کوئی چیز قرآن سے کفایت نہیں کرتی اور اگر سورہ فاتحہ ایک پلہ میں رکھی جائے اور بقیہ قرآن دوسرے پلہ میں تو سورہ فاتحہ اس سے سات گنا زیادہ ہو۔ اس کو دیلمی نے مسند الفردوس میں روایت کیا ہے۔“ ”وعن انس قال قال رسول اللہ ﷺ افضل القرآن الحمد لله رب العالمین“ (رواہ الحاکم والبیہقی فی شعب الایمان) سورہ فاتحہ قرآن شریف میں سب سے افضل ہے۔“

اسی میں ہے: ”عن ابی امامہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ اربع انزلت من کنز

تحت العرش ام الكتاب واية الكرسي و خواتيم البقرة والكوثر“ (رواه الطبرانی فی الکبیر و ابو الشیخ و الضیاء) ”چار سورتیں ہیں جو اس خزانہ سے نازل کی گئیں جو عرش کے نیچے۔ ہے سورہ فاتحہ آیت الکرسی خواتیم سورہ بقرہ اور سورہ کوثر۔“

اسی میں ہے ص ۱۴۰: ”عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ علیہ وسلم لكل شیء سنام وان سنام القرآن سورة البقرة وفيها اية هي سيدة اى القرآن آية الكرسي“ (رواه الترمذی) ”ہر چیز کے لئے چوٹی ہے اور قرآن شریف کی چوٹی سورہ بقرہ ہے اور اس میں ایک آیت ہے جو قرآن کی تمام آیتوں کی سردار ہے یعنی آیت الکرسی۔“

اسی میں ہے ص ۱۴۱: ”عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ سورة البقرة فيها اية سيدة اى القرآن لا تقرأ فی بیت وفيه شيطان الاخرج منه اية الكرسي“۔ ”سورہ بقرہ میں ایک آیت ہے جو قرآن کے تمام آیتوں کی سردار ہے۔ نہیں پڑھی جائے گی یہ آیت کسی ایسے گھر میں جس میں شیطان ہو مگر اس کی برکت سے شیطان دفع ہو جائے گا، وہ آیت الکرسی ہے۔“

اسی میں ہے ص ۱۴۲: ”عن انس قال قال رسول اللہ ﷺ ان لكل شیء قلب وقلب القرآن یس۔ من قراء یس کتب له بقراءته القرآن عشر مرات“۔ ”ہر چیز کے لئے دل ہوتا ہے اور قرآن شریف کا دل سورہ یس ہے جو شخص سورہ یس پڑھے۔ اس کے لئے اس کے پڑھنے کا اجر و ثواب دس مرتبہ قرآن شریف پڑھنے کے برابر لکھا جائے گا۔“

اسی میں ص ۱۴۳ پر ہے: ”من قرء یس ابتغاء وجه الله غفر الله له ماتقدم من ذنبه فاقراء وها عند موناکم (رواه البیهقی فی شعب الایمان عن معقل بن یسار)۔“ ”جو شخص اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کو لئے سورہ یس پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے اگلے گناہ بخش دے گا تو اس سورہ کو اپنے مردوں کے پاس پڑھا کرو۔“

اسی میں ہے: ”عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ قل یا کفرون تعدل ربع القرآن“ (رواه الطبرانی فی الکبیر و الحاکم)۔ ”قل یا یہا الکفرون چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔“

اور قل هو اللہ احد کا تو کیا کہنا کے اس کے فضائل اظہر من الشمس ہیں۔

کنز العمال جلد اول ص ۱۴۵ میں ہے: ”عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ قل هو اللہ احد تعدل ثلث القرآن۔“ (رواه الامام مالک و الامام احمد و البخاری و ابو داؤد الترمذی و رواہ مسلم عن ابی الدرداء و رواہ الترمذی و ابن ماجہ عن ابی ہریرۃ و رواہ النسائی

عن ابی ایوب ورواہ الامام احمد وابن ماجہ عن ابی مسعود الانصاری ورواہ الطبرانی عن ابن مسعود ورواہ البزار عن جابر وابی عبیدہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین۔

”ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ قل ہو اللہ احد تہائی قرآن کے برابر ہے۔ اس کو امام مالک اور امام احمد اور بخاری اور ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام مسلم نے ابودرداء سے روایت کیا اور روایت کیا اس کو ترمذی اور ابن ماجہ نے ابو ہریرہ سے اور روایت کیا اس کو نسائی نے ابویوب سے اور روایت کیا اس کو امام احمد اور ابن ماجہ نے ابومسعود انصاری سے اور روایت کیا اس کو طبرانی نے ابن مسعود سے اور روایت کیا اس کو بزار نے جابر اور ابو عبیدہ سے اور انہوں نے ابن عباس سے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔“

اسی میں ہے: ”عن عقبہ بن عامر قال قال رسول اللہ ﷺ انزل علی ایات لم یر مثلہن قط قل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس (رواہ الامام احمد و الترمذی و النسائی) و فی رواۃ اقرء المعوذتین فانک لن تقرء مثلہا۔“ (رواہ الطبرانی عنہ) و فی رواۃ یا عقبہ الا علمک خیر سورتین قرء تاقل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس یا عقبہ اقرء بہما کلما نمت و قمت ما سئل سائل ولا استعاذ مستعید بمثلہما“ (رواہ الامام احمد و النسائی و الحاکم عن عقبہ بن عامر)۔ ”مجھ پر چند آیتیں نازل ہوئیں کہ ان کے مثل کبھی کوئی چیز نہیں دیکھی گئی۔ وہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس ہیں۔ معوذتین پڑھا کرو، اس لئے کہ تم ہرگز ان کے مثل نہ پڑھو گے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں بے مثل ہیں۔“ ایک روایت میں ہے: اے عقبہ! کیا میں تمہیں دو بہترین سورتیں نہ بتاؤں قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس۔ اے عقبہ، ان دونوں سورتوں کو پڑھو جب سوؤ اور جب کھڑے ہو۔ نہیں سوال کیا کسی کرنے والے نے اور نہ پناہ پکڑا کسی پناہ پکڑنے والے نے کسی چیز کے ساتھ جو مثل ان دو سورتوں کے ہو یعنی یہ دونوں ہر چیز سے بہتر ہیں۔“

روم: اول و آخر درود شریف پڑھیں کہ دعا آسمان و زمین کے درمیان معلق رہتی ہے جب تک رسول اللہ ﷺ اور ان کی آل پر درود شریف نہ پڑھی جائے۔

کنز العمال جلد اول ص ۱۲۳ میں ہے: ”عن علی کرم اللہ وجہہ کل دعاء محجوب حتی یصلی علی النبی ﷺ۔“ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان ورواہ الدیلمی فی مسند الفردوس عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔ ”بیہقی شعب الایمان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے راوی۔ ہر دعا اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہونے سے رکی ہوئی ہوتی ہے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف نہ پڑھے۔“

اسی میں ص ۲۱۳ ہے: ”عن سعید بن المسیب عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما قال ان

الدعاء موقوف بين السماء والارض ولا يصعد منه شيء حتى تصلى على نبيك صلى الله عليه وسلم۔ رواه الترمذی قال الحافظ العراقي في شرحه وهو ان كان موقوفا عليه فمثله لا يقال من قبل الراي وانما هو امر توقيفي فحكمه حكم المرفوع كما صرح به جماعة من الائمة اهل الحديث والاصول۔ ”حضرت سعيد بن مسيب، حضرت عمر بن الخطاب رضي الله عنهما سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ دعا آسمان و زمین میں رکی ہوئی رہتی ہے، وہ اوپر بلند نہیں ہوتی جب تک رسول اللہ ﷺ پر درود شریف نہ بھیجا جائے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا، حافظ عراقی اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے مگر ایسی بات اپنی عقل سے کوئی شخص نہیں کہہ سکتا ہے۔ یہ تو شارع ہی کی طرف سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اس لئے اس کا حکم حدیث مرفوع کا ہے، جیسا کہ ائمہ حدیث و علمائے اصول نے تصریح فرمائی۔

”عن عمر قال ذكر لي ان الدعاء يكون بين السماء والارض لا يصعد منه شيء حتى يصلى على النبي صلى الله عليه وسلم رواه ابن راهويه بسند صحيح“۔ ”محدث ابن راهويه نے صحیح سند سے حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضي الله عنه سے روایت کیا۔ مجھ سے ذکر کیا گیا کہ دعا آسمان و زمین کے درمیان رہتی ہے، بلند نہیں ہوتی جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف نہ بھیجا جائے۔“

”عن عمر قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا دعا الداعي فان الدعاء موقوف بين السماء والارض فاذا صلى على النبي صلى الله عليه واله وسلم رفع رواه الديلمي وعبد القادر الرهاوي في الاربعين وقال وروى عن عمر موقوفا من قوله وهو اصح من المرفوع“۔ ”حضرت عمر رضي الله تعالى عنه سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب دعا کرنے والا دعا کرتا ہے تو اس کی دعا آسمان و زمین کے درمیان ٹھہری رہتی ہے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتا ہے تب وہ بلند ہوتی ہے۔ اس حدیث کو دیلمی اور عبد القادر رهاوی نے اربعین میں روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث حضرت عمر سے موقوفا بھی مروی ہے اور وہ باعتبار سند، مرفوع سے اصح ہے۔“

اسی میں ص ۲۱۴ ہے: ”عن علي رضي الله عنه قال كل دعا محجوب عن السماء حتى يصلى علي محمد و علي ال محمد رواه عبيد الله بن ابي حفص العيشي في حديثه و عبد القادر الرهاوي في الاربعين والطبراني في الكبير و البيهقي في شعب اليمان“۔ ”کوئی دعا آسمان تک نہیں جاتی، جب تک محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کی آل پر درود شریف نہ پڑھا جائے۔“ ۱۲ اسل۔

اس حدیث میں علی محمد کے بعد علی آل محمد زائد ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ درود شریف کامل پڑھے جس

میں آل و اصحاب سب کا ذکر ہو۔

سوم: دعا سے پہلے کوئی عمل صالح کرے کہ خداوند عالم کی رحمت اسکی طرف متوجہ ہو

خصوصاً صدقہ کہ اس باب میں اثر تمام رکھتا ہے: ”قال تعالى: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِ مُوَابِقِينَ بَدَىٰ نَحْوَيْكُمُ صَدَقَةٌ“ (سورہ مجادلہ رکوع ۲)۔

”مسلمانوں جب تم رسول خدا سے مناجات کرنا چاہو تو قبل مناجات صدقہ دے لو“۔

تفسیر خازن جلد ۴ ص ۲۴۱ میں ہے: ”یعنی اذا اردتم مناجاة رسول الله صلى الله عليه وسلم فان الانسان اذا وجد الشئ بمشقة استعظمه وان وجده بسهولة استحققره ونفع كثير من الفقراء بتلك الصدقة المقدمة قبل المناجاة و مثله في التفسير الكبير جلد ۸ ص ۱۶۶“۔ ”یعنی اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مناجات کا ارادہ کرو تو قبل سرگوشی کرنے کے صدقہ دو اور اس صدقہ دینے کا فائدہ رسول سے مناجات کی تعظیم ہے۔ اس لئے کہ آدمی جب کسی چیز کو مشقت اٹھا کر حاصل کرتا ہے تو اس کی قدر ہوتی ہے اور جو چیز بے درد حاصل ہوتی ہے وہ بے قدر ہوتی ہے۔ دوسرا فائدہ اس صدقہ کا بہتر ہے فقرا کو نفع پہنچانا ہے۔“

مقام غور ہے کہ جب رسول سے مناجات کی یہ قدر ہے تو خدا سے مناجات و عرض حاجات کی اہمیت کا مقتضی اسی سے ظاہر ہے۔ یہ ماننا کہ اب یہ حکم مامور و مفروض نہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ استجاب و مندوبیت میں کلام نہیں اور فقراء کو اس سے نفع پہنچنا تو ہر شخص آنکھوں سے مشاہدہ کرتا ہے۔

فقیر غفرلہ المولی القدر کہتا ہے: یہی آیت مسلمانوں کے اس دستور اور معمول بہ کی اصل اصل ہے کہ جب بزرگوں کے مزار پر فاتحہ و زیارت کے لئے جاتے ہیں تو شیرینی وغیرہ کوئی چیز فقراء پر تصدق کرنے کے لئے لے جایا کرتے ہیں۔ اب ان سب آیتوں اور حدیثوں کو عملاً جمع کرنے کے بعد ایصال ثواب کی بہترین صورت یہ ثابت ہوئی کہ جب کسی میت بزرگ یا خرد، استاد یا مشائخ کے لئے ایصال ثواب چاہیں تو قبر پر اس کے جائیں اور شیرینی وغیرہ صدقہ کے لئے لائیں پھر قرآن شریف کی سورتیں یا آیتیں پڑھیں پھر اول آخرد و شریف پڑھ کر اس میت کے لئے رحمت و مغفرت کی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید قبولیت کی ہے اور یہی طریقہ ہے جو سلفاً خلفاً مسلمانوں میں ایصال ثواب کا شائع و مروج ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(جواب سوال دوم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد

ہائے مبارک میں مردوں کے لئے ایصال ثواب کے متعدد طریقے تھے، جن میں سے غور و تامل کے بعد اس وقت فقیر

کے خیال میں پچیس طریقے احادیث قولی و فعلی و اقوال علمائے کرام سے صراحتاً ثابت ہوتے ہیں نیز اس وقت تک علماء و مشائخ کے تعامل و توارث سے ان کی تائید و تقویت ہوتی ہے۔ فاقول وبالله التوفیق و بہ الوصول الی ذری التحقیق۔

پہلا طریقہ: سورہ یسین شریف پڑھنا ہے جس کا کرنا وقت احتضار ہی سے ثابت ہے

سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۸۹ میں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”اقراء وایس علی موتا کم“ (ورواہ ابن ماجہ والنسائی واعلہ ابن القطان و صححہ ابن حبان)۔ ”اپنے مردوں پر سورہ یس پڑھو“۔

مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۲۸۲ میں ہے: ”قال القرطبی حدیث اقرء و اعلی موتا کم یس هذا یحتمل ان تكون عند قبره کذا ذکره السيوطی فی شرح الصدور“۔ ”علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اقرء و اعلی موتا کم یس اس حدیث کا دو مطلب ہے۔ اول یہ کہ مرنے والے کے پاس اس کی حیات میں پڑھی جائے اور دوسرا یہ کہ اس کی قبر پڑھی جائے۔ اسی طرح علامہ جلال الدین سیوطی نے شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور میں ذکر کیا ہے۔“

”وعن معقل بن یسار قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من قرء یس ابتغاء وجه الله غفر الله له ماتقدم من ذنبه فاقروا لها عند موتا کم“۔

”جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے سورہ یس پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے سب گزشتہ گناہ معاف کر دے تو تم اسے مردوں

کے پاس پڑھا کرو“۔ (ورواہ البیہقی فی شعب الایمان، کنز العمال جلد اول ص ۱۴۴)

مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۲۰۶ میں تحریر فرماتے ہیں: ”(فاقروا لها عند موتا کم) ای مشرفی

الموت او عند قبور امواتکم فانهم احوج الی المغفرة“۔ ”موتی سے مراد وہ ہیں جو قریب مرگ ہیں یا یہ

مطلب ہے کہ مردوں کی قبور کے پاس سورہ یس پڑھو۔ اس لئے کہ وہ لوگ مغفرت کے زیادہ تر محتاج ہیں۔

دوسرا طریقہ: میت کو چومنا اور بوسہ دینا

”عن ام المومنین الصدیقة رضی اللہ عنہا قالت ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قبل

عثمان بن مظعون وهو میت وهو یبکی حتی سال دموع النبی صلى الله عليه وسلم علی وجه

عثمان“ (رواہ ابو داؤد الترمذی و ابن ماجہ ورواہ ابو داؤد الطیالسی الی ص ۲۰۱ قوله وهو

میت)۔ ”حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو بوسہ دیا جبکہ وہ مردہ تھے اور نبی صلی اللہ

علیہ وسلم رو رہے تھے، یہاں تک کہ حضور کے آنسو حضرت عثمان کے چہرے پر بہے۔“

”وعنها قالت اقبل ابو بكر رضى الله عنه على فرسه من مسكنه بالسبخ حتى نزل فدخل المسجد فلم يكلم الناس حتى دخل على عائشه رضى الله عنها فتيمم النبي صلى الله عليه وسلم وهو مسجى ببرد جرة فكشف عن وجهه ثم اكب عليه فقبله فبكى الحديث“۔ (رواه البخارى وروى الترمذى وابن ماجة و ابو دائود الطيالسى ص ۲۳۷ و مثله مختصر اولفظ ابى دائود فقبل جبهته و عنها ان ابابكر قبل بين عيني النبي صلى الله عليه وسلم وهو ميت (رواه النسائي فى باب تقبيل الميت و ابن يقبل منه)

”حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر اپنے مکان سے جو خ میں واقع تھا آئے، یہاں تک کہ گھوڑے سے اترے، مسجد میں داخل ہوئے تو کسی سے کلام نہ کیا، یہاں تک کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تشریف لائے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قصد فرمایا اور آپ بردیمانی اوڑھادیئے گئے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کا چہرہ مبارک کھولا اور آپ کی طرف جھکے پس آپ کو بوسہ دیا اور روئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اس حال میں کہ آپ وصال فرما چکے تھے۔

علامہ عینی عمدۃ القاری شرح بخاری جلد ۴ ص ۱۶ میں تحریر فرماتے ہیں: ”فیہ جواز تقبیل الميت بفعل ابی بکر رضى الله عنه و كان ابو بكر فى تقبيله النبي ﷺ لم يفعله الا قدوة به عليه الصلوة والسلام لما روى الترمذى مصححا ان رسول الله ﷺ دخل على عثمان بن مظعون وهو ميت فاكب عليه وقبله ثم بكى حتى رايت الدموع تسيل على وجهه“۔ ”اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کو بوسہ دینا جائز ہے بوجہ فعل ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کو نہیں کیا مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اقتداء سے، جیسا کہ ترمذی نے روایت کیا اور اس حدیث کو صحیح بتایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان بن مظعون کے پاس ان کے انتقال کے بعد تشریف لے گئے اور ان پر جھکے اور بوسہ دیا، یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ حضور کے آنسو دونوں رخساروں پر بہہ رہے ہیں۔

فقیر غفرلہ المولی القدر کہتا ہے۔ شاید مسلمانوں میں بوسہ قبر کا رواج اسی حدیث کی بنا پر ہوا ہو کہ زائر کی خواہش دلی تو یہ ہوتی ہے کہ صاحب مزار کو بوسہ دے لیکن جب وہ معذرت ہے تو اوپر ہی سے بوسہ دے لینا کافی خیال کرتا ہے اور جس طرح قبر کی مٹی مردے کے دیکھنے اور زائر کا کلام سننے میں حارج نہیں، اسی طرح بوسہ دینے میں بھی مانع نہیں۔ اس لئے کہ قبر کی مٹی ان لوگوں کے لئے بمنزلہ شیشہ کے ہے۔

علامہ مرتضیٰ زبیدی شرح احیاء العلوم جلد ۱۰ ص ۳۶۷ میں فرماتے ہیں: ”قال الحافظ ابن رجب انبانی علی بن عبد الصمد بن احمد البغدادی عن ابیہ قال اخبرنی قسطنطین بن عبد اللہ الرومی سمعت اسد بن موسیٰ يقول کان لی صديق فمات فرائيته فی المنام وهو يقول سبحان الله جئت الی قبر فلان صد یقک قرأت عنده و ترحمت علیه و انا ماجئت الی ولا قربتني قلت له و ما ید ربک قال لما جئت الی قبر صديقک فلان رايتک قلت کیف رايتنی والتراب علیک قال مارایت الماء اذا کان فی الزجاج قلت بلی قال فکذا لک نحن نری من یزورنا“۔ ”حافظ ابن رجب اپنی سند کے ساتھ اسد بن موسیٰ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے تھے کہ میرے ایک دوست کا انتقال ہو گیا۔ اس کو خواب میں دیکھا کہ کہتا ہے سبحان اللہ! تم فلاں دوست کی قبر کے پاس اس کی زیارت کو آئے اور قرآن شریف پڑھا اور رحمت کی دعا کی اور نہ میرے پاس آئے اور نہ نزدیک ہوئے؟ میں نے ان سے پوچھا، تمہیں کیا معلوم؟ اس نے کہا کہ جب اپنے فلاں دوست کے پاس آئے تو میں نے تم کو دیکھا۔ میں نے کہا، تم نے مجھ کو کیسے دیکھا تم پر تو مٹی کا انبار تھا؟ کہا کہ تم نے نہیں دیکھا، پانی جب شیشہ میں ہوتا ہے کیا نہیں ظاہر ہوتا؟ میں نے کہا کیوں نہیں کہا کہ اسی طرح ہم اس کو دیکھتے ہیں جو ہماری زیارت کو آئے۔“

اس بوسہ قبر کی مثال ویسی ہی ہے کہ عام طور پر مسلمان قرآن شریف کو غلاف و جزو دان کے ساتھ بوسہ دیتے ہیں۔ یہ بوسہ غلاف و جزو دان کے کپڑے کو کوئی نہیں سمجھتا بلکہ قرآن شریف کو بوسہ دینا سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح قبر کے اوپر بوسہ اس بزرگ کو بوسہ دینا خیال کیا جائے ولنعم من قال ۔

اگر بوسہ بر قبر مرداں زنی بمردی کہ پیش آیدت روشنی

علاوہ ازیں افعال صحابہ کرام سے بھی بوسہ قبر کی اصلیت معلوم ہوتی ہے۔

ابن عساکر بسند جید ابو دردار رضی اللہ عنہ سے راوی: ”لما رحل عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ من فتح بیت المقدس فصار الی جابية ساله بلال ان یقره بالشام ففعل و ذکر قصة نزوله بدار یا قال ثم ان بلالاً رائی النبی ﷺ وهو یقول ما هذه الجفوة یا بلال! اما ان لك ان تزورنی یا بلال! فانتبه حزیناً و جلاً خائفاً فركب را حلتہ و قصد المدینة و اتی قبر النبی ﷺ فجعل یبکی عنده و یمرغ وجهه علیه فاقبل الحسن و الحسین رضی اللہ عنہما فجعل یضمهما و یقبلهما الخ“۔ ”جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس فتح کر کے واپس ہوئے اور جابہ پہنچے تو حضرت بلال نے کہا کہ ان کو شام میں مقرر کریں۔ امیر المومنین نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد راوی نے ان کے وہاں پہنچنے اور دریا میں اترنے کا واقعہ بیان کیا

اور کہا کہ پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ اے بلال یہ کیا ظلم ہے؟ تیرے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ تو میری زیارت کو آئے؟ اس خواب کو دیکھ کر وہ بہت پریشان، خوفزدہ ہو کر بیدار ہوئے اور راحلہ پر سوار ہوئے اور مدینہ طیبہ کا قصد کیا۔ جب مدینہ پہونچے تو روضہ مطہرہ پر حاضر ہوئے۔ قبر شریف کے پاس پہونچ کر رونے اور اپنا چہرہ قبر انور پر ملنے لگے۔ اتنے میں حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما تشریف لائے۔ پس حضرت بلال ان دونوں کو لپٹانے اور چومنے لگے۔ (وفاء الوفا باخبار دارالمصطفیٰ جلد ۲ ص ۴۰۸)۔

اگر بوسہ قبر مطلقاً ناجائز ہوتا تو حضرت بلال کے بمرغ و جہہ علیہ کے کیا معنی ہوں گے کہ یہ تو اس سے بھی بڑھا ہوا ہے۔

اسی میں ہے: ”قال العزفی کتاب العلل و السوالات لعبد اللہ بن احمد بن حنبل عن ابیہ روایۃ علی بن الصوف عنہ قال عبد اللہ سألت ابی عن الرجل یمس منبر رسول اللہ ﷺ و یتبرک بہ و یقبلہ و یفعل بالقبر مثل ذلک رجاء ثواب اللہ تعالیٰ قال لا بأس بہ“۔ ”عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد حضرت امام احمد بن حنبل سے پوچھا اس شخص کے بارے میں جو رسول اللہ ﷺ کے منبر کو مس کرتا اور اس کو بوسہ دیتا ہے اور قبر مبارک کے ساتھ بھی یہی کرتا یعنی بوسہ دیتا اور مس کرتا اور اسی میں خداوند عالم سے ثواب کی امید رکھتا ہے (اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟)۔ آپ نے فرمایا کہ اس میں حرج نہیں۔

وفاء، الوفا جلد ۲ ص ۴۴۳ میں ہے: ابوالحسن یحییٰ بن حسین اخبار مدینہ میں تحریر فرماتے ہیں: ”اقبل مروان بن الحکم فاذا رجل ملتزم القبر فاخذ مروان برقبته ثم قال هل تدري ما تصنع؟ فاقبل عليه فقالہ نعم انی لم ات الحجر ولم آت اللین انما جئت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتبکوا علی الدین اذا ولیہ اہلہ ولكن ابکوا علیہ اذا ولیہ غیر اہلہ قال الحنطب و ذلک الرجل ابوایوب الانصاری“۔ ”مروان بن الحکم روضہ اقدس پر حاضر ہوا۔ دیکھا کہ ایک شخص قبر مبارک کو لپٹا ہوا ہے۔ مروان نے ان کی گردن پکڑی اور پوچھا تم جانتے ہو کہ کیا کر رہے ہو؟ وہ شخص اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ہاں میں پتھر کے پاس نہیں آیا اور نہ اینٹ کے پاس آیا ہوں۔ میں تو رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں۔ مت روؤ دین پر جب اہل اس کے والی ہوں، البتہ اس وقت روؤ جب نا اہل والی ہوں۔ مطلب بن عبد اللہ بن خطب راوی حدیث بیان کرتے ہیں کہ وہ شخص جو قبر مبارک کو لپٹے ہوئے تھے، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔“

وفاء الوفا جلد ۲ ص ۴۴۳ میں ہے: حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی: ”لما مر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاءت فاطمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا فوقف علی قبرہ صلی

اللہ علیہ وسلم واخذت قبضة من تراب القبر و وضعت علی عینہا و بکت و انشاءت تقول "۔ م

ماذا علی من شم تربة احمد ان لا یشم مدى الزمان غوالیا

صبت علی مصائب لو انها صبت علی الا یام صرن لیا لیا

"جب حضور اقدس صلی اللہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا حاضر ہوئیں۔ قبر مبارک کے پاس کھڑی ہوئیں اور تھوڑی سی خاک پاک قبر مبارک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی لے کر اپنی آنکھوں سے لگایا اور رونے لگیں اور یہ دو شعر پڑھے۔ جس شخص نے روضہ اقدس کی خاک پاک سونگھنے کا شرف حاصل کیا ہو، اگر زمانہ تک کوئی خوشبو نہ سونگھے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ مجھ پر ایسی مصیبتیں گزریں کہ اگر دنوں پر وہ مصیبتیں پڑتیں تو مارے غم کے دن رات ہو جاتے۔"

وفاء الوفا جلد ۲ ص ۱۴۴۴ ہی میں ہے: "و ذکر الخطیب ابن حملة ان ابن عمر رضی اللہ عنہما کان یضع یدہ الیمنی علی القبر الشریف وان بلالا رضی اللہ عنہ وضع یدہ علیہ ایضا۔" خطیب بن حملہ نے ذکر کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر اپنا دایاں ہاتھ قبر شریف پر رکھتے تھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما نے اپنے دونوں رخساروں کو بھی قبر مبارک پر رکھا۔"

وفاء الوفا جلد ۲ ص ۱۴۴۴ میں ہے: "قال الحافظ ابن حجر استنبط بعضهم من مشروعية تقبیل الحجر الاسود جواز تقبیل کل من یتحق التعظیم من آدمی وغیرہ فاما تقبیل ید آدمی فسبق فی الادب واما غیرہ فنقل عن احمد انه سئل عن تقبیل منبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم و قبرہ فلم یر بہ بأساً واستبعد بعض اتباعہ صحته عنه و نقل عن ابن ابی الصیف الیمانی احد علماء مکة من الشافعية جواز تقبیل الصحف و اجزاء الحدیث و قبور الصالحین و انشد "۔ م

امر علی الدیار د یار لیلی

اقبل ذا الجدار و ذا الجدار

وما حب الدیار شغفن قلبی

ولکن حب من سکن الدیار

و نعم من قال ۔

چوں بگوری اے باد بھرائے مدینہ

یاد آرازیں عاشق شیدائے مدینہ

کن عرض سلام بہ نیاز یکہ تو داری

بر کوچہ و بازار و مکانہائے مدینہ

"حافظ ابن حجر نے تقبیل حجر اسود کے مشروع ہونے سے ہر اس چیز کے بوسہ کا جواز ثابت کیا ہے جو مستحق تعظیم ہے، خواہ آدمی ہو یا غیر آدمی لیکن آدمی کے ہاتھ کا چوننا ادب میں گذر۔ لیکن غیر انسان کا بوسہ تو امام احمد سے

منقول ہے کہ ان سے منبر نبوی و قبر مبارک کے بوسہ سے سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ مضائقہ نہیں مگر بعض اتباع امام احمد نے اس کا انکار کیا۔ ابن ابی الصیف یمانی شافعی عالم سے منقول ہے کہ آپ نے قرآن شریف کا چومنا، اجزائے حدیث کا چومنا اور صالحین کے قبر کا بوسہ جائز رکھا اور طیب ناشری نے محبت طبری سے نقل کیا کہ قبر کو بوسہ دینا اور اس کو چھونا جائز ہے اور کہا کہ اسی پر علما صالحین کا عمل ہے اور یہ شعر پڑھا: میں گذرتا ہوں گھروں پر یعنی لیلیٰ کے گھروں پر تو بوسہ دیتا ہوں اس دیوار کو اور اس دیوار کو اور ان گھروں کی محبت میرے دل میں نہیں کبھی لیکن اس کی محبت جو ان گھروں میں رہتا ہے۔“

علامہ عینی شرح بخاری جلد ۴ ص ۶۰۷ میں فرماتے ہیں: ”واما تقبیل الا ماکن الشریفۃ علی قصد التبرک و كذلك تقبیل ایدی الصالحین و ارجلهم نهو حسن محمود باعتبار القصد والنية وقد سأل ابو هريرة رضي الله عنه ان يكشف له المكان الذي قبله رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو سرته فقبله تبركا باثاره وذريته صلى الله عليه وسلم وقد كان ثابت البناني لا يدع يدانس رضي الله عنه حتى يقبلها ويقول: يد مست يدر رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال ايضا اخبرني الحافظ ابو سعيد بن العلاء قال رايت في كلام احمد بن حنبل في جزء قديم عليه خط بن ناصر وغيره من الحفاظ ان الامام احمد سئل عن تقبيل قبر النبي صلى الله عليه وسلم و تقبيل منبره قال لا بأس به قال فاريناه للشيخ تقي الدين ابن تيمية فصار يتعجب من ذلك ويقول عجب احمد عندي جليل بقوله هذ كلامه او معنى كلامه وقال وای عجب فی ذلك وقدر وینا عن الامام احمد انه غسل قميصا للشافعي و شرب الماء الذي غسله به واذا كان هذا تعظيمه لاهل العلم فكيف بمقادير الصحابة و كيف باثار الانبياء عليهم الصلوة والسلام۔“

”ہمارے شیخ زین الدین نے فرمایا کہ متبرک مقامات کا بقصد تبرک بوسہ دینا اور اسی طرح بزرگوں کے ہاتھ پاؤں کو چومنا بہتر اور پسندیدہ ہے باعتبار قصد اور نیت کے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ اس جگہ کو کھولئے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوسہ دیا تھا اور وہ جگہ ناف ہے۔ پس حضرت ابو ہریرہ نے اس جگہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار اور ذریت کے ساتھ برکت لینے کے لئے بوسہ دیا اور ثابت بنانی، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ہاتھ نہیں چھوڑتے یہاں تک کہ اس پر بوسہ دیتے اور کہتے کہ یہ وہ ہاتھ ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ مس کیا ہے اور فرمایا کہ مجھے حافظ ابو سعید ابن علائی نے خبر کیا کہ میں امام احمد ابن حنبل کا کلام ایک پرانے جزد میں دیکھا، جس پر علامہ ابن ناصر وغیرہ حفاظ کی تحریر ہے کہ امام احمد ابن حنبل سے کسی

نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک اور منبر شریف کو بوسہ دینے کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس میں حرج نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے شیخ تقی الدین ابن تیمیہ کو دکھایا، وہ تعجب کرنے لگے اور کہتے کہ تعجب ہے امام احمد بن حنبل میرے نزدیک بزرگ ہیں۔ وہ ایسی بات کہتے ہیں۔ یہ کہا یا اس کے مثل کہا۔ میرے شیخ نے فرمایا کہ اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ ہمیں امام احمد بن حنبل سے روایت پہونچی ہے کہ انہوں نے امام شافعی کا کرتا دھویا اور اس کا سالہ پیا تو جب وہ اہل علم کی اس قدر عزت و تعظیم کرتے ہیں تو صحابہ کی تعظیم کی قدر کو کون بتا سکتا ہے پھر آثار انبیائے کرام علیہم السلام کی تعظیم کا کیا کہنا۔“

تیسرا طریقہ: کسی بزرگ کے پہنے ہوئے متبرک کپڑے میں کفن دینا

”عن ام عطية الان صارية رضى الله عنها قالت دخل علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم حين توفيت ابنته فقال اغسلنها ثلاثا او خمسا او اكثر من ذلك ان رائيتن ذلك نساء وسد روا جعلن في الاحرة كافور او شينا من كافور فاذا فرغتن فاذا نسي فلما فرغنا اذناه فاعطانا ناحقوه فقال اشعرنها اياه تعنى اراره۔“

”حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ جس وقت حضور کی صاحبزادی کا انتقال ہوا تو آپ تشریف لائے اور فرمایا کہ خالص پانی یا بیر کے پتے جوش دے ہوئے پانی سے تین یا پانچ مرتبہ غسل دو اور اگر ضرورت دیکھو تو اس سے زیادہ اور آخر میں کافور لگاؤ اور جب غسل دینے سے فارغ ہو تو مجھ کو خبر دو۔ وہ کہتی ہیں کہ جب ہم لوگ غسل دے کر فارغ ہوئے تو حضور کو خبر دی۔ حضور نے اپنا تہبند مبارک عنایت فرمایا کہ اسے متصل رکھو۔ (رواہ البخاری ج ۱ ص ۱۳۹ و مسلم و ابوداؤد و الترمذی و النسائی)

علامہ عینی شرح بخاری جلد ۴ ص ۴۶ میں فرماتے ہیں: ”والحكمة فيه التبرك باثارة الشريفة وانما اخره الى فراغهن من الغسل ولم ينالهن اياه اولا ليكون قريب العهد من جسده الشريف حتى لا يكون بين انتقاله من جسده الى جسدها فاصل وهو اصل في التبرك باثار الصالحين۔“ اس میں مصلحت برکت حاصل کرنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار شریفہ کے ساتھ ہے اور حضور نے ان عورتوں کے غسل سے فارغ ہونے تک اس کو موخر کیا اور پہلے ہی سے عطا نہ فرمادیا تا کہ قریب العهد آپ کے جسد مبارک سے ہو یہاں تک کہ حضور کے جسد مبارک سے اترنے اور حضرت کی صاحبزادی کی پہننے میں کوئی فاصل نہ رہے اور یہ حدیث آثار صالحین کے ساتھ تبرک حاصل کرنے کی اصل اور دلیل ہے۔“

علامہ قسطلانی شرح بخاری جلد ۲ ص ۲۱۵ میں فرماتے ہیں: ”انما فعل ذلك لينا لها بركة ثوبه۔“

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس لئے کیا تا کہ آپ کے لباس مبارک کی برکتیں انہیں پہونچے۔“

امام نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۲۰۵ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ”والحکمة فی اشعار ہابہ تبریکھا بہ ففیہ التبرک بآثار الصالحین ولباسہم“۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو تہبند مبارک پہنانے میں حکمت اس لباس کی سبب برکت دینا ہے۔ تو اس حدیث میں آثار صالحین اور ان کے لباس سے برکت لینے کی دلیل ہے۔

بخاری شریف جلد اول ص ۱۴۱ میں حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جس میں ایک عورت کے چادر نذر دینے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زیب تن فرمانے پھر ایک صحابی کے مانگنے پر قوم کے اعتراض کا ذکر ہے۔ اس کے بعد ان صحابی رضی اللہ عنہم کا جواب مذکور ہے: ”قال انی واللہ ماسئالتہ لالبسہ انما سئالتہ لتکون کفنی قال سہل فکانت کفنی“۔ ”سائل نے کہا کہ بخدا میں نے زندگی میں پہننے کے لئے اسے نہیں مانگا بلکہ اس لئے کہ یہ متبرک کپڑا حضور کا پہنا ہوا کپڑا میرا کفن ہو“۔ حضرت سہل فرماتے ہیں کہ واقعی وہ چادر ان کے کفن میں دی گئی۔ علامہ عینی جلد ۴ ص ۱۷۰ میں اس کی شرح میں اس حدیث کے فوائد بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ”وفیہ التبرک بآثار الصالحین وفیہ برکۃ مالبسہ مما یلی جسدہ“۔ ”اس حدیث میں برکت لینا ہے آثار صالحین کے ساتھ اور نیز اس حدیث میں اس کپڑے کا متبرک ہونا ہے جو حضور کے جسد مبارک سے نزدیک ہوا ہے۔“

”وروی ابن عبد البر عن ابن عباس قال لمامات فاطمة ام علی بن ابی طالب البسھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قمیصہ واضطجع معھا فی قبرھا فقالو امارائناک صنعت ما صنعت بہذہ فقال انہ لم یکن احد بعد ابی طالب ابرلی منها انما البستھا قمیصی لتکسی من حلل الجنة واضطجعت معھا لیھون علیھا“ وفاء الوفا جلد ۲ ص ۸۸۔

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب حضرت علی کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص مبارک ان کو پہنائی اور ان کے ساتھ قبر میں لیٹے تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! حضور نے آج وہ بات کی جو کبھی نہیں کی تھی۔ ارشاد ہوا کہ ابو طالب کے بعد میرے ساتھ احسان اور بھلائی کرنے والا ان سے بڑھ کر کوئی نہ تھا۔ میں نے ان کو اپنا کرتہ اس لئے پہنایا کہ یہ جنت کا لباس پہنیں اور میں ان کے ساتھ اس لئے لیٹا کہ ضغطہ قبر آسان ہو“۔

دوسری روایت میں ہے: ”ثم نزع قمیصہ فامر ان تکفن فیہ ثم صلی علیھا عند قبرھا فکبر تسعاً وقال ما عفی احد من ضغطة القبر الا فاطمة بنت اسد فیل یا رسول اللہ ولا القاسمہ قال ولا ابراہیم وکان ابراہیم اصغر ہما“۔ ”حضور نے اپنی قمیص مبارک اوتار کر حکم دیا کہ اس میں انہیں کفناؤ پھر ان کی قبر کے پاس ان کے جنازہ کی نماز پڑھی اور اس میں نو تکبیر فرمائی اور ارشاد ہوا کہ ضغطہ قبر سے کوئی نہیں بچا سوائے فاطمہ بنت

اسد کے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! حضور کے صاحبزادے حضرت قاسم؟ ارشاد ہوا ابراہیم بھی نہیں اور یہ حضرت قاسم سے چھوٹے تھے۔“ وفاء الوفا ج ۲ ص ۸۸۔

علامہ ابن عبدالبر استیعاب جلد اول ص ۲۶۲ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حالت علامت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”فأفاد معاویة قال یا بنی انی صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخرج لحاجته فاتبعته بأداة فکسانی أحد ثوبیه الذی کان علی جسده فخبأته لهذا اليوم وأخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اظفاره و شعره ذات يوم فأخذته وخبأته لهذا اليوم فإذا أنا مت فأجعل ذلك الفميص دون کفنی مما یلی جلدی و أخذ ذلك الشعر والاظفار فأجعلہ فی فمی و علی عینی و مواضع السجود منی فان نفع شیء فذاك والآ فان اللہ غفور رحیم۔“

”پس افادہ پایا حضرت امیر معاویہ نے تو کہا اے میرے بیٹے! میں رسول اللہ کی خدمت میں رہا پس حضور قضائے حاجت کے لئے باہر تشریف لے گئے تو میں حضور کے پیچھے پانی کا برتن لے کر چلا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے تو مجھ کو اپنے دو کپڑوں میں سے جو بدن مبارک پر تھا، ایک عطا فرمایا تو اس کو میں نے آج کے دن لئے چھپ رکھا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناخن مبارک اور موئے مبارک ترشوا یا تو اس کو بھی میں نے لے لیا اور آج کے دن کے لئے چھپا رکھا ہے تو میں جب مر جاؤں تو اس قمیص کو میرے کفن کے نیچے بدن سے متصل رکھنا اور ناخن اور موئے مبارک کو میرے منہ اور میری آنکھوں اور سجدہ کی جگہوں پر رکھنا تو اگر کوئی چیز نفع بخش ہوگی تو یہ ہوگی، نہیں تو خداوند غفور رحیم ہے۔“

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۷۰۹ میں آیت کریمہ وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِّنْهُمْ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ لَمَّا اشْتَكَى عَبْدُ اللَّهِ ابْنَ أَبِي سَلُولٍ عَادَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَطَلَبَ مِنْهُ أَنْ يَصْلِيَ عَلَيْهِ إِذَا مَاتَ وَيَقُومَ عَلَى قَبْرِهِ تَمَّ أَنَّهُ أَرْسَلَ إِلَى الرَّسُولِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَطْلُبُ مِنْهُ قَمِيصَهُ لِيَكْفَنَ فِيهِ فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ الْقَمِيصَ الْفَوْقَانِيَّ فَرَدَّهُ وَطَلَبَ الَّذِي يَلِي جُلْدَهُ لِيَكْفَنَ فِيهِ۔“

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب عبداللہ بن ابی بن ابن سلول بیمار پڑا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے عیادت کو تشریف لے گئے، اس نے حضور سے خواہش ظاہر کی کہ جب وہ مر جائے تو حضور اس کی جنازہ کی نماز پڑھیں اور اس کی قبر پر ٹھہریں پھر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قمیص کے لئے آدمی بھیجا تا کہ اسی قمیص میں کفایا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوپر والی قمیص بھیج دی اس نے واپس کر دی اور جو

قیص مبارک جسداقدس سے متصل ہے، کفن کے لئے اسے طلب کیا۔“

علامہ عینی شرح صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰ لماتوفی کے تحت میں عبد اللہ بن ابی کے شوال میں بیمار ہونے، بیس دن بیمار رہنے، ذیقعدہ ۹ھ میں اس کے مرنے کے ضمن میں حضور کا عیادت کے لئے تشریف لے جانا اور اس کو نصیحت کرنے کے واقعہ کو بیان کر کے تحریر فرماتے ہیں: ”ثم قال يا رسول الله! ليس هذا بحین عتاب هو الموت فان مت فاحضر غسلی و اعطنی قمیصک الذی یلی جسدک فکفنی فیہ وصل علی و استغفر لی ففعل ذلك به رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال الحاكم كان على النبي صلى الله عليه وسلم قميصان فقال عبد الله واعطني قميصك الذي يلي جسدك فاعطاه اياه۔“

”عبد اللہ بن ابی نے کہا کہ یا رسول اللہ! یہ وقت مرنے کا ہے، عتاب کا وقت نہیں۔ جب میں مر جاؤں تو حضور میرے غسل کے وقت تشریف لائیں اور مجھ کو اپنی قیص مبارک جو جسداطہر سے متصل ہے، عنایت فرمائیں اور اسی میں مجھے کفنائیں اور میری جنازہ کی نماز پڑھیں اور میری مغفرت کی دعا کریں تو حضور نے ایسا کیا۔ حاکم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت دو قیص پہنے ہوئے تھے تو عبد اللہ نے کہا کہ مجھے وہ قیص مبارک عطا فرمائیں جو جسم شریف سے متصل ہے۔“

مقام غور ہے کہ عبد اللہ بن ابی جیسا منافق اور نہ صرف منافق بلکہ رئیس المنافقین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قیص مبارک سے برکت چاہتا ہے اور اس میں کفنائے جانے کی آرزو کرتا، اس کو بعد موت وسیلہ اجر و مغفرت بنانا ہے۔ حسرت و افسوس اس نام نہاد مسلمان پر ہے جس کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وقعت و عظمت اور ان کے لباس مبارک و آثار شریفہ کی اہمیت و عزت اس منافق کے دل کے اتنی بھی نہ ہو رع

شرم دار و کفر از اسلام او

یہ مانا اس کا قیص مبارک کفن کے لئے طلب کرنا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا فرمانا، اس میں کفنا یا جانا اس کی نجات کا باعث نہ ہوا۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ان قمیصی لا یغنی عنہ من اللہ شیئا مگر یہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ اس کا یہ عقیدہ اور قیص مبارک طلب کرنا، حضور کا قیص مبارک پہنانا بالکل بے اثر رہا۔ نہیں نہیں ہر گز نہیں۔ اس کی برکت سے اس کی قوم سے ہزار آدمی کامل الایمان ہو گئے۔

تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۷۰۹ میں ہے: ”وكان المنافقون لا يفارقون عبد الله بن ابي فلما راوه يطلب هذا القميص ويرجو ان ينفعها اسلم منهم يومئذ الف۔“ ”منافقین کبھی عبد اللہ بن ابی کو نہیں چھوڑتے تھے جب ان لوگوں نے دیکھا کہ وہ قیص مبارک طلب کرتا ہے، اس کے نفع کا امیدوار ہے تو ان لوگوں سے ہزار آدمی اسی

دن مسلمان ہو گئے۔“

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ فارسی جلد ۱ ص ۷۱۶ میں تحت حدیث ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں: ”در نجا استحباب تبرک ست بلباس صالحین و آثار ایشان بعد از موت در قبر چنانکہ قبل موت نیز ہم چنین بودہ۔“

لمعات میں فرماتے ہیں: ”هذا الحديث اصل في التبرك بآثار الصالحين ولباسهم كما بفعل بعض مریدی المشائخ من ليس اقمصتهم في القبر۔“ یہ حدیث آثار صالحین اور ان کی لباس سے برکت حاصل کرنے کی اصل ہے۔ جس طرح بعض مریدین مشائخ کی قمیصوں کو پہنا کر دفن کئے جاتے ہیں۔“

شیخ اسماعیل حقی تفسیر روح البیان جلد ۲ ص ۵۹۹ میں تحریر فرماتے ہیں: ”قال فی الاسرار المحمدیۃ نو وضع شعر رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم او عصاه او سوطه علی قبر عاص لنجا ذلك العاصی ببرکات تلك الذخیره من العذاب وان كان فی دار انسان او بلدة لا یصیب سکانها بلاء برکتہ وان لم یشعروا به ومن هذا القبیل ماء زمزم والكفن المبلول به و بطبانة استار الکعبة والتکفن بها و کتابة القرآن علی القراطیس والوضع فی ایدی الموتی۔“

”اسرار محمدیہ میں ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک یا عصا شریف یا حضور کا کوڑا کسی گنہگار کی قبر پر رکھا جائے تو ان تبرکات کی برکت سے وہ عاصی عذاب سے نجات پائے اور اگر کسی آدمی کے گھریا کسی شہر میں ہو تو وہاں کے رہنے والوں کو اس کی برکت سے کوئی مصیبت نہ پہونچے گی اگرچہ وہ اس کو نہ سمجھیں اور اسی قسم سے آب زمزم اور اس میں ترکیا ہوا کفن ہے اور خانہ کعبہ کا غلاف شریف اور اس میں کفن دینا ہے اور قرآن شریف کو کاغذ پر لکھنا اور اس کو مردہ کے ہاتھوں پر دینا ہے۔“

چوتھا طریقہ: میت کے کفن پر کوئی آیت کلمہ طیبہ یا عہد نامہ یا کوئی دعا لکھنا

مصنف عبدالرزاق اور ان کے طریق سے معجم طبرانی پھر حلیہ ابو نعیم میں ہے: ”اخبرنا معمر عن عبد اللہ بن محمد بن عقیل ان فاطمة رضی اللہ عنہا لما حضرتها الوفاة امرت علیا فوضع لها غسلا فاغتسلت و تطهرت ودعت بشیاب اکفانها فلبستها ومست من الحنوط ثم امرت علیا ان لا تکشف اذا هی قبضت وان تدرج کما هی فی اکفانها فقلت له هل علمت احدا فعل نحو ذلك قال نعم کثیر بن عباس و کتب فی اطراف اکفانه یشهد کثیر بن عباس ان لا اله الا الله۔“

”حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے وصال کا وقت ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہا کہ ان کے نہانے کے

لئے پانی رکھیں پس نہائیں اور کفن منگوا کر پہنا اور حنوط لگایا پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے کہا کہ میرے انتقال کے بعد کوئی مجھے نہ کھولے اور اسی کفن میں دفن کر دی جائیں۔ میں نے پوچھا کہ کسی نے بھی ایسا کیا؟ کہا ہاں! کثیر بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اور انہوں نے اپنے کفن کے کناروں پر لکھا تھا: کثیر بن عباس گواہی دیتا ہے لا الہ الا اللہ۔

امام ترمذی معاصر امام بخاری نے نوادر الاصول میں روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”من کتب هذا الدعاء وجعله بين صدر الميت و كفيه في رقعة لم ينله عذاب القبر ولا يرى منكر او نكير او هو هذا“۔ جو شخص یہ دعا کسی پرچہ پر لکھ کر میت کے سینہ پر کفن کے نیچے رکھے اسے عذاب قبر نہ ہو اور نہ منکر نکیر نظر آئیں اور وہ دعا یہ ہے: لا الہ الا اللہ واللہ اکبر لا الہ الا اللہ وحده لا شریک له لا الہ الا اللہ له الملك وله الحمد لا الہ الا اللہ ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔

یہی حکیم ترمذی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھے: ”اللهم فاطر السموات والارض عالم الغیب والشهادة الرحمن الرحيم انى اعهد اليك فى هذه الحياة الدنيا بانك انت الله لا اله الا انت وحدك لا شريك لك وان محمد عبدك ورسولك فلا تكلنى الى نفسى فانك ان تكلنى الى نفسى تقربنى من السوء تباعدنى من الخير وانى لا اثق الا برحمتك فاجعل رحمتك لى عهد عندك توديه الى يوم القيمة انك لا تخلف المعياذ“۔ ”فرشتہ اسے لکھ کر مہر لگا کر قیامت کے لئے اٹھارے۔ جب اللہ تعالیٰ اس بندہ کو قبر سے اٹھائے، فرشتہ وہ نوشتہ ساتھ لائے اور ندا کی جائے عہد والے کہاں ہیں؟ انہیں وہ عہد نامہ دیدیا جائے۔

امام نے اسے روایت کر کے فرمایا: ”و عن طاؤس انه امر بهذه الكلمات فكتبت فى كفيه“۔ ”امام طاؤس کی وصیت سے یہ عہد نامہ ان کے کفن میں لکھا گیا“۔ امام فقیہ بن عجل نے اسی دعائے عہد نامہ کی نسبت فرمایا: ”اذا كتب هذا الدعاء وجعل مع الميت فى قبره وقاه الله فتنة القبر وعذاب“۔ ”جب یہ دعا لکھ کر میت کی قبر میں رکھ دیں تو اللہ تعالیٰ اسے سوال نکیرین و عذاب قبر سے امان دیدے گا“۔

در مختار ص ۱۲۶ میں ہے: ”كتب على جبهة الميت او عمامته او كفيه عهد نامه برجى ان يغفر الله للميت اوصى بعضهم ان يكتب فى جبهته ز صدره بسم الله الرحمن الرحيم ففعل ثم رثى فى“۔ ”نام فسنل فقال لما وضعت فى القبر جاء تنى ملثكة العذاب فلما راوا مكتوبا على جبهته بسم الله الرحمن الرحيم قالوا انت من عذاب الله“۔

”مردے کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھنے سے اس کے لئے بخشش کی امید ہے۔ کسی صاحب نے

وصیت کی تھی کہ ان کی پیشانی اور سینہ پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھ دی گئی پھر خواب میں نظر آئے۔ حال پوچھنے پر فرمایا جب میں قبر میں رکھا گیا، عذاب کے فرشتے آئے۔ جب میری پیشانی پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا دیکھا، کہا تجھے عذاب الہی سے امان ہے۔“

علامہ سید احمد طحاوی حاشیہ در مختار میں فرماتے ہیں: ”قوله كتب علی جبهة الميت اخذ من ذلك جواز الكتابة ولو بالقران ولم يعتبروا كون ماله الى التنجيس بما يسيل من الميت“۔ ”مصنف کے اس قول کتب سے لکھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے، اگرچہ قرآن شریف کی آیت ہی ہو اور اس کے مال کا کوئی اعتبار نہ کیا گیا کہ اس لکھے ہوئے مردہ کے بدن سے ریم یا خون بہہ کر نجس کر دے گا۔“

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے اس بارے میں ایک مستقل رسالہ بنام تاریخہ ”الحرف الحسن فی الكتابة علی الکفن“ تحریر فرمایا۔ یہ روایتیں اسی رسالہ سے ماخوذ ہیں۔

فقیر غفرلہ المولیٰ القدر کہتا ہے کہ یہ حدیثیں اور نصوص علمائے کرام اس معمول بہ کی اصل ہیں کہ مریدوں کے قبر میں مشائخ کرام کا شجرہ رکھتے ہیں کہ الاسم عین المسمیٰ کما صرح بہ فی کتب العقائد۔ اور ظاہر ہے کہ نام کی مسکنی پر دلالت تراشنا ناخن کی دلالت سے افزوں ہے تو خالی اسماء ہی ایک ذریعہ تبرک و توسل ہوتے نہ کہ اسلامی سلاسل علیہ عالیہ کہ اسناد اتصال بہ محبوب ذی الجلال و بہ حضرت عزت و جلال ہیں اور اللہ اور محبوب و اولیاء کے سلسلہ کرم کرامت میں منسلک ہونے کی سند تو شجرہ طیبہ سے بڑھ کر اور کیا ذریعہ توسل چاہئے۔

اس جگہ ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ اس میں بزرگان دین کے ناموں کی اہانت ہے، اس لئے کہ مردے کے بدن سے خون پیپ وغیرہ سے تلوٹ کا اندیشہ ہے۔ مگر اندیشہ وہم موجب ممانعت نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ کے چوپایوں پر باوجود احتمال تلوٹ جیسے فی سبیل اللہ لکھوایا تھا۔ علاوہ بریں تلوٹ بہ نجاست کا احتمال بھی مطرد نہیں، اس لئے کہ احادیث سے ثابت ہے کہ دس شخصوں کے بدن قبر میں سلامت رہتے ہیں: انبیاء، اولیاء، علمائے دین، شہداء، حفاظ، موزن کہ للّٰہ اذان کہا کرتا ہو، سرحد اسلام پر حفاظت بلاد اسلامیہ کے لئے قیام رکھنے والا، جو طاعون سے صابر و محتسب مرے، ذکر الہی بکثرت کرنے والا، بے گناہ بندہ تو اگر وہ شخص جس کی قبر میں شجرہ رکھتے ہیں، ان میں سے کوئی ایک ہے جب تو عدم تلوٹ ظاہر و نہ ممکن کہ شجرہ شریفہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ یہ عزت اسے عنایت فرمائے پھر بھی شجرہ کے لئے کچھ ضرور نہیں کہ کفن ہی میں رکھیں بلکہ قبر میں قبلہ کی طرف خواہ سر بانے طاق بنا کر رکھیں۔

جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں: ”شجرہ درقبر نہادن معمول بزرگاں ست لیکن ایں راد و طریق ست۔ اول اینکہ بر سینہ مردہ درون کفن یا بالائے کفن گزارند و ایں طریق رافقہا منع می کنند و می گویند کہ از بدن مردہ خون و ریم سیلان می کند و موجب سوئے ادب با سمائے بزرگاں می شود۔ طریق دوم ایں ست کہ جانب سر مردہ اندرون قبر طاقی بگزارند و در اں کاغذ شجرہ را نہند۔“

پانچواں طریقہ: جنازہ کو دیکھ کر تعریف کرنا اور میت کی خوبیوں کو بیان کرنا

”عن انس قال مروا بحنازة فاثنوا عليها خيرا فقال النبي صلى الله عليه وسلم و جبت ثم مروا باخرى فاثنوا عليها شرا فقال عمر ما و جبت فقال هذا اثنتم عليه خيرا فوجبت له الجنة وهذا اثنتم عليه شرا فوجبت له النار انتم شهداء الله في الارض“ (رواه البخاري و مسلم و الترمذي و النسائي و ابن ماجه و ابو داود الطيالسي ص ۲۷۵)۔

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی: ایک جنازہ لے کر لوگ گزرے۔ صحابہ کرام نے اس کی تعریف کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واجب ہوگئی، پھر دوسرا جنازہ لے کر گزرے۔ لوگوں نے برائی بیان کی حضور نے فرمایا کہ واجب ہوگئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: حضور! کیا واجب ہوگئی؟ ارشاد ہوا پہلے جنازہ والے کی تم لوگوں نے تعریف کی تو اس کے لئے جنت واجب ہوگئی اور دوسرے کی تم لوگوں نے برائی کی تو اس کے لئے جہنم کی آگ واجب ہوئی تم لوگ زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ و نعم من قال۔“

بھلا کہے جسے خلقت اسے بھلا سمجھو
زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

”و عن ابی الاسود قال قدمت المدينة فجلست الى عمر بن الخطاب رضي الله عنه فمرت بهم جنازة فاثنوا على صاحبها خيرا فقال عمر رضي الله عنه و جبت ثم مروا باخرى فاثنوا على صاحبها خيرا فقال عمر و جبت ثم بالثالثة فاثني على صاحبها شرا فقال عمر و جبت فقال ابو الاسود فقلت و ما و جبت يا امير المؤمنين! قال قلت كما قال النبي صلى الله عليه وسلم ايما مسلم شهد له اربعة بخير ادخله الله الجنة قلنا و ثلثة قال و ثلثة قلنا و اثنان قال و اثنان ثم لم نسئله عن واحد۔“ (دواہ البخاری و النسائی)

”ابوالاسود کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ میں پہنچا۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک جنازہ گذرا۔ لوگوں نے اس کی تعریف کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا واجب ہوگیا، پھر دوسرا جنازہ گذرا لوگوں

نے اس کی بھی تعریف کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا واجب ہو گئی پھر تیسرا جنازہ گذرا لوگوں نے برائی کی، حضرت عمر نے کہا واجب ہو گئی۔ ابوالاسود کہتے ہیں، میں نے کہا: کیا واجب ہو گئی یا امیر المومنین! فرمایا میں وہ بات کہتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان کے لئے چار مسلمان اچھے ہونے کی گواہی دیں اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ ہم نے کہا اور تین شخص؟ ارشاد ہوا تین آدمی؟ پھر ہم لوگوں نے کہا کہ اور دو آدمی ارشاد ہوا کہ اور دو آدمی پھر ہم نے ایک آدمی کے بارے میں نہیں پوچھا۔“

”و عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرویہ عن ربہ عز و جل ما من عبد مسلم یموت فی شہد لہ ثلاثۃ ابیات من حیرانہ الا دنین بخیر الا قال اللہ عز و جل قد قبلت شہادۃ عبادی علی ما علموا و غفرت لہم ما علم۔“ (رواہ الامام احمد و روى ابو یعلیٰ و ابن حبان فی صحیحہ۔ و لفظہما اربعۃ اہل ابیات من حیرانہ)

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم رب العزت جل جلالہ سے کہ جب کوئی مسلمان بندہ مرے اور اس کے لئے تین قریب گھر والے پڑوسی بھلائی کی گواہی دیں تو اللہ عز و جل فرمائے گا کہ میں نے اپنے بندوں کی گواہی اس بارے میں جو ان کے علم میں ہے، قبول کی اور جو خطا قصور اس کا میں جانتا ہوں، اس کو بخش دیا۔ ابو یعلیٰ اور ابن حبان نے اس حدیث کو روایت کیا اور اس میں تین گھر کی جگہ چار گھر کا لفظ ہے۔“

چھٹا طریقہ: نماز جنازہ اور کثرت مصلیان کا فائدہ

نماز جنازہ پڑھنا ہے اور کثیر مصلیان مرغوب و مطلوب ہے۔ اس لئے کہ ہر نمازی اس میت کا سفارشی ہے اور کثرت سفارش اہمیت کی دلیل ہے۔

”عن کریم عن ابن عباس من انہ مات لہ ابن بفدید او بغسفان فقال یا کریم انظر ما اجتمع لہ من الناس قال فخر جت فاذا اناس قد اجتمعوا لہ فاخبرته فقال تقول ہم اربعون قال نعم قال اخر جوه فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول ما من رجل مسلم یموت فیقوم علی جنازہ اربعون رجلا لا یشرکون باللہ شیا الا شفعم اللہ فیہ“ (رواہ الامام احمد مسلم و ابو داؤد ابن ماجہ)

”حضرت کریم سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے کا انتقال مقام قدید یا عسفان میں ہوا تو آپ نے فرمایا دیکھو کتنے آدمی جمع ہوئے ہیں؟ کریم کہتے ہیں کہ میں نکلا، دیکھا کہ لوگ جمع

ہیں۔ میں نے ان کو خبر دی۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے پوچھا کہ چالیس آدمی ہوں گے؟ کریب نے کہا ہاں! ابن عباس نے کہا کہ اب میت کو باہر لاؤ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے ہیں کہ جو مرد مسلمان انتقال کرے اور اس کی جنازہ کی نماز ایسے چالیس آدمی پڑھیں جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی شفاعت اس میت کے حق میں قبول فرمائے گا۔“

”و عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من میت میت یصلی علیہ امة من المسلمین یبلغون مائة کلہم یشفعون الا شفعو فیہ“ (رواہ مسلم ص ۳۰۸ و الترمذی) و قال حدیث حسن صحیح و رواہ النسائی و لفظہ مائة فما فوقہا) ”جس مسلمان میت کی نماز جنازہ میں ایک جماعت مسلمانوں کی پڑھے جس کی تعداد ۱۰۰ تک پہنچی ہو اور وہ سب اس کی شفاعت کریں تو ان لوگوں کی شفاعت اس میت کے حق میں قبول ہوگی۔ نسائی کی روایت میں ہے کہ سو یا زیادہ آدمی اس کی سفارش کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت قبول فرمائے گا۔“

”و عن مالک بن ہبیرہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من میت یموت یصلی علیہ ثلاثہ صفوف من المسلمین الا اوجب قال فکان مالک اذا استقل اهل الجنائزہ جزاہم ثلثہ صفوف للحدیث (رواہ ابو داؤد جلد ۲ ص ۹۵ و رواہ الترمذی و حسنہ و صححہ الحاکم و فی رواۃ لہ الا غفرلہ)۔“ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مردہ کی نماز جنازہ مسلمانوں کی تین صفیں پڑھیں، اس کے لئے جنت واجب ہو جائے گی۔ کہتے ہیں کہ جب جنازہ میں شریک ہونے والے افراد جمع ہو جاتے تو مالک ابن ہبیرہ اس حدیث کی وجہ سے انہیں تین صفوں میں تقسیم کر دیتے۔“

ساتواں طریقہ: مقدس جگہ اور صالحین کی پڑوس میں دفن کرنا

”عن ابی ہریرۃ قال ارسل ملک الموت الی موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام فلما جاءہ صکھ فرجع الی ربہ، فقال ارسلتنی الی عبد لا یرید الموت فرد اللہ عینہ فقال ارجع فقل لہ یضع یدہ علی متن ثور فلہ بكل ما غطت یدہ بكل شعرة سنة قال ای رب ثم ماذا؟ قال ثم الموت قال فالان فسال اللہ تعالیٰ ان یدنیہ من الارض المقدسة رمية بحجر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلو کنت ثم لا یریمکم قبرہ الی جانب الطور عند الکثیر الاحمر“ (رواہ البخاری و مسلم و النسائی)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ملک الموت حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس بھیجے گئے تو جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے، انہوں نے ایک طمانچہ مارا جس سے ایک آنکھ جاتی رہی۔ پس خدا

وند عالم کے پاس واپس گئے اور کہا کہ خداوند اتو نے مجھ کو ایسے بندہ کے پاس بھیجا جو مرنا نہیں چاہتا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھ ان کو واپس دی اور فرمایا کہ جاؤ اور موسیٰ سے کہو کہ اپنا ہاتھ بیل کے پیٹھ پر رکھیں۔ ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے ہر بال کے بدلے ایک سال عمر ان کو اور دی جائے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا اس کے بعد پھر کیا ہوگا؟ فرمایا موت۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تو پھر ابھی! پھر اللہ تعالیٰ سے استدعا کی کہ مجھ کو بیت المقدس کے قریب کر دے ایک پتھر پھینکنے کے فاصلے پر۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں وہاں ہوتا تو ضرور تمہیں ان کی قبر دکھا دیتا طور کے پاس سرخ ٹیلہ کے نزدیک۔“

علامہ عینی شرح بخاری جلد ۴ ص ۱۶۵ میں فرماتے ہیں: ”اذ سأل الله تعالى الدنوم من بيت المقدس ليدفن فيه دنوا لورمى رامى الحجر من ذلك الموضع الذى هو الآن موضع قبره لو صل الى بيت المقدس وانما سأل ذلك لفضل من دفن فى الارض المقدسة من الانبياء والصالحين فاستجب مجاورتهم فى الممات كما فى الحيوة ولان الناس يقصدون المواضع الفاضلة ويذرون قبور هاو بدعون لاهلها۔“

”خداوند عالم سے سوال کیا بیت المقدس کی نزدیکی کا تا کہ وہاں دفن ہوں اس قدر نزدیک کہ اگر کوئی پتھر پھینکنے والا اس جگہ سے، جواب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قبر کی جگہ ہے، پتھر پھینکنے تو ضرور وہ پتھر بیت المقدس تک پہنچے اور یہ سوال اسی لئے کیا کہ جو لوگ انبیاء و صالحین سے بیت المقدس میں دفن ہیں، ان کی بزرگی کے سبب ان کی مجاورت کو بعد موت پسند کیا، جس طرح اچھے لوگوں کی مجاورت زندگی میں پسند کرتے ہیں اور اس لئے کہ لوگ متبرک مقامات کا قصد کرتے ہیں اور وہاں کی قبور کی زیارت کرتے ہیں اور قبر والوں کے لئے دعائے خیر کرتے ہیں۔“

اسی میں ہے: ”وفيه استحباب الدفن فى المواضع الفاضلة والقرب من مدافن الصالحين۔“ اس حدیث سے یہ مسئلہ مستفاد ہوتا ہے کہ متبرک مواضع میں دفن کرنا مستحب ہے اور مدفن صالحین کی نزدیکی بہتر ہے۔“

”عن عمر بن ميمون الازدى قال رايت عمر بن الخطاب رضى الله عنه قال يا عبدالله! اذهب الى ام المؤمنين عائشة رضى الله عنها فقل يقرء عمر بن الخطاب عليك السلام، سلها ان ادفن مع صاحبى قالت كنت اريده نفسى فلا وثرنه اليوم على نفسى فلما اقبل قال له مالدبك؟ قال اذنت لك يا امير المؤمنين! قال ما كان شئى اهم الى من ذلك المضجع۔“

”عمر بن ميمون ازدي سے روایت ہے کہ دیکھا میں نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو، انہوں نے اپنے

صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن عمر کو فرمایا کہ تم ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں جاؤ اور سوال کرو کہ میں حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن کیا جاؤں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا کہ میں نے اس جگہ کو اپنے لئے رکھا تھا لیکن اب میں ترجیح دیتی ہوں حضرت عمر کو اپنے نفس پر۔ پس جب حضرت عبداللہ ابن عمر واپس آئے، امیر المؤمنین نے پوچھا کیا خبر ہے؟ عرض کی حضرت عائشہ نے اجازت دیدی۔ فرمایا کوئی چیز مجھے اس جگہ دفن ہونے سے زیادہ اہم نہ تھی۔

علامہ عینی شرح بخاری جلد ۴ ص ۲۵۵ میں فرماتے ہیں: ”فیہ الحرص علی مجاورة الصالحین فی قبور طمعانی اصابة الرحمة اذا نزلت علیہم و فی دعاء من یزورہم من اهل الخیر۔“ اس حدیث میں اچھے لوگوں کے جوار میں دفن ہونے پر حرص ہے کہ جب ان پر رحمت نازل ہو تو صاحب قبر کو بھی پہونچے اور جو اہل خیر ان لوگوں کی قبر کی زیارت کریں وہ اس صاحب قبر کے لئے بھی دعا کریں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۳۷۵ حدیث ردو القتل الیٰ مضاجعہم کے تحت اس بحث میں کہ مردہ کو ایک شہر سے منتقل کر کے دوسرے شہر میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں، لکھتے ہیں: ”قال صاحب الہدایۃ و ذکر ان من مات فی بلدۃ یکرہ نقلہ الیٰ اخری لانہ اشتغال بما لا یفید بما فیہ تاخیر دفنہ و کفیٰ بذلك کراہۃ قلت فاذا کان یترتب علیہ فائدۃ من نقلہ الیٰ احد الحرمین اوالیٰ قریب احد من الانبیاء والاولیاء اوالیزورہ اقاربہ من ذلك البلد و غیرہ ذلك فلا کراہۃ الا مانص علیہ من شہداء احد او من فی معانہم من مطلق الشہداء۔“

”صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ جو شخص کسی شہر میں انتقال کرے، اس کو دوسرے شہر میں دفن کے لئے لے جانا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ یہ غیر مفید کام میں مشغول ہونا اور اس میں تاخیر دفن بھی ہے جو کراہت کے لئے کافی ہے۔ میں کہتا ہوں تو جب اس پر کوئی فائدہ مرتب ہو جیسے احد الحرمین لے جانا یا کسی نبی یا ولی کے مزار کے پاس دفن کرنا یا تاکہ اس شہر کے اس کے عزیز و قریب اس کی زیارت کیا کریں وغیرہ ڈلک تو نقل میں کراہت نہیں۔ ہاں! جہاں ممانعت منصوص ہو جیسے شہدائے احد یا دیگر شہدائے کرام تو ان کو نقل کرنا البتہ مکروہ ہوگا۔“

امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور میں تحریر فرماتے ہیں: ”واخرج ابو نعیم عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادفنوا موتکم و سط قوم صالحین فان المیت یتنا ذی بشار السوء۔“ ”راوی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے مردوں کو اچھے لوگوں کے درمیان دفن کرو۔ اس لئے کہ مردے برے پڑوسی سے اذیت پاتے ہیں۔“

اسی میں ہے: ”واخرج ابن عساكر عن ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم قال اذا مات احدكم الميت فاحسنوا كفنہ وعجلوا النجاسه وصيته واعمقوا له من قبره حنوبه جار السوء قيل يا رسول الله وهل ينفع النجار الصالح في الآخرة قال هل نفع في الدنيا قال نعم قال كذلك نفع في الآخرة“۔

”ابن عساكر نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں کوئی انتقال کرے تو اس کا کفن اچھا دو اور اس کی وصیت کو جاری کرنے میں جلدی کرو اور اس کی قبر گہری کھودو اور اسے بُرے پڑوسی سے بچاؤ۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کیا اچھا پڑوسی آخرت میں کچھ نفع پہونچاتا ہے؟ ارشاد ہوا کہ دنیا میں نفع پہونچاتا ہے؟ کہا ہاں! فرمایا اسی طرح آخرت میں بھی فائدہ پہونچاتا ہے۔“

”واخرج ابن ابي الدنيا عن عبد الله بن نافع المزني قال مات رجل بالمدينة فدفن بها فراه رجل كان من اهل النار فاغتم لذلك ثم اريه بعد سابعة وثامنة كانه من اهل الجنة فسأله قال دفن معنا رجل من الصالحين فشفع في اربعين من جيرانه فكنت فيهم“۔

”ابن ابی الدنیا نے عبداللہ بن نافع مزنی سے روایت کیا کہ ایک آدمی مدینہ طیبہ میں مراپس وہیں دفن کیا گیا۔ کسی شخص نے اس کو خواب میں دیکھا کہ گویا وہ دوزخی ہے پھر سات آٹھ رات کے بعد دکھایا گیا کہ وہ اہل جنت ہے۔ پس اس شخص نے پوچھا۔ اس نے جواب دیا کہ ایک شخص صالحین سے ہمارے ساتھ دفن کیا گیا، اپنے پڑوسیوں سے چالیس آدمیوں کی شفاعت کی تو میں بھی انہیں چالیس سے ہوں یعنی اللہ تعالیٰ نے اس میت صالح کے جوار کی برکت سے مجھے جنتی بنایا۔“

آٹھواں طریقہ: جب قبر تیار ہو تو تھوڑی دیر اس قبر میں کوئی بزرگ بیٹھیں یا لیٹیں

جب قبر تیار ہو تو تھوڑی دیر اس قبر میں کوئی بزرگ بیٹھیں یا لیٹیں اور کوئی دعا اور قرآن شریف کی کوئی سورہ یا آیت پڑھیں اس کے بعد مردہ کو دفن کریں۔

طبرانی معجم کبیر و اوسط میں اور ابن حبان و حاکم با فادہ تصحیح انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے راوی: ”قال لماتت فاطمة بنت اسد دخل عليها رسول الله صلى الله عليه وسلم فجلس عندها سنها فقال رحمك الله يا امي وذكر ثناءه عليها و تكفينها ببرده ثم قال دعا رسول الله صلى الله عليه وسلم اسامة بن زيد و ابا ايوب الانصاري و عمر بن الخطاب و غلاما اسود يحفرون فحفر و اقبرها فلما بلغوا اللحد حفره رسول الله صلى الله عليه وسلم بيده و اخرج ترابه بيده فلما فرغ دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم فاضطجع فيه ثم قال الله الذي يحيي ويميت وهو حي لا يموت اغفر لامي“۔

فاطمة بنت اسد ووسع عليها مدخلها بحق نبيك والانبياء الذين من قبلي فانك ارحم الرحمين۔“

”جب حضرت فاطمہ بنت اسد کا انتقال ہوا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور سرہانے بیٹھے پھر فرمایا اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے اے مری والدہ کے انتقال کے بعد میری ماں! راوی حدیث حضرت انس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی اچھی تعریف کرنا اور اپنے چادر مبارک میں ان کو کفنانا بیان کر کے پھر کہا کہ حضور نے اسامہ بن زید، ابویوب انصاری، حضرت عمر بن الخطاب اور ایک سیاہ غلام کو بلایا کہ یہ لوگ قبر کھودتے تھے۔ ان لوگوں نے حضرت فاطمہ بنت اسد کی قبر کھودی۔ جب لحد تک پہنچے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس اپنے دست مبارک سے قبر کھودی اور قبر کی مٹی نکالی۔ جب اس سے فارغ ہوئے تو حضور اقدس صلی اللہ علی وسلم قبر میں لیٹے اور یہ دعا پڑھی: اللہ وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ وہ زندہ ہے، کبھی نہیں مرے گا۔ خداوند! میری ماں حضرت فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما اور ان کی قبر کشادہ کر اپنے نبی اور تمام انبیاء کی برکت سے جو میرے قبل ہوئے، تو ارحم الراحمین ہے۔“

وفاء الوفا جلد ۲ ص ۸۹ میں ہے: ”وفی رواية علی بن ابی طالب فلما فرغ منه نزل فاضطجع فی اللحد وقرأ فیہ القرآن۔“ ”جب قبر تیار ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قبر میں اترے اور اس میں قرآن شریف پڑھا۔“

”واخرج ابن شعبة عن جابر رضي الله عنه قال بيننا نحن جلوس مع رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اتاه آت فقال يا رسول الله! ام علي و جعفر و عقيل قد ماتت فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم قوموا الي امي فقمنا و كان علي رؤس من معه الطير فلما انتهينا الى الباب نزع قميصه فقال اذا غسلتموها فاشعروها اياه تحت اكفانها فلما خرجوا بها جعل رسول الله صلى الله عليه وسلم مرة يحمل و مرة يتقدم و مرة يتاخر حتى انتهينا الى القبر فتمعك في اللحد ثم خرج فقال ادخلوها باسم الله و علي اسم الله فلما ان دفنوها قام قائما فقال جزاك الله من ام و ربيبة خيرا فنعم الام و نعم الربيبة كنت لي قال فقلنا له او قيل له يا رسول الله! لقد صنعت شيئين مارأينا صنعت مثلهما قط قال و ما هو قلنا نزعك قميصك و تمعك في اللحد؟ قال اما قميصي فاريد ان لا يمسها النار ابدا ان شاء الله تعالى و اما تمعكي في اللحد فاريد ان يوسع الله عليها قبرها۔“

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک شخص آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! علی، جعفر، عقیل کی ماں نے انتقال کیا۔ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چلو میری ماں کی تجہیز و

تکفین کے لئے تو ہم لوگ کھڑے ہو گئے اور جو لوگ حضور کے ساتھ چلے سب خموش باادب تھے گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں۔ جب ہم لوگ دروازہ پر پہونچے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قمیض مبارک اتار کر عطا فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جب تم لوگ غسل دے چکو تو اس کو بدن سے متصل کفن کے نیچے رکھنا پس جنازہ لے چلے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی جنازہ اٹھاتے، کبھی آگے آگے چلتے اور کبھی جنازہ کے پیچھے چلتے، یہاں تک کہ ہم لوگ قبر تک پہونچے پس حضور قبر میں لیٹے پھر باہر تشریف لائے پھر فرمایا خدا آپ کو بہتر جزا دے اے میری ماں اور پرورش کرنے والی! کیا اچھی آپ میری ماں اور پرورش کرنے والی تھیں! پس ہم لوگوں نے عرض کیا، حضور! آپ نے دو باتیں ایسی کیں جو کبھی نہیں کرتے تھے۔ فرمایا کہ وہ کون کون باتیں ہیں؟ ہم لوگوں نے عرض کیا ایک تو قمیض مبارک کا اتار کر کفن کے لئے دینا اور دوسری بات قبر میں لیٹنا۔ ارشاد ہوا کہ قمیض اتار کر اس لئے دی کہ اس کی برکت سے انشاء اللہ تعالیٰ آگ ان کو کبھی نہ چھوئے گی اور قبر میں اس لئے لیٹا کہ اللہ تعالیٰ ان کی قبر وسیع و فراخ کر دے۔ (وقفا الوفا ص ۸۸ جلد ۲)۔

نواں طریقہ: قبر پر پانی چھڑکنا

”عن جابر قال ورش قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکان الذی رش الماء علی قبرہ ہلال بن رباح بقربة بد أمن قبل راہ حتی انتھی الی رجلہ رواہ البیہقی فی دلائل النبوة“۔ ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر پانی چھڑکا گیا اور جس نے قبر مبارک پر پانی چھڑکا وہ ہلال بن رباح ہیں، مشک سے پانی چھڑکا۔ سرہانے کی طرف سے شروع کیا اور پائنتی کی طرف ختم کیا۔“ (مشکوٰۃ ص ۱۴۹) ملا علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ جلد دوم ص ۲۷۸ میں تحریر فرماتے ہیں: ”قال الطیبی لعل ذلک اشارۃ الی استنزال الرحمة الالہیة و العواطف الربانیة کما ورد فی الدعاء اللہم اغسل خطایاہ بالماء والثلج والبرد و قالوا سقی اللہ ثراہ و برد مضجعه او الی الدعاء بالطراوة وعدم الدروس قال میرک ولعل الحکمة فیہ ان القبرا ذارش بالماء کان اکثر بقاء و ابعده من التناثر والا ندارس قلت ہذا امر ظاہر حسی لا یحتاج الی نقل و هو ماخوذ من العبارة اماما ذکرہ الطیبی من الاشارة فہو فی غایة اللطافة و نہایة الشرافة و نظیرہ ان احدا من المریدین بنی بیتا ثم ضیف شیخہ فقال لہ الشیخ لا تنی شئی فتحت الطاقة قال لدخول الهواء وشمول الضیاء فقال ہذا امر ظاہر حاصل لا محالة لکن کان ینبغی ان تقصد بالاصالة سماع الاذان و یكون الباقي تبعالة“۔

”علامہ طیبی نے فرمایا کہ پانی چھڑکنا رحمت الہیہ و عواطف ربانیہ کے نزول کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ دعا میں وارد ہے ”خداوند! دھو دے اس کے گناہوں کو پانی، برف اور ازلے سے اور لوگ دعا کے وقت کہا کرتے ہیں

سقی اللہ ثراہ وبرد مضجعه یا تراوٹ اور نہ مٹنے کی دعا طرف اشارہ ہے۔ علامہ میرک کہتے ہیں کہ اس میں یہ حکمت ہے کہ قبر پر جب پانی چھڑک دیا جاتا ہے تو اس کی بقا زیادہ ہو جاتی ہے اور انتشار اور مٹنے سے دور ہو جاتی ہے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں یہ تو ظاہر اور محسوس ہے، اس کی نقل کی ضرورت نہیں اور یہ تو عبارت ہی سے ظاہر ہے اور علامہ طیبی نے جو اشارہ ذکر کیا، وہ غایت لطیف اور بہت ہی خوب ہے۔ اس کی مثال وہ واقعہ ہے کہ کسی مرید نے ایک گھر بنایا اور اپنے شیخ کی دعوت کی۔ شیخ نے پوچھا اس میں روشندان کس لئے رکھا ہے، مرید نے کہا کہ ہوا اور روشنی کے لئے۔ شیخ نے کہا یہ تو ظاہر ہے، یقیناً ہونا ہی ہے لیکن مناسب یہ تھا کہ اصل مقصد اذان کی آواز آنا ہوتا، باقی ہوا اور روشنی بالتبع مراد ہوتی، و نعم من قال۔

سرمد کہ برائے نور چشم ست
زیبائش چشم اوفیل ست

”و عن ابی رافع قال سل رسول اللہ علیہ وسلم سعد اور رش علی قبرہ ماء“ (رواہ ابن ماجہ)۔ ”ابن ماجہ حضرت ابو رافع سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (کسی ضرورت یا بیان جواز کے لئے حضرت سعد کو سرہانے کی طرف سے قبر میں داخل کیا اور ان کے قبر پر پانی چھڑکنے کا حکم دیا۔“

”و عن جعفر بن محمد عن ابیہ مرسلان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی علی المیت ثلاث حثیات بیدیه جميعا وانه رش علی قبر ابنہ ابراهیم ووضع علیہ حصباء (رواہ فی شرح السنۃ وروی الشافعی من قولہ رش)۔“ ”علامہ بغوی شرح السنۃ میں امام جعفر صادق سے وہ اپنے والد ماجد امام محمد باقر سے مرسل راوی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میت پر دونوں ہاتھوں سے تین لپ مٹی ڈالی اور اپنے صاحبزادہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی قبر پر پانی چھڑکا اور قبر پر سنگریزے رکھے۔ اس حدیث کو امام شافعی رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا مگر صرف ورش سے۔“ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۸)

مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۳۷۷ میں ہے: ”قال ابن الملک و لیسن حیث لا مطر رش القبر بماء بار د طاهر مطهور تفاولا بان اللہ یبرد مضجعه“۔ ”ابن مالک نے کہا کہ جب بارش نہ ہو تو قبر پر ٹھنڈا طاهر مطہر پانی چھڑکنا مسنون ہے، اس بات کی تفاؤل کے لئے کہ اللہ تعالیٰ اس کی خواہگاہ ٹھنڈی کرے۔“

اسی میں ہے ص ۳۷۸: ”وروی البزاز انه امر بالرش فی قبر عثمان بن مظعون“۔ ”بزاز نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون کی قبر پر پانی چھڑکنے کا حکم دیا۔“

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی لمعات حاشیہ مشکوٰۃ ص ۱۴۹ میں تحت حدیث جابر رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں: ”وذلك لمصلحة رأها اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم والعلة في رش قبر غير

ہ صلی اللہ علیہ وسلم التفاؤل باستئصال الرحمة و غسل الخطایا و تطہیر الذنوب و علل ایضابان یمسک تراب القبر عن الانتشار و یمنع عن الدروس۔ ”صحابہ کرام نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر پانی چھڑکا، وہ کسی مصلحت کی وجہ سے ہوا جو ان لوگوں نے سمجھا ہو۔ رہا حضور کے سوا اوروں کی قبر پر پانی چھڑکنے کی علت تو نزول رحمت اور خطا دھلنے، گناہوں سے پاک صاف ہونے کی نیک فال ہے اور قبر کی مٹی کو منتشر ہونے سے بچانا اور قبر کو مٹنے سے محفوظ رکھنا بھی اس کی علت بیان کی گئی ہے۔“

علامہ شامی رد المحتار جلد ۱ ص ۸۳۸ میں تحریر فرماتے ہیں: ”قول ولا یس برش الماء علیہ بل ینبغی ان یندب لانه صلی اللہ علیہ وسلم فعلہ بقبر سعد کما رواہ ابن ماجہ و بقبر ولده ابرہیم کما رواہ ابوداؤد فی مراسیلہ و امر بہ فی قبر عثمان بن مظعون کما رواہ البزار۔“ ”قبر پر پانی چھڑکنا مندوب ہے۔ اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کی قبر پر پانی چھڑکا جیسا کہ ابن ماجہ میں ہے اور ابنے صاحبزادہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی قبر پر جیسا کہ مراسیل ابوداؤد میں ہے اور حضرت عثمان بن مظعون کی قبر پر پانی چھڑکنے کا حکم دیا جیسا کہ بزار کی روایت میں ہے۔“

دسواں طریقہ: بعد دفن میت کو تلقین کرنا

اتحاف السادة المتقين جلد ۱ ص ۳۶۸ میں ہے: ”قال سعید بن عبد اللہ الاودی شہدت امامۃ الباہلی و هو فی النزاع فقال یا سعید! اذا مت فاصنعوا بی کما امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اذا مات احدکم فسر یتیم علیہ التراب فلیقم احدکم علی راس قبرہ ثم یقول یا فلان بن فلانة فانه یسمع ولا یحیب ثم لیقل یا فلان بن فلانة فانه یشہد فیقول ارشدنا یرحمک اللہ ولكن لا تسمعون فیقول له اذکر ما خرجت علیہ من الدنیا شہادة ان لا الہ الا الہ وان محمدا رسول اللہ وانک رضیت باللہ ربنا و بالاسلام دینا و بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیا و بالقران اماما فان منکر او نکیر ایتاخر کل واحد منهما فیقول انطلق بنا ما قعدنا عند هذا وقد لقین حجتہ و یكون اللہ عزوجل حجیجہ دونہما فقال رجل یا رسول اللہ! فان لم یعرف اسم امہ قال فلینبہ الی حواء۔“

”سعید بن عبد اللہ اودی کہتے ہیں کہ میں ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا جس وقت وہ حالت نزاع میں تھے۔ انہوں نے کہا کہ اے سعید! میں جب مر جاؤں تو میرے ساتھ وہ کام کرو جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی آدمی مرے اور تم بعد دفن اس پر مٹی برابر کر چکو تو ایک آدمی اس کی قبر کے سر ہانے کھڑا ہو اور

کہے اے فلان بن فلان تو وہ سنے گا مگر جواب نہ دے گا پھر دوسری مرتبہ کہے اے فلان بن فلان اس کو سن کر وہ بیٹھ جائے گا پھر تیسری مرتبہ کہے اے فلان بن فلان تب وہ کہے گا کہ ہوا اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے، لیکن اس کہنے کو تم نہ سنو گے۔ تب وہ شخص کہے یاد کرو اس عقیدہ کو جس پر تم دنیا سے نکلے۔ اس بات کی گواہی دینا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں اور تو راضی ہے اس بات پر کہ خدا تیرا رب ہے، اسلام تیرا دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں اور قرآن شریف تیرا پیشوا ہے۔ یہ سن کر منکر نکیر دونوں پیچھے ہٹیں گے اور ایک دوسرے سے کہے گا کہ چلو کیا بیٹھیں اس کے پاس جس کو حجت تلقین کی گئی اور اللہ تعالیٰ اس شخص اور ان دونوں فرشتوں کے درمیان ہوگا۔ اس پر ایک آدمی نے کہا کہ یا رسول اللہ اگر میت کی ماں کا نام معلوم نہ ہو، تو ارشاد ہوا تو فلاں بن حوا کہنا۔“

علامہ مرتضیٰ زبیدی شرح احیاء العلوم جلد ۱۰ ص ۳۶۸ میں فرماتے ہیں: ”رواہ الطبرانی فی الکبیر و فی کتاب الدعاء وابن مندہ فی کتاب الروح وابن عساکر والدیلمی ورواہ ابن مندہ من وجہ اخر عن ابی امامۃ قال اذا انامت فدفنتمونی فلیقم انسان عند راسی فلیقل یا صدی بن عجلان اذکر ما کنت علیہ فی الدنیا شہادۃ ان لا الہ الا اللہ و ان محمد ارسول اللہ رواہ ابن عساکر من وجہ اخر عن ابی امامۃ رفعہ اذا مات الرجل منکم فدفنتموہ فلیقم احدکم عند راسہ فلیقل یا فلان بن فلان فانه یسمع فلیقل یا فلان بن فلان فانه یتوی قاعد افلیقل یا فلان بن فلان فانه سیقول لہ ارشدنی یرحمک اللہ فلیقل اذکر ما خرجت علیہ من الدنیا شہادۃ ان لا الہ الا اللہ و ان محمد اعبدہ و رسولہ و ان الساعة اتیہ لاریب فیہا و ان اللہ باعث من فی القبور فان منکرا و نکیرا عند ذلک یاخذ کل واحد بید صاحبه ویقول قم ماتنصع عند رجل لقن حجته فکیون اللہ حجیحہما دونہ۔“

”روایت کیا اس کو طبرانی نے کبیر میں اور کتاب الدعاء میں اور ابن مندہ نے کتاب الروح میں اور ابن عساکر اور دیلمی نے اور روایت کیا اس کو ابن مندہ نے دوسرے طریقہ سے ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔ انہوں نے کہا کہ جب میں مر جاؤں اور تم لوگ مجھ کو دفن کر چکو تو چاہئے کہ کھڑا ہو ایک آدمی میری قبر کے سرہانے اور کہے: ”اے صدی بن عجلان! یاد کرو اس شے کو جس پر تم دنیا میں تھے یعنی شہادت اس بات کی کہ نہیں ہے کوئی معبود بجز اللہ تعالیٰ کے اور بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں“ روایت کیا اس کو ابن عساکر نے دوسرے طریقے سے ابی امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور مرفوع کیا اس کو ”جب مر جائے کوئی مرد تم لوگوں میں سے اور دفن کر چکو اس کو تو چاہئے کہ کھڑا ہو جائے کوئی تم لوگوں میں کا اس کے سرہانے اور یوں کہے اے فلاں بن فلان! بیشک وہ مردہ سنتا ہے پھر کہے اے فلاں بن فلان! بیشک وہ مردہ سنتا ہے پھر کہے اے فلاں بن فلان! پس وہ سیدھا بیٹھ جاتا ہے پھر کہے اے فلاں بن

فلانہ! پس بیشک وہ اسے کہتا ہے کہ رہبری کرو میری رحم کرے گا تم پر اللہ تعالیٰ۔ اس کے بعد اسے کہنا چاہئے کہ ”یاد کرو جس چیز پر تم نکلے ہو دنیا سے (یعنی) اس بات کی شہادت کہ نہیں ہے معبود کوئی سوائے اللہ تعالیٰ کے اور بیشک محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور یقیناً قیامت آنے والی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ اٹھانے والا ہے ان لوگوں کو جو قبروں میں ہیں پس بیشک اس وقت منکر اور نکیر پکڑتے ہیں ہر ایک اپنے ساتھی کے ہاتھ کو اور کہتے ہیں اٹھو کیا کرو گے ایسے مرد کے پاس جو تلقین کیا جا رہا ہے اپنی حجت کہ ہو جائے اللہ تعالیٰ ان دونوں کی طرف سے جھگڑنے والا اس وقت۔“

اسی میں ص (۳۶۹) میں ہے: ”وروی سعید بن منصور عن راشد بن سعد وضمرة بن حسیب و حکیم بن عمیر قالوا اذا سوی علی قبره وانصرف الناس عنه کان یستحب ان یقال للمیت عند قبره یا فلان قل لاله الا الله ثلاث مرات یا فلان قل ربی الله و دینی الاسلام و نبی محمد صلی الله علیه وسلم۔“ سعید بن منصور، راشد بن سعد اور ضمیر بن حسیب اور حکیم بن عمیر سے راوی۔ ان لوگوں نے کہا کہ جب مردے پر مٹی برابر کر دیں اور لوگ اس سے واپس پھریں تو مستحب ہے کہ میت کی قبر کے پاس یہ کہا جاوے اے فلاں کہہ نا لا الہ الا اللہ۔ تین مرتبہ اس کو کہیں۔ اے فلاں کہہ رب میرا اللہ، دین میرا اسلام، نبی میرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔“

علامی شامی رد المحتار جلد اول ص ۶۹۶ میں تحریر فرماتے ہیں: ”قوله ولا یلقن بعد تلحیدہ ذکر فی المعراج انه ظاهر الروایة ثم قال و فی الخبازية والكافی من الشیخ الزاهد الصفار ان هذا قول المعتزلة لان الاحیاء بعد الموت عندهم مستحیل اما عند اهل السنة فالحدیث ای لقنوا موتاكم لا اله الا الله محمول علی حقیقته لان الله تعالى یحبیه علی ما جاء به الآثار وقد روی عنه عنیه الصلاة والسلام انه امر بالتلقین بعد الدفن فیقول یا فلان بن فلانة اذ کردینک الذی کنت علیہ من شهادة ان لا اله الا الله وان محمد رسول الله الخ۔“

”معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ دفن کے بعد تلقین نہ کی جائے۔ اس لئے کہ مرنے کے بعد زندہ ہونا ان کے نزدیک محال ہے اور اہل سنت کے نزدیک لقنوا موتاكم لا اله الا الله اپنی حقیقت پر محمول ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ مردہ کو زندہ کرے گا اور حدیثوں میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دفن کے بعد تلقین کا حکم دیا ہے تو کہے اے فلاں بن فلانہ! یاد کرو اس دین کو جس پر تم دنیا میں تھے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں۔“

گیارہواں طریقہ: دعائے تثبیت کرنا

”عن عثمان بن عفان قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ فقال استغفر والاخیکم واساء لوابالتثبیت فانه الان یسئال“۔ (رواہ ابو داؤد جلد ۲ ص ۱۰۲)۔

ابو داؤد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے راوی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب دفن میت سے فارغ ہوتے، قبر کے پاس ٹھہرتے اور فرماتے کہ اپنے بھائی کے لئے مغفرت کی دعا اور سوال کرو کہ اللہ تعالیٰ اسے قول ثابت پر ثابت و قائم رکھے اس لئے کہ اس وقت وہ سوال کیا جائے گا۔ مگر نکیر اس سے پوچھنے کو آئیں گے۔

”و عن ابن مسعود قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقف علی القبر بعد ما یسوی علیہ فیقول اللہم نزل بک صاحبنا و خلف الدنیا خلف ظہرہ اللہم ثبت عند المسئلة منصفہ و لا تفتنه فی قبرہ بما لا طاقة له بہ“ (رواہ سعید بن منصور)۔ ”سعید بن منصور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد درستی قبر پر ٹھہرتے اور دعا کرتے خداوند امیر اصحابی تیرے پاس اتر اے اور دنیا کو اپنے پیٹھ پیچھے چھوڑا۔ خداوند سوال کے وقت اس کی بولی ثابت و درست رکھ اور قبر میں اسے جانچ میں مبتلا نہ کر جس کی اسے طاقت نہ ہو۔“

”و روی ابن ماجہ و البیہقی فی السنن عن ابن المسیب قال حضرت ابن عمر فی جنازة ابنة له فلما وضعها فی اللحد قال بسم اللہ و فی سبیل اللہ فلما اخذ فی تسوية اللحد قال اللہم اجرها من الشیطان و من عذاب القبر فلما سوی الکثیر علیها قام جانب القبر ثم قال اللہم حاف الارض عن جنبیہا و صعد رو حها و لقها منك رضوانا ثم قال سمعته من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔“

”ابن ماجہ و بیہقی سنن میں حضرت ابن مسیب رضی اللہ عنہ سے راوی کہ میں حضرت ابن عمر کی صاحبزادی کے جنازہ میں حاضر ہوا تو جب آپ نے ان کو لحد میں رکھا تو بسم اللہ و فی سبیل اللہ کہا، جب قبر برابر کرنے لگے تو اللہم اجرها من الشیطان و من عذاب القبر کہا یعنی خداوند اس کو شیطان اور قبر کے عذاب سے بچا اور جب مٹی برابر کر چکے تو قبر کی طرف کھڑے ہوئے اور کہا کہ اے اللہ قبر کو دونوں طرف سے پھیلا دے اور اس کی روح کو بلند فرما اور اس سے رضا مندی کے ساتھ ملاقات کر۔ پھر کہا کہ اسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔“

”و روی ابن ابی شیبہ عن قتادہ ان انسا دفن ابنا له فقال اللہم جاف الارض عن جنبیہ و افتح ابواب السماء لروحہ ابد له دار اخیر امن دارہ“۔ ”ابن ابی شیبہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے راوی کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادہ کو دفن کیا پس کہا خداوند از میں کو اس کی دونوں جانب سے کشادہ فرما اور اس کی روح

کے لئے آسمان سے دروازے کھول دے اور اس کا گھر بدل دے جو دنیوی گھر سے بہتر ہو۔“

حکیم ترمذی نوادر الاصول میں فرماتے ہیں: ”الوقوف علی القبر و سوال التثبیت فی وقت الدفن مدد للمیت بعد الصلاة لان الصلاة بجماعة المومنین کالعسکر له و قد اجتمعوا بباب الملك یشفعون له والوقوف علی القبر و سوال التثبیت فی وقت الدفن مدد للعسکر و ذلك ساعة شغل المیت“۔ (الکل من شرح الاحیاء ج ۱ ص ۳۶۸)۔ ”قبر پر ٹھہرنا اور ثابت قدم رہنے کی دعا کرنا دفن کے وقت، یہ نماز جنازہ کے بعد میت کی مدد ہے۔ اس لئے کہ جماعت مومنین کے ساتھ نماز پڑھنا مثل لشکر کے ہے۔ بادشاہ کے دروازہ پر ٹھہرنا اور ثابت قدم رہنے کی دعا کرنا۔ اس لشکر کی مدد ہے۔ کیونکہ یہ وقت میت کی مشغولی کا ہے۔“

بارہواں طریقہ بعد دفن قبر پر اذان دینا

امام احمد و طبرانی و بیہقی حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے راوی: ”قال لما دفن سعد بن معاذ (زاد فی روایۃ) و سوی علیہ سبوح النبی صلی اللہ علیہ وسلم و سبح الناس معہ طویلاً ثم کبر و کبر الناس ثم قالوا یا رسول اللہ لم سبحت (زاد فی روایۃ) ثم کبرت قال لقد تضایق علی خد لرحل الصالح قبر حتی فرجه اللہ تعالیٰ عنہ“۔ ”جب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ دفن ہو چکے اور قبر درست کر دی گئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک سبحان اللہ سبحان اللہ فرماتے رہے اور صحابہ کرام بھی حضور کے ساتھ کہتے رہے پھر حضور اللہ اکبر اللہ اکبر فرماتے رہے اور صحابہ بھی حضور کے ساتھ کہتے رہے۔ پھر صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! حضور اول تسبیح پھر تکبیر کیوں فرماتے رہے؟ ارشاد فرمایا: اس نیک مرد پر اس کی قبر تک ہوئی تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے وہ تکلیف اس سے دور کر دی اور قبر کشادہ فرمادی۔“

علامہ طیبی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: ”ای ما زلت اکبر و تکبرون واسبح و تسبحون حتی فرجه اللہ“۔ ”حدیث کے معنی یہ ہیں کہ برابر میں اور تم اللہ اکبر اللہ اکبر سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس تنگی سے انہیں نجات بخشی۔“

اقول اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میت پر آسانی کے لئے بعد دفن کے قبر پر اللہ اکبر اللہ اکبر بار بار فرمایا ہے اور یہی کلمہ مبارکہ اذان میں چھ بار ہے تو عین سنت ہوا۔ غایت یہ کہ اذان میں اس کے ساتھ کلمات طیبات زائد ہیں، سوان کی زیادت نہ معاذ اللہ کچھ مُضر، نہ اس امر مسنون کے منافی بلکہ زائد مفید و مؤند مقصود ہے کہ رحمت الہی اتارنے کے لئے ذکر خدا کرنا تھا۔ علاوہ بریں بالاتفاق سنت اور حدیثوں سے ثابت اور ثابت میں ثابت کہ میت کے پاس حالت نزع میں کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کہتے رہیں کہ اسے سن کر یاد ہو۔

حدیث میں ہے: ”لَقِنُوْا مَوْتَكُمْ اِلَّا اِلَهَ اِلٰهٍ اِلَّا اِلَهَ اِلٰهٍ سَكَّاهُ“ (رواہ الامام احمد و مسلم و ابو داؤد و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ عن ابی سعید المخدري و ابن ماجہ كمسلم عن ابی هريرة و كالنسائی عن ام المومنین عائشت رضی اللہ عنہم)۔

اب جو نزاع میں ہے وہ مجازاً مراد ہے اور اسے کلمہ اسلام سکھانے کی حاجت کہ بحول اللہ خاتمہ اسی پاک کلمے پر ہو اور شیطان لعین کے بھلانے میں نہ آئے اور جو دفن ہو چکا حقیقتہً مردہ ہے اور اسے بھی کلمہ پاک سکھانے کی حاجت کہ بعون اللہ جواب یاد ہو جائے اور شیطان رجیم کے بہکانے میں نہ آئے اور بیشک اذان میں یہ کلمہ لا الہ الا اللہ تین جگہ موجود بلکہ اس کے تمام کلمات جواب نکیرین بتاتے ہیں۔ اُن کے سوال تین ہیں من ربك تیرا رب کون ہے، ما دینک تیرا دین کیا ہے۔ ما کنت تقول فی هذا الرجل تو اس مرد یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا اعتقاد رکھتا تھا۔ اب اذان کی ابتداء میں اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر، اشہد ان لا الہ الا اللہ اشہد ان لا الہ الا اللہ اور اخیر میں اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ، من ربك سکھائیں گے۔ ان کے سننے سے یاد آئے گا میرا رب اللہ ہے اور اشہد ان محمد رسول اللہ اشہد ان محمد رسول اللہ سوال ما کنت تقول فی هذا الرجل کا جواب تعلیم دیں گے کہ میں انہیں اللہ کا رسول جانتا تھا اور حی علی الصلاة حی علی الفلاح جواب ما دینک کی طرف اشارہ کریں گے کہ میرا دین وہ تھا جس میں نماز رکن و ستون ہے کہ الصلاة عما دال دین تو بعد دفن اذان دینا عین ارشاد کی تعمیل ہے جو نبی صلی اللہ علی وسلم نے حدیث صحیح مذکور میں فرمایا۔ نیز علم والا ہر شخص جانتا ہے کہ جب بندہ قبر میں رکھا جاتا ہے اور سوال نکیرین ہوتا ہے۔ شیطان رجیم (اللہ عزوجل صدقہ اپنے محبوب کریم علیہ و افضل الصلاة و التسليم کا ہر مسلمان مرد و زن کو حیات و ممات میں اس کے شر سے محفوظ رکھے) وہاں بھی خلل انداز ہوتا ہے اور بخواب میں بہکاتا ہے و العباد بوجه العزيز الكريم و لا حول و لا قوة الا بالله العلی العظيم۔

امام ترمذی محمد بن علی نوادر الاصول میں امام اجل سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں: ”و یؤندہ من الاخبار قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند دفن الميت اللہم اجرہ من الشیطان فلو لم یکن للشیطان هناك سبیل ما دعا صلی اللہ علیہ وسلم بذلك“۔ ”وہ حدیثیں اس کی موید ہیں جن میں وارد کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میت کو دفن کرتے وقت دعا فرماتے: الہی اے شیطان سے بچا۔ اگر وہاں شیطان کا کچھ دخل نہ ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیوں کرتے اور صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ اذان شیطان کو دفع کرتی ہے۔“

صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہا میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

فرماتے ہیں: ”اذا اذن الموزن ادبر الشيطان وله حصا ص“۔ ”جب موزن اذان کہتا ہے شیطان پیٹھ پھر کر گوزناں بھاگتا ہے۔“ صحیح مسلم کی حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے واضح کہ چھتیس میل تک بھاگ جاتا ہے اور خود حدیث میں حکم آیا جب شیطان کا کھٹکا ہو فوراً اذان کہو کہ وہ دفع ہو جائے گا۔ اخرجہ الامام ابو القاسم سلیمان بن احمد والطبرانی فی اوسط معاجیمہ عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

ہم نے اپنے رسالہ ”نسیم الصبا فی ان الاذان بحول الوبا“ میں اس مطلب پر بہت احادیثیں نقل کیں اور جب ثابت ہو گیا کہ وہ وقت عیاذ باللہ مداخلت شیطان لعین کا ہے اور ارشاد ہوا کہ شیطان اذان سے بھاگتا ہے اور ہمیں حکم آیا کہ اس کے دفع کو اذان کہو تو یہ اذان خاص حدیثوں سے مستنبط بلکہ عین ارشاد شارع کے مطابق اور مسلمان بھائی کی عمدہ امداد و اعانت ہوئی جس کی خوبیوں سے قرآن و حدیث مالا مال۔ اس مسئلہ میں اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد مآۃ حاضرہ جناب مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہ القوی نے ایک مستقل رسالہ بنام ”ایذان الاجرفی اذان القبر“ تصنیف فرمایا جس میں پندرہ دلیلوں سے اس مسئلہ کو مدلل فرمایا۔ یہ تین دلیلیں اسی رسالہ سے ماخوذ ہیں۔ اس کے علاوہ بعض علمائے دین نے میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان کہنے کو سنت فرمایا۔ امام ابن حجر مکی اپنے فتاویٰ اور علامہ خیر الدین رملی استاد صاحب درمختار نے حاشیہ ”بحر الرائق“ میں ان کا یہ قول نقل فرمایا۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ”ملفوظات عزیزی“ میں ہے: ”عمل مشائخ ست کہ اذان بر قبر بعد دفن می گویند“۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعد دفن قبر پر اذان دینا بزرگوں سے چلا آ رہا ہے اور وہ سب حدیثیں اس عمل خیر کی اصل ہیں۔ واللہ البہادی۔

تیرھواں طریقہ: قبر کے اوپر کھجور کی شاخ یا کوئی لکڑی یا کوئی سبزی وغیرہ رکھنا

”عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال مر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بحائط من حیطان المدینۃ او مکۃ فسمع صوت انسانین یعذبان فی قبورہما فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعذبان وما یعذبان فی کبیر ثم قال بلیٰ کان احدہما لا یستتر من بولہ و کان الآخر یمشی بالنمیمۃ ثم دعا بحریۃ فکسرہا کسرتین فوضع علی کل قبرہما کسرة فقیل لہ یا رسول اللہ! لم فعلت هذا؟ قال لعلہ ان ینخف عنہما مالہم تیسا (رواہ البخاری و مسلم و ابو داؤد و الترمذی و النسائی و ابی ناعۃ)

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ گزرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مکہ یا مدینہ کے باغوں سے کسی باغ میں تو دو آدمیوں کی آواز سنی کہ ان پر قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔ حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں پر عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑی بات میں عذاب نہیں ہو رہا جس سے بچنا مشکل ہو۔ پھر فرمایا ان میں ایک آدمی تو اپنے پیشاب سے پرہیز نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغل خوری کرتا تھا پھر کھجور کی ایک تر شاخ منگوائی اور اس کو دو ٹکڑا کیا اور ہر قبر پر ایک ٹکڑا رکھا۔ صحابہ نے عرض کی حضور نے ایسا کس لئے کیا؟ فرمایا تاکہ ان دونوں پر عذاب میں تخفیف ہو جب تک یہ دونوں خشک نہ ہوں۔“

علامہ یعنی شرح بخاری جلد اول ص ۸۷۴ میں فرماتے ہیں: ”قوله لعله ان يخفف عنهما اي لعله يخفف ذلك من ناحية التبرك باثر النبي عليه الصلاة والسلام و دعائه بالتخفيف عنهما فكان صلى الله عليه وسلم جعل مدة بقاء الندوة فيهما حدا لما وقعت المسالة من تخفيف العذاب عنهما وليس ذلك من اجل ان في الرطب معنى ليس في اليابس قاله الخطابي وقال النووي قال العلماء وهو محمول على انه صلى الله عليه وسلم سائل الشفاعة لهما فاجبت شفاعته بالتخفيف عنهما انى ان يبسا وقيل يتحمل انه صلى الله عليه وسلم يدعولهما تلك المدة وقيل لكونهما يسبحان مادامت رطبتين وليس لليابس تسبيح قالوا في قوله تعالى وان من شئ الا يسبح بحمده معناه وان شئى حتى ثم حياة كل شئ بحسبه فحياة الخشب مالم يبس وحياة الحجر مالم يقطع“۔

”تخفيف عذاب کے سبب میں علما کے متعدد اقوال ہیں۔ علامہ خطابی نے کہا کہ تخفیف عذاب بوجہ برکت اثر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و دعائے تخفیف ہے کہ حضور نے جریدہ کی تری کا باقی رہنا، تخفیف عذاب کی حد قرار دیا اور اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ تر لکڑی میں کوئی ایسی خوبی ہے جو خشک میں نہیں۔ علامہ نووی نے فرمایا کہ علمائے کرام فرماتے ہیں: یہ اس بات پر محمول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تک وہ دونوں لکڑیاں خشک نہ ہوں، ان دونوں کے تخفیف عذاب کی دعا و سفارش فرمائی تو تا خشک ہونے ان کے، حضور کی شفاعت دربارہ تخفیف عذاب مقبول ہوئی اور یہ بھی کہا گیا ہے احتمال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مدت تک ان دونوں کے لئے دعا کرتے ہوں اور ایک قول یہ بھی ہے کہ تخفیف عذاب اس وجہ سے ہو کہ جب تک وہ دونوں تر ہیں، خداوند عالم کی تسبیح کرتے ہیں اور اس سے تخفیف عذاب ہوتی ہے اور خشک شاخ تسبیح نہیں کرتی۔ علمائے ان من شئى الا يسبح بحمده کے معنی میں کہا کہ کوئی زندہ چیز نہیں جو خدا کی تسبیح نہ کرتی ہو پھر ہر چیز کی حیات اس کے مطابق ہوتی ہے۔ لکڑی کی حیات اس وقت تک ہے کہ خشک نہ ہو اور پتھر کی حیات اس وقت تک ہے کہ کاٹا نہ جائے۔“

فتح الباری شرح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی جلد اول ص ۲۲۳ میں ہے: ”وقد قيل ان المعنى فيه انه

يسبح مادام رطبا فيحصل التخفيف ببركة التسبيح وعلى هذا فيطر دفى كل مافيه رطوبة من الا

شجار و غیرہا و كذلك فيما فيه بركة كالذكر وتلاوة القرآن من باب الاولى وقد تاسى بريدة بن الخصيب الصحابي، بذلك فاوصى ان توضع على قبره جرید تان كما سيأتى فى الجنائز من هذا الكتاب وهو اولى ان يتبع من غيره“۔

”اور کہا گیا ہے کہ تخفیف عذاب کی وجہ یہ ہے کہ کھجور کی شاخ جب تک تر رہے گی، خدا کی پاکی بیان کرے گی تو تسبیح کی برکت سے عذاب میں تخفیف ہوگی اور اس بنا پر یہ برکت درخت وغیرہ ہر اس چیز کو عام ہوگی جس میں تری ہے۔ اسی طرح ہر اس چیز میں جو تبرک ہے اور جیسے ذکر اور تلاوت قرآن میں بدرجہ اولیٰ یہ برکت ہوگی اور حضرت بریدہ ابن الخصیب صحابی رضی اللہ عنہ نے اس کی پیروی کی۔ وصیت کی کہ ان کی قبر پر دو شاخ کھجور کی رکھی جائے۔ اس کا بیان اسی کتاب کے ”باب الجنائز“ میں آئے گا اور حضرت بریدہ زیادہ مستحق اس امر کے ہیں کہ ان کی پیروی کی جائے باعتبار دوسروں کے“۔

ارشاد الساری شرح بخاری علامہ خطیب قسطلانی جلد ۲ ص ۳۷۱ میں ہے: ”او ان المعنى فيه انه يسبح مادام رطباً فيحصل التخفيف ببركة التسبيح و حينئذ فيطر دفى كل مافيه رطوبة من الرياحين والبقول وغيرها وليس للبا بس تسبيح قال تعالى ان من شئى الا يسبح بحمده اى شى حى و حياة كل شئى بحنسه فالخشب مالم يبس والحجر ماله يقطع من معدنه“۔ ”اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک وہ شاخ تر رہے، گی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرے گی تو تسبیح کی برکت سے عذاب میں تخفیف ہوگی اور اس وقت ہر اس چیز کو جس میں تری ہے، یہ حکم عام ہوگا، خوشبو ہو یا سبزی وغیرہ اور خشک چیز تسبیح نہیں کرتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يا و ان من شئى۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نہیں کوئی زندہ چیز مگر وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے اور زندگی ہر چیز کی اس کے مناسب ہوتی ہے تو لکڑی کی زندگی اس وقت تک ہے کہ خشک نہ ہو اور پتھر کی اس وقت تک ہے کہ اپنے کان سے کاٹا نہ جائے“۔

امام جلال الدین سیوطی ”شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور“ میں فرماتے ہیں: ”قال الخطابي هذا عند اهل العلم محمول على ان الاشياء مادامت على اصل خلقها و حضرتها او طراوتها فانها تسبح حتى يخفف رطوبتها او تحول حضرتها و يقطع عن اصلها وقال غير الخطابي فاذا خفف عنها تسبيح الجرید فكيف بقراءاة المومن القرآن قال هذا الحديث اصل فى غرس المومن الاشجار عند القبور واخرج ابن عساكر من طريق حماد بن سلمة عن قتادة ان ابا هريرة الاسلمى رضى الله عنه كان يحدث ان رسول الله صلى الله عليه وسلم مر على قبر و صاحبه يعذب فاخذ جريدة ففرسها فى القبر و قال عسى ان يرفعه عنه مادامت رطبة فكان ابو هريرة يوصى اذامت

فَضَعُوا فِي قَبْرِ مِي جَرِيدَتَيْنِ قَالَ فَمَاتَ فِي مَفَازَةٍ بَيْنَ كَرْمَانَ وَقَوْمَسَ فَقَالُوا ابْوَصِيئَانِ نَضَعُ فِي قَبْرِهِ جَرِيدَتَيْنِ وَهَذَا مَوْضِعٌ لَا نَضِيْبُهَا فِيْهِ فَبِنَا هُمْ كَذَلِكَ اِذْ طَلَعَ عَلَيْهِمْ رَكْبٌ مِنْ قَبْلِ سَجِسْتَانَ فَاصَابُوا مَعَهُمْ سَعْفًا فَخَذُوا جَرِيدَتَيْنِ فَوَضَعُوهُمَا مَعَهُ فِي قَبْرِهِ وَ اَخْرَجَ ابْنُ سَعْدٍ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ اَوْصَى بِرِيْدَةٍ اَنْ يَجْعَلَ فِي قَبْرِهِ جَرِيدَتَانِ۔

”علامہ خطابی نے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ان دونوں کی قبروں پر جریدہ رکھنا، اس بات پر محمول ہے کہ اشیا جب تک اپنی اصل خلقت اور سبزی و تری پر رہتی ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہیں، یہاں تک کہ اس کی رطوبت خشک ہو یا اس کی سبزی جاتی رہے یا اصل سے وہ چیز قطع کر دی جائے۔ اور خطابی کے سوا دیگر علما نے فرمایا کہ جب یہ سبب تسبیح شاخ خرمان دونوں مردوں سے عذاب میں تخفیف کی گئی تو مومن کے قرآن شریف پڑھنے کے سبب کس قدر تخفیف ہوگی اور یہ حدیث مسلمانوں کی قبروں کے پاس درخت لگانے کی اصل ہے اور ابن عساکر نے بطریق حماد بن سلمہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ابو ہریرہ سلمی رضی اللہ عنہ حدیث شریف بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر پر گزرے اور قبر والے شخص پر عذاب کیا جا رہا تھا تو حضور نے کھجور کی ایک شاخ لے کر اس کو اس قبر پر گاڑ دیا اور فرمایا کہ جب تک یہ شاخ تر رہے گی، اللہ تعالیٰ اس مردہ سے عذاب اٹھالے گا اور ابو ہریرہ وصیت کرتے تھے کہ جب میں مروتوں تو میری قبر میں کھجور کی دو شاخ تر رکھنا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اتفاق وقت کہ ان کا انتقال کرمان اور قوس کے درمیان ایک میدان میں ہوا۔ لوگوں نے کہا ان کی وصیت یہ تھی کہ ان کی قبر میں کھجور کی دو شاخیں رکھیں اور یہ ایسی جگہ ہے جہاں کھجور کی شاخ نصیب نہیں۔ بس ہم لوگ اسی شش و پنج میں تھے کہ جہتان کی طرف سے ایک جماعت آتی ہوئی نظر آئی۔ ان کے ساتھ کھجور کی شاخیں تھیں۔ لوگوں نے ان سے دو شاخیں لے لیں اور ان کی قبر میں رکھا۔“

علامہ ابن حجر مکی فتاویٰ حدیثیہ ص ۲۰۰ میں اس حدیث بخاری کے متعلق سوال کے جواب میں تحقیق و تفصیل کے بعد لکھتے ہیں: ”و بما قررته يعلم انه يسن لكل احدا اتبا عاله صلى الله عليه وسلم فان الاصل في افعاله صلى الله تعالى عليه وسلم التاسي الا ما دل دليل على الخصوصية ولا دليل ههنا فندب التاسي به صلى الله عليه وسلم في ذلك“۔ ”اور جو کچھ میں نے تقریر کیا، اس سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کے لئے مسنون ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے اتباع میں قبر پر شاخ تر خرما کی رکھے۔ اس لئے کہ اصل حضور کے افعال میں اقتدا کرنا ہے۔ ہاں! جب کوئی دلیل خصوصیت کی ہو تو البتہ مخصوص ہوگا اور اس جگہ کوئی دلیل تخصیص نہیں تو اس مسئلہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرنا مندوب و مستحسن ہوگا“

فقیر غفر له المولی القدر کہتا ہے کہ اس حدیث سے علمائے کرام نے تین مسئلے استنباط فرمائے ہیں۔ اول یہ کہ قبر کے پاس قرآن شریف کی تلاوت مستحب و مندوب ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۲۸۶ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ”واستحب العلماء قراءة القرآن عند القبر لهذا الحديث اذ تلاوة القرآن أولى بالتخفيف من تسبيح الجريد و قد ذكر البخاري ان بريدة بن الحصيب الصحابي اوصى ان يجعل في قبره جريدتان فكانه تبرك بفعل مثل فعل رسول الله ﷺ“۔ ”علمائے اس حدیث سے قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنا مستحب بتایا ہے۔ اس لئے کہ قرآن شریف کی تلاوت تخفیف عذاب میں تسبیح جریدہ سے ضرور اولیٰ ہے اور بخاری نے ذکر کیا کہ بریدہ بن حصیب صحابی نے وصیت کی کہ ان کی قبر میں دو شاخیں کھجور کی رکھی جائیں تو گویا انہوں نے مثل فعل رسول سے برکت لینا چاہا۔“

یعنی شرح بخاری جلد اول ص ۸۷۴ میں ہے: ”واستحب العلماء قراءة القرآن عند القبر لهذا الحديث لانه اذا كان ير جى التخفيف بتسبيح الجريد فتلاوة القرآن أولى“۔ ”اس حدیث سے علمائے قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنا مستحب قرار دیا۔ اس لئے کہ جب تسبیح جریدہ سے تخفیف عذاب کی امید ہے تو تلاوت قرآن سے تخفیف عذاب بدرجہ اولیٰ ہوگی۔“

شرح احیاء العلوم علامہ سید مرتضیٰ زبیدی جلد ۱۰ ص ۳۶۹ میں ہے: ”قال السيوطي في شرح الصدور واما قراءة القرآن على القبر فجزم بمشرو عيتها اصحابنا و غيرهم قال الزعفراني سئلت الشافعي عن القراءة عند القبر فقال لا بأس به وقال النووي في شرح المذهب يستحب لزائر القبور ان يقرأ ما تيسر من القرآن ويدعولهم عقبها نص عليه الشافعي واتفق عليه الا أصحاب زاد في موضع آخر وان ختموا القرآن على القبر كان افضل وقد سئل الشمس محمد بن علي بن محمد بن عيسى العسقلاني الكنانى السهمودى الشافعي عرف بابن القطان المتوفى ۸۱۳ وهو من مشايخ الحافظ ابن حجر عن مسائل فاجاب ومنها و هل يصل ثواب القراءة للميت ام لا؟ فاجاب عنها في رسالة سماها ”القول بالا حسان العميم في انتفاع الميت بالقرآن العظيم“ وانا اذكر منها ما يليق بالمقام الاختصار قال رحمه الله: ”اختلف العلماء في ثواب القراءة للميت فذهب الاكثرون الى المنع وهو المشهور من مذهب الشافعي ومالك و نقل عن جماعة من الحنفية وقال كثير منهم يصل وبه قال الامام احمد بعد ان قال القراءة على القبر بدعة بل نقل عنه انه يصل الى

المیت کل شیء من صدقة وصلاة وحج وصوم واعتکاف وقراءة وذكر وغير ذلك ونقل ذلك عن جماعة من السلف ونقل عن الشافعی انتفاع المیت بالقراءة علی قبره واختار شيخنا شهاب الدين بن عقيل وتواتر ان الشافعی زار الليث بن سعد واثنى عليه خيرا وقرأ عنده ختمة وقال ارجوان تدوم فكان الامر كذلك وقال القرطبي قد استدل بعض علمائنا علی قراءة القرآن علی القبر بحديث العسیب الرطب الذي شقه النبی ﷺ باثنين ثم غرس علی قبر نصفاه وقال لعله يخفف عنهما ما لم ييبسارواه الشيخان قال ويستفاد من هذا غرس الاشجار وقراءة القرآن علی القبور واذلخفف عنهم بالاشجار فكيف بقراءة الرجل المؤمن القرآن وقال النووي استحباب العلماء قراءة القرآن عند القبور واستأنسو ذلك بحديث الجريدين وقالوا اذا وصل النفع إلى المیت بتسبيحهم حال رطوبتهما فانتفاع المیت بقراءة القرآن عند قبره أولى فان قراءة القرآن من انسان اعظم وانفع من التسبيح من عوداه۔

”امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں تحریر فرماتے ہیں: قرآن شریف کا قبر پر پڑھنا تو ہمارے اصحاب اور دوسروں نے اس کے مشروع ہونے کا یقین کیا۔ امام زعفرانی نے کہا کہ میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنے کا مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا اس میں مضائقہ نہیں۔ علامہ نووی نے شرح مہذب میں فرمایا: زائر قبور کے لئے مستحب ہے کہ جس قدر بآسانی قرآن شریف پڑھ سکے، اتنا قرآن پڑھے، اس کے بعد مردوں کے لئے دعا کرے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس پر نص فرمایا اور دوسری جگہ اس قدر اور زیادہ کیا کہ اگر ایک ختم قرآن کا مل کریں تو اور بہتر ہے اور علامہ شمس محمد بن علی عسقلانی کنانی سہودی شافعی استاذ علامہ عصر حافظ ابن حجر عسقلانی معروف بہ ابن القطان (متوفی ۸۱۳ھ) سے چند مسئلے دریافت کئے گئے تو آپ نے ان کے جوابات دیئے۔ منجملہ ان مسائل کے ایک مسئلہ یہ ہے کہ کیا قرآن شریف پڑھ کر بخشش سے مردہ کو ثواب ملتا ہے یا نہیں؟ آپ نے اس کے جواب میں ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا جس کا نام ”القول بالاحسان العمیم فی انتفاع المیت بالقرآن العظیم“ رکھا اور ہم اس سے تھوڑا سا حسب مناسب مقام اختصار کے ساتھ اس جگہ ذکر کرتے ہیں: ”مردے کو قراءة قرآن شریف کا ثواب پہنچنے میں علما کا اختلاف ہے اکثر لوگ منع کی طرف گئے ہیں اور یہی مشہور مذہب امام شافعی کا ہے اور امام مالک و جمہور حنفیہ سے منقول ہے اور اکثر حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ میت کو قرأت کا ثواب پہنچتا ہے۔ امام احمد بن حنبل بھی اسی کے قائل ہیں۔ البتہ پہلے یہ کہتے تھے کہ قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنا بدعت ہے۔“ (حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں)

ان سے منقول ہے کہ مردے کو سب کچھ پہنچتا ہے صدقہ ہو یا نماز، حج، روزہ، اعتکاف، قراءة قرآن، ذکر

وغیرہ اور اسے سلف صالحین کی ایک جماعت سے نقل کیا اور قبر پر قرآن شریف پڑھنے سے میت کا نفع اٹھانا، امام شافعی سے منقول ہے اور اسی کو ہمارے استاد شہاب الدین عقیلی نے پسند فرمایا اور امام شافعی سے متواتر طریقہ پر ثابت ہے کہ انہوں نے لیث بن سعد کی قبر کی زیارت کی اور ان کی تعریف بیان کی اور وہاں ایک ختم قرآن شریف پڑھا اور فرمایا میں امید کرتا ہوں کہ یہ قرأت ہمیشہ جاری رہے۔ پس ویسا ہی واقع ہوا۔ علامہ قرطبی نے کہا کہ بعض علما نے قبر پر قرآن شریف پڑھنے کے جواز پر شاخ خرما والی حدیث سے استدلال کیا ہے، جس میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے شاخ خرما کو دو نصف کیا اور ایک نصف ایک قبر پر اور دوسرا دوسرے پر نصب کیا اور فرمایا کہ جب تک یہ دونوں تر رہیں، اللہ تعالیٰ ان دونوں مردوں پر عذاب میں تخفیف فرمائے گا۔ اس حدیث کو شیخین نے روایت کیا اور کہا کہ اس حدیث سے قبر پر درخت کا نصب کرنا اور قرآن شریف پڑھنا مستفاد ہوتا ہے کہ جب شاخ درخت کی وجہ سے تخفیف عذاب ہو تو قرآن مجید کے مفید ہونے کا کیا کہنا۔ علامہ نووی نے فرمایا کہ علما نے قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنا مستحب جانا اور حدیث ”جرید تین“ سے استدلال کیا اور فرمایا کہ جب شاخ تر کی تسبیح سے مردہ کو فائدہ ہوتا ہے تو قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنے سے نفع ہونا بدرجہ اولیٰ ہے۔ اس لئے کہ انسان کا قرآن شریف پڑھنا لکڑی کی تسبیح کرنے سے رتبہ میں اعظم اور فائدہ میں نفع ہے۔ فقیر غفرلہ المولیٰ القدیر کہتا ہے کہ علامہ ابن قتان کا ”فذهب الاکثرون الى المنع“ فرمانا محل نظر ہے۔ اس لئے کہ علمائے راسخین کی تحقیق و تصریح کے خلاف ہے۔

ملا علی قاری علیہ رحمۃ اللہ الباری مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۶ ص ۳۸۲ میں فرماتے ہیں: ”اختلف فی وصول ثواب القرآن للہب فجمهور السلف والائمة الثلاثة علی الوصول وخالف فی ذلك امامنا الشافعی مستدلا بقولہ تعالیٰ ”وان لیس للانسان الا ما سعی“ واجاب الاولون عن الایۃ بوجوہ۔ احدها انها

”ان کے اس قول سے رجوع کرنے کا واقعہ امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے علی بن موسیٰ حداد کہتے ہیں کہ میں امام احمد بن حنبل کے ساتھ ایک جنازہ میں گیا اور محمد بن قدامہ جو ہری بھی ہمارے ساتھ تھے۔ جب مردہ کو دفن کر چکے تو ایک نابینا آیا اور قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنے لگا۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ اے شخص! قبر کے پاس قرآن شریف پڑھنا بدعت ہے۔ جب ہم لوگ قبرستان سے نکلے تو محمد بن قدامہ نے امام احمد بن حنبل سے کہا: اے ابو عبد اللہ! مبشر بن اسماعیل حلبی کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا: وہ ثقہ ہیں۔ پوچھا کہ آپ نے ان سے کچھ لکھا ہے؟ فرمایا ہاں! بولے کہ مجھے مبشر بن اسماعیل نے عبد الرحمن بن علاء بن جراح سے خبر دی کہ وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے وصیت کی کہ دفن کے بعد ان کے سر ہانے فاتحہ بقرہ خاتمہ بقرہ پڑھی جائے اور انہوں نے کہا کہ میں نے ابن عمر سے سنا کہ اس کی وصیت کرتے تھے۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ جاؤ اس نابینا کو کہہ دو کہ قرآن شریف پڑھو (احیاء العلوم بر حاشیہ شرح مرتضیٰ زبیدی جلد ۱ ص ۳۷۰) منہ غفرلہ“

منسوخة بقوله تعالى: "والذين آمنوا واتبعتهم ذريتهم بايمان الحقنا بهم ذريتهم" الآية ادخل الابناء الحنة بصلاح الآباء۔ الثانی انها خاصة بقوم ابراهيم و موسى عليهما الصلاة والسلام فاما هذه الامة فلها ماسعت و ماسعی بها قاله عكرمة۔ الثالث المراد بالانسان ههنا الكافر فاما المؤمن فله ما سعى لها قاله الربيع ابن انس۔ الرابع ليس للانسان الا ماسعی من طريق العدل فاما من باب الفضل فجائز ان يزيدہ اللہ ماشاء قاله الحسين بن فضل۔ الخامس ان اللام فی للانسان بمعنى علی ای ليس علی الانسان الا ماسعی واستدلوا علی الوصول بالقياس علی الدعاء و الصدقة و الصوم و الحج و العتق لانه لا فرق فی نقل الثواب بین ان يكون عن حج او صدقة او وقف او دعاء او قراءة وبالاحادیث المذكورة وهی وان كانت ضعيفة فمحموعة يدل علی ان لذلك اصلا وان المسلمين ما زالوا فی کل مصر و عصر یجتمعون و یقرؤن لموتاهم من غیر نكیر فكان ذلك اجماع۔ ذکر ذلك كله الحافظ شمس الدین بن عبد الواحد المقدسی الحنبلی فی جزء الفہ فی المسئلة ثم قال السیوطی واما القراءة علی القبر فحزم بمشرو عینہا اصحابنا و غیرہم۔

”امام سیوطی فرماتے ہیں: مردے کو قرآن شریف کا ثواب پہنچنے میں اختلاف ہے۔ جمہور سلف اور ائمہ ثلاثہ کا یہ مذہب ہے کہ پہنچتا ہے اور ہمارے امام شافعی نے اس مسئلہ میں خلاف کیا اور اس آیت کے ساتھ استدلال کیا کہ ليس للانسان الا ماسعی اور پہلے مذہب والوں نے اس کے پانچ جواب دیئے ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے، مانع اس کا ”والذين آمنوا واتبعتهم ذريتهم بايمان الحقنا بهم ذريتهم“ ہے تو اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آباء کی صلاح کی وجہ سے اولاد جنت میں جائے گی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حکم حضرت ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کی امت کا ہے لیکن امت محمدیہ کے لئے دونوں ہیں۔ جو اس نے سعی کیا اور جو اس کے لئے سعی کیا گیا۔ یہ قول عکرمہ کا ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ اس جگہ انسان سے کافر مراد ہے لیکن مومن کے لئے جو وہ سعی کرے اور جو اس کے لئے سعی کیا جائے۔ یہ قول ربیع بن انس کا ہے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ انسان کے لئے بطریق عدل وہی ہے جو اس نے کیا، البتہ بطریق فضل و احسان جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ جس قدر زائد دے۔ یہ قول حسین بن فضل کا ہے۔ یا پنجواں جواب یہ ہے کہ ليس للانسان میں لام بہ معنی علی ہے یعنی انسان پر مواخذہ نہیں مگر اسی کا جو اس نے کیا

اور پہلی جماعت اپنے مذہب پر (یعنی ثواب مردے کو پہنچتا ہے) یہ دلیلیں پیش کرتی ہے: اول دعا، صدقہ، روزہ، حج، آزاد کرنے پر قیاس ہے کہ جب ان سب چیزوں کا ثواب پہنچتا ہے تو ان میں اور قرأت قرآن میں کوئی فرق نہیں کہ ان سب چیزوں کا ثواب پہنچے اور قرأت قرآن کا ثواب نہ پہنچے۔ دوم اس قیاس کے علاوہ ان احادیث سے دلیل لائے ہیں

جو مذکور ہوئیں اور یہ حدیثیں اگرچہ ضعیف ہیں لیکن ان سب کے مجموعے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس کی اصل ہے اور بلاشبہ مسلمان ہر زمانہ اور ہر شہر میں برابر بلا انکار جمع ہوتے اور اپنے مردوں کے قبر پر قرآن پڑھا کرتے تھے تو یہ اس فعل پر اجماع ہوا۔ یہ سب کچھ حافظ شمس الدین بن عبد الواحد مقدسی حنبلی نے ایک مستقل رسالہ میں لکھا ہے جو خاص اسی مسئلہ کے متعلق تصنیف کیا۔ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ قبر پر قرآن شریف پڑھنے کے مشروع ہونے پر ہمارے اصحاب اور ان کے غیر نے جزم و یقین کیا۔“

تو ان تمام عبارات و تصریحات سے واضح ہوا کہ میت کے لئے قرآن شریف پڑھنے کا مشروع ہونا، نہ صرف ائمہ ثلاثہ بلکہ چاروں اماموں کا مذہب ہے پھر علامہ ابن قطان کا مذہب الاکثرون الی المنع کہنا، کس طرح قابل قبول ہو سکتا ہے؟

نباتات جس وقت تک سبز رہتی ہیں خدا کی تسبیح کرتی ہیں!

دوسرا مسئلہ جو اس حدیث سے علما نے استنباط فرمایا وہ یہ ہے کہ نباتات جس وقت تک سبز رہتی ہیں خدا کی تسبیح کرتی ہیں اور اس سے میت کو انس حاصل ہوتا ہے اس لئے قبرستان سے سبز گھانسون کا اکھاڑنا، کاٹنا ممنوع و مکروہ ہے۔ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: ”ویکره قطع الحشیش الرطب من المقبرة فان کان یا بسا لا یاس به لانه مادام رطباً یسبح فیونس المیت وعن هذا قالوا لا یتحب قلع الحشیش الرطب من غیر الحاجة“۔ ”قبرستان سے تر گھاس کا کاٹنا مکروہ ہے۔ اگر خشک ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ جب تک گھاس تر رہتی ہے، خدائے تعالیٰ کی تسبیح کرتی رہتی ہے جس کی وجہ سے میت کو خوشگوار کی احساس ہوتا ہے۔ اسی بنا پر فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ بلا وجہ تر گھاس کو نہیں کاٹنا چاہئے۔“

فتاویٰ بزاز یہ کتاب الکرہیہ میں ہے: ”قطع الحشیش من المقابر یکره لانه یسبح و یندفع به العذاب من المیت و علی هذا لا یکره من مقابر الکفار و قطع الیابس و به ورد الحدیث الصحیح“۔ ”قبرستان سے تر گھانسون کا کاٹنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ وہ خدا کی تسبیح کرتی ہے اور اس کی وجہ سے مردہ سے عذاب دفع ہوتا ہے اور مردہ کو انس ہوتا ہے اور اس بنا پر کفار کے مرگھٹ سے اور خشک گھانسون کا کاٹنا مکروہ نہ ہوگا۔ اس بارے میں صحیح حدیث آئی ہے۔“

فتاویٰ عالمگیری میں فتاویٰ قاضی خاں سے منقول ہے: ”ویکره قطع الحطب والحشیش من المقبرة فان کان یابس لا یاس به کذا فی فتاویٰ قاضی خاں“۔ ”تر گھانسون کا قبر سے کاٹنا مکروہ ہے۔ اگر خشک ہے تو ہرج نہیں۔“ علامہ شامی رد المحتار اول ص ۸۴۶ میں تحریر فرماتے ہیں: ”یکره ایضا قطع النبات الرطب و

الحشیش من المقبرة دون الیابس كما فی البحر والدر وشرح المنیة وعلله فی الا مد ادیانہ ما دام رطباً یسبح اللہ فیونس المیت و تنزل بھذا الرحمة اہ و نحوه فی الخانیة۔ ”ترگھانس اور سبزی کا مقبرہ سے کاٹنا مکروہ ہے، نہ خشک کا جیسا کہ بحر الرائق اور درر اور شرح منیہ میں ہے اور اس کی علت امداد الفتح میں یہ بیان کی گئی ہے کہ گھانس جب تک تر رہتی ہے، اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔ اس سے میت کو انس حاصل ہوتا ہے اور اس کے ذکر کی وجہ سے رحمت الہی نازل ہوتی ہے۔ اسی کے مثل فتاویٰ خانہ میں ہے۔“

مزارات پر پھول چڑھانا جائز ہے:

تیسرا مسئلہ علمائے کرام نے اس حدیث سے یہ استنباط کیا ہے کہ پھول وغیرہ قبروں پر رکھنا جائز ہے۔ ملا علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۳۸۲ میں اس حدیث کے تحت میں فرماتے ہیں: ”وقد انکر الخطابی ما یفعله للناس علی القبور من الا خواص و نحو ہا بھذا الحدیث و قال لا اصل لہ۔“ ”لوگ قبروں پر کھجور کی شاخ جو اس حدیث کی رو سے رکھ دیتے ہیں، خطاب نے اس سے انکار کر کے کہا: اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔“

علامہ خطابی کا یہ قول ذکر کر کے اس طرح رد کرتے ہیں: ”واما انکار الخطابی و قوله لا اصل لہ ففیہ بحث واضح اذ ہذا الحدیث یصلح ان یکون اصلاً لہ ثم رایت بن حجر صرح بہ و قال قوله لا اصل لہ ممنوع بل ہذا الحدیث اصل اصیل لہ و من ثم افتی بعض الائمة من متاخری اصحابنا بان ما اعتید من وضع الریحان و الجرید سنة لہذا الحدیث۔“ ”علامہ خطابی کا انکار کرنا اور یہ کہنا کہ اس کی اصل نہیں، اس پر کھلا ہوا اعتراض ہے۔ اس لئے کہ یہ حدیث اس کی اصل ہو سکتی ہے۔ پھر میں نے علامہ ابن حجر کو دیکھا کہ انہوں نے اس کی تصریح فرمائی اور کہا کہ خطابی کا لا اصل لہ کہنا ممنوع ہے بلکہ یہ حدیث اس کی زبردست دلیل ہے۔ اسی وجہ سے بعض متاخرین ائمہ نے فتویٰ دیا کہ لوگوں میں جو مروج ہے کہ خوشبو پھول اور کھجور کی شاخ قبر پر رکھا کرتے ہیں، وہ اسی حدیث سے سنت ہے۔“

ارشاد الساری شرح بخاری کی عبارت او پر گزری: ”او ان المعنی فیہ انہ یسبح مادام رطباً فیحصل التخفیف ببرکۃ التسبیح و حینئذ فیطر دفی کل ما فیہ رطوبة من الریاحین و البقول وغیرہا۔“ ”یا اس کی یہ وجہ ہے کہ شاخ جب تک تر رہے گی، اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرے گی تو تسبیح کی برکت سے مردہ پر تخفیف ہوگی پس اس وقت ہر اس چیز کو جس میں تری ہے، عام ہوگی، گھانس ہو یا پھول وغیرہ۔“

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: ”وضع الورد و الریاحین علی القبور حسن۔“ ”گلاب کا پھول یا اور خوشبو پھول کا قبر پر رکھنا بہتر ہے۔“

تصحیح المسائل ص ۲۰ میں ہے: ”فی کنز العباد و فتاوی الغرائب وضع الورد و الرباحین علی القبور حسن کا نہ مادام رطباً یسبح و یكون للمیت بتسبیحه انس“۔ ”کنز العباد اور فتاوی غرائب میں ہے کہ گلاب کا پھول اور دوسرے پھولوں کا قبور پر رکھنا حسن ہے۔ اس لئے کہ وہ جب تک تر و تازہ ہے، خدا کی تسبیح کرتا ہے اور اس سے مردے کا جی بہلتا ہے۔“

فقیر غفرلہ المولی القدر کہتا ہے کہ علمائے کرام کی انہیں تصریحات کی بنا پر مسلمانوں میں رواج ہے کہ بزرگوں کے مزار پر پھول کی چادر چڑھانے یا پھولوں کا ہار ڈالنے یا بے گوندھا پھول قبروں پر رکھتے ہیں۔ واللہ الموفق۔

اس جگہ شبہ ہو سکتا ہے کہ حدیث شریف میں وضع جریدہ کی وجہ ان دونوں کا معذب ہونا ہے تو تخفیف عذاب کے لئے حضور اقدس ﷺ نے ایسا کیا اور اس زمانہ میں گناہگاروں کی قبر پر کوئی ہار پھول نہیں ڈالتا بلکہ برعکس بزرگوں کے مزار پر یہ چڑھا دیا ہوتا ہے۔ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ تخفیف عذاب بوجہ تسبیح جریدہ ہے اور یہی وجہ مذہب مختار ہے۔ اور تسبیح کا اصل فائدہ نزول رحمت و انس میت ہے اور ہر شخص کو ہر حال میں اس کی ضرورت ہے۔ کوئی کسی مرتبہ پر پہنچ جائے مگر رحمت باری سے وہ بے نیاز نہیں ہو سکتا، ہر شخص کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے۔ گنہگار معذب کے لئے تخفیف یا دفع عذاب اور مرحوم مغفور کے لئے رفع مراتب و ترقی درجات و مزید اجر و ثواب ہے اور کوئی شخص اس کو مشائخ کے ساتھ مخصوص نہیں جانتا۔

چودھواں طریقہ: دفن کے بعد سر ہانے فاتحہ اور پابنتی میں خاتمہ سورہ بقرہ پڑھنا

”عن عبد الرحمان بن العلاء ابن اللجلاج عن ابیہ انہ اوصی اذا دفن ان یقرء عند راسہ فاتحة البقرہ و خاتمتها و قال سمعت ابن عمر یوصی بذلك“ (کذا اور وہ القرطبی فی التذکرۃ)۔ ”عبدالرحمن بن علاء اپنے والد سے راوی کہ انہوں نے وصیت کیا کہ ان کے دفن کے بعد ان کی قبر پر سورہ بقرہ کی ابتدائی آیتیں یعنی الم سے مفلحون تک اور خاتمہ بقرہ یعنی امن الرسول سے ختم سورہ تک پڑھا جائے اور کہا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر کو سنا کہ اس کی وصیت کرتے تھے“

شرح احیاء العلوم ص ۳۷۰ میں ہے: ”وعنه قال قال لی ابی یا بنی! اذا وضعتنی فی لحدی فقل بسم اللہ و فی سبیل اللہ و علیٰ ملۃ رسول اللہ ثم شن علی التراب شنائهم اقرء عند راسی بفاتحة البقرۃ و خاتمتها فانی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ذلك“۔ ”عبدالرحمن بن علاء کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے کہا کہ میرے بیٹے جب تم مجھے قبر میں رکھو تو بسم اللہ و فی سبیل اللہ و علیٰ ملۃ رسول اللہ کہہ کر رکھنا پھر آہستہ آہستہ مجھ پر مٹی ڈالنا پھر میرے سر ہانے فاتحہ بقرہ و خاتمہ بقرہ پڑھنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ اس کا نام

فرماتے تھے۔ (رواہ الطبرانی)

”و عن ابن عمر قال سمعت رسول الله ﷺ يقول اذا مات احدكم فلا نجسوه واسرعوا به الى قبره وبقروا عند راسه بفاتحة البقرة و عند رجله بخاتمة سورة البقرة“ (رواہ البيهقي في شعب الایمان مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۹)۔ ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ فرماتے ہیں: جب تم میں کوئی شخص مرے تو اسے مت روکو اور جلدی اس کو قبر تک لے جاؤ اور اس کے سر ہانے فاتحہ بقرہ اور پانچویں خاتمہ سورہ بقرہ پڑھو۔“

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوٰۃ شریف جلد ۲ ص ۱۳۸۱ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ”(عند راسه فاتحة البقرة) ای الى المفلحون (و عند رجله بخاتمة) و فی نسخة خاتمة (البقرة) ای من آمن الرسول الخ قال الطیبری لعل تخصیص فانحتها لا شتما لها علی مدح کتاب اللہ و انه هدی للمتقين الموصوفین بالخلال الحميدة من الایمان بالغیب و اقامة الصلاة و ايتاء الزكاة و خاتمها لاحتوائها علی الایمان باللہ و ملائکته و کتبه و رسله و اظهار الاسکانة و طلب الغفران و الرحمة و التولی الى کنف اللہ تعالیٰ و حمايته۔“

”فاتحہ البقرہ سے مراد الم سے مفلحون تک اور خاتمہ سے مراد آمن الرسول سے آخر سورہ تک ہے۔ علامہ طیبی کہتے ہیں کہ تخصیص فاتحہ بقرہ کی یہ وجہ ہے کہ وہ مشتمل ہے اللہ کی کتاب کی تعریف پر اور اس کا بیان ہے کہ وہ پرہیز گاروں کے لئے ہدایت ہے جو ان صفات حمیدہ سے موصوف ہیں یعنی غیب پر ایمان لانا، نماز پڑھا کرنا، زکاۃ دیتے رہنا اور خاتمہ بقرہ کی وجہ یہ ہے کہ وہ مشتمل ہے ایمان باللہ، ایمان بالملائکہ، ایمان بالکتاب، ایمان بالرسل پر اور اپنی عاجزی اور طلب مغفرت و رحمت اور اللہ کی جوار اور اس کی حمایت میں آنے کا ذکر ہے۔ اس لئے فاتحہ و خاتمہ بقرہ سے سب باتوں کی یاد دہانی ہو جائے گی۔“

پندرہواں طریقہ: قبر کے پاس اتنی دیر تک ٹھہرنا کہ اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاسکے

”عن عمرو بن العاص قال لابنه و هو فی سباق الموت اذا نامت فلا تصاحبني نائحة و لا نار فاذا دفنتموني فشنوا علی التراب شنًا ثم اقيموا حول قبري قد رما ينحرجزور و تقسم لحمها حتی استانس بکم و اعلم ما ذا اراجع رسل ربی“ (رواہ مسلم ص ۷۶ و مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۹)۔ ”امام مسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے اپنے صاحبزادہ حضرت عبداللہ کو اپنے انتقال کے وقت فرمایا کہ جب میں مرجاؤں تو میرے جنازے کے ساتھ کوئی رونے والی عورت نہ

جائے اور نہ آگ ہو۔ جب مجھ کو دفن کر چکو تو آہستہ آہستہ مجھ پر مٹی ڈالو پھر میرے قبر کے پاس اتنے دیر تک ٹھہرو جتنی دیر میں اونٹ ذبح کیا جائے اور اس کا گوشت تقسیم کر دیا جائے تاکہ تم لوگوں کے رہنے سے انس حاصل کروں اور جانوں کہ اپنے رب کے بھیجے ہوئے فرشتوں کو کیا جواب دیتا ہوں۔“

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۳۸۱ میں فرماتے ہیں: ”(حتی استانس بکم) ای مد عانکم واذکارکم و قراءتکم واستغفارکم۔“ ”تم لوگوں سے انس کا مطلب تمہاری دعا، تمہارے اذکار اور تمہاری قرأت، تمہارے استغفار سے انس حاصل کرنا ہے۔“ یعنی چاہئے کہ اتنے دیر تک خاموش بیٹھے نہ رہیں بلکہ دعا کریں اللہ و رسول کا تذکرہ کریں قرآن شریف کی تلاوت کریں، مغفرت کی دعا کریں۔

علامہ نووی ص ۶۷ شرح صحیح مسلم میں اس حدیث کے فوائد بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ”مسئلاً استحباب المکث عند القبر بعد الدفن لحظۃ نحو ما ذکر فیہ ان المیت حیئذ یسمع من حول القبر۔“ ”اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دفن کے بعد اتنی دیر تک جس کا بیان حدیث شریف میں ہے موت میت کے لئے اور صحیح خیال و دماغ کے لئے قبر پر ٹھہرنا مستحب ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مردہ گرد و پیش کی باتیں سنتا ہے۔“

علامہ مرتضیٰ زبیدی شرح احیاء العلوم جلد ۱۰ ص ۳۶۹ میں فرماتے ہیں: ”وقال ابو بکر الاکبرؓ ینبغی یستحب الوقوف بعد الدفن قليلا و الدعاء للمیت مستقبلا و جهة بالثبات فيقال اللهم هذا ميتك وانت اعلم به منا ولا نعلم الا خيرا وقد اجلسه لتسئله اللهم فثبته بالقول الثابت في الآخرة كما ثبتته في الدنيا اللهم ارحمه والحقه بنبيه ولا تفتنا بعده ولا تحرمنا اجره۔“ ”ابو بکر اجماعی نے کہا کہ دفن کے بعد کچھ دیر تک ٹھہرنا اور میت کے لئے اس کی طرف متوجہ ہو کر دین اسلام پر ثابت رہنے کی دعا کرنا مستحب ہے اور دعا میں یہ کہنا چاہئے کہ خداوند ایہ تیرا بندہ ہے اور تو اس کے حال کو مجھ سے بہت زیادہ جانتا ہے۔ جہاں تک ہمیں علم ہے ہم بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ اس وقت تو نے اسے سوال کے لئے بٹھایا ہے۔ خداوند اتوات آخرت میں قول پر ثابت رکھ جس طرح دنیا میں ثابت رکھا ہے۔ میرے مولیٰ تو اس پر رحم کر اور اس کو اس کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا اور اس کے بعد ہمیں فتنہ میں مبتلا نہ کر اور نہ اس کے اجر سے محروم کر۔“

سولھواں طریقہ: زیارت قبور سے اہل قبر کو انس ہوتا ہے

زیارت قبور کرنا خصوصا اپنے اعزہ و اقارب اور جانے پہچانے شخص کی قبر پر جانا کہ اس سے مردہ کو انس

حاصل ہوتا ہے۔

علامہ تقی الدین سبکی شفاء السقام ص ۶۵: امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں تحریر فرماتے ہیں، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”انس مایکون المیت فی قبرہ اذازارہ من کان یحبہ فی دارالدنیا“۔ ”قبر میں مردہ کا زیادہ جی بھلنے کا وہ وقت ہوتا ہے جب زیارت کو وہ شخص آئے جسے دنیا میں دوست رکھتا تھا“۔

ابن ابی الدنیا کتاب القبور میں حضرت امام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے راوی حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”ما من رجل یزور قبر اخیه ویجلس علیہ استانس ورد علیہ حتی یقوم“۔ ”جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی قبر کی زیارت کو جائے اور اس کے پاس بیٹھے تو وہ مردہ اس سے انس حاصل کرتا ہے۔ اس کا دل اس کے بیٹھنے سے بہلتا ہے اور جب تک وہ شخص اس کے پاس سے اٹھے، اس کا جواب دیتا ہے“۔

ابوالشیخ ودیلی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں: ”ما من رجل یزور قبر اخیه فیسلم علیہ ویقعد عنده لرد علیہ السلام و انس به حتی یقوم من عنده“۔ ”جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی زیارت کو جائے اور اسے سلام کرے اور اس کے پاس بیٹھے تو اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور اس مردہ کا اس سے جی بہلتا ہے، جب تک کہ وہ شخص اس کے پاس سے اٹھ آئے“۔

بیہقی ابوالدرداء ہاشم بن محمد سے راوی ہیں: ”قال سمعت رجلا من اهل العلم یقول انه کان یزور قبر ابیه فطال علیہ ذلک قال فقلت ازور التراب فاریتہ فی منا می فقال یا بنی! مالک لا تفعل کما کنت تفعل فقلت انزور التراب فقال لا تقل ذلک یا بنی! فواللہ لقد کنت تشرف علی فیبشرنی بک جبرانی ولقد کنت تنصرف فما ازال اراک حتی تدخل الکوفۃ“ (شرح احیاء العلوم ص ۳۶۷) ”ہاشم بن محمد کہتے ہیں کہ میں نے ایک اہل علم کو کہتے سنا کہ وہ اپنے والد کی قبر کی زیارت کو برابر جایا کرتے تھے۔ جب زمانہ دراز ہوا تو انہوں نے کہا کہ مٹی کی زیارت کو جاؤں؟ انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے والد کو خواب میں دیکھا، فرماتے ہیں: اے میرے بیٹے! تم اب زیارت کو کیوں نہیں آتے جس طرح پہلے آیا کرتے تھے؟ میں نے کہا کہ کیا میں مٹی کی زیارت کے لئے آؤں؟ والد صاحب نے فرمایا نہیں بیٹا ایسا نہ کہو۔ خدا کی قسم! تم جس وقت آتے ہوئے دکھائی دیتے تھے، اس وقت میرے پڑوسی تمہارے آنے کی مجھے بشارت و خوشخبری دیتے تھے اور جب تم واپس ہوتے تھے میں تم کو برابر دیکھتا رہتا تھا، یہاں تک کہ تم کوفہ شہر میں داخل ہو جاتے تھے“۔

شرح احیاء العلوم ص ۳۶۷ میں ہے: ”وروی ایضا عن الفضل ابن الموفق ابن خال سفیان بن عیینہ قال لمات ابی جزعت جزعاً شدیداً فکنت آتی قبرہ فی کل یوم ثم انی قصرت عن ذلک فرأیتہ فی النوم فقال یا بنی! ما بظاہک عنی قلت وانک تعلم بمحبتی قال ما جئت مرة الا علمتها وقد کنت

تاتینی فاسربک و یسر من حولی بد عائک قال فکنت انیہ بعد کثیرا۔

”فضل بن موفق سفیان بن عیینہ کے ماموں زاد بھائی کہتے ہیں کہ جب میرے والد کا انتقال ہوا، میں سخت غمگین اور پریشان ہوا۔ بہت زیادہ جزع فزع کیا تو میں ہر روز ان کے قبر کی زیارت کو جاتا تھا پھر میں نے اس میں کچھ کوتاہی کی تو ان کو خواب میں دیکھا تو فرمایا اے میرے بیٹے! کیوں تجھے مجھ سے دیر ہونے لگی؟ میں نے کہا کہ کیا آپ کو میرے آنے کا علم ہوتا ہے؟ فرمایا نہیں آئے تم کبھی مگر میں نے جانا یعنی جب جب تم آئے مجھے ضرور اس کا علم ہوا اور جب تم آتے تھے تو میں تمہارے آنے کی وجہ سے خوش ہوتا تھا اور تمہاری دعا کی وجہ سے میرے گرد و پیش کے لوگ سرور ہوتے تھے۔ فضل بن موفق نے کہا کہ یہ سن کر میں بہت زیادہ جانے لگا۔“

اسی شرح احیاء العلوم میں دوسری جگہ مذکور ہے: ”قال الحافظ ابو طاهر السلفی سمعت ابا البرکات عبد الواحد بن عبد الرحمن ابن غلاب السوسی بالاسکندریة يقول سمعت والدتی تقول رایت امی فی المنام بعد موتها وهی تقول یا بیتی! اذا جئتني زائرة فاقعدی عند قبری ساعة اتملی من النظر الیک ثم ترحمی علی الخ۔“ ”حافظ ابو طاهر سلفی کہتے ہیں کہ میں نے ابو البرکات عبد الواحد سوسی سے اسکندریہ میں سنا، وہ کہتے تھے: میں نے اپنی والدہ سے سنا کہ میں نے اپنی والدہ کو خواب میں دیکھا وہ کہتی تھیں کہ میری بیٹی! جب تو میری زیارت کے لئے میرے پاس آیا کر تو ایک گھنٹہ میری قبر کے پاس بیٹھی رہ تا کہ میں جی بھر کر تجھ کو دیکھوں پھر میرے لئے رحمت کی دعا کر۔“ واللہ الموفق۔

سترھواں طریقہ: اخیر شب قبرستان جا کر مردوں کے لئے دعا کرنا

”عن عائشہ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلما کان لیلتها من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی والہ وسلم یخرج من آخر اللیل الی البقیع فیقول السلام علیکم دار قوم مو منین و اتاکم ماتو عدون غدامو جلون و انا انشاء اللہ بکم لاحقون اللہم اغفر لاهل البقیع الغرقہ“ (رواہ مسلم ص ۳۱۳) ”مسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے راوی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری باری میں تشریف لاتے، اخیر شب مدینہ طیبہ کے قبرستان جنت البقیع تشریف لے جاتے اور فرماتے تم پر سلام ہوا اے گھر مسلمانوں کے اور جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے کل تمہارے پاس وہ چیز آئے گی اور انشاء اللہ ہم تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔ خداوند البقیع الغرقہ والوں کے گناہ کو بخش دے۔“

علامہ نووی اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ”فیہ فضیلة الدعاء آخر اللیل و فضیلة زیارة قبور البقیع۔“ ”اس حدیث سے اخیر شب میں دعا کرنے کی خوبی بقیع والوں کی قبور کی زیارت کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔“

”و عن عائشة قالت الا احد ثکم عنی و عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما بلی قالت لما کانت لیلتی الی کان النبی صلی الله علیه وسلم فیها عندی انقلب فوضع رداءه و خلع نعلیه فوضعهما عند رجلیه و بسط طرف ازراه علی فراشه فاضطجع فلم یلبث الا ریث ماظن ان قدر قدت فاخذ رداءه روید او انتعل روید او فتح الباب روید افخرج ثم اجانه روید افجعلت درعی فی راسی و اخمرت و تقسفت ازاری ثم انطلقت علی اثره حتی جاء البقیع فقام القیام ثم رفع یدیه ثلاث مرات ثم انحرف فانحرفت فاسرع فاسرعت فهرول فهرولت فاحضرت فاحضرت فسبقته فد خلعت فلیس الا ان اضطجعت فدخل فقال یا لک ما عائشة حشبارا بیه قالت قلت لا شئی قال لتخبرینی او لیخبرینی اللطیف الخبیر۔ قالت قلت یا رسول الله! بابی انت وامی فاخبرته قال فانت السواد الذی رایت امامی قالت نعم فلهدی فی صدری لهدیه او جعنتی ثم قال اظننت ان یحیف الله علیک و رسولہ قالت مهما یکتّم الناس یعلمہ الله نعم قال فان جبرئیل اتانی حین رایت فنا دانی فاخفاه منک فاجبتہ فاخفیتہ منک ولم یکن یدخل علیک وقد وضعت ثیابک و ظننت ان قدر قدت فکرمت ان او قظک و خشیت ان تستوحشی فقال ان ربک یا مریک ان تاتی اهل البقیع فتستغفرلهم قالت قلت کیف اقول لهم یا رسول الله! قال قولي السلام علی اهل الدیار من المؤمنین و المسلمین و یرحم الله المستقد من مناو المستأخرین و انا انشاء الله بکم للا حقون (رواہ مسلم جلد اول ص ۳۱۳)

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی، انہوں نے کہا کہ کیا میں خبر نہ دوں اس بات کی جو مجھ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوئی۔ ہم لوگوں نے کہا کہ کیوں نہیں؟ یعنی آپ ہمیں ضرور خبر دیں۔ کہا کہ جب وہ رات ہوئی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں تشریف فرما تھے تو آپ مردانہ سے یہاں آئے تو اپنی چادر رکھی اور نعلین اتاری اور ان دونوں کو پانکٹی میں رکھا اور اپنی تہبند کا ایک حصہ اپنی بچھاؤں پر بچھایا اور لیٹ گئے پس نہیں ٹھہرے مگر فقہ اتنی دیر کہ حضور نے خیال کیا میں سو رہی۔ پس اپنی چادر آہستہ آہستہ لی اور آہستہ آہستہ جوتا پہنا اور آہستہ دروازہ کھولا پھر باہر تشریف لے گئے اور آہستہ سے دروازہ بند کر دیا پس میں نے اپنی چادر سر پر رکھی اور اوڑھنی اوڑھی، تہبند باندھا اور حضور کے پیچھے پیچھے ہوئی، یہاں تک کہ حضور بقیع تشریف لائے پس دیر تک وہاں ٹھہرے پھر دونوں ہاتھوں کو تین مرتبہ دعا کے لئے اٹھایا پھر حضور راہ سے الگ ہوئے، تو میں بھی راہ سے الگ ہوئی، حضور تیز چلے تو میں بھی تیز چلی، حضور دوڑے تو میں بھی دوڑی، پس مکان تشریف لائے تو میں بھی مکان آئی، پس ذرا پہلے پہنچی اور مکان میں داخل ہوئی تو

فقط اتنی ہی دیر ہوئی کہ میں لیٹی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میرے سانس پھول رہی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ: کیا حال ہے؟ تمہاری سانس چڑھ رہی ہے اور پیٹ پھولا ہوا ہے۔ حضرت عائشہ نے کہا کہ میں نے عرض کیا کچھ نہیں۔ ارشاد ہوا یا تو تم مجھے خبر دو ورنہ خداوند علیم و خبر مجھے دے گا۔ حضرت عائشہ نے کہا میں عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ حضور پر قربان کہہ کر میں سارا حال بیان کر دیا۔ حضور نے فرمایا تم میرے آگے آگے آرہی تھی؟ میں نے کہا ہاں! پس میرے سینہ میں ایک دو ہتھوڑ حضور نے مارا جس سے مجھے تکلیف ہوئی پھر ارشاد ہوا: کیا تمہارا گمان ہے کہ اللہ اور اس کا رسول تم پر ظلم کرے گا (جب تک کہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادی) تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اقرار کیا اور کہا کہ انسان جس چیز کو چھپائے خدا اس کو جانتا ہے۔ ہاں میرا ایسا ہی خیال ہوا تھا کہ حضور اور کسی بی بی کے یہاں تشریف لے جانا چاہتے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ جبریل آئے جس وقت تم نے مجھے دیکھا تو جبریل نے مجھے آواز دی اور اس کو تم سے پوشیدہ کیا تو میں نے جواب دیا اور تم سے چھپایا اور جب تم سونے کے لئے لیٹی ہو، اس وقت اندر نہیں آئے، میرا خیال ہوا کہ تم سو گئی، اس لئے میں نے تمہیں جگانا ناپسند کیا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ تنہائی کی وجہ سے تم کو پریشانی ہوگی۔ جبریل نے کہا کہ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے کہ آپ جنت البقیع تشریف لے جائیں اور ان لوگوں کے لئے مغفرت کی دعا کریں۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! اگر ہم زیارت کے لئے جائیں تو کیا کہیں؟ ارشاد ہوا کہ تم اس طرح کہو السلام علی اہل الدیار من المؤمنین و المسلمین و یرحم اللہ المستقدمین و المستأخرین و انشاء اللہ بکم لللاحقون۔

علامہ نووی شرح مسلم میں اس کے فوائد میں تحریر فرماتے ہیں: ”فیہ دلیل لمن جوز للنساء زیارة القبور و فیہا خلاف للعلماء“۔ ”جو لوگ عورتوں کے لئے زیارت جائز جانتے ہیں، یہ حدیث ان کو دلیل ہے اور اس مسئلہ میں علما کا اختلاف ہے۔“

اٹھارہواں طریقہ: جمعہ، جمعرات کے دن والدین اور بزرگوں کے قبر کی زیارت کی تخصیص

ابن ابی الدنیا اور بیہقی شعب الایمان میں محمد بن واسع سے راوی ہیں کہ وہ جمعہ کے دن زیارت قبور کو جایا کرتے تھے۔ کسی نے کہا کہ اگر دو شنبہ تک ملتوی کرتے تو اچھا ہوتا آپ نے کہا: ”بلغنی ان الموتی یعلمون بزوارہم یوم الجمعة و یوما قبلہ و یوما بعدہ“۔ ”مجھے حدیث پہونچی ہے کہ مردے اپنے زیارت کرنے والوں کو جانتے ہیں جمعہ کے دن اور ایک دن قبل اور ایک دن بعد۔“

شرح احیاء العلوم ص ۳۳۶ میں ہے: ”علمائے کرام فرماتے ہیں یوں جاننا تو ہر روز اور وقت ہوتا ہے لیکن جمعہ کی بزرگی سے ان تین دنوں میں علم وسیع و کثیر ہوتا ہے۔“

طبرانی معجم اوسط وصغیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابن ابی الدنیا کتاب القبر اور بیہقی شعب الایمان میں محمد بن النعمان سے مرسل راوی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”من زار قبور ابو یہ او احد ہما فی کل جمعة غفرالہ و کتب برًا“۔ ”جو شخص اپنے ماں باپ یا دو میں سے کسی ایک کی قبر کی زیارت جمعہ کے دن کیا کرے، اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور خدا کے یہاں وہ نیکو کار لکھا جائے گا“۔

اور ظاہر ہے کہ بار (فرماں بردار) و مغفور کی دعا قبول ہوتی ہے تو جو شخص جمعہ کے دن والدین کی قبر کی زیارت کو جائے اور ان کے لئے دعا و استغفار کرے تو وہ دعا بوجہ اس شخص کے مغفور ہونے کے ارجی بالقبول ہے۔

”قال رجل من آل عاصم الجحدري رأت عاصمًا منامي بعد موته لستين و في رواية لستين فقلت ليس قد مت قال بلى فقلت باين انت قال انا والله في روضة من رياض الجنة انا و نفر من اصحابي يجتمع كل ليلة جمعة و صبيحتها الى ابى بكر بن عبد الله المزني فلا تى اخباركم قلت اجسامكم ام ارواحكم قال هيها ت بليت الا اجسام و انما فلا تى الا رواح قال قلت فهل تعلمون بزيارتنا اياكم؟ قال نعم تعلم بها عشية الجمعة و يوم الجمعة كله و يوم السبت الى طلوع الشمس قلت و كيف ذلك دون الايام كلها قال بفضل يوم الجمعة و عظمه“۔ (رواه ابن ابى الدنيا فى كتاب القبر و البيهقى شعب الایمان)

”آل عاصم جحدري سے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں نے عاصم کو ان کے انتقال سے دو برس یا کئی سال بعد خواب میں دیکھا۔ پوچھا کہ کیا آپ کا انتقال نہیں ہوا؟ کہا کیوں نہیں۔ پوچھا کہ آپ کہاں ہیں؟ کہا بخدا ہم جنت کی کیاریوں سے ایک کیاری میں ہے۔ میں اور میرے چند احباب ہم سب لوگ ہر شب جمعہ و صبح جمعہ کو ابو بکر بن عبد اللہ مزنی کے پاس جمع ہوتے ہیں تو تمہاری خبریں پاتے ہیں۔ اس خواب دیکھنے والے نے کہا کہ ہم لوگوں کی زیارت کرنے کو آپ جانتے ہیں؟ کہا ہاں! شب جمعہ اور تمام دن جمعہ اور سنیچر کو طلوع آفتاب تک۔ میں نے کہا کہ اور دنوں سے ان دنوں کی خصوصیت کیا ہے؟ بولے: جمعہ کی فضیلت اور بزرگی کی وجہ سے“۔

”وقال الضحاك من زار قبر ايوم السبت قبل طلوع الشمس علم الميت بزيارته قبل له كيف ذاك قال لمكان يوم الجمعة“۔ (رواه ابن ابى الدنيا فى كتاب القبر و البيهقى شعب الایمان)۔ ”ضحاک نے کہا جو شخص شنبہ کے دن قبل طلوع آفتاب کسی قبر کی زیارت کو جائے تو وہ مردہ اس کو جان لیتا ہے۔ کسی نے کہا یہ کیوں کر؟ کہا روز جمعہ کی برکت سے“۔

”عن عثمان بن سودة و كانت امة من العابدات و كان يقال لها راهبة قال لمامات كنت

آتیہا فی کل جمعة فادعولہا و استغفر لہا و لا ھل القبور فراء یتھا لیلة فی منا می فقلت یا امہ! کیف انت فقالت یا بنی ان الموت لشدید کربة وانا بحمد اللہ فی برزخ محمود افترش فیہ الريحان و اتوسد فیہ السندس والا ستبرق فقلت الک حاجة؟ قالت نعم۔ فقلت ماہی؟ قالت لاتدع ماتصنع من زیارتنا و الدعاء لنا فانی انس بمجیئک يوم الجمعة اذا اقبلت من اھلک زائرا فاب شرو یشیر بذلک من حولی من الاموات“ (رواہ ابن ابی الدنیا و البیہقی شرح احیاء العلوم ص ۳۶۷ جلد ۱۰)

”عثمان بن سودہ سے روایت ہے اور ان کی ماں عابدہ تھیں جن کو لوگ راہبہ کہا کرتے تھے۔ عثمان نے کہا کہ جب ان کا انتقال ہوا تو میں ہر جمعہ کو ان کی زیارت کے لئے جاتا تھا اور ان کے اور قبرستان والوں کے لئے دعا و استغفار کرتا تھا۔ ایک دن میں نے ان کو خواب میں دیکھا۔ کہا اے ماں! آپ کس طرح ہیں؟ کہا اے میرے بیٹے! موت کی تکلیف سخت ہے اور خدا کے فضل سے میں پسندیدہ مقام میں ہوں یہاں ریحان کا بچھاؤن ہے، سندس و استبرق کے گاؤ تکیے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ آپ کو کسی بات کی خواہش ہے؟ بولیں ہاں! پوچھا کیا؟ کہا کہ تم جو میری زیارت و دعا کو آیا کرتے ہو، اس کو کبھی نہ چھوڑنا۔ تمہارے جمعہ کے دن آنے سے مجھے انس ہوتا ہے، دل بہلتا ہے۔ جب تم اپنے گھر سے میری زیارت کو آتے ہو تو مجھے خوشی ہوتی ہے اور میرے گرد و پیش جو مردے ہیں، سب مجھ کو اس کی خوشخبری سناتے ہیں۔“

انیسواں طریقہ: سال بہ سال ہر سرے سال پر زیارت کو جانا

”عن عباد بن ابی صالح ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یاتی قبور الشهداء باحد علی راس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار قال و جاء ہا ابو بکر ثم عمر ثم عثمان رضی اللہ عنہم فلما قدم معاویہ بن ابی سفیان حاجا جاء ہم قال و کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا واجہ الشعب قال سلام علیکم بما صبرتم فنعم اجر العاملین“۔ (رواہ ابن ابی شیبہ و فاء الوفا جلد ۲ ص ۱۳۳)

”ابن ابی شیبہ نے عباد بن ابی صالح سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سرے سال پر شہدائے احد کی قبور کی زیارت کو تشریف لایا کرتے اور سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار فرماتے۔ راوی نے کہا حضور کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آیا کرتے تھے۔ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حج کے لئے آئے اور مدینہ طیبہ پہنچے تو ان کے پاس آئے۔ راوی نے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب گھاٹی کے سامنے آتے تو سلام علیکم بما صبرتم فنعم اجر العاملین فرماتے۔“

”و عن انس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یاتی احدا کل عام فاذا تفوه الشعب سلم علی قبور الشهداء فقال سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار“۔ رواہ ابن المنذر وابن مردویہ۔ ”ابن منذر وابن مردویہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راوی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال کوہ احد تشریف لایا کرتے۔ جب گھاٹیاں سامنے آتیں تو شہدائے احد کی قبروں کو سلام کرتے اور سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار فرمایا کرتے۔

”و عن محمد بن ابراہیم قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یاتی قبور الشهداء علی راس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار و ابو بکر و عمر و عثمان (رواہ ابن جریر)۔“ ”ابن جریر محمد بن ابراہیم سے راوی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سرے سال پر شہدائے احد کی قبر پر تشریف لایا کرتے اور ان کو سلام کرتے اور اسی طرح حضرت ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین بھی کرتے۔“

ان احادیث میں اگرچہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا ہر سال شہدائے احد کی زیارت کے لئے جانا ثابت ہے مگر یہ طریقہ چاروں خلفاء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا۔ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم بھی ہر سال شہدائے احد کی زیارت کے لئے جایا کرتے تھے۔

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۲۹۵ میں فرماتے ہیں: ”و عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انه کان یاتی قبور الشهداء راس کل حول فیقول السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار الخلفاء الاربعہ ہکذا کانوا یفعلون“۔ ”حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر سرے سال پر شہدائے احد کی قبر پر تشریف لاتے اور سلام فرماتے: سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار اور خلفائے اربعہ بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔“

”وروی ابن ابی شیبہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یاتی قبور الشهداء باحد علی راس کل حول فیقول السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار“۔ ”ابن ابی شیبہ نے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر سرے سال پر شہدائے احد کی قبر پر تشریف لے جاتے اور سلام فرمایا کرتے۔“ (رد المحتار جلد اول ص ۸۴۳)

فقیر غفرلہ المولی القدر کہتا ہے کہ ان حدیثوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم و خلفائے راشدین کا دستور کہ ہر سرے سال شہدائے احد کی قبر پر تشریف لے جایا کرتے اور ان پر سلام کرتے، مسلمانوں کے اس فعل حسن و مندوب کی دلیل اور اصل اصیل ہے کہ ہر سال بزرگان دین کا عرس کرتے اور لوگ سال بسال بزرگوں کے مزاروں پر حاضر ہوا کرتے، لام، دعا، استغفار و تلاوت قرآن شریف، صدقہ و تقسیم شرینی و اطعام طعام کا ثواب ان لوگوں کو ایصال کرتے

ہیں۔ چنانچہ مولوی عبدالحکیم صاحب پنجابی کے اس اعتراض: ”و عرس بزرگان خود بر خود مثل فرض دانستہ سال بہ سال بر مقبرہ اجتماع کردہ، طعام و شیرینی در آنجا تقسیم نمودہ مقابر را و ثابعدی کنند۔“ اپنے بزرگوں کے عرس میں خود پر فرض سمجھ کر ہر سال مزار پر جمع ہو کر وہاں کھانا اور شیرینی تقسیم کر کے قبروں کو بتوں کی طرح پوجتے ہیں۔“ کے جواب میں جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی تحریر فرماتے ہیں: ”قولہ عرس بزرگان خود را بخ این طعن مبنی است بر جہل بہ احوال مطعون علیہ۔ زیرا کہ غیر از فرائض شرعیہ مقررہ رائج کس فرض نمی داند۔ آری زیارت و تبرک بقبور صحاحین و امداد ایشاں باہداء ثواب و تلاوت قرآن و دعائے خیر و تقسیم طعام و شیرینی امر مستحسن و خوب است باجماع علماء و تعیین روز عرس برائے آنست کہ آن روز مذکر انتقال ایشاں می باشد از دارالعمل بدارالثواب والا ہر روز کہ اس عمل واقع شود، موجب فلاح و نجات ست و خلف را لازم ست کہ سلف خود را بایں نوع برو احسان نماید چنانچہ در احادیث مذکور ست کہ ولد صالح یدعولہ۔“

”اپنے بزرگوں کے عرس کو انچ یہ اعتراض، اعتراض کئے ہوئے مسئلہ کے حالات نہ جاننے پر مبنی ہے۔ اس لئے کہ بجز شرعی فرائض مقررہ کے کوئی شخص عرس کو فرض نہیں جانتا ہے۔ ہاں صلحا کے مزارات سے صرف شرکت اور زیارت اور ان کی امداد (ان کو ثواب تلاوت قرآن دعائے خیر کھانا تقسیم کر کے اور شیرینی تقسیم کر کے) حاصل کرنا مستحسن اور امر خیر ہے جیسا کہ علماء کے اجماع سے ثابت ہے۔ البتہ عرس کا دن مقرر کرنا اس لئے ہوتا ہے کہ وہ دن محض ان کے دنیا سے دار آخرت کے جانب منتقل ہونے کا دن یا در کھا جائے ورنہ جس دن بھی یہ عمل واقع ہو باعث فلاح و نجات ہے اور خلف پر واجب ہے کہ اپنے سلف کے لئے اس طرح پر نیکی کرے جیسا کہ احادیث میں ذکر کیا گیا ہے: نیک اولاد وہ ہے جو اپنے سلف کے لئے دعا کرے۔“

اس کے بعد امام جلال الدین سیوطی کی تفسیر ”در منثور“ سے ابن منذر اور ابن مردویہ کی حدیث براویت انس رضی اللہ عنہ اور حدیث ابن جریر بروایت محمد بن ابراہیم جو اوپر مذکور ہوئیں سند میں پیش کیا ہے۔ ملاحظہ ہو رسالہ زبدۃ النصارح فی مسائل الذبائح ص ۴۲۔

بیسواں طریقہ: ستر ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھ کر اس کا ثواب مردے کو بخشا کہ اس سے امید مغفرت ہے

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۱۰۲ میں فرماتے ہیں: ”قال الشيخ محی الدین بن العربی انه بلغنی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال من قال لا اله الا الله سبعین الف اغفر الله تعالیٰ له و من قبل له غفر له ایضا فکنت ذکر التہلیلۃ بالعدد المروی من غیر ان انوی لا حد بالخصوص فحضرت طعاما مع بعض الاصحاب و فیہم شاب مشہور بالکشف فاذا هو فی اثناء

الاكل اظهر البكاء فسأله عن السبب فقال ارى امي في العذاب فوهبت في باطني ثواب التهيلة المذكورة لها فضحك فقال انى اراها الان في حسن المآب فقال الشيخ فعرفت صحة الحديث بصحة كشفه و صحة كشفه بصحة الحديث۔

”سیدی شیخ اکبر محی الدین بن عربی نے فرمایا: مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث پہونچی ہے کہ جو شخص ستر ہزار بار لا الہ الا اللہ کہے اس کی مغفرت ہو اور جس کے لئے اتنے مرتبہ کہا جائے، اس کی مغفرت ہو۔ میں نے لا الہ الا اللہ اتنی بار پڑھا تھا اور اس میں کسی کے لئے خاص نیت نہ کی تھی۔ اپنے بعض رفیقوں کے ساتھ ایک دعوت میں گیا۔ ان میں ایک نوجوان کے کشف کا شہرہ تھا۔ کھانا کھاتے کھاتے وہ رونے لگا۔ میں نے سبب پوچھا۔ کہا اپنی ماں کو عذاب میں دیکھتا ہوں۔ میں نے اپنے دل میں کلمہ کا ثواب اس کی ماں کو بخش دیا۔ فوراً جوان ہنسنے لگا اور کہا کہ اب میں اپنی ماں کو اچھی جگہ دیکھتا ہوں۔ امام محی الدین بن عربی قدس سرہ فرماتے ہیں: تو میں نے حدیث کی صحت اس جوان کے کشف کی صحت سے پہچانا اور اس کے کشف کی صحت حدیث کی صحت سے جانی۔“

حضرت شیخ مجدد الف ثانی مکتوبات جلد ۲ ص ۲۷ مکتوبات چہار دہم میں فرماتے ہیں: ”بیاراں و دوستان فرمایند کہ ہفتاد ہفتاد ہزار بار کلمہ لا الہ الا اللہ بروحانیت اخوی خواجہ محمد صادق و روحانیت مرحومہ ہمشیرہ اوام کلثوم بخوانند و ثواب ہفتاد ہزار بار بروحانیت یکے بخشند و ہفتاد ہزار بار دیگر را بروحانیت دیگرے۔ از دوستان دعا و فاتحہ مسئل ست (الدر المنظوم فی ترجمہ ملفوظ المحمدوم)۔“ ”ساتھیوں اور احباب سے فرمائیں کہ ستر ستر ہزار بار کلمہ لا الہ پڑھ کر خواجہ محمد صادق کے دونوں بھائیوں کو بخشیں اور اپنی بہن ام کلثوم مرحومہ کی روح کے لئے پڑھیں اور ستر ہزار بار کا ثواب ایک کی روح کو بخشیں اور ستر ہزار پھر پڑھ کر دوسرے کی روح کو بخشیں۔ کیونکہ دوستوں ہی سے دعا اور فاتحہ کا سوال ہے۔“

ملفوظات حضرت سید جلال الدین مخدوم جہانیاں رضی اللہ عنہ ج ۱ ص ۱۶۷ میں ہے۔ ذکر اموات یعنی مردوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: حدیث صحاح ہے۔ ”من قال لا الہ الا اللہ مائة الف مرة وجعل الثواب للمیت غفر اللہ لذلك للمیت وان كان موجبا للعقوبة۔“ ”جو شخص لا الہ الا اللہ ایک لاکھ بار کہے اور اس کا ثواب مردے کو بخشے تو اللہ تعالیٰ اس مردے کو بخش دے اگرچہ وہ عقوبت کا مستحق ہو۔“

اسی میں ہے: ”فرمایا کہ میت والوں پر واجب ہے کہ ایک لاکھ بار کلمہ پڑھیں اور اس طرف رسم ہے کہ جو کوئی مرتا ہے اس کے واسطے کہتے ہیں۔“

اسی میں ص ۱۶۸ پر ہے: ”بعد اس کے فرمایا کہ دعا گو نے واسطے برادر مرحوم حاجی دین محمد کے ایک لاکھ بار لا الہ الا اللہ کہا۔ میرا ایک یار ہے اوچھ سے برابر آتا ہے اور مجھ سے تعلق و بیعت رکھتا ہے اور اوراد شیخ کبیر نگاہ میں رکھتا

ہے۔ اس نے دعا گو سے کہا کہ میں نے محمد حاجی کی قبر کو دیکھا کہ اس کو روشن و فراخ کر دیا۔“

اسی کے جلد ۲ ص ۲۶۳ پر ایک عمل حدیث صحاح کا ہے: ”قوله عليه الصلاة والسلام من قال لا اله الا الله مائة الف مرة وجعل الثواب للميت غفرله وان كان موجبا للعقوبة“۔ ”جو کوئی لا اله الا الله کو سو

ہزار یعنی ایک لاکھ بار کہے اور اس کا ثواب میت کو بخشے تو وہ میت بخشا جائے اگرچہ لائق عقوبت ہی کیوں نہ ہو۔“

فرمایا کہ مدینہ منورہ میں سو تسبیح ہزار ہزار دانہ کی بنا کر صندوق میں رکھی ہیں۔ سو آدمیوں کو دیتے ہیں وہ لوگ کلمہ طیبہ

پڑھتے ہیں اور میت کو ثواب بخش دیتے ہیں۔ ذرا دیر میں تمام ہو جاتا ہے۔ دعا گو نے بھی ہزار دانے کی تسبیح جمع کی ہے۔ اس

جگہ جو میں بعض زیارتوں میں گیا تو اسی پر عمل کیا۔ مجرب ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس جگہ بھی معمول ہو جائے گا۔

شیخ مدرسہ دیوبند جناب مولوی محمد قاسم صاحب سے کون واقف نہیں۔ اپنی مشہور کتاب تحذیر الناس ص ۳۸

میں لکھتے ہیں: ”حضرت جنید کے کسی مرید کا رنگ یکا یک متغیر ہو گیا۔ آپ نے سبب پوچھا تو بروئے مکاشفہ اس نے یہ کہا

کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں۔ حضرت جنید نے ایک لاکھ یا پچھتر ہزار کبھی کلمہ پڑھا تھا۔ یوں سمجھ کر کہ بعض

روایتوں میں اس قدر کلمہ کے ثواب پر وعدہ مغفرت ہے، اپنے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اس کو

اطلاع نہ کی مگر بخشے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے۔ آپ نے پھر سبب پوچھا۔ اس نے عرض کیا کہ اب

اپنی والدہ کو جنت میں دیکھتا ہوں سو آپ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھ کو حدیث سے معلوم

ہوئی اور حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفہ سے ہو گئی۔“

فقیر غفرلہ المولی القدر کہتا ہے کہ یہ حدیث اور علما کی تحریر، مسلمانوں کے اس عمل خیر کی اصل ہے کہ میت کے

لئے تیسرے یا چوتھے دن جمع ہو کر قرآن شریف کے علاوہ لاله الا اللہ ستر ہزار یا ایک لاکھ بار پڑھتے اور میت کو اس کا

ثواب بخشتے ہیں تاکہ من قبلہ کے تحت اس کی مغفرت ہو اور از انجا کہ ستر ہزار مرتبہ پڑھنے کے لئے بہت سی تسبیحوں

کی ضرورت ہوگی جس کا ہر جگہ ملنا سخت دشوار ہے۔ اس لئے آسانی کے خیال سے چنانچہ شمار دانہ بناتے ہیں جو بعد کو یا تو

پڑھنے والوں میں تقسیم کر دیتے ہیں یا فقر پر تصدق کر دیتے ہیں کہ ساتھ ساتھ صدقہ کا بھی میت کو ثواب پہونچے۔

ایک سو اٹھ طریقہ: قرآن شریف پڑھ کر بخشنا

اب رہا یہ کہ اس کے لئے کسی سورہ کا پڑھنا خاص طور پر بھی آیا ہے یا جو سورہ یا آیت پڑھ کر اس کا ثواب بخشیں

کافی ہے؟ تو کافی ہونے کے لئے تو سب کافی ہے۔

”عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قرء حرفا من

کتاب اللہ فلہ بہ حسنة والحسنة بعشر امثالہا لا اقول لکم الم حرف ولكن الف حرف و لام

حرف و میم حرف۔ (رواہ الترمذی و الحاکم و البخاری فی التاریخ) کما هو موضح فی الروایة الاخری: اقرء و القرآن فانکم نو جرون علیہ اما انی لا اقول الم حرف و لکن الف حرف عشر و لام حرف عشر و میم حرف عشر فتلك ثلاثون رواه ابو جعفر النحاس فی الوقف الابتداء و السنجرى فی الابانة و الخطیب فی التاریخ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔

”امام ترمذی اور حاکم و بخاری تاریخ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے راوی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ایک حرف قرآن شریف کا پڑھے، اس کو ایک حسہ ملے گا اور ایک حسہ کا ثواب دس گنا ہے۔ میں نہیں کہتا ہوں کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے، میم ایک حرف ہے تو جو شخص فقط الم پڑھے گا اس کو تیس نیکیاں ملیں گی۔ ابو جعفر نحاس کتاب ”الوقف والابتداء“ اور سنجرى کتاب ”الابانة“ اور خطیب بغدادی تاریخ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم قرآن شریف پڑھا کرو کہ تم کو اس کا اجر دیا جائے گا۔ میں نہیں کہتا ہوں کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے اور اس کا ثواب دس ہے، لام ایک حرف ہے اور اس کا ثواب دس ہے، میم ایک حرف ہے اور اس کا ثواب دس ہے تو یہ تیس ثواب ہوئے۔“ (کنز العمال جلد ۱ ص ۱۳۰)

سب سے بہتر تو یہ ہے کہ قبر پر جا کر ایک ختم کامل کرے جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب لیث بن سعد کی قبر کی زیارت کو گئے تو ان کی تعریف کی اور ایک ختم قرآن شریف کیا اور فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں کہ یہ کار خیر ہمیشہ جاری رہے اور ان کے فرمانے کے مطابق ہوا۔ کما مر عن شرح الاحیاء نقلاً عن القول بالاحسان العمیم فی انتفاع المیت بالقرآن العظیم للعلامة شمس الدین المعروف بابن القطان اور ہندوستان میں بھی بعض بعض شہروں میں مروج ہے مثلاً بریلی شریف میں عرصہ تیس یا بتیس سال سے ہر جمعہ کے دن مزارات خاندان اعلیٰ حضرت امام اہلسنت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز پر جا کر طلبائے مدرسہ منظر اسلام و اہل شہر دو ختم قرآن شریف کر کے اس کا ثواب پہنچاتے ہیں اور وہاں سے بہت پہلے تقریباً سو سال سے بدایوں مزارات خاندان جناب تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر محبت الرسول قدس سرہ پر اہل شہر و طلبائے مدرسہ قادریہ جا کر جمعہ کو دو ختم قرآن شریف کیا کرتے اور اس کا ثواب ان بزرگوں کو بخشتے ہیں اور انصار کرام کا دستور العمل بھی حدیثوں سے ثابت ہے:

”اخرج التحلل فی الجامع عن الشعبي قال اکانت الانصار اذ مات لهم المیت اختلفوا الی قبره یقرءون

القرآن۔“ ”انصار کے یہاں جب کوئی مرنا تو لوگ اس کی قبر پر جاتے اور قرآن شریف پڑھتے۔“ (مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۳۸۲)

”و فی شرح السلباب ویقرء من القرآن ما تیسر له من الفاتحة واول البقرة الی المفلحون و آية

الکرمی و آمن الرسول و سورہ یس و تبارک الملک و سورہ التکاثر و الاخلاص انہی عشرہ مرۃ او احدى عشر او سبعا او ثلاثا ثم يقول اللهم او صل ثواب ما قرء ناه الى فلان او اليهم“ (رد المحتار جلد اول ص ۸۸۴)۔ ”شرح لباب میں ہے اور پڑھے جو آسان ہو قرآن سے مثلاً سورہ فاتحہ، اول بقرہ مفکون تک، آیتہ الکرسی، آمن الرسول، سورہ یس، تبارک الملک، سورہ تکاثر، سورہ اخلاص ۱۲ یا ۱۱ یا ۷ یا ۳ بار پھر کہے خداوند جو کچھ میں نے پڑھا اس کا ثواب فلاں شخص یا ان لوگوں کو پہونچا“۔

اور بعض بعض سورتیں کہ خاص طور پر حدیث شریف میں جن کے پڑھنے کا ثواب مذکور ہے، ان سورتوں کا پڑھنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیل ارشاد کے سبب بہت زیادہ باعث اجر ثواب ہے اور وہ بھی بہت ہیں جن میں بعض بعض اس جگہ لکھی جاتی ہیں۔

(الف) ”عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال من مر عسی المقابر فقرأ قل هو اللہ احد، احد عشر مرۃ ثم وهب اجر مالا موات اعطی الا اجر بعدہ الاموات“ (رواہ الدارقطنی عینی شرح ہدایہ جلد ۲ ص ۱۶۱۱ و شامی جلد ۲ ص ۲۴۳) ”دارقطنی حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے راوی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قبرستان میں گزرے اور گیارہ مرتبہ قل هو اللہ احد پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو بخشے، اس کو ان مردوں کی بدولت ان مردوں کے برابر ثواب ملے“۔

(ب) ”عن عبد اللہ ابن عمر قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم يقول اذا مات احدکم ولا تحبسوه واسر عوابہ الی قبرہ ولیقرء عند رأسہ فاتحة البقرة و عند رجلہ خاتمة البقرة۔ رواہ البیهقی فی شعب الایمان و قال والصحيح انه موقوف علیہ“۔ ”بیہقی شعب الایمان میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے راوی۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ فرماتے تھے: جب تم میں سے کوئی مرے تو اس کو مت روکو اور جلد قبر تک اس کو پہونچاؤ اور اس کے سرہانے ابتداء سورہ بقرہ مفکون تک اور پائنتی میں خاتمہ بقرہ یعنی آمن الرسول سے آخر تک پڑھا کرو۔ یہ حدیث اگرچہ بیہقی نے مرفوعاً روایت کی مگر صحیح یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر پر موقوف ہے“۔

(ج) ”عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من دخل المقابر ثم قرء فاتحة الكتاب و قل هو اللہ احد و الھکم التکاثر ثم قال انی جعلت ثواب ما قرئت من کلامک لا ھل المقابر من المومنین کانوا شفعاء لہ الی اللہ تعالیٰ رواہ ابو القاسم سعد بن علی الزنجانی فی فرائد“ (مرفعات جلد ۲ ص ۳۸۲)۔ ”ابو القاسم سعد بن علی زنجانی اپنے فوائد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو شخص قبرستان جائے پھر سورہ فاتحہ، قل هو اللہ احد، الھکم التکاثر

پڑھے پھر کہے خداوند جو کچھ میں نے تیرا کلام پڑھا، اس کا ثواب مقبرہ والے مسلمان مرد اور مسلمان عورت کو نذر کیا تو وہ لوگ خداوند عالم کے یہاں اس کے سفارشی ہوں گے۔“

(د) ”عن انس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من دخل المقابر فقرء سورہ یس خفف اللہ عنهم وکان له بعد دمن فیہا حسنات رواہ عبدالعزیز صاحب الخلال بسندہ۔“ ”عبدالعزیز صاحب خلال نے اپنی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قبرستان جائے اور سورہ یس پڑھے، اللہ تعالیٰ ان مردوں سے مواخذہ ہلکا فرمائے اور جس قدر مردے اس قبرستان میں ہیں ان کی تعداد کے مطابق اس شخص کو نیکیاں ملیں گی۔“ (مرقات جلد ۲ ص ۲۸۲)

(ه) ”عن سلمة بن عبید قال قال حماد المکی خرجت لیلة الی مقابر مکه فوضعت راسی علی قبر فتمت فرائیت اهل المقابر حلقة حلقة فقلت قامت القيامة قالو الاول لكن رجل من اخواننا قرء قل هو الله احد وجعل ثوابها لنا فنحن نقسمه منذ سنة۔ رواہ القاضی ابو بکر بن عبد الباقي الانصاری فی مشیختہ۔“ ”قاضی ابو بکر بن عبد الباقي انصاری اپنے مشیخت میں سلمہ بن عبید سے راوی کہا: حماد کی نے کہا کہ میں ایک شب مکہ کے قبرستان میں گیا اور سو رہا تو میں نے قبرستان والوں کو حلقہ حلقہ دیکھا۔ میں نے کہا کیا قامت قائم ہوگئی؟ بولے نہیں لیکن ہمارے بھائیوں سے ایک شخص نے قل ہو اللہ پڑھ کر اس کا ثواب ہم لوگوں کو بخشا ہے تو ہم سال بھر سے اس کو تقسیم کر رہے ہیں۔“ (مرقات جلد ص ۲۸۲)

(و) ”عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ علیہ وسلم من زار قبر والدیه او احد هما فقرء عنده او عندهما یس غفر له رواہ ابو بکر بن البخاری فی کتاب السنن۔“ (عمدة القاری شرح بخاری جلد ۱ ص ۸۷۵)

”ابو بکر بن نجار کتاب السنن میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے والدین یا ان میں کسی ایک کی قبر کی زیارت کرے اور اس کے یا س سورہ یس پڑھے، اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔“

بائیسواں طریقہ: میت کیلئے نماز پڑھنا روزہ رکھنا

میت کے لئے نماز پڑھنا، روزہ رکھنا یعنی نماز پڑھ کر، روزہ رکھ کر اس کا ثواب میت کو بخشا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ رد المحتار جلد ۲ ص ۲۴۳ میں فرماتے ہیں: ”وروی الدار قطنی ان رجلا سألہ

علیہ الصلاۃ والسلام فقال لی ابوان ابرهما حال حیا تهما فکیف لی ببرهما بعد موتہما فقال

صلی اللہ علیہ وسلم ان من البر بعد الموت ان تصلى لهما مع صلاتك و ان تصوم لهما مع صومك۔ دارقطنی نے روایت کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور کہا کہ میرے ماں باپ ہیں۔ ان کی حیات میں تو ان کے ساتھ بھلائی کرتا ہوں تو ان کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ کس طرح نیکوئی کر سکتا ہوں؟ ارشاد ہوا کہ مرنے کے بعد ان کے ساتھ نیکی کرنے کی صورت یہ ہے کہ اپنی نماز کے ساتھ ان دونوں کے لئے بھی نماز پڑھو اور اپنے روزہ کے ساتھ ان دونوں کے لئے بھی روزہ رکھو۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی اپنے رسالہ تذکرہ الموتی والقبور ص ۳۶ میں تحریر فرماتے ہیں: ”وابن ابی شیبہ زجاج بن دینار روایت کردہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمود از جملہ نیکی کردن با پدر و مادر آن ست کی نماز گذاری برائے آنها با نماز خود و روزہ خود و صدقہ دہی از طرف آنها با صدقہ خود۔“

”ابن ابی شیبہ زجاج ابن دینار سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے ہی سے ایک نیکی یہ بھی ہے کہ نماز پڑھوان کے لئے اپنی نماز کے ساتھ اور روزہ رکھوان کے لئے اپنے روزے کے ساتھ اور صدقہ دوان کی طرف سے اپنے صدقہ کے ساتھ۔“

”و عن مالك بن دينار قال دخلت المقبره ليلة الجمعة فاذا انا بنور مشرق فيها فقلت لا اله الا الله نرى ان الله عز وجل قد غفر لاهل المقابر فاذا انا بها تف بهتف من البعد و هو يقول يا مالك بن دينار هذه هدية المؤمنين الى اخوانهم من اهل المقابر قلت بالذى انطقك الا خبرتنى ما هو قال رجل من المؤمنين قام هذه الليلة فاسبغ الوضوء و صلى ركعتين و قرء فيهما فاتحة الكتاب و قل يا ايها الكفرون و قل هو الله احد و قال اللهم انى قد وهبت ثوابها لاهل المقابر من المؤمنين فادخل الله علينا الضياء و النور و الفتح و السرور فى المشرق و المغرب قاله مالك فلم ازل اقرء هافى كل جمعة فرائيت النبى صلى الله عليه وسلم فى منامى يقول لى يا مالك قد غفر الله لك بعد دالنور الذى اهديته الى امتى و لك ثواب ذلك ثم قال لى و بنى الله لك بيتا فى الجنة فى قصر يقال له المنيف قلت و ما المنيف قال المظل على اهل الجنة رواه ابن النجار فى تاريخه۔“

”ابن النجار اپنی تاریخ میں مالک بن دینار سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں شب جمعہ کو قبرستان میں گیا تو دیکھتا ہوں کہ وہاں ایک نور تاباں ہے۔ میں نے کہا لا اله الا اللہ بیشک اللہ تعالیٰ نے اس قبرستان والوں کی مغفرت فرمادی۔ اتنے میں سنا کہ دور سے ایک ہاتف غیبی کہتا ہے کہ یہ مسلمانوں کا ہدیہ ہے جو اپنے بھائی اس قبرستان والوں کے پاس بھیجا۔ میں نے کہا قسم اس ذات کی جس نے تجھ کو گویائی بخشی مجھے خبر دے کہ واقعہ کیا ہے؟ اس

نے کہا ایک مسلمان شخص اس شب میں کھڑا ہوا اور اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی اور ان دونوں میں سورہ فاتحہ کے بعد قل یا ایہا الکفرون اور قل ہوا اللہ احد پڑھا اور کہا کہ خداوند میں نے اس کا ثواب قبرستان والے مردوں اور عورتوں کو بخشا تو اللہ تعالیٰ نے ہم پر روشنی اور نور، کشادگی اور سرور مشرق و مغرب میں داخل کیا۔ مالک کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں ہر جمعہ کو اسے پڑھنے لگا پس میں نے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں: اے مالک! اللہ تعالیٰ نے تمہیں بخش دیا بقدر تعداد اس نور سے جو تو نے میری امت کی طرف ہدیہ کیا اور تیرے لئے اس کا ثواب ہے پھر مجھ سے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے ”قصر منیف“ میں گھر بنوایا ہے۔ میں نے پوچھا کہ قصر منیف کیا؟ فرمایا، جنتیوں پر سایہ کرنے والا، (شرح احیاء العلوم ۲ ص ۳۷۲)

تیسواں طریقہ: کنواں کھودو اگر مردے کی طرف سے وقف کر دینا

”عن سعد بن عبادۃ قال یارسو اللہ ان ام سعد ماتت فای الصدقة افضل قال الماء فحضر بیراً وقال هذه لام سعد رواہ ابو داؤد والنسائی“۔ ”ابوداؤد اور نسائی حضرت سعد بن عبادہ سے راوی ہیں۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ام سعد کا انتقال ہو گیا تو کون صدقہ ان کے لئے بہتر ہوگا؟ ارشاد ہوا پانی بس انہوں نے کنواں کھودا اور کہا یہ ام سعد کے لئے ہے“ (مشکوٰۃ ص ۱۶۹)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات جلد ۲ ص ۴۷۷ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ”(فای الصدقة افضل) ای نروحنہا (قال الماء) انما کان الماء افضل لانه اعم نفعاً فی الامور الدینیۃ والدینیۃ خصوصاً فی تلك البلاد الحارۃ ولذلك من اللہ تعالیٰ بقوله وانزلنا من السماء ماء طهور اکذا ذکرہ الطیبی“۔ ”کون سا صدقہ ام سعد کی روح کے لئے افضل ہے؟ حضور نے فرمایا کہ پانی اور پانی کو اس لئے افضل صدقہ فرمایا کہ اس کا نفع دین اور دنیوی سب کاموں میں عام ہے، خصوصاً ان گرم ملکوں میں اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے قول انزلنا من السماء ماء طهور میں پانی اتارنے پر احسان رکھا۔ اسی طرح علامہ طیبی نے ذکر کیا“۔

فقیر غفرلہ المولیٰ القدر کہتا ہے کہ یہ حدیث اصل اس دستور و رواج کی ہے جو مسلمانوں میں مروج ہے کہ مسجدوں میں نمازیوں کے غسل و وضو کرنے کے لئے گھڑالوٹا وغیرہ بھیجتے ہیں کہ اگر کنواں نہ کھودو یا تو ہمارا گھڑا مسجد میں رہے گا۔ کوئی پیسا پانی پئے گا، کوئی وضو غسل کرے گا تو اس کا ثواب بھیجنے والے کو یا جس کی طرف سے بھیجا گیا ہے، اس کو ملے گا خصوصاً جن گھڑوں لوٹوں سے میت کو غسل دیتے ہیں، اس کو تو غسل دینے کے بعد میت کے ایصال ثواب کے لئے مسجدوں میں بھیج دینے کا عام دستور ہے۔ البتہ بعض جگہ اس گھڑے اور لوٹے کو جس سے میت کو غسل دیتے ہیں، میت کے ساتھ قبرستان لے جاتے ہیں اور قبر کی مٹی برابر کرنے کے بعد اس گھڑے میں بڑا سوراخ کر کے

میت کے سر ہانے اور لوٹے میں سوراخ کر کے میت کے پائنتی میں رکھ دیتے ہیں کہ یہ اضاعت مال اور گناہ ہے، اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

چوبیسواں طریقہ: میت کی طرف سے صدقہ کرنا

”عن ابن عباس ان رجلا قال يا رسول الله! ان امي توفيت افينفعها ان تصدقت عنها قال نعم قال فان لي مخر فافا شهدك اني قد صدقت به عنها۔ رواه الترمذی ص ۸۵ وقال هذا حديث حسن وبه يقول اهل العلم۔“ ”ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری ماں کا انتقال ہو گیا۔ اگر میں ان کی طرف سے صدقہ دوں تو ان کو مفید ہوگا؟ ارشاد ہوا کہ ہاں! اس شخص نے کہا کہ میرا ایک باغ ہے۔ میں حضور کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اس باغ کو اپنی ماں کی طرف سے صدقہ کیا۔ امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے اور اہل علم کا بھی یہی قول ہے۔“

”عن عائشة رضی اللہ عنہا ان رجلا قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ان امی افتلتت نفسها واطنہا لو تكلمت لتصدقت فهل لها اجر ان تصدقت عنها قال نعم“ (رواه البخاری ص ۱۵۴ و مسلم ص ۳۲۴) ”امام بخاری و مسلم حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے راوی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میری ماں کا دفعۃً انتقال ہو گیا۔ اور میرا گمان یہ ہے کہ اگر وہ کلام کرتیں تو ضرور صدقہ کرتیں، تو کیا ان کو ثواب ملے گا؟ اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں!“

علامہ نووی شرح مسلم ص ۳۲۲ میں تحریر فرماتے ہیں: ”وفی هذا الحديث ان الصدقة عن الميت تنفع الميت ويصل ثوابها وهو كذلك باجماع العلماء وكذا اجمعوا على وصول الدعاء وقضاء الدين بالنصوص الواردة في الجميع۔“ ”اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مردہ کی طرف سے صدقہ دینا، مردہ کو فائدہ بخش ہے اور اس کا ثواب مردہ کو ملتا ہے، اس کو پہونچتا ہے۔ اس پر علما کا اجماع ہے اور اسی طرح اجماع ہے دعا کے پہونچنے، دین کے ادا ہونے پر ان نصوص سے جو ان سب پر وارد ہوئیں۔“

علامہ یعنی شرح بخاری جلد ۴ ص ۲۴۶ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ”وبستفاد منه ان الصدقة عن الميت تحوزوا به ينتفع بها۔“ ”اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مردہ کی طرف سے صدقہ کرنا جائز ہے اور اس سے مردہ کو نفع پہونچتا ہے۔“

۔۔۔ اسی میں ایک دوسری جگہ ہے: ”وروی احمد عن عبد الله بن عمرو ان العاص بن وائل نذر فی الجاهلية ان ينحر مائة بدنة وان هشام ابن العاص نحر عنه خمسين و ان عمرواً سأل رسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلك فقال اما ابوك فلو اقر بالثو حيد فصمت و تصدقت عنه نفعه ذلك“ (عینی شرح بخاری جلد ۲ ص ۲۴۶) ”امام احمد بن حنبل نے عبد اللہ بن عمرو سے روایت کیا کہ ان کے باپ عاص بن وائل نے زمانہ جاہلیت میں نذر مانا تھا کہ سوا ونٹ قربانی کریں گے اور ہشام ابن عاص نے ان کی طرف پچاس اونٹ قربان کیا اور عمرو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا۔ حضور نے فرمایا کہ اگر تمہارا باپ تو حید کا اقرار کرتا تو تم روزہ رکھتے اور اس کی طرف سے صدقہ کرتے تو نفع دیتا۔“

اور اسی میں ہے ص ۲۴۶: ”و عن ابن ماکولا من حدیث ابراہیم ابن حیان عن ابیہ عن جدہ عن انس رضی اللہ عنہ انہ قال سئلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت انالند عو لمو تاناو نتصدق عنہم و نحج فهو یصل ذلك الیہم فقال انہ لیصل الیہم ویفرحون بہ کما یفرح احدکم بالہدیۃ“۔ ”ابن ماکولا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہم اپنے مردوں کے لئے دعا کرتے ہیں اور ان کی طرف سے صدقہ دیتے ہیں اور حج کرتے ہیں تو کیا اس کا ثواب ان کو پہونچتا ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک و ضرور ان کو پہونچتا ہے اور وہ لوگ اس سے خوش ہوتے ہیں جس طرح تم میں سے کوئی ہدیہ بھیجنے سے خوش ہوتا ہے۔“

سبحان اللہ! یہ حدیث بھی عجیب و غریب جامع انواع ثواب ہے۔ اس لئے کہ ایصال ثواب تین طرح سے ہو سکتا ہے۔ بدنی، مالی، دونوں کا مجموعہ، اس حدیث نے تینوں کو جمع کر دیا ندعو لمو تانا عبادت بدنی ہے۔ نتصدق عنہم ثواب مالی نحج عنہم عبادت مجموعہ مالی و بدنی ثابت ہوا کہ مردے کو ہر قسم کا ثواب پہونچتا ہے، بدنی ہو یا مالی یا دونوں کا مجموعہ۔ شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی اشعة اللمعات شرح مشکوٰۃ باب زیارة القبور جلد اول ص ۶۳ میں فرماتے ہیں: ”مستحب ست کہ تصدق کردہ شود از میت بعد رفتن او از عالم تا ہفت روز و تصدق از میت نفع می کند اور ابے خلاف میان اہل علم و وارد شدہ ست در ان احادیث صحیحہ خصوصاً آب و بعضی از علما گفتہ اند کہ نمی رسد میت را مگر صدقہ و دعاء در بعض روایات آمدہ ست کہ روح میت می آید خانہ خود را شب جمعہ، پس نظری کند کہ تصدق می کنند از وے یا نہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔“

”مستحب ہے کہ میت کی جانب سے صدقہ کیا جائے۔ اس کے دنیا سے گزرنے کے بعد سات روز تک میت کی جانب سے صدقہ کرنا میت کو نفع پہونچاتا ہے۔ اس بارے میں اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس بارے میں صحیح حدیثیں وارد ہوئی ہیں خصوصاً بعض علما نے فرمایا ہے کہ نہیں پہونچتا ہے میت کو مگر صدقہ اور دعا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ میت کی روح جمعہ کی شب کو اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اس کی جانب سے لوگ صدقہ کرتے ہیں کہ

نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔“

اس جگہ ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ میت کے ایصالِ ثواب کے لئے جو لوگ کھانا وغیرہ پکوا کر لوگوں کو کھلاتے ہیں تو یہ میت کی طرف سے صدقہ ہے تو چاہئے کہ صرف فقرا کو دیا جائے۔ لیکن متعارف ہے کہ اعزہ اقارب دوست احباب اغنیا وغیرہ سب کھاتے اور سب کو کھلاتے ہیں۔ جواب اس کا یہ ہے کہ یہ صدقہ واجبہ نہیں جو فقرا کے ساتھ خاص ہو، اغنیا کے لئے ناروا بلکہ صدقہ نافذ ہے اور کار خیر ہے۔ مشکوٰۃ شریف باب المعجزات میں ایک حدیث ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ خود بنفس نفیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی طعام میت میں شریک ہوئے تو اگر یہ ناجائز ہوتا یا قابلِ احتراز ہوتا تو خود حضور اقدس صلی اللہ وسلم ہرگز نہ شریک ہوتے۔

”عن عاصم بن کلیب عن ابیہ عن رجل من الانصار قال خرج جنامع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی جنازة فرايت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و هو علی القبر یوصی الحافر یقول اوسع من قبل رجلیہ اوسع من قبل راسہ فلما رجع استقبلہ داعی امرأته فاجاب ونحن معه فجئنا بالطعام فوضع یدہ ثم ووضع القوم فاكلوا فنظرنا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یلوك لقمة فی فیہ ثم قال اجد لحم شاة اخذت بغیر اذن اهلها فارسلت المرءة تقول یا رسول اللہ ! انی ارسلت الی النقیع و هو موضع یماع فیہ الغنم لیشتري لی شاة فلم توجد فارسلت الی جارلی قد اشتری شاة ان یرسل بها الی ثمنها فلم یوجد فارسلت الی امواء ته فارسلت الی بها فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اطعمی هذا الطعام الا سرئ۔“ رواہ ابو داؤد البیہقی فی دلائل النبوة۔

”ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں نکلے تو میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ گورکن کو فرماتے ہیں: پاؤں کی طرف سے قبر کو فراخ کرو، سر کی طرف سے فراخ کرو۔ جب بعد دفن واپس ہوئے۔ اس میت کی بی بی نے ایک آدمی بھیجا کہ کھانا تیار ہے، نوش جان فرمائیے آپ نے قبول فرمایا اور ہم سب آپ کے ساتھ تھے، وہاں گئے کھانا سامنے آیا۔ آپ نے دست مبارک کھانے کی طرف بڑھایا پھر سب جماعت نے بڑھایا تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ دہن مبارک میں لقمہ چبا رہے ہیں اور فرو نہیں کرتے ہیں۔ پھر ارشاد فرمایا کہ یہ اس بکری گوشت ہے جو بغیر اجازت مالک کے لی گئی ہے۔ عورت نے یہ کہلا بھیجا کہ یا رسول اللہ! میں نے آدمی نقیع میں بھیجا جہاں بکریاں بکتی ہیں تاکہ بکری خریدی جائے تو وہاں نہ ملی۔ تب میں نے اپنے ہمسایہ کے پاس آدمی بھیجا کہ جو بکری اس نے خریدی ہے، وہ مجھ کو بقیعت دے۔ اتفاق سے وہ ہمسایہ بھی گھر میں نہ تھا تو میں نے اس کی بی بی کے پاس آدمی بھیجا تو اس نے بے اجازت شوہر بکری میرے پاس بھیج دی۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

یہ کھانا قیدیوں کو کھلا دو۔ اس حدیث کو ابوداؤد اور بیہقی نے دلائل النبوة میں ذکر کیا۔

ملا علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۵ ص ۲۸۲ میں فرماتے ہیں: ”هذا الحديث بظاهره يرد على ماقررہ اصحاب مذهبنا من انه يكره اتخاذ الطعام في اليوم الاول والثالث و بعد الاسبوع“۔ ”عاصم بن کلب کی یہ حدیث کھلے طور پر رد کرتی ہے اس مسئلہ کو جو ہمارے مذہب والوں نے قرار دیا ہے کہ پہلے روز اور تیسرے دن اور بعد ہفتہ کھانا تیار کرنا مکروہ ہے۔“

پھر ملا علی قادری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مذہب والوں کے قول اور حدیث میں اس طرح تطبیق دیتے ہیں: ”فلينبغي ان نقيد كلا مهم بنوع خاص من اجتماع يوجب استحياء اهل الميت فيطعمو نهم كرها او يحمل على كون بعض الورثة صغيرا او غائبا ولم يعرف رضاه ولم يكن الطعام من عند حد معين من مال نفسه“۔ ”خفیہ جو طعام میت کو مکروہ بتاتے ہیں، وہ اس صورت پر محمول ہے کہ اجتماع ایک خاص قسم کا ہو، جس سے اہل میت شرمائیں اور شرما کر ان لوگوں کو کھلائیں یا جبکہ بعض ورثہ نابالغ ہوں یا غائب ہوں یا اس پر راضی نہ ہوں یا کم از کم رضامندی معلوم نہ ہو یا کسی خاص شخص کی طرف خود اس کے مال سے وہ کھانا تیار نہ کیا گیا ہو۔“

ہدایہ فصل صدقہ ج ۳ ص ۲۹۰ میں ہے: ”قد يقصد بالصدقة على الغنى الثواب“۔ ”اغنيا کا کھلانا جس طرح ان کی رضا جوئی کے لئے ہوتا ہے کبھی اس سے مقصود حصول ثواب بھی ہوتا ہے۔“

مجمع البحار جلد دوم ص ۲۳۸ میں ہے: ”الصدقة ما تصدقت به على الفقراء اى غالب انواعها كذلك فانها على الغنى جائزة عندنا ثاب به بلا خلاف“۔ ”صدقہ اس کو کہتے ہیں جو فقراء کو دیا جائے یعنی غالب انواع اس کا فقراء کے لئے ہوتا ہے، ورنہ غنی کو دینا بھی ہمارے نزدیک جائز ہے۔ اس پر بلا خلاف اجر و ثواب ملے گا۔“

خود حدیث شریف میں ہے کل معروف صدقة ہر معروف کام کرنے میں صدقہ کا ثواب ہے اور ظاہر ہے کہ اغنیا کو کھانا کھلانا منکر نہیں بلکہ معروف ہے۔

فقیر غفرلہ المولی القدر کہتا ہے کہ اسی وجہ سے مسلمانوں میں مروج ہے کہ میت کی طرف سے ایصال ثواب کے لئے کھانا پکوا کر فقراء کو کھلاتے یا تقسیم کرتے ہیں اور اس میں کبھی کبھی اغنیا کو بھی شریک کر لیتے ہیں۔

پچیسواں طریقہ: میت کی طرف سے قربانی کرنا

”عن عائشة رضى الله عنها ان رسول الله صلى الله عليه وسلم امر بكبش اقرن بطاء في سواد و يبرك في سواد فائى به ليضحى به قال يا عائشة! هلمى المدينة ثم قال اشحذيهما بحجر ففعلت ثم اخذها واخذ الكبش فاضجعه ثم ذبحه ثم قال بسم الله اللهم تقبل من محمد و من

امۃ محمد ثم ضحیٰ بہ۔“ رواہ مسلم ج ۲ ص ۱۵۶۔ ”امام مسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ قربانی کے لئے ایک بکرا سینگ والا لایا جائے جس کے دونوں پاؤں سیاہ ہوں، پیٹ سیاہ ہو، آنکھیں سیاہ ہوں یعنی وہ بکرا سر سے پاؤں تک سیاہ ہو، تو ایسا بکرا لایا گیا۔ ارشاد ہوا: اے عائشہ چھری لاؤ اور اس کو پتھر پر تیز کرلو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایسا کیا پھر حضور نے وہ چھری لی اور اس بکرے کو پکڑا اور لٹایا پھر ذبح کیا اور فرمایا بسم اللہ خداوند اس کو قبول فرما محمد اور امت محمد کی طرف سے پھر قربانی کی۔“

ملا علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۲۶۱ میں لکھتے ہیں: ”قال الطیبی المراد المشارکۃ فی الثواب مع الامۃ لان الغنم الواحد لا یکفی عن اثنين فصاعدا۔“ ”علامہ طیبی نے فرمایا کہ اس سے مراد امت کو ثواب میں شریک کرنا ہے۔ اس لئے کہ ایک بکری دو آدمی یا زیادہ کی طرف سے کفایت نہیں کرتی۔“

”وعن جابر قال ذبح النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الذبح بکبشین اقرلین المحین موجوین فلما وجہہما قال انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض علی ملۃ ابراہیم حنیفا وما انا من المشرکین۔ ان صلاتی و نسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین لا شریک له وبذلک امرت و انا من المسلمین اللهم منك ولك عن محمد و امتہ بسم اللہ اللہ اکبر ثم ذبح رواہ احمد و ابو داؤد و ابن ماجہ و الدارمی۔“ ”یہ محدثین حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے لئے وہ بکرے سینگ والے خوبصورت آختہ ذبح فرمائے۔ جب ان کو لٹایا دعا پڑھی اللہم انی وجہت وجہی الخ اور فرمایا کہ خداوند ایہ تیرا عطیہ ہے اور تیرے لئے ذبح کیا گیا ہے محمد اور امت محمد کی طرف سے۔ بسم اللہ اللہ اکبر کہا اور ذبح کیا۔“

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۳۶۵ میں تحریر فرماتے ہیں:

”(عن محمد) ای صادرۃ عنہ (وامتہ) ای العاجزین عن متابعتہ فی سنۃ اضحیتہ وهو یحتمل التخصیص باہل زمانہ والتعمیم المناسب لشمول احسانہ والاول یحتمل الاحیاء والاموات والا خیر منهما ثم المشارکۃ امام محمولۃ علی الثواب والا علی الحقیقۃ فیکون من خصوصیۃ ذلك الجناب والا ظہر ان یکون احدهما عن ذاته الشریفۃ والثانی عن امتہ لضعیفۃ۔“

”یہ قربانی صادر ہے محمد اور ان کی امتیوں کی طرف سے جو سنت اضحیہ میں آپ کی متابعت سے عاجز ہیں اور ہو سکتا ہے کہ یہ فقط انہیں لوگوں کی طرف سے ہو جو حضور کے زمانہ میں تھے یا سب کو عام ہو اور یہی شمول احسان کے اعتبار سے مناسب ہے اور اول احتمال رکھتا ہے زندوں اور مردوں سب کو یا فقط مردوں کو۔ پھر مشارکت یا تو فقط ثواب

میں ہے یا حقیقتہً قربانی مراد ہے تو یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہوگا اور ظاہر یہ ہے کہ ایک حضور کی طرف سے ہو اور دوسری قربانی آپ کی امت ضعیف کی جانب سے۔“

”و فی رواية لا حمد و ابی داؤد و الترمذی ذبح بیده و قال بسم الله الله اکبر اللهم هذا عني و عمن لم یضح من امتی“۔ ”امام احمد ابو داؤد و ترمذی کی روایت میں ہے کہ حضور نے خود اپنے دست حق پرست سے ذبح کیا اور بسم اللہ اکبر کہا۔ خداوند ایہ قربانی میری طرف سے اور میری ان امتیوں کی طرف سے جنہوں نے قربانی نہ کی۔“

”و عن حنش قال رايت عليا یضحی بکبشین فقلت له ما هذا فقال ان رسول الله صلی الله علیه و سلم اوصانی ان اضحی عنه فانا اضحی عنه رواه ابو داؤد و الترمذی نحوہ“۔ ”ابو داؤد اور ترمذی نے حنش بن عبد اللہ سبائی سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو دیکھا کہ دو بکرا قربانی کیا۔ میں نے کہا، یہ کیا ہے؟ حضرت علی نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ان کی طرف سے قربانی کیا کروں تو میں ایک جانور ان کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔“

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات جلد ۲ ص ۳۶۵ میں فرماتے ہیں:

”انا اضحی عنه) بعد موته اما بکبشین علی متوال حیوٰتہ او بکبش احد ہما عنه و الآخر عن نفسی (فانا اضحی عنه) قال ابن الملك يدل علی ان التضحية تجوز عمن مات“۔ ”حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے جو فرمایا کہ ان کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔ حضور کے وصال کے بعد جس طرح آپ اپنی حیات میں دو جانور قربانی کیا کرتے تھے، اسی طرح میں بھی حضور کی طرف سے دو جانور قربانی کرتا ہوں یا دو میں سے ایک حضور کی طرف سے اور ایک اپنی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔ ابن ملک نے کہا کہ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ میت کی طرف سے قربانی کرنی جائز ہے۔“

رد المحتار جلد ۵ ص ۲۲۰ میں ہے: ”و ان تبرع بها عنه له الا کل لا نه يقع علی تلك الذابح والثواب للمیت“۔ ”اگر کسی نے میت کی طرف سے تبرعاً قربانی کی تو اس سے کھانا جائز ہے کیونکہ یہ قربانی ملک ذابح پر واقع ہوئی اور مردہ کو قربانی کا ثواب ملے گا۔“ واللہ تعالیٰ علم۔

جواب سوال سوم: ایصال ثواب کے متعدد طریقے سوال (۱) اور (۲) کے جواب میں تحریر کئے گئے۔ ان میں بعض بعض طریقے تو جملہ صحابہ گرام و صحابیات حضرت ام المومنین خدیجہ الکبریٰ و بنات طاہرات حضرت رقیہ و ام کلثوم و حضرت خبیب و حضرت حمزہ و حضرت جعفر طیار و دیگر شہدائے جنگ بدر و خیبر و احد و حنین و تبوک و غیر ہارضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایصال ثواب کے لئے خود بنفس نفیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کے ساتھ صحابہ و اہل بیت نے

کیا۔ جس کی قدرے تفصیل گزشتہ جواب سے ظاہر اور تفصیل مزید واقف سیر و تاریخ سے پوشیدہ نہیں اور نہ فقط ایک ہی مرتبہ بلکہ ان میں بعض بعض تو بار بار ہارتے گئے مثلاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کی زیارت ہر سال کیا کرتے تھے۔ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی اس سنت سنیہ کو جاری رکھا۔ حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا بھی زیارت کو جایا کرتیں، وہاں نماز پڑھتیں اور رویا کرتیں، دعا کرتی تھیں۔

امام محمد بن محمد غزالی احیاء العلوم میں تحریر فرماتے ہیں: ”و عن جعفر بن محمد عن ابیہ ان فاطمة بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانت تزور عمہا حمزة فی الایام فتصلی وتبکی عنده“۔ ”حضرت امام جعفر صادق اپنے والد ماجد امام محمد باقر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ان کی پردادی حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے (والد کے) چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم کی قبر کی زیارت کو جایا کرتیں تو وہاں جا کر نماز پڑھتیں اور ان کے پاس روتی تھیں۔“

علامہ سید مرتضیٰ زبیدی شرح میں فرماتے ہیں: ”وروی البیہقی فی الشعب عن الواقدی قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یزور الشہداء باحد فی کل حول و اذا بلغ رفع صوته فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار ثم ابو بکر کل حول یفعل مثل ذلك ثم عمر ثم عثمان و کانت فاطمة رضی اللہ عنہا تاتیه وتدعوا و کان سعد بن وقاص یسلم علیہم ثم یقبل علی اصحابہ فیقول الا تسلمون علی قوم یردون علیکم السلام“۔ ”بیہقی شعب الایمان میں واقدی سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال شہدائے احد کی زیارت کو تشریف لے جایا کرتے تھے اور جب وہاں پہنچتے، بلند آواز سے فرماتے سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار کہتے پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہر سال اسی طرح کیا کرتے تھے پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان بھی ایسا کیا کرتے تھے اور حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا حضرت حمزہ کی زیارت کو آتیں اور دعا کرتیں تھیں اور حضرت سعد بن وقاص بھی شہدائے احد پر سلام کیا کرتے تھے اور پھر اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے تم اس قوم پر کیوں نہیں سلام کرتے جو تمہارے سلام کا جواب دیں۔“

شرح احیاء العلوم جلد ۱۰ ص ۳۶۴ میں ہے: ”وروی ابن ابی شیبہ عن ابی جعفر ان فاطمة بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانت تزور قبر حمزة رضی اللہ عنہما ترمہ وتصلحہ وقد تعلمتہ بحجر۔ و رواہ یحییٰ نحوہ عن ابی جعفر عن ابیہ علی بن الحسین و زاد فتصلی ہناک وتدعوا تبکی حتی ماتت۔“ ”ابن ابی شیبہ حضرت ابو جعفر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ زہراء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبر کی زیارت کیا کرتیں اور اس کی مرمت کرتیں، اصلاح درستی کرتیں اور پتھر کے ذریعے علامت بنادی

تھی، اور یحییٰ نے مثل روایت سابق ابو جعفر سے، انہوں نے اپنے والد علی بن حسین امام زین العابدین سے روایت کیا اور اس میں اس قدر اور زیادہ ہے کہ وہاں پڑھتیں، دعا کرتیں، روتیں۔ یہ دستور و طریقہ ہمیشہ جاری رہا، یہاں تک کہ ان کا انتقال ہوا۔“

معلوم ہوا کہ دو چار بار کون پوچھتا ہے، ہمیشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین، حضرت امیر معاویہ، سعد بن وقاص مع جماعت احباب اور مدت العمر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم اجمعین شہدائے احد کی سالانہ زیارت کو آیا کرتے اور سلام کرتے اور دعا کرتے رہے۔

فقیر غفرلہ المولیٰ القدر کہتا ہے کہ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کا اپنے احباب و اصحاب سے یہ کہنا الاتسلمون علی قوم یردون علیکم السلام اس حدیث کی تصدیق ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قبور شہدائے احد کی زیارت کی اور فرمایا:

”ان عبدك و نبیک یشہدان ہولاء شہداء وانہم من زارہم او سلم علیہم الی یوم القیمة ردوا علیہ۔“ خداوند اتیرا بندہ اور تیرا نبی گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ شہید ہیں۔ قیامت تک جو شخص ان کی زیارت کرے گا اور ان پر سلام بھیجے گا یہ لوگ اس کے سلام کا جواب دیں گے۔

”رواہ البیہقی فی الدلائل و قال العطاف و حدثنی خالتي انہا زارت الشہداء فسلمت علیہم فسمعت رد السلام فقالو واللہ اذ انعر فکم کما یعرف بعضنا بعضنا قالت فشعرت۔“ عطا ف بن خالد راوی حدیث کہتے ہیں کہ میری خالہ نے مجھ سے بیان کیا کہ انہوں نے شہداء کی زیارت کی پس ان پر سلام کیا تو جواب سلام سنا اور ان لوگوں نے کہا کہ خدا کی قسم ہم تم کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح ہمارا بعض بعض کو پہچانتا ہے تو وہ کہتی ہیں کہ یہ سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔“

”و عن ہاشم بن محمد العمری من ولد عمر بن علی قال اخذنی ابی بالمدينة الی زیارة قبور الشہداء فی یوم جمعة بین الفجر و الشمس فکنت امشی خلفہ فلما انتہی الی المقابر رفع صوتہ فقال سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار قال اجیب و علیک السلام یا ابا عبد اللہ! فالتفت ابی الی فقال انت المحیب؟ فقلت لا فجعلنی عن یمینہ ثم اعاد السلام ثم جعل کلما سلم یرد علیہ حتی فعل ذلک ثلاث مرات فخر ساجدا۔“ (رواہ البیہقی) ”امام بیہقی ہاشم بن محمد عمری سے روایت کرتے ہیں کہا۔ کہ میرے والد مدینہ طیبہ میں مجھے جمعہ کے دن درمیان طلوع فجر و طلوع شمس یعنی صبح صادق کے وقت شہدائے احد کی زیارت کے لئے گئے۔ میں ان کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ جب وہ قبرستان پہنچے، آواز بلند کی

اور سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار کہا۔ راوی نے کہا تو کسی نے آپ کے سلام کا جواب دیا و علیکم السلام یا ابا عبد اللہ اس جواب کو سن کر میرے والد میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ کیا تم نے جواب دیا؟ میں نے کہا نہیں پھر مجھے اپنی دہنے طرف کر لیا پھر سلام کیا تو جب جب سلام کرتے، جواب پاتے تھے۔ یہاں تک کہ تین مرتبہ کیا تو آپ سجدہ میں گرے۔“

”و عن فاطمة الخزاعية تقول لقدراء بتنى و غابت الشمس بقبور الشهداء و معى اخت لى فقلت لها تعالى نسلم على قبر حمزة فوقفنا على قبره فقلنا السلام عليك يا عم رسول الله صلى الله عليه وسلم فسمعنا كلاما رد علينا و عليكم السلام و رحمة الله قالت و ما قربنا احد من الناس“ (رواه البيهقى) ”فاطمہ خزاعیہ کہتی ہیں کہ ایک دن آفتاب ڈوبتے وقت شہدائے احد کے قبور پر میرا گزر رہا اور میرے ساتھ میری بہن بھی تھی۔ میں نے کہا آؤ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو سلام کرتے چلیں۔ ہم دونوں بہن ان کی قبر پر ٹھہرے اور ہم نے کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا! آپ پر سلام ہو۔ پس ہم نے سنا کہ کسی نے ہمارے سلام کا جواب دیا اور علیکم السلام ورحمۃ اللہ کہا۔ فاطمہ خزاعیہ کہتی ہیں اور ہمارے آس پاس کوئی آدمی نہ تھا۔“

(وفاء الوفا جلد ۲ ص ۱۱۲)

ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و خلفائے راشدین و دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور بعد کے مسلمان تابعین تبع تابعین، رجال و نساء رحمۃ اللہ علیہم اجمعین الی یوم الدین برابر سال بہ سال حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ و دیگر شہدائے احد کے مزارات پر جا کر ایصال ثواب کیا کرتے تھے اور دیگر صحابہ کرام جن کے اسمائے طیبہ سوال میں درج ہیں اور ان کے علاوہ وہ حضرات صحابہ عظام جن کے اسمائے گرامی درج نہیں، ان کے حالات بھی اگر تفصیل کتب سیر و تاریخ میں دیکھے جائیں تو ہر ایک کے لئے ایصال ثواب کے گزشتہ طریقوں سے نہ صرف ایک دو بلکہ متعدد طریقے اور وہ بھی نہ صرف ایک بار بلکہ بار بار کرنا ثابت ہوگا اور اگر بالفرض نہ سہی تو عدم ذکر، ذکر عدم نہیں۔ سیکڑوں کیا ہزاروں لاکھوں، واقعات روزمرہ ہوا کرتے اور تاریخ میں ان کا ذکر نہیں تو کیا وہ سب باتیں شدہ بے شدہ ہو جائیں گی۔ ہاں ماننے اور عمل کرنے کے لئے مطلق ثبوت کافی ہے، اگرچہ ایک شخص ایک فرد کے لئے ہو ع

درخانہ کس ست یک حرف بس ست

اور قبر پر بھجور کی شاخ کا رکھنا تو بار بار ثابت ہوتا ہے۔ جن جن حدیثوں سے قبر پر جریدہ رکھنا ثابت ہوتا ہے، امام نووی کا خیال ہے کہ وہ سب ایک ہی واقعہ کا بیان ہے۔ شراح بخاری اس کا رد کرتے اور بدلائل ثابت کرتے ہیں کہ یہ واقعات

متعدد ہیں۔

علامہ قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری جلد ۱ ص ۲۳۵ میں فرماتے ہیں: ”وفیه نظر لمافی حدیث ابی بکرۃ عند الامام احمد والطبرانی انه الذی اتی بالحریرة الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانه قطع الغصنین فذل ذلك علی المغائرة ویوید ذلك ان قصة الباب كانت بالمدينة وکان معه صلی اللہ علیہ وسلم جماعة وقصة جابر كانت فی السفر وکان خرج لحاجته فتبعه جابرو حده فظهر التغایر بین حدیث ابن عباس وجابر بل فی حدیث ابی هريرة رضی اللہ عنہ المروی فی صحیح ابن حبان ما یدل علی الثالثة ولفظه انه صلی اللہ علیہ وسلم مربقبر فوقف فقال ایتونی بجریدتین فجعل احدہما عند راسہ والاخری عند رجلہ“۔ ”امام نووی کا یہ کہنا کہ یہ واقعہ ایک ہی ہے اس میں نظر ہے۔ اس لئے کہ ابو بکرہ کی حدیث میں جسے امام احمد طبرانی نے روایت کیا، یہ ہے کہ ابو بکرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جریدہ لائے تھے اور انہوں نے اس کو دو حصہ کیا تھا تو یہ مغائرت کی دلیل ہے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس باب کا واقعہ مدینہ طیبہ میں واقع ہوا۔ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جماعت صحابہ کرام کی تھی اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا واقعہ سفر میں ہوا۔ اس وقت حضور قضاے حاجت کے لئے باہر تشریف لے گئے تھے کہ حضرت جابر تنہا ساتھ ہو لئے تو حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت جابر کی حدیث میں صاف مغائرت ظاہر ہو گئی بلکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو صحیح ابن حبان میں مروی ہے، وہ تو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ تیسرا واقعہ ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر پر گزرے تو ٹھہرے اور فرمایا کہ کھجور کی دو شاخیں لاؤ۔ پس ایک کو میت کے سر ہانے رکھا اور دوسرے کو پائنتی میں“۔

اسی طرح فتح الباری شرح بخاری جلد اول ص ۲۲۳ میں ہے: ”وفی حدیث ابی بکرۃ عند احمد و الطبرانی انه الذی اتی بها الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اماما رواہ مسلم فی حدیث جابر الطویل المذکور فی او اخر الكتاب انه الذی قطع الغصین فهو فی قصة اخرى غیر هذه فان تغایر حدیث ابن عباس و حدیث جابر وانہما کانا فی قضیتین مختلفین ولا یبعد تعد ذلك وقد روی ابن حبان فی صحیفۃ من حدیث ابی هريرة انه صلی اللہ علیہ وسلم مربقبر فوقف علیہ فقال ایتونی بجریدتین فجعل احدہما عند راسہ والاخری عند رجلہ فتحتمل ان تكون هذه قصة الثالثة“۔

”ابی بکرہ کی حدیث میں امام احمد اور طبرانی کے نزدیک یہ ہے کہ ابی بکرہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شاخ لائے تھے لیکن وہ جس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے یعنی جناب جابر کی حدیث جو طولانی ہے اور کتاب کے آخر

میں درج ہے کہ انہوں نے دو ٹکڑے کیا تھا، یہ دوسرے قصہ میں ہے جو ان کے علاوہ ہے۔ کیونکہ سیدنا ابن عباس کی حدیث اور حضرت جابر کی حدیث میں مغارت ہے اور یہ کہ یہ دونوں دو مختلف قصوں میں واقع ہوئے ہیں اور قصوں کا متعدد ہونا بعید از قیاس نہیں ہے، جبکہ ابن حبان نے حضرت ابو ہریرہ کے حدیث کے ایک صحیفے میں روایت فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر کے پاس گزرے تو حضور اس پر ٹھہرے پھر فرمایا: لاؤ دو شاخیں پھر حضور نے کر دیا اس میں سے ایک کو سرہانے اور دوسری کو پانکتی تو احتمال اس بات کا ہے کہ یہ قصہ خود ایک تیسرا قصہ ہو۔

علامہ عینی رحمہ اللہ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد اول ص ۸۷۷ میں اس پر بہت بسط و تفصیل سے کلام فرماتے ہیں: ”منہا ان فی متن هذا الحدیث ثم دعا بجريدة فکسرھا کسرتین یعنی اتی بہا و کسرھا و فی حدیث جابر رضی اللہ عنہ رواہ مسلم انه الذی قطع الغصنین فہل هذه قضية واحدة او قضیتان الجواب انہما قضیتان و المغائرة بینہما بوجہ الاول ان هذه كانت فی المدینة و کان مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم جماعة و قضية جابر كانت فی السفر و کان خرج لحاجة فتبع جابر و حده الثانی ان هذه القضية انہ علیہ الصلاة والسلام غرس الجريدة بعد ان شقھا نصفین کما فی رواية الاء۔ سن الآتية فی الباب الذی بعده و فی حدیث جابر امر علیہ الصلوٰۃ والسلام جابرا قطع غصنین من شجرتین کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم استتر بها عند قضاء حاجة فالتقی غصنین عن یمینہ و عن یسارہ حیث کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جالسا و ان جابر اسالہ ذلک فقال انی مررت بقبرین یعذبان فاحببت بشفاعتی ان یرفع عنہما مادام الغصنان رطبین الثالث لم یدکر فی قصة جابر ما کان السبب فی عذابہا الرابع یدکر فیہ کلمة الترجی فدل ذلک کلھا علی انہا قضیتان مختلفتان بل روى ابن حبان فی صحیحہ عن ابی ہریرة انه صلی اللہ علیہ وسلم مر بقبر فقال ایثنونی بجريدتین فجعل احدہما عند راسہ والاخری عند رجلیہ فہذا الظاهر یدل علی ان هذه قضية ثالثة فسقط بهذا کلام من ادعی ان القضية واحدة۔ کما مال الیہ النووی والقرطبی۔“

”علامہ عینی نے حدیث جریدہ کی شرح اور اس کے فوائد حدیثیہ بیان کر کے (الاسئلہ والاجوبہ) کی سرخی سے چند سوالات کر کے ان کے جوابات دیے، ہیں۔ منجملہ ان سوالوں کے ایک سوال یہ ہے کہ اس حدیث کے متن میں ”ثم دعا بجريدة فکسرھا کسرتین“ ہے۔ یعنی ایک جریدہ لائے اور اس کے دو ٹکڑے کئے اور جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے مسلم نے روایت کیا، یہ ہے کہ خود جابر ہی نے اس کے دو ٹکڑے کئے تو یہ ایک ہی واقعہ ہے یا دو واقعے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دو قصے ہیں اور دو واقعے ہونے کی چار دلیل ہیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ اس حدیث کا واقعہ

مدینہ طیبہ کا ہے اور اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام کی ایک جماعت تھی اور حضرت جابر کا واقعہ سفر کا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے باہر تشریف لے گئے تھے اور فقط حضرت جابر سے تھے ہوئے تھے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ متن والے واقعہ میں یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شاخ کو دو اڈھا کر کے دونوں قبروں پر گاڑ دیا جیسا کہ باب آئندہ میں بروایت اعمش مصرح ہے اور جابر والی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر کو حکم دیا۔ انہوں نے ان دو درختوں سے دو شاخ لیا جس سے پردہ کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قضائے حاجت کیا تھا پھر جابر کو حکم دیا۔ انہوں نے ان دونوں شاخوں کو داہنے بائیں ڈال دیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور حضرت جابر نے حضور سے سوال کیا تب حضور نے فرمایا کہ میں دو قبروں پر گزرا، دیکھا کہ ان پر عذاب ہو رہا ہے تو میں نے دوست رکھا کہ میری سفارش سے ان دونوں شخصوں پر سے عذاب اٹھا دیا جائے جب تک وہ دونوں تروتازہ رہیں۔ تیسری دلیل: دلیل مغائرت اور ان کے دو واقعہ ہونے کی یہ ہے کہ حضرت جابر کے قصہ میں عذاب کا سبب نہیں بیان فرمایا۔ چوتھی دلیل: یہ ہے کہ اس حدیث میں کلمہ ترجی مذکور نہیں تو یہ سب باتیں اس امر کی دلیل ہیں کہ یہ دو واقعے علیحدہ علیحدہ ہیں بلکہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر پر گزرے پس فرمایا کہ کھجور کی دو شاخ لاؤ۔ جب آئی تو ایک کو حضور نے سرہانے رکھا اور دوسرے کو پائنتی میں رکھا تو یہ حدیث اپنے ظاہر لفظوں سے دلالت کرتی ہے کہ یہ تیسرا واقعہ ہے تو اس سے ساقط ہو گیا کلام اس شخص کا جس نے دعویٰ کیا کہ یہ ایک واقعہ ہے جیسا کہ اس طرف علامہ نووی اور علامہ قرطبی مائل ہوئے۔“

تو اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح شہدائے احد کی قبروں کی زیارت اور وہاں جا کر سلام کرنا، دعا کرنا، نماز پڑھنا وغیرہ بار بار بلکہ بکرات و مراتب ثابت ہے، اسی طرح قبر پر جریدہ رکھنے کا واقعہ بھی ایک ہی مرتبہ نہیں ہوا بلکہ بار بار دو دو، تین تین مرتبہ ہوا۔ خود آپ نے کیا، آپ کے حکم سے صحابہ کرام نے کیا، رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ رہا یہ کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایصال کے لئے کیا طریقہ برتا گیا اور کس طریقہ سے حضور کو ایصال ثواب کیا گیا۔

حضرت مخدوم الملک شاہ شرف الدین احمد تھانی منیری قدس سرہ (جن کا جامع علوم ظاہری و باطنی ہونا، ان کی تصنیفات شرح آداب المریدین، مکتوبات صدی و مکتوبات بست و ہشت و ملفوظات معدن المعانی و مخ المعانی و خوان پر نعمت وغیرہ سے ظاہر و باہر ہے) کے ملفوظات مسکئی بہ مخ المعانی مطبوعہ مفید عام آگرہ ۱۳۲۱ھ مجلس سی و نہم ص ۱۱۱ میں ہے: ذکر در نقل و عرس حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں بحوالہ تفسیر زاہدی بعد بیان واقعات دفن

مذکور و مسطور ہے:

”و بعد از نقل میان صحابہ اختلاف در امر خلافت افتاد کہ خلیفہ رسول خدا کہ باشد۔ مہاجرے می گفت از مہاجران باشد و انصاری می گفت کہ از انصاریاں باشد۔ بعضے صلح می انگیزند کہ یکے مہاجرے باشد و دیگر انصاری۔ دریں اختلاف نہ روز گزشت و این نہ روز نہ حرم بودند۔ ہر یکے ہر روز طعاعے بنام رسول علیہ السلام چنانچہ موجود بود، کردند و در حرم رسول چنداں اسباب از کجا بودے کہ طعام چنداں کردندے کہ بہمہ رسیدے۔ الغرض بعد از نہم روز صحابہ ہر یکے استدلال بریں یک چیز کردند کہ در آنچہ حضرت رسالت زحمت غالب شد از سبب ملال زحمت نتوانستند کہ در مسجد حاضر شوند و بوجود حضرت رسالت کرا مجال بودے کہ امامت کردے و چوں وقت نماز در آمد، بلال بخدمت حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اشارت فرمود کہ ابو بکر صدیق را بگوئے تا امامت کند۔ بلال ایں فرمان با امیر المؤمنین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسانید، ایساں امامت کردند۔ ہمہ بریں صحابہ استدلال کردند کہ پیغامبر خدا مر ابو بکر صدیق را در نماز کہ یکے از ارکان دین ست، امام فرمود و بریں کار امین گردانید و خلیفہ خود گردانید کہ امامت نماز فرمود، پس جائیکہ در کار دین اور امام گردانید و امین داشت در کار دنیا بر طریق اولی امام ما باشد۔ بدیں بیا سود قرار گرفت و اجماع منعقد شد بر خلافت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ بعدہ خلافت برایشان متعین شد۔ پس دو روز بعد از نقل اختلاف در دفن گزشت و نہ روز دریں اختلاف گزشت، جملہ یازدہ روز گزشت و دو از دہم بعد آنکہ اختلاف خلاف برخاست و ابو بکر صدیق متعین گشت، ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بروج رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام طعام ساختند و طعام آن مقدار ساختند کہ تمام اہل مدینہ را بس کردہ شود۔ در مدینہ افتاد امروز چیست؟ گفتند الیوم عرس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، الیوم عرس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی امروز عرس رسول خدا است و در دو از دہم عرس مشہور شد۔“

”حضور کے پردہ فرمانے کے بعد صحابہ کے درمیان خلافت کے بارے میں اختلاف پڑ گیا یعنی یہ کہ رسول خدا کا خلیفہ کون ہو؟ مہاجرین کہتے تھے کہ مہاجروں میں سے ہونا چاہئے اور انصار کہتے تھے کہ انصاریوں میں سے ہونا چاہئے اور بعض صلح پیدا کرنا چاہتے تھے اور کہتے تھے کہ ایک مہاجر اور دوسرا انصاری ہونا چاہئے۔ اس اختلاف میں نو دن گزر گئے۔ ان نو دنوں میں حضور کی نوبتیاں تھیں جن میں سے ہر ایک ہر روز جو کچھ کہ موجود ہوتا، اس میں سے ایک کھانا رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام سے کرتی تھیں، حرم رسول میں اتنے اسباب کہاں تھے کہ اتنا کھانا کرتے جو بھی تک پہنچ سکتا۔ قصہ کوتاہ یہ کہ نویں روز کے بعد صحابہ میں سے ہر ایک نے اس ایک چیز پر استدلال کیا کہ جس چیز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر زحمت غالب ہوتی، اس کے بارے میں بسبب رنج و ملال اتنی زحمت نہ کر سکے کہ مسجد میں حاضر ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کس کی مجال تھی کہ امامت کرتا اور جب نماز کا وقت آگیا، جناب بلال

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور نے اشارہ فرمایا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہو کہ وہ امامت کریں۔ حضرت بلال نے یہ فرمان امیر المومنین ابو بکر صدیق تک پہنچایا، انہوں نے امامت کی۔ اسی بنا پر صحابہ نے استدلال کیا کہ پیغمبر خدا نے دین کے رکنوں میں سے ایک رکن یعنی نماز میں خاص کر ابو بکر صدیق کو امام بنایا ہے اور اس کام کا امانت دار شمار کیا اور اپنا خلیفہ مقرر کیا حتیٰ کہ جناب صدیق نے نماز کی امامت فرمائی۔ لہذا جبکہ دین کے کام میں ان کو امام مقرر کیا اور امین بنایا، دنیا کے کام میں بہتر طور پر ہمارے امام ہوں گے۔ اسی بنا پر یہ بات طے ہو گئی اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر صحابہ کا اجماع ہو گیا جس کے بعد خلافت ان کے حوالہ کر دی گئی پھر دروز اختلاف خلافت اٹھ جانے کے بعد دفن کرنے میں گزر گئے اور نوروز اختلاف خلافت میں گزرے، مجموعی طور پر گیارہ روز گزرے اور بارہویں روز بعد اس بات کے کہ خلافت کا اختلاف اٹھ چکا تھا اور ابو بکر صدیق خلیفہ مقرر ہو چکے تھے، جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور کی پاکیزہ روح کے لئے اتنا کھانا تیار کیا جو تمام اہل مدینہ کو کافی ہو مدینہ میں یہ شور اٹھا کہ آج کیا ہے؟ لوگوں نے کہنا شروع کیا آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس ہے، آج رسول خدا کا عرس ہے اور بارہویں دن عرس مشہور ہو گیا۔“

حضرت مخدوم الملک قدس سرہ العزیز کی اس عبارت اور صاحب تفسیر زاہدی کی صراحت سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ایصالِ ثواب ازواجِ مطہرات نے کیا اور نہ فقط ایک مرتبہ بلکہ نوازاواج نے نو مرتبہ کیا پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلیفہ و جانشین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایصالِ ثواب و عرس لیا اور اس مقدار سے کھانا پکوا یا کہ تمام اہل مدینہ کے لئے کافی ہوا اور نہ فقط اسی زمانہ میں ہو کر رہ گیا بلکہ اس کے بعد بھی صحابہ عظام و مشائخ کرام و علمائے فحام بلکہ جملہ اہل اسلام برابر طرح طرح سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایصالِ ثواب کرتے رہے اور اب تک کرتے ہیں۔

علامہ شامی رد المحتار جلد اول ص ۸۴۵ میں ابن تیمیہ کے اس خیال کا (کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ابدائے ثواب ناجائز ہے) رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”وقد بالغ السبکی وغیرہ فی الرد غلبہ فان مثل ذلك لا یحتاج لاذن خاص الاتری ان ابن عمر کان یعتمر عنہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرا بعد موتہ من غیر وصیتہ و حج ابن الموقوف و ہوفی طبقة السجید عنہ سبعین حجة و ختم ابن السراج عنہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر من عشرة آلاف ختمة وضحیٰ عنہ مثل ذلك“۔ ”علامہ تقی الدین سبکی وغیرہ نے ابن تیمیہ کے رد میں بہت مبالغہ کیا کہ اس قسم کی بات میں خاص اذن کی ضرورت نہیں۔ کیا نہیں دیکھتے کہ حضرت عبداللہ بن عمر حضور کے وصال کے بعد مدت

العمر بے وصیت برابر عمرہ کرتے رہے، حضرت ابن موفی نے جو حضرت جنید کے طبقہ میں ہیں، حضور کی طرف سے ستر حج کیا، ابن سراج نے حضور کی طرف سے دس ہزار مرتبہ سے زیادہ قرآن شریف ختم کیا اور اسی قدر حضور کی طرف سے قربانی کیا۔“

بلکہ آج تک دستور ہے کہ جب کوئی شخص کسی بزرگ کی فاتحہ کرتا ہے تو پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت سے الگ فاتحہ کرتا ہے پھر امت کو حضور کا طفیلی بنا کر بطفیل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایصال کرتا ہے تو حضور کے لئے ہر روز کتنے فاتحے ہوا کرتے ہیں۔ ان کے اعداد و شمار کوئی نہیں بتا سکتا اور یہ طریقہ بزرگان دین اپنی کتابوں میں تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت شیخ مجدد کی مکتوبات جلد سوم مکتوب بست و ہشتم ص ۵۵ میں ہے: ”باید کہ ہر گاہ صدقہ بمیت نیت بکند، اول باید کہ بہ نیت آن سرور علی آلہ الصلوٰۃ والسلام ہدیہ سازد و بعد از آن بمیت تصدق کند کہ حقوق آن سرور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام فوق حقوق دیگر است و نیز بریں تقدیر احتمال قبول صدقہ ست بطفیل آن سرور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام و التیات و اس فقیر در بعضے صدقات موتی کہ در تصحیح نیت خود را عاجز می یابد، علاوہ بہ ازیں نمی یابد کہ آن صدقہ را بہ نیت آن سرور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام تعین نماید۔ آن میت را طفیلی ایشان سازد، امید است کہ ببرکت تو سط ایشان قبول افتد۔“

”چاہئے کہ جب میت کے لئے صدقہ کی نیت کرے تو پہلے آن حضور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی نیت کر کے ہدیہ کرے۔ اس کے بعد میت کے صدقہ کی نیت کرے۔ کیونکہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق دوسروں کے حقوق سے بلند ترین ہیں اور یہ بھی فائدہ ہے کہ اس طرح پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل میں صدقہ قبول ہو جانے کی امید ہے۔ یہ فقیر مردوں کے بعض صدقوں میں جب اپنی نیت کے صحیح کرنے میں خود کو عاجز پاتا ہے تو اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں پاتا کہ اس صدقہ کو آن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے مخصوص کر دے اور جس مردے کے لئے نیت کرنا تھا، اس کو ان کا طفیلی بنادے کیونکہ تو سط کی برکت سے قبول ہو جانے کی امید ہے۔“

اور مسلمانوں میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کا رواج و دستور، وہ کیا ہے ایصال ثواب ہی تو ہے۔ نیز اذان سن کر اللہم رب هذه الدعوة التامة الخ پڑھنا تو عام مسلمانوں میں اس قدر کثرت سے رائج ہے کہ شاید ہی کوئی نمازی مسلمان اس سے غفلت کرتا ہو۔ یہ تو دن رات میں پانچ دفعہ ہر مسلمان کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایصال ثواب ہے جو زمانہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے الیٰ یومنا ہذا جاری ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ قیام قیامت تک جاری رہے گا۔

اللہم صلی علی سیدنا و مولانا محمد کلما ذکرہ الذاکرون و کلما غفل عن ذکرہ

الغافلون و صل علی جمیع الانبیاء والمرسلین والملائکة المقربین والعباد الصالحین و علینا معهم اجمعین الی یوم الدین۔

جواب سوال چہارم: امام اعظم کا فرزند ارجمند اور امام ابو یوسف کو ایصال ثواب کی وصیت

ایصال ثواب کا طریقہ خود امام الائمہ، سراج الائمہ نے اپنی صاحبزادی کو بتایا، اپنے شاگرد رشید کو بتایا۔ وہ ایسی بہترین ترکیب ہے کہ اسی پر اگر سب حنفی حضرات عمل کیا کریں تو کافی ہے۔ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ نے اپنے صاحبزادے کو بیس باتوں کی وصیت فرمائی تھی جن میں ہر ایک آب زر سے لکھنے کے قابل اور ہر حنفی کے عمل کے لائق ہے۔ اس وصیت نامہ کو شیخ احمد ضیاء الدین مصطفیٰ کمشنری نقشبندی مجددی خالیدی نے اپنی کتاب ”جامع الاصول فی الاولیاء وانواعہم“ میں درج فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو ص ۱۵۳۔ یہ کتاب مطبع دارالکتب العربیۃ الکبریٰ مصری میں ۱۳۳۱ھ میں چھپی ہے۔ یہ وہ وصایا ہیں جن کے بارے میں امام صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”یا بنی ارشدک اللہ تعالیٰ و ایدک او صیک بو صایا ان حفظتها و حافظت علیہا رجوت لک السعادة فی دینک انشاء اللہ تعالیٰ“۔ ”اے میرے بیٹے! خدا تجھ کو راہ دکھائے اور تیری مدد کرے۔ میں تجھ کو ان باتوں کی وصیت کرتا ہوں۔ اگر تو ان کو یاد رکھے اور ان پر ہمیشہ عمل کرے تو اللہ تعالیٰ سے تیرے لئے دینی سعادت کی امید کرتا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ“۔

اسی وصیت نامہ میں ہے: ”والثالث عشر ان تو اظب علی قراءة القرآن کل یوم و تہدی ثوابہا الی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم و والدیک و استاذک و سائر المسلمین“۔ ”تیرہویں بات یہ ہے کہ ہر روز قرآن شریف کی تلاوت پر مواظبت کرو اور اس کا ثواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے والدین اور اپنے استاذ اور تمام مسلمانوں کو ہدیہ کرو۔“

اور جو وصیت نامہ اپنے شاگرد رشید امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا، اسے علامہ زین ابن نجیم صاحب بحر الرائق نے اپنی کتاب الاشباہ والنظائر کے اخیر میں درج کیا ہے۔ یہ وصیت نامہ بہت طویل ہے: ”واذکر الموت واستغفر الاستاذ من اخذت عنہم العلم و داوم علی التلاوة و اکثر من زیارة القبور والمشایخ والمواضع المبارکة“ (الاشباہ والنظائر ص ۶۵۴) ”ہمیشہ موت کو یاد کیا کرو اور اپنے استاذ اور جس سے تم نے علم حاصل کیا ہے ان کی مغفرت کی دعا کرو اور ہمیشہ قرآن شریف کی تلاوت کیا کرو اور بکثرت قبروں کی زیارت کیا کرو اور مشائخ کی زیارت کرو اور مقدس و متبرک مقامات کی زیارت کو جایا کرو۔“

فقہ کی کتابیں تو ایصال ثواب کے طریقوں سے بھری ہیں، جن میں سے بعض عبارتیں اوپر گزریں اور

تطویل کے خوف سے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہ دیکھی اور جب خود امام اعظم رضی اللہ عنہ کی نہ فقط تصریح بلکہ اپنے صاحبزادے کو تاکید حکم، شاگرد رشید کو ہدایت موجود تو اگر بالفرض فقہ کی کتابوں میں اس کا کوئی ذکر نہ ہو، جب بھی مضائقہ نہیں کہ لا عطر بعد عروس۔

خداوند عالم کا ہزار شکر ہے کہ مسئلہ ایصال ثواب کے متعلق چاروں سوالوں کے جواب سے فراغت ہوئی اور آیات قرآنیہ کے ارشادات، نصوص نبویہ کے افادات، علمائے کرام کی تصریحات نے اس مسئلہ کو اچھی طرح واضح کر دیا کہ میت کے لئے ایصال ثواب کے طریقے خود قرآن شریف سے ثابت، احادیث سے ثابت، علمائے کرام کی عبارات سے ثابت، خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل مبارک سے ثابت، خلفائے راشدین کے عمل سے ثابت، دیگر صحابہ کرام کے معمول سے ثابت، علمائے عظام کے دستور تعامل سے ثابت، عام مسلمانوں کے مراسم و رواج سے ثابت، تمام اہل سنت کا اس پر اجماع و اتفاق ہے۔

ایصال ثواب کا انکار معتزلہ کا مذہب ہے:

ایصال ثواب کا انکار معتزلہ کا مذہب ہے۔ علمائے کرام نے اپنی کتابوں میں اس مسئلہ پر زبردست روشنی ڈالی ہے۔ معتزلہ کے دلائل کا ذکر کر کے ان کے مفصل جوابات دیئے ہیں۔

شرح عقائد نفی ص ۱۰۷ میں ہے: ”وفی دعاء الاحیاء للاموات وصدقتهم ای صدقة الاحیاء عنهم ای عن الاموات نفع لهم ای للاموات خلافا للمعتزلة تمسکاً بان القضاء لا یتبدل وکل نفس مرهونة بما کسبت والمرء محزی بعمله لا بعمل غیرها ولنا ما روی فی الاحادیث الصحاح من الدعاء للاموات خصوصاً فی صلاة الجنابة وقد توارثه السلف فلولم یکن للاموات نفع فیہ لما کان له معنی وقال علیہ السلام ما من میت تصلى علیه امة من المسلمین یبلغون مائة کلهم یشفعون له الا شفعو افیہ وعن سعد بن عبادۃ انه قال یا رسول اللہ ان ام سعد ماتت فای الصدقة افضل؟ قال الماء فحفر بیرا وقال هذه لام سعد وقال علیہ السلام الدعاء یرد البلاء والصدقة تطفی غضب الرب وقال علیہ السلام ان العالم والمتعلم اذا مرا علی قرية فان الله یرفع العذاب عن مقبرة تلك القرية اربعین یوما والا حدیث والآثار فی هذا الباب اکثر من ان یحصی“۔

”مردوں کے لئے زندوں کے دعا کرنے اور مردوں کی طرف سے زندوں کے صدقہ دینے میں مردوں کا نفع ہے۔ اس مسئلہ میں معتزلہ اہل سنت کے خلاف ہیں۔ ان کے نزدیک زندوں کا عمل مردوں کے لئے بالکل بے اثر غیر مفید ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ قضا بدلی نہیں جاتی اور ہر نفس اپنی کمائی کے ساتھ وابستہ ہے اور ہر آدمی کو اس کے عمل

کی جزا ملے گی، نہ دوسرے کے عمل کی اور ہماری دلیلیں وہ صحیح حدیثیں ہیں جن میں مردوں کے لئے دعا کرنے کا حکم ہے، خصوصاً نماز جنازہ میں کہ اس کو سلف سے خلف تک لوگ برابر کرتے چلے آئے ہیں تو اگر اس میں مردے کا کوئی نفع نہ ہوتا تو نماز جنازہ پڑھنے کے کوئی معنی نہ تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس مردہ پر مسلمانوں کی ایک جماعت جن کی تعداد سو ہو نماز پڑھے اور ہر ایک اس مردہ کی شفاعت کرے تو ان کی شفاعت ضرور قبول ہوگی اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! سعد کی ماں کا انتقال ہو گیا تو کون سا صدقہ ان کے لئے بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا پانی۔ بس انہوں نے کنوا کھدوایا اور کہا کہ یہ ام سعد کی طرف سے صدقہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دعا بلا کوٹالتی ہے اور صدقہ خدا کے غضب کو بجھاتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: عالم اور طالب علم جب کسی بستی میں گزرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے اس بستی کے گورستان پر سے چالیس دن عذاب اٹھا لیتا ہے اور اس بارے میں آثار اور حدیثیں حدیث شمار سے باہر ہیں۔“

اس جگہ کسی خاص صورت کے متعلق یہ شبہ عام خیالوں میں گزر سکتا ہے کہ اگر یہ کار خیر باعث اجر و ثواب ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام وغیرہم تم سے پہلے کئے ہوتے، اس لئے کہ وہ تم سے زیادہ دیندار تھے، جس کی قدرے جھلک ان سوالوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ اب اس قسم کے شبہات و توہمات کی گنجائش ہی نہیں۔ اس لئے کہ یہ شبہ نہ صرف قرن اول بلکہ خلفائے راشدین بلکہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہم اجمعین ہی کے وقت پیدا ہو کر صاف و صریح جواب سے دفع ہو چکا ہے جو نہ صرف ہائی کورٹ کی نظیر بلکہ یر یوی کی نسل کی نظیر کی طرح ہے جو کسی کے اٹھائے نہیں اٹھ سکتی۔

امام بخاری صحیح بخاری جلد دوم باب مع القرآن میں فرماتے ہیں: ”عن زید بن ثابت قال ارسل الی ابو بکر مقتل اهل یمامة و اذا عمر بن الخطاب عنده فقال ابو بکر ان عمر اتانی فقال ان القتل قد استحر بقراء القرآن وانی اخشی ان يستحر القتل بالقراء فی المواطن فیدهب کثیر من القرآن وانی ارئ ان تامر بجمع القرآن فقلت لعمر کیف تفعل شیئاً لم یفعله رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال عمر هذا واللہ خیر فلم یزل یراجعنی حتی شرح اللہ صدری لذلك ورایت فی ذلك الذی رائی عمر فقال زید قال ابو بکر انک شاب عاقل لا نتهمک و قد کنت تکتب الوحی لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتتبع القرآن فاجمعہ فواللہ لو کلفونی نقل جبل من الجبال ما کان اثقل علی مما امرنی به من جمع القرآن قلت کیف تفعلان شیئاً لم یفعله رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم قال واللہ هو خیر فلم یزل ابو بکر یرافعی حتی شرح اللہ صدری للذی شرح له صدر ابی بکر و عمر فتبعت القرآن اجمعه من العصب واللخاف وضد الر جال و وجدت اخر سورة التوبة مع ابی خزیمہ الانصاری لم اجد ہا مع غیرہ لقد جاء کم رسول من انفسکم حتی خاتمة برأۃ فكانت الصحف مع ابی بکر حتی توفاه اللہ ثم عند عمر حیاته ثم عند حفصة بنت عمر۔ (رواہ ابو داؤد الطیالسی وابن سعد والامام احمد فی مسنده والمذنبی و الترمذی والنسائی وابن جریر وابن ابی داؤد فی المصاحف وابن المنذر وابن حبان والطبرانی فی الکبیر والبیہقی فی شعب الایمان، کنز العمال جلد اول ص ۲۷۹)

”جب جنگ یمامہ میں بہت صحابہ حاملان قرآن شہید ہوئے تو امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جناب امیر المومنین سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی: یمامہ میں بہت حفاظ قرآن شہید ہوئے اور میں ڈرتا ہوں کہ اگر یوہیں لڑائیوں میں حافظ شہید ہوتے گئے تو بہت سا حصہ قرآن شریف کا جاتا رہے گا۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کے جمع کرنے اور ایک جگہ لکھنے کا حکم دیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ کام کیا ہی نہیں تم کیونکر کرو گے؟ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ اگرچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا مگر خدا کی قسم کام تو خیر ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر عمر رضی اللہ عنہ مجھ سے اس بارے میں بحث کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ اس کے لئے کھول دیا اور میری رائے عمر کی رائے سے موافق ہو گئی پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت زید کو بلا کر قرآن شریف جمع کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم جو ان عقلمند شخص ہو، ہم تم کو متہم نہیں جانتے اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں قرآن شریف لکھا کرتے تھے، تم قرآن شریف کو تلاش کرو اور جمع کرو حضرت زید کہتے ہیں: بخدا! اگر وہ پہاڑوں میں سے کسی پہاڑ کو ایک جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم دیتے تو مجھ پر اتنا گراں اور دشوار نہ ہوتا جس قدر کہ ان کا یہ حکم قرآن شریف کا جمع کرنا مجھے شاق گزرا۔ میں نے کہا: آپ دونوں کس طرح وہ کام کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا، حضرت ابو بکر نے فرمایا، بخدا وہ کام بہتر ہے۔ پھر ہمیشہ مجھ سے ابو بکر بحث کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ اس کے لئے کھول دیا جس کے لئے ابو بکر صدیق و عمر رضی اللہ عنہما کا سینہ کھولا تھا۔ پس میں نے قرآن شریف تلاش کرنا شروع کیا اور اس کو جمع کرنے لگا کھجور کی شاخ اور باریک سفید پتھروں اور لوگوں کے سینوں سے اور آخر سورہ توہ یعنی لقد جاء کم رسول من انفسکم آخر تک کو فقط ابو خزیمہ انصاری کے پاس پایا، ان کے سوا اور کہیں نہ ملا تو یہ قرآن شریف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں وفات دیدی پھر تازندگی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، ان کے وصال کے بعد حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس رہا۔

اس واقعہ اور اس حدیث نے مسلمانوں کے لئے ایک شاہراہ عام کھول دی کہ کسی کام کے کرنے کے لئے اس امر کو نہ دیکھنا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے یا نہیں، بلکہ یہ دیکھنا ہے کہ وہ کام کیسا ہے؟ کار خیر ہے یا شر، اگر کار خیر ہے؟ اگر چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام و تابعین عظام نے نہیں کیا ہو تب بھی کرنا چاہئے۔ اس کے کرنے میں مضائقہ نہیں جیسا کہ جمع قرآن شریف اس کی پہلی مثال ہے۔ بہت سے لوگ ایسے موقع پر یہ دیکھتے ہیں کہ قرونِ ثلاثہ میں ہوا یا نہیں؟ لیکن جب زید بن ثابت نے صدیق اکبر اور صدیق اکبر نے فاروق اعظم پر اعتراض کیا تو ان حضرات نے یہ جواب نہ دیا کہ نئی بات نکالنے کی اجازت نہ ہونا تو پچھلے زمانہ میں ہوگا۔ ہم صحابہ ہیں، ہمارا زمانہ خیر القرون سے ہے۔ بلکہ یہی جواب فرمایا گیا کہ اگر چہ حضور نے نہیں کیا، پر وہ کام تو اپنی ذات میں بھلائی کا ہے۔ پس کیونکر ممنوع ہو سکتا ہے اور اسی پر صحابہ کرام کی رائے متفق ہوئی اور قرآن شریف باتفاق حضرات صحابہ جمع ہوا۔ مخالفین جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں کوئی بات خلاف شرع نہ ثابت کر سکے تو جمع قرآن کی بدعت کا الزام دھرا۔ افسوس کہ جو اعتراض مخالفین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر کرتے تھے، آج وہ اعتراض سنی حضرات خود اپنے ہم مذہب و ہم مشرب سنیوں پر کرتے ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح بخاری جلد ۹ ص ۹ باب جمع القرآن میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ”وقد تنسول بعض الرافضة ان يتوجه الا اعتراض علي ابى بكر بما فعله من جمع القرآن في المصحف فقال كيف جازان يفعل شيئا لم يفعله رسول الله صلى عليه وسلم والجواب انه لم يفعل ذلك الا بطريق الاجتهاد السائغ الناشئ عن النصيحة منه لله ولرسوله ولكتابه ولامة المسلمين والعامتهم۔“ ”رافضیوں کو شیطان نے بہکایا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر جمع قرآن کی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں کہ کیونکر انہیں جائز ہوا کہ وہ ایسا کام کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے یہ فعل اپنے اجتہاد سے کیا جس کا منشا اللہ و رسول کی کتاب، امت اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی ہے۔“ اسی میں ہے: ”واذا تأمل المنصف ما فعله ابو بكر من ذلك جزم بانہ بعد فی فضائله و نبوة بعظيم منقبته اثبوت قوله صلى الله عليه وسلم من سن سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها فما جمع القرآن احد بعده الا فكان له مثل اجره الى يوم القيمة۔“ ”اور جب انصاف پسند شخص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کام میں تامل کرے گا تو یقین کرے گا کہ یہ فعل ان کا ان کے فضائل و کمالات میں شمار کرنے کے قابل ہے اور ان کے عظیم الشان منقبت و تعریف کی خبر دیتا ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے

کہ جو شخص جاری کرے کوئی اچھا کام تو اس شخص کے لئے اس کام کا اجر ہے اور ان لوگوں کا اجر جو اس کام کو کریں گے تو آپ کے بعد جتنے لوگ قرآن شریف جمع کریں گے، لکھیں گے، اس کا اجر و ثواب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا اور ان لوگوں کے اجر میں کوئی کمی نہ ہوگی۔“

چونکہ اس قسم کا شبہ طریقت، شریعت، عقائد، اصول سب میں ہو سکتا ہے۔ اسی لئے ہر فن والوں نے اس شبہ کی دفع کی طرف توجہ کی اور اپنی کتابوں میں اس شبہ کا جواب لکھا۔

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی القول الجلیل میں طریقہ قادریہ چشتیہ وغیرہ کے اوراد و اشغال ذکر کر کے فرماتے ہیں: ”ولا تظن ان النسبة لا تحصل الا بهذه الاشغال بل هذه طرق لتحصيلها من غير حصر فيها و غالب الراي عندى ان الصحابة والتابعين كانوا يحصلون السكينة بطرق اخرى (الى قوله) وهذا المعنى هو المتوارث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من طريق مشائخنا لا شك في ذلك وان اختلف الالوان و اختلفت طرق تحصيلها“۔

مولوی خر معلی صاحب بلہوری اس کے ترجمہ شفاء العلیل میں اس پوری عبارت کا ترجمہ اور مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کا فائدہ بیان کر کے لکھتے ہیں:

”مترجم کہتا ہے کہ حضرت مصنف محقق نے کلام دل پذیر اور تحقیق عدیم النظر سے شبہات ناقصین کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔ بعض نادان کہتے ہیں کہ قادریہ اور چشتیہ اور نقشبندیہ کے اشغال مخصوصہ صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں نہ تھے تو بدعت سیئہ ہوئے۔ خلاصہ جواب یہ ہے کہ جس امر کے واسطے اولیائے طریقت رضی اللہ عنہم نے یہ اشغال مقرر کئے ہیں، وہ امر زمان رسالت سے اب تک برابر چلا آیا ہے گو طریق اس کے تحصیل کے مختلف ہیں تو فی الواقع اولیائے طریقت، مجتہدین شریعت کے مانند ہوئے۔ مجتہدین شریعت نے استنباط احکام ظاہر شریعت کے اصول ٹھہرائے اور اولیائے طریقت باطن شریعت کی تحصیل کے جس کو طریقت کہتے ہیں، قواعد مقرر فرمائے تو یہاں بدعت سیئہ کا گمان سراسر غلط ہے۔ ہاں یہاں یہ البتہ ہے کہ حضرات صحابہ کو بہ سبب صفائے طبیعت اور حضور خورشید رسالت کی تحصیل نسبت میں ایسے اشغال کی حاجت نہ تھی۔ بخلاف متاخرین کہ ان کو بسبب بعد زمان رسالت کے البتہ اشغال مذکورہ کی حاجت ہوئی جیسے صحابہ کرام کو قرآن و حدیث کے فہم میں قواعد صرف و نحو کے دریافت کی حاجت نہ تھی اور اہل عجم اور بالفعل عرب اس کے محتاج ہیں۔“ واللہ تعالیٰ اعلم (القول الجلیل مع ترجمہ شفاء العلیل ص ۹۰)

مترجم صاحب حضور خورشید رسالت پر حاشیہ لکھتے ہیں ”اس کی مثال ایسی ہے کہ جب تک آفتاب نکلا ہوا ہے، ہر چیز پڑھ لے سکتا ہے آدمی اور جب آفتاب غروب ہو گیا تو حاجت روشنی کی پڑی پڑھنے کے لئے۔ پس صحابہ رضی اللہ

عنہم کے وقت میں آفتاب رسالت طلوع کئے ہوئے تھا، کچھ حاجت اشغال کی حضور مع اللہ کے لئے نہ تھی۔ فقط ایک نظر ڈالنے سے جمال باکمال پر وہ کچھ حاصل ہوتا تھا، اب چلوں میں وہ حاصل نہیں ہوتا اور اب چونکہ وہ آفتاب عالم تاب غروب ہوا، حاجت پڑی ان اشغال کی اس ملکہ حضور کے حاصل کرنے کے لئے۔“

اسی میں ص ۴۱ پر مولانا حاشیہ میں فرماتے ہیں: ”اور اسی طرح پیشوایان طریقت نے جلسات اور بنیات واسطے اذکار مخصوصہ کے ایجاد کئے ہیں مناسبات مخفیہ کے سبب سے جن کو مرد صافی الذہن اور علوم حقہ کا عالم دریافت کرتا ہے (الی قولہ) تو اس کو یاد رکھنا چاہئے یعنی ایسے امور کو مخالف شرع یا داخل بدعات سیئہ نہ سمجھنا چاہئے، جیسا کہ بعض کم فہم سمجھتے ہیں۔“

جناب شاہ ولی اللہ صاحب و جناب شاہ عبدالعزیز صاحب و مترجم صاحب کی ان تمام عبارتوں کو پیش نظر رکھنے والا بآسانی اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ جب تک آفتاب رسالت طلوع کئے ہوئے تھا، ایصال ثواب کے لئے کسی خاص طریقے کی حاجت نہ تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فقط نماز پڑھا دینا ہی گنہگار سے گنہگار کی نجات کے لئے کافی تھا۔ کما یدل علیہ حدیث: ”ان هذه القبور مملوءة ظلمة وانا انورها بصلاتی علیہا۔ یہ قبریں تاریکی سے بھری ہیں اور میں نماز پڑھ کر ان کو منور کرتا ہوں۔“

لیکن جب آفتاب رسالت غروب کر گیا تو طرح طرح کی ترکیب کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس لئے علما و مشائخ نے قرآن و حدیث سے اخذ کر کے ایصال ثواب کے طریقے نکالے جس سے دفع سیئات و رفع درجات ہوا۔ اس پر اعتراض اپنے کمال دانشمندی کا ثبوت دینا اور اکابر اولیائے کرام خصوصاً جناب شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ کو مورد اعتراض و ہدف ملامت بنانا ہے۔ اس قسم کے شبہ کار و نہ صرف صوفیائے کرام ہی نے کیا بلکہ جن علمائے کرام نے عقائد میں کتابیں لکھیں، انہوں نے بھی اس شبہ و اہیہ کا رد کیا۔

علامہ سعد الدین تفتازانی فرماتے ہیں: ”وقد كانت الاوائل من الصحابة والتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین لصفاء عقائدہم ببرکۃ صحبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و قرب العهد بزمانہ و قلة الوقائع و الاختلافات و تمکنہم من المراجعة الی الثقات مستغنین عن تدوین الغلمین و ترتیبہما ابو ابی و فصولاً و تقریر مقاصدہما فروعاً و اصولاً الی ان حدثت الفتن بین المسلمین الخ“ (شرح عقائد ص ۳) ”سلف صالحین، صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور قرب زمانہ رسالت کی برکت سے اور واقعات و اختلافات کے کم ہونے اور ثقہ لوگوں کی طرف مراجعت کا موقع پانے کی وجہ سے ان دونوں علموں کے جمع کرنے اور ان کو باب و فصل میں ترتیب دینے اور مقاصد کو فروغ و اصول پر مقرر کرنے سے

مستغنی تھے۔ یہاں تک مسلمانوں میں فتنے پیدا ہوئے اور ائمہ دین سے بغاوت اور رایوں کا اختلاف اور بدعت و خواہش نفسانی کی طرف میلان ظاہر ہوا اور فتاویٰ و واقعات زیادہ ہوئے اور مہم اور مشکل باتوں میں علما کی طرف رجوع کرنے لگے، تب علما نظر و استدلال اور اجتہاد و استنباط کی طرف متوجہ ہوئے۔“

علامہ سعد الدین تفتازانی کی غرض اس عبارت سے اسی شبہ و اہیہ کا استیصال ہے جیسا کہ اس کے محشیوں نے تصریح کی۔

علامہ حسن شہید حاشیہ شرح عقائد ص ۶ میں لکھتے ہیں: ”قوله قد كانت الخ دفع لما يوهم كون ذلك العلم مردود او حر امثلا بحجم الشارع عن شروعه و كان ماسبق تمهيد له۔ حاصله ان الابحاث الكلامية بدعة لعدم اشتغال الاوائل بها والالتماع اليها لتوفر دواعيه كما نقل اشتغالهم بالمسائل الفقهية و كل بدعة رد بخبره عليه الصلاة والسلام و حاصل الدفع ان اريد عدم اشتغالهم بها مطلقا فهو باطل لان الآيات على اثبات الصانع و صفاته و اثبات النبوة و الرد على المنكرين اكثر من ان يحصى فكيف يمكن ان يقال انهم لم يخوضوا في هذه الا دلة و ان اريد عدم اشتغالهم بها على تدوينها و على تقرير مقاصدها فروعاً و اصولاً كما اشتغلنا نحن فمسلم لكن هي في هذا الا مر كالفقد و ليس لكونها مردودة بل لما ذكره من صفاء الخ فاشتغلنا بالفقه اه۔“

”شارح کا یہ قول قد كانت الخ جواب اس وہم کا ہے جو متوہم ہوتا ہے کہ یہ علم مردود و حرام ہے۔ یہ دفع اس لئے ہے کہ شروع کرنے و لا شروع کرنے سے باز نہ رہے اور گزشتہ مضمون اسی کی تمہید ہے۔ خلاصہ اعتراض و وہم کا یہ ہے کہ ابحاث کلامیہ بدعت ہیں۔ اس لئے کہ سلف صالحین اس کی طرف مشغول نہ ہوئے ورنہ ضرور ہم تک منقول ہوتا، کیونکہ اس نقل و روایت کے دواعی کثیر ہیں۔ جس طرح ان کا فقہ کے ساتھ مشغول ہونا منقول ہوا اور جب وہ مشغول نہ ہوئے تو بدعت ہوا اور ہر بدعت بحکم حدیث نبوی علی صاحبہ الصلاة والسلام مردود ہے اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس عدم مشغولی سے مراد مطلقاً عدم مشغولی ہے تو یہ بالکل باطل ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات اور نبوت کے اثبات اور منکرین کے رد کی آیتیں حدیث سے باہر ہیں تو کیونکر ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ سلف صالحین نے ان آیات میں غور و خوض نہ کیا اور اگر یہ مراد ہے کہ علم و فن مدون نہ کیا، اصول و فروع معین نہ کیا، جس طرح ہم لوگ اس کے ساتھ مشغول ہیں تو بیشک یہ مسلم ہے مگر یہ عدم مشغولی اس وجہ سے نہیں کہ یہ علم مردود ہے بلکہ اس کی وجہ وہی ہے جو شارح علیہ الرحمۃ نے ذکر کیا کہ صفائے عقائد کی وجہ سے ان کو اس کی ضرورت ہی نہ تھی تو ہم لوگوں کا اس علم کے ساتھ مشغول ہونا بدعت حسنہ ہے جس طرح فقہ کے ساتھ مشغول ہونا۔“

علامہ خیالی اسی مضمون کو نہات ہی نفیس قل و دل طریقے سے بیان کرتے ہیں: ”وقد كانت الاوائل تمهيد لبيان الشرف وغاية مع الاشارة الى دفع ما يقال من ان تدوين هذا العلم لم يكن في عهد النبي عليه السلام ولا في عهد الصحابة والتابعين ولو كان له شرف وعاقبة حميده لما احملاه“۔ ”مصنف کا قول و قد كانت الاوائل الخ اس علم کے شرف اور فضیلت کی تمہید اور اس کی غایت کا بیان اور اس اعتراض کے دفع کے طرف اشارہ ہے کہ علم کلام کی تدوین نہ زمانہ رسالت میں ہوئی، نہ عہد صحابہ و تابعین میں۔ تو اگر اس علم میں کوئی خوبی ہوتی اور اس کا انجام محمود ہوتا تو سلف صالحین ہرگز اس کو چھوڑ نہ دیتے“۔ (خیالی ص ۹)

اسی طرح مولانا عبدالحق صاحب خیر آبادی شرح مسلم الثبوت میں منطق کے متعلق اس شبہ کو دفع فرماتے ہیں

۔ ملاحظہ ہو ص ۳۱: ”و يعلم ان النظر قد يقع فيه الخطاء من جهة الصورة وقد يقع من جهة المادة فلا بد من عاصمه عن الخطاء والعقل الكامل عاصم عن الخطاء بحسب الفطرة السليمة ولا يحتاج في العصمة الى المنطق اصلا كما هو للصحابة و من تبعهم اذ بركة صحبة النبي صلى الله عليه وسلم وقرب نزول الوحي كانت عقولهم كاملة غير مشوبة بالوهم و اذهانهم كانت قوية و قرائنهم جيدة و اما امثالنا فلبعد زماننا عن زمان النبي صلى الله عليه وسلم و ظهور الفسق و الفساد و كثرة المشاجرات و الاختلافات محتاجون في العصمة عن الخطاء من جهة الصورة الى المنطق و من جهة المادة الى مباحث الامور العامة و الجواهر و الاعراض فوجب لنا هذه العلوم بعد و جوب النظر ايضا اه“۔

”جاننا چاہئے کہ نظر میں کبھی غلطی صورت کی جہت سے واقع ہوتی ہے اور کبھی مادہ کے جہت سے تو ایسے علم کی ضرورت ہوئی جو خطا سے بچائے اور عقل کامل باعتبار فطرت سلیمہ خطا سے بچانے والی ہے اور ایسے شخص کو منطق کی اصلاً ضرورت نہیں جیسے صحابہ و تابعین تھے۔ اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور نزول وحی سے قرب زمانہ کی برکت سے ان کی عقلیں کامل تھیں، آمیزش و ہم سے مبرا تھیں اور ان کے اذہان قوی تھے اور طبیعتیں جید تھیں لیکن ہم جیسے لوگ تو زمانہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دوری، فسق و فسادات کے ظہور، مشاجرات و اختلافات کی کثرت کی وجہ سے خطا سے بچنے کے لئے صورت کے اعتبار سے منطق اور مادہ کے اعتبار سے مباحث امور عامہ، جواہر و اعراض کے محتاج ہیں تو ہمارے لئے وجوب نظر کے بعد بھی ان علوم کی ضرورت ہے اور ان علوم کا جاننا واجب ہے“

بالجملہ ہر علم و فن والے علماء زمانہ رسالت اور صحابہ و تابعین کے لئے بوجہ آفتاب رسالت و قرب عہد بابرکت شرف و مزیت مانتے اور جانتے ہیں کہ جو باتیں ان کو بے کسب و حنت حاصل ہوتی تھیں، ان کے لئے ہم لوگوں کو مجاہدہ و ریاضت سعی و مشقت کرنی ہوگی۔ یہ خیال خام ہے کہ جب انہوں نے نہ کیا تو ہم کو کرنا نا روا ہوگا بلکہ بوجہ بعد زمانہ خیر و

برکت عہد رسالت ریاضت و محنت اور اوضاع و اطوار میں تا حد اجازت شرع جدت کرنی ہوگی اور یہ سب جائز و کار خیر مطابق شرع شریف ہی سمجھا جائے گا۔

مولوی اسماعیل صاحب دہلوی صراط مستقیم“ ص ۷ لکھتے ہیں: ”اشغال مناسبہ ہر وقت و ریاضت ملائمہ ہر قرن جدا جدا می باشند و لہذا محققان ہر وقت از اکابر ہر طرق و در تجدید اشغال کوششہا کردہ اند۔ بناء علیہ مصلحت دید وقت چنان اقتضا کرد کہ یک باب از یں کتاب برائے بیان اشغال جدیدہ کہ مناسب ایں وقت ست، تعیین کردہ شود۔“

دیکھئے جو لوگ بدعت پر سخت دار و گیر کرتے ہیں، وہ بھی نئے نئے طریقے اور اوداشغال کے نکالنے اور ان اشغال جدیدہ کو درج کتاب کر کے دوسروں کو ان نئے نئے طریقوں پر چلنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ ان نئی نئی باتوں پر یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ اگر یہ طریقے شرعاً جائز ہوتے تو تم سے پہلے صحابہ ضرور کرتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب باتوں کا ضرور حکم دیتے، یہ سب اوہام و خیالات ہیں۔ شیطان کی ایک زبردست چال یہ ہے کہ نبی عن المنکر کے پردہ میں عمل بالمعروف سے روکتا ہے۔ ولا یغرنکم باللہ الغرور۔ خداوند! اپنے حبیب پاک، صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے شرع کے موافق جائز کاموں کی توفیق دے اور ممنوعات و منہیات شرعیہ سے بچا آمین ثم آمین۔

قصداً کہ ان چاروں سوالوں کے مختصر جوابات لکھ کر روانہ کر دینے جائیں مگر جواب نے ایک رسالہ کی شکل اختیار کی تو مناسب معلوم ہوا کہ اس کا تاریخی نام ”نصرة الاصحاب باقسام ایصال الثواب“ (۱۳۵۴ء) رکھا جائے۔ خداوند! اس رسالہ کو میرے دیگر رسائل و تصنیفات کی طرح قبول فرما اور مجھ کو اور میرے سب دینی بھائیوں کو اس سے فائدہ پہونچا و ما ذلک علی اللہ بعزیز و هو حسبی و نعم الوکیل و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سداً محمد والہ و صحبہ و ابنہ و حزبہ اجمعین و اخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین۔

قالہ بفمہ و رقمہ بقلمہ الفقیر ظفر الدین القادری الرضوی

غفرلہ و حقق املہ لثمان خلون من جمادی الاخری ۱۳۵۴ھ۔

☆☆☆☆☆

مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ از اکابر سولہ پور، پر محبت گڑھ میرٹھ، مرسلہ فی ثلثین و حافظ عبدالحکیم و شیخ محبوب الہی ۱۸ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین در بارہ عرس متعارفہ مروجہ جو صوفیائے زماں روز انتقال اولیاء اللہ وغیرہ بزرگان کے مقابر پر ہمیشہ بقید تاریخ رحلت وصال مزبورہ بہ ثبوت اس کے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم

ہر سال قبور شہدائے اُحد پر تشریف لے جاتے اور فرماتے سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار اہتمامِ مبلغ رکھتے ہیں۔ پس علمائے دین وائمہ مجتہدین و اصحاب متصوفین متقدمین و متاخرین اس امر میں جن کے قول و فعل باتفاق جمہور امت محمدیہ اعلیٰ الفضل والکمال و ارباب الوجد والحال قابل التسلیم واجب العمل ہوں، جبکہ مجالس ہجومِ زناں و تماشاخانے مردماں، آثارِ شرکیہ و ارتکابِ معاصی نظارہ اجنبیہ لہو و لعب و طوائفان رقاصات آلاتِ مزامیر وغیرہ سے خالی ہوں، کیا حکم قائم رکھتے ہیں اور قرونِ ثلثہ مشہور دہلیا بالخیر میں اس کا وجود تھا یا نہیں؟ اعلیٰ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وائمہ ہدی میں سے آیا کسی کی قبر کے ساتھ یہ عمل واقع ہوا یا الحال دیارِ عرب و عجم وغیرہ میں سلسلہ ہذا جاری ہے یا نہیں؟ اور موجد اس کا کون شخص ہوا ہے؟ مجوزین جو اس پر حدیث مذکور پیش کر کے استدلال لاتے ہیں، طرفِ ثانی سے ممنوع ہونے میں کیا جواب ہے؟ ہندوستان میں جن مقابر بزرگانِ پر ایامِ عرس وغیرہ میں طوائفانِ مزین ہو کر با ساز و مزامیر رقص و مجرا کیا کرتی ہیں و نیز اکثر گروہِ نسوان اہل قبور سے بطریقِ حاجت برآری یعنی شرکِ منت و نیاز و زیارتِ مجتمع ہوتی رہتی ہیں۔ والیانِ ملک اسلام اور مسلمانانِ اہل اختیارات و ذی قوت ایسے لوگوں کو غیر ملحوظ احترامِ شریعت غراء اور رخنہ انداز ملت بیضا اور معلن بہ فسق و گناہ ہیں، بزجروختی روک دیئے جائیں یا نہیں؟ اور در صورتِ عدم ممانعت ہر مسلمان صاحبِ قدرت سے مواخذہ روزِ حشر باقی رہے گا یا نہیں؟ عورتوں کو زیارتِ قبور کے باب میں واضح کیا حکم ہے؟ بینواتو جروا۔

الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي رضى لنا الاسلام ديناً وجعلنا من خير الامم قطعاً و يقيناً. و افضل الصلوات و اكمل التسليمات علي من نزل عليه الكتاب لكل شيء تبيننا و ارسله داعياً الى الله باذنه و سراجاً مبيناً. كمل فيه الكمال و نزله من كل عيب و شين فهو لكل من و افئ يوم القيامة شرف و ملجأ و زين سيدنا النبي الامي خاتم النبيين عروس مملكة رب الغلمين و اشهد ان لا اله الا الله و حده لا شريك له و اشهد ان سيدنا و مولانا محمداً عبده و رسوله. صلى الله تعالى و سلم عليه و علي اله و صحبه اولي الجاه الذين جاهدوا باموالهم و انفسهم في سبيل الله و منهم من قاتلوا و قتلوا فمالوا مالاً يئالة ذوالطول. ان زارهم النبي صلى الله تعالى عليه و سلم و الخلفاء الراشدون علي رأس كل حول و علي ابنه الامين المكين محي الاسلام و الملة و الشريعة و الدين و اولياء امته و علماء ملته اجمعين الي يوم الدين و علينا معهم و بهم يا ارحم الراحمين. و بعداً فيقول المعاجز الي الله القوى احد خدام الباب الرضوي عبيد المصطفى ظفر الدين

المحمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی العظیم ابادی البہاری المجروی۔ عاملہ اللہ بلطفہ الخفی و فضلہ الوفی فی الحاضر والآتئ مستعینا باللہ الکریم و رسولہ الکریم و ابنہ الغوث محی الدین و اولیائہ اجمعین فی فتح الباب و دفع الحجاب عن وجہ الصواب مسمی المجاب بالاسم التاریخی ”موہب ارواح القدس لکشف حکم العرس“ اللہم اجعلہ خالصا لوجه الکریم و مکفر الذنوب بکرمک العمیم و هادیا للضالین و المضلین۔ آمین! انک علی کل شیء قدير و بنا لاحابة حدير۔

عرس متعارف مذکور فی سوال کہ ہجوم زنان و تماشاے مردمان آثار شرکیہ و ارتکاب معاصی نظارہ اجنبیہ و لبو لعب و طوائفان رقاصان و آلات مزامیر و غیرہ سے خالی ہو، بلاشبہ جائز و درست ہے کہ الامور بمقاصدہا کما فی الاشباہ و النظائر لا فضل المتأخرین مولا نازین العابدین بن نجیم الحنفی۔ اور ظاہر ہے کہ غرض انعقاد اس مجلس سے ایصال ثواب فاتحہ و قرآن خوانی ہے، تحصیل خیر و برکات ہے اور یہ دونوں بلاشبہ جائز ہیں۔ اہل سنت و جماعت کثر ہم اللہ تعالیٰ کی کتب تو اس سے مملو و مشحون ہیں۔ مگر الحمد للہ کہ وہابی پارٹی کو بھی اس میں کلام کا موقع نہیں کہ سرگروہ طائفہ

مولوی اسماعیل صاحب دہلوی اپنی کتاب صراط مستقیم میں لکھتے ہیں: ”نہ پندارند کہ نفع رسانیدن باموات باطعام و فاتحہ خوانی خوب نیست۔ چہ ایں معنی بہتر و افضل است۔“

ناصر ملت و ہابیہ رشید احمد صاحب کے فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۷۲ میں ہے: ”ایصال ثواب ہر روز درست اور موجب ثواب ہے۔“

ان کے محرر مذہب مولوی غلیل احمد صاحب انہٹی کے براہین قاطعہ ص ۱۳۳ میں ہے:

”اور مسلم تمام امت کا ہے کہ ایصال ثواب مستحسن اور مندوب ہے۔“

رہا تحصیل خیر و برکات، کوئی جاہل سا جاہل بلکہ پاگل سا پاگل بھی بشرطیکہ وہابی نہ ہو، یہ نہیں کہہ سکتا کہ اپنے فائدے کی طلب ٹھیک نہیں اور یہ بُرا ہے اور ممنوع ہے۔ باقی تخصیص و تعیین یوم رحلت اور ہر سال کے بعد اسی دن کو کہ یوم انتقال ہے، خاص کرنے کا جواز متعدد اسناد سے ثابت۔

سند اول و دوم: ”حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین ہر سال کے سرے پر شہدائے

أحد کی قبور پر تشریف لے جاتے اور سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار فرماتے۔ کما اخرجہ محمد بن جریر الطبری عن محمد بن ابراہیم قال کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یأتی قبور الشهداء علی رأس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار، و ابو بکر و عمر

عثمان اہ کذا أخرجه ابن المنذر وابن مردويه عن انس رضي الله تعالى عنه ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم كان يأتي احد اكل عام فاذا تفوه الشعب سلم على قبور الشهداء فقال سلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار قاله الامام الجليل الجلال السيوطي الشافعي في الدر المنثور في تفسير القرآن بالماثور وزاد الامام فخر الملة والدين الرازي الشافعي خاتم الخلفاء امير المؤمنين علي بن ابي طالب كرم الله تعالى وجهه الكريم فقال والخلفاء الاربعة هكذا يفعلون۔

”ابن منذر اور ابن مردويه نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سال اُحد تشریف لے جاتے اور جب گھاٹیاں سامنے آتیں قبور شہداء کو سلام کرتے۔ سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبى الدار فرماتے یعنی سلامتی ہو تم پر اس کے بدلے کہ تم نے صبر کیا، پس کیا اچھا ہے عاقبت کا گھر، اور خلقائے اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم بھی ایسا ہی کرتے۔“ والحديث نقله الحافظ ابن حجر المكي في حسن التوسل عن ابن الحاج بهذا اللفظ ”قال كان النبي صلى الله تعالى على يه وسلم يزور الشهداء باحد في كل حول واذا بلغ الشعب رفع صوته فيقول سلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار ثم ابو بكر رضي الله تعالى عنه ورواه ابن ابي شيبه في مسنده عن عباد بن ابي صالح رضي الله تعالى عنه۔

اس استدلال پر مولوی اسحق صاحب دہلوی کے مائے مسائل مطبوعہ مصطفائی ۱۲۸۳ھ ص ۲۹ پر یہ شبہ دیکھنے میں آیا کہ اولاً یہ حدیث صحاح کی نہیں کہ محل خن نہ ہو بلکہ اس کتاب کی ہے کہ ”اس میں ہر قسم کی حدیث صحیح حسن، ضعیف، بلکہ موضوع بھی موجود ہے۔ معہذا یہ حدیث متصل الاسناد مرفوع بھی نہیں تو نزدیک محدثین کے صحیح نہ ہوئی اور تا وقتیکہ اس کی صحت کا یقین نہ ہو لے، کسی چیز کے جواز و عدم جواز پر استدلال نہیں لانا چاہئے کہ صحت استدلال میں صحت حدیث ضروری ہے اور بر تقدیر صحت، حدیث مجمل ہے کہ اس حول کے دو معنی ہیں۔ اول سن یعنی یکم محرم اور اول سن موت صاحب قبر سے۔ اور اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ حدیث مجمل پر عمل جائز نہیں جب تک کہ اس کا بیان مجمل کی طرف سے نہ ہو۔ پس حدیث لا تجعلوا قبری عبدا ای لا تجتمعوا عند قبری کا اجتماعکم للعبد کے معارض ہے“ اہ مترجم۔

اہل علم پر مخفی نہیں کہ مولوی صاحب نے ان چند سطری عبارت میں کتنی غلطیاں کھائیں، علم و فضل کے جو ہر دکھائے، محدثیت کے گل کھلائے۔ اولاً یہ کہنا کہ یہ حدیث صحاح کی نہیں کہ محل خن نہ ہو، محض عامیانہ کلام ہے اور بے اصل محض ہے۔ کیا صحاح کی سب حدیثیں صحیح ہی ہیں کہ محل خن نہ ہوں؟ نہیں نہیں۔ بلکہ صحاح میں بھی ہر طرح کی حدیثیں موجود حتیٰ کہ بعض محدثین نے بعض احادیث صحیح بخاری کو موضوع تک کہا ہے۔ دیکھو حدیث اسرار مروی از شریک کہ

عبدالحق جمع بین اسیحسین میں اور امام قاضی عیاض مالکی وغیرہما نے اس حدیث میں کلام فرمایا اور ابوالفضل بن طاہر نے ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا اور اس میں ابن حزم سے نقل کیا: قال لم نجد البخاری و مسلم فی کتابیہما شیاً لا یحتمل مخرجاً الا حدیثین ثم علیہما فی تخریجہ الوهم وقال الخطابی لیس فی ہذا الكتاب حدیث اشنع ظاہراً ولا ابشع مذاقاً من ہذا الفصل وقد حزم ابن القیم فی الہدی بان فی رواۃ شریک عشرة اوہام۔

اسی طرح صحیح مسلم شریف میں حدیث دربارہ قصہ اسلام ابی سفیان عکرمہ ابن عمار کے مروی کہ ابن حزم نے کہا ہذا حدیث موضع لاشک فی وضعہ آہ قال فی تصحیح المسائل۔ صحاح کو صحاح کہنا امر تقبیہی ہے کہ اکثر احادیث ان کی صحاح ہیں۔

شیخ محقق محدث دہلوی مولانا شاہ عبدالحق صاحب مقدمہ اشعة اللمعات میں تحریر فرماتے ہیں: ”دریں کتب ستہ اقسام حدیث از صحاح و حسان و ضعاف موجود است و تسمیہ آن بصحاح ستہ بطریق تغلیب است۔“ ”کتب صحاح ستہ (۱) بخاری (۲) مسلم (۳) ابوداؤد (۴) ترمذی (۵) نسائی (۶) ابن ماجہ میں صحیح، حسن، ضعیف ہر قسم کی حدیثیں موجود ہیں اور انہیں صحاح ستہ کہنا امر تقبیہی و اکثری ہے۔“

ثانیاً یہ کہنا کہ ”بلکہ اس کتاب کی ہے کہ اس میں ہر قسم کی حدیث صحیح و حسن و ضعیف بلکہ موضوع بھی موجود ہے۔“ محض لچر اور پوچ ہے کہ حال صحاح کا بھی یہ ہے کہ ان میں صحیح، حسن و ضعیف ہر طرح کی حدیثیں بلکہ بعض صحاح مثل جامع ترمذی و ابن ماجہ میں بعض احادیث وہ بھی ہیں جن پر حکم وضع کیا گیا کہ حدیث صحیح نہ صحاح میں محصور، نہ صحاح حدیث صحیح پر مقصور۔ پس اس حدیث کا صحاح ستہ میں نہ ہونا اور محمد بن جریر طبری اور ابن مردویہ اور ابن منذر اور ابوبکر بن ابی شیبہ استاذ بخاری و مسلم کی کتاب میں ہونا ہرگز ہرگز باعث طعن و عدم قول نہیں۔ البتہ اگر نقاد حدیث نے اس حدیث پر کلام کیا ہوتا تو ایک بات تھی یا حکم امتناعی کلی دیا ہوتا کہ ابن جویری کی یا سوائے صحاح کے کوئی حدیث قابل قبول نہیں، تو یہ عذر البتہ قابل قبول ہوتا۔ واذلیس فلیس۔ علاوہ بزیں جب اجلہ اکابر علماء مثل امام جلال الدین سیوطی و ابن ابی شیبہ استاذ بخاری و مسلم و خاتم الحفاظ ابن حجر و مولانا شاہ عبدالعزیز و الامام فخر المملۃ والدین رازی و صاحب شرح لباب المناہک و ابن عابدین شامی وغیرہم نے اسے قبول کیا اور رد نہ فرمایا تو پھر بلا وجہ کیونکر رد ہو سکتی ہے؟ آخر وہ تو مولوی صاحب سے علم و فضل میں زائد ہی تھے، جنہیں حدیث کی تصحیح و تحسین و تضعیف کا مرتبہ خود صاحب حدیث سے حاصل تھا صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ الہ وبارک وسلم۔

ثالثاً یہ کہنا کہ ”معہذا محدثین کے نزدیک یہ حدیث متصل الاسناد مرفوع بھی نہیں تو محدثین کے نزدیک صحیح نہ

ہوئی، بھی ایسا ہی ہے۔ کیا ہر حدیث کا متصل الاسناد مرفوع ہونا ضرور ہے؟ متصل الاسناد مرفوع ہونا داخل ماہیت صحیح ہے؟ کیا کوئی موقوف یا مرسل حدیث صحیح نہیں ہوتی؟ حدیث صحیح کی تعریف جو شیخ محقق وغیرہ نے التصحیح ما یثبت بنقل عدل تام الضبط غیر معلل و لا شاذ فرمائی ہے صحیح نہیں؟ کیا اتنے قید کی اور ضرورت ہے و رفع الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولم یسقط راو من الرواة من البین؟ پھر ذرا انصاف سے فرمائیے تعلیقات صحیح بخاری کے لئے کیا حکم ہوتا ہے؟

رابعاً اس حدیث میں مولوی صاحب نے کون سا ارسال یا انقطاع ثابت کیا کہ متصل الاسناد ہونے کا انکار کیا ہے؟ کیا نہ دیکھا کہ ابن منذر اور ابن مردویہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متصل روایت کیا ہو۔
خامساً مرفوع نہ ہونے کی بھی ایک ہی کہی۔ صراحۃً حدیث میں فعل اقدس حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم مروی۔ پھر مرفوع نہ ہو، چہ؟ شاید مولوی صاحب نے حدیث میں اسمائے خلفائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی دیکھے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے آنکھ بند کر لی یا ان کے مذہب میں جب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ائمہ صحابہ کا نام بھی مروی ہو تو حدیث موقوف ہو جایا کرتی ہے؟

سادساً با وصف ادعائے خفیت عدم اتصال اسناد سے صحت حدیث نہ ماننا عجب العجاب ہے۔ ہمارے ائمہ کرام نیز ائمہ مالکیہ و جمہور ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک اتصال سند ہرگز شرط صحت نہیں۔ کتب اصول اس کی تقریر و تحریر سے مملو و مشحون ہیں۔

سابعاً جناب مولوی صاحب کو اتنا بھی خیال نہ رہا کہ ہمارے امام الائمہ، مالک الازمہ، سراج الائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک حدیث کا مرفوع ہونا بھی ہرگز شرط احتجاج نہیں کہ وہ آثار صحابہ کو بھی حجت جانتے ہیں کما هو منصوص علیہ فی کتب الاصول۔

ثامناً یہ کہنا کہ ”تا وقتیکہ کہ اس کی صحت کا یقین نہ ہو لے، کسی چیز کے جواز و عدم جواز پر استدلال لانا نہیں چاہئے کہ صحت استدلال میں صحت حدیث ضروری ہے“، کس درجہ خلاف عقل و فہم سے بعید ہے۔ استدلال کے لئے حدیث صحیح با استدلال محدثین ہونا ہرگز ضرور نہیں۔ حسن اور ضعیف مروی بطرق عدیدہ بلکہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف فرد بھی معتبر ہے۔ شیخ محقق مقدمہ اشعة اللمعات میں تحریر فرماتے ہیں: ”احتجاج در کلام بجز صحیح لذاتہ مجمع علیہ است و یحتمل بحسن نزد عامۃ علماء و آں ملحق ست صحیح در احتجاج اگر چہ در رتبہ کمتر است۔ و چوں حدیث ضعیف بعد طرق بمرتبہ حسن برسد، آن نیز صحیح بہ است۔ و آنکہ مشہور است کہ حدیث ضعیف در فضائل اعمال معتبر است، نہ در غیر آں، مفرد آتش مراد است نہ مجموع کہ آں بعد طرق داخل حسن است، نہ ضعیف صرح بہ الائمة اہ۔ پس نہ ہر حدیث کا متصل الاسناد

مرفوع ہی ہونا ضرور، نہ استدلال حدیث صحیح ہی پر منحصر و مقصور۔ بہتری (اکثر) حدیثیں موقوف و مرسل ہیں اس واسطے تعلیقات بخاری کہ شیخ محقق قدس سرہ نے فرمایا: ”قالوا تعلیقات البخاری متصلة صحيحة“۔ مقدمہ اشاعت اللغات میں ہے: ”وتعلیقات در تراجم صحیح بخاری بسیار است و ہمہ آن صحیح است و حکم اتصال دارد اھ“۔

اسی طرح بکثرت مسائل کی دلیل میں حدیث موقوف ہی منقول۔ مگر شاید مولوی صاحب نے معنی لغوی کے اعتبار سے فرمایا ہوگا کہ صحت استدلال میں صحت حدیث ضروری ہے، یعنی غلط حدیث سے استدلال صحیح نہیں یا جان بوجہ کر مصلحتاً ایسا لکھ دیا۔ غرض بہر حال! مجھے ایسا خیال معلوم ہوتا ہے کہ لوگ یہ چلتی کارروائی دیکھ کر یہ نہ کہنے لگیں۔

فان كان لا يدري فتلک مصيبة

وان كان يدري فالمصيبة اعظم

نامنا احادیث صحاح ستہ کیا سب متصل الاسناد مرفوع ہی ہیں کہ ان سے استدلال کیا جاتا ہے؟
تاسعاً رد حدیث کے لئے تنگی دائرہ کو اتنی وسعت دی کہ فقط صحیح مرفوع متصل الاسناد مروی صحاح پر قناعت نہ کی بلکہ یہ جبروتی حکم نافذ ہوا کہ جب تک صحت حدیث پر یقین نہ ہو لے اسناد روا نہیں۔ مولوی صاحب! صحت پر یقین تو احادیث بخاری پر بھی نہیں ہو سکتا جبکہ آحاد ہو۔ یقین کے لئے تو اترا یا کم از کم وہ شہرت درکار ہے جسے اصول حنفیہ میں شہرت کہتے ہیں۔ شہرت اصول شافعیہ بھی مرتبہ ظن آحاد سے زیادت نہیں رکھتی۔

عاشراً خدا جانے ان حضرات کو یحوز للوہابی مالا یحوز لغيرہ کا فتویٰ کہاں سے مل گیا ہے؟ حضرت کی اسی مائتہ مسائل واربعین میں کتنی استناد ان روایات سے موجود جو صحاح نہیں اور ان سے جو متصل الاسناد نہیں اور ان سے جو مرفوع نہیں۔ اپنے لئے سب کچھ حلال اور دوسرے پر محض بزور زبان یا غیظ و جلال ناجائز ہے، حرام ہے، استدلال جائز نہیں۔

مائة مسائل صفحہ ۳۸ جواب سوال بست و سوم (اعمال عباد از خیر و شر بر اقربا و معارف ایشاں می رود یا نہ و اوشاں در حق احیا خود ہادعاے کنند یا نہ کنند) میں ”شرح الصدور فی احوال الموتی و القبور“ امام جلال الدین سیوطی سے جسے امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ اسی کے صفحہ ۴۲ جواب سوال بست و پنجم (ثواب قرآن شریف و دیگر اعمال صالحہ باموات می رسد یا نہ؟) میں حدیث دارقطنی۔ اسی کے صفحہ ۶۳ جواب سوال سی و سوم (سجدہ کردن قبر را برائے تعظیم مقبور در شرع حرام است یا کفر یا شرک کبیرہ) میں احادیث امام احمد ابن حنبل، بیہقی عن عبد اللہ بن ابی اوفی و طبرانی، حاکم، بیہقی عن قیس بن سعد و حاکم عن بریدہ، و احمد عن معاذ، و طبرانی عن سراقہ بن مالک و ابن ابی شیبہ عن عائشہ و بیہقی عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اسی کے صفحہ ۱۰۱ جواب سوال ہشتاد و پنجم (مقرر کردن حافظ فی روپیہ سہ ختم قرآن یا چہار چہ حکم دارد جائز یا گناہ، کدام گناہ؟) میں حدیث بیہقی سے دلیل لائے اور ذرا بھی

خیال نہ کیا کہ اس احادیث از صحاح نیست کہ محل نخن نباشد بلکہ ازاں کتب است کہ در آں کتب حدیث ہر قسم صحیح و حسن و ضعیف بلکہ موضوع ہم یافتہ می شود۔ اسی طرح اسی ماتہ مسائل کے صفحہ ۴۲ سوال بست و پنجم مذکور کے جواب میں ہے: ”وروی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال یموت الرجل ویبدع ولدافیرفع لہ درجۃ الخ۔ اسی کے صفحہ ۵۵ سوال بست و نہم (نماز گزاردن برطرف راس قبر یا پائین قبر گناہ، کدام گناہ) کے جواب میں ہے: ورای عمر انس بن مالک یصلی عند قبر فقال القبر القبر والعمریأ مرہ بالاعادة۔ اسی کے صفحہ ۶۶ جواب سوال سی و ششم (شامیانہ و خیمہ استادہ کردن بر قبر چہ حکم دارد، جائز یا گناہ، کدام گناہ؟) کی دلیل میں ہے: ورای ابن عمر فسقطا علی قبر عبدالرحمن فقال انزعہ یا غلام! فانما یظللہ عملہ او وغیرہ مسائل میں حدیث موقوف تحریر فرمائی اور اس کا لحاظ نہ کیا: معہذا نز و محدثین اس حدیث متصل الاسناد مرفوع ہم نیست پس نز و ایشاں صحیح نہ باشد و قتیکہ یقین بر صحت آں نشد در مقام استدلال بر جواز شے وعدم آں آوردن نشاید۔ اسی طرح مسائل اربعین مطبوعہ مطبع محمدی ۱۲۶۱ھ کے صفحہ ۷ جواب سوال یکم (وقت تولد طفل کہ در ہر دو گوش وے اذان و اقامت می دہند واجب است یا سنت یا مستحب و اگر نامش محمد یا احمد نہند، درست است یا نہ؟) میں احادیث مفتاح النجاة و مسند ابی یعلی و طبرانی و ابن عدی سے دلیل لائے۔ اسی کے صفحہ ۱۵ جواب سوال ہفتم (تقسیم شیرینی و طعام بعد مکتب در مردمان برادری جائز است یا نہ؟) میں حدیث موقوف قصہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذکر کیا کہ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ بعد آموختن سورہ بقرہ شتر را نخر نمودہ دوستان خود را خورانیدہ بود)۔

حادی عشر یہ فرمان کہ بر تقدیر صحت حدیث مجمل ہے اور اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ حدیث مجمل پر عمل جائز نہیں جب تک اس کا بیان مجمل کی طرف سے نہ ہو بالکل بجا اور درست ہے۔ حدیث مذکور کو بحیلہ اجمال ناقابل عمل بتانا بھی جناب مولوی صاحب ہی ایسے محدث کو زیبا ہے۔ لفظ حول میں اثر و حام معانی اور اشتباہ مراد ہی کہاں؟ کیا حول بھی مشترک ہے کہ اول محرم، اول دن موت صاحب قبر کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے؟ نہیں بلکہ حول کا معنی دورہ ہے، محرم سے ابتدا کی جائے یا صفر سے، ذیقعدہ ہو یا ذی الحجہ سے، یکم ہو یا دسویں، بیسویں یا بائیسویں۔ غرض جس جُز سے ابتدا کی جائے، اس جز تک دورہ ایام و شہور آ جانے کا نام حول ہے۔ فقہائے کرام جو دربارہ وجوب زکوٰۃ حولان حول فرماتے ہیں، اس سے بھی یہی مراد کہ جس دن مالک نصاب ہو، اس کے ایک سال بعد زکوٰۃ واجب ہے۔ رہا یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کب تشریف لے جاتے؟ جناب مولوی صاحب نے دو احتمال نکالے ہیں۔ ابتدائے محرم اور ابتدائے تاریخ موت صاحب قبر۔ مگر قبل تحریر فتویٰ یہ تو غور کر لینے کی بات تھی کہ تعین سنہ ہجری اور اس کی ابتدا ماہ محرم سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں

کب تھی؟ یہ تو زمانہ خلافت راشدہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرار پائی ہے۔ تو احتمال اول تو احتمال ہی ہو گیا۔ پس نہ رہا باقی مگر احتمال ثانی کہ تاریخ موت صاحب قبر سے سال کے بعد شہدائے اُحد کی قبور پر تشریف لے جاتے اور سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار فرماتے۔ اب بھی اعراس میں یہی ہوتا ہے اور ابتدائے سال وفات یوم وصال ہے تو اسی حدیث سے تعیین یوم وفات کی وجہ بھی ظاہر ہو گئی اور یہ سنت ٹھہری اور اگر تھوڑی دیر کے لئے مان لیا جائے کہ رأس کل حول سے مراد پہلی محرم ہر سال کی ہے تب بھی تو مذہب وہابیت کے گلے پر پھری چل گئی کہ وہاں تو بلا تعیین کی ٹھہری ہوئی ہے اور تعیین بدعت اور ہر بدعت ضلالت اور ہر ضلالت فی النار ہے۔ چنانچہ مولوی گنگوہی صاحب کے فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۸ میں ہے: ”طریقہ معینہ عرس کا طریقہ سنت کے خلاف ہے، لہذا بدعت ہے اور بلا تعیین کر دینا درست ہے۔“ اور یہی مفہوم مولوی صاحب کی مائتہ مسائل اربعین کا ہے کہ فرماتے ہیں: ”مقرر کردن روز عرس جائز نیست۔“ اور اس حدیث سے تعیین و تقرر ثابت۔ دن موت صاحب قبر کی نہیں۔ ابتدائے محرم ہی کی تعیین سہی۔

ثانی عشر حدیث مذکور کو حدیث لا تجعلوا قبیری عبداً کے معارض کہنا بھی عجیب بات ہے کہ جس امر کا وہاں حکم ہے، یہاں اس کی ممانعت ہے، نہیں، اس لئے کہ حدیث لا تجعلوا میں تو ممانعت اس امر کی ہے کہ میری قبر کے پاس مثل عید کے لہو و لعب کے ساتھ جمع نہ ہو کہ موجب غفلت و قسوت قلب ہے یا یہ کہ میری قبر کو تم عید نہ بنا لو، یعنی جس طرح عید کے لئے سال میں صرف دو دن جمع ہوتے ہیں، میری زیارت کو صرف دو دن پر منحصر و مقصور نہ کر دو بلکہ اکثر حاضر ہوا کرو کہ مہبط ہزاراں ہزار رحمت و برکت اور ذریعہ حصول انواع سعادت ہے۔

ملا علی قاری حنفی مرقاة المفاتیح لمشکوۃ المصباح میں تحریر فرماتے ہیں: ”لا تجعلوا قبیری عبداً ہو واحد الاعیاد ای لا تجعلوا زیارة قبیری عبداً اولاً تجعلوا قبیری مظهر عید فانہ یوم لہو و سرور و حال زیارة خلاف ذلك وقیل یحتمل ان یکون للحث علی کثرة زیارة ولا تجعل کالعید الذی لا یأتی فی العام الا مرتین قال الطیبی نہا ہم عن الاجتماع لہا اجتماع لہم للعید نزہة وزینة اہ۔“

اور حدیث مذکور کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یأتی قبور الشهداء الحدیث میں یہ حکم کہاں کہ ہر سال میری قبر پر لہو و لعب و تماشا کناں جمع ہو یا قبر کو میری عید بنا لو اور ہر سال دو ہی مرتبہ مثل عید کے جمع ہو بلکہ ہر سال قبور شہدائے اُحد تشریف لے جانا اور سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار فرمانا مذکور۔ پس ایسی حالت میں اس حدیث کو اس کے معارض جاننا بھی خوش فہم ہی کا کام ہے۔

ثالث عشر اس حدیث کا مدلول صرف زیارت قبور جانا اور جواز اعراس پر استدلال کو منع کرنا بھی تعجب خیز

امر ہے۔ آخر کان اور علیٰ راس کل حول بھی لفظ موضوع ہے۔، کچھ معنی رکھتا ہے یا یوں ہی زائد لغو و فضول ہے۔ زیارت قبور تو یاتی قبور الشهداء ہی سے مفہوم ہوتی ہے۔ ان دونوں لفظوں کا کیا فائدہ ہے، وہ ہم سے سنئے۔ علیٰ راس کل حول تو دلالت تعین و تخصیص یوم وفات پر کرتا ہے کما قدمنا اور لفظ کان قبل مضارع مداومت پر۔ غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی ص ۳۴۱ میں ہے: ”ووجه الکراهۃ مخالفة فعله الذی کان علیہ الصلوٰۃ والسلام ید اوم علیہ کما یفیدہ لفظ کان فیما تقدم من الحدیث“ انتہی۔ غرض اس حدیث کو جواز عرس میں پیش کرنا بے سود نہیں۔

رہا وہاں لوگوں کا مرتکب بدعات و لہو و لعب ہونا، باجے گاجے کھیل تماشے کرنا یہ ہرگز جزو عرس نہیں۔ یہ ضرور ممنوع و حرام ہیں اور اس کو داخل ماہیت عرس جاننا کم فہمی یا عناد ہے۔ جس طرح اکثر اعراس مع سماع و مزامیر و قص فواہش ہوتے ہیں بہترے اعراس ان سب چیزوں سے خالی بھی پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ خود شاہ عبدالعزیز صاحب اپنے والد ماجد کا عرس برابر کرتے اور امور مذمومہ آلات لہو و لعب سے اس میں کچھ نہ ہوتا، جسے شاید مولوی صاحب نے بھی ملاحظہ فرمایا ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس عرس مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا، اسی طرح بدایوں شریف میں برابر ۱۹ ماہ جمادی الاولیٰ کو عرس حضرت تاج الفحول محبت الرسول مولانا شاہ عبدالقادر صاحب، ۲۰ جمادی الآخر کو عرس سیف اللہ المسلمول حضرت مولانا شاہ معین الحق فضل رسول صاحب قدس اللہ تعالیٰ اسرارہما کا ہوا کرتا ہے۔ ہرگز ہرگز آلات لہو و لعب کچھ نہیں ہوتے۔ تو ان وجوہات سے نفس عرس ہرگز ممنوع و ناجائز نہیں ہو سکتا، نہ اس کے لئے تقرر یوم میں کوئی خرابی۔ مذمومات شرعیہ کو منع کرتے، کون منع کرتا ہے؟ یہ نفس و شیطان کا دھوکا ہی ہے کہ نبی عن المنکر کے پردے میں مناع للخیر بناتا ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔

رابع عشر ہاں جناب مولوی صاحب! یہ فرمائیے کہ عبارت میں تعارض تناقض ہونا تو لازم و ہابیت ہے۔ اسے تو شاید نفس کشی خیال فرما کر ایک نیک کام جان کر اختیار کیا ہوگا مگر استاد گشی کس مصلحت سے اختیار فرمائی۔ یعنی جس چیز کو استاد و استاذ الاستاذ سب جائز و مستحسن بتاتے اور اس پر عمل درآمد کرتے آئے وہ آپ کے نزدیک ناجائز و ممنوع ہے۔ کیا آپ کے برابر بھی شاہ عبدالعزیز صاحب کو علم نہ تھا کہ انہوں نے اسی مسئلہ عرس میں اسی حدیث سے استناد کیا اور یہ خیال نہ فرمایا کہ یہ حدیث تو صحاح کی نہیں کہ محل سخن نہ ہو بلکہ محمد بن جریر طبری کی کتاب کی ہے، جس میں ہر طرح کی حدیثیں موجود ہیں۔ معہذا یہ متصل الاسناد مرفوع بھی نہیں کہ قابل استدلال ہو۔ کیا یہ قواعد ان کو معلوم نہ تھے یا اب جدید آپ کے عہد محدثیت عہد میں وضع ہوئے ہیں۔ طرفہ یہ کہ خود اپنا اس پر عمل نہیں۔ اپنے لئے بیہقی، دارقطنی، طبرانی سب سے استناد جائز، آثار صحابہ سے استشہاد روا اور ہم سے خاص صحیح مرفوع متصل الاسناد کی فرمائیں۔ کیا آپ

کو معلوم نہیں کہ آپ کے نانا صاحب اسی حدیث سے اپنے فتویٰ مجموعہ زبدۃ النصائح میں استدلال لائے ہیں۔ حضرت معلوم تو ضرور ہے بلکہ آپ نے اپنی مائة مسائل میں انہیں کارد کیا کہ فرماتے ہیں: ”بعضے مردم کہ بجواز اعراس دلیل می آرند“۔ بعض کا ایہام کیا اور تصریح کو خلاف مصلحت جان کر تصریح نہ کی کہ بعد تصریح نام مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب مقصود اصلی تغلیط عوام ہاتھ سے جاتا رہے گا کہ جناب شاہ عبدالعزیز صاحب قول کے خلاف میرے قول کو کون پوچھے گا۔

سند سوم تعیین و تخصیص دو طرح کی ہوتی ہے۔ شرعی، عادی۔

اول: وہ کہ خود شرع مطہر نے کسی کام کے لئے کسی وقت کو خاص کر دیا ہو کہ اس کے سوا کسی دوسرے وقت میں نہ ہو سکے، جیسے ایام خراجیہ کے لئے کہ اس سے تقدیم و تاخیر درست نہیں یا اس قدر ثواب کہ اس وقت میں ہے دوسرے وقت نہیں جیسے ثلث لیل عشا کے لئے۔

دوم یہ کہ از جانب شرع اطلاق ہے۔ جب چاہیں بجلائیں کسی وقت گناہ نہیں، ہر وقت جائز ہے جیسے ایصال ثواب کہ روز ولادت اور روز وفات یا جس دن کرے، ہر روز درست ہے مگر جب خارج میں اس کا وجود ہوگا، کسی زمانے میں، کسی ہیئت خاص ہی کے ساتھ ہوگا کہ مطلق من حیث ہو ہو بلا تعیین و تخصیص خارج میں موجود نہیں ہو سکتا، جس طرح وجود مطلق بضمن افراد ہوتا ہے، زمانہ بغیر زید، عمرو، بکر کے انسان کبھی نہیں ہو سکتا، اسی طرح بغیر کسی زمانہ کسی ہیئت کے زمانیات کا وجود ممکن نہیں۔ جب انسان ہوگا تو زید عمرو وغیرہ ضرور ہوں گے۔ اسی طرح جب عرس ہوگا، کسی زمانہ، کسی تعیین و تخصیص ہی کے ساتھ ہوگا۔ سخت تعجب ہے کہ مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب کو وقوع کذب باری تعالیٰ شانہ کے معنی درست بتانے کو اتنی معقول یاد رہی کہ وجود نوع کا وجود جنس کو مستلزم ہے، انسان اگر ہوگا تو حیوان بالضرور موجود ہوگا۔ (یہاں پر وہ صریح الفاظ کفر یہ تھے جن پر علمائے حرمین شریفین نے تکفیر فرمائی۔ انہیں نقل بھی اپنے قلم سے لکھنا مناسب جان کر قلم انداز کیا۔ ۱۲ منہ) اگرچہ بضمن کسی فرد کے ہو۔ یہاں یہ منطق یاد نہ رہی کہ وجود نوع بے وجود فرد ناممکن ہے اور عرس جب ہوگا تو ضرور کسی ہیئت خاص تعیین و تخصیص ہی کے ساتھ ہوگا اور اگر نہیں تو اس یا وہ گوئی کے کیا معنی اور بلا تعیین کر دینا درست ہے۔ کیوں مولوی صاحب! عرس کرنا بھی اور بلا تعیین؟ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ایک مہینہ پیشتر سے تعیین نہ کیجئے، ایک ہفتہ قبل بھی نہیں، تو ایک دن، ایک گھنٹہ، پانچ منٹ پہلے تعیین کرنی ضروری یا یہ فعل اضطراری ہے کہ بلا ارادہ و تخصیص تعیین لوگ جمع ہو جائیں، فاتحہ درود ہونے لگے۔ جب امر اختیار ہے تو انتظام کے لئے، تعیین یوم، تخصیص تاریخ ضروری ہے۔ آخر اپنے مدرسہ دیوبند یہ کہ لئے کوئی فتویٰ نہ دیا کہ طریقہ معینہ مدرسہ ہذا کا طریقہ سنت کے خلاف ہے، لہذا بدعت ہوا اور ہر بدعت ضلالت ہے اور ہر ضلالت فی النار ہے اور بلا تعیین اوقات مدرسہ و افعال مدرسین و احکام منتظمین درست ہے یا اس کے لئے کوئی خاص حکم آیا ہے کہ (۱) ۲۳/ ذی الحجہ ۷ بجے صبح

سے تقسیم انعام کا جلسہ نہایت رونق کے ساتھ بہ موجودگی رؤسائے شہر و ممبران مدرسہ و بعض دیگر خیر خواہان بیروں منعقد ہو (ب) طلبہ قرأت خواں شیرینی کے لئے دو روپے مدرسہ دیں اور دو روپے مولوی غلام محمد راندیری سے دلوائے جائیں (ج) دس دس بارہ بارہ روپے کے وظائف ایک مدت معینہ کے واسطے حاجتمند انٹرنس پاس طلبا کو دیئے جائیں (د) ہر سال کم از کم ایک دفعہ عام ممبران مدرسہ کا اجتماع ضرور ہے (ه) اہل مشورہ ایسے ہوں کہ ان کو شریک ہونے کا حتی الوسع التزام و اہتمام ہو (و) وقت درس موسم سرما میں ۷ بجے سے ۱۱ بجے تک اور ۲ بجے سے ۴ بجے تک اور موسم گرما میں ۶ بجے سے ۱۰ بجے اور ۳ بجے سے ۵ بجے تک ہو (ز) پابندی وقت درس کی جملہ طلبہ کو ضروری ہے (ح) امتحان سالانہ کے لئے شعبان کی تعیین ہو (ط) ۲۵ شعبان سے ۳ شوال تک مدرسہ میں تعطیل ہو (ی) عربی خواندگی کی آٹھ جماعتیں ہوں اور ہر سال مقررہ مندرجہ نقشہ کی خواندگی ضرور پوری ہو جائے وغیرہ وغیرہ۔ اور اگر نہیں تو اپنے اپنے لئے دو دو روپیہ کی تعیین، مدت معینہ کی تعیین، انٹرنس پاس حاجتمند کی تعیین، ایک دفعہ عام ممبروں کے اجتماع کو ضروری جاننا، اہل مشورہ صاحب التزام و اہتمام کی تعیین وغیرہ وغیرہ کہاں سے جائز کر لیں اور اُسے بدعت اور کل بدعت ضلالت اور کل ضلالت فی النار بتا کر ناری جہنمی مستحق عذاب الیم نہ ہوئے؟

سند چہارم عامہ مسلمین بلکہ علمائے دین بلکہ ائمہ مجتہدین بلکہ تابعین بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بلکہ خود حضور اقدس طہ وئی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم امور خیر کے لئے تعیین و تخصیص ایام و اوقات فرماتے آئے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد قبا تشریف لے جانے کو یوم شنبہ معین فرمایا۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی: کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یاتی مسجد فباکل سبت ماشیاً و راكباً روضہ شکر و ولادت رسالت کو یوم دو شنبہ مقرر فرمایا۔

مسلم شریف میں حضرت ابدقاوہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: قال سئل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن صوم الاثنين فقال فيه ولدت وفيه انزل علی ای فاصومه شکر الہاتین النعمتین۔ سفر جہاد کے لئے روز پنجشنبہ کی تعیین فرمائی: کما فی الصحيح البخاری عن کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال فلما کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یخرج اذا خرج فی سفر الا یوم الخمیس۔ انہیں سے ہے: ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یخرج یوم الخمیس فی غزوۃ تبوک و کان یحب ان یخرج یوم الخمیس۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وعظ و تذکیر کے لئے اسی دن کو مقرر کیا کما فیہ عن ابی وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان عبد اللہ یذکر الناس فی کل خمیس فقال له رجل یا ابا عبد الرحمن!

لوددت انك ذكرتنا كل يوم قال اما انه يمنعني من ذلك اني اكره ان املككم واني اتخو لكم بالموعظة
كما كان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يتخولنا بها مخافة السامة علينا۔

علمائے ہدایت درس کے لئے روز چہار شنبہ کو خاص فرمایا کما فی تعلیم المتعلم للامام برہان الاسلام
الزرنوجی حکا ہ عن استاذہ الامام برہان الدین المرغینانی صاحب الہدایۃ وقال ہکذا کان یفعل
ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال صاحب تنزیہ الشریعۃ و کذا کان جماعۃ من اہل العلم۔

غرض یہ سب توقیحات عادیہ سے ہیں جس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سوائے روز شنبہ کے مسجد قبا جانا، سوائے
روز دو شنبہ کے صوم شکر رسالت رکھنا، سوائے یوم پنجشنبہ کے سفر جہاد یا پند و نصیحت کرنا، سوائے یوم چہار شنبہ کے کتاب
شروع کرنا جائز ہی نہیں یا اس قدر ثواب کہ اس دن ہے اور دن نہیں۔ اسی طرح عرس کے لئے تعین یوم وفات کا یہ
مطلب ہرگز نہیں کہ اور دن ایصال ثواب نہ ہو گا یا ثواب میں کمی آ جائے گی۔

پھر اسی دن کی تعین و تخصیص کیوں؟ اولاً معلوم ہو چکا کہ یہی سنت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور
خلفائے راشدین ہے جس کے بارے میں ارشاد ہوا: علیکم بسنتی، و سنتہ الخلفاء الراشدین المہدیین
تمسکوا لہا و عضو علیہا بالنواجذ، رواہ احمد و ابوداؤد و الترمذی و ابن ماجہ اہل سنت و جماعت
کثر ہم اللہ تعالیٰ کے لئے تو اسی قدر فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم و خلفائے راشدین کافی ہے مگر
مکرین کی تسکین خاطر کے لئے مولوی اشرف علی و رشید احمد و خلیل احمد کے پیر جناب حاجی امداد اللہ شاہ صاحب کے
فیصلہ ہفت مسئلہ کی عبارت پیش ہے۔ بغور ملاحظہ ہو:

”چونکہ ایصال ثواب مستحسن ہے خصوصاً جن بزرگوں سے فیوض و برکات حاصل ہوئے ہیں، ان کا زیادہ حق
ہے۔ ادھر اپنے پیر بھائی سے ملنا موجب ازدیاد محبت و تزايد برکات ہے اور نیز طالبوں کا یہ فائدہ ہے کہ پیر کی تلاش
میں مشقت نہیں ہوتی۔ بہت سے مشائخ رونق افروز ہوتے ہیں۔ ان میں سے جس سے عقیدت ہو، اس کی غلامی اختیار
کر لے۔ اس لئے مقصود ایجاد رسم عرس سے یہ تھا کہ سب سلسلے کے لوگ ایک تاریخ میں جمع ہو جائیں۔ باہم ملاقات بھی
ہو جائے اور صاحب قبر کی روح کو قرآن و طعام کا ثواب بھی پہنچایا جائے۔ یہ مصلحت ہے تعین یوم میں۔ رہا خاص یوم
وفات کو مقرر کرنا، اس میں اسرار مخفیہ ہیں، جن کا اظہار ضروری نہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب مفتی عبدالحکیم پنجابی کے
اس اعتراض: ”کسانیکہ اقوال آنہا مطابق افعال شاہ نیستند، عرس بزرگان خود مثل فرض دانستہ سال بسال بر مقبرہ
اجتماع کردہ طعام و شیرینی در آنجا تقسیم نمودہ مقابر را و ثنا بعد مکید“ ملخصاً کے جواب میں رسالہ ذبیحہ مطبوعہ مجموعہ زبدۃ
النصائح میں فرماتے ہیں: ”قولہ عرس بزرگان خود الخ ایں طعن مبنی است بر جہل بہ احوال مطون علیہ زیرا کہ غیر از فرائض

شرعیہ مقررہ رائیجکس فرض نمیداند۔ آرے زیارت و تبرک بقبور صالحین و امداد ایثاں باہدائے ثواب و تلاوت قرآن و دعائے خیر و تقسیم طعام و شیرینی مستحسن و خوب ہست باجماع علما و تعیین روز عرس برائے آنست کہ آن روز تذکر انتقال ایثاں می باشد از دارالعمل بدارالثواب والا ہر روز کہ ایں عمل واقع شود، موجب فلاح و نجات است و خلف را لازم است کہ سلف خود را بایں نوع برو احسان نماید۔

مجمع الزوایات میں ہے: ”اراد ان يتخذ الولیمة فليتخذ بادرک يوم موته ويحتاط فی الساعة التي یقل فیہا روحه فی تلك الساعة فینبغی ان یطعم الطعام والشراب فان ارواحهم یفرحون بذلك ویدعون لهم“۔ ”اگر کسی کے فاتحہ کرنے کا ارادہ ہو تو چاہئے کہ موت کے دن موت کے وقت کرے، جس وقت روح اس کی دار فانی سے منتقل ہو کر دار جاودانی کو گئی ہے، اس وقت کھانا کھلائے، پانی پلائے کہ اموات کی روحمیں اس سے خوش ہوتی اور اس کے واسطے دعا کرتی ہیں۔

مسند پنجم: علاوہ ادلہ ماضت و ماستاتی، اگر مان لیا جائے کہ جواز عرس کی کوئی دلیل نہیں تو کہیں ممانعت بھی تو نہیں اور یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ۔ اصل اشیا میں اباحت ہے، جب تک کوئی مانع شرعی موجود نہ ہو، ممنوع نہیں ہو سکتی۔ قائل جواز متمسک باصل ہے، اسے دلیل کی کیا حاجت ہے؟ دلیل تو ان وہابی صاحبوں کو دینی چاہئے جو شرک، بدعت، ممنوع، حرام کی پکار پکار رہے ہیں۔

مشکوٰۃ شریف میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے: ”کان اهل الجاهلیة یا کلون اشیا و یترو کون اشیاء تغذرافبعث اللہ نبیہ و انزل کتابہ و احل حلالہ و حرم حرامہ فما احل فهو حلال و ما حرم فهو حرام و ما سکت عنه فهو عفو“۔

شیخ محقق اشعة اللمعات میں تحریر فرماتے ہیں: ”از پنجا معلوم می شود کہ اصل در اشیا اباحت است“۔
ترمذی و ابن ماجہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: ”احلال ما احل اللہ و الحرام ما حرم اللہ فی کتابہ و ما سکت عنه فهو مما عفا عنه“۔

ملا علی قاری مرقاة میں فرماتے ہیں: ”فیہ ان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ“۔
شیخ محقق اشعة اللمعات میں فرماتے ہیں: ”وایں دلیل است بر آنکہ اصل در اشیا اباحت است“۔
رد المحتار میں ہے: ”وصرح فی التحریر بان المختار ان الاصل الاباحۃ عند الجمهور من الحنفیہ و الشافعیہ و تبعہ نلمیذہ العلامة قاسم و قد جرى علیہ فی الهدایة فی فصل الاحداد و فی الخانیة فی اوائل الحظر و الاباحۃ آہ“۔

مدارك شريف میں تحت ارشاد باری تعالیٰ: ”قل لا اجد فیما اوحي الی محرما“ ہے: وہ فیہ

تنبيه على ان التحريم انما يثبت بوحي من الله و شرعه لا بهوى النفس۔

اب ان سب حضرات مانعین کو دعوت عام دی جاتی ہے کہ چھوٹے بڑے جو ان بڑھے سب مل کر اپنی مجموعی قوت سے ایک آیہ قطعی الدلالة یا ایک حدیث صحیح مرفوع متصل الاسناد مروی بصحاح یا اجماع یا تحریم قول امام اعراس متنازع فیہا ثابت کر دیں تو البتہ، ورنہ جب اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ممانعت نہ فرمائی تو یہ منع کرنے والے کون؟ مولوی اسحاق شاہ صاحب جو اصل اشیا میں حرمت یا توقف کے قائل ہوئے ہیں اور اباحت کو رائے طائفہ اور مذہب معتزلہ ٹھہرایا ہے، وہ ان کے قلت تدبر سے ناشی کہ وہ اختلاف زمانہ فترت میں ہے کہ زمانہ فترت میں اشیا میں اصل کیا حکم ہے، حرمت یا توقف یا اباحت۔

علامہ محبت اللہ بہاری مسلم الثبوت کے منہیہ میں فرماتے ہیں: ”الذی یظہر من تتبع کلامہم هو الخلاف قبل الشرع و من ثم لم یجعلوا رفع الاباحۃ الاصلیۃ نسخا لعدم خطاب الشرع بہا فتدبر اہ و اقرہ العلامة بحر العلوم فی فواتح الرحموت و قررہ بتقریر آخر وقال فاذن لیس الخلاف الا فی زمان الفترة الذی اذ رست فیہ الشریعة بتقصیر من قبلہم اہ“۔ نہ اباحت شرعیہ کہ وہ محققین کی متفق علیہا ہے۔ پس ایسی حالت میں یہ کوئی خیال کر ہی نہیں سکتا کہ باوجود اس علم و فضل کے مولوی صاحب کو اباحت اصلیہ اور اباحت شرعیہ میں فرق و تمیز نہیں۔ تمیز تو ضرور ہوگی مگر اس زمانہ ہی کو زمانہ فترت خیال فرمایا ہوگا اور کیوں نہ ہو کہ سرگروہ طائفہ مولوی اسماعیل صاحب دہلوی تقویۃ الایمان مطبع فخر المطابع لکھنؤ ۱۳۲۲ھ کی صفحہ ۳۹ پر وہ حدیث جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ختم دنیا کا حال ارشاد فرمایا ہے کہ (زمانہ فنا نہ ہوگا جب تک لات و عزے کی پھر پرستش نہ ہو اور وہ یوں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ایک باؤ بھیجے گا کہ سب اچھے بندے حتیٰ کہ جن کے دل میں تھوڑا سا بھی ایمان ہوگا، مرجائیں گے جب زمین میں زرے کا فررہ جائیں گے پھر بتوں کی پوجا بدستور جاری ہو جائے گی) لکھ کر صفحہ ۴۰ پر صاف لکھ دیا: ”سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے موافق ہوا“۔ میں کہتا ہوں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو اب ان کے اصل پر زمانہ فترت میں کون سا شک باقی رہ گیا۔ لہذا یہ حکم دیا کہ ”اصل اشیا میں یا حرمت ہے نزدیک جمہور کے یا توقف ہے جیسا کہ ظاہر ہوتا ہے در اور اشباہ سے یا اباحت ہے جیسا کہ وہ مذہب ایک طائفہ اور رائے معتزلہ ہے“۔ اس مسئلہ کے اثبات کے لئے مولوی صاحب نے عوام کے دکھانے کو اگرچہ عبارات بھی تحریر فرمادی ہیں۔ مگر اس میں الامان وہ تحریف فرمائی کہ لوگ یہی کہیں گے کہ دیانت سے محض بعید ہے۔ ومن شاء الاطلاع علی تحریفاته فعلیہ بتصحیح المسائل للسیف المستلول مولانا الشاہ فضل رسول البدایونی قدس سرہ الربانہ۔

علاوہ بریں طرفہ یہ کہ وللیں مولوی صاحب کی خود متعارض کہ تفسیر احمدی سے اصل حرمت ثابت کی اور اشیاء اور در مختار سے توقف ثابت ہوتا ہے۔ واذ انعارضنا تساقطا۔ دلیل تو دلیل مولوی صاحب کی کتب میں تو اقوال ہی متعارض کہ یہاں حرمت یا توقف کی ٹھہرائی اور اربعین میں ابا حست پر رائے جمائی۔

صفحہ ۱۴ ساتویں سوال کے جواب میں ہے: ”پس وقت کتب تقسیم شیرینی و طعام مسنون نیست مگر آنکہ اس تقسیم دریں وقت از قسم مباح باشد“۔

صفحہ ۲۲ چودھویں سوال کا جواب میں: ”از رسوم سلامی و رونمایی در شریعت محمدی اصل چیز ہایافتہ نمی شود مگر ظاہر حال اس قسم چیز ہا کہ دادن سلامی و رونمایی است مباح است“۔

اے کاش! وہاں بھی آپ کو یہی اصل یاد رہتی اور فرما دیتے: پس ہر سال عرس اولیا مسنون نیست مگر آنکہ اس عرس از قسم مباح باش یا از رسوم اعراس و فاتحہ در شریعت محمدی اصل اس چیز یافتہ نمی شود مگر ظاہر حال اس قسم چیز ہا در آں کہ عرس و فاتحہ است، مباح است۔ غضب تو یہ کیا کہ حسب اقرار خود رسوم سلامی و رونمایی بے اصل ہے، شریعت محمدی میں اس کی اصل پائی نہیں جاتی پھر بھی مباح بتایا اور عرس کا تقرر کہ اصل اس کی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین سے ثابت، ممنوع و ناجائز فرمایا۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ اگر ایسی باتیں کوئی اور کرتا یا کوئی اور شخص لکھتا تو سب یہی کہتے صدق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذالم تستحي فاصنع ما شئت ع بے حیا باش و آنچہ خواہی کن رواہ الامام احمد فی مسنده و البخاری فی صحیحہ و ابو داؤد و ابن ماجہ و ابن عساکر فی تاریخہ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مگر تعارض و تناقض تو شاید یہاں کوئی عیب نہ ہوگا۔ یہاں جائز تو وہاں حرام، یہاں مکروہ تو وہاں مسنون بتانا لازمہ مذہب ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۸ کی عبارت تو دیکھ چکے کہ ”طریقہ متعینہ عرس کا طریقہ سنت کے خلاف ہے، لہذا بدعت ہے اور بلا تعین کر دینا درست ہے۔“ بلا تعین کو جائز بتانا۔ اب اسی کے صفحہ ۱۸۱ کی عبارت ملاحظہ ہو کہ فرماتے ہیں: ”اور عرس کے باب میں بھی یہی جواب ہے کہ منع ہے۔“ اربعین میں مولانا ممدوح (مولوی اسحاق شاہ صاحب) لکھتے ہیں: ”مقرر کردن روز عرس جائز نیست در تفسیر مظہری می نویسد لا یجوز ما یفعله الجہال بقبور الاولیاء والشہداء من السجود والطواف حولہا واتخاذ السرج والمساجد البہا و من الاجتماع بعد الحول و بسمونہا عرسا الخ“۔ یہاں تعین، بلا تعین سب کا ایک ہی حکم کہ منع ہے۔

عجب ہے کہ مولوی صاحب اپنی قدیمی عادت اجتہادی فتویٰ بے دلیل لکھنے کو کیوں چھوڑ بیٹھے اور عبارت لکھدی۔ شاید یہ خرق عادت اور آپ کی کرامت ہوگی لیکن مجھے تو بوجہ سخت افسوس ہے۔

اولاً اس علم و فضل پر کہ میں عالمگیری جیسی کتابیں آپ کے سینہ شریف میں بند ہیں، اربعین مردودہ علمائے دین سے دلیل لائے جو اس ہمہ دانی پر بالکل خلاف عقل ہے۔ اصل اشیا میں توقف ثابت کرنے کو قول غیر صحیح در مختار کو پیش کر دیا۔ کتاب کے معتبر ہونے کے یہ معنی نہیں کہ اس کا ہر لفظ کالو حسی ہو اور وہ اپنی ہر نوع مضمون میں معتمد و مستند ہو، نہ ہر قسم مضمون میں مستند ہونے سے یہ لازم کہ ہر فرد مضمون زلت قدم و لغزش قلم سے بری و مامون ہو۔ انبیاء مرسلین و ملائکہ مقربین صلی اللہ تعالیٰ علی نبینا و علیہم و سلم کے سوا کسی کے کلام میں عصمت نہیں آخر الا نسان بساوق السہو و النسیان تو ایک مشہور بات ہے۔ یہ مسئلہ صاحب در مختار کا چونکہ غیر صحیح تھا لہذا اشراح نے اس میں کلام فرما دیا۔

علامہ شامی ردالمحتار میں تحت قول (لما ان الصحيح) فرماتے ہیں: ”اقول و فیہ نظر من و جوہ (الی ان قال) الرابع ان نسبة الاباحۃ الی المعتزلة مخالف لما فی کتب الاصول ففی تحریر ابن الہمام المختار الاباحۃ عند جمهور الحنفیۃ و الشافعیۃ و فی شرح اصول البزدوی للعلامة الاکمل قال اکثر اصحابنا و اکثر اصحاب الشافعی ان الاشیاء الی یجوز ان یرد الشرع باباحتها و حرمتها قبل و روده علی الاباحۃ و ہی الاصل فیہا حتی ابیح لمن لم یبلغه الشرع ان یأکل ما شاء و الیہ اشار محمد فی الاکراه حیث قال اکل المیتة و شرب الخمر لم یحرما الا بالنہی فجعل الاباحۃ اصلا و الحرمة بعارض النہی و هو قول الجبائی و ابی ہاشم و اصحاب الظاہرہ۔“

ثانیاً مولوی صاحب کا مولانا ممدوح کی مردودہ عبارت سے بھی مطلب حاصل نہیں ہوتا، تقریب تمام نہیں ہوتی کہ مولوی صاحب کا دعویٰ ممانعت عرس ہے اور مولانا ممدوح عرس کو جائز اور دن مقرر کرنے کو ناجائز فرماتے ہیں۔

ثالثاً قبل استشہاد یہ تو خیال کر لینا چاہئے تھا کہ ان مسائل مختلف فیہا میں قول علیل و اجتہادی بے دلیل، قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی ہی کا کہاں تک معتبر و مقبول ہے۔

رابعاً بر تقدیر مستند ہونے قول قاضی صاحب کے مولوی صاحب کو انصاف اس کی تفتیش ضروری تھی کہ اصل عبارت تفسیر مظہری کیا ہے کہ تصحیح نقل یعنی مطابق اصل ہونے کی توقع مولانا ممدوح سے بالکل نہیں کہ نقل میں عبارت بیچ میں سے جو مضرا اپنے دعوے کی ہودور کر دینا، کہیں بیچ میں ایک فقرہ مفید اپنے سمجھ کر اپنی طرف سے بڑھا دینا، کہیں کسی کتاب کا نام لکھ کر ایک عبارت لکھ دینا جس کا اصلاً اس کتاب میں نام و نشان نہیں، کہیں قول مردود پر حوالے میں کفایت کرنا، یعنی لکھ دیا کہ فلانی کتاب میں بوں لکھا ہے، حالانکہ اس کتاب میں اس بات کو لکھ کر رد کر دیا ہے۔ یہ آپ کی عادت ہے۔ (دیکھو فتویٰ علمائے شاہجہان آباد مولوی مفتی محمد صدر الدین صاحب و جناب مولوی محمد مخصوص اللہ صاحب وغیرہ وغیرہ منسلک بسک تحقیق الحقیقہ مطبع گلزار حسینی بمبئی)

خامساً بعد تسلیم ان دو باتوں کے کہ قاضی صاحب کا فرمان بجا اور درست ہے اور مولوی صاحب کے مولانا ممدوح نے نقل مطابق اصل فرمائی ہے۔ قاضی صاحب تو اجتماع بعد الحول کالاً عباد کو منع کرتے ہیں، نہ تقرر یوم عرس کو اور مولانا ممدوح کا دعویٰ منع تقرر یوم عرس ہے اور مولوی صاحب کا دعویٰ مطلق منع ہے۔ رہا قاضی صاحب کا یہ فرمان و بسمو نہا عرساً یہ ان کی سمجھ ہے ورنہ ہرگز اولیائے کرام کے مزارات کا طواف کرنا، اسے سجدہ کرنا، چراغ جلانا، سال بھر کے بعد مثل عید کے جمع ہونا حقیقت عرس میں داخل نہیں۔ پس ایسی حالت میں عرس کی ممانعت پر مولانا ممدوح کی اربعین کی عبارت پیش کرنا کتنے بڑے عاقل کا کام ہے۔

سند ششم عرس کو جم غفیر و جماعت کثیرہ علماء و مشائخ اسلام اسی تعیین و تخصیص کے ساتھ کرتے چلے آئے ہیں اور جماعت کثیرہ گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی لقولہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لا تجتمع امتی الضلالة یعنی میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوتی و فی روایۃ ابن ابی عاصم عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ان اللہ تعالیٰ قد اجار امتی من ان یجتمع علی الضلالة و فی روایۃ ابن ماجہ عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ان امتی لن یجتمع علی الضلالة۔

اسی واسطے خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے اتباع کا حکم دیا اس کی نصرت کا وعدہ فرمایا کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم: ”ید اللہ علی الجماعة“ رواہ الترمذی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

ابن ماجہ شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: اتبعوا السواد الاعظم فانہ من شد شد فی النار۔ پیروی کرو بڑی جماعت کی کہ جو ان سے علیحدہ ہوا، جہنم میں پڑا۔

ملا علی قاری مرقاۃ میں تحریر فرماتے ہیں: ”السواد الاعظم یعبر بہ عن الجماعة الکثیرۃ والمراد ما علیہ اکثر المسلمین“ ۱۰۔ پس جب اسے جم غفیر علماء و صلحا کرتے چلے آئے تو ہرگز ہرگز یہ گمراہی و ضلالت نہیں۔ سند ہفتم اس مطلب پر تصریحات ائمہ و علماء سے بہتر تو ان ہی بزرگواروں (مولوی اسحاق صاحب و مولوی رشید احمد و خلیل احمد صاحبان) کی شہادت ہے ع مدعی لاکھ بھاری ہے گواہی تیری۔ اور وہ جو تعیین و تقرر کو ناجائز و ممنوع بتایا اس سے اس طرح کی تعیین و تخصیص ہوگی کہ لوگ اسے لازم جان لیں اور اعتقاد کر لیں کہ سوا اس دن کے اور کسی دن عرس ہو ہی نہیں سکتا، ورنہ تعیین و تخصیص یوم تو مولوی گنگوہی اور ان کے شاگرد صاحب مقدوح اور مولانا ممدوح کے

نزدیک بھی جائز بلکہ بہتر ہے۔

مائے مسائل صفحہ ۲۵ میں ہے: ”سوال، مقرر کردن روز برائے زیارت قبور از روز ہا در شرع جائز است یا گناہ کدام گناہ از گناہاں؟ جواب: مقرر کردن روزے از روز ہائے ہفتہ بوضعیکہ لازم شمار دو برآں اہتمام سازد از احادیث و روایت فقہ کتب معتبرہ ثابت نشدہ، مگر در فتاویٰ علمگیری ایس قدر نوشته اگر در چہار روز دوشنبہ و پنجشنبہ و جمعہ و شنبہ زیارت کند بہتر است۔ عبارتہ ہکذا: افضل ایام الزیارة اربعة ایام الاثنين والخميس والجمعة والسبت“ آہ۔

فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۵۲ میں دربارہ ایصال ثواب ہے: ”روز ولادت اور روز وفات بھی درست ہے۔“ اسی طرح مولوی صاحب موصوف کی اول سے آخر تک بغور دیکھی ہوئی مقررہ کتاب براہین قاطعہ صفحہ ۷۹ میں فاتحہ مرسومہ کی بابت ہے: ”یہ تخصیصات و تعینات رسوم صالحہ اس وقت تک ہیں کہ التزام اس کا نہ ہو اور عوام کے قلب میں رسوخ کا اندیشہ نہ ہو۔ کبھی کبھی ترک بھی کر دیا کریں۔“

جس سے صاف ظاہر کہ صرف تعین و تخصیص کو ناجائز و حرام نہیں جانتے بلکہ بہتر اور رسم صالح سمجھتے ہیں۔ ہاں! اس التزام و اہتمام کو منع کرتے ہیں اور اگر نہیں تو لوگ اسے بھی ان حضرات کے تناقضات میں گن لیں۔ اور ہاں صاحبو! یہ کیسا انصاف ہے کہ سنیوں کو تو کبھی ترک کر دینے کی نصیحت ہو اور اپنے کاموں میں التزام و اہتمام ضروری سمجھا جائے کما قد منا۔

سند ہشتم تعامل علمائے حرمین شریفین ہے کہ جس بات پر وہاں کے حضرات بالاتفاق عمل کرتے اور اس کی مادت رکھتے آئے، وہ بھی حجت ہے۔ فقہائے معتمدین اور علمائے مستندین مسائل شرعیہ میں اس سے احتجاج کرتے۔ اس کی موافقت کو مستحب اور اس کی مخالفت کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

غنیہ شرح منیہ صفحہ ۴۰۴ بحث تراویح میں ہے: ”وہذا الانتظار مستحب لعادة اهل الحرمین“۔ ”ہر دو ترویج کے درمیان بقدر ایک ترویج کے انتظار کرنا مستحب ہے، بوجہ عادت اہل حرمین کے کہ عادت اہل مکہ کی ہر چار رکعت کے بعد طواف کرنا اور دو رکعت نماز پڑھنا اور عادت اہل مدینہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحبۃ کی چار رکعت تنہا نماز پڑھنا ہے۔“

ہدایہ میں ہے: ”والمستحب فی الجلوس بین الترویجین مقدار الترویۃ و کذا بین الخامسة والوتر لعادة اهل الحرمین“۔

غنیہ میں ہے: (وان استراح علی خمس تلیمات) ای عقیب عشر رکعات (قال بعضهم لا بأس به) ای لایکرہ (قال اکثر المشائخ لا یستحب) ذالک لمخالفة اهل الحرمین وقوله لا

يستحب كناية عن الكراهة التنزيهية“۔ ”اور اگر جلسہ استراحت کیا دس رکعت کے بعد، بعضوں نے کہا کچھ حرج نہیں اور اکثر مشائخ نے فرمایا: مکروہ ہے بوجہ مخالفت اہل حریم کے“۔

یعنی شرح کنز میں ہے: ”الا استراحة على خمسة تسبيحات مكروه عند الجمهور لا نه خلاف

فعل اهل الحرمین“۔

فتاویٰ امام فقیہ النفس قاضی خاں میں ہے: ”فان استراح على رأس خمس تسبيحات ولم يسترح

بين كل ترويحتين اختلفوا فيه قال بعضهم لا باس به وقال بعضهم لا يستحب ذلك لانه مخالف

لعمل اهل الحرمین“۔

اور بلاشبہ افعال حسنہ حریم شریفین میں بلکہ خاص اعراس و زیارت علماء و مشائخ و صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) و مقامات متبرکہ تبعین ایام و تواریخ عام طور پر بلا تکیر رائج ہے۔ چنانچہ مکہ معظمہ میں نیم ہر ماہ کو زیارت سیدتنا آمنہ امّ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہا وسلم، یازدہم ہر ماہ کو زیارت سیدتنا خدیجہ بنت خویلد امّ المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم، دوازدہم ربیع الاول شریف کو زیارت مولد النبی الامین علیہ افضل الصلوات من رب العالمین، سیزدہم صفر کو زیارت و عرس سیدتنا میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، اسی طرح مدینہ طیبہ میں دوازدہم ربیع الاول شریف کو محفل میلاد فیض بنیاد یا عرس حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، دوازدہم رجب المرجب کو عرس و زیارت اسد اللہ و اسد رسولہ سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ۱۸ شعبان کو عرس سید ابو صالح مدنی قدس سرہ عظیم محافل و ہجوم کثیرہ کے ساتھ جس میں علماء و صلحا و سادات و عامۃ اہل حریم شریفین زادہما اللہ تعالیٰ شرفاً و تکریماً سبھی ہوتے۔ مزارات طیبات پر حاضر ہوتے، سلام عرض کرتے، فاتحہ پڑھتے، ان کو وسیلہ بناتے، ان کے طفیل میں جتنیں پوری ہونے کی درخواست کرتے ہیں۔

سند نہم صحیحین میں امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”احب العمل الى الله مادام عليه صاحبه وان قل“۔ ”محبوب ترین عمل اللہ تعالیٰ نزدیک وہ ہے جس پر عامل مداویت کرے، اگرچہ تھوڑا ہو“۔ امام بخاری نے اپنی جامع صحیح میں اسی عنوان سے ایک باب وضع کیا۔ باب احب الدین الى الله اذومه۔ امام عینی اسی کے تحت فرماتے ہیں: الثالث فيه فضيلة الدوام على العمل والحث على العمل الذي ينمو القليل الدائم على الكثير المنقطع اضعافاً كثيرة۔

اسی واسطے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کار خیر کو شروع کر کے اس کے ترک پر تہدید فرمائی۔ صحیحین میں ہے: ”يا عبد الله لا تكن مثل فلان كان يقوم الليل فترك“۔ ”اے عبد اللہ! فلاں جیسا نہ ہونا کہ قیام اللیل کرتا تھا پھر چھوڑ دیا“۔

اور یہ آنکھوں کا مشاہدہ ہے کہ جس کام کے لئے دن تاریخ مقرر ہو، اس پر دوام ہوتا ہے جب وہ تاریخ آتی ہے۔ خیال آ جاتا ہے ورنہ آج کل میں عمر تمام ہو جاتی ہے لیکن کام نہیں ہوتا۔ رب العزت جل جلالہ نے حج میں یہ تعین ضروری نہ فرمائی کہ جس سال زادراہ کا مالک ہو، طاقت رکھے، اسی سال جائے یا دوسرے سال حج کرے یا کب کرنا چاہئے۔ بہترے لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی قدرت دی ہے، اس سال حج کریں گے، آئندہ سال حج کو جائیں گے، اسی طرح ہر سال قصد ہی کرتے رہ گئے کہ عزرائیل علیہ السلام نے ان کا کام تمام کر دیا اور فرض خدا نے تعالیٰ کا باران کے سر ہی رہا۔ اسی غرض سے تاریخ مقرر کر کے ایصال ثواب معتاد ہوا کہ بوجہ مداومت احب العمل الی اللہ میں سے ہو جائے۔

سند دہم عرف عام اہل اسلام ہے کہ اسے علما و صلحا، فقرا و اولیا، مشائخ کرام و صوفیائے عظام شرقاً و غرباً کرتے چلے آئے اور یہ بھی ایک دلیل استحسان کی ہے۔ الاشباہ والنظائر میں ہے: ”العادة محكمة و اصلها قوله عليه السلام: ماراه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن“۔

اسی میں ہے: ”واعلم ان اعتبار العادة والعرف يرجع اليه في الفقه في مسائل كثيرة حتى جعلوا ذلك اصلاً“۔

برجندی میں ہے: ”العرف ايضاً حجة بالنص قال عليه السلام ماراه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن“۔

یہ برہنہ میں ہے: ”لا يكره الاقتداء بالامام في النوافل مطلقاً نحو القدر والرياء و ليلة النصف من شعبان و نحو ذلك لان ماراه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن خصوصاً اذا استمر في بلاد الاسلام والا م صار لان العرف اذا استمر نزل منزلة الاجماع“ آہ۔

یعنی شرح ہدایہ میں در باب عدم ارسال محرم صید ہے: ”وبذلك جرت العادة الفاشية وهي من احدى الحجج التي يحكم بها قال عليه السلام: ماراه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن قلت والحديث رواه البزار والطبرانی والطيالسي والامام احمد في كتاب السنة عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه۔ قال السخاوي في المقاصد الحسنة هو موقوف حسن“۔

اور شک نہیں کہ عرس و فاتحہ کو علما و صلحا و عامۃ اہل اسلام اسی تعین و تخصیص کے ساتھ کرتے اور سے بہتر و مستحسن جانتے ہیں۔ حرمین شریفین کی حالت معلوم ہو چکی۔ دہلیز الحرمین جدہ میں ہفتدہم ۱۷۱۱ھ رمضان المبارک کو عرس حضرت سید علوی، بست و چہارم ۲۴ کو عرس سید ابوسریہ، بست و ہفتم، کو عرس حضرت شیخ محمد عقیلی، یمن میں یکم شعبان سے ۱۵ دن

تک عرس حضرت شیخ محمد بن علوان جن کے نام کی برکت سے اشیائے گم شدہ کامل جانا، علما نے فرمایا اور بارہا تجربہ ہوا اور برابر ہوتا ہے۔

رد المحتار طبع استامبول جلد ۳ صفحہ ۵۰۱ میں ہے: ”الانسان اذا ضاع له شئ و اراد ان يرد الله سبحانه عليه فليقف على مكان عال مستقبل القبلة ويقرأ الفاتحة و يهدي ثوابها للنبي صلى الله تعالى عليه و سلم ثم يهدي ذلك لسیدی احمد بن علوان و يقول يا احمد يا ابن علوان ان لم يرد علي ضالتي نزعتك من ديوان الاولياء فان الله يرد علي من قال ببركته اجهوري مع زيادة كذا في شرح المسيح للداؤدی رحمه الله آه قلت و قد تجربته مراراً فوجدته صحيحاً و الحمد لله علي ذلك“۔

بغداد مقدس میں حضور پُر نور غوث الثقلین سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عرس شریف نہم ربیع الآخر شریف کو ہوتا ہے۔ شیخ محقق محدث دہلوی مولانا شاہ عبدالحق صاحب ”ما ثبت بالنسبة“ میں بعد ذکر تاریخ وفات حضور فرماتے ہیں: ”قلت بهذه الرواية يكون عرسه تاسع ربيع الآخر و هذا هو الذي ادر كنا عليه سيدنا الشيخ الامام العارف الكامل الشيخ عبد الوهاب القادري المتقي المكي فانه قدس سره كان يحافظ في عرسه رضي الله تعالى عنه هذا التاريخ اما اعتمادا على الرواية وعلى ما راي من شيخه الشيخ الكبير على المتقي او من غيره من المشائخ رحمة الله تعالى عليهم و قد اشتهر في ديارنا هذا اليوم الحادي عشر و هو المتعارف في مشائخنا من اهل الهند من اولاده رضي الله تعالى عنه كذا ذكر شيخنا و سيدنا السيد البهي الرضی ابو المحاسن سيدی الشيخ موسى الحسيني الجيلاني ابن الشيخ الكامل العارف المعظم المكرم ابي الفتح الشيخ الحامد الحسنی الجيلاني نقلاً من اوراد القادرية تصنيف المخدوم الاعظم الاكرم الامجد الافخم ولي الله با لا تفاق الذي يقال له المخدوم السامي الشيخ عبد القادر الثاني قدس الله تعالى روحه مما نقل فيها عن ابائه الكرام رحمة الله عليهم اجمعين“۔

اسی طرح ہندوستان میں پاک پٹن شریف میں پنجم محرم الحرام کو عرس حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، اجیر شریف میں ششم رجب المرجب کو عرس خواجہ غریب نواز معین الحق والملة والدین قدس سرہ، مارہرہ مطہرہ میں دہم ۱۰ محرم الحرام کو عرس صاحب البرکات حضرت سید شاہ برکت اللہ صاحب قدس سرہ، ۱۸ ربیع الاول شریف کو عرس حضرت سید آل احمد اچھے میاں صاحب قدس سرہ، ہیز دہم ۱۸ رذی الحجۃ الحرام کو عرس حضرت سید شاہ آل رسول صاحب قدس سرہ العزیز، ۱۰-۱۱-۱۲ کو کلیہ شریف میں، دواز دہم ربیع الاول شریف کو عرس حضرت علاء الدین

صابر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ردولی شریف میں ۱۱ جمادی الآخرہ سے ۱۳ تک عرس حضرت شاہ عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ، دہلی اور بدایوں میں کتنوں کی تعداد بتائی جائے، گنج اولیا ہے، شاید ہی کوئی تاریخ خالی جاتی ہوگی، جو کسی نہ کسی کا عرس نہ ہوتا ہو۔ مراد آباد میں بست و ہفتم ۲۷ صفر کو عرس شیخ المشائخ شاہ بلاقی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، نہم جمادی الآخرہ کو عرس شاہ محبوب علی صاحب، رامپور میں یازدہم صفر کو عرس مولوی عاشق احمد صاحب، ۱۵-۱۶-۱۷ جمادی الآخرہ کو عرس مولانا مولوی ارشاد حسین صاحب قدس سرہ، بریلی میں یکم جمادی الآخرہ کو عرس مولانا شاہ نیاز احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، کانپور میں ۲ صفر کو عرس حضرت مولانا احمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، ۳ رجب کو عرس مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب، گنج مراد آباد میں ۲۶ ربیع الاول شریف کو عرس مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ پتھو شریف میں ۹ شعبان کو عرس حضرت مخدوم شاہ درویش صاحب قدس سرہ، بہار شریف میں ۵ شوال کو عرس حضور مخدوم الملک مخدوم شاہ شرف المملۃ والدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہ، ۴ جمادی الآخرہ کو حضرت جناب حضور شاہ امین احمد صاحب قدسنا للہ بارواحہم و نفعنا فی الدارین ببر کاتہم کا عرس ہمیشہ بتعین تاریخ و ماہ وفات بلا تکلیف رائج ہے۔ وہابیہ لیام خذلہم اللہ تعالیٰ اپنی بڑ کو تباح کلاب سے زیادہ نہ تصور فرمائیں۔

ماہ فشانہ نور و سگ عو عو کند ہر کسے بر خلقت خود میں تند

قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر بہیت کذا فی موجود نہ ہونے سے کوئی چیز ممنوع و ناجائز نہیں ہو سکتی۔ علما نے صد ہا امور میں کہ قرون ثلاثہ میں رائج نہ تھے باوجود محدث ہونے کے حکم جواز بلکہ استحسان دیا، مثلاً نماز میں تلفظ نیت باوجود یکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، نہ خلفائے راشدین، نہ ائمہ مجتہدین سے ثابت، عامہ متون و شروح و فتاویٰ میں مستحب فرمایا۔

وقایہ میں ہے: ”والقصد مع لفظہ افضل“۔

مختصر وقایہ میں ہے: ”و مع اللفظ افضل“۔

جوہرہ نیرہ میں ہے: ”الذکر باللسان مع عمل القلب سنۃ فالاولیٰ ان یشتغل قلبہ بالنیۃ

ونسانہ بالذکر ویدہ بالرفع“۔

غرر الاحکام میں ہے: ”و التلفظ مستحب“۔

در الاحکام میں ہے: ”اما الذکر باللسان فلا یعتبر بہ و یحسن ذلک لا اجتماع عنریمة“۔

غنیۃ ذوی الاحکام میں ہے: ”قوله و التلفظ بہا مستحب یعنی طریق حسن احبہ المشائخ لانہ

من السنۃ لانہ لم یثبت عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من طریق صحیح ولا ضعیف ولا

عن احد من الائمة الائمة الاربعة بل المنقول انه صلى الله تعالى عليه وسلم كان اذا قام الى الصلوة كبر فهذه بدعة حسنة عند قصد جمع العزيمة۔

حاشیہ دررلابی سعید خاوی میں ہے: ”قوله ويحسن ذلك كونه حسنا هو اختيار الكافي والزيلعي واختير في منية المصلي تبعاً للمجتبى بترجيح استحبابه و في الاختيار تبعاً للبدائع سنية۔“
محیط میں ہے: ”الذكر باللسان سنة فينبغي ان يقول اللهم اني اريد صلوة كذا فيسرها لي وتقبلها مني۔“

بحر الرائق میں ہے: ”قد اختلف كلام المشائخ في التلفظ باللسان فذكر في منية المصلي انه مستحب وهو المختار و صححه في المجتبى و في الهدية والكافي والتبيين انه يحسن لا جتماع عزيمة و في الاختيار معزيا الى محمد بن الحسين انه سنة و هكذا البدائع۔“
درمختار میں ہے: ”التلفظ عند الرادة بها مستحب وهو المختار وقيل سنة يعني احب السلف او سنة علماء ناذلم ينقل عن المصطفى والصحابة والتابعين بل قيل بدعة۔“
طحاوی میں ہے: ”لكنها حسنة على المعتمد لا سيئة۔“

رد المحتار میں ہے: ”قوله بل قيل بدعة، نقله في الفتح وقال في الحلية ونقل الا شبه انه حسنة عند قصد جمع العزيمة لانسان قديغلب عليه تفرق خاطره وقد استفاض ظهور العمل به في كثير من الاغصار في عامة الامصار فلا جرم انه ذهب في المبسوط والهداية والكافي الى انه ان فعله لجمع عزيمة قلبه فحسن فيندفع ما قيل انه يكره۔“

غنیۃ شرح منیہ میں بعد نقل اس بات کے کہ قرون ثلاثہ میں اس کا وجود نہ تھا، بدعت ہے، فرمایا: ”فكونه بدعة لا ينافي كونه حسناً لقصد اجتماع العزيمة على ما اشار اليه في الهداية وصرح في التحنيس۔“
مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے: ”الا كثرون على ان الجمع بينهما مستحب يسهل تعقل معنى

النية واستحضارها“ الخ۔
شعة اللمعات میں ہے: ”فقها گفته اند کہ اگر بزبان نیز گوئید بہتر است و مستحب تا زبان بادل موافق و ظاہر و باطن مطابق بود۔ و نیز تعقل معنی نیت و استحضار آن در دل بذکر الفاظ آسان باشد۔“

اسی طرح تمویب کہ خیر القرون میں اس کا رواج نہ تھا لیکن عامۃ کتب مذہب متون مثل تنویر الابصار، وقایہ، نقایہ، کنز، غرر، دانی، ملتقی، اصلاح، نور الایضاح، شروح مانند درمختار، رد المحتار، طحاوی، عنایہ، نہایہ، غنیۃ شرح منیہ،

صغیری، بحر الرائق، نہر الفائق تبیین الحقائق، برجندی، قہستانی، درر الحکام، کافی، مجتبیٰ، ایضاح، امداد الفتاح، مراقی الفلاح، حاشیہ المراقی للعلامة الطحاوی، فتاویٰ مثل ظہیریہ، خانہ، خلاصہ، خزائنہ المفتین، جواہر اخلاطی، علمگیری وغیرہا میں جائز و مستحسن فرمایا۔

مختصر وقایہ میں ہے: ”التثو حسن فی کل صلوۃ“۔

تنویر الابصار علامہ غزی ترمثاشی میں ہے: ”یثوب الافی المغرب“۔

درمختار محقق علائی میں ہے: ”یثوب بین الاذان والاقامة فی الكل للكل بما تعارفوه“۔

غنیۃ میں ہے: ”واستحسن المتأخرون التثویب زاد فی شرح الوقایۃ فی الصلوات کلہا“۔

اسی طرح خطبہ میں ذکر خلفائے راشدین اور عمین مکریمین رضی عنہم رب المشرقیین۔

بحر الرائق میں ہے: ”و ذکر الخلفاء الراشدين مستحسن بذالك جرى التوارث و بذكر العمین“۔

درمختار میں ہے: ”یندب ذکر الخلفاء الراشدين والعمین“۔

اور اسی قبیل سے خطبہ میں دعائے سلطان ہے، جسے بعض علما نے بمصلحت زمانہ واجب تک کہنا مجوز رکھا ہے۔

درمختار میں ہے: ”لا (ای لا یندب) للسلطان و جوزہ الفقہستانی“۔

رد المحتار میں اس کی تائید فرمائی اور کہا: ”و ایضا فان الدعاء للسلطان علی الم نابرق قد صار الآن من

شعار السلطنة فمن تركه يخشى عليه ولذا قال بعض العلماء لو قيل ان الدعاء له واجب لما فی تركه من الفتنة غالباً لم یبعد“ الخ۔

اسی طرح تسلیم بعد الاذان کہ ربیع الآخر ۸۱۷ یا ۹۱۷ ہجری زمانہ سلطان ناصر صلاح الدین سے شروع ہوئی

اور اسے بدعت حسنہ فرمایا۔

درمختار میں ہے: ”التسليم بعد الاذان حدث فی ربیع الآخر سنة سبع مائة واحدى و ثمانین

فی عشاء ليلة الاثنين ثم یزم الجمعة ثم بعد عشر سنین حدث فی الكل الافی المغرب ثم فیہا

مرتین وهو بدعة حسنة“۔

رد المحتار میں ہے: ”قوله سنة ۷۸۱ھ كذا فی النهر عن حسن بالمحاضرة للسيوطی ثم نقل

عن القول البديع للسخاوی انه فی سنة ۷۸۱ھ وان ابتداءه كان فی ایام السلطان الناصر صلاح

الدین بامرہ“۔

اسی طرح مصافحہ بعد العصر۔ درمختار میں ہے: ”فی مسئلة المصافحة بعد العصر قولهم انه بدعة ای حسنة مباحة

کما افاده النووی فی اذکارہ وغیرہ فی غیرہ۔

اسی طرح مصافحہ بعد صبح۔ نسیم الریاض میں ہے: ”الاصح انها بدعة مباحة“۔

اسی طرح قرآن شریف میں اسمائے سور اور آیات کی تعداد لکھنا، اسے مطلق کرنا۔

در مختار میں ہے: ”وجاز تحلیہ المصحف لمافیہ من تعظیمہ وفیہ وعلیٰ ہذا لا بأس بکتاہ

اسامی السور و عدد الای والعلامات فہی بدعة حسنة“۔

جواہر اخلاطی پھر فتاویٰ علمگیریہ میں ہے: ”لا بأس بکتاہ اسامی السور و عدد الای و هو وان کان

احدا ثا فهو بدعة حسنة و کم من شئی کان احدا ثا و هو بدعة حسنة و کم من شئی یختلف

باحتلاف الزمان والمكان“۔

”قرآن مجید میں سورتوں کے نام اور آیتوں کی گنتی لکھنے میں حرج نہیں اور وہ اگرچہ نو پیدا ہے مگر بدعت حسنة

ہے اور بہت نئی چیزیں بدعت حسنة ہوتی ہیں اور بہت چیزوں کا حکم زمانہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و خلفائے

راشدین میں نہ تھے، بدلتا رہتا ہے۔“

صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی: ”ان المسجد کان علیٰ عهد

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبنی بالبن وسقفہ الجرید وعمدہ خشب الخل“۔

بلکہ حدیث میں تو اس کی ممانعت آئی۔ منڈی بنانے کا حکم ہوا کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

”ابنوا المساجد واتخذوا حما“۔ ”مسجدیں بناؤ اور انہیں بے کنگرہ رکھو“۔ رواہ ابن ابی شیبہ والبیہقی

فی السنن عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً۔

مگر تغیر زمانہ سے جبکہ قلوب عوام تعظیم باطن پر متنبہ ہونے کے لئے تعظیم ظاہر کے محتاج ہو گئے۔ اس قسم کے امور کو علماء عامہ

مسلمین نے مستحسن رکھا، کما افتی بہ سیدی مدظلہ۔

اسی طرح ختم تراویح کے دن باجماعت دعا کرنا آخر رکعت میں سورہ اخلاص تین بار پڑھنا۔

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: ”تکلموا فی الدعاء عند ختم القرآن فی شہر رمضان بالجماعة

واستحسنہ المتأخرون فلا یمنع من ذلك وقراءة سورة الاخلاص ثلاث مرات عند ختم القرآن

استحسنہ مشائخ العراق الا فی المكتوبة“۔

اسی طرح مجلس میلاد فیض بنیاد سرکار ابد قرار حضور سرور کائنات علیہ علیہ افضل الصلوات واکمل التسلیمات

کہ خیر القرون میں اس ہیئت کذائی کے ساتھ معمول نہ تھی پھر بھی علمائے کرام نے اسے جائز و مستحسن فرمایا۔

امام حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ”یستحب لنا ایضا اظهار الشکر بمولده صلى الله تعالى عليه وسلم بالاجتماع واطعام الطعام ونحو ذلك من وجوه القربات و اظهار المسرات“۔

امام ابوالخیر شمس الملتی والدین سخاوی و شیخ القراء محمد ابن الجزری و امام شہاب الدین احمد بن محمد خطیب قسطلانی وغیرہم فرماتے ہیں: ”واللفظ للمواهب لازل اهل الاسلام يحتفلون بشهر مولده عليه الصلوة والسلام ويعملون الولائم ويتصدقون في لياليه بانواع الصدقات ويظهرون السرور ويزيدون في المبرات ويعتنون بقراءة مولده الكريم ويظهر من بركاته كل فضل عظيم“۔

امام حافظ ابو محمد عبدالرحمن ”الباعث على انكار البدع ولحوادث“ میں فرماتے ہیں: ”ومن احسن البدع في زماننا هذا من هذا القبيل (اي البدعة المتفق على جواز فعلها والاستحباب بها و رجاء الثواب من حسنت نيته فيها) ما كان يفعل بمدينة او بل كل عام في اليوم الموافق ليوم مولد النبي صلى الله تعالى عليه وسلم من الصدقات والمعروف و اظهار الزينة والسرور فان ذلك مع مافيه من الاحسان الى الفقراء يشعر بمحبة النبي صلى الله عليه وسلم و تعظيمه واجلاله في قلب فاعله وشكر الله على ما من به من ايجاد رسوله الذي ارسله رحمة للعالمين صلى الله عليه وسلم“۔

علامہ شیخ صدر الدین بن عمر شافعی فرماتے ہیں: ”هذه البدعة لا بأس بها ولا يكره البدع الا اذا راعمت السنة واما اذا لم تراغمها فلا تكره و يثاب الانسان بحسب قصده في اظهار السرور والفرح بمولد النبي صلى الله تعالى عليه وسلم“۔

الکوکب الانور علی عقد الجوهر تالیف سید جعفر برزنجی مفتی شافعیہ میں ہے: ”اعلم انه (ای عمل المولد) بدعة لانه لم ينقل عن احد السلف الصالح من القرون الثلاثة الفاضلة التي شهد النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بخير نها لكنها بدعة حسنة لما شتمت عليه من الاحسان الكثير للفقراء ومن قراءة القرآن واكثر الذكر والصلوة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم و اظهار الفرح والسرور به ولا جل ذلك لما ظهرت بعد تلك القرون الثلاثة لم يزل اهل الاسلام في سائر الاقطار يحتفلون في شكر مولده خصوصاً في ليلته بعمل المولد في ولائم مشتملة على كثرة المطاعم والاحسان والصدقات والمبرات مع الاكثار من قراءة القرآن المجيد والذكر وقراءة مولده“۔

امام محقق حافظ ابو ذر عدوی الدین عراقی فرماتے ہیں: ”الوليمة واطعام الطعام مستحب في كل وقت فكيف اذا انضم الى ذلك السرور بظهور نور النبوة في هذا الشهر الشريف ولا نعلم ذلك من السلف ولا

يلزم من كونه بدعة كونه مكروهاً فكم من بدعة مستحبة بل واجبة اذا لم ينضم الي ذلك مفسدة“۔

امام جلال الملة والدين سيوطی شرح ابن ماجہ شریف میں تحریر فرماتے ہیں: ”الصواب انه من البدع الحسنة المندوبة اذا خلى من المنكرات شرعاً آه وقال في فتاواه عندي ان اصل المولد من البدع الحسنة التي يثاب صاحبها لمافيها من تعظيم قدر النبي صلى الله عليه وسلم و اظهار الفرح والاستبشار بمولده الشريف“۔

اسی طرح قیام وقت ذکر ولادت پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

مولانا عثمان حسن دمیاطی اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں: ”القيام عند ذكر ولادة سيد المرسلين صلى الله عليه وسلم في قراءة المولد الشريف تعظيماً له صلى الله عليه وسلم امر لا شك في استحسانه ويحصل لفاعله من الثواب الحظ الاوفر والخير الاكبر“۔

عقد الجوهري في مولد النبي الاذهر تالیف علامہ سید جعفر برزنجی میں ہے: ”وقد استحسن القيام عند ذكر مولده

(صلى الله تعالى عليه وسلم) الشريف ائمة ذو ورواية و (ذو) روية آه مع زيادة ما بين الهالين“
اللكوكب الانور علی عقد الجوهري تالیف سید جعفر برزنجی ابن ابن ابن المؤلف السيد جعفر برزنجی میں ہے:

”هـ هذا القيام بدعة لا اصل لها لكنها بدعة حسنة لاجل التعظيم“۔

القول المنجي علی مولد البرزنجی تالیف شیخ محمد بن احمد مفتی مالکیہ میں ہے: ”جرت العادة بقيام الناس

اذا انتهى المداح الي ذكر مولده صلى الله تعالى عليه وآله وسلم وهي بدعة مستحبة لمافيها من اظهار الفرح والسرور“۔

قال الصرصري نفعا الله به ۛ

قليل لمدح المصطفى الخط بالذهب على فضة من خط احسن من كتب

وان تنهض الاشراف عند سماعه قياماً صفوفاً او جثياً على الركب

اما الله تعظيماً له كتب اسمه على عرشه يارتبة سمت الرتب

امام مجدد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس ”النفحة العنبرية لا ثبات القيام في مولد خير

البرية“ میں فرماتے ہیں: قد استحسن اهل مكة المعظمة والمدينة المنورة زادهم الله شرفاً وتعظيماً

ويقومون عند ذكر وضعه عليه السلام كما لا يخفى على الحاج وقال الامام ابو زيد في مولده:

”استحسن العلماء القيام عند ذكر الوضع“۔ وقال العلماء الحنبلية: ”عند ذكر ولادته صلى الله

تعالیٰ علیہ وسلم القيام واجب لمانہ تحضر روحانیتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و علیٰ هذا عمل اہل مکة الشریفة فی زیارتہم موضع ولادته الشریفة۔

اسی طرح تقلید شخصی کہ اب اہل سنت و جماعت میں ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں منحصر و محصور ہے۔ حالانکہ خیر القرون میں ہرگز اس طرح پر نہ تھی، بلکہ دو صدی کے بعد شائع ہوئی مگر علمائے کرام نے اس کے وجوب کا حکم فرمایا۔ جو ان چہار مذہبوں سے خارج ہو، اسے بدعتی جہنمی فرمایا۔

شاہ ولی اللہ صاحب ”انصاف فی بیان سبب الاختلاف“ صفحہ ۱۳ میں فرماتے ہیں: ”بعد المائتین ظہر بینہم التمدد بآل مجتہدین باعیانہم و قل من کان لا یعتمد علی مذهب مجتہد بعینہ و کان هذا هو الواجب فی ذلک الزمان۔“ ”دو صدی کے بعد خاص ایک مجتہد کا مذہب اختیار کرنا اہل اسلام میں شائع ہوا۔ کم کوئی شخص تھا جو امام معین کے مذہب پر اعتماد نہ کرتا ہو اور یہ واجب ہے اس زمانے میں۔“

طحاویہ حاشیہ در مختار میں ہے: ”هذه الطائفة الناجية قد اجتمعت اليوم فی مذاهب اربعة و هم الحنفیون و المالکیون و الشافعیون و الحنبلیون رحمہم اللہ تعالیٰ و من کان خارجاً عن هذه الاربعة فی هذا الزمان فهو من اهل البدعة و النار۔“ ”اہل سنت کا گروہ ناجی۔ اب چار مذہب میں مجتمع ہے، حنفی مالکی شافعی حنبلی۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر رحمت فرمائے جو ان چار سے باہر ہے، وہ بدعتی جہنمی ہے۔“

”ای غیر ذلک من الامور التي لم تکن فی خیر القرن و احدثت بعد ذلک و قد اباحتها و استحسنتها بل اوجبها العلماء۔“

بالجملہ عرس مسئول عنہ کی اباحت و جواز میں شک نہیں کہ وہ مجموعہ امور مستحسنہ کا ہے۔ اور مجموعہ امور مستحسنہ کا مستحسن ہوتا ہے اور اجتماع سے کوئی حکم منافی آحاد کے پیدا نہیں ہوتا بلکہ حسن اس کا حسن، ہر واحد سے زیادہ ہو جاتا ہے جیسے بالوں کی رسی ہر بال سے زیادہ قوت رکھتی ہے اور بڑی جماعت کی خبر باوجود ظنیت آحاد کے مفید یقین کی ہو جاتی ہے اور حدیث ضعیف تعدد و طرق سے حسن ہو جاتی ہے کما قد مناعن اشعة اللمعات۔ اور جب ان سب امور خیر کی طرف خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت و ہدایت فرمائی اور مزارات شہدائے کرام پر ہر سال تشریف لے جا کر اس کی بنیاد رکھی۔ اس کے بعد اور کس موجد کی ضرورت ہے؟

(۲) جس جگہ ہو، ہند یا سندھ یا ماعراس وغیرہ میں قوالی ہوتی ہے یا طوائف مزین ہو کر با ساز و مزامیر رقص و مجرا کیا کرتی ہیں۔ چونکہ خود ایسی قوالی حرام، حاضرین سب گنہگار ہوتے ہیں اور ان سب کا گناہ قوالوں پر اور ان سب کا گناہ ایسا عرس کرنے والے پر بغیر اس۔ کہ عرس کرنے والے کے سر قوالوں کا گناہ جانے سے قوالوں پر سے گناہ

میں کچھ کمی واقع ہو یا اس کے اور قوالوں کے ذمے حاضرین کا وبال پڑنے سے حاضرین کے گناہ میں کچھ تخفیف نہ ہو، نہیں بلکہ حاضرین میں ہر ایک پر اپنا پورا گناہ اور قوالوں پر اپنا پورا گناہ الگ اور ان سب حاضرین کے برابر جدا اور ان سب کا مجموعہ ایسا عرس کرنے والے پر۔ یہ وجہ کہ حاضرین کو عرس کرنے والے نے بلایا اور ان کے لئے اس گناہ کا سامان پھیلا یا اور قوالوں نے انہیں سنایا۔ اگر وہ سامان نہ کرتا، یہ ڈھول سارنگی نہ کرتے تو حاضرین اس گناہ میں کیوں پڑتے، اس لئے ان سب کا گناہ قوالوں پر ہوا۔ پھر قوالوں کے اس گناہ کا باعث وہ عرس کرنے والا ہوا۔ وہ نہ کرتا، نہ بلاتا تو یہ کیونکر آتے، بجاتے۔ لہذا قوالوں کا گناہ بھی اسی بلانے والے پر ہوا۔

حدیث شریف میں ہے: ”من دعا الیٰ ہدیٰ کان لہ من لہ من الاجر مثل اجور من تبعہ لا یسقط ذلک من اجور ہم شیئا ومن دعا الیٰ ضلالۃ کان علیہ من الاثم مثل اثم من تبعہ لا ینقص ذلک من اثمہم شیئا“۔ ”جو کسی امر ہدایت کی طرف بلائے، جتنے اس کا اتباع کریں، ان سب کے برابر ثواب پائے، بغیر اس کے کہ ان کے ثوابوں میں کچھ کمی آئے۔ اور جو کسی امر ضلالت کی طرف بلائے، جتنے اس کے بلانے پر چلیں، ان سب کے برابر اس کے اوپر گناہ ہو اور ان کے گناہوں میں کچھ تخفیف نہ ہو۔ رواہ الائمة احمد و مسلم والاربعة عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

باجوں کی حرمت میں احادیث کثیرہ شہیرہ ہیں۔ بخاری شریف میں ہے: حضور اقدس صلی تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”لیکونن فی امتی اقوام یستحلون الحر والحریر والنخمر والمعازف حدیث صحیح جلیل متصل وقد اخرجه الائمة احمد و ابو داؤد و ابن ماجہ والا اسمعیلی و ابو نعیم باسانید صحاح لا مطعن فیہا و صحہ جماعۃ آخرون من الائمہ کما قالہ بعض الحفاظ قالہ الامام ابن حجر المکی فی کف السراع اہ افادہ سیدنا العلام فی عطایا النبویہ ۱۲ منہ) ”ضرور میری امت میں کچھ لوگ ایسے ہونے والے ہیں کہ حلال ٹھہرائیں گے عورتوں کی شرمگاہ یعنی زنا اور ریشمی کپڑے اور شراب اور باجوں کو“۔

بعض جہال بدست یا نیم ملاہوس پرست کہ معاذ اللہ اس کی تہمت محبوبانِ خدا کا برسلسلہ عالیہ چشت قدست اسرار ہم کے سر دھرتے ہیں۔ نہ خدا تعالیٰ سے خوف، نہ بندوں سے شرم کرتے ہیں۔ حالانکہ خود حضور محبوب الہی و مولائی نظام الحق والدین سلطان الاولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عنہم و عننا بہم فواد الفوید شریف میں فرماتے ہیں: ”مزامیر حرام است“ مولانا فخر الدین زراوی، خلیفہ حضور سیدنا محبوب الہی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور کے زمانہ مبارک میں خود حضور کے حکم احکم سے مسئلہ سماع میں رسالہ کشف الفناع عن اصول السماع تحریر فرمایا۔ اس میں صاف ارشاد ہے: ”اما سماع مشائخنا رضی اللہ تعالیٰ عنہم فبرئ عن ہذہ التہمة و هو مجرد صوت

القول مع الاشعار المشعرة من کمال صنعة الله تعالى۔ ”ہمارے مشائخ کرام رضی اللہ عنہم کا سماع اس مزامیر کے بہتان سے بری ہے۔ وہ صرف قوال کی آواز ہے، ان اشعار کے ساتھ جو کمال صنعت الہی سے خبر دیتے ہیں۔“
 للہ انصاف! ان امام جلیل خاندان عالی چشت کا یہ ارشاد مقبول ہوگا یا آجکل مدعیان خام کار کی تہمت بے بنیاد ظاہر الفساد ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔ جو لوگ اس کی ممانعت پر قدرت رکھتے ہیں انہیں منع کرنا لازم۔
 مسلم شریف میں ہے: ”من رای منکم منکر آفلیغیرہ بیدہ فان لم یقدر فیلسانہ فان لم یقدر فبقلمہ و ذلك اضعف الايمان وفي رواية وليس وراء ذلك حبة خردل من الايمان۔“ جو تم میں سے کوئی برائی دیکھے تو چاہئے کہ مٹا دے اپنے ہاتھ سے اور جو اس پر قدرت نہ رکھے تو زبان سے اس کی برائی بیان کر دے اور جو اس پر بھی قدرت نہ رکھے تو چاہئے کہ دل سے برا جانے اور یہ بہت ہی ضعیف درجے کا ایمان ہے اور دوسری روایت میں ہے اور اس کے اندر رائی کے دانہ برابر ایمان نہیں۔ جس طرح امر بالمعروف اہم فرائض دینیہ ہے، اسی طرح نہی عن المنکر بھی ہے۔

ابوداؤد شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے: ”کلا والله لتأمرن بالمعروف ولتنهون عن المنکر اولیضربن الله قلوب بعضکم علی بعض ثم لیلعنکم کما لعنہم۔“ ”یوں نہیں خدا کی قسم! یا تو تم ضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو گے یا اللہ تعالیٰ تمہارے دل آپس میں ایک دوسرے پر مارے گا پھر تم سب پر لعنت اتارے گا، جیسی ان بنی اسرائیل پر لعنت اتاری۔“ قال تعالیٰ: لعن الذین کفرو امن بنی اسرائیل علی لسان داؤد و عیسی بن مریم ذلك بما عصوا وکانوا یعتدون کانوا الایتناھون عن منکر فعلوه لبئس ما کانوا یفعلون۔“ ”بنی اسرائیل کے کافروں پر لعنت پڑی داؤد اور عیسی بن مریم کی زبان سے کا یہ بدلہ تھا ان کی نافرمانیوں اور حد سے بڑھنے کا۔ برے کام سے ایک دوسرے کو منع نہ کرتے تھے ضرور یہ فعل ان کا سخت بُرا تھا۔“

علامہ نسفی تفسیر مدارک میں تحت اس آیہ کے فرماتے ہیں: ”و فیہ دلیل علی ان ترک النہی عن المنکر من العظائم فیا حسرة علی المسلمین فی اعراضہم عنہ۔“ ”اور اس آیت میں دلالت اس بات پر ہے کہ نہی عن المنکر نہ کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ افسوس ہے مسلمانوں کے حال پر اس کے چھوڑ دینے میں۔“

اگرچہ مانا کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہ ہر شخص پر فرض، نہ ہر حال میں واجب بلکہ بعض صورتوں میں ہی اس کے ترک کی ترغیب دے گی جبکہ اس سے کوئی فتنہ اشد پیدا ہو۔

شرح عقائد جلالی بحث الامر بالمعروف والنہی عن المنکر میں ہے: ”و شرطہ ای شرط وجوبہ و ندبہ ان

لا یودی الی الفتنة فان علم انه یودی الیها لم یجب ولم یندب بل ربما کان حراماً۔“ مگر جو لوگ ذی قوت اور اہل اختیارات ہیں کہ ان کے منع کر دینے سے لوگ رک جائیں گے، ان پر فرض ہے کہ جس طرح ممکن ہو لوگوں کو روک دیں۔ انہیں صرف قلب سے برا جاننا کافی نہ ہوگا۔“

فتاویٰ علمگیریہ میں محیط سے ہے: ”ان الا مر بالمعروف علی وجہ ان کان یعلم با کبر رأیہ انه لو امر بالمعروف ویقبلونه ویمتنعون عن المنکر فالامروا جب علیہ ولا یسعه ترکہ۔“ اگر جانتا ہے کہ اس کے امر بالمعروف کرنے کو لوگ قبول کریں گے، برائی سے باز آئیں گے تو اس پر امر بالمعروف واجب ہے، اسے چھوڑ نہیں سکتا۔“

شرح شفا ملا علی قاری میں ہے: ”الا نکار القلبی لا یکون کافیاً الا للعاجز عن انکار بیدہ اولسانہ۔“ انکار قلبی کافی نہ ہوگا مگر اس شخص کے لئے جو عاجز ہے انکار لسانی یا ہاتھ سے منع کرنے سے اور جو شخص اس پر قدرت رکھتا ہے اور پھر باوصف قدرت ترک کرے گا، ضرور گنہگار ہوگا۔“

سائل کا مطلقاً اہل قبور سے استمداد کو شرک بتانا، اختلاط و ہابیاں سے ناشی۔ اولیائے کرام سے انہیں واسطہ فیض الہی جان کر استمداد و استعانت ہر گز گناہ تک نہیں۔ حدیثوں کی تو گنتی نہیں۔ بے شمار احادیث میں حکم استعانت وارد۔ خود رب العزت جل و علا فرماتا ہے: واستعینوا بالصبر والصلوة۔ اور استعانت کرو صبر اور صلوٰۃ سے اور یقینی قطعی اجماعی امر ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کا حکم نہیں دیتا اور نہ شرک میں تفریق ہے کہ صبر و صلوٰۃ خدا تعالیٰ کے شریک ہو سکتے ہوں، انبیاء و اولیا نہیں اور اگر یہ شرک ہی ہے تو جب خدائے تعالیٰ مجھے حکم دیتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امر فرماتے ہیں تو ہم اس کے بندے ہیں، اس کا اتباع واجب۔ ایسے شرک پر جس کا اللہ تعالیٰ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حکم دیں، ان چمر تو حید یوں کی لاکھ تو حیدیں قربان۔

قال اللہ تعالیٰ: ما اتکم الرسول فخذوه۔ وقال اللہ تعالیٰ: ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ وقد افرد الحضرة الشیخ فی هذا الباب رسالۃ سماها ”برکات الامداد لاهل الاستمداد۔“

متعدد احادیث میں زیارت قبور کو عورتوں کے لئے ناجائز فرمایا بلکہ لعنت تک آئی۔ قال هذا حدیث حسن صحیح والامام احمد فی مسنده وابن ماجہ فی سننہ والحاکم فی المستدرک عن حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ مگر بعد کو اجازت دے دی گئی۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ”نہینا کم عن زیارة القبور فزورہا رواہ محرر المذہب النعمانی الامام محمد بن الحسن الشیبانی فی الآثار عن امامنا الاعظم عن ابن بريدة الاسلمی عن ابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال وبهذا نأخذ لا بأس

بزیارة القبور للدعا للمیت ولذكر الآخرة وهو قول ابی حنیفة ومسلم و ابو داؤد والترمذی وابن حبان والحاکم عن ابن بريدة رضى الله تعالى عنه۔

علماء کو اختلاف ہوا کہ اس اجازت میں عورت بھی داخل ہیں یا صرف مردوں کے لئے حکم ہوا۔ اصح مذہب میں عورتیں بھی داخل ہیں۔

فتاویٰ علمکیر یہ ہیں ہے: ”اختلف المشائخ فی زیارة القبور للنساء قال شمس الائمة السرخسی الا صح انه لا بأس بها۔“

جامع الرموز میں ہے: ”وزیارة القبور مستحب للرجال وكذلك للنساء علی الاصح۔“

مختار الفتاویٰ میں ہے: ”لا بأس بزیارة القبور وهو قول ابی حنیفة وظاهر قول يقتضی الجواز للنساء ایضاً لانه لم یخص الرجال۔“

کشف بزودی علامہ فخر الاسلام علی بن محمد جلد ۳ صفحہ ۱۸۶ میں ہے: ”والا صح ان السرخصة ثابت للرجال و النساء جميعاً۔“

بحر الرائق میں ہے: ”الا صح ان الرخصة ثابتة لهما۔“

در مختار میں ہے: ”لا بأس بزیارة القبور ولول للنساء لحديث كنت نهيتكم عن زیارة القبور الا فزوروها۔“

رد المحتار میں ہے: ”قوله وبزیارة القبور بل تندب كما فی البحر عن المجتبیٰ فكان ینبغی التصریح لئلا مر بها فی الحديث المذكور كما فی الامداد۔“

مگر غنیۃ وغیرہ میں اسے مکروہ فرمایا: ونصہ ”ویستحب زیارة القبور للرجال و تکرہ للنساء۔“ لما نے اسے تطبیق دی اور فرمایا کہ اگر تجدید حزن و بکاء کے لئے ہے جیسی ان کی عادت ہے تو ناجائز و ممنوع ہے اور اگر عبرت حاصل کرنے کے لئے اور قبور صالحین کے ساتھ برکت حاصل کرنے کی غرض سے ہے تو بوڑھیوں کو اجازت ہے مگر جوان عورتوں کے لئے اجازت نہیں جیسے مساجد میں حضور جماعت سے منع کی گئیں

شامی میں ہے: ”وقال الخیر الرملى ان كان ذلك لتجدید الحزن والبكاء والتندب علی ما جرت به عادتهن فلا یجوز و علیہ حمل حدیث لعن الله زائرات القبور وان كان للاعتبار والترحم من غیر بُكاء والتبرک بزیارة قبور الصالحین فلا بأس اذا كن عجائز و یکره اذا كن شواب كحضور الجماعة فی المساجد أه و هو توفیق حسن۔“

مگر از انجا کہ احکام زمانہ کے اختلاف سے مختلف ہو جاتے ہیں، فتاویٰ رضویہ میں فرمایا: ”اقول قبور اقباء
یرخصوا بحال قرب عہد مہمات تجدید حزن لازم نساء ہے اور مزارات اولیائے کرام میں احد الشنا عتین کا اندیشہ یا ترک
ادب یا ادب میں افراط ناجائز، تو سبیل اطلاق منع ہے ولہذا غنیۃ میں کراہت پر جزم فرمایا۔ البتہ خاکبوسی آستانِ عرش
نشان سرکارِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اعظم المندوبات بلکہ قرب واجبات سے ہے۔ اس سے نہ روکیں گے اور
تعدیل ادب سکھائیں گے۔“

خزائے المہنتین و فتاویٰ علمگیر یہ میں فتح القدیر سے ہے: ”قال مشائخنا رحمہم اللہ تعالیٰ انہا افضل

المندوبات۔“

مناسک الفارسی شرح الختار میں ہے: ”انہا قریبۃ من الوجوب لمن لہ سعة۔“

شفائے امام قاضی عیاض مع شرح ملا علی قاری میں ہے: ”(زیارة قبرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ
وسلم سنة من سنن المسلمين مجمع علیہا) ای مجمع علیٰ کونہا سنة وممن ادعی الاجماع
النووی وابن الہمام بل قبل انہا واجبة اہ واللہ تعالیٰ اعلم قلت و کذا العلامة ابن حجر فی
الجوہر المنظم فی زیارة قبر النبی المکرم۔“

اللہم ارزقنا زیارة حرمتک و حرمة الابقی و ادم علینا الاقامة بحرمة صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
الیٰ ان نتوفی و متعنا بشفاعتہ الٰہی و اوردنا حوضہ الاصفیٰ و اسقنا بکأسہ الا و فی امین و اخر دعوانا ان
الحمد للہ رب العلمین والصلوة والسلام علی رسولہ وآلہ وصحبہ اجمعین الیٰ یوم الدین۔“

(اس فتوے پر اخیر میں سیدنا علیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ اور مولانا عبدالمقتدر بدایونی علیہ
الرحمہ کی تصدیقات بھی ہیں، لیکن ان کا یہاں ذکر کرنا بے محل ہے، اس لئے حذف ہوئیں۔ ۱۲ اساعل)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد۔ تحریرات فریقین نظر سے گذریں۔ محرمین فاتحہ نے جس حیاد و دیانت سے کام لیا ہے، عیاں ہے۔ عیاں را
چہ بیاں۔ مسئلہ فاتحہ کو علمائے اہل سنت کثر اللہ تعالیٰ امثالہم نے اس طرح ثابت فرمایا ہے کہ باحیاء مخالف کو بھی بجز
تسلیم، چون و چرا کی گنجائش نہیں۔ بقدر ضرورت انہی حضرات کے فیوض سے فقیر غفرلہ المولیٰ القدیر نے بھی اسے رسالہ ”
مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس“ میں بعض تصریحات اور دس سندیں اس مضمون پر ذکر کیں۔ اگرچہ
روئے سخن وہاں جانبِ عرس تھا مگر حکم، فاتحہ و عرس دونوں کا ایک۔ فالبيان والبيان والدلیل والدلیل۔ اس تحریر میں تمام

لغو و بے تعلق مباحث مناظرہ و جملہ ہائے ذاتی این و آن و بہ ہماں و فلاں سے قطع نظر اور صرف وضاحت مرام و ازاحت اوہام مقصود۔ و ما توفیقی الا بالملك المعبود۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ مجمل و مختصر جواب، موضح حق و صواب، دافع شک و ارتیاب، نافع اولی الالباب ہو۔ ناظرین سے مامول کہ براہ بشریت خطا پائیں، دامن عنو میں چھپائیں اور حق کے لئے بحکم ”انظر الى ما قال ولا تنظر الى من قال“ امید قبول۔ و ما توفیقی الا بالله العزيز الحلیل و هو حسبی و نعم الوکیل فاقول بالله التوفیق و به الوصول الى ذری التحقيق۔

اموات مسلمین و علمائے عالمین و صلحائے کاملین و انبیاء و مرسلین علیہم التحیة و التسلیم کو فاتحہ و درود و قرآن خوانی و طعام خورانی و غیرہ اعمال صالحہ کا ثواب پہنچانا گو جمعین تاریخ و دیگر قیود جائزہ رائج ہو، بے شبہ جائز و مباح بلکہ مستحسن و مندوب و شرعاً مقصود و مطلوب ہے۔ جس کے لئے قطع نظر تمام اسناد و دلائل و تصریحات معتمدان فرقہ مخالفین و تلویحات ائمہ منکرین، اصل اشیاء میں مذہب صحیح و معتمد و مختار جمہور حنفیہ کرام حصہم اللہ باللطف و الاکرام پر اباحت ہونا ہی کافی و وافی دلیل ہے کہ قائل جواز متمسک باصل ہے۔ اسے دلیل کی کیا حاجت؟ دلیل تو ان حضرات کو دینی چاہئے جو اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر افتراء کرتے، حرمت یا لا اقل کراہت کی پکار پکارتے ہیں۔ و لا حول و لا قوة الا بالله العلی العظیم۔

رہا یہ کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے بھی یا خواہ مخواہ قائل جواز متمسک باصل ہے؟ اجلہ اکابر علمائے اہل سنت نے ایسے واضح اور صاف لفظوں میں ثابت فرمایا ہے کہ

گر آں جملہ راسعدی الملائکند مگر دفتر دیگر انشا کند

مگر بمضمون ”مالا يدرك كله لا يترك كله“ ان میں سے صرف بعض کا افاضہ اور بنظر اتمام حجت تاکہ پھر کسی کو، پرانا مغالطہ، اور ”دھوکے کی ٹٹی“ کہنے کی جرأت نہ ہو، تحریرات معتمدین مخالفین بلکہ ائمہ منکرین کا اضافہ ضرور۔
قال عز من قائل: ”هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا“ (البقرة ۲۹) ”وہی ہے جس نے تمہارے لیے بنایا جو کچھ زمین میں ہے“ (کنز الایمان)

علامہ حافظ ابن ابوالبرکات نسفی مدارک التنزیل میں تحت اس آیت کے فرماتے ہیں: ”قد استدل الکرخسی و ابو بکر الرازی و المعتزلہ بقوله خلق لكم على ان الاشياء التي يصلح ان يستفيع بها خلقت مباحة في الاصل۔“
مشکوٰۃ شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی: ”كان اهل الجاهلية ياكلون اشياء و يتركون اشياء تقذرا فبعث الله نبيه و انزل كتابه و احل حلاله و حرم حرامه فما احل فهو حلال و ما حرم فهو حرام و ما سكت عنه فهو عفو (مشکوٰۃ المصابيح كتاب الصيد، باب ما يحل اكله و ما يحرم)۔“

شیخ محقق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں: ”ازايس جا معلوم می شود کہ اصل در اشیاء اباحت است۔“
ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری مرقاۃ میں تحت حدیث ”الحلال ما احل الله في كتابه و الحرام ما حرم الله

فی کتابہ وما سکت عنہ فهو مما عفی عنہ رواہ الحاکم فی المستدرک عن سلمان الفارسی "فرماتے ہیں:"
 فیہ ان الاصل فی الاشیاء الاباحہ"

امتعة الممتعہ میں ہے: "وایں دلیل است برآں کہ اصل در اشیاء اباحت است۔"

مرقاۃ میں زیر حدیث "ان الله فرض فرائض ولا تضيعوها وحرم حرمات فلا تنتهكوها وحدودا فلا تعتدوها وسکت عن اشیاء من غیر نسیان فلا تبحثوا عنہا" ہے: "دل علی ان الاصل فی الاشیاء الاباحہ۔"
 علامہ قاسم ابن قطلوبغا، شاگرد رشید محقق علی الاطلاق اپنے بعض تعالیق پھر علامہ حموی "غز العیون والبصار شرح
 الاشباہ والنظائر" میں تحت قول "الاصل فی الاشیاء الاباحہ" تحریر فرماتے ہیں: "ذکر العلامة قاسم بن قطلوبغا
 فی بعض تعالیقہ ان المختار ان الاصل الاباحہ عند جمهور اصحابنا۔"
 ہدایۃ فصل حداد میں ہے: "الاباحہ اصل۔"

علامہ زین ابن نجیم صاحب بحر الرائق نے اشباہ میں اسے نقل کر کے مقرر رکھا اور اس پر مسائل مفرع فرمائے۔
 حیث قال: "و یتخرج علیہا ما اشکل حلہ فمنہا حیوان المشکل امرہ والنبات المجهول سمیتہ۔"
 حموی میں ہے: "قوله النبات المجهول الخ يعلم منه حل شرب الدخان"

رد المحتار جلد ۱ ص ۱۰۹ میں ہے: "صرح فی التحریر ان المختار ان الاصل الاباحہ عند الجمهور من
 الحنفیۃ والشافعیۃ اہ وتبعہ تلمیذہ العلامة قاسم وجرئ علیہ فی الہدایۃ فی فصل الحداد وفی الخانیۃ من اوائل
 الحظر والاباحہ وقال فی شرح التحریر "هو قول معتزلة البصرة وكثير من الشافعية واكثر الحنفية لا سيما
 العراقيين قالوا" والیہ اشار محمد فی من هدد بالقتل علی اكل الميتة او شرب الخمر فلم یفعل حتی قتل بقوله
 خفت ان يكون اثما لان اكل الميتة وشرب الخمر لم یحرما الا بالنهی عنہما فجعل الاباحہ اصلا والحرمة بعارض
 النہی ویقول ایضا انه قول اکثر اصحابنا واصحاب الشافعی، الشیخ اکمل الدین فی شرح اصول البزدوی اہ۔"
 اس میں علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی سے ہے: "لیس الاحتیاط فی الافتراء علی اللہ تعالیٰ

بایثبات الحرمة او الکراهۃ الذین لا بد لہما من دلیل بل فی الاباحۃ التی ہی الاصل۔"
 علمائے اہل سنت کی تصریحات کے تو دریا اندر ہے ہیں، کہاں تک کوئی لکھے۔ اب ایک دو فتویٰ وہابیہ حال کے معتمد
 الکل فی الکل مولوی رشید احمد گنگوہی کے فتاویٰ رشیدیہ سے نقل کیا جاتا ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوگا کہ ان لوگوں کے
 نزدیک بھی اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ اگرچہ وہ وسعت علم و فہم ذکا و فہم سے اپنی تحریر کو بھی نہ سمجھیں۔ اور اصل اشیاء میں
 اباحت ہونے کو پرانا مغالطہ اور دھوکے کی ٹٹی کہتے جائیں۔

چونیسویس سوال "رنگین کپڑے پہننا، نیلا تہہ باندھنا، موٹی تیج رکھنا، بال سر کے بڑھانا اس خیال سے کہ اگلے
 پیشواؤں کا معمول ہے تو اس میں بھی کوئی قباحت ہے یا نہیں؟" کے جواب میں ہے "ان ہیئات میں کوئی معصیت نہیں۔"

بری نیت سے برا، بھلی نیت سے بھلا ہے۔ فقط۔“

یہ جواب پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ جب تو بے کھٹکے بول اٹھے کہ کوئی معصیت نہیں۔
 موای اصغر حسین صاحب دیوبندی کی طرح (جیسے انہوں نے فاتحہ کے لئے کہا) یہ نہ کہا کہ ”فقہ کی کتاب میں ان بیانات کا
 کہیں نام و نشان نہیں۔ لہذا امام ابو حنیفہ کے نزدیک بے اصل ہے۔“ نہ محشی صاحب کی طرح یہ کہا کہ ”بہت سے حنفیہ کا یہ
 قول ہے کہ اصل اشیاء میں خطر یعنی ممانعت ہے۔ تو جب تک اس کا جواز اولہ فقہیہ سے نہ ثابت ہو ممنوع و ناجائز رہے
 گا۔“ نہ مجتہد صاحب کی طرح یہ کہا کہ ”اصل اشیاء میں اباحت پرانا مغالطہ ہے اور اگر بالفرض مان بھی لیں، یہ تمام اشیاء
 بانفراد ہا جائز ہیں تو جو امور بانفراد ہا جائز ہوں ان کو مجموعہ کر کے یہ ہیئت بنا لینا، دھوکے کی ٹٹی ہے۔“ نہ ٹکے کی پانچ والی دہ
 ورتی کے مشہور کی طرح یہ لکھا کہ ”یہ فعل حضرت اور ان کے صحابہ اور تابعین اور ائمہ مجتہدین سے منقول نہیں (ص ۳۳)“
 اور جو غیر منقول ہو اور حضرت کی تعلیم سے زیادہ ہو، بدعت جانیں۔ (ص ۱۱) نہ یہ کہا کہ ”یہ ہیئت کسی کتاب میں منقول
 نہیں تو جب تک ان بیانات کا منقول ہونا یا اس کو کسی مجتہد کا نیک گمان کرنا ثابت نہ کریں گے، تب تک یہ بیانات بدعت
 سینہ رہیں گے اور جو برائی بدعتیوں کی اوپر قریب ہی بیان ہوئی یعنی جس نے اس کی توفیر کی گویا اس نے مدد کی اسلام کے
 ڈھانے پر یا ایسے شخص اور جو اسے جگہ دے، اس پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور آدمیوں کی، سب کی اور قبول نہیں کرتا
 اللہ تعالیٰ اس کے نفل اور نہ فرض وغیرہ ذلک من الاحکام، وہ سب اس ہیئت والے پر ثابت ہوگی“ ولا حول ولا قوۃ الا
 باللہ العلی العظیم۔

اسی طرح اسی کے ص ۷۳ سوال ”رنگ انگریزی پڑیا کا جو بکس میں آتا ہے، رنگنا کپڑے کا اس سے درست ہے یا
 نہیں، اگر ناجائز ہے تو بوجہ رنگت کے یا کسی اور وجہ سے؟“ کے جواب میں لکھتے ہیں: ”رنگ انگریزی میں شراب پڑتی
 ہے۔ لہذا اس رنگ کا استعمال درست نہیں۔“ اسی طرح اس کے ص ۸۵ پر اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں
 ”پڑیا کا رنگ تو بسبب نجاست شراب کے، مرد و عورت دونوں کو درست نہیں۔“ دیکھئے حرمت بوجہ عارض شراب مانا، جو
 صاف بتا رہا ہے اصل میں اباحت ہے۔ ہاں اس عارض کی وجہ سے ناجائز ہوا۔ یہ نہ کہا کہ فقہ کی کتاب میں انگریزی پڑیا
 کے رنگ کا کہیں نام و نشان نہیں۔ لہذا امام ابو حنیفہ کے نزدیک بالکل بے اصل ہے، نہ یہ کہا کہ ”بہت سے حنفیہ کا یہ قول ہے
 کہ اصل اشیاء میں خطر یعنی ممانعت ہے تو جب تک اس کا جواز اولہ فقہیہ سے نہ ثابت ہو، ممنوع و ناجائز رہے گا۔“ نہ یہ کہا
 کہ انگریزی پڑیا کا رنگ کسی کتاب میں منقول نہیں تو جب تک اس کا منقول ہونا یا کسی مجتہد کا نیک گمان کرنا ثابت نہ ہو،
 تب تک یہ بدعت سینہ رہے گا۔ وغیرہ ذلک من التقریرات التی لا طائل لہ تحتہا۔

اسی طرح ص ۸۸ پر سوال ”کانچ کی چوڑیاں جو عورتیں پہنتی ہیں، جائز ہیں یا نہیں؟ کے جواب میں لکھا
 درست ہیں۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ“ دیکھئے حکم درستی دے کر، آیت شریفہ لکھ کر یہ پوچھا کہ اسے حرام کس نے کیا؟ یعنی
 جب حرام کسی نے نہیں کہا، تو اصل اباحت پر درست ہے، وہ تقریریں جاری نہ کیں۔

اسی طرح ص ۴۹ پر سوال، نمازی کے روبرو جوتیوں کا موجود رہنا کہ جو مستعمل ہوں، موجب کراہت ہے یا نہیں؟ کے جواب میں لکھا ”مصلی کے آگے اگر جوتا مستعمل رکھا ہے، اس کی کوئی کراہت منقول نہیں۔ لہذا کچھ حرج نہیں۔“ کراہت کا نہیں منقول ہونا ہی اباحت کو بس ہے۔ اس کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں۔ وہ نفیس تقریر جاری نہ کی کہ ”مصلی کے آگے جوتا مستعمل کا رکھنا، حضرت اور ان کے صحابہ اور تابعین اور ائمہ دین سے منقول نہیں۔ اور جو غیر منقول ہو اور حضرت کی تعلیم سے زیادہ ہو بدعت جائیں۔ لہذا مصلی کے آگے جوتا مستعمل کا رکھنا، بدعت ولعنت ہے۔ وغیر ذلک من الاحکام۔

پس تقریر بالا سے جب ثابت ہو چکا کہ جمہور حنفیہ کے نزدیک اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ اسے ”پرانا مغالطہ“ اور ”دھوکے کی ٹٹی“ کہنا صریح مغالطہ ہے۔ تو جب تک مخالفین فاتحہ بہیت کذائی کی حرمت یا کراہت، ادلہ شرعیہ سے ثابت نہ کریں گے، اپنی اصل پر رہے گا۔ حرام یا بدعت یا مکروہ وغیرہا نہ ہوگا۔

رہا محشی روداد اور ”صاحب فاتحہ مروجہ کا فیصلہ“ کا عبارت درمختار سے دھوکا کھانا اور اصل اشیاء میں توقف بتانا، اباحت کو رائے معتزلہ کہنا، اصل اشیاء میں اباحت کے قائل کو معتزلیت کا مقرر بنانا، محض ”پادر ہوا“ اور ”رودرقفا“ اور بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ جس کا کشف بعونہ عزوجل فقیر نے اپنے رسالہ ”مواہب ارواح القدس“ میں بروجہ تام و مالا کلام کر دیا ہے فلسطالع۔ صاحب ”دافع التلبیسات“ نے اسی مضمون کے متعلق زیر قول دوم و سوم، صادق مجیب تحریر محمد عبدالرحیم لکھا: ”ناقل کی اعلیٰ درجہ کی حماقت و جہالت ظاہر ہوتی ہے۔ بندہ خدا عبارت کا ترجمہ بھی نہ سمجھا، حق تحریف خوب ادا کیا وغیر ذلک۔“

راقم الحروف ان پاکیزہ الفاظ کے جواب میں صرف ”المرء یقیس علی نفسه“ کی شہرت پر اکتفا کر کے اس بات کا جواب دینا مناسب جانتا ہے کہ فرماتے ہیں: ”الاصل فی الاشیاء الاباحۃ“ حنفیہ کا متفق علیہ قاعدہ نہیں الخ۔ غنمند عالم! عبارت سمجھنے والے! تحریر میں یہ رقم ہے کہ جمہور حنفیہ کا مختار، یہ ہے۔ اس میں کیا حماقت و جہالت ہوئی؟ عبارت تحریر ابن ہمام والی یہ ہے ”المختار الاباحۃ عند جمہور الحنفیۃ والشافعیۃ“ اس عبارت کا ترجمہ آپ کے نزدیک کیا ہے؟ تو مجیب یہ سمجھا سکے۔ انصاف سے کہئے! یہ تینوں گرامی اوصاف آپ کے ہوئے یا مجیب کے؟ ع چھائی جاتی ہے یہ دیکھو تو سراپا کس پر

فاتحہ کے جواز میں دلیل کو پیش کرنا، بے موقع کیوں؟ کیا جو چیز یا اس کے تمام اجزاء، قرآن و حدیث سے ثابت ہوں وہاں اس قاعدہ کو پیش کرنا بے موقع لکھ دیا ہے یا صرف رائے شریف ہے؟ جسے تصنیفات علماء تک دسترس، وہ اس کی صد ہا نظیریں کتب ائمہ میں پائے گا۔ ایک نظیر حاضر ہے۔

زینت کے بارے میں کھلے الفاظ قرآن شریف کے ”قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ“ (الاعراف: ۳۲) ”تم فرماؤ! کس نے حرام کی اللہ کی زینت“ (کنز الایمان) موجود تھے۔ پھر امام برہان مرغینانی نے ام ولد اور منکوحہ بنکاح

فاسد پر عدم احداث کی دلیل میں فرمایا: ”لانہا ما فاتہا نعمة النکاح لتظهر التعسف والاباحہ اصل“ (الہدایہ ۲/۴۰۸)۔ قرآن شریف سے ثابت ہونے کے بعد پھر الاباحہ اصل پیش کرنا بے موقع ہے یا نہیں؟ اعظم گڑھی صاحب کا کہنا ”تیسرا قول مسلم الثبوت اور اس کی شروح سے نقل کیا ہے باوجودیکہ حق تحریف خوب ادا کیا ہے“، منصف مزاج خیال کر سکتا ہے کس درجہ اپنے موقع محل پر ہے۔ اس نقل میں کیا تحریف ہوئی؟ کیا کوئی فقرہ درمیان سے اپنے مخالف گھنایا یا کچھ الفاظ زائد کر دیئے، کیا کیا؟ شاید اپنے خیال میں پورے مسئلہ سے دوسرے مسئلہ تک عبارت نہ لکھنے کو تحریف خیال کر رہے ہیں۔

جناب من! ایسا کہیں نہیں ہوتا کہ استدلال ایک جملہ سے ہو اور دلیل، صفحہ دو صفحہ یا کما بیش کی عبارت نقل کر دی جائے۔ ہاں نقل میں کچھ الفاظ انہوں نے ضرور چھوڑ دیئے مگر وہ اہل سنت کو مضر، نہ وہابیہ کو مفید۔ اب میں آپ کے لئے پوری عبارت نقل کر کے پوچھتا ہوں کہ اس عبارت سے آپ نے کیا فائدہ اٹھایا اور مجیب کو کیا ضرر ہوا؟۔

فاضل بہاری فرماتے ہیں ”واما الخلاف المنقول بین اهل الحق ان اصل الافعال الاباحہ کما هو مختار اکثر الحنفیۃ والشافعیۃ او الحظر کما ذهب الیہ غیرہم وقال صدر الاسلام الاباحہ فی الاحوال والحظر فی الانفس فقیل هذا الخلاف وقع بعد الشرح بالادلة السمعیۃ ای دلت علی ان ما لم یکن فیہ دلیل التحریم ماذون فیہ او ممنوع عنہ وفیہ ما فیہ“

بلکہ خدا انصاف دے تو آپ کو مجیب کا شکریہ ادا کرنا چاہئے تھا کہ اس نے پوری عبارت نقل نہ کرنے سے آپ کی دو جہالت فاحشہ پر پردہ ڈالا۔ عبارت منقول کے قبل یہ الفاظ ہیں ”واما الخلاف المنقول بین اهل الحق“۔ دیکھئے کیسار د ہے آپ کے قنوجی صاحب کا کہ چھوٹا منہ بڑی بات۔ اہل حق کے درمیان جو خلاف ہے، جس کے دونوں فریق اہل حق۔ یا صاف لفظوں میں مسلم الثبوت کا دوسرا نسخہ دیکھئے ”بین اهل السنة“ تو جس کے قائل اہل سنت اور نہ صرف اہل سنت بلکہ علماء و اکابر اہل سنت کہ عوام کیا اور ان کی بات کیا؟ تو ضرور یہ خلاف اکابر علماء اہل سنت میں ہے۔ مشہر صاحب اپنی کمال عقل مندی و وسعت علم سے جسے پرانا مغالطہ اور ”دھوکے کی ٹٹی“ فرما رہے ہیں۔ سچ ہے اذالم تستحی فاصنع ما شئت ع بے حیاباش و ہرچہ خواہی کن

اسی طرح اخیر کی عبارت بھی آپ کا کھلار دے کہ اگر بالفرض والتقدیر مان بھی لیا جائے کہ اکثر حنفیہ و شافعیہ کا مذہب اصل اشیاء میں تحریم کا ہے تو وہابیہ کو کیا مفید ہے؟ کہ صحیح مذہب پر یہ خلاف تو زمانہ فترت کا ہے۔ دیکھئے فاضل بہاری نے ”تاکلین بعد الشرع“ کے قول کو ”قیل“ کے ساتھ تعبیر فرمایا، جو مشہور ہے کہ ضعف کی طرف جاتا ہے۔ پھر اسی پر بس نہ فرمایا بلکہ صاف فرمایا ”وفیہ ما فیہ“۔

حضرت بحر العلوم شرح میں فرماتے ہیں: ”اذ یظهر من تتبع کان الخلاف قبل ورود الشرع ومن ثم لم یجعلوا رفع الاباحہ الاصلیۃ نسخا لعدم خطاب الشرع فتدبر“

حضرت بحر العلوم نے اس کی طرف اشارہ فرما کر اس مضمون کی ایک تمہید کے بعد بہت واضح طور پر تصریح فرمائی: ”

فاذن ليس الخلاف الا في زمن الفترة التي اندرست فيه الشريعة بتقصير من قبلهم۔ کہ اذ کیا تو ”فیہ مافیہ“ ہی سے سمجھ لیں گے۔ مگر متوسّطین اگر اس سے نہ سمجھ سکے تو ”منہیہ“ سے ضرور حق جان لیں گے۔ مگر آپ جیسے عالی دماغ، روشن خیال حضرات سے ضرور خیال تھا کہ ”فیہ مافیہ“ کا مطلب بجز ”اس میں وہ ہے جو اس میں ہے“ کچھ نہ سمجھیں گے اور اگر حاشیہ کا مطلب کچھ سمجھ بھی لیں تو ضرور ”قد بر“ دیکھ کر اسے اپنے پس پشت ڈال دیں گے۔ لہذا صاف فرمایا ”فاذن الخ“ اب ذرا انصاف سے کہئے کہ مجیب نے تحریف کی یا اس نے آپ پر احسان کیا اور آپ نے احسان فراموشی فرمائی

۔ ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔

جناب من! تحریف اسے کہتے ہیں جو قدیم زمانہ سے منکرانِ فاتحہ کرتے چلے آئے۔ ”مشتہ نمونہ از خردارے“ بعض کبراء طائفہ کی بعض تحریفات دیکھئے اور برعایت فرمائیے کہ دراصل تحریف اسے کہتے ہیں۔ میرا محض افتراء تھا جو مجیب کو لکھا ”حق تحریف خوب ادا کیا“۔ سب وہابیہ کے پیشوا اور مولیٰ متنبی سلاسل الوہابیہ، مولوی اسماعیل دہلوی کی ”تقویت الایمان“ ملاحظہ ہو۔ آیہ کریمہ ”وَبِعْبُدُونِ مِنْ دُونِ اللَّهِ“ (الایۃ: یونس: ۱۸) ”اور اللہ کے سوا ایسی چیز کو پوجتے ہیں جو ان کا کچھ بھلا نہ کرے“ (کنز الایمان) لکھ کر ترجمہ کیا ”اور پوجتے ہیں وہ اللہ سے ایسی چیز کو کہ نہ کچھ فائدہ دے، نہ کچھ نقصان۔“ آفت کی ف لکھ کر یہ فائدہ چڑھایا ”یعنی جن کو لوگ پکارتے ہیں، ان کو اللہ نے کچھ قدرت نہیں دی۔“ کہئے! وہ آیت کہ کنار کے حق میں نازل ہوئی، براہِ دیانت مسلمانوں پر ڈھالنا، یعبدون من دون اللہ کا مطلب ”جن کو لوگ پکارتے ہیں“ لینا تحریف ہے کہ نہیں؟ ہے اور ضرور ہے۔

آیہ کریمہ ”إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمَنِ عَبْدًا الْآيَةِ“ (مریم: ۹۳) ”آسمانوں اور زمین میں جتنے ہیں، سب اس کے حضور بندے ہو کر حاضر ہوں گے“ (کنز الایمان) لکھ کر مطلب یہ لکھا ”کسی کو کسی کے قابو میں نہیں دیتا“ یہ کس لفظ کا مطلب ہے؟ اور اگر یہ سالبہ کلیہ صحیح ہو تو ”وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ“ (الحشر: ۶) کا کیا مطلب ہے؟ اس سے بڑھ کر کھلی تحریف دیکھئے۔ ”وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَرْدًا“ (مریم: ۹۵) کا مطلب لکھا ”اور ہر کوئی اپنے معاملہ میں اس کے روبرو اکیلا اکیلا حاضر ہونے والا ہے“۔ اور اگلی آیت ”إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا“ (مریم: ۹۶) ”بے شک وہ جو ایمان لائے اور اچھا کام کئے عنقریب ان کے لیے رحمن محبت کر دے گا“ (کنز الایمان) آیہ کریمہ ”وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ“ (الأنبياء: ۲۵) ”اور ہم نے تم سے پہلے کوئی کوئی رسول نہ بھیجا مگر یہ کہ ہم اس کی طرف وحی فرماتے“۔ (کنز الایمان) لکھ کر فائدہ لکھا ”یعنی جتنے پیغمبر اللہ کے ہیں، اللہ کی طرف سے یہی حکم لائے ہیں کہ اللہ کو مانئے اور اس کے سوا کسی کو نہ مانئے“۔ کہئے! فاعبدون کا معنی ”اللہ کو مانئے اور کسی کو نہ مانئے“ اس کا کھلا مطلب کہ رسول، کتاب، ملائکہ، جن، دوزخ، جنت وغیرہ ضروریات کسی چیز کا ماننا روا نہیں، بلکہ نہ ماننے کا حکم، اور وہ بھی ایسا مستمر کہ سب شریعتوں میں اس کا حکم آیا۔ ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔ کہئے صاحب یہ تحریف ہے یا نہیں؟ ہے اور ضرور ہے۔

غرض یہ سوختنی کتاب تمام اسی قسم کی تحریف سے بھری پڑی ہے۔ جہاں آیت یا حدیث لکھ کر فائدہ چڑھایا، کوئی نہ کوئی آفت ڈھائی۔

اب دوسرے امام مولانا شاہ محمد الحق صاحب کو دیکھئے ان کی بھی ”مائۃ مسائل“ و ”مسائل اربعین“ اسی قسم کی تحریفات سے پر ہے۔ اعظم گڑھی صاحب! تحریف اسے کہتے ہیں جو آپ کے مولوی امداد مصنف رسالہ ”امداد المسلمین“ نے کی کہ صلوٰۃ الرغائب و نماز نصف شعبان کے بارے میں کہا: ”اگرچہ بعض فقہاء نے جیسے صاحب درمختار وغیرہ، حدیث پر اعتماد کر کے جواز لکھ دیا ہے۔ لیکن ائمہ محققین واجلہ فقہاء کرام مثلاً امام ابو شامہ اور امام یافعی اور ابن حجر مکی اور صاحب مجمع البحار اور ملا علی قاری اور شیخ عبدالحق دہلوی، غرض سب محدثین و فقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اور یہ نماز مذموم بلکہ اس پر بہت کچھ تشبیہ کی ہے اھ ملقطاً“۔ حالانکہ امام یافعی نے باب نقل قول ذم، اپنی تحقیق فرمائی کہ تنہا پڑھے اور سنت نہ جانے تو حرج نہیں۔

”حيث قال نعم لو صلاحهما انسان وحده مع اعتقاده انهما ليس بسنة، لم ارى بدلت باسما“ اھ مختصر۔
ملا علی قاری شرح عین العلم میں تحریر فرماتے ہیں: ”ويحافظ الرواية وسائر السنن وكل ما ورد في نسخة كصلاة الرغائب و ليلة النصف من شعبان و كانوا يواظبون عليها۔“

اسی طرح ملک مظفر سلطان اربل کہ مولد شریف میں غایت درجہ اہتمام بجالاتا، ڈپٹی صاحب نے اس جرم پر خفا ہو کر تاریخ ابن خلکان سے اس کافسق ثابت کرنے کو چند فقرے نقل کئے اور ان کی نقل میں حسب داب طائفہ دو تین حرف جو مذمت پر دال تھے، نقل کئے۔ باقی تعریفوں کے عظیم دفتر ہضم۔ دیکھئے جہاں پر مذمت نقل کی، اسی جگہ اسی بیان میں یہ عبارت اڑا گئے ”کان له في فعل الخیر غرائب ولم يسمع ان احدا فعل في ذلك ما فعله“ کیا یہ الفاظ نہ تھے؟ ”انہ کان لا يتعاطى المنكر“ کیا یہ الفاظ نہ تھے؟ ”کان کریم الاخلاق کثیر التواضع حسن العقيدة“، کیا یہ الفاظ نہ تھے؟ ”لو استقصيت في تعداد محاسنه لطال الكتاب في شهرة معروفة غنية عن الاطالة۔“

مصباح الضحیٰ میں لکھا کہ ”معانقہ غیر قدوم سفر کا باجماع حنفیہ و شافعیہ کے مکروہ ہے“۔ حالانکہ ان کے اقراری امام، محقق و فقیہ و محدث جلیل شیخ محقق قدس سرہ شرح سفر السعادة میں فرماتے ہیں: ”فقہاء را در جواز معانقہ و کراہت آن اختلاف فی تفصیلے ست و صحیح جواز اوست اگرچہ در غیر قدوم سفر نیز باشد“۔ نہ معلوم ڈپٹی صاحب کے نزدیک اجماع کس چڑیا کا نام ہے؟ اعظم گڑھی صاحب! تحریف اسے کہتے ہیں مصنف کچھ فرمائے، آپ کچھ اس کے سر تھوپ رہے ہیں۔ تحریف اسے کہتے ہیں کہ صرف اپنے مطلب کے دو لفظ لے لئے، باقی سے آنکھیں میچ لیں۔ تحریف اسے کہتے ہیں کہ دعویٰ بے دلیل کر دیا، جو منہ میں آیا کہہ بیٹھے۔ دیکھئے اعظم گڑھی صاحب! تحریف اسے کہتے ہیں جو مولوی بشیر قنوجی نے کی۔ ”تفہیم المسائل“ ص ۷۲ پر انکار استمداد کے لئے ”مطالب المومنین“ سے نقل کیا ”بکرہ الانتفاع بالقبر“ اور اس کا مطلب یہ لکھا کہ ”قبور سے مدد مانگنا جائز نہیں“۔ حالانکہ اصل عبارت اس کی یہ ہے: ”بکرہ التمتع بالمقبرة وان لم يبق آثاره“ قبرستان سے فائدہ لینا مکروہ ہے اگرچہ اس کے آثار باقی نہ رہیں۔

آپ کے اتنا بھی عربی پڑھا سمجھ سکتا ہے کہ یہاں زمین مقبرہ سے تمتع اور اسے اپنے تصرف میں لانے کا ذکر ہے۔ اسی لئے ”اگرچہ“ کہہ کر ترقی کرتے ہیں کہ قبر کا نشان نہ رہنے کے بعد جواز انتفاع کا گمان ہو، لہذا تصریح کر دی کہ گو اثر نہ رہے تاہم انتفاع روا نہیں۔ قنوجی صاحب! وہ لفظ جو بالکل ان کے خلاف مطلب بلکہ صریح رد تھا، اڑا گئے اور براہِ دانشمندی مقبرہ کو قبر بنا لیا؟۔ کہئے یہ تحریف ہوئی یا نہیں؟ کہو ہوئی!

جناب قنوجی نے اسی کے ص ۱۸، ۱۹ پر مسئلہ بناء علی القبر میں عبارت تنویر الابصار ”ولا یجصص ولا یطین ولا یرفع علیہ بناء وقیل لا بأس بہ“ کی نسبت دعویٰ کیا کہ لا بأس بہ کی ضمیر تطیین کی طرف ہے نہ بناء کی۔ اور براہِ تغلیط عوام، طوابع الانوار کا حوالہ دے دیا حالانکہ طوابع میں خود مرجع دونوں بیان کیا ہے۔ عبارت اس کی یہ ہے ”قیل لا بأس بہ ای بالتطیین والبناء“ کہئے یہ تحریف ہوئی یا نہیں کہ باوجودیکہ طوابع میں صاف خلاف مذکور تھا، اس کو ہضم کر کے اور الٹا الزام طوابع کے سر دھرا؟

اسی کے ص ۵۲ پر شد الرحال کے مسئلہ میں طوابع کی صرف اتنی عبارت نقل کی کہ امام الحرمین اپنے استاد سے منع نقل کرتے ہیں کہ کبھی مکروہ کہتے، کبھی حرام اور امام سب کو ممنوع یا قریب بہ عبث کہتے ہیں۔ حالانکہ ان دونوں قولوں کے بیچ کا یہ ٹکڑا ”وقال الشیخ ابو علی لا یحرم ولا یکرہ“ اور اخیر سے اس کی ترجیح ”بقولہ فیترجح ما قالہ ابو علی“ کہئے جناب اعظم گڑھی صاحب! تحریف اسے کہتے ہیں۔

یہ سب جانے دو۔ معتمد الكل فی الكل، اپنے آقا و مولیٰ و بكل شیء اولیٰ، گنگوہی صاحب، براہین قاطعہ طبع جدید ص ۵۱ پر جب علم غیب کی نفی پر اترتے، تو لکھتے ہیں: ”اور شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں“۔ وہ نو یہ سفید ”سچ“ لکھ کر چلتے بنے۔ اب آپ ہی لوگ مہربانی فرما کر دکھائیے کہ شیخ محقق نے کہاں روایت فرمایا ہے؟ شیخ محقق نے تو مدارج شریف میں صاف تحریر فرمایا:

”اس جا اشکال می آرند کہ در بعض روایات آمدہ است کہ گفت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من بندہ ایم، نمی دانیم آنچه پس ایں دیوار است۔ جوابش آنست ایں سخن اصلے ندارد و روایت بدال صحیح نہ شدہ است۔“

دیکھئے حکایت کا روایت بنایا اور صاحب کتاب نے ایک قول مردود نقل کر کے اس کا رد کیا کہ ”اس سخن اصلے ندارد و روایت بدال صحیح نشدہ“ گنگوہی صاحب نے ابتدا سے الفاظ نسبت، آخر سے عبارت رد اڑادی۔ اور بیچ کا جملہ پکڑ کر صاحب کفایت کی طرح نسبت کر دی۔ انصاف سے کہئے! اس کا نام تحریف ہے یا اس کا جو مجیب نے کیا؟

بیانات سابقہ ابن من الشمس و اظہر من الاس سے ثابت ہوا کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ تو جب تک مانعین، فاتحہ مروجہ کی حرمت یا کراہت کا ثبوت نہ دیں گے، حرمت یا کراہت کا حکم محض غلط اور خط بے ربط ہے۔

سند دوم جسے..... صاحب نے پرانا مغالطہ اور دھوکے کی ٹٹی فرمایا، وہ یہ کہ فاتحہ مجموعہ امور خیر کا ہے اور مجموعہ خیر کا خیر ہی رہتا ہے۔ اجلہ اکابر علماء اسی دھوکے کی ٹٹی اور پرانے مغالطہ سے صد ہا مسائل پر دلیل لائے۔

مواقف الکلام میں ہے: ”وان حصول کل حرف مشروط بانقضاء الآخر فیکون له اول فلا یکون قدیما فکذا المجموع المركب منها۔“
شرح عقائد نسفی میں حدوث جواہر و اعراض سے حدوث عالم پر استدلال کیا کہ جب اجزا حادث ہیں، مجموعہ بالضرور حادث ہوگا۔ (ناقص الآخر)

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ از موضع بہیڑی ضلع بریلی مرسلہ طالب حسین خان ۵ صفر ۱۳۲۳ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ تعزیہ بنانا اور تعزیہ پر مہندی اور ملیدہ اور کھچڑہ وغیرہ چڑھانا یعنی تعزیہ کے سامنے رکھ کر فاتحہ دینا اور علم یعنی نشان چڑھانا کیسا ہے اور مرثیہ پڑھنا کیسا ہے؟ مینو او تو جروا۔

الجواب

تعزیہ داری رائج الوقت قطعاً بدعت و ناجائز و حرام ہے۔ ہاں روضہ اقدس حضور سید الشہداء کے صحیح نقشے بتصد تبرک، بے آمیزش منہیات، جس طرح حرمین محترمین سے کعبہ معظمہ و روضہ عالیہ کے نقشے آتے ہیں، اپنے پاس رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ فاتحہ امام ہمام و دیگر شہداء کرام و اولیائے عظام و سائر اہل اسلام کھچڑہ، ملیدہ پر ہو یا کسی اور کھانے پینے وغیرہ پر یا تنہا فاتحہ ہر طرح جائز و مندوب و موجب اجر ہے۔ مگر وہ فاتحہ تعزیہ کی نہ ہو کہ تعزیہ کو ثواب پہنچانے کے کوئی معنی نہیں۔ نہ تعزیہ رکھ کر ہو کہ یہ محض فضول بلکہ قرآن شریف کے ساتھ اساتذہ ادب ہے۔ خصوصاً جب کہ تعزیہ میں پرق یا براق وغیرہ کی تصویریں ہوں کہ اس میں قرآن شریف کی زیادہ بے حرمتی اور نزول رحمت سے بالکل اجنبی اور ذکر شہادت شریف نظم میں ہو یا نثر میں، جب کہ روایات صحیحہ مقبولہ سے ہو اور منکرات شرعیہ مثل کلمات توہین انبیاء و مرسلین و ملائکہ مقربین و اہلبیت طاہرین و صحابہ مکرمین وغیرہ محرمات سے بالکل خالی ہو، بلاشبہ جائز و مستحسن و موجب ثواب و نزول رحمت و باب ہے اور اگر شائعات مذکورہ پر مشتمل ہو تو حرام و گناہ ہے۔ نص علیہ الامام ابن حجر المکی فی الصواعق المحرقة۔

اس لئے یہ مرثیے کہ رائج ہیں، مطلقاً حرام ہیں۔ اور ان کا پڑھنا سننا اور سینہ کو بی و ماتم و نوحہ سب حرام ہیں۔ حدیث میں ہے: ”نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المراثی۔“ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا مرثیوں سے۔“ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس امر میں کہ مذہب اہل سنت میں تعزیہ بنانا اور مجلس مرثیہ خوانی و کتاب خوانی کرنا کیسا ہے؟ اور شربت سبیل و طعام نذر حسین معین کردہ کا، جیسے بعض مسلمان ایام محرم میں کیا کرتے ہیں اور تعزیہ چڑھایا ہوا کھانا، پینا کیسا؟ اور اگر کوئی مسلمان سنی مذہب ہو کر تعزیہ و علم شدہ بناوے یا اس کی زیارت کے

واسطے جاوے یا اس پر مٹھائی وغیرہ چڑھاوے یا جو لوگ کھانا و شربت وغیرہ پیش تعزیہ رکھتے ہیں، یہ ان پر فاتحہ دیوے یا دلاوے اور جو کچھ اس پر چڑھایا گیا ہے پیے، اور ایام محرم مجالس تعزیہ داری میں مثل شیعہ مرثیہ خوانی و کتاب خوانی میں سرگرم رہے اور شیعہ کی مجالس میں شریک رہے اور بعد مجالس کے تبرک لے کر نوش کرے اور اپنی مجلس میں شیعوں سے مرثیہ پڑھوائے، اس پر خوشی اور دفع غم میں ہر اوقات روافض کی طرح عزاداری، نذر، منت، مجلس، مرثیہ خوانی معین کیا کرے اور جب مجلس ترتیب دے، رولانے پٹانے کی غرض سے مرد اور عورتیں فراہم کرے اور ارتکاب ان تمام امور کو ذخیرہ نیکوئی اور ثواب عظیم تصور کرنے۔ اور دعویٰ کہ ہم یقینی محبت امام و اہل بیت رسول علیہ السلام ہیں اور کسی بزرگ کے نام زد کر کے کسی مسلمان نے چھڑی و جھنڈا و نشان وغیرہ نصب کی ہو یا گور مصنوعہ قائم کیا ہو اور ان یرلوگ روپیہ پیسہ اور اور شیرینی، مٹھائی اور چادر وغیرہ چڑھاوے یا ان پر مرغی و بکرا وغیرہ ذبح کرے اور یہ شخص اس کھانے اور لباس کو کھائے پیے اور نقدیات وغیرہ کلہم کو پاک اور طیب سمجھ کر صرف میں لائے اور اس کو اپنی ملک و جاگیر آبادی بتلائے اور وہی شخص لوگوں کو نماز پڑھاوے، تو ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنے میں کیا حکم ہے؟ اور وہ خورد و پوش وغیرہ کیسا ہے؟ اور اگر تعزیہ داری کی خدمت یا صلہ یا جھنڈا و نشان نصب کردہ وغیرہ پر کسی نے زمین و مکان وغیرہ دیا ہو، اس زر آمدنی و اشیائے مستورہ سے نفع اٹھانا کیسا؟ فقط بینوا تو جروا۔

دوسرا سوال: ایک شخص قوم کا فقیر، تو انا تندرست، صاحب نصاب ہے۔ کسی اور طرح پر بھی معاش حاصل کر سکتا ہے مگر عادتہ مدام لوگوں کے گھر جا کر در بدر روٹی وغیرہ مانگتا پھرا کرتا ہے۔ اور وقت نماز وہی شخص مسجد میں پیش امام بن کر لوگوں کو نماز پڑھایا کرتا ہے۔ اس ذلت گداگری کو معیوب نہیں سمجھتا ہے بلکہ کہتا ہے، یہ ہمارا پیشہ آبائی، ریاضت و درویشی میں شمار ہے۔ ایسے فقیر کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور اہل نصاب کو سوال کرنا از روئے شرع شریف کیا حکم رکھتا ہے؟ و نیز کسی ایسے بٹے کٹے آدمی کو کہ زر و مال قابل نصاب نہیں رکھتا مگر اپنی معاش کسی پیشہ اور محنت و مزدوری وغیرہ سے بہم پہنچا سکتا ہے، ترک کر کے صرف ذلت در یوزہ گری میں قوت و پوشش وغیرہ رکھنا اس پر کیا امر قرار پائیگا؟ فقط

تیسرا سوال: بعد ختم و عظم، سامعین کا عالم و اعظم سے مصافحہ کرنا درست یا مسنون ہے یا بدعت یا ممنوع؟ فقط

چوتھا سوال: قریب و بعید اگر قریہ و شہر میں مرض و بانی حیضہ و طاعون کا غلبہ ہو، اس مقام پر اور لوگوں کا آمد و رفت رکھنا شرعاً کیسا ہے؟ اور مرض مذکورہ، کسی وجہ سے ایک کا دوسرے کو لگنا، آیا صحیح ہے جیسا کہ عوام میں شہرت رکھتا ہے یا محض غلط؟ اور جس مقام پر یہ مرض لاحق ہو وہاں سے ساکنین کا بخوف موت اور بنیت دفعیہ مرض اور جگہ چلا جانا کیسا؟ اور دوسری جگہ پہنچ کر مسلمان کا مرنا کیسا سمجھا جائیگا؟ بیان کرو جزائے نیک پاؤ گے۔

الجاب

تعزیہ مروجہ زمانہ کہ مجموعہ صد ہا خرافات و ہزاواہیات ہے، قطعاً بدعت و ناجائز و حرام ہے۔ ذکر شہادت، سراپا سعادت جب کہ روایت صحیح مقبولہ سے ہو اور منکرات شرعیہ مثل کلمات توہین انبیاء و مرسلین و ملائکہ مقربین و اہل بیت

طاہرین وصحابہ معظمین و مشائخ مکرّمین و نوحہ و مرثیہ ممنوعہ و تکلف و تصنع غم پروری و سینہ کوبی و گریبان درمی و غیرہا محرمات سے خالی ہوں، بلاشبہ جائز و مستحسن و موجب نزول رحمت ذی المنن ہے۔ اور اگر شناعات پر مشتمل ہو تو حرام و گناہ۔ کما نص علیہ العلماء فی کتبہم۔ یوں ہی فاتحہ امام علی جدہ الکریم و علیہ السلام و دیگر بزرگان دین و اولیاء کرام و سائر اہل اسلام شیرینی، مالیدہ، شربت پر ہویا کسی اور کھانے اور کپڑے وغیرہ پر، تنہا فاتحہ ہر طرح جائز و مندوب و موجب اجر ہے۔ تعزیہ کا چڑھایا کھانا سے اگر یہ مراد کہ اس فاتحہ کا ثواب تعزیہ کو پہونچایا گیا ہو، تو اس میں قرآن شریف کی بے ادبی خصوصاً اس حالت میں کہ تعزیہ میں براق یا اور کسی کی شکل بنی ہو، سخت اسامت ادب ہے مگر تب بھی اس کے کھانے پینے میں حرج نہیں۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ، اس کو امام بنانا گناہ ہے۔ کہ ایسے شخص کے فسق میں شک کہ تعزیہ و علم شدہ بنانا، اس کی زیارت کو جانا، اس پر مٹھائی وغیرہ چڑھانا، ایام محرم میں مثل روافض مرثیہ خوانی کرنا، بلکہ اس میں سرگرم رہنا، شیعوں سے میل جول، سلام و کلام، ان سے مواکلت، مشاربت کرنا، ان کی ناپاک مجلس میں شریک ہونا، کہ تبرائے خالی نہیں ہوتی، ان کے یہاں کھانا کھانا، ان سے تبرک جانا، اپنی مجالس میں ان خبیثاء سے مرثیہ پڑھوانا، مجلس میں رونے پینے کی غرض سے مرد عورتیں فراہم کرنا، اور معاذ اللہ ان سب باتوں کو ذخیرہ نیکوئی اور ثواب جانا، اور کسی بزرگ کے نام سے کسی مسلمان کا چھتری، نشان، جھنڈا قائم کرنا، یا معاذ اللہ گور مصنوعہ قائم کرنا، کس قدر سخت تر حرام ہے۔ حدیث میں ہے: ”من زار قبراً بلا مقبور فهو ملعون“ جو جھوٹی مصنوعی قبر کی زیارت کو جائے، وہ ملعون ہے۔ اس مصنوعی قبر پر جو کچھ روپیہ، پیسہ، شرنی، مٹھائی، چادر وغیرہ چڑھائی گئیں ہوں، ان کا حکم لقطہ ہے۔ یعنی ملک مالک سے وہ زائل نہیں ہوتی۔ بے اجازت صراحۃً یا دلالتاً لینے والا اس کا مالک نہیں ہوتا۔ صراحۃً کا یہ معنی ہے کہ مالک وقت چڑھانے کے یہ کہدے کہ جو اسے لے لے وہی مالک ہے۔ تو اگر لینے والے کو مالک کے اس قول پر اطلاع ہو اور وہ اسی بنا پر لے لے تو مالک ہو جائے گا۔

ردالمحتار کتاب اللقطہ میں شرح سیرکبیر سے ہے: ”القی شیاً وقال من اخذه فهو له فلمن سمعه او بلغ

ذالك القول ان يا اخذه والا لم يملكه۔“

اور دلالت حال کی یہ صورت ہے کہ عرف و عادت واضح طور پر حکم کرے کہ یہ چھوڑنا، پھینکنا، چڑھانا، اسی غرض سے ہے کہ جو پہلے اس کا مالک ہو جائے جیسے لوگ شادی میں دولہا کے گھوڑے یا دلہن کی پالکی پر سے روپے نچھاور کرتے ہیں یا آرائش کی مٹھائیاں لٹواتے ہیں یا بعد نکاح شکر چھوہارے لٹاتے ہیں یا جیسے عورتیں مسجد کی طاق میں گلگلے وغیرہ رکھ جاتی ہیں یا جیسے لوگ کھیت کاٹ کر کچھ بالیاں لگی ہوئی چھوڑ جاتے ہیں کہ غریب لوگ انہیں چن لیتے ہیں جیسے دیہات میں سیلابینا کہتے ہیں ان میں سیروں اناج نکلتا ہے یا جیسے پالیز والے ختم پر کچھ خر بوزے چھوڑ جاتے ہیں اور لیجانے والے کو مانع نہیں آتے۔ تو ان سب چیزوں کا بوجہ عرف و عادت لینا جائز اور لینے والا اس کا مالک ہے۔ وفيه عنه وبقره

ان مجرد الالتقاء من غير كلام يفيد هذا الحكم كمن نشر السكر والدرهم في العرس وغيره

خزانۃ المفتیین میں ہے: ”کذا من دخل ارض رجل للاحتشاس او لا لتقاط السنبلة ان ترکها صاحبها فصار ترکہ کا لا باحة۔“

عالمگیری میں تاتارخانیہ سے ہے: ”مبطخة بقيت فيها بطاطيخ فانتهبها الناس قال الفقيه ابو بکر اذا ترکها اهلها لياخذ من شاء من ذلك فلا بأس۔“

اور اگر یہ مقصود نہیں ہوتا کہ جو چاہے لے لے بلکہ ان چیزوں کا اس قبر پر رکھنا، رہنا منظور ہو تو اس کا لینا، اس سے نفع اٹھانا، سب ناجائز ہے۔ اس کا حکم ہندوؤں کے سانڈھ اور ان روپوں کا ہے جو وقت غسل دربار سے گنگ وغیرہ میں ڈالتے ہیں لینے والا اس کا مالک نہیں ہوتا۔

عالمگیری میں ہے: ”لو سبب وانه قال لا حاجة لي اليها ولم يقل هي لمن اخذها فاحذها انسان لا يكون له“ وغیرہ وغیرہ۔

یہ سب گناہ کبیرہ ہیں اور گناہ کبیرہ کا مرتکب فاسق اور فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اس کا لوٹنا نا واجب ہے۔ لان الفاسق من فعل کبيرة او اصر على صغيرة۔

صغیری میں ہے: ”بكره تقديم الفاسق كراهة تحريم وعند مالك لا يجوز تقديمه هو رواية عن احمد وكذا المبتدع۔“

غنیۃ میں ہے: ”لو قدموا فاسقاً ياثمون۔“

ابو السعوی حاشیہ کنز جلد اول میں ہے: ”علل الزيلعي الكراهة في الفاسق بان في تقديمه تعظيمه وقد وجب علينا اهانتة شرعاً فمفاده كون الكراهة تحريمية۔“

در مختار میں ہے: ”كل صلاة ادبت مع كراهته تجب اعادتها۔“

وہ وقف باطل ہے کہ وقف امور خیر کے لئے ہوتا ہے اور یہ قربت نہیں۔ وہ زمین و مکان ملک مالک پر باقی ہے۔ اگر اس کی اجازت سے انتفاع ہے، تو جائز ہے ورنہ حرام۔

تنویر الابصار میں ہے: ”وشرطه ان يكون قربة في ذاته“۔ واللہ تعالیٰ اعلم: علمہ جل مجدہ اتم واحکم

(۲) ایسا شخص بھی فاسق ہے۔ اس کے پیچھے بھی نماز نہ پڑھنی چاہئے۔ اہل نصاب کو سوال حرام۔ اسی طرح فقیر تو انا تندرست کو سوال ناجائز و ممنوع ہے۔

صحیح مسلم شریف میں حضرت قبصہ بن محارق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ”ان المسالة الا لاحد تلبسه رجل تحمل حمالة فحلت له المسالة حتى يصيبها ثم يمسك ورجل اصابته جانحة اجتاحت ماله فحلت له المسالة حتى يصيب قواما من عيش ورجل اصابته فاقة حتى يقوم من ثلثة من ذوی الحجج من قومه لقد اصابته فلانا فاقة فحلت له المسالة حتى يصيب قواما من عيش فما سواهن من المسالة

یا قبیصة سحت، یا کلها صاحبها سحتا۔“

فرمایا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کرنا تین شخصوں کے علاوہ کسی کے لئے حلال نہیں:

- (۱) جو شخص کسی کی دیت یا غرامت کا ضامن ہو اس کے لئے سوال حلال ہے جب تک اتنا مال پالیوے پھر رک جائے۔
- (۲) جو شخص کسی آفت میں مبتلا ہو کہ ہلاک ہو گیا، مال اس کا اس کے لئے بقدر رسد حاجت سوال درست ہے۔
- (۳) جو شخص فاقہ میں مبتلا ہو کہ تین شخص اس کی قوم سے گواہی دیں کہ فلاں شخص کو فاقہ پہونچا ہے۔ تو ان تینوں شخصوں کے لئے سوال حلال ہے اور ان کے سوا اوروں کے لئے اے قبیصة! سوال حرام ہے۔ کھاتا ہے سائل حرام کو۔“

اسی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے، فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم: ”من سال الناس موالہم تکثر فانما یسال الناس جہرا فلیستقل او لیتکثر“ ”جو شخص لوگوں سے مال زیادہ ہونے کے لئے سوال کرے یعنی مال نصاب بقدر ضرورت رکھتا ہو اور وہ سوائے اس کے نہیں کہ لوگوں سے جہنم ٹکڑا مانگتا ہے۔ ایسا ہر شخص کو اختیار ہے۔ چاہے زیادہ کرے یا کم، جتنا سوال کرے گا، اتنا ہی ٹکڑا جہنم کی کا اس کے لئے ہے۔“

اور وہ امام احمد ہی مسند ابن ماجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں: ”ما یزال الرجل یسال الناس حتیٰ یاتی یوم القيامة لیس فی وجہہ مزغة لحم۔“ ”یعنی ہمیشہ رہتا ہے آدمی کہ سوال کرتا ہے حتیٰ کہ قیامت کے دن آئے گا اس حال میں کہ اس کے منہ پر گوشت کا ایک ٹکڑا نہ ہوگا۔ لوگ اس سے پہچان لیں گے کہ یہ شخص دنیا میں لوگوں سے سوال کرتا تھا۔“

چوتھی حدیث میں ہے: ”السائل کدوح یکدح بہا الرجل وجہہ فمن شاء القی علی وجہہ ومن شاء ترکہ۔“ ”سوال کرنا زخم ہے جس سے آدمی اپنا منہ زخمی کرتا ہے۔ تو جو چاہے اپنے منہ پر باقی رکھے اور جو چاہے چھوڑ دے۔ رواہ ابو داؤد والترمذی والنسائی عن سمرة بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔“

پانچویں حدیث میں ہے: ”من سال وعنده ما یغنیہ فانما یستکثر من النار۔“ ”جو شخص سوال کرتا ہے حالانکہ اس کے پاس ایک رات دن کا کھانا ہے تو وہ اپنے لئے جہنم کی آگ زیادہ کرتا ہے۔ رواہ ابو داؤد۔“

چھٹی حدیث میں ہے: ”من سال من غیر فقر فکانما باکل الحمر۔“ ”جو شخص بغیر حاجت کے سوال کرے پس جہنم کا انگارا کھاتا ہے۔“ رواہ الامام احمد فی مسنده وابن خزیمہ والضیاء عن حبش بن جنادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ساتویں حدیث میں ہے: ”لان یاخذ احدکم حيلة فیاتی بحزمة حطب علی ظہرہ فیبیعہا فیکف للہ بہا وجہہ خیر من ان یسال الناس اعطوہ او منعوہ۔“ ”البتہ یہ کہ ایک تمہارا، رسی لے کر لکڑی کا گٹھ اپنی پیٹھ پر لائے اور اسے بیچ کر کھائے، یہ اس کے لئے بہتر ہے اس سے کہ لوگوں سے مانگے۔ دیا یا نہ دیا۔“

اور اس کو جائز اور ریاضت درویشی سمجھنا اور بھی گناہ۔ شریعت مطہرہ میں نفس ریاضت کوئی چیز نہیں بلکہ وہ جو

موافق شریعت ہو۔ ورنہ جوگیوں نے تو وہ وہ ریاضتیں کیں اور کرتے ہیں کہ مسلمانوں سے کبھی نہ ہو سکے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) درست و مسنون ہے، نہ بدعت و مشن۔ کہ نفس مصافحہ احادیث کثیرہ شہیرہ، قولیہ، فعلیہ سے ثابت اور زمان برکت شان، سید الانس والجان صلی اللہ علیہ وسلم، ہر قرن، ہر زمان میں رائج و موجود و مسنون و محمود رہا۔ فقد صافحت (۱) سیدنا و مرشدنا مجمع الطریقین، مرجع الفریقین، مجدد المآۃ الحاضرۃ، مؤید الملة الطاهرة حضرتہ الشیخ احمد رضا خان متع اللہ المسلمین بطول بقائه (۱) والسید الشاہ ابا الحسین احمد النوری نور اللہ مرقده الشریف بالنوری المعنوی والصوری (۲) صافحاً سیدہما و سندہما و شیخہما السیدال آل رسول الاحمدی المارہروی قدس سرہ (۳) صافح السید السند عمہ السید آل احمد الملقب باجنی میاں المارہروی قدس سرہ (۴) صافح السید التقی السید الشاہ حمزۃ الحسنی البلجرامی الواسطی (۵) صافح السید طفیل محمد الاترولوی (۶) صافح البارع الاورع السید مبارک فخر الدین البلجرامی (۷) صافح الشیخ الافخم استاذہ و مولاء الشیخ نور الحق (۸) صافح الشیخ المقتدی والدہ و شیخہ و استاذہ الشیخ المحقق مولانا عبد الحق المحدث الدہلوی قدس سرہ (۹) و هو قد صافح الشیخ عبد الوہاب بن فتح اللہ البروجی (۱۰) و هو قد صافح الشیخ محمد ابن افلح الیمنی (۱۱) و هو قد صافح الشیخ عبد الرحمن بن علی الدبیع (۱۲) و هو قد صافح الشیخ زین الدین الشرجی (۱۳) و هو قد صافح شمس الدین ابا الخیر الجزری (۱۴) و هو قد صافح الشیخ ابا المحاسن السرمدی (۱۵) و هو قد صافح الشیخ ابا الثنا محمود بن علی بن بغدادی (۱۶) و هو قد صافح الشیخ عبد الصمد البغدادی (۱۷) و هو قد صافح الشیخ یوسف ابن الحافظ ابی الفرج عبد الرحمن بن علی الجوزی البغدادی (۱۸) و هو قد صافح ابا الفضل محمد ابن جعفر الخزاعی (۱۹) و هو قد صافح الامام العباس احمد بن محمد سعید المطوعی (۲۰) و هو قد صافح الشیخ ابا غانم ابن زکریا (۲۱) و هو قد صافح الشیخ محمد ابن کامل (۲۲) و هو قد صافح الشیخ ابانان العطار (۲۳) و هو قد صافح سیدنا ثابت البنانی (۲۴) و هو قد صافح سیدنا انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال (۲۵) ”صافحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم اری خزا ولا قرأ البین من کف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ والحديث رواه البخاری وابن عساکر فی تاریخہ والخطیب وقد ذکرہ الشیخ جارا اللہ بن فہد فی کتاب المواہب السنیہ الدیاجی وابن المفضل والتمیمی فی مسلسلتہم۔

خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہ کرام سے ملتے، ان سے مصافحہ فرماتے۔

حدیث شریف میں ہے: ”قلت لابی ذر هل كان رسول الله صلى الله عليه يصادحكم اذا

لقيتموه؟ قال ما لقيته قط الا صافحني۔“

یعنی حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: کیا آپ سے رسول ﷺ مصافحہ فرماتے جب تم حاضر خدمت ہوتے؟ کہا جب بھی میں حاضر خدمت ہوا، حضور نے مجھ سے مصافحہ فرمایا۔ رواہ ابو داؤد عن ایوب بن بشیر عن رجل من عنترۃ۔

”صحابہ کرام جب بھی آپس میں ملتے، معانقہ کرتے۔ اور جب جدا ہوتے مصافحہ کرتے۔“

شرح شریعۃ الاسلام میں ہے: ”کان رسول اللہ ﷺ اذا تلاقوا تعانقوا واذا تفرقوا اتصافحوا۔“ بہتیری حدیثوں میں حضور ﷺ نے مصافحہ کے فضائل بیان فرمائے، مصافحہ کرنے والوں کو قبل جدا ہونے کے غفوانہ کی خوش خبری دی۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ”ما من مسلمین يلتقيان فيتصافحان الا غفر لهما قبل ان يتفرقا۔“ ”نہیں ہیں کوئی دو مسلمان کہ آپس میں ملیں اور مصافحہ کریں مگر قبل جدا ہونے ان دونوں کے ان کی مغفرت فرمادی جاتی ہے۔“ رواہ الامام احمد و ابو داؤد و الترمذی و ابن ماجہ ایضا عن البراء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

دوسری حدیث میں ہے: ”عن النبی ﷺ اذا التقى المسلمان فتصافحا وحمدا للہ واستغفرا غفر لهما۔“ ”جب دو مسلمان ملیں اور مصافحہ کریں اور خدا کی حمد کریں، اس سے مغفرت چاہیں، بخشدے جاتے ہیں گناہ ان کے۔“ رواہ ابو داؤد عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

تیسری حدیث میں ہے: ”ان المؤمن اذا لقي المؤمن فسلم عليه واخذ بيده فصافحه تناثر خطيبا تهما كما تناثر ورق الشجر۔“

”جب مسلمان سے مسلمان مل کر سلام کرتا ہے اور ہاتھ پکڑ کر مصافحہ کرتا ہے ان کے گناہ جھڑ جاتے ہیں جیسے پیڑوں کے پتے۔“ رواہ الطبرانی فی الاوسط والبیہقی فی شعب الایمان بسند صالح عن حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

چوتھی حدیث میں ہے: ”ان المسلم اذا لقي اخاه فاخذ بيده تحاتت عنهما ذنوبهما۔“ مسلمان جب اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑتا (یعنی مصافحہ کرتا) ہے، ان کے گناہ مٹ جاتے ہیں۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر عن سلمان الفارسی۔

پانچویں حدیث میں ہے: ”ما من مسلمین التقيا فاخذ احدهما بيد صاحبه الا كان حقا على الله عز وجل ان يحضر دعاؤهما ويفرق بين ايديهما حتى يغفر لهما۔“ ”جب دو مسلمان ملاقات کے وقت ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑیں، اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ ان کی دعا قبول فرمائے اور ان کے ہاتھ جدا نہ ہونے پائیں کہ ان کے گناہ بخش دے۔“ رواہ الامام احمد برجال ثقات و ابو یعلیٰ و البزار عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

چھٹی حدیث میں ہے: ”لا يلقى مسلم مسلما فيرحب وياخذ بيده الا تناثر الذنوب كما تناثر

ورق الشجر۔ ”جب مسلمان اپنے بھائی سے مصافحہ کرتا ہے تو دونوں کے گناہ گرجاتے ہیں جیسے درخت کے پتے۔“ رواہ البزار عن رواية مصعب بن ثابت رضي الله تعالى عنه۔

آٹھویں حدیث میں ہے: ”قال رسول الله ﷺ ان المسلمين اذا التقيا فتصافحا وتساؤلانا نزل الله بينهما ما قرحة تسعة وتسعين لا يشهما واطلقهما وابرهما واحسنهما مسائله باخيه۔“ ”جب دو مسلمان ملیں اور اللہ تعالیٰ سے سوال کریں، حق سبحانہ تعالیٰ سو رحمت نازل فرماتا ہے، واسطے بشارت ترین اور کشادہ پیشانی سے ملنے والے اور ان دونوں میں نیکوتر اور احسن کے لئے اور ایک اس کے بھائی کے واسطے۔ رواہ الطبرانی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔“

نویں حدیث میں ہے: ”اذا التقى الرجلان المسلمان فسلم احدهما على صاحبه فان احبهما الى الله احسنهما بشرا فاذا تصافحا نزلت عليه مائة رحمة للبادي منها تسعون وللمصافح عشرة۔“ ”جب دو مرد مسلمان ملیں اور ایک دوسرے پر سلام کریں پھر جب مصافحہ کرتے ہیں، ان پر سو رحمتیں اترتی ہیں۔ نوے ابتدا کرنے والے اور دس مصافحہ کرنے والے کے لئے۔ رواہ البزار عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه۔“

دسویں حدیث میں ہے: ”المسلمان اذا تصافحا لم يبق بينهما ذنب الا سقطه۔“ ”جب دو مسلمان مصافحہ کرتے ہیں تو ان دونوں کا کوئی گناہ باقی نہیں رہتا، سب جھڑ جاتا ہے۔ رواہ البيهقي في شعب الایمان عن البراء ابن عازب رضي الله تعالى عنه وفي رواية لو كانت ذنوبهما مثل زبد البحر۔“ ”اگرچہ ان دونوں کے گناہ سمندر کے جھاگ جیسے ہوں۔“

ان تمام احادیث میں کہ فضائل مصافحہ ارشاد ہوئے، حضور اقدس ﷺ نے عام و مطلق ارشاد فرمایا تو بحکم عموم و اطلاق اپنے تمام افراد کو شامل ہوگا۔ حکم عام جمہور علماء کے نزدیک یہی ہے کہ اپنے سب افراد کو شامل ہو۔

اور تلویح حاشیہ توضیح میں ہے: ”وعند جمهور العلماء اثبات الحكم في جميع ما يتناول من الافراد قطعاً و يقيناً عند مشايخ القرآن و عامة المتأخرين و ظنا عند الجمهور الفقهاء او المتكلمين وهو مذهب الشافعي والمختار عند مشايخ سمرقند۔“

پھر ایک فرد کے ساتھ جواز، دوسرے پر کراہیہ کا حکم، حسب تصریح مجدد ملت و ہابیہ بے فائدہ و بدعت ہے۔ محرر مذہب رشیدی، مولوی خلیل احمد انپٹھوی کی براہین قاطعہ طبع دوم ص ۳۷ میں ہے ”لفظ عام کے معنی میں معنی خاص لینے کا کوئی فائدہ نہیں“ اس کے ص ۱۰۱ پر ہے۔ ”مطلق کو مقید کرنا بدعت ہے“ اور جب مطلق مصافحہ کی اجازت دی بلکہ مسنون بتایا اور اس سے کسی وقت کو مستثنیٰ نہ فرمایا تو بحکم قاعدہ لیس یستثنیٰ داخلا مصافحہ بعد نماز فجر و عصر و نماز عید و ختم و عظ وغیرہ سب مجاز و مازون و مستحب و مسنون رہا۔ اگر یہ شبہ ہو کہ جب احادیث میں مطلق مصافحہ آیا تھا تو پھر بعد نماز فجر یا عصر اور عید و عظ کی کیا خصوصیت؟ ہر وقت کیا کرنا اور جب نہیں کرتے بلکہ انہیں خاص وقتوں میں، تو معلوم ہوا کہ تم لوگوں نے عام کو خاص اور

خاص کو مقید کر دیا، نہ مانعین نے۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ ہم نے کب کہا کہ ان اوقات کے سوا اور کسی وقت مصافحہ کرنا جائز نہیں۔ بخلاف وہابیہ کے کہ وہ ان وقتوں میں ناجائز بتاتے ہیں۔ تو عام کو خاص اور مطلق کو مقید کرنے والے وہ ہوئے، نہ ہم۔ رہا خاص کسی وقت کی عادت کر لینا، یہ اس کو اس مصافحہ مسنونہ سے نہیں نکالتا۔ کما صرح به الشاہ ولی اللہ الدہلوی فی المسوئ شرح المؤطا عن النووی حیث قال: "قال النووی اعلم ان المصافحة مستحبة عند کل لقاء واماما اعتاده الناس من المصافحة بعد صلاة الصبح والعصر فلا اصل له فی الشرع علی هذا الوجه لکن لا بأس به فان اصل المصافحة سنة و کونهم حافظوا علیها فی بعض الاحوال و فرطوا فیها فی کثیر من الاحوال لا یخرج ذلک البعض عن کونه من المصافحة التی ورد الشرع باصلها اقول هکذا ینبغی ان یقال فی المصافحة یوم العیداه" قلت فعلی هذا المصافحة بعد الوعظ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) طاعون سے فرار گناہ کبیرہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "الفار من الطاعون کالفار من الزحف"۔ "طاعون سے بھاگنے والا ایسا ہے جیسے جہاد میں کافروں کے مقابلے سے بھاگنے والا۔" اور اللہ عز وجل کفار کو پیٹھ دے کر بھاگنے والے کی نسبت فرماتا ہے: "فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَا وَهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ"۔ "وہ بے شک اللہ کے غضب میں پڑا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور کیا بری بازگشت ہے۔" اور اس طرح جہان طاعون ہو، وہاں سے جانا بھی نہ چاہئے کہ فرمایا حضور ﷺ نے: "اذا سمعتم با الطاعون بارض فلا تدخلوها واذ اوقع بارض وانتم بها فلا تخرجوا منها"۔ "جب سنو تم کسی جگہ طاعون ہونا، تو وہاں نہ جاؤ اور جہاں تم ہو، اگر وہاں ہو تو بھاگو نہیں۔"

ہاں اگر کوئی شخص تقدیر پر صابر اور کامل الامان ہو اور "لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا" (التوبة: ۵۱) ہمیں نہ پہنچے گا مگر جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا۔ (کنز الایمان) کی بشارت اس کے دل میں ساری ہو کہ اگر طاعون شہر میں کسی کام کو جائے اور مبتلا ہو جائے، تو پشیمانی نہ ہو کہ ناحق آیا، بلانے لے لیا یا کسی کام کو باہر جائے تو یہ خیال نہ ہو، تو خوب ہوا کہ اس بلا سے نکل آیا، تو اسے اجازت ہے۔ وہاں سے آنے اور جانے میں کوئی حرج نہیں۔ والتفصیل التام لهذه المسئلة فی فتاویٰ سیدنا وشیخنا المسماة بالعطايا النبویة فی الفتاویٰ الرضویة المجلد الرابع من کتاب الحظر والاباحہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔



مسئلہ مسئلہ اعلیٰ حضرت، تاج العارفین، سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی یکم صفر ۱۳۲۳ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ طاعون کی جگہ سے دوسری جگہ یا دوسرے محلہ میں آنا اور دوسری جگہ سے طاعون زدہ مقامات میں آنا کیسا ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجبواب

طاعون زدہ مقامات سے بھاگنا سخت گناہ و اشد کبیرہ ہے۔ اور اس میں کوئی خصوصیت شہر و محلہ کی نہیں، بھاگنے کی نیت سے ایک قدم بھی چلنا حرام ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اذا سمعتم بالطاعون بارض فلا تدخلوا علیہ و اذا وقع وانتم بارض فلا تخرجوا منها فرارا عنہ۔"

"جب تم کسی زمین میں طاعون ہوتا سنو تو اس پر داخل نہ ہو۔ اور جب وہاں طاعون آئے، جہاں تم ہو تو طاعون سے بھاگنے کے لئے وہاں سے نہ نکلو۔" رواہ الشیخان و ابو داؤد و النسائی و مالک و احمد عن عبد الرحمن بن عوف و البخاری و مسلم عن اسامة بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

امام اجل احمد بن حنبل اپنے مسند میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "الفار من الطاعون کالفار من الزحف و من صبر فیہ کان لہ اجر شہید۔"

"طاعون سے بھاگنے والا ایسا ہے جیسے جہاد میں کفار کو پیٹھ دے کر بھاگنے والا اور جو اس میں صبر کئے بیٹھا رہے، اس کے لئے شہید کا ثواب ہے۔"

ابن سعد نیز امام احمد، ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "الفرار من الطاعون کالفرار من الزحف۔" "طاعون سے بھاگنا ایسا ہے جیسے جہاد میں کافروں سے بھاگ جانا۔"

طبرانی معجم اوسط اور ابو نعیم فوائد بن ابی بکر بن خلاد میں انھیں سے بسند حسن راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "الطاعون شہادة لامتی و حز اعدائکم من الجن غدة کغدة البعیر تخرج فی الابطاط و المراق۔ من مات فیہ، مات شہیدا و من اقام فیہ کان کالمربط فی سبیل اللہ و من فر منه کان کالفار من الزحف۔"

"طاعون میری امت کے لئے شہادت ہے اور وہ تمہارے دشمن جنوں کا کونجا ہے۔ اونٹ کی گلٹی کی طرح گلٹی ہے کہ بغل اور پیٹ سے نیچے نرم جگہوں میں نکلتی ہے۔ جو اس میں مرے شہید مرے۔ اور جو اس میں ٹھہرا رہے وہ راہِ خدا میں سرحد کفار پر بانظار جہاد اقامت کرنے والے کے مانند ہو۔ اور جو اس سے بھاگ جائے وہ جہاد سے بھاگ جانے والے کے مثل ہے۔"

جہاد سے بھاگنے والے کے متعلق فرماتا ہے: "فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبِ مِّنَ اللّٰهِ وَمَا وَهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ" (الانفال: ۱۶) "تو وہ اللہ کے غضب میں پلٹا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور کیا بری جگہ ہے پلٹنے کی۔" (کنز الایمان)

اللہم احفظنا واللہ تعالیٰ اعلم۔



مزارات اولیا تو مزارات عالیہ ہیں، عام مسلمانوں کی قبریں مستحق اکرام و تعظیم اور ان کی توہین شرعاً منع

وگناہ ہے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ قبر پر پاؤں رکھنا بھی ناروا اور ایسا کرنا گناہ ہے، کہ قبر کی چھت میت کا حق ہے۔

علامہ زاہدی قدیہ میں تصریح فرماتے ہیں: ”یاثم بوطا القبور لان سقف القبر حق الميت۔“

اور تحفہ بدائع وغیرہ میں ہے: ”ان ابا حنیفہ کرہ و طء القبر۔“

علامہ سیدی عبدالغنی نابلسی حدیقہ ندیہ میں شرح درر سے ناقل: ”یکرہ ان یوطا القبر لما روی عن ابن

مسعود لان اطاء علی جمرة احب الی من ان اطاء علی قبر مسلم۔“

اس میں محیط سے ہے: ”یکرہ ان یطاء بالرجل“ بلکہ پاؤں رکھنا تو درکنار قبر پر سر رکھنا ٹیک لگا کر سونا یہ سب

ناجائز ہے۔

حضرت سیدنا ابوقلابہ بھری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ”انی ذہبت من الشام الی البصرة فنزلت

الخنندق فتوضات و صلیت رکعتین باللیل ثم وضعت راسی علی قبر قمت ثم اتیت فاذا صاحب القبر

یشتکی ویقول لقد اذیتنی اللیلة“ رواہ ابن ابی بکر بن ابی الدنیا۔

حضرت ابوقلابہ فرماتے ہیں: ”میں ملک شام سے بصرہ کو جاتا تھا، رات کو خندق میں اترا، وضو کیا، دو رکعت نماز پڑھی

پھر ایک قبر پر سر رکھ کر سو گیا۔ جب جاگا تو صاحب قبر کو دیکھا کہ مجھ سے گلہ کرتا ہے اور کہتا ہے: اے شخص! تو نے رات بھر مجھے

ایذا دی۔“

امام احمد حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک

قبر سے تکیہ لگائے ہوئے دیکھ کر ارشاد فرمایا ”لا تؤذ صاحب هذا القبر۔“

اب عقل سلیم سے فیصلہ طلب ہے کہ جب شرعاً جن پر پاؤں رکھنا حرام، سر رکھنا حرام، ٹیک لگانا حرام، کہ ان سب

میت کو ایذا پہنچتی ہے اور مسلمانوں کو جس طرح زندگی میں ایذا دینا جائز نہیں اسی طرح بعد وفات بھی ناجائز۔ تو کس

طرح ایک جگہ سے اکھیڑ کے دوسری جگہ دفن کرنا جائز ہوگا؟ اور پھاوڑا کدال چلانا، قبر کو کھود ڈالنا، میت کو نکال کر اس کی تختیر

و توہین کرنا، کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

☆☆☆☆☆

مسائل مرسلہ شاہزادہ علی خاں از سرسپاہی ڈاکخانہ شاہی ۱۴ رجب المرجب ۱۳۲۳ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی کی زیارت پر چادر یا سجدے دینا درست

ہے یا نہیں؟ مینواتو جروا۔

(۲) میلاد شریف پڑھنا، ذکر پیدائش سرور کائنات پر کھڑا ہونا اور تاریخ دن تقرر کر کے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) سر پر سہرہ باندھنا درست ہے یا نہیں؟ مینواتو جروا۔

(۴) میاں شیخ سعد و غیرہ کا مرغا، بکرا پالنا اور اس کا کھانا درست ہے یا نہیں؟ مینواتو جروا۔

الـجـواب

- (۱) چادر چڑھانا، شیرینی پر فاتحہ دلانا، اپنا مطلب کہہ کر ان کے وسیلہ سے مانگنا، بلاشبہ درست ہے۔ سجدہ حرام ہے۔
(۲) سب کچھ درست ہے۔ والتفصیل فی الرسالة المبارکة "اذاقة الاثام لما نعی عمل المولد والقیام"

والله تعالیٰ اعلم

(۳) سہرا صرف پھولوں کا ہو تو جائز ہے لعدم المانع ولان الاصل فی الاشياء الاباحۃ۔ وہابیہ کا اس کو ناجائز ٹھہرانا، تشبہ بالکفار بتانا، محض جہالت و خیال خام ہے۔ جو امر فی نفسہ شرعاً مذموم نہ ہو اس میں بلا قصد مشابہ ہونا، منع نہیں ہے بلکہ اس نیت سے کرنا کہ کفار کی سی شکل پیدا ہو یا اگرچہ ارادہ نہ کرے مگر وہ فعل خود شعار کفار ہو، جس سے وہ پہچانے جاتے ہوں تو ناجائز ہے اور اس کی بعض صورتوں پر "من تشبه بقوم فهو منهم" بھی صادق۔ ورنہ اگر مطلقاً اشتراک، موجب ممانعت ہو تو انگریز کھا، کرتہ، ٹوپی پہننا وغیرہ وغیرہ بھی حرام ہو جائیں کہ یہ سب ہندو بھی پہنتے ہیں۔ مگر جس طرح وہاں پردے کا فرق کفایت کرتا ہے، یہاں بھی شعار نہ ہونا کافی ہے۔

درمختار میں ہے: "التشبه بهم لا یکرہ فی کل شیء بل فی المذموم وفيما یقصد به التشبه۔"

والله اعلم۔

(۴) اصل اس میں وقت ذبح خاص ذابح کی نیت وقول کا اعتبار ہے اگرچہ پہلے سے شیخ سدومیاں یا کسی کے نام سے مشہور ہو۔

ردالمحتار میں ہے: "المدار علی المقصد عند ابتداء الذبح" اور یہی معنی آیت شریفہ "وَمَا أُهْلَ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ" (البقرہ: ۱۷۳) "اور وہ جانور جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا"۔ (کنز الایمان) کے ہیں۔ فقط مشہور ہو جانا کسی کے نام سے موجب حرمت نہیں، ورنہ چاہئے کہ تمامی جانور حرام ہو جائیں۔ کیونکہ ہر جانور کسی نہ کسی کے نام سے ضرور مشہور ہوتا ہے۔ (مثلاً عمرو کی گائے، خالد کی بکری، زید کا مرغ وغیرہ وغیرہ)

جلالین میں ہے: "ای ذبح علی غیر اسمہ تعالیٰ وتقدس" جو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جائے وہ بھی حرام ہے۔ قال فی المدارک والبیضاوی والکبیر واللفظ للاخیر "یعنی وما ذبح علی الاصنام" وما فی الخلائین اعم واشد مطابقة للفظ۔

ردالمحتار میں ہے: "من ظن انه لا یحل فقد خالف القرآن والحديث والعقل فانه لاریب ان القصاب یذبح للمریح ولو علم انه ینحس لا یذبح فیلزم هذا الجاهل ان لا یاکل ما ذبحه القصاب وما ذبح للولائم والاعراس" اور جب ذبیحہ حلال ہو تو کھانا بھی درست ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَمَا لَكُمْ اَنْ لَا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِّرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَیْهِ۔" (الانعام: ۱۱۹) تمہیں کیا ہوا کہ نہ اسے کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از راہپور مرسلہ علی شاہ ۲۹ رجب ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید مسلمان شخص جو علم سے واقف ہے، بیان کرتا ہے کہ ۱۵ یا ۱۶ سال سے میرے داڑھی نکلی ہے۔ جب سے اب تک برابر داڑھی منڈواتا اور کترواتا ہوں اور ایسا کترواتا ہوں کہ جلد سے ملی رہے یعنی بالکل معلوم نہ ہو کہ داڑھی نکلی ہے۔ اور وقت مرگ تک ایسے ہی منڈواتا اور کترواتا رہوں گا۔ یہ بھی کہتا ہے کہ اس فعل کا کرنا صغیرہ گناہ ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسا شخص فاسق ہے یا گناہگار؟ بینوا و توجروا یوم الحساب۔

الجواب

ایسا شخص سخت گناہگار، فاسق، فاجر، مرتکب کبائر، مستحق نار و غضب جبار و مورد لعنت پروردگار ہے۔ اور باوصف اس علم کے کہ وہ گناہ ہے، اس کا یہ اصرار و اظہار کہ تادم مرگ مرتکب رہے گا اس پر اور سخت تر ہے۔ قال تعالیٰ: ”وَاِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ“۔ (البقرة: ۲۰۶) ”اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو تو اسے اور ضد چڑھے گناہ کی۔ ایسے کو دوزخ کافی ہے اور وہ ضرور بہت برا بکھونا ہے۔“ (کنز الایمان)

فتح القدیر، بحر الرائق، درمختار، غنیۃ وغیرہا میں ہے: ”واللفظ للغنیۃ: ”الاحذ من اللحیۃ وهو دون القبضة کما یفعله بعض المغاربة ومختة الرجال فلم یبحه احد واخذ کلها فعل المجوس الاعاجم والیهود والهنود وبعض اجناس الافرنج“۔

درمختار میں ہے: ”قطعت شعر راسها اثم ولعنت ولذا یحرم علی الرجل قطع لحیته والمعنی الموتر التشبه بالرجال اه“ مختصراً

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”لعن الله لمتشبهین من الرجال بالنساء“۔

اس مسئلہ میں تمام تفصیل و بیان جلیل کتاب مستطاب ”لمعة الضحیٰ فی اعفاء اللحن“ میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

جزی اللہ المحیب و یشیب۔ یہ سوال پہلے بھی آیا۔ اس عبارت میں صرف اتنا تفاوت ہے کہ کلام زید میں اس فعل کا صغیرہ ہونا، ارادہ مداومت تادم مرگ کی علت نہ تھا۔ بلکہ اس کا کلام ”منڈواتا رہوں گا“ تک نقل کر کے سائل نے لکھا تھا: ”یہ بھی کہتا ہے کہ اس فعل کا کرنا صغیرہ ہے“۔ ایسا وہ لفظ کہ ”یہ بھی کہتا ہے“ قلم سے متروک ہوا، جس نے اس جملہ کو اس ارادہ کی تعلیل کر دیا اور کلام زید کے معنی یہ ہو گئے کہ تادم مرگ ایسا ہی کرے گا، اس لئے کہ یہ کوئی بڑا گناہ نہیں ہے، صرف صغیرہ گناہ ہے۔ اس کی مداومت چنداں محذور نہیں۔ اگر واقعی کلام زید اس طرح ہے تو اس کا حکم اور سخت تر گناہ ہوگا کہ یہ کلام صاف جانب استخفاف جا رہا ہے اور گناہ کو ہلکا سمجھنا، نہایت شدید و اشد ہے کہ حد کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ مولوی محمد قاسم علی کلہسی دہلوی از میران پور کٹرہ، شاہجہاں پور ۱۱ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بات میں کہ کوئی شخص حنفی المذہب اپنا مذہب چھوڑ کر شافعی ہو جائے یا اور کوئی
مذہب اربعہ سے اختیار کر لے تو یہ بدلنا مذہب کا کیا حکم رکھتا ہے؟ فقہائے حنفیہ کے نزدیک تبدیل مذہب کرنے والے
پر تعزیر ہے یا نہیں؟ مہربانی فرما کر بحوالہ کتب فقہیہ جواب تحریر فرما کر اپنی مہر سے مزین فرما کر روانہ فرمائیں۔ بینوا تو جردا۔

الـجـواب

ہاں ایسا شخص قابل تعزیر ہے: ”فی الدر عن السراجیة قبیل السرقة: ”ارتحل الی مذہب الشافعی
رحمہ اللہ تعالیٰ یعزر“۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم
الجواب صحیح: ہاں بلا ضرورت شرعیہ ایسے تبدیل مذہب کرنے والا ضرور مستحق تعزیر ہے۔ خصوصاً ہندوستان میں کہ
اگرچہ مذہب چاروں حق ہے۔ مگر یہاں حنفیت چھوڑ کر باقی تین مذہب سے کوئی مذہب اختیار کرنا، جس کے نہ یہاں علماء
ہیں، نہ کتابیں، علم چھوڑ کر جہل اختیار کرنا ہے۔ یہ سب اس حالت میں ہے کہ واقعی شافعی ہوا ہو اور اگر غیر مقلد ہو اور حیلہ کے
لئے شافعییت کا نام لیتا ہے تو کھلا گمراہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عبدہ احمد رضا غفرلہ بمحمد المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ غلام ربانی از پبلی بھیت محلہ غفار خاں ۱۰ صفر ۱۳۲۳ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سلام جو باہم مسلمانوں میں کرنا چاہئے، شرعاً
مسلمانوں کو ہنود سے کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اہل اسلام کو اہل ہنود کا کھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الـجـواب

ہنود کو بے ضرورت ابتداً بالسلام حرام ہے۔ یہ حکم صرف مسلمانوں کے لئے ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
فرماتے ہیں: فسلم علی المسلم بالمعروف یسلم علیہ اذا لقیہ ویحبہ اذا دعاه الحدیث یہود ونصارى کہ
شریعت مطہرہ نے ان کو مشرک سے نہیں گنا ہے، ان پر بھی ابتداً بالسلام کی ممانعت فرمائی۔ حدیث میں ہے، فرمایا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے: ”لا تبدوا للیہود ولا للنصارى بالسلام“ مگر جب وہ ابتداءً بالسلام کریں تو جواب سلام میں
حرج نہیں۔

بزاز یہ میں ہے: ”فی السیر لاباس برد السلام اهل الذمة والنهی عن البداءة الا اذا كان محتاجا

فلا باس بها ایضاً۔“

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: ”انما یکرہ ان یبتدئہم بالسلام واما اذا ابتداء الکافر فلا باس بان یرد

علیہ لکن لا یزید علی قوله وعلیک ہکذا فی الخلاصة والعلمگیریہ۔“

ہاں اگر کسی ضرورت سے کریں تو مضائقہ نہیں۔ اور یہی قول علقمہ اور نخعی کا ہے۔

خزانہ میں ہے: ”وان كان للمسلم اليه حاجة لا باس بالسلام عليه لان فيه ليس توقير۔“ مگر اس کا ہندوستان کے رواج کے موافق تو بضرورت بھی انہیں سلام شرعی کرنے کی حاجت نہیں، کافی ہے لالہ صاحب، بابو صاحب، منشی صاحب، وغیر ذلک۔ رہا ہنود کے یہاں کھانا، اس کی اصل یہ ہے کہ اگر ان کے یہاں کھانے سے عام مسلمانوں کو نفرت یا سبب بدنامی یا انگشت نمائی ہو تو شرعاً ناجائز ہے جیسے بھنگی کے یہاں کھانا۔ اور اگر یہ بات نہیں، تب بھی شک نہیں کہ عام ہنود سخت ناپاکیوں میں آلودہ اور متلوٹ ہیں مگر شریعت آسان ہے۔ جب تک کسی شے میں حرمت یا نجاست کا حال معلوم نہ ہو، ہمارے لئے بحکم قاعدہ کلیہ ”الاصل الطہارۃ“ پاکی و حلال ہے۔

عالمگیریہ میں ہے: ”قال محمد وبه نأخذ ما لم نعرف شيئاً حراماً بعينه وهو قول ابی حنیفہ واصحابہ كذا فی الظہیریۃ۔“ مگر گوشت کہ وہ مطلقاً حرام ہے۔ ہاں اگر حلال گوشت مسلمان کے سامنے پکا ہو کہ ایک لمحہ بھی اس سے جدا نہیں ہوا ہو تو حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ مرسلہ حافظ عبدالکریم از علی گڑھ ۲۵ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ
روافض کے گھر کا کھانا جائز ہے یا ناجائز، کس واسطے کہ یہ لوگ بڑے متعصب ہوتے ہیں، اہل سنت و جماعت کو کھانے میں ناجائز کھاتے ہیں؟

الجواب

اگر یقیناً معلوم ہو کہ اس کھانے میں کچھ ناپاک شے ملا دی ہے جب تو ظاہر ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے قطعی۔ قال اللہ عز وجل: ”وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبِيثَ“ (الاعراف: ۱۵۷) ”اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا“ (کنز الایمان) اگر یقیناً نہ بھی ہو معلوم بلکہ بالفرض اس کا وہم بھی نہ ہو، تب بھی روافض و دیگر مرتدین بلکہ تمامی اہل ہوا اور مبتدعین کے یہاں کھانے سے احتراز لازم کہ یہ میل جول ہے اور ان سے میل جول ممنوع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ”لا تحالسوهم ولا توادوهم ولا تشاربوهم ولا تناكحوهم“ ان کے پاس نہ بیٹھنا، ان کے ساتھ نہ کھانا پینا، نہ شادی بیاہ کرنا۔ رواہ العقیلی واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از جواہر پور تحصیل بیرونی ضلع بریلی مرسلہ طالب حسین خان
کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ الحمد شریف کے اندر بے قاعدہ پڑھنے کی وجہ یعنی ایک لفظ کے حرفوں کو دوسرے حرف کے لفظوں سے ملا کر پڑھنے کی وجہ اور یا کسی بے قاعدگی سے شیطان کا نام آ جاتا ہے یا ہو جاتا ہے یا نہیں اور کن مواضع میں؟ بینوا تو جروا

باب

یہ جو عوام میں رائج ہے کہ ایک لفظ کے حرفوں کو دوسرے لفظ کے حرفوں میں ملا کر پڑھنے سے مثلاً ذَلَّ لَ حَسْرَبُ کَبُو کَنَعُ کَنَسُ نَعْلَى بَعْلَى کُنَى شیطان کا نام آ جاتا ہے، محض غلط اور اختراعات باطلہ سے ہے۔ علمائے ان سکناات کو برا جانا، اس کے باطل ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں غنیۃ سے ہے: ”قال فی فتاویٰ الحجۃ“ اذا بلغ فی الفاتحة ”ایاک نعبد وایاک نستعین“ لا ینبغی ان یقف علی قوله ایاک ثم یقول نعبد وانما الاولی والاصح ان یصل ایاک نعبد وایاک نستعین“ فلا اعتبار بمن یفعل ذلك السکت من الجهال المتفقهین بغیر علم اه۔

اس میں علامہ علی قاری کی مخ الفکر یہ سے ہے: ”اقول ما اشتهر علی لسان الجهلاء من القراء ان فی سورۃ الفاتحة للشیطان کذا من الاسماء فی مثل هذه التراکیب من البناء فخطاء فاحش واطلاق قبیح تم سکتهم عن نحو دال الحمد وکاف ایاک وامثالها غلط صریح۔“ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ مرسلہ محمد سلیمان محلہ مہولی، باسد یو پور ضلع مونگیر ۱۶ ربیع الاخر ۱۳۴۱ھ

جناب مولانا دام مجدہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ضروری گذارش یہ ہے کہ (۱) اہل صرف کا یہ متفق علیہ مسئلہ ہے، باب افعال کا ہمزہ قطعی ہے۔ چنانچہ آپ بھی اپنے رسالہ ص ۲۴ میں تحریر فرماتے ہیں: ”ثلاثی مزید مطلق بے ہمزہ وصل کے پانچ باب ہیں اور اس کے باب اول کا ہمزہ قطعی ہے، وصلی نہیں۔ اس لئے حالت وصل میں نہیں گرتا۔ باب اول افعال۔ پھر لکھتے ہیں ”علامت اس کی فاکلمہ کے قبل ہمزہ قطعی ہونا ہے۔“ قطعیت ہمزہ کا مطلب تو یہی ہے کہ حالت وصل میں اس کا قائم رہنا واجب اور ضروری ہے۔ پھر ص ۳۳ میں تحریر فرماتے ہیں: ”قاعدہ ہمزہ منفردہ متحرک ماقبل صحیح ساکن غیر نون افعال ویائے تصغیر ہو تو حرکت اس کی نقل کر کے ماقبل کو دے کر اس کو گرا دینا جائز ہے۔ ایک کلمہ میں ہو تو جیسے لیسل یا دو کلمہ میں جیسے قدح کہ اصل میں قداح تھا اور یسأل تھا“ انتخاب ملخصاً۔ افع باب افعال کا ماضی ہے مگر اس قاعدے کی رو سے قد کے لانے کے بعد اس کے ہمزہ کا گرا دینا جائز ہے تو پھر قطعیت ہمزہ کا کیا مطلب ہے؟ اور قدح قداح میں کیا فرق رہا؟ اس صورت میں ہمزہ کی تقسیم قطعی اور وصلی کی طرف لغو و بیکار ہو جاتی ہے۔

(۲) یہ لفظ قرآن مجید میں متعدد جگہوں میں آیا ہے۔ ہر جگہ باثبات ہمزہ ہے، باسقاط ہمزہ کہیں نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص آپ کی پیش کردہ مثال کی رو سے قرآن شریف میں قداح کی جگہ قدح پڑھے تو جائز ہے یا نہیں؟ اور اس طرح کی قراءت قراء سبعہ میں سے کسی سے مروی ہے یا نہیں؟ اگر قدح پڑھنا جائز ہے تو پھر اس قاعدے کی رو سے قرآن مجید میں جس جگہ اثبات ہمزہ ہے وہاں اسقاط ہمزہ جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً سل بنی اسرائیل کی جگہ اسئل بنی اسرائیل، فاسئلوا اہل الذکر فسلوا اہل الذکر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں جائز ہے تو کیوں؟ مہربانی فرما کر جواب مع دلائل تحریر کر کے ذیل

کے پتہ پر روانہ فرمائیں۔ جواب کے لئے ایک آنہ کا ٹکٹ بھیجتا ہوں۔ والسلام
مکرر گزارش ہے کہ جواب پرنسپل صاحب و دیگر مدرسین صاحبان سے دستخط کرا لیں تو بہتر ہے۔

الواجبات

(۱) ہمزہ وصل وہ ہے کہ وجہ کلام میں اس کا گرانا ضروری ہو، باقی رکھنا خطا ہے۔ اس لئے قرآن شریف میں مضائقہ ہر جگہ باتفاق جمیع قراء تمامی ہمزہ وصل گرا دیئے جاتے ہیں۔ بخلاف ہمزہ قطعی کے کہ وہ درجہ کی وجہ سے کلام سے نہ گرنے کا بلکہ باقی رکھا جائے گا۔ رہا بقاعدہ تخفیف ہمزہ کا گرنا تو وہ کچھ اس قسم کے ہمزہ پر موقوف نہیں بلکہ اصلی ہمزہ بھی اس قاعدے سے گرنے کا۔ جیسے یہاں کہ ہمزہ عین کلمہ ہے اور یقرء کے آخر کا ہمزہ زائد نہیں۔ پس اسی قاعدہ سے یقر ہو گا نہ ار کہ اصل اس قاعدے سے لے کر ہو جائے گا۔ حالانکہ یہ علامات مضارع ہے غرض اس قاعدہ کی رو سے ہر طرح کا ہمزہ اصلی زائد، قطعی زائد سب گرنے کا اور وجہ کلام میں ہمزہ وصلی گرنے کا، ہمزہ قطعی نہ گرنے کا کہ ہمزہ وصلی زائد محقق ہے۔ صرف بتدریج سکون کی وجہ سے لایا جاتا ہے تو جب کوئی کلمہ اولیٰ میں آئے گا، یہ ہمزہ گرنے کا۔ قد فلح اور قد جتنب میں فرق ظاہر ہے۔ اول یہ کہ قد فلح پڑھنا جائز ہے اور قد جتنب پڑھنا واجب ہے۔ قد افلح بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اس میں کوئی غلطی نہیں۔ جبکہ قرآن شریف میں ہماری قراءت میں اسی طرح وارد ہونے کی وجہ سے قد افلح ہی پڑھنا اولیٰ ہے اور قد اجتنب پڑھنا غلط ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ قد فلح کا ہمزہ اس قاعدے سے گرا ہے، نہ فقط اول میں لفظ کے آنے سے۔ بخلاف قد جتنب کے کہ اگر یہ قاعدہ سرے سے نہ ہوتا جب بھی فقط درج کلام اور اول اس کے کسی لفظ کا آ جانا ہی اس کے گرا دینے کو کافی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ہمزہ کی تقسیم قطعی اور وصلی کی طرف لغو اور بیکار نہیں ہے۔

(۲) بے شبہ قد فلح پڑھنا جائز ہے اور اسی طرح کی قراءت قراء کی مروی اور منقول ہے۔

تیسرے علامہ ابو عمرو عثمان حسانی متوفی ۴۴۲ھ مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۰ میں فرماتے ہیں:

”اعلم ان كان يلقي حركته المهمزة على الساكن يتحرك بحركتها وتسقط من اللفظ الخ“ پھر اس کی تین قسم کر کے اول و دوم کے بعد تیسری قسم کو بیان کرتے ہیں۔ ”والثالث ان يكون سائر حروف المعجم نحو قوله تعالى من امن الخ۔“

امام شاطبی شاطبیہ مطبوعہ مصر ص ۱۶ میں فرماتے ہیں:

وحرك لورش كل ساكن اخر صحيح بشكل الهمز واحذفه مسهلا

نیز اسی مجموعہ قراءت میں رسالہ طیبہ حافظ محمد ابی جزی ص ۱۱۰ میں فرماتے ہیں:

وانقل لمي الآخر غير حرف مد لورش الا كتابيه اسد

اس قاعدہ عامہ سے استدلال اگرچہ اثبات مدعی میں تام ہے مگر خاص اسی قدح کی تصریح بھی مفسرین نے فرمادی۔
تفسیر روح المعانی علامہ آلوسی بغدادی جلد ۵ ص ۴۸۰ سورہ مومنون میں ہے: ”وقرء ورش عن نافع قد فلح
بإستبقاء حركة الهمزة على الدال وحذف فيها لفظاً لالتقاء الساكنين كما قال أبو البقاء وهي الهمزة الثالثة
بعد نقل حركتهما والدال الساكنة بحذف الاصل لانه لا يعتد بحركتها العارضة۔“
اور بلاشبہ اسی قاعدہ کی رو سے، جس جگہ یہ قاعدہ پایا جاتا ہو اس جگہ ہمزہ کو گرا دینا جائز ہے اگرچہ مروی اثبات ہو۔
تیسرے ص ۷۲ میں ہے: ”ابن كثير والكسائي وسلوا الله من فضله وسل الذين اذا كان امرا مواجها
وكان السين والواو والفاء بغير همزة حيث وقع الوجوه في اتمام القرأت العشرة۔“
حافظ شیخ محمد ص ۱۶۷ میں ہے: ”ونقل خلف واسال وفاسئل وسلوا وفاسئلوا كالکسائي۔“
معلوم ہوا کہ واسئلوا کو وسلوا اور فاسئلوا کو فسلوا پڑھنا صرف قاعدے کی رو سے جائز ہی نہیں ہے بلکہ عبد
اللہ ابن کثیر دارمی مکی اور علی بن ہمزہ نحوی کسائی کو فی اور خلف ابن ہشام بزاز سے مروی ومنقول ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

کتاب الفرائض ۱۲

مسئلہ از شہر مرسلہ بعض اصحاب ہلسنت بواسطہ مولانا حسن رضا خاں ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۲۲ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے انتقال کیا۔ اس کے ایک وارث نے اس کی تجہیز و تکفین
و فاتحہ سوم و پہلم کے مصارف اپنے مال سے کئے۔ متروکہ ہندہ سے یہ کل مصارف مجرادے جائیں گے یا نہیں یا بعض؟
اور بعض کون کون سے؟ بینوا بالصواب توجروا یوم الحساب۔

الجواب

صرف مصارف تجہیز و تکفین اگر مطابق سنت کے ادا کیا ہو یعنی جس قدر صرف کفن و دفن میں ہوا، بشرطیکہ اس میں
قد رست پانچ کپڑوں اور کفن مثل سے زیادتی نہ کی ہو، اور اگر پانچ کپڑوں یا کفن مثل سے زیادتی کی تو یہ بھی مجرانہ ہوگا۔
بلکہ یہ ٹھہرے گا کہ وہ ایک سلوک تھا، جو اس نے بطور خود کیا۔
عقود الدریۃ میں ہے: خانیہ اور اس میں عیون سے ہے: ”اذا کفن الوارث السمیت من مال نفسه
والاجنبی لا۔“

وراس میں فتاویٰ القرویہ اور اس میں جمع الفتاویٰ سے ہے: ”ان کفنه باکثر من کفن المثل لا يرجع لان احد
الورثة لا یملکھ وھل لہ ان يرجع فی التركة بقدر کفن المثل قالوا لا يرجع لان اختیارہ ذلک دلیل التبرع اہ۔“
اور کفن و دفن کے علاوہ فاتحہ سوم و چہلم وغیرہا کے مصارف مجرانہ ہوں گے۔
خطاوی حاشیہ در مختار میں ہے: ”التجہیز لا یدخل فیہ السبح والصمدیۃ والجمع والموائد لان ذلک لیس من الامر
اللازمۃ فالفاعل لذلك ان کان من الورثة بحسب علیہ من نصیبہ ویكون متبرعا وکذا لو کان اجنبیا۔“ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ از شہر بریلی مرسلہ ۲۶ رجب المرجب
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ میں کہ یہ جواب اور تصحیح صحیح ہیں یا غلط؟ بر تقدیر ثانی صحیح
جواب کیا ہے؟ (نقل سوال)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنی بیماری کی حالت میں ڈھائی مہینہ
پیشتر مرنے سے کہا کہ مکان میں نے اپنے پسر زید کو دیا، چاہے مجھ سے لکھوالو۔ اس صورت میں ترکہ ہندہ کا درمیان ایک
لڑکی زینب اور پسر زید کے کتنے سہام پر منقسم ہوگا؟ بینوا توجروا۔
الجواب: اس صورت میں گو ہندہ نے کل مکان پسر کو ہبہ کر دیا مگر مرض کی وجہ سے ہبہ فی الثلث ہوگا اور دو ثلث درمیان

بیٹا بیٹی کے حسب قاعدہ فرائض تقسیم ہوگا لہذا بعلم من الفقہ واللہ تعالیٰ اعلم۔ عبدالوہاب البھاری عفا اللہ عنہ الباری
الجواب صحیح بشرطیکہ قبضہ موہوب لہ کا یا اس کے متولی کا حالت حیات ہندہ پایا گیا ہو۔
محمد یسین عفی عنہ مدرس اول مدرسہ سرائے خادم بریلی۔

الـجـواب

جواب اور صحیح دونوں غلط ہیں۔ اولاً صورت مسئلہ میں (کہ اپنے وارث کو ہبہ کیا۔) بوجہ مرض ہبہ فی الثلث نافذ ماننا، تمامی نصوص شرعیہ فقہیہ کو پس پشت ڈال کر اجتہاد کی ٹھاننا ہے۔ دعویٰ خفیت اور نہ صرف خفیت بلکہ سرگروہ احناف کرام بن کر اس طرح تصریحات علماء احناف کرام سے ڈیڑھ اینٹ کی چٹنا، فاضل بھاری سے سخت تعجب خیز اور حیرت انگیز امر ہے۔ عبارات کتب تو پکار پکار کر یہ کہہ رہی ہیں کہ وہ ہبہ بے اجازت مغیرہ دیگر ورثہ، محض باطل و بے اثر ہے۔ کیونکہ مرض الموت میں ہبہ، حکم وصیت میں ہے۔

علامہ عبداللہ بن احمد بن محمود، کنز الدقائق کتاب الوصایا باب العتق فی المرض مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۲۳۷ میں فرماتے ہیں: ”تحریرہ فی مرض موتہ وقولہ بانہ وھبتہ وصیۃ۔“ اور وارث کے لئے وصیت بے اجازت دیگر ورثہ باطل ہے، لغو ہے کہ ثلث وغیرہ کسی حصہ میں اصلاً نافذ نہیں ہو سکتی۔

علامہ سراج الدین اوشی فتاویٰ سراجیہ مطبوعہ مصطفائی کانپور ص ۲۲۴ میں فرماتے ہیں: ”الوصیۃ للوارث تنفذ باجازۃ الورثۃ بعد الموت۔“

اگر فتاویٰ و مطولات پر نظر نہ تھی تو وقت افتاء حواشی درسیات ہی ملاحظہ فرمائے ہوتے کہ اس میں صاف تصریح فرماتے ہیں: ”الوصیۃ لاجانب بالزائد علی الثلث وللأقارب مطلقاً بدون الاجازۃ اہ بقدر الحاجة“ (السراجی مطبع النظامی ص ۳۰) لہذا فی حاشیۃ الشریفی المطبوع فی شوکتہ الاسلام لکھنؤ ص ۹۔

ثانیاً آپ کا دو ثلث درمیان بیٹا بیٹی کے تقسیم کرانا، بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ بلکہ بر تقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث و وارث آخر و تقدیم مقدم کل مکان ہندہ کا بموجب ”لذکر مثل حظ الانثیین“ تین سہام پر منقسم ہو کر، دو سہام پر اور ایک دختر کو ملے گا۔

ثالثاً مجیب صاحب کا ”ہکذا بعلم من الفقہ“ تحریر فرما دینا، عجب دلاوری و بکف چراغی، ہے۔ اجتہاد بے بنیاد اور فقہ کی طرف اسناد؟ حضرت مجیب صاحب! یہ پتھو شریف نہیں کہ چونے پر عدم جواز یتیم کا فتویٰ دے کر ساختہ حدیث کے دامن میں چھپ بیٹھے۔ جب کسی نے لقمہ دیا تو فوراً فرمایا! ہاں: وہ حکم فقہ کا ہے اور میں نے حدیث کی رو سے کہا ہے اور پھر خفی کے خفی بلکہ سرگروہ احناف کرام۔

رابعاً صحیح صاحب نے اگرچہ حکم شرعی یا دفرما کر بشرطیکہ الخ بڑھا کر مجیب صاحب کی اصلاح چاہی و لکن صدق القائل ع لن یصلح العطار ما افسده الدهر:

خامساً قبضہ متولی کی بھی ایک ہی کہی۔ مولانا! نابالغ کے لئے ولی ہوتا ہے اور متولی وقف پر۔ اللہم احفظنا

من الغباوة والغواية۔

بالجملة کل ترکہ ہندہ تین حصہ ہو کر ایک نہ نب اور دو حصے زید کو ملیں گے واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

۱۔ زید نے انتقال کیا۔ دو لڑکا ایک لڑکی اور ایک بیوی وارث چھوڑا۔ ہر ایک وارث کو شرعاً کتنا کتنا حصہ متروکہ

چیزوں میں ملے گا؟

۲۔ زید کی متروکہ اشیاء میں مکان بھی ہے تو کیا مع اس کی زمین کے اس مکان میں لڑکی کو بھی حصہ ملے گا یا نہیں؟ اور

بصورت شق اول کیوں؟

۳۔ زید کے وارثوں میں جو زمین اجمال سے حاصل کی گئی ہے۔ تو کیا اس حاصل کردہ زمین میں لڑکی اور بیوی کو بھی

حصہ ملے گا یا صرف دونوں لڑکے ہی کو؟

۴۔ زید کے انتقال کے بعد وارثوں نے مکان بنایا۔ اس میں کچھ اسباب مثلاً دھرن، کڑی وغیرہ زید کے بڑے

لڑکے کے سسرال کی ہے۔ تو کیا ان اسبابوں میں اور وارثوں کا بھی حصہ ہوگا؟

۵۔ نمبر ۱ میں جو ورثاء مذکور ہیں۔ قبل اس کے کہ جائیداد متروکہ زید آپس میں تقسیم کی جائے، زید کا بڑا لڑکا نوکری کرتا

ہے اور چھوٹا کاشتکاری، بڑے لڑکے نے اپنی نوکری کے ذریعہ سے کچھ زمین حاصل کی تو کیا اس زمین میں کل وارثوں کو

حصہ ملے گا یا کسی کو نہیں یا صرف دونوں لڑکے ہی کو؟

۶۔ اہلیہ زید نے قبل تقسیم جائیداد، اپنی لڑکی سے کچھ روپیہ قرض لے کر شرکت میں خرچ کیا۔ تقسیم جائیداد کے وقت زید

کے چھوٹے لڑکے نے اپنی والدہ کے کہنے سے اپنے حصہ رسدی قرض کا دو آدمی کے مقابل میں اقرار کر کے اس دین کے

بدلے میں اپنی ہمشیرہ کو کچھ زمین ہی زبانی بلا دستاویز دے دیا تھا۔ اب کچھ روز کے بعد زید کا چھوٹا لڑکا اس دین سے انکار

کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس وقت مصلحتاً دین کو لازم کر لیا تھا۔ کیا شرعاً وہ لازم کردہ دین چھوٹے لڑکے پر واجب الادا ہے یا

نہیں؟ فقط۔ بینوا تو جروا۔

المستفتی سید ابوالقاسم در بھنگوی ۲۱ شعبان ۱۴۲۲ ستمبر ۱۹۴۰ء

الجاب

۱۔ کل ترکہ زید کا چالیس حصہ ہو کر ثمن یعنی پانچ حصے بیوی اور سات حصے بیٹی اور چودہ چودہ حصے دونوں بیٹے کو ملیں

گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۔ زید کے ترکہ میں جو پچھرائی رتی ہوگا، مکان، دوکان، اثاث البیت وغیرہ سب کا سب، ورثاء کو حصہ رسدی ملے

گا۔ لڑکی کا حصہ بھی واجب ہے۔ قال تعالیٰ: ”لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ“ (النساء: ۱۱) ”بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔“ (کنز الایمان) واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۔ جواب مطابق نمبر ۲ ہے۔ جو زمین اجمال سے حاصل کی گئی اور زید کی ملک ہے۔ وہ اس کے مرنے کے بعد تمام ورثاء و حصہ مقررہ کے مطابق ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۴۔ زید کے انتقال کے بعد جس وارث کو جو چیز بذریعہ خریداری یا ہبہ، سسرال سے یا کسی جگہ سے حاصل ہو، وہ خاص اس کی ملک ہوگی۔ وہ زید کے ترکہ میں دیگر ورثاء کو نہ ملے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۵۔ بڑے لڑکے نے نوکری کے ذریعہ سے جو زمین حاصل کی اور وہ اس کے نام سے ہے، وہ اس کی ملک ہے۔ اس میں کسی دوسرے کو کچھ نہ ملے گا۔ اس لئے کہ ترکہ زید کی ملک میں تقسیم ہوگا، نہ اس کے بیٹے کی کمائی اور اس کی حاصل کردہ شے میں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۶۔ جو روپیہ اہلیہ زید نے اپنی لڑکی سے قرض لیا اور جس کے حصے رسدی کا زید کے چھوٹے لڑکے نے اقرار کیا تو بموجب قاعدہ مقررہ ”المراء یؤخذ باقرارہ“ وہ دین اس کے ذمہ واجب ہے۔ اس کی ادائیگی اس کے ذمہ لازم ہے، انکار بے سود ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

۱۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین از روئے شرع متین اس مسئلہ میں کہ حکیم نظام الدین صاحب نے، جس کو عرصہ بارہ سال ہوا انتقال کیا اور چھوڑا چار لڑکے ایک لڑکی، ایک بیوی کو۔

۲۔ حکیم نظام الدین صاحب نے اپنے حین حیات میں متعدد شادیاں کیں۔ ایک بیوی سے ایک لڑکی صدیقہ، ایک بیوی سے ایک لڑکا نصیر الدین، ایک بیوی سے دو لڑکے معین الدین و نعیم الدین اور ایک بیوی سے ایک لڑکا محمد اسحاق اور ایک بیوی مسماۃ منیرن۔ حکیم نظام الدین صاحب کے انتقال کے وقت بڑے لڑکے نصیر الدین کی عمر تقریباً چوبیس برس تھی اور شادی باپ کی زندگی میں ہو چکی تھی۔ باپ کی جگہ پر پیشہ طبابت کرنے لگے۔ معین الدین کی عمر بیس سال تھی اور شادی ہو چکی تھی۔ اور دو لڑکے نابالغ تھے۔ نعیم الدین جس کی عمر بارہ سال تھی اور محمد اسحاق جس کی عمر چھ سال تھی۔ صدیقہ کی عمر تیس سال، شادی شدہ تھی۔

۳۔ از روئے شرع کس کو کتنا ترکہ ملے گا۔ بحساب انگریزی آنہ پائی کے لکھا جائے تاکہ تقسیم میں آسانی ہو۔

۴۔ حکیم نظام الدین صاحب کے انتقال کے بعد ان کی تمام جائیداد بڑے لڑکے حکیم نصیر الدین کے حصے میں آئی۔ اور برابر مطب کی آمدنی سے جو باپ کی راج گدی تھی، فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ دریافت طلب یہ بات ہے کہ باپ کی گدی اجمال میں شمار کی جائے گی یا نہیں؟ کیونکہ فائدہ اور نقصان اسی گدی سے حاصل ہوتا رہا ہے۔ یعنی گدی سے جواب تک فائدہ اٹھا رہے ہیں وہ رقم بھی اجمال میں شامل کر دی جائے گی یا نہیں؟

۵۔ اگر چند شخص مل کر اپنی رائے اور تخمینہ سے بغیر لحاظ شریعت، متوفی کا متروکہ، تقسیم کر دیں تو ایسے اشخاص عند اللہ ماخوذ ہوں گے یا نہیں؟ اور ایسی تقسیم کو ماننا چاہئے کہ نہیں؟ فقط بینوا بالکتاب و تو جروا بیوم الحساب

الجواب

حسب ضابطہ فرائض بعد تقدیم مایقدم، کل ترکہ حکیم نظام الدین کا ۷۲ حصے ہو کر ۹ حصے مسماۃ بی بی منیرن زوجہ متوفی اور ۱۲-۱۲ چاروں لڑکے نصیر الدین، معین الدین، نعیم الدین، محمد اسحاق اور ۷ حصے دختر مسماۃ صدیقہ کو ملیں گے۔ ترکہ میں بڑے چھوٹے، شادی شدہ، کنوارے کی کوئی تفریق نہیں، نہ اولاد میں ایک بیوی یا چند بیویوں سے ہونے میں کچھ فرق ہے۔ سب اولاد ہونے میں برابر ہیں، ترکہ میں بھی برابر ہوں گے۔ جو جائداد یا اشیاء ملک حکیم نظام الدین کی ہے، سب ترکہ میں تقسیم ہوں گے، چاہے کسی کے قبضہ میں ہو۔ اگر کوئی شخص خلاف شریعت متوفی کا ترکہ تقسیم کرے گا، وہ باطل و بے اثر ہوگا۔ ”إِذَا الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ“ (الانعام: ۵۷ / یوسف: ۴۰ / یوسف: ۶۷) ”حکم نہیں مگر اللہ کا“۔ (کنز الایمان) ایسے لوگ عند اللہ ماخوذ ہوں گے۔ ایسی تقسیم کو ماننا صحیح نہیں ہے۔ ہاں اگر سب ورثہ بخود مصالحت کر لیں اور کوئی شخص کم یا زیادہ لینے پر آپس میں بلا دباؤ و اکراہ کے راضی ہوں، تو اس میں مضائقہ نہیں۔ لیکن خلاف شرع کسی کا حصہ نہ دینا یا متروکہ مورث میں سے کسی چیز کا، کسی وارث کا دبا لینا اور قبضہ ناجائز کر لینا، صحیح نہیں۔ تخریج مسئلہ کی حسب قاعدہ فرائض اس طرح ہوئی۔ رہا آنہ پائی کے حساب سے مسائل کا مطالبہ کرنا، یہ بے سود اور بے نتیجہ محض ہے۔ اگر ترکہ صرف ایک روپیہ ہوتا تو ایک بات تھی ورنہ پھر پائیوں کی کسرات کو پائی بنانا اور پائیوں سے آنہ کرنا اور ان آنوں کو روپیہ کر کے تقسیم کرنا یہ خود ایک مشکل کام ہوگا۔ لیکن حسب خواہش سائل آنہ پائی بنا کر بھی لکھ دیا جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمد ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ سینیر مدرس مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ

مسئلہ، ت ۷۲ حکیم نظام الدین

زوجہ	ابن	ابن	ابن	ابن	بنت
مسماۃ بی بی منیرن	نصیر الدین	معین الدین	نعیم الدین	محمد اسحاق	مسماۃ بی صدیقہ
۹/۹	۱۲	۱۲	۱۲	۱۲	۷
۲	۳/۱/۳	۳/۱/۳	۳/۱/۳	۳/۱/۳	۳/۲/۶/۱

یعنی روپیہ میں سے ۲ حق زوجہ مسماۃ بی بی منیرن کا ہوا اور چاروں لڑکے میں ہر ایک ۳/۱ پائی ۱/۳ یعنی انگریزی پائی کی تہائی اور مسماۃ بی بی صدیقہ دختر کا اس کا نصف ۶/۱ پائی اور انگریزی پائی کا دو تہائی۔ واللہ اعلم

☆☆☆☆☆

مسئلہ از موضع ابوسعید پور، مجید پور، اعظم گڑھ مرسلہ مولوی عبدالکریم خاں حنفی ۲۵ ذیقعد ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید سنی المذہب حنفی نے انتقال کیا اور ان کے

ورثاء شیعہ مذہب ہیں اور بعض اہلسنت وجماعت۔ پس متروکہ متوفی موصوف الذکر سے شریعت اہلسنت وجماعت کو ہی دی جائے یا غیر ملت کو بھی؟ بینوا تو جروا۔

الجبواب

زید کے ورثاء شیعہ المذہب اگر حضرات شیخین خواہ ان میں سے ایک کی بھی شان میں گستاخی کرتے ہوں، اگر چہ صرف اسی قدر کہ انہیں امام و خلیفہ برحق نہ جانتے ہوں یا قرآن شریف میں تحریف و تبدیل کے قائل ہوں یا حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ وائمہ اطہار رضی اللہ عنہم انا للیل وانا للنہار کو حضرات انبیاء کرام سابقین علیہم الصلوٰۃ من رب العالمین سے افضل بتاتے ہوں یا روافض کے مجتہدان حال (جنہوں نے اپنے فتوؤں میں ان کفریات کا اقرار کر لیا ہے) کے پیرو ہوں یا لا اقل انہیں دینی عالم و پیشوا جانتے ہوں تو وہ کتب معتمدہ فقہیہ کی تصریحات اور عامہ اہل ترجیح و فتویٰ کی تصحیحات پر مطلقاً کافر ہیں۔

در مختار، طحاوی، خلاصہ، خزائنہ المفتیین، فتح القدیر، وجیز امام کردری، جوہرہ نیرہ، تبیین، بدائع، اتحاف الابصار والبصار، فتاویٰ القرویہ، واقعات المفتیین، برجندی، فتاویٰ ظہیریہ، مجمع الانہر، شرح کنز ملا مسکین، نظم الفرائد، تیسیر المقاصد، بحر الرائق، حاشیہ علامہ شلمی علی التبیین میں ہے: ”فی الروافض من فضل علیا علی الثلثۃ فمبتدع وان انکر خلافتہ الصدیق او عمر رضی اللہ عنہما فهو کافر۔“

”رافضیوں میں جو شخص مولیٰ علی کو خلفاء رضی اللہ عنہم سے افضل کہے، گمراہ ہے اور اگر صدیق یا فاروق رضی اللہ عنہما کی خلافت کا انکار کرے تو کافر ہے۔“

امام قاضی عیاض مالکی شفا شریف میں بہت سی یقینی اجماعی کفریات بیان کر کے فرماتے ہیں: ”وکذلك من انکر القرآن او حرفا منه او غیر شیئا منه او زاد فیہ۔“

”یعنی اور اسی طرح وہ بھی قطعاً اجماعی کافر ہے جو قرآن شریف یا اس کے کسی حرف کا انکار کرے یا اس میں کچھ بدلے، قرآن میں اس موجود سے کچھ زیادہ بتا دے۔“ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

از دفتر بید اہل السنۃ والجماعت بتاریخ ۱۰ ماہ صفر المظفر ۱۳۶۹ھ یکم ماہ بنگلور۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہماری جماعت اہل السنۃ والجماعت، حنفی المشرّب میں زمانہ قدیم سے فاتحہ مروجہ کا رواج چلا آ رہا ہے۔ مندرجہ ذیل نمازوں کے بعد دعاؤں میں فاتحہ اس طرح پڑھی جاتی ہے کہ امام دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے ہوئے بلند آواز میں الفاتحہ کہتا ہے اور امام کے ساتھ مقتدی آہستہ سورہ فاتحہ ایک بار، سورہ اخلاص تین بار پڑھا کرتے ہیں۔ پھر امام اور مقتدی درود شریف بلند آواز سے پڑھنے کے بعد دعا ختم کرتے ہیں۔ جن نمازوں میں فاتحہ مروجہ پڑھی جاتی ہے، وہ یہ ہیں:

(۱) فجر کی نماز کے بعد دعائیں (۲) نماز جمعہ کے بعد سنتوں سے فارغ ہونے کے بعد کی دعائیں (۳) خطبہ نکاح کے بعد دعائیں (۴) نماز جنازہ کے بعد دعائیں (۵) قبرستان میں موتی کی تدفین کے بعد دعائیں۔

تقریباً چار ماہ ہوئے، مسجد کی امامت کے لئے ایک امام صاحب کا تقرر ہوا۔ امام موصوف نے فاتحہ مروجہ کے پڑھنے سے یکسر انکار کر دیا۔ وہ نہ نماز فجر کے بعد دعائیں فاتحہ مروجہ پڑھتے ہیں، نہ بعد نماز جمعہ سنتوں سے فارغ ہونے کے بعد دعائیں ثانی میں، نہ خطبہ نکاح کے بعد دعائیں، نہ نماز جنازہ کے بعد دعائیں، نہ موتی کی تدفین کے بعد دعائیں۔

ہم اہلسنت وجماعت، حنفی المشرّب ہیں۔ اس لئے آپ سے ہماری مخلصانہ گزارش ہے کہ فاتحہ مروجہ کے مذکورہ بالا طریقہ کے جواز یا عدم جواز کے متعلق دلائل کے ساتھ روشنی ڈالیں تاکہ حق و صواب ظاہر ہو جائے اور سب لوگ صحیح راہ اختیار کریں۔ مینوا تو جروا

المستفتی غلام دستگیر خان، صدر جمعیت بید اہل سنت والجماعت جنوبی ہند

الجبواب

فاتحہ مروجہ مذکورہ فی السوال بلاشبہ جائز ہے۔ اور اس کی اصل احادیث شہیرہ کثیرہ صحیحہ سے ثابت۔ اور اس کے جواز و استحسان پر بہت سی تصریحات علماء کرام و مفسرین عظام و محدثین فخام و صوفیائے ذوی الاحترام سے قائم ہیں۔ جس میں کلام نہ کرے گا نہ روہانی بے شعور یا منکر مغرور۔ ”مَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُّورٍ“ (النور: ۴۰) ”اور جسے اللہ نور نہ دے، اس کے لیے کہیں نور نہیں۔“ (کنز الایمان)

سورہ فاتحہ کی فضیلت، احادیث میں اس قدر وارد جن سے ادنیٰ اہل علم بھی ناواقف نہیں ہو سکتا۔ اس کو افضل القرآن فرمایا، اس کی قراءت دوثلث قرآن کے برابر قرار دی، ”لا مثل لها فی القرآن“ اس کی شان میں فرمایا۔ مولانا عبدالعزیز صاحب تفسیر فتح العزیز میں فرماتے ہیں: ”این سورہ رانا مہا بسیارست۔ از آنجملہ قرآن عظیم زیرا کہ ایں سورہ در جمیع سورا عظیم و افضل ست در ثواب۔“

اسی میں ہے: ”عبید بن حمید در مسند خود از ابن عباس رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت می کند کہ فاتحۃ الكتاب برابر ثلث قرآن ست در ثواب و در روایات بسیار کہ نزد حاکم..... الكتاب۔ در شعب الایمان نیز آنہارا تصحیح نموده لفظ افضل القرآن در حق ایں سورہ وارد شدہ و ابو نعیم و دیلمی از ابوالدرداء روایت کردہ اند کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ کہ فاتحۃ الكتاب کفایت می کند از آنچہ ہج چیز کفایت نمی کند و اگر فاتحۃ الكتاب را در یک پلہ ترازد و نہند و تمام قرآن در پلہ دیگر۔ فاتحۃ الكتاب ہفت چند قرآن آید الخ“

اور سورہ اخلاص کی فضیلت سے تو مسلمان کا بچہ بچہ واقف ”قل هو اللہ احد تعدل ثلث القرآن“ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اسی لئے فاتحہ مروجہ میں تین مرتبہ پڑھنا معمول کہ قرآن کا ثواب حاصل ہو۔ رواہ الامام مالک و الامام احمد فی مسندہ و البخاری و ابوداؤد و الترمذی عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ و رواہ

السخاری عن قتاده بن النعمان ورواه مسلم عن ابی الدرداء ورواه الترمذی وابن ماجه عن ابی هريرة ورواه النسائی عن ابی ایوب ورواه الامام احمد وابن ماجه عن ابی مسعود الانصاری ورواه الطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود، عن معاذ ورواه الامام احمد عن ام کلثوم بنت عقبة ورواه البزار عن جابر ورواه ابو عبیده عن ابن عباس رضی الله عنهم وفی رواية "من قرء قل هو الله احد فکانما قرء ثلث القرآن"۔ رواه الامام احمد والنسائی عن ابی اوفی روايته "من قرء قل هو الله احد ثلث مرات فکانما قرء القرآن اجمع" رواه العقيلي عن رجاء بن حیوة رضی الله عنهما۔

اور درود شریف کی برکت کا کیا کہنا۔ اس سے محروم سوائے بد نصیب ازلی کے کون ہوگا؟ کہ وہ "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا"۔ (الاحزاب: ۵۶) "اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو"۔ (کنز الایمان) کی تعمیل حکم ہے۔ درود شریف کی فضیلت میں اتنی حدیثیں وارد کہ اگر سب کو جمع کیا جائے تو مجلدات ہو جائیں۔ غرض فاتحہ مروجہ میں تین چیز پڑھی جاتی ہے۔ اور تینوں کا ثواب ابر باراں سے زیادہ وسیع اور آفتاب سے زیادہ روشن۔ رہا ان اوقات خاص میں فاتحہ قل و درود شریف پڑھنا، یہ کوئی بات پوچھنے کی نہیں۔ اس لئے کہ جو امر شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بلا قید زمان و مکان و اشخاص وارد ہو، اس کو جو شخص جس وقت کرے گا اور جس مکان میں بجالائے گا، سب اسی امر مشروع کا ایک فرد قرار پائے گا جب تک کہ خاص اس کی ممانعت وارد نہ ہو۔

امام نووی فرماتے ہیں: "اعلم ان المصافحة سنة مستحبة عند كل لقاء وما اعتاده الناس بعد صلاة الصبح والعصر لا اصل له في الشرع على هذا الوجه ولكن لا بأس به فان اصل المصافحة سنة وكونهم محافظين عليها في بعض الاوقات ومفرطين عليها في كثير من الاحوال لا يخرج ذلك البعض عن كونه من المصافحة التي ورد الشرع باصلها۔"

اور اس مسئلہ کی پوری تحقیق اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کے رسالہ "الحجة الفاتحة بطيب التعيين والفاتحة" اور حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب رامپوری کے رسالہ "عمدة الفاتحة في ادلة جواز العرس والفاتحة" اور فقیر غفرلہ کا رسالہ "مواهب ارواح القدس لكشف حكم العرس" میں درج ہے۔ من شاء التفصيل فليراجع اليها والله اعلم ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۶۹ھ مطابق ۳۱ جنوری ۱۹۶۰ء

کتبہ الفقیر ظفر الدین القادری عفی عنہ بمحمد المصطفیٰ النبی الامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۶۹ھ مطابق ۳۱ جنوری ۱۹۶۰ء



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے..... بنک گھر میں جمع تھی۔ اس نے اپنے حقیقی بھائی وارث شرعی کو محروم کرنے کے لئے ایک غیر شخص کے نام بہیہ نامہ عوض حق الخدمۃ کا لکھا کہ اس کے رجسٹری کرادی۔ ہنوز وہ دستاویز

ہبہ نامہ اس موہوب لہ کو واپس نہیں ملی اور نہ روپیہ بنک گھر سے اس کو وصول ہوئے۔ اب بعد لکھانے اور رجسٹری کرانے کے زید کو خیال آیا کہ میں نے ورثائے شرعی کو محروم کر کے ایک غیر شخص کے نام روپیہ ہبہ کر دیا۔ اس واسطے اب وہ اس کو ہبہ کو ناجائز رکھتا ہے اور اس کو فسخ کر کے روپیہ خود وصول کرنا چاہتا ہے۔ تو یہ فسخ ہبہ جائز ہے یا نہیں اور وہ اپنے روپیہ کے واپس لینے کا مختار ہے یا نہیں؟ اور زید چونکہ دو ماہ سے سخت علیل ہے۔ اس وجہ سے یہ ہبہ نامہ غیر شخص کے نام لکھایا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ بعد میرے مرنے کے، میرے وارث شرعی مالک ہو جائیں۔ بیواؤ تو جروا۔

ال جواب

ہبہ بے قبضہ تمام نہیں ہوتا۔ تو اگرچہ ہبہ نامہ لکھ کر اس کی رجسٹری کرادی لیکن جب روپیہ بنک گھر سے وصول نہ ہوئے تو یہ ہبہ محض نام تمام و بے اثر رہا۔
در مختار میں ہے: ”وتتم الهبة بالقبض الكامل۔“
اسے ہر وقت نہ دینے کا اختیار ہے۔ اور اسے ایسا ہی کرنا چاہئے، کہ بلا وجہ شرعی وارث کو محروم کرنے کی نیت سخت شنیع ہے۔

حدیث میں ہے: ”من قطع میراث ولارثہ قطع الله میراثہ من الجنة۔“ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

(یہ چار فتاویٰ فائنل پرنٹ نکلنے کے بعد دستیاب ہوئے۔ اس لیے موضوعات کا خیال کئے بغیر انھیں ضمیمے کے طور پر شامل کر لیا گیا۔ احقر اس سلسلے میں محبت گرامی مفتی محمد عبدالرحیم نشتر فاروقی زید کرمہ کا ممنون ہے۔ ۱۲ اسما حل) مسئلہ از بہار شریف محلہ خانقاہ مسلہ مولوی محمد سعید ۱۳ رذی الحجہ ۱۳۲۶ھ

مشفتی مخلصی جناب مولوی ظفر الدین صاحب مد مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے بعد التماس خدمت ہے چند مسائل یہاں لوگوں میں درپیش ہیں۔ ان کو آپ مہربانی کر کے مع سوال اس کا جواب مع عبارات کثیرہ اور حوالہ کتب کے لکھ کر اور جناب اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی مدظلہ العالی کے دستخط اور مہر سے مزین فرما کر بہت جلد ضرور ارسال فرمائیے۔ خداوند تعالیٰ اجر جزیل عطا کرے گا۔

مسئلہ یہ ہے کہ (۱) فرائض خمسہ اور نماز عیدین و جمعہ و نوافل میں بعد قرأت فاتحہ کتاب کے ایک ہی رکعت میں ضم سورہ میں ایک ہی سورہ کو دو بار یا تین بار درمیان میں رک جانے کی وجہ سے یا بغیر رک جانے کے عمدایا سہوا پڑھنے میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ (۲) اور بر تقدیر سہوا سجدہ سہو لازم کہ نہیں؟ اگر لازم ہوا اور نہ کیا گیا تو کیا حکم ہے؟ (۳) اور ان سبھوں میں تکرار سورہ خاص، موجب تاخیر رکن کا ہوا کہ نہیں؟ اگر اس سے تاخیر رکن ہوئی تو ترک واجب ہوا یا نہیں؟ (۴) اور لزوم سجدہ سہو میں سب نمازوں کا حکم مساوی ہے یا عیدین اور جمعہ کے لیے کوئی حکم مخصوص ہے؟ (۵) اور ان سب نمازوں میں سورہ فاتحہ مکرر عمدایا سہوا پڑھی جائے تو کیا حکم ہے؟ (۶) اور سب نمازوں میں سورہ فاتحہ کا تکرار اور ضم سورہ کا تکرار دونوں برابر ہے یا دونوں میں فرق ہے؟ بینوا تو جروا

الاجاب

مخلص الاخوان و احب الاخلاص مکرمی اکرمکم اللہ تعالیٰ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
آپ کا سوال کثیر الاذیال چند مسائل کو شامل اور متعدد صورتوں کو مشتمل۔ بعد قرأت فاتحہ ایک ہی رکعت میں سورت دو یا چند بار رک جانے کی وجہ سے پڑھی یا بے رک کے بر تقدیر ثانی عمدایا سہوا فان التکرار لا جل الحصر انما یکون عمداتو یہ تین صورتیں ہیں۔ پھر ان میں ہر ایک فرائض میں ہوگی جن میں جمعہ بھی شامل یا واجبات میں کہ وتر عیدین کو مشتمل یا سنن مؤکدہ میں کہ تراویح وغیرہ کو تناول یا نفل مطلق میں، یہ چار ہوئیں اور بلحاظ انقسام بہ منفرد و امام ولا ثالث لهما لان المقندی لا حظ له فی القراءۃ وازانجا کہ جمعہ و عیدین میں انفرادنا متصور، یہ چار بحق امام چھ کی طرف منحل ہوں گی خمسہ جمعہ عیدین وتر سنن نوافل اور بحق منفرد چار ہی رہیں گی اور مجموعہ تیس صورتیں ہوں گی کمالا یخفی ان سب کا حکم بمثل یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں سہوا کچھ نہیں اور عمدایا غیر فرائض میں منفرد کو مطلقاً جائز۔ ہاں اس کے سبب یہ رکعت اپنی پہلی سے طویل فاحش پیدا کرے تو مکروہ تنزیہی اور امام کو مطلقاً ناجائز جبکہ مقتدیوں پر ثقیل کرے رہے۔ فرائض ان میں نفس کراہت علی الاطلاق ہے اور تطویل ہو تو دوہری کراہت اور ثقیل ہو تو امام کے حق میں معصیت۔

عالمگیر یہ میں فرمایا: اذا کرر آیه واحده مراراً فان کان فی التطوع الذی یصلی وحده فذلک غیر مکروہ و ان کان فی الصلاۃ المفروضۃ فهو مکروہ فی حالۃ الاختیار واما فی حالۃ العذر والنسیان فلا بس به لکن فی المحيط۔

باقی احکام کے نقول آئندہ آتے ہیں اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ ان میں کسی صورت میں سجدہ سہو نہیں۔ فرائض میں عہد ہوا تو صرف کراہت ہے اور عہد میں سجدہ سہو نہیں اور سہو پر صاف فرمایا کہ کوئی حرج نہیں اور ترک واجب ہوتا تو حرج ضرور تھا، نمازیں قصور تھا جس کے جبر و تلافی کو سجدہ لازم تھا۔ ضم سورہ میں تکرار سورہ موجب تاخیر رکن نہیں کہ سورت بہ تکرار، سورت ہی رہے گی نہ کہ کوئی اور صورت۔ اور قرآن عظیم جتنا پڑھا جائے قرآن ہی ہے، نہ کہ فصل بالا جنبی جو مستلزم تاخیر رکوع ہو و لہذا علمائے کرام نے تصریح فرمائی کہ اگر بعد فاتحہ چند سورتوں کو جمع کر کے پڑھے یا سورت کے بعد پھر سورہ فاتحہ پڑھے تب بھی کچھ واجب نہیں کہ قرأت اولیٰ کے متصل ہی رکوع ضرور نہیں کما سیاتی تصریحہ من العلامة الشامی قدس سرہ السامی تمام نمازوں میں سہو کا ایک ہی حکم ہے مگر مشائخ کرام نے جمعہ و عیدین میں (کہ عادتاً ان کی جماعت بڑی ہوتی، مجمع عام خواص و عوام ہوتا ہے) فتنہ و تشویش بے علماں کے خیال سے بحالت سجدہ سہو ساقط جانا۔

عالمگیریہ میں مضمرات اور نیز محیط سے ہے: السہو فی الجمعة والعیدین والمکتوبة والتطوع واحد الا ان مشایخنا قالوا لا یسجد للسہو فی العیدین والجمعة لثلا یقع الناس فی فتنہ.

سورہ فاتحہ مکرر ہونے کی بھی متعدد صورتیں ہیں کہ تکرار صرف قبل سورت کئی بار پڑھنے سے ہوئی یا صرف بعد یا یوں کہ قبل و بعد دونوں جگہ تلاوت کی اور بہر حال سہو یا عہد یہ چھ صورتیں ہیں۔ پھر تکرار کسی رکعت غیر لازمة القراءة میں ہوگی کہ خمس غیر الفجر کی ماعدہ الاولین ہے یا لازمة القراءة میں کہ مذکور کے سوا جملہ رکعات فرائض و واجبات و سنن و نوافل ہیں پھر بلحاظ انقسام بہ منفرد و امام اس تقسیم اخیر کی قسم اول بارہ اور اخیر از انجا کہ حق امام میں نمازیں چھ اور حق منفرد میں چار ہیں کما تقدم ساتھ جملہ بہتر صورتوں کی کما لا یخفی علی متعلم ذہین فضلاً عن فاضل مثلاً فطین ان بارہ میں تکرار مطلقاً موجب سجدہ سہو نہیں۔

شرح مدیہ میں ہے: وفید بالاولین لا ان الاقتصار علی مرة فی الاخرین لیس بواجب حتی لا یلزمہ سجود السہو بتکرار الفاتحہ فیہما سہوا.

ہاں قصد اہو تو تکرار دو صورت اخیرہ جن میں بعد سورت قرأت فاتحہ ہے مطلقاً ممنوع کہ عکس ترتیب ہے اور صورت اولیٰ امام کے لیے مکروہ تحریمی جب کہ مقتدیوں پر ثقیل ہو۔

ردالمحتار میں ہے: ولو تعمده لا یکرہ مالم یؤدالی التطویل علی الجماعة او اطالة الركعة علی ما قبلها.

درمختار میں ہے: ولو تعمده لا یکرہ مالم یؤدالی التطویل علی الجماعة او اطالة الركعة علی ما قبلها.

درمختار میں ہے: اطالة الثانية علی الاولى یکرہ تنزیہاً اجماعاً.

ردالمحتار میں ہے: فی شرح المنبة الاصح کراہة اطالة الثانية علی الاولى فی النفلایضا.

اور ان ساتھ میں اگر عہد اہو تو مطلقاً ناجائز و گناہ مگر دو صورت اخیر میں کہ تکرار فاتحہ قبل سورت نہیں، صرف ممانعت ہے۔

لترك واجب القراءة نماز کی حاجت نہیں لعدم ترك واجب الصلاة اور صورت اولیٰ میں کہ تکرار قبل سورت ہے اعادہ بھی واجب لترك الواجب وهو ضم السورة اور اگر سہو اہو تو صورت اولیٰ میں سجدہ آئے گا کما مر اور دو صورت اخیرہ میں کچھ نہیں لعدم ترك شی من الواجبات.

ذخیرہ وغیرہ میں ہے: فلو قرء ہا فی رکعة من الاولین مرتین وجب سجود السہولتاخیر الواجب وهو السورة وکذالو قراء اکثر ہائم اعادھا کما فی الظہیریۃ۔
 عالمگیریہ میں ہے: ولو کررہا فی الاولین یجب علیہ سجود السہو بخلاف مالو اعادھا بعد السورة او کررہا فی الآخرین کذا فی التبین۔
 روا مختار میں ہے: اما لو قرء ہا قبل السورة مرة وبعد ہا مرة فلا یجب کما فی الخانیۃ واختارہ فی المحيط والظہیریۃ والخلاصۃ وصححہ الزاہدی لعدم لزوم التاخیر لان الركوع لیس واجبا باثر السورة فانه لو جمع بین سور بعد الفاتحة لا یجب علیہ شی کذا فی الجر۔
 اسی میں قبیل امامت ہے: انہم نصوا ان القراءة علی الترتیب من واجبات القراءة فلو عکسہ خارج الصلاة یکرہ فکیف لا یکرہ فی النفل۔

اس کے بیان واجبات میں ہے: انہم قالوا یجب الترتیب فی سور القرآن فلو قرأہ منکوسا ثم لکن لا یلزمہ سجود السہولان ذلك من واجبات القراءة لا من واجبات الصلاة کما فی البحر۔
 یہیں سے ظاہر ہوا کہ تکرار فاتحہ و تکرار سورت کا حکم مختلف ہے وقد مضی التفصیل علیہ التعویل هذا ما عند هذا لعبد الذلیل والعلم بالحق عند ربنا العلی الجلیل وصلى الله تعالى على خير خلقه سيدنا محمد وآله اجمعين بالتکريم والتجلیل۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ از ڈھا کہ مشرقی بنگال مرسلہ مولانا حافظ احسن الدین

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد وفات حضرت ﷺ جو شام چلے گئے تھے وہاں سے پھر واپس تشریف لائے یا نہیں اور مدینہ منورہ میں شاہزادوں کے حکم سے اذان دی یا نہیں اور وہیں مدفون ہوئے یا نہیں اور قصیدہ حضرت بلال کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الـجـواب

اس بارے میں روایتیں مختلف ہیں مگر اکثر کا قول ہے کہ شام میں انتقال فرمایا اور حلب میں مدفون ہوئے۔
 اصابعہ میں ہے: ثم خرج بلال بعد النبی ﷺ مجاہدا الی ان مات بالشام پھر بعد وصال اقدس ﷺ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہاد کے لیے شام گئے اور وہیں انتقال فرمایا۔
 اسی میں ہے: قال البخاری مات بالشام فی زمن عمر امام بخاری نے کہا کہ حضرت بلال نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت میں شام میں انتقال فرمایا۔
 اسد الغابہ میں ہے: وذهب الی الشام فسکن فیہ حتی مات پھر حضرت بلال شام چلے گئے یہاں تک کہ وہیں انتقال فرمایا۔

تقریب اجتہاد امام ابن حجر میں ہے: مات بالشام۔ شام میں انتقال فرمایا۔

اصابہ میں ہے: وفي المعرفة لابن مندة انه دفن بحلب.

اسد الغابہ میں ہے: وقال علی بن عبد الرحمن مات بلال بحلب ودفن علی باب الاربعین علی بن عبد الرحمن نے کہا کہ بلال نے حلب میں انتقال فرمایا اور باب الاربعین میں مدفون ہوئے۔

اسی میں ایک قول کا تب واندی کا نقل کیا کہ دمشق میں انتقال فرمایا اور باب الصغیر میں دفن ہوئے اور ایک روایت میں ہے: بعد شام جانے کے خواب میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے فرمایا اے بلال! کیا تجھے اس کا وقت نہیں آیا کہ تو ہماری زیارت کرے۔ پس یہ غمگین ہو کر جاگے اور مدینہ طیبہ کے قصد سے سوار ہوئے اور روضہ اقدس پر حاضر ہوئے اور روتے اور لوٹتے تھے کہ صاحبزادگان حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما تشریف لائے حضرت بلال دونوں صاحبوں کو چومتے اور گلے لگاتے پس دونوں نے فرمایا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آج صبح کی اذان تم دو پس مسجد کی چھت پر چڑھے اور فرمایا اللہ اکبر گونج اٹھا مدینہ اور جب کہا اشہد ان لا الہ الا اللہ زیادہ ہوا گونجنا اس کا پھر جب کہا اشہد ان محمدا رسول اللہ پردے والی عورتیں اپنے پردوں سے نکل آئیں ذکر ہا فی اسد الغابہ۔ اور قصیدہ حضرت بلال میری نظر سے نہیں گزرا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ از دوست پور ضلع سلطانپور مرسلہ حاجی عبداللہ خان صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ایک مسجد منہدم تھی۔ اس کو ایک شخص نے اس طور پر درست کرا کے چھت پٹوائی جو کہ شہید ہونے والی ہے، بالکل غیر مستحکم۔ راجوں کا بیان ہے کہ یہ بہت جلد شہید ہو جائے گی۔ اسی لئے اہل محلہ چاہتے ہیں کہ چھت کو گرا کر دیواروں پر کھیریل ڈلوادیں تاکہ دیواریں بھی محفوظ رہیں اور سایہ بھی ہو جائے۔ آیا ان کو یہ کام کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ینوا تو حروا

الجواب

وقف کی تعمیر اسی طرح چاہیے جس طرح اصل میں تھی کما نص علیہ فی الاشباہ وفتح القدیر وغیرہما تو اگر اہل محلہ استطاعت رکھتے ہیں کہ کمزور چھت کو مستحکم کر دیں یا اسے اتار کر مضبوط الحکم چھت بنوادیں تو چھت ہی بنوائیں اور اگر استطاعت نہیں اور چھت کے گر جانے کا ظن غالب ہے تو جائز ہے کہ اس کے بدلے کھیریل ڈلوادیں پھر جب استطاعت ہو اس وقت بنوائیں واللہ یعلم المفسد من المصلح۔

مضممرات پھر ہندیہ پھر طحاوی پھر شامی میں ہے: مسجد منبی اراد رجل ان ینقضہ وینہ احکم لیس له ذلك لانه لا ولاية له اه۔

رد المحتار پھر تارخانہ میں ہے: الا ان یخاف ان ینہدم ان لم یہدم۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ از اٹاواہ مرسلہ مولانا مولوی عبدالمصطفیٰ وصی علی صاحب

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ ایک زوج و زوجہ میں کسی امر خانگی پر ضد بڑھ گئی۔ زوج نے کہا دیکھو اگر تم میرا کہنا نہ مانو گی تو میں تمہیں طلاق دیتا ہوں پھر کہا دیکھو مانو نہیں تو طلاق دیتا ہوں۔ اس پر زوجہ نے سخت کلامی کی۔ زوج نے کہا تم پر طلاق ہے۔ جب دونوں کا غصہ فرو ہو چکا تو سخت پشیمان ہوئے۔ اب جواب طلب یہ امر ہے کہ یہ تین طلاقیں مانی جائیں گی یا صرف پچھلی ایک طلاق مانی جائے گی کیونکہ اول دو بار میں محض طلاق کا قصد اور آمادگی پائی جاتی

ہے، نہ صریح طلاق۔ البتہ تیسری بار میں طلاق صریح ہے۔ پس یہ طلاق رجعی ہوئی یا نہیں اور شوہر پھر رجوع کر سکتا ہے یا نہیں اور اگر یہ طلاق بائن ہے تو کس قسم کی ہے؟ آیا شوہر زوجہ سے پھر نکاح کر سکتا ہے یا حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ کی حد میں آگئی؟

(۲) حیوان قربانی کا پوست و کلد و پارچہ و امعا وغیرہ فروخت کر کے قیمت اس کی نذر تعمیر مسجد کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(۳) قربانی کا جانور ایسے فروخت کرنے والے سے خرید کر سکتا ہے کہ فرد شدہ جانور مذکور خریدار کا مقروض ہے۔ زر قرضہ میں قیمت حیوان قربانی کی خریدار محسوب کر سکتا ہے یا نہیں؟

(۴) قصاب کو قبل ذبح قربانی کے صاف کرنے اور بنانے کی اجرت معین کر لینی چاہیے یا بعد قربانی کرنے کے بطور خود قصاب مذکور کو اس کی اجرت دی جائے صورتہائے مذکورہ میں مفصل طور پر ارشاد فرمایا جائے۔ بینوا توجروا

الجابواب

(۱) صرف ایک طلاق رجعی ہوئی کہ دونوں پہلے قول اس کے تعلق تطلق ہیں نہ تعلق طلاق اور ان سے عرفاً ارادہ عزم ظاہر ہے اور دونوں باردیکھو کا لفظ معنی تخویف کی طرف ناظر ہے ولا یثبت الطلاق بالشک ہاں! اس سے بنیت ایقاع طلاق یہ کہے تو طلاق مغلطہ ہوگئی۔ اب بے حلالہ حلال نہیں ہو سکتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) کر سکتے ہیں اگر مسجد کے لیے بیع کیا ہو اور اپنے لئے بیچا پھر ارادہ مسجد میں دینے کا کر لیا تو نہیں دے سکتا بلکہ

فقراء پر صدقہ کرنا واجب ہے لہٰذا نہ حاصل بوجہ خبیث۔ عالمگیر یہ میں ہے: ویتصدق بروثها و اذا کان هذا بالروث فالتصدق بالاطراف وغیرہا اولیٰ اور ظاہر ہے کہ اس تصدق سے مراد صدقہ واجبہ نہیں بلکہ نافلہ ہے جو جمیع قربات کو شامل کما حقته فی رسالتی اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیۃ الی المساجد۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) ہاں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) قبل ذبح یا بعد ذبح کے اختیار ہے، البتہ قبل بنانے کے مقرر کر لینا چاہیے۔

عالمگیر یہ کتاب الا جارہ شرائط انعقاد جارہ میں ہے: ومنہا ان تكون الاجرة معلومة۔ اجرت دینے میں اس کا ضرور خیال رہے کہ اجرت اپنے پاس سے دے۔ اضحیہ کے گوشت یا پوست سے ادائے اجرت صحیح نہیں۔

ہدایہ میں ہے: ولا یعطى اجر جزار من الاضحیۃ لقوله ﷺ لعلى رضى الله عنه تصدق بجلالها وخطامها ولا تعط اجر الجزار منها شيئا۔ اضحیہ کی جھول اور مہار کو صدقہ کر دے اور اس سے کچھ قصاب کی اجرت میں نہ دے۔ رواہ الاثمة الستة الا الترمذی عنه رضى الله تعالى عنه۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆

کتابیات

مآخذ و مراجع

تفسیر

نمبر	اسماء کتب	اسماء مصنفین	سن وفات
۱	افضل القرآن	شہاب الدین احمد ابن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲ھ
۲	البحر المحیط	شیخ اشیر الدین ابو حیان محمد ابن یوسف اندلسی	۷۷۵ھ
۳	تفسیر ابن ابی حاتم	ابو محمد عبد الرحمن ابن ابی حاتم محمد الرازی	۳۲۷ھ
۴	التفسیر لابن جریر طبری (جامع البیان)	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰ھ
۵	التفسیر لابن کثیر	علامہ اسماعیل بن عمر دمشقی	۷۷۷ھ
۶	تفسیر ابن مردودیه	احمد بن موسیٰ ابن مردودیه	۴۱۰ھ
۷	التفسیر لابن السعود (ارشاد السليم)	علامہ ابوالسہود محمد بن محمد العمادی الحنفی	۹۸۲ھ
۸	التفسیرات الاحمدیہ	احمد بن ابوسعید معروف بہ ملا جیون	۱۱۳۰ھ
۹	تفسیر البیضاوی	عبد اللہ بن عمر البیضاوی	۶۹۱ھ
۱۰	تفسیر الجلالین	علامہ جلال الدین المحلی و جلال الدین السيوطی	۸۰۰-۹۱۱ھ
۱۱	تفسیر جمل علی الجلالین	سليمان ابن عمر بجلی معروف بہ جمل	۱۲۰۴ھ
۱۲	التفسیر الحسینی	شیخ تکی بخاری گجراتی بن محمود ابن محمد الحسینی	
۱۳	التفسیر للخازن (لباب التأویل فی معانی التنزیل)	علاء الدین علی بن محمد الخازن	۷۷۱ھ
۱۴	تفسیر روح البیان	شیخ اسماعیل حقی	
۱۵	تفسیر الصاوی علی الجلالین	شیخ احمد بن محمد الصاوی المالکی	
۱۶	تفسیر الفتوحات الربانیہ	عبد العزیز الحکیم	

۱۷	التفسیر الکبیر	امام فخر الدین الرازی	۵۶۰۶ھ
۱۸	التفسیر الکشاف	جار اللہ محمود بن عمر الزخشری	۵۵۳۸ھ
۱۹	التفسیر للنیشاپوری	نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین النیشاپوری	۵۷۲۸ھ
۲۰	تفسیر النہر المار من البحر	شیخ اثیر الدین ابو حیان محمد بن یوسف اندلی	۵۷۲۵ھ
۲۱	التفسیر للواحدی	امام علی بن احمد بن محمد ابو الحسن الواحدی نیشاپوری	۵۴۶۸ھ
۲۲	التفسیر الیمنی		
۲۳	تنویر المقیاس فی تفسیر ابن عباس	ابوطاہر محمد ابن یعقوب فیروز آبادی	۵۸۱۷ھ
۲۴	جامع احکام القرآن	قاضی ابو عبد اللہ محمد بن احمد ابو بکر بن عربی قرطبی مالکی	۵۶۷۱ھ
۲۵	حاشیہ تفسیر بیضاوی	علامہ شہاب الدین خفاجی	۵۱۰۶۹ھ
۲۶	حاشیہ تفسیر بیضاوی	علامہ قونوی	
۲۷	الدر الممشور	علامہ جلال الدین عبدالرحمن سیوطی	۵۹۱۱ھ
۲۸	روح المعانی	سید محمود بن عبداللہ الآلوسی البغدادی	۵۱۲۷۰ھ
۲۹	فتح البیان فی مقاصد القرآن	صدیق حسن خان بھوپالی	۵۱۳۰۷ھ
۳۰	فتح الرحمن لطالب آیات القرآن	فیض اللہ علمی زادہ	
۳۱	مدارک التزیل	ابوالبرکات عبداللہ بن احمد النسفی	۵۷۱۰ھ
۳۲	معالم التزیل	ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی	۵۵۱۶ھ

حدیث

۱	اتحاف السادة المحدثین فی شرح احیاء علوم الدین	سید محمد مرتضیٰ زبیدی بلگرامی	۵۱۲۰۵ھ
۲	احیاء علوم الدین	امام ابو حامد محمد ابن محمد غزالی	۵۵۰۵ھ
۳	الادب المفرد	امام محمد بن اسماعیل البخاری	۵۲۵۶ھ
۴	ارشاد الساری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی	۵۹۲۳ھ
۵	الاستیعاب	ابو عمر یوسف ابن عبدالبر قرطبی	۵۳۶۳ھ
۶	اشعة اللمعات	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۵۱۰۵۲ھ

۵۵۵۸ھ	شہر دار بن شہر ویہ الدیلمی	الافراد	۷
۵۶۴۳ھ	محمد بن محمود ابو عبیدہ بن حسن بغدادی معروف بہ ابن النجار	تاریخ ابن نجار	۸
۵۶۵۶ھ	امام محمد بن اسماعیل البخاری	التاریخ	۹
۵۶۶۳ھ	ابو بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی	التاریخ للبغداد	۱۰
۵۵۷۱ھ	علامہ علی بن الحسن معروف بہ ابن عساکر دمشقی	تاریخ دمشق	۱۱
	عبد الجبار الخولانی	التاریخ	۱۲
۵۶۷۱ھ	ابو عبد اللہ محمد ابن احمد القرطبی	التذکرۃ للقرطبی	۱۳
۵۶۵۶ھ	زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المندری	الترغیب والترہیب	۱۴
۵۱۳۴۳ھ	ابو الحسنات عبدالحی فرنگی محلی	العلیق المجد حاشیہ الموطا امام محمد	۱۵
۵۱۰۵۲ھ	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	جامع البرکات	۱۶
۵۶۷۹ھ	امام ابو یوسف محمد بن یوسف الترمذی	جامع الترمذی	۱۷
۵۶۶۳ھ	ابو بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی	الجامع لاخلاق الراوی والسامع	۱۸
۵۹۱۱ھ	جلال الدین عبد الرحمن بن ابو بکر السیوطی	الجامع الصغیر فی الحدیث	۱۹
۵۶۳۰ھ	ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی	حلیۃ الاولیاء	۲۰
	علامہ سیف الدین ابو جعفر بن عمر الحمیری الحنفی	الدر النظیم فی مولد النبی الکریم	۲۱
۵۱۱۷۶ھ	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین	۲۲
۵۶۵۸ھ	ابو بکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	دلائل النبوة	۲۳
۵۶۷۳ھ	ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ	سنن ابن ماجہ	۲۴
۵۶۷۵ھ	ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی	سنن ابوداؤد	۲۵
۵۶۵۹ھ	ابو بکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	سنن بیہقی	۲۶
۵۶۹۵ھ	علی بن عبد الدار قطنی	سنن دار قطنی	۲۷
۵۶۵۵ھ	عبد اللہ بن عبد الرحمن الدارمی	سنن دارمی	۲۸
۵۶۰۳ھ	امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی	سنن نسائی	۲۹
۵۹۱۱ھ	جلال الدین عبد الرحمن بن ابو بکر السیوطی	شرح ابن ماجہ	۳۰

۱۱۰۹ھ	محمد ابوالطیب سندھی	شرح جامع ترمذی	۳۱
۶۹۱ھ	عبداللہ بن عمر البیضاوی	شرح جامع صغیر	۳۲
۱۰۱۲ھ	ملا علی بن سلطان القاری	شرح الشفا	۳۳
۶۷۶ھ	شیخ ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی	شرح المسلم	۳۴
۱۱۲۲ھ	علامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	شرح موطا امام مالک	۳۵
۱۱۲۲ھ	علامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	شرح المواہب اللدنیہ	۳۶
۲۵۸ھ	امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	شعب الایمان	۳۷
۵۲۲ھ	قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ مالکی	الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ	۳۸
۷۷۶ھ	تقی الدین علی بن عبدالکافی السبکی	شفاء السقام فی زیارة خیر الانام	۳۹
۲۵۲ھ	محمد بن حبان	صحیح ابن حبان	۴۰
۲۵۶ھ	امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری	صحیح البخاری	۴۱
۲۶۱ھ	امام مسلم بن حجاج القشیری	صحیح المسلم	۴۲
۳۲۰ھ	محمد بن سعد	طبقات ابن سعد	۴۳
		طبقات اصغہا نیین	۴۴
۷۷۳ھ	شرف الدین حسین بن محمد بن عبد اللہ الطیبی	طیبی شرح مشکوٰۃ	۴۵
۱۲۰۵ھ	سید محمد مرتضیٰ زبیدی بلگرامی	عقود الجواهر المنیفہ فی روایۃ الامام ابی حنیفہ	۴۶
۱۳۲۹ھ	ابوالطیب شمس الحق بن شیخ امیر علی عظیم آبادی	عون المعبود علی سنن ابی داؤد	۴۷
۸۵۲ھ	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	فتح الباری شرح البخاری	۴۸
۹۰۲ھ	امام محمد ابن عبد الرحمن سخاوی	فتح المغیث	۴۹
۲۳۰ھ	ابونعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی	فوائد ابن ابی بکر بن خلاد	۵۰
۱۱۷۶ھ	شاہ ولی اللہ / مترجم خرم علی بلہوری	القول الجمیل ترجمہ شفاء العلیل	۵۱
۳۶۵ھ	ابواحمد عبد اللہ ابن عدی	اکامل	۵۲
۱۸۹ھ	امام محمد ابن حسن شیبانی	کتاب الآثار	۵۳
۲۸۱ھ	ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن عبید بن ابی دنیا القرشی	کتاب الاخوان	۵۴

۵۵	کتاب الصحابہ	ابوموسیٰ المدینی	
۵۶	کتاب العلل	ابو محمد عبدالرحمن بن ابی حاتم محمد الرازی	۵۳۲۷
۵۷	کتاب الفتن	نعیم ابن حماد	
۵۸	کتاب القبور	امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی النبیہقی	۵۲۵۸
۵۹	کنز العمال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین	۵۹۷۵
۶۰	مجمع بحار الانوار	محمد طاہر صدیقی	۵۹۸۱
۶۱	مرقات شرح مشکوٰۃ	ملا علی بن سلطان القاری	۵۱۰۱۲
۶۲	مسند امام احمد	امام احمد بن محمد بن حنبل	۵۲۲۱
۶۳	مسند امام اعظم	امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوئی	۵۱۵۰
۶۴	مسند ابن ابی شیبہ	ابوبکر بن ابی شیبہ	۵۲۳۵
۶۵	مسند ابو یعلیٰ	احمد بن علی الموصلی	۵۳۰۷
۶۶	مسند ابوداؤد طیالسی	سلیمان بن داؤد طیالسی	۵۲۰۴
۶۷	مسند البزار	ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق البزار	۵۲۹۲
۶۸	مسند الفردوس	شہر دار بن شیروہ الدیلی	۵۵۵۸
۶۹	المستدرک	ابو عبد اللہ الحاکم	۵۴۰۵
۷۰	المسوی شرح الموطا	شاہ ولی اللہ دہلوی	۵۱۱۷۶
۷۱	مشکوٰۃ المصابیح	شیخ ولی الدین العراقي	۵۷۴۲
۷۲	مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ	ابوبکر عبد اللہ بن محمد احمد النسفی	۵۲۳۵
۷۳	مصنف عبدالرزاق	ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی	۵۲۱۱
۷۴	المعجم الاوسط	سلیمان بن احمد الطبرانی	۵۳۶۰
۷۵	المعجم الصغیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۵۳۶۰
۷۶	المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۵۳۶۰
۷۷	المواہب اللدنیہ	احمد بن محمد القسطلانی	۵۹۲۳
۷۸	الموضوعات الکبیر	ملا علی بن سلطان القاری	۵۱۰۱۲

۷۹	موطا امام مالک	امام مالک بن انس المدنی	۱۷۹ھ
۸۰	موطا امام محمد	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹ھ
۸۱	نسیم الریاض	شہاب الدین خفاجی	۱۰۶۹ھ
۸۲	نوادیر الاصول فی معرفۃ اخبار الرسول	امام ابو عبد اللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی	۲۵۵ھ
۸۳	وفاء الوفا باخبار دارالمنطق	علی بن عبد اللہ سمہودی	

عقائد، اصول، فقہ

۱	الابانہ	لسنجرى	
۲	اتحاف الابصار والبصار		
۳	اجلی الاعلام ان الفتویٰ مطلقاً علی قول الامام	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۴	ازکی الابلال بابطال ماحدث الناس فی امر الہلال	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	
۵	اسعاف المبطل برجال الموطا	جلال الدین عبد الرحمن بن ابوبکر السیوطی	۹۱۱ھ
۶	الاشباہ والنظائر	شیخ زین الدین بن ابراہیم معروف بہ ابن نجیم	۹۷۰ھ
۷	الاصلاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰ھ
۸	الجام الصاد عن سنن الضاد	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۹	امداد المسلمین		
۱۰	انفع الوسائل	قاضی برہان الدین ابراہیم بن علی الطرطوسی	۷۵۸ھ
۱۱	ایذان الاجر فی اذان القبر	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۱۲	الایضاح		
۱۳	الباعث علی انکار البدع والحوادث	امام حافظ ابو محمد عبد الرحمن سخاوی	۹۰۲ھ
۱۴	البحر الرائق شرح کنز الدقائق	شیخ زین الدین بن ابراہیم (ابن نجیم)	۹۷۰ھ
۱۵	بدائع الصنائع	علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی	۵۸۷ھ
۱۶	براہین قاطعہ	خلیل احمد انیسٹھوی	۱۳۴۶ھ
۱۷	برکات الامداد لابل الاستمداد	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ

۱۸	البنایہ شرح ہدایہ	امام بدرالدین ابو محمد عینی	۸۵۵ھ
۱۹	تبیین الحقائق	امام فخرالدین عثمان بن علی الزیلعی	۷۷۳ھ
۲۰	الجنیس والمزید	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳ھ
۲۱	تحذیر الناس	مولوی قاسم نانوتوی	۱۲۹۷ھ
۲۲	تذکرۃ الموتی والقبور	قاضی ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵ھ
۲۳	ترغیب الصلوٰۃ		
۲۴	الترجیح واضح علی القدوری	علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفی	۸۷۹ھ
۲۵	تصحیح المسائل	علامہ فضل رسول بدایونی	۱۲۸۹ھ
۲۶	تعالیق قاسم بن قطلوبغا	علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفی	۸۷۹ھ
۲۷	تعلیم المتعلم	امام برہان الاسلام زرنوجی تلمیذ صاحب ہدایہ	
۲۸	تفہیم المسائل		
۲۹	تقویۃ الایمان	مولوی اسماعیل دہلوی	۱۸۳۱ء
۳۰	تکملۃ الرازی		
۳۱	تنبیہ الولاۃ		
۳۲	تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ	علامہ سید محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
۳۳	تنویر الابصار	شمس الدین محمد بن عبداللہ ابن احمد تمرناشی	۱۰۰۴ھ
۳۴	توضیح تلویح	علامہ سعد الدین مسعود بن عمر افتازانی	۷۹۲ھ
۳۵	الیسیر للمنادی	عبدالرؤف المناوی	۱۰۳۱ھ
۳۶	تیسیر المقاصد		
۳۷	جامع الرموز	شمس الدین محمد الخراسانی	۹۶۲ھ
۳۸	جامع الفصولین	شیخ بدرالدین محمود بن اسرائیل معروف بہ ابن قاضی	۸۲۳ھ
۳۹	جامع المضممرات		
۴۰	جد الممتار	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۴۱	جواب استفتائے رویت ہلال	امیر شریعت اول، پھلواری شریف، پٹنہ	

۴۲	جواهر الاخلاطی	برهان الدین ابراہیم بن ابوبکر الاخلاطی	
۴۳	الجوہرۃ النیرۃ	ابوبکر بن علی بن محمد الحداد الیمینی	۵۸۰۰
۴۴	حاجز البحرین الواقی عن الجمع بین الصلا تین	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۵۱۳۴۰
۴۵	حاشیۃ الدر المختار	علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی	۵۱۰۶۷
۴۶	حاشیۃ درر	محمد بن مصطفیٰ ابوسعید الخادمی	۵۱۱۷۶
۴۷	حاشیۃ شرح عقائد	علامہ حسن شہید	
۴۸	حاشیۃ شرح عقائد	علامہ احمد بن موسیٰ خیالی	۵۸۶۲
۴۹	حاشیۃ الشریفی للسرارجی	سید شریف علی بن محمد البحر جانی	۵۸۱۶
۵۰	حاشیۃ العلامة الشلی علی السبیین	احمد بن محمد الشلی	۵۱۰۴۱
۵۱	حاشیۃ کنز الدقائق	قاضی القضاۃ ابوالسعود بن محمد عمادی خفی	۵۹۸۲
۵۲	الحاوی القدسی	قاضی جمال الدین احمد بن نوح القابسی	۵۶۰۰
۵۳	الحجۃ الفائقۃ بطیب التعمین والفا تھ	اعلیٰ حضرت احمد رضا قادری برکاتی	۵۱۳۴۰
۵۴	الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ	علامہ عبدالغنی النابلسی	۵۱۱۴۳
۵۵	الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن	اعلیٰ حضرت احمد رضا قادری برکاتی	۵۱۳۴۰
۵۶	حسن التوسل	شہاب الدین احمد بن حجر مکی	۵۹۷۳
۵۷	حلیۃ المجتبیٰ	محمد بن محمد ابن امیر الحاج	۵۸۷۹
۵۸	خزانۃ المفتیین	حسین بن محمد السمعانی السمیقانی	۵۷۴۰ کے بعد
۵۹	خزانۃ الروایات	قاضی جکین الحنفی	
۶۰	درر الحکام	قاضی محمد بن فراموز ملا خسرو	۵۸۸۵
۶۱	الدر المختار علی تنویر الابصار	علامہ علاء الدین الحنفی	۵۱۰۸۸
۶۲	الدر المختار علی تنویر الابصار		
۶۳	ذخیرۃ العقبیٰ	یوسف بن جنید الجلی (حلی)	۵۹۰۵
۶۴	رد المختار علی الدر المختار	سید محمد امین ابن عابدین الشامی	۵۱۲۵۲
۶۵	روح المسائل فی الفروع	شیخ ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی	۵۶۷۶

۶۶	زبدۃ النصارح فی مسائل الذبائح	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی	۱۲۳۹ھ
۶۷	زیادات امام محمد	امام محمد بن حسن شیبانی	۱۸۹ھ
۶۸	السراج الوہاج	ابوبکر بن علی بن محمد الحداد السمنی	
۶۹	السراجی فی المیراث	سراج الدین سجاوندی	ساتویں صدی
۷۰	سل المحام الہندیۃ		
۷۱	سلک تحقیق الحقیقۃ	مطبوعہ گلزار حسینی بمبئی	
۷۲	شرح الاشباہ والنظائر	ابراہیم بن حسین بن احمد بن البیری	۱۰۹۹ھ
۷۳	شرح شرعۃ الاسلام	یعقوب بن سیدی علی زادہ	۹۳۱ھ
۷۴	شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور	علامہ جلال الدین عبدالرحمن السیوطی	۹۱۱ھ
۷۵	شرح العقائد	سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲ھ
۷۶	شرح العقائد	علامہ جلالی	
۷۷	شرح عباب		
۷۸	شرح عقود رسم المفتی	سید محمد امین ابن عابد بن الشامی	۱۲۵۲ھ
۷۹	شرح الفقہ الاکبر	ملا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۳ھ
۸۰	شرح القدوری	علامہ محمود زاہدی	
۸۱	شرح حاشیۃ الكنز	ملا مسکین معین الدین الہروی	۹۵۴ھ
۸۲	شرح اللباب		
۸۳	شرح الجمع		
۸۴	شرح مختصر وقایہ	محمود بن الیاس رومی (۸۵۱ھ میں مکمل کی)	
۸۵	شرح مختصر وقایہ	عبدالعلی برجندی (۹۳۲ھ میں مکمل ہوئی)	
۸۶	شرح المقاصد	سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲ھ
۸۷	شرح مسلم الثبوت	علامہ عبدالحق خیر آبادی	۱۳۱۶ھ
۸۸	شرح الوقایہ	صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعود	۷۴۷ھ
۸۹	شرح وہبانیہ	علامہ محمد بن محمد ابن شحنہ	۸۹۰ھ

۹۰	شرعۃ الاسلام	امام رکن الاسلام محمد ابن ابو بکر	۵۵۷۳
۹۱	شرنبالیہ	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
۹۲	صراط مستقیم	مولوی اسماعیل دہلوی	۱۸۳۱ء
۹۳	صغیری شرح منیہ	ابراہیم الحلی	۹۵۶ھ
۹۴	الصواعق المحرقة	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳ھ
۹۵	طحاوی علی الدرر	سید احمد بن محمد الطحاوی	۱۳۰۲ھ
۹۶	طحاوی علی المراقی	سید احمد بن محمد الطحاوی	۱۳۰۲ھ
۹۷	طریقہ محمدیہ ترجمہ درروہیہ		
۹۸	العطا یا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ	اعلیٰ حضرت احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۲۰ھ
۹۹	عقود الدرۃ	سید محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
۱۰۰	عمدة الرعاۃ فی حل شرح الوقایہ	ابوالحسنات محمد عبدالحی فرنگی بکلی	۱۳۰۲ھ
۱۰۱	عمدة الفاتحہ فی ادلة جواز العرس والفاکحہ	مولانا سلامت اللہ رامپوری	
۱۰۲	الغناۃ	اکمل الدین محمد بن محمد الباہریتی	۷۸۶ھ
۱۰۳	عینی شرح کنز	علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی	۸۵۵ھ
۱۰۴	غرر الاحکام	قاضی محمد ابن فراموز ملا خسرو	۸۸۵ھ
۱۰۵	غمر عیون البصائر	احمد بن محمد الحموی المکی	۱۰۹۸ھ
۱۰۶	غنیۃ المستملی	محمد ابراہیم بن محمد طبری	۹۵۶ھ
۱۰۷	فتاویٰ اسعدیہ	سید اسعد بن ابی بکر حسینی مدنی	۱۱۱۶ھ
۱۰۸	فتاویٰ آہو		
۱۰۹	فتاویٰ بزازیہ	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷ھ
۱۱۰	فتاویٰ تاتار خانہ	عالم بن العلاء الانصاری الدہلوی	۷۸۶ھ
۱۱۱	فتاویٰ الحجۃ		
۱۱۲	فتاویٰ حدیثیہ	احمد بن محمد بن حجر المکی	۹۷۳ھ
۱۱۳	فتاویٰ خلاصہ	طاہر ابن احمد عبدالرشید البخاری	۵۲۲ھ

۱۱۴	الفتاویٰ الخیریۃ لنفع البریۃ	علامہ خیر الدین ابن احمد بن علی الرملی	۱۰۸۱ھ
۱۱۵	فتاویٰ رحمانیہ		
۱۱۶	فتاویٰ رشیدیہ	رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ
۱۱۷	تفسیر السراج المنیر	محمد الخطیب الشرمینی	۹۷۷ھ
۱۱۸	فتاویٰ سراجیہ	سراج الدین علی بن عثمان الاوشی	۵۷۷ھ
۱۱۹	فتاویٰ عزیز یہ	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی	۱۲۳۹ھ
۱۲۰	فتاویٰ شیخ الاسلام البلقینی		
۱۲۱	فتاویٰ صوفیہ		
۱۲۲	فتاویٰ ظہیریہ	ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد	۶۱۹ھ
۱۲۳	فتاویٰ عالمگیریہ	جمعیت علمائے اورنگ زیب	
۱۲۴	فتاویٰ مولانا عثمان حسن دمیا طی	مولانا عثمان حسن دمیا طی	
۱۲۵	فتاویٰ علامہ قاری الہدایۃ	امام صدر الشہید حسام الدین عمر بن عبدالعزیز	۵۳۶ھ
۱۲۶	فتاویٰ غیاثیہ	داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	
۱۲۷	فتاویٰ قاضی خان	امام حسن بن منصور قاضی خان	۵۹۲ھ
۱۲۸	فتاویٰ الکبریٰ لصدر الشہید		
۱۲۹	الفتاویٰ القرویۃ		
۱۳۰	الفتاویٰ الولوالجیہ	عبدالرشید بن ابی حنیفۃ الولوالجی	۵۴۰ھ
۱۳۱	فتح القدر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد (بہ ابن الہمام)	۸۶۱ھ
۱۳۲	فتح اللہ المعین	سید محمد ابوالسعود الحنفی	
۱۳۳	فصول العمدادی	محمد بن محمود استروشی	۶۳۶ھ
۱۳۴	فوائح الرحموت	بحر العلوم عبدالعلی محمد بن نظام الدین الکندی	۱۲۲۵ھ
۱۳۵	فوائد متفرقة		
۱۳۶	فیصلہ ہفت مسئلہ	حاجی امداد اللہ مہاجرکی	۱۳۱۷ھ
۱۳۷	القنیۃ	نجم الدین مختار بن محمد الزاہدی	۶۵۸ھ

۱۳۸	القول بالاحسان التعمیم فی انتفاع المیت بالقرآن العظیم	علامہ شمس الدین بن القطان
۱۳۹	القہستانی	
۱۴۰	الکافی شرح الوافی	ابوالبرکات عبداللہ بن محمد النسی
۱۴۱	کشف الغمۃ عن جمیع الامہ	امام عبدالوہاب الشعرانی
۱۴۲	کشف الاصول	امام فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی
۱۴۳	کنز الدقائق	امام عبداللہ بن احمد بن محمود
۱۴۴	لمعة الضحیٰ فی اعفاء الضحیٰ	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی
۱۴۵	مائۃ مسائل	مولوی اسحاق دہلوی
۱۴۶	ما ثبت بالنسۃ	شیخ عبدالحق محدث دہلوی
۱۴۷	مبسوط سرخی	شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد السرخسی
۱۴۸	مجمع الانہر	الشیخ عبداللہ بن محمد بن سلیمان معروف بہ داماد آفندی
۱۴۹	مجمع البرکات	شیخ عبدالحق محدث دہلوی
۱۵۰	مجمع الروایات	
۱۵۱	مجمع الفتاویٰ	
۱۵۲	الحاکمۃ المملیۃ فی حکم جلود الاضحیۃ	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی
۱۵۳	الحیظ	امام برہان الدین محمود بن تاج الدین
۱۵۴	الحیظ للسرخی / الحیظ الرضوی	رضی الدین محمد بن محمد السرخسی
۱۵۵	الختار	
۱۵۶	مختار الفتاویٰ	
۱۵۷	المختصر	علامہ جلال الدین السیوطی
۱۵۸	المدخل	ابوعبداللہ محمد ابن محمد ابن امیر الحاج العبدری
۱۵۹	مراقی الفلاح بامداد الفتاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی
۱۶۰	مسائل اربعین	مولوی اسحاق
۱۶۱	مستخلص الحقائق شرح کنز الدقائق	ابوالقاسم بن بکر لیشی سمرقندی

۱۶۲	المستطرف	ملا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ
۱۶۳	المسک المتقط شرح منک المتوسط	محب اللہ البہاری	۱۱۱۹ھ
۱۶۴	مسلم الثبوت	امام حسان بن محمد صفانی ہندی	۶۵۰ھ
۱۶۵	مصباح الدجی	قوام الدین محمد بن محمد البخاری	۷۴۹ھ
۱۶۶	معراج الدراية	علامہ حامد آفندی	
۱۶۷	مغنی المستفتی	ناصر الدین محمد بن یوسف الحسینی	۵۵۶ھ
۱۶۸	ملقط (فی فتاویٰ ناصری)	امام ابراہیم بن محمد الحنفی	۹۵۶ھ
۱۶۹	ملقی البحر		
۱۷۰	مناسک الفاری		
۱۷۱	منہ الخالق	سید محمد امین بن عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
۱۷۲	لمنح الفکرية	ملا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ
۱۷۳	المنسک المتوسط	رحمت اللہ بن قاضی عبداللہ سندھی	۹۶۲ھ
۱۷۴	المدیة / مدیة المصلی	سید محمد بن محمد اکاشغری	۷۰۵ھ
۱۷۵	المواقف السلطانية فی علم الکلام	عضد الدین عبدالرحمن بن رکن الدین احمد	۷۵۶ھ
۱۷۶	المواهب	علامہ برہان الدین ابراہیم طرابلسی	
۱۷۷	نسخة الخلائق		
۱۷۸	النظم	زندوستی	
۱۷۹	نظم الفرائد	عبدالرحیم شیخ زادہ	
۱۸۰	التقایة مختصر الوقایة	امام عبداللہ بن مسعود	۷۴۵ھ
۱۸۱	نور الايضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
۱۸۲	نور الشمعة	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۱۸۳	النہی الاکید عن الصلوة وراء عدی التقليد	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۱۳۴۰ھ
۱۸۴	الوفائی	عبداللہ بن احمد النشفی	۷۱۰ھ
۱۸۵	واقعات المفتیین		

۱۸۶	الوجیز للکردری	بدرالدین محمد بن محمود الکردری خواہر زادہ	۵۶۵۱
۱۸۷	الوقایۃ	محمود بن صدر الشریعہ	۵۶۷۳
۱۸۸	الوقف والابتدا	ابو جعفر نحاس	۵۳۳۸
۱۸۹	المہدایۃ فی شرح البدایۃ	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۵۹۳

سیرت، تصوف وغیرہ

۱	الابریز فی علم سیدنا عبدالعزیز		
۲	احسن الوعا لآداب الدعا	علامہ نقی علی خاں قادری بریلوی	۵۱۲۹۷
۳	اذقۃ الآثام لما نعی عمل المولد والقیام	علامہ نقی علی خاں قادری بریلوی	۵۱۲۹۷
۴	الامن والعلیٰ لنا عتی المصطفیٰ بدافع البلاء	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۵۱۳۳۰
۵	بجۃ الاسرار شریف	یوسف بن جویرا لکھنوی الشطنوفی	۵۷۱۳
۶	التیسیر	علامہ ابو عمر عثمان حرانی	۵۴۴۴
۷	جامع الاصول فی الاولیاء وانواعہم	ضیاء الدین احمد مصطفیٰ کشمیری	
۸	الجوہر المنظم فی زیارة قبر النبی المکرم	شہاب الدین احمد بن حجر مکی	۵۹۷۳
۹	رسالہ طیبہ	حافظ محمد ابی جزری	
۱۰	ذیل المدعا لآحسن الوعا	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی	۵۱۳۳۰
۱۱	سبع سنابل شریف	میر عبدالواحد بلگرامی	۵۱۰۱۷
۱۲	شاطبیہ	علامہ شاطبی	۵۵۹۰
۱۳	عقد الجوہر فی مولد النبی الازہر	سید جعفر برزنجی شافعی	
۱۴	فوائد الفواد شریف	محبوب الہی حضرت نظام الدین اولیا مرتبہ حضرت امیر علاء سنجر	۵۷۲۵ ۵۱۳۳۶
۱۵	شرح البردۃ	شیخ ابراہیم بن محمد الباجوری	۵۱۲۷۷
۱۶	شرح البردۃ	علامہ خالد الازہری	
۱۷	شرح البردۃ	ملا علی بن سلطان القاری	۵۱۰۱۴

۱۸	شرح عین العلم	ملا علی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ
۱۹	قصیدہ بردہ شریف	امام ابو عبد اللہ محمد بن سعید بن حسن بصری	۶۹۶ھ
۲۰	قصیدہ دالیہ	سیدی ابوالحسنین حمدونی شاذلی	
۲۱	قصیدہ غوثیہ	محبوب سبحانی محی الدین ابو محمد سید عبدالقادر جیلانی	۵۶۱ھ
۲۲	قوت القلوب	امام ابوطالب مکی	۴۳۷ھ
۲۳	القول المنجی علی مولد البرزنجی	مشتی مالکیہ شیخ محمد بن احمد	
۲۴	کشف القناع عن اصوال سماع	مولانا فخر الدین زراوی خلیفہ محبوب الہی	
۲۵	کنز العلوم واللغة		
۲۶	الکوکب الانور علی عقد الجوہر	جعفر بن اسمعیل البرزنجی	۱۳۱۷ھ
۲۷	لسان العرب	جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور المصری	۷۱۱ھ
۲۸	مدارج النبوة	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
۲۹	مکتوبات مجدد الف ثانی	مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی	۱۰۳۴ھ
۳۰	ملفوظات	سید جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت	
۳۱	ملفوظات عزیز	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی	۱۲۳۹ھ
۳۲	ملفوظات	مخدوم جہاں شیخ شرف الدین تکی منیری	۷۸۲ھ
۳۳	النفیۃ العنبریۃ لاثبات القیام فی مولد خیر البریۃ	امام مجدد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی	۸۱۷ھ
۳۴	نفحات الانس	علامہ عبدالرحمن جامی	۸۹۸ھ



[ملک العلماء کے دست مبارک سے تحریر شدہ ایک فتوے کا عکس]

(۱) بہ حدیث محمد بن یحییٰ بن عقیل سے ہے کہ اس نے لفظوں کے سلسلے میں شیخ ابی داؤد و اس مابین حضرت
عبد بن محمد بن یحییٰ بن عقیل سے ہے کہ اس نے لفظوں کے سلسلے میں شیخ ابی داؤد و اس مابین حضرت
شیخ ابی داؤد سے ہے کہ اس نے لفظوں کے سلسلے میں شیخ ابی داؤد و اس مابین حضرت
بنا بہت و زوجہ علیہا خط دامام قیوم کے کارکن امام ترمذی سے اس کا سبب بہت بڑی طرہ پر
مجمع تیسرے میں حضرت طلحہ بن ابی اسد کا منہ سے ان لفظوں کے روایت کیا ایسا برعلیہ قیوم کے کارکن
لہم تحریر صلیتہ بنی طرہ ان شریف من حضرت جناد و شیخ ابی اسد کا منہ ان لفظوں کے مروجے میں ام
قویا و قیوم کے کارکن خان صلیتہ لہم تہن و ترقوتہ بنی طرہ اصحاب کرام و اس ابی اسد حضرت
لی شیخ ابی اسد کا منہ سے کہ انہ قیوم برعلیہ خالوا ان ہذا یومنا و کس لہ کارکن مقال لہ انہ لفظ
اقوم قیوم و کس کارکن بنی اس حدیث کو صلیفی و طرہ بنی علی بن ابی طالب اور اسود بن بلال
کے معنی روایت کیا ہے پس حدیث ابی داؤد اگرچہ ضعیف ہے مگر وہ متعدد طرق و یقیناً کثیر لکائن
سن شہر کی حدیث ہے کہ اگرچہ ظاہر خرم و لفظی جنوں ناز بہ وال ہے مگر علماء کے بعض نے برعلیہ
نہ کے حدیث کے طرف لگے ہیں اور بعضوں نے تہذیب برعلیہ کر کے کراہت کا فتویٰ دیا ہے مگر کراہت اسی
موجوہ سے ہے کہ جب کراہت و نفرت کسی امر دینی ہو سبب شریعی کی وجہ اور دینی وجہ سے نہ نفرت
کی وجہ کراہت کا اعتدال اعتبار نہیں بلکہ اب ضعیف خودی مذکور ہے کہ اس میں الدراہمنا و شریعہ
بنی حدیث ترمذی نقل کر کے لکھا ہے کہ کارکن کس مضمون میں شریعہ لائن الامامہ تہذیب و کس شریعہ
و دین کی وجہ سے قیوم کے امام بنیہ اور غازیہ بنیہ لکھا گیا ہے و اس میں ابی اسد

کلمات رضا

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری برکاتی بریلوی
کا مکتوب گرامی بنام ناظم انجمن نعمانیہ، لاہور

”مکرمی مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہ، فقیر کے یہاں اعز طلباء سے
ہیں اور بجان عزیز، ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے
مدرسے میں مدارس کے علاوہ کار افتار میں میرے معین ہیں میں یہ نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی
ہوں، سب سے زائد ہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا:

○ سنی خالص مخلص نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں

○ عام درسیات میں بفضلہ تعالیٰ عاجز نہیں

○ مفتی ہیں

○ مصنف ہیں

○ واعظ ہیں

○ مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں

○ علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں

امام ابن حجر مکی نے دوز واجر، میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے اور اب ہند بلکہ عام بلاد میں یہ
علم، علما بلکہ عام مسلمین سے اٹھ گیا ہے، فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیا کیا اور سات صاحب بنانا
چاہے جن میں بعض نے انتقال کیا، اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ بیٹھے، انھوں نے بقدر کفایت اخذ
کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع وغروب و نصف النہار ہر روز تاریخ کے لئے اور جملہ
اوقات ماہ مبارک رمضان شریف کے بھی بناتے ہیں،، (حیات ملک العلماء ص ۳)

الجمع الرضوی ۸۲/ سوداگران بریلی شریف (یوپی)

مکتبہ نبویہ - گنج بخش روڈ - لاہور (پاکستان)